تصحیح شدہ ایڈیشن

دیکھی ہوئی دنیا

جلد اول

سورت سے

شاش (تاشقند)

ترمذ

بخارا

سمرقند

مرغینان

کا دینی علمی سفر

مرتب

مفتی محمود بن مولانا سلیمان حافظجی باڑدولی دامت برکاتہم

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک، گجرات، ہند

نورانی مکاتب

www.nooranimakatib.com

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	پیش لفظ	۱۷
۲	کلمات بابرکت: حضرت مولانا سلیمان صاحب چوکسی دامت برکاتہم	۲۳
۳	پیش خدمت: حضرت مولانا ابراہیم صاحب کاوی رحمۃ اللہ علیہ	۲۷
	احادیث ہم تک کس طرح پہنچی	
۴	احادیث نبی کریم ﷺ سے حضرات محدثین تک	۳۹
	آدابِ سفر	
۵	ادب کے فوائد	۴۷
۶	اسلام کی جامعیت	۴۷
۷	سفر کے آداب	۴۸
۸	صدقہ کے برکات	۵۰
۹	رفیقِ سفر	۵۰
۱۰	امیرِ سفر کا انتخاب	۵۱
۱۱	سفر میں امیر اور ان کی اطاعت	۵۲
۱۲	دورانِ سفر احتیاط	۵۳

۱۳	ضروریاتِ سفر	۵۳
۱۴	سفر میں نماز کے اوقات کا اہتمام	۵۵
۱۵	سعودی ایئر لائن میں ایک خاص بات	۵۵
۱۶	سفر میں سامان کی مقدار	۵۶
۱۷	حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کا تقویٰ	۵۷
۱۸	سامان کے متعلق ایک خاص ہدایت	۵۷
۱۹	دوسروں کا سامان لے جانے کے بارے میں ایک خاص ہدایت	۵۹
۲۰	میزبانوں کے لیے بہترین تحفہ	۶۰
۲۱	سفر میں خفین (چمڑے کے موزے) کا اہتمام	۶۰
۲۲	نیت	۶۱
۲۳	مسافر کے دلی جذبات پر اللہ تعالیٰ کی نصرت کے فیصلے	۶۱
۲۴	رات کا سفر	۶۲
۲۵	سواری کے مالک کا حق	۶۳
۲۶	روانگی سے پہلے نفل کی فضیلت	۶۳
۲۷	سواری کے وقت دعا پڑھنے کی حکمت	۶۴
۲۸	سفر کی دعائیں	۶۴
۲۹	گھر سے روانگی کے وقت	۶۵
۳۰	سرورِ کونین ﷺ جب کسی کو رخصت کرتے تو اسے یہ دعا دیتے	۶۵

۳۱	روانگی کے وقت مکان کے دروازے پر پڑھنے کی دعا	۶۵
۳۲	سواری پر سوار ہونے کی دعا	۶۶
۳۳	سفر میں پانچ چھوٹی سورتوں کی برکت	۶۷
۳۴	مصیبت کے وقت سورۂ قریش کے پڑھنے کا فائدۂ عظیمہ	۶۸
۳۵	کشتی میں سوار ہونے کے بعد کی دعا	۶۹
۳۶	بلندی پر چڑھتے اور پستی میں اترتے وقت یہ پڑھے	۶۹
۳۷	کسی بستی میں داخل ہونے کی دعا	۷۰
۳۸	کسی آبادی میں پہنچے تو یہ دعا پڑھے	۷۰
۳۹	سفر کس وقت کرنا چاہیے؟	۷۲
۴۰	سفر کس دن کرنا چاہیے؟	۷۲
۴۱	جمعہ کے دن سفر کرنا	۷۳
۴۲	سفر میں ذکر کی فضیلت	۷۳
۴۳	درمیانِ قیام کی دعا	۷۴
۴۴	ہر تکلیف سے امان پانے کی دعا	۷۴
۴۵	مسافر کی دعا	۷۵
۴۶	دورانِ سفر و حضر کے معمولات پر بھی ثواب ہے	۷۶
۴۷	ساتھیوں کی خدمت کا ثواب	۷۶
۴۸	درمیانِ سفر شرافت کے تین کام	۷۷

۴۹	منزل پر صحیح سلامت پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر	۷۸
۵۰	ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے احکام واقسام	۷۹
۵۱	دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف جانا	۷۹
۵۲	دارالبدعت سے نکل جانا	۷۹
۵۳	جس جگہ پر حرام کا غلبہ ہو وہاں سے نکل جانا	۸۰
۵۴	جسمانی اذیّتوں سے بچنے کے لیے سفر	۸۰
۵۵	آب وہوا کی خرابی اور امراض کے خطرے سے بچنے کے لیے سفر	۸۰
۵۶	اپنے مال کی حفاظت کے لیے سفر کرنا	۸۲
۵۷	(۱)سفرِ عبرت	۸۲
۵۸	(۲)سفرِ حج	۸۳
۵۹	(۳)سفرِ جہاد	۸۳
٦۰	(۴)سفرِ معاش	۸۳
٦۱	(۵)سفرِ تجارت	۸۳
٦۲	(٦)طلبِ علم کے لیے سفر	۸۴
٦۳	(۷) کسی مقام کو مقدس اور متبرّک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا	۸۴
٦۴	(۸)اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے سفر	۸۵
٦۵	(۹)عزیزوں اور دوستوں کی ملاقات کے لیے سفر	۸۵
٦٦	ملاقات کے لیے سفر کی فضیلت	۸۵

٦٧	سفر کی شرعی مقدار	٨٦

سفر کی کارگزاری

٦٨	مصاحبینِ سفر کا تعارف	٨٩
٦٩	سفر کی تاریخ	٩٢
٧٠	ازبکستان کے سفر کے لیے ویزا کے مراحل	٩٢
٧١	رفقائے سفر	٩٢
٧٢	ویزا میں اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد	٩٤
٧٣	سورت سے دہلی	٩٤
٧٤	سفر کے لیے ناشتہ، کھانا	٩٥
٧٥	دہلی میں حاجی منصور صاحب اور حاجی عبداللہ صاحب	٩٦
٧٦	وسط ایشیا کا تعارف	٩٦
٧٧	ازبکستان کا تعارف	٩٨
٧٨	ازبکستان کا ذکر	١٠٠
٧٩	کمیونسٹوں کے بارے میں	١٠١
٨٠	حالات کی تبدیلی کا اوّل مرحلہ	١٠٢
٨١	حالات میں تبدیلی کا دوسرا مرحلہ	١٠٤
٨٢	علما پر سختیوں کی انتہا	١٠٥
٨٣	حالات میں تبدیلی کا تیسرا مرحلہ: دین مٹاؤ تحریک	١٠٧

۸۴	نام ونشان نہ رہے، ایک زبردست گندی سازش	۱۰۹
۸۵	دنیا کے دوسرے لوگوں سے رابطہ ہی کاٹ دیا	۱۱۰
۸۶	دیوانوں کی روئیداد، اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت فرمائی	۱۱۱
۸۷	آزادی: اللہ تعالیٰ کا فضل	۱۱۳
۸۸	رحمت اور سلامت کا مطلب	۱۱۴
۸۹	روانگی سے قبل ممکنہ خطرات سے آگاہی	۱۱۵
۹۰	عبرت انگیز واقعہ	۱۱۶
۹۱	ایک بوڑھی عورت کا جہاز میں نماز پڑھنا	۱۱۶
۹۲	جہاز میں نماز	۱۱۷
۹۳	سفر میں نماز کے برکات	۱۱۷
۹۴	ہوائی اڈے پر نماز کی جگہ	۱۱۹
۹۵	سفر میں دینی وضع قطع	۱۱۹
۹۶	ہوائی اڈے پر کارروائی	۱۲۰
۹۷	شاش (تاشقند)	۱۲۱
۹۸	حضرت امام	۱۲۲
۹۹	مساجد ومدارس کی بے حرمتی	۱۲۲
۱۰۰	احاطۂ حضرت امام	۱۲۳
۱۰۱	حضرت قفال شاشی رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۴

۱۰۲	حسنِ اخلاق کی وجہ سے مجوسی کا قبولِ اسلام	۱۲۵
۱۰۳	طلبہ سے ملاقات	۱۲۶
۱۰۴	بخاری شریف اور مسلم شریف کو دیکھنے کی تڑپ	۱۲۶
۱۰۵	مدرسہ بارہ خان	۱۲۸
۱۰۶	مسجدِ بیوی خانم	۱۲۹
۱۰۷	مصحفِ عثمانی	۱۳۰
۱۰۸	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمعِ قرآن کریم	۱۳۰
۱۰۹	مصحفِ عثمانی تاشقند کس طرح آیا؟	۱۳۱
۱۱۰	نئی تعمیر شدہ مسجد میں نمازِ ظہر اور وہاں کی خصوصیات	۱۳۴
۱۱۱	نیچے والا فرشی استنجا خانہ بھی ایک مستقل نعمت ہے	۱۳۵
۱۱۲	علما توجہ دیں	۱۳۶
۱۱۳	مساجد کے طہارت خانے	۱۳۶
۱۱۴	نماز باجماعت کا خاص انداز	۱۳۷
۱۱۵	نماز کے بعد پڑھنے کا ایک عمل، فُقرا والی تسبیح	۱۳۸
۱۱۶	مساجد میں قرأت	۱۳۹
۱۱۷	نماز کے اوقات کا بورڈ	۱۳۹
۱۱۸	زبان کا اثر تہذیب پر	۱۴۰
۱۱۹	حضرت قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ	۱۴۱

۱۲۰	اپنی اصلی زبان کو باقی رکھنے کا فائدہ	۱۴۱
۱۲۱	مدرسہ گوگل داس	۱۴۱
۱۲۲	ہندوستانی مطعم	۱۴۲
۱۲۳	تاشقند میں پہلی دعوت	۱۴۳
۱۲۴	حج وعمرہ کا احترام	۱۴۳
۱۲۵	امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن میں اجنبی	۱۴۵
۱۲۶	تاشقند سے ترمذ روانگی، جہاز میں نماز	۱۴۷
۱۲۷	اسلام اپنوں میں اجنبی	۱۵۰
۱۲۸	ترمذ شہر میں	۱۵۱
۱۲۹	ترمذ شہر	۱۵۲
۱۳۰	ترمذ شہر کی صبح، پیر کا دن	۱۵۳
۱۳۱	جنّتی نہر: جَیُحُون کی زیارت	۱۵۳
۱۳۲	جَیُحُون کے کنارے کنارے	۱۵۴
۱۳۳	حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	۱۵۵
۱۳۴	حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف	۱۵۵
۱۳۵	حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ	۱۵۶
۱۳۶	حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ حدیث	۱۵۷
۱۳۷	سلطان آباد	۱۵۸

۱۳۸	حکیم صاحب کا ہاسپٹل	۱۵۸
۱۳۹	ایصالِ ثواب کا انوکھا طریقہ	۱۵۹
۱۴۰	ذکر کی جگہ	۱۵۹
۱۴۱	ایک زندہ کرامت	۱۶۰
۱۴۲	امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرف روانگی	۱۶۰
۱۴۳	ماضی اور حال کا تقابل	۱۶۱
۱۴۴	آج بھی حدیث شریف کے برکات	۱۶۲
۱۴۵	امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے حال کا منظر	۱۶۳
۱۴۶	امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	۱۶۴
۱۴۷	عجیب میٹھے تربوز اور خربوزے	۱۶۶
۱۴۸	اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا حال	۱۶۷
۱۴۹	قیمت بھی معمولی	۱۶۸
۱۵۰	امام ترمذی کی دعوت	۱۶۸
۱۵۱	شیرآباد سے بخارا کی طرف	۱۶۹
۱۵۲	اصلی دیہاتی زندگی	۱۷۰
۱۵۳	قرآنِ کریم کی تعلیم	۱۷۱
۱۵۴	باری تعالیٰ کا نظامِ رزق	۱۷۲
۱۵۵	بخارا کے راستے میں عصر کی نماز	۱۷۳

۱۵۶	بات چیت میں مشکلات	۱۷۳
۱۵۷	’’کرش یا کرشی‘‘ شہر میں	۱۷۴
۱۵۸	نول کشور	۱۷۵
۱۵۹	’’نَسَف‘‘ شہر	۱۷۷
۱۶۰	راستے کے خوب صورت پہاڑ اور سدِّ ذوالقرنین کی یاد	۱۷۷
۱۶۱	بخارا شہر میں حاضری	۱۷۸
۱۶۲	مدرسہ میر عرب	۱۷۹
۱۶۳	منگل کا روز بخارا شہر میں	۱۷۹
۱۶۴	مکاتب ومدارس کی اہمیت	۱۸۰
۱۶۵	اللہ تعالیٰ کا فضل اور مولانا رحمت اللہ صاحب کی کرامت	۱۸۱
۱۶۶	جامعِ امام بخاری	۱۸۱
۱۶۷	جامعِ امام بخاری میں درسِ بخاری	۱۸۳
۱۶۸	قصرِ عارفاں میں	۱۸۳
۱۶۹	شیخ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ	۱۸۴
۱۷۰	حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت	۱۸۴
۱۷۱	فتاویٰ قاضی خان کے مؤلف	۱۸۵
۱۷۲	قاضی خان کے مزار پر	۱۸۵
۱۷۳	مساجد ومدارس کا شہر	۱۸۶

۱۷۴	امام ابوحفص کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	۱۸۶
۱۷۵	دوگنبد والی مسجد	۱۸۷
۱۷۶	سمرقند کی طرف روانگی	۱۸۷
۱۷۷	خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کے شہر میں	۱۸۸
۱۷۸	خواجۂ جہاں یعنی حضرت خواجہ عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ	۱۸۸
۱۷۹	خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ	۱۸۹
۱۸۰	سمرقند شہر میں حاضری	۱۹۰
۱۸۱	حضرت مفتی صاحب کا عجیب خواب	۱۹۰
۱۸۲	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	۱۹۲
۱۸۳	خرتنگ کی تحقیق	۱۹۲
۱۸۴	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر درسِ بخاری	۱۹۷
۱۸۵	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے احاطے کی مسجد میں	۱۹۸
۱۸۶	ایک نوجوان لڑکی کا واقعہ	۱۹۹
۱۸۷	امام صاحب کی طرف سے ضیافت	۱۹۹
۱۸۸	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب میوزیم	۲۰۱
۱۸۹	خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	۲۰۲
۱۹۰	خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ	۲۰۳
۱۹۱	زعفران سے لکھی ہوئی یٰس شریف	۲۰۴

۱۹۲	لکھی ہوئی یٰس شریف پینے کی برکت	۲۰۴
۱۹۳	بخاری پلاؤ	۲۰۴
۱۹۴	صاحبِ بخاری اوران کی طرف سے دعوت	۲۰۶
۱۹۵	قبرستان محمدین	۲۰۶
۱۹۶	امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	۲۰۷
۱۹۷	حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کے مزار پر	۲۰۸
۱۹۸	حضرت سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ	۲۱۱
۱۹۹	تیمور لنگ	۲۱۱
۲۰۰	دولت لنگڑے کے گھر آئی	۲۱۲
۲۰۱	تیمور نام کی کثرت	۲۱۳
۲۰۲	امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ	۲۱۳
۲۰۳	فقیہ ابواللیث اور علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہما کے مزار پر	۲۱۴
۲۰۴	سمرقند سے تاشقند	۲۱۵
۲۰۵	حضرت دامت برکاتہم کی تہجد	۲۱۶
۲۰۶	حضرت دامت برکاتہم کا تہجد کے لیے ایک طریقہ	۲۱۷
۲۰۷	حضرت دامت برکاتہم کا سفر میں قیام کے لیے مسجد یا مدرسہ پسند فرمانا	۲۱۸
۲۰۸	جمعرات کا دن، صاحبِ ہدایہ کے دیار میں	۲۱۹

۲۰۹	’’فرغانہ‘‘ کی طرف	۲۱۹
۲۱۰	صاحبِ ہدایہ کے حجرے میں	۲۲۲
۲۱۱	ہدایہ کتاب لکھنے کا واقعہ	۲۲۳
۲۱۲	جامعہ ڈابھیل کے ایک طالب علم کا روزہ کے ساتھ ہدایہ پڑھنا	۲۲۳
۲۱۳	اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی متبرک جگہوں پر دعا	۲۲۴
۲۱۴	مرغینان سے تاشقند	۲۲۵
۲۱۵	مصحفِ عثمانی کی زیارت	۲۲۵
۲۱۶	گھوڑے کا گوشت	۲۲۶
۲۱۷	دورانِ سفر مسائل بتانے میں احتیاط	۲۲۸
۲۱۸	تاشقند سے دہلی	۲۲۹
۲۱۹	تاشقند کی شبِ جمعہ	۲۲۹
۲۲۰	سنت قرأت کا اہتمام	۲۳۰
۲۲۱	تاشقند میں جمعہ کی صبح	۲۳۰
۲۲۲	تاشقند کا نرالا جمعہ	۲۳۱
۲۲۳	کچھ خاص خاص باتیں	۲۳۲
۲۲۴	حج اور ڈاڑھی	۲۳۲
۲۲۵	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے حاجیوں کا فائدہ	۲۳۲
۲۲۶	عورتوں کے لباس کا حال	۲۳۲

۲۲۷	عورتوں کے ظاہری لباس کی تین حالتیں اور ایمانی غیرت	۲۳۳
۲۲۸	قبروں پر تصویر اور گھوڑے کے بال اور پنجے کا نشان	۲۳۳
۲۲۹	کھانے میں سادگی	۲۳۴
۲۳۰	امانت داری	۲۳۴
۲۳۱	پھل اور پانی	۲۳۴
۲۳۲	دعا کا اہتمام	۲۳۴
۲۳۳	فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب نوّر اللہ مرقدہ کی برکت کا ایک واقعہ	۲۳۶
۲۳۴	حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ	۲۳۶
۲۳۵	اللہ والوں کے قدم کی برکت	۲۳۷
۲۳۶	حالات کا خلاصہ	۲۳۷
۲۳۷	نعمت پر شکر	۲۳۸
۲۳۸	حضرت دامت برکاتہم کا خطاب	۲۴۰
۲۳۹	مؤلف کی دیگر مساعیٔ جمیلہ	

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	مقدمہ	
۱	عرضِ مرتب	۱۹
۲	(۱) ایک غیر مسلم پر قرآن کی تلاوت کے اثرات کا عجیب واقعہ	۲۱
۳	بھارت کے سفیر کا برطانیہ کے سفیر کو ضمانتی خط (ترجمہ)	۲۴
۴	اصل خط	۲۵
۵	مولانا علی میاں صاحبؒ کے متعلق لیبیا کے سفیر صاحب کے کلمات	۲۶
۶	(۲) قرآنِ مجید کے متعلق ایک دوسرا واقعہ	۲۶
۷	حضرت مفتی صاحب کی برکت سے ہوائی جہاز کا ایک عجیب سفر	۲۸
۸	(۳) قرآن مجید کے متعلق تیسرا واقعہ	۳۰
۹	(۴) چوتھا واقعہ	۳۳
۱۰	(۵) پانچواں واقعہ	۳۵
۱۱	پیشِ خدمت	۳۸
۱۲	خط (خواب کی تعبیر کے سلسلے میں)	۳۹
۱۳	جواب (مع تعبیرِ خواب)	۴۰

اسپین کی کارگزاری

۱۴	رفقائے سفر	۴۴
۱۵	اسپین ہمارے لیے دل چسپی کا باعث کیوں؟	۴۵
۱۶	دیرینہ آرزو اور اسپین کا سفر	۴۶
۱۷	اسپین نام کی وجہ اور اس کا جائے وقوع	۴۷
۱۸	فاتحِ افریقہ حضرت موسیٰ بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ	۴۷
۱۹	موزامبیک نام کی وجہ	۴۸
۲۰	فاتحِ اسپین طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ	۴۸
۲۱	طارق بن زیادؒ کا خواب: فتحِ اندلس کی بشارت	۴۹
۲۲	میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی: کشتیاں جلانا	۴۹
۲۳	اندلس کے ساحل پر طارق بن زیادؒ کا ولولہ انگیز خطاب	۵۰
۲۴	طارق کی دعا (اندلس کے میدانِ جنگ میں علامہ اقبال کی ترجمانی)	۵۱
۲۵	لنڈن ائیر پورٹ سے غرناطہ (Granada) کی طرف	۵۳
۲۶	رفقائے سفر	۵۳
۲۷	ہمارے لیے درسِ عبرت	۵۴
۲۸	زیتون کے درختوں کا خوب صورت منظر	۵۵
۲۹	غرناطہ ہوائی اڈے پر	۵۵

۳۰	یورپ کے ہوائی اڈوں کا نظام	۵۶
۳۱	نتیجہ ارذل کے تابع	۵۶
۳۲	جوس کا واقعہ ہمارے لیے عبرت	۵۷
۳۳	ہوٹل کی طرف	۵۹
۳۴	صرف ایک مسلمان کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس رہی ہیں	۵۹
۳۵	سفر کا پہلا دن: منگل قَصرُ الْحَمرَاء (Al-Hambra) کی طرف	۶۱
۳۶	مسلمانوں کی دَین: منظم راستے	۶۱
۳۷	جَنّۃُ الْعَرِیف کی زیارت	۶۲
۳۸	جَنّۃُ الْعَرِیف کے خوب صورت مناظر	۶۲
۳۹	ٹھنڈے پانی کے چشمے	۶۳
۴۰	عجیب سیڑھیاں	۶۳
۴۱	عجیب دل کو ہلا دینے والا جواب	۶۴
۴۲	اسلامی پرچم کی جگہ صلیب کا دل خراش منظر	۶۴
۴۳	قلعے کی سب سے اوپر والی جگہ پر نماز باجماعت پڑھنے کی سعادت	۶۵
۴۴	دین کی محنت نہ ہونے کا نتیجہ	۶۶
۴۵	ایک عبرت ناک واقعہ	۶۶
۴۶	ستر ہزار (70000) دین دار مسلمانوں کی شہادت والی جگہ	۷۰

۴۷	غرناطہ کا مشہور مدرسہ	۷۱
۴۸	عالی شان مساجد جن کو چرچوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے	۷۲
۴۹	قبلہ رخ ہڈیوں کے ڈھانچے	۷۲
۵۰	جامعِ غرناطہ	۷۳
۵۱	ایک مراکشی عرب سے ملاقات	۷۳
۵۲	مغرب کی نماز کے لیے مسجد میں اور امام کا حال	۷۴
۵۳	مغرب کی نماز امام نافعؒ کی قرأت میں	۷۵
۵۴	ہوٹل پر واپسی، کھانا اور آرام	۷۵
۵۵	سفر کا دوسرا دن: بدھ دوبارہ قَصْرُ الْحَمْرَاء کی طرف	۷۶
۵۶	قصر الحمراء میں	۷۷
۵۷	قصر الحمرا کے عجیب فوارے	۷۸
۵۸	ہوائی جہاز اور مسلمان	۷۹
۵۹	قُرطُبہ کی طرف	۸۰
۶۰	قرطبہ کے راستے کا خوش نما منظر اور انجیر کے باغات	۸۰
۶۱	کھاؤ! یہ تو ہمارے باپ داداؤں کا لگایا ہوا ہے	۸۰
۶۲	جامعِ قرطبہ	۸۲
۶۳	جامعِ قرطبہ کا حال	۸۲
۶۴	فنِ تعمیر کا عجیب نمونہ	۸۳

۶۵	تین آیات مع تطبیق	۸۴
۶۶	مسجد کی منقش چھت	۸۵
۶۷	دل دوز مناظر	۸۵
۶۸	مسلمانوں کی ذلت اور عیسائیوں کی عزت ظاہر کرنے والی تصاویر	۸۶
۶۹	آج منبر و محراب دو رکعت کے لیے ترس رہے ہیں	۸۶
۷۰	ٹورِس آفس (Tourism Office) میں ظہر کی نماز	۸۷
۷۱	وادیٔ گبیرا اور اس کا پل	۸۸
۷۲	عصر کی نماز کے لیے مسجد کی تلاش	۸۹
۷۳	ایک چھوٹی سی مسجد، اس میں بھی تالا لگا ہوا	۸۹
۷۴	امام صاحب مغرب یا عشا میں آئیں گے	۸۹
۷۵	خدا کی شانِ بے نیازی	۹۰
۷۶	دانے دانے پہ لکھا ہے کھانے والے کا نام	۹۰
۷۷	ایک اردو جاننے والے سے مختصر ملاقات	۹۱
۷۸	پورے قرطبہ شہر میں ایک ہی چھوٹی سی مسجد	۹۱
۷۹	مَدِیْنَةُ الزَّھْرَة کی طرف	۹۱
۸۰	وقت پورا ہو جانے کے باوجود اندر جانے کی اجازت	۹۲
۸۱	مَدِیْنَةُ الزَّھْرَة کی تعمیر اور عجا کتبات	۹۳
۸۲	عبد الرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت (سرزمین اندلس میں)	۹۳

۸۳	جَبَلُ الْعَرُوْس	۹۴
۸۴	قَصْرُ الْخُلَفَاء	۹۵
۸۵	دوسروں کو رعب میں ڈالنے والے محل سے ہی زوال کی ابتدا	۹۵
۸۶	تزوید میاہ	۹۶
۸۷	اشبیلیہ کی طرف	۹۷
۸۸	اشبیلیہ	۹۷
۸۹	مسجد کے دروازے پر ایک عجیب تنبیہ	۹۸
۹۰	سفر کا تیسرا دن: جمعرات	۱۰۰
۹۱	قَصْرُ الْقَزَارِیْز اور اس کے عجا کتبات	۱۰۰
۹۲	قرآنی آیتوں کے ساتھ عیسائیوں کی شرارت	۱۰۱
۹۳	اس محل کی ایک عجیب سسٹم	۱۰۱
۹۴	دل کو ہلا دینے والی بات	۱۰۲
۹۵	اموی بادشاہ کی ایک آرزو جو پوری نہ ہوئی	۱۰۳
۹۶	محل میں رقص و سرود کی محفلیں	۱۰۴
۹۷	محل کی ایک عجیب خوبی	۱۰۵
۹۸	میرے اس باغ میں اگر تم گم ہو جاؤ تو!!!	۱۰۵
۹۹	اگر زمین پر کوئی جنت ہے تو یہی ہے	۱۰۶
۱۰۰	جرالڈا ٹاور	۱۰۶

۱۰۱	ربڑ کے درخت	۱۰۷
۱۰۲	ٹورے ڈیل اورو(Torre del Oro)مینارہ	۱۰۷
۱۰۳	موڑالڈز(Moral de Horneuz)قلعہ	۱۰۸
۱۰۴	ٹرام ریلوے	۱۰۸
۱۰۵	زیتون کی خریداری	۱۰۹
۱۰۶	ہوٹل کے مقابلے میں مسجد میں قیام زیادہ پسندیدہ	۱۱۰
۱۰۷	دینی بات کرنے کی سعادت	۱۱۰
۱۰۸	اسپین کے اس سفر کا آخری دن: جمعہ	۱۱۱
۱۰۹	ایک دارالعلوم کے مہتمم کا اپنے ہاتھ سے کھانا پکانا	۱۱۱
۱۱۰	حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ کا عمل	۱۱۲
۱۱۱	مساجد میں کچن اور ضروری طعام کا سامان	۱۱۳
۱۱۲	جبلِ طارق کی طرف	۱۱۳
۱۱۳	جبلِ طارق آج بھی یورپ کے قبضے میں	۱۱۳
۱۱۴	اس وقت جبلِ طارق پر حکومت	۱۱۵
۱۱۵	جبلِ طارق کا عجیب پر کیف منظر	۱۱۶
۱۱۶	ابن المدینی کی طرف	۱۱۷
۱۱۷	جمعہ کے خطبے میں ہمارا تذکرہ	۱۱۷
۱۱۸	امام صاحب سے ملاقات اور پر لطف کھانا	۱۱۸

۱۱۹	امام صاحب نے عجیب داستانیں سنائی	۱۱۸
۱۲۰	مسجد کی دیواروں کے رونے کا واقعہ	۱۲۰
۱۲۱	غسلِ جنابت اسلام کی علامت	۱۲۲
۱۲۲	قدیم دور سے آج تک دھوکہ دہی کی ایک عجیب شکل (آسمانی نصرت کے نام)	۱۲۳
۱۲۳	قدیم دستاویز اب تک موجود ہیں	۱۲۴
۱۲۴	مالقہ کی طرف (Malaga)	۱۲۴
۱۲۵	بعض متفرق حالات	۱۲۶
۱۲۶	عربی لباس اور کاتب صاحب	۱۲۶
۱۲۷	مرتب اور منظم شہروں کی گلیاں	۱۲۶
۱۲۸	ابن رشد اندلسی کا مجسمہ	۱۲۷
۱۲۹	شہروں اور محلوں کے عربی نام	۱۲۸
۱۳۰	مسلمان سقوطِ اندلس کے بعد لاطینی ممالک کی طرف	۱۲۹
۱۳۱	اسپین میں آج بھی قیلولہ کا رواج	۱۳۰
۱۳۲	امام ''شاطبیؒ'' کے شہر کی تلاش	۱۳۰
۱۳۳	مکمل لباس پر ہمارا انداق	۱۳۱
۱۳۴	سقوطِ اندلس کی اس جانب پر ایک نظر	۱۳۶
۱۳۵	ہسپانیہ (ہسپانیہ کی سرزمین سے واپسی پر لکھے گئے)	۱۳۹

ترکی کی کارگزاری

۱۳۶	ترکی کے پہلے سفر کے رفقاء	۱۴۳
۱۳۷	ترکی کے دوسرے سفر کے رفقاء	۱۴۴
۱۳۸	ترکی کی کارگزاری	۱۴۵
۱۳۹	فتحِ قسطنطنیہ کی نبوی بشارت	۱۴۶
۱۴۰	بہترین لشکر	۱۴۷
۱۴۱	قسطنطنیہ کی طرف سب سے پہلا لشکر	۱۴۷
۱۴۲	حضرت نبیٔ کریم ﷺ اپنے خود کے مکان ہی میں ٹھہرے	۱۴۸
۱۴۳	حضرت نبیٔ کریم ﷺ اور صحابہ کی ایک بے مثال خوبی	۱۵۰
۱۴۴	حضور ﷺ سے نرالی محبت	۱۵۰
۱۴۵	حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی سے کوئی نبی کا ادب سیکھے	۱۵۱
۱۴۶	لہسن والا کھانا	۱۵۱
۱۴۷	کھانے میں لہسن اور پیاز کا مسئلہ	۱۵۲
۱۴۸	بوڑھاپے کے باوجود جہاد کا طویل سفر	۱۵۳
۱۴۹	حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی آرزو	۱۵۴
۱۵۰	حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا مزار	۱۵۵
۱۵۱	سلطان محمد فاتحؒ	۱۵۵

۱۵۲	زمین پر کشتیوں کا چلنا	۱۵۶
۱۵۳	حضرت مولانا محمد عمر پالنپوریؒ کا بیان کیا ہوا ایک عجیب نکتہ	۱۵۶
۱۵۴	ان شاء اللہ ظہر کی نماز ہم ''آیا صوفیا'' میں پڑھیں گے	۱۵۷
۱۵۵	عجیب کرامتی بزرگ	۱۵۷
۱۵۶	وہاں کی چاہت کی چیزیں	۱۵۸
۱۵۷	دنیا کا سب سے زیادہ تبرکات والا میوزیم	۱۵۹
۱۵۸	اس میوزیم کے تبرکات	۱۶۰
۱۵۹	تبرکات کے علاوہ دوسری یادگار چیزیں	۱۶۳
۱۶۰	استنبول میں دوسری تاریخی یادگاریں	۱۶۴
۱۶۱	قصرِ خلافت اور اس کی شان	۱۶۵
۱۶۲	مصحفِ عثمانی	۱۶۶
۱۶۳	مسلسل چار سو سال سے قرآن کی تلاوت کا مبارک سلسلہ	۱۶۷
۱۶۴	استنبول میں پورے یورپ کا تبلیغی جوڑ اور اس میں شرکت کی سعادت	۱۶۸
۱۶۵	حضرت حافظ پٹیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۶۹
۱۶۶	استنبول کا تبلیغی مرکز اور دینی ماحول	۱۶۹
۱۶۷	ترکی کا کھانا	۱۷۲
۱۶۸	عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر ایک ترکی عالم کا عجیب جملہ	۱۷۳
۱۶۹	حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۱۷۴

۱۷۰	ترکی کے مسلمانوں کی خدمت گزاری اور عجیب سوال	۱۷۶
۱۷۱	تبلیغی اجتماع	۱۷۸
۱۷۲	شیخ یونس ''تیونس'' بھی اجتماع میں	۱۷۹
۱۷۳	دارالعلوم زکریا ساؤتھ افریقہ اور ترکی کے طلبہ	۱۸۰
۱۷۴	توپ کاپی میوزیم میں فتحِ استنبول کا عجیب دل کش نظارہ	۱۸۱
۱۷۵	حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کا مزار	۱۸۱
۱۷۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام والی مچھلی	۱۸۲
۱۷۷	شانلی اورفہ (عرفہ) (SanliUrfa) کا تعارف	۱۸۴
۱۷۸	شانلی عرفہ (حران) کی زیارت کی تمنا	۱۸۴
۱۷۹	منیا ترکیہ (Minia Turkiya)	۱۸۶
۱۸۰	سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش کی زیارت	۱۸۶
۱۸۱	پستے کے درخت اور ''گرانا ڈا ملک'' کا حال	۱۸۷
۱۸۲	عجیب اطمینان وسکون والی جگہ	۱۸۸
۱۸۳	نمرود کا خواب	۱۸۹
۱۸۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اور خدا کی عجیب شانِ تربیت	۱۸۹
۱۸۵	پانی کا عجیب چشمہ	۱۹۰
۱۸۶	نمرود کا قلعہ اور آگ والی جگہ	۱۹۱
۱۸۷	ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لیے گوپھن	۱۹۲

۱۸۸	قیامت کے دن سب سے پہلے لباس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا جائے گا	۱۹۲
۱۸۹	آگ کا گلستاں بن جانا	۱۹۳
۱۹۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کی آگ کا ایک منظر	۱۹۴
۱۹۱	جنتی کرتہ	۱۹۸
۱۹۲	آگ میں باغ	۱۹۹
۱۹۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جنتی کرتہ	۲۰۰
۱۹۴	خدا کی عجیب قدرت کہ سب لکڑیاں مچھلیوں میں بدل گئیں!	۲۰۱
۱۹۵	حضرت ایوب علیہ السلام کا شہر	۲۰۲
۱۹۶	تفسیری روایتوں کے مطابق ایوب علیہ السلام کا بیماری والا واقعہ	۲۰۲
۱۹۷	حضرت ایوب علیہ السلام کی وفادار بیوی کی بے مثال خدمت	۲۰۳
۱۹۸	دوا کے لیے اپنے سر کے خوب صورت بال بیچ دیے	۲۰۳
۱۹۹	وہ غار جس میں بیماری کے ایام گزارے	۲۰۴
۲۰۰	بیماری سے شفا	۲۰۴
۲۰۱	آج تک پانی کا وہ چشمہ وہاں موجود ہے	۲۰۵
۲۰۲	افسوس کہ ہم وہ پانی یہاں نہ لا سکے!	۲۰۶
۲۰۳	حضرت ایوب علیہ السلام کے مزار کی طرف	۲۰۶
۲۰۴	برکت والا علاقہ اور پستے کی باڑیاں	۲۰۶

۲۰۵	قریۃ سیدنا ایوب علیہ السلام	۲۰۸
۲۰۶	حضرت ایوب علیہ السلام کا مزار مبارک	۲۰۸
۲۰۷	حضرت ایوب علیہ السلام کے مزار پر عجیب خوشبو	۲۰۸
۲۰۸	قبر سے اصلی عود کی خوشبو	۲۰۹
۲۰۹	حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا مزار مبارک پر	۲۰۹
۲۱۰	حضرت یسع علیہ السلام کی قبر مبارک پر	۲۱۰
۲۱۱	حضرت یسع علیہ السلام کا ذکرِ خیر	۲۱۱
۲۱۲	حضرت الیسع علیہ السلام	۲۱۱
۲۱۳	استنبول میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کرتہ	۲۱۴
۲۱۴	انشرٹ کی حقیقت	۲۱۵
۲۱۵	ترکی کے دینی تعلیمی نظام میں انقلابات کی کچھ داستانیں	۲۱۷
۲۱۶	ناسازگار ماحول میں دین کا کام کرنے والوں کے لیے مفید باتیں	۲۱۷
۲۱۷	عوام کو مسجد سے قریب کرنے کا بہترین طریقہ	۲۱۸
۲۱۸	اجڑے ہوئے ماحول میں دینی تعلیم کیسے جاری ہو؟	۲۱۸
۲۱۹	مدرسہ، مکتب قائم کرنا قانوناً ممنوع تھا ایسے ماحول میں	۲۱۹
۲۲۰	علم، تزکیہ اور تبلیغ (طلبہ کی حوصلہ افزا)	۲۱۹
۲۲۱	پولیس سے بچنے کے لیے	۲۲۰

۲۲۲	کاشت کاری کے عنوان سے تعلیمِ دین	۲۲۰
۲۲۳	ریلوے کے سفر کے عنوان سے دینی تعلیم	۲۲۱
۲۲۴	نماز کا اہتمام	۲۲۱
۲۲۵	مؤلف کی دیگر مساعیٔ جمیلہ	۲۲۲
۲۲۶	اہم اطلاع	۲۲۴

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۞	پیش لفظ	۲۵
۞	پیش خدمت: حضرت الاستاذ قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری	۲۹
۞	**مقدمہ**	۳۰
۞	**سفر میں پیش آنے والے کچھ متفرق واقعات**	۳۰
۱	سلام سے اسلام	۳۰
۲	کانگارو (Kangaroo) نام کا ایک جانور	۳۰
۳	آسٹریلیا اور بیرون کے دیگر مقامات کے میزبان	۳۱
۴	اصل آسٹریلیائی آدی باسی قوم کے نبیوں جیسے اخلاق	۳۱
۵	حضرت مدنیؒ کے ایک شاگردِ خاص مولانا بشیر کی عجیب مجاہدانہ دینی محنت	۳۳
۶	ہرے بھرے درختوں کے درمیان کھولتا ہوا پانی اور دھواں	۳۴
۷	پینگوئن (Penguin) ایک عجیب وغریب قسم کا پرندہ	۳۵
۸	سطح سمندر پر شیشے کی ہوٹل	۳۵
۹	جہاں سب سے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے	۳۶
۱۰	پناما میں دو سمندروں کے سنگم کا قابلِ دید نظارہ	۳۶

۱۱	دو جہازوں کے درمیان ایک ملک کی حاضری ونماز باجماعت کی سعادت	۳۷
۱۲	بار بادوز میں ایک عجیب وغریب غار	۳۸
۱۳	سمندر کے اندر عجیب وغریب مخلوقات	۳۸
۱۴	نشہ آور چیزوں کی خطرناک عادت	۳۸
۱۵	اسلامی لباس کا عمدہ اثر: پہلا واقعہ	۴۰
۱۶	دوسرا واقعہ	۴۰
۱۷	حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کا چہرہ دیکھ کر ایک ایئر ہوسٹس کے ایمان لانے کا عجیب واقعہ	۴۱
۱۸	ہمارے حضرت کے متعلق امام الفن قاری سلیمان کے عجیب کلمات	۴۳
۱۹	ہوائی جہاز میں ملنے والے کھانے کے متعلق ایک بہترین مشورہ	۴۴
۲۰	ہوائی جہاز میں ملنے والے کھانے کی قدردانی کا ایک واقعہ	۴۴
۲۱	دوسرا واقعہ	۴۵
۲۲	تیسرا واقعہ	۴۵
۲۳	سفر کے متعلق چند ضروری ہدایات	۴۶

مصر کے سفر کی کارگزاری

۲۴	رفقائے سفر کے اسمائے گرامی	۵۰
۲۵	بخارا، سمرقند کی کارگزاری کی مقبولیت	۵۲
۲۶	مصر جانے کی چاہت اور مصر کا سفر	۵۳

۲۷	مصر سے ہمارا ایمانی وروحانی رشتہ اور قرآن میں مصر کا تذکرہ	۵۳
۲۸	وادیٔ سینا بھی مصر میں ہے	۵۵
۲۹	مصر نام کی وجہ	۵۵
۳۰	مصر سے ایمان تازہ کرنے والا روحانی رشتہ	۵۶
۳۱	یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ مصر میں پیش آیا	۵۷
۳۲	موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے	۵۷
۳۳	حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں	۵۸
۳۴	حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات اور دفن کا عجیب واقعہ	۵۹
۳۵	بنی اسرائیل مصر میں	۶۰
۳۶	حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی مصر میں وفات پائی	۶۰
۳۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلی مرتبہ مصر سے نکلنا	۶۰
۳۸	قارون کے دھنسنے کا واقعہ مصر میں پیش آیا	۶۱
۳۹	مصر کی ایک اور شخصیت ''ہامان'' کا قرآنی تذکرہ	۶۱
۴۰	لفظِ فرعون کی ایک تحقیق	۶۲
۴۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام	۶۳
۴۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا واقعہ بھی مصر میں پیش آیا	۶۳
۴۳	جادوگر اور مصر	۶۴
۴۴	آج کل مصر میں جادوگر ہیں؟	۶۴

۴۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادوگر	۶۵
۴۶	قرآن میں ایک مصری مردِ مؤمن کی یادیں	۶۵
۴۷	سامری اور مصر	۶۶
۴۸	سامری کی تحقیق	۶۶
۴۹	بنی اسرائیل ایک زمانے تک مصر میں رہے	۶۷
۵۰	حضرت لقمان علیہ السلام کا مزار بھی مصر میں ہے	۶۷
۵۱	دنیا کی سب سے بڑی جنتی ندی: نیل بھی مصر میں ہے	۶۸
۵۲	دریائے نیل جاری ہونے کا ایمان افروز واقعہ	۶۸
۵۳	قاہرہ ہوائی اڈے پر	۷۰
۵۴	سفر کے موقع پر دعا کروانا حدیث سے ثابت ہے	۷۱
۵۵	سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے بنوائے ہوئے قلعے میں	۷۱
۵۶	بیرِ یوسف	۷۲
۵۷	مصریوں کے جیم کو گاف سے بدلنے پر ایک لطیفہ	۷۲
۵۸	جبلِ مُقَطَّم کی فضیلت	۷۳
۵۹	ایک قابلِ توجہ بات	۷۳
۶۰	اہلِ بیت کے مزارات پر	۷۵
۶۱	جیزہ: یوسف علیہ السلام کے زمانے کا اصل مصر	۷۵
۶۲	فسطاط شہر بننے کا عجیب قصہ: اسلام میں پرندوں کے حقوق کی رعایت	۷۶

۶۳	اہرامِ مصر کی زیارت	۷۷
۶۴	اہرام کب بنے؟	۷۷
۶۵	اہرام کی عجیب وغریب تفصیل: دو(۲)ٹن کا ایک پتھر	۷۸
۶۶	سات سوپچپن(۷۵۵)فٹ اونچائی	۷۸
۶۷	صدیاں گذر گئیں؛لیکن معمولی شگاف تک نہیں پڑا	۷۸
۶۸	ابوالہول کا مجسمہ	۷۹
۶۹	برِّ اعظم افریقہ میں قائم ہونے والی سب سے پہلی مسجد	۷۹
۷۰	اس مسجد کی روحانیت وبرکات کا حال	۸۰
۷۱	مصر کا ایک گاؤں جہاں کا ہر بچہ حافظِ قرآن ہے	۸۰
۷۲	وَّاٰوَیْنٰھُمَا اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ	۸۳
۷۳	مصر کے میوزیم میں	۸۵
۷۴	فرعون اور اس کی لاش	۸۶
۷۵	ایک حبشی عورت کا ایمانی جذبہ	۸۸
۷۶	جامعِ ازہر	۸۹
۷۷	جامعۃ الازہر؛ازہر یونیورسیٹی	۸۹
۷۸	وکیل الازہر سے ملاقات	۹۰
۷۹	جامع الحسین رضی اللہ عنہ	۹۱
۸۰	مصحفِ عثمانی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامۂ مبارک	۹۱

۸۱	علامہ بدرالدین عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے مزارات	۹۱
۸۲	شرم الشیخ کی طرف	۹۲
۸۳	بحرِ قلزم جس میں فرعون غرق کیا گیا تھا	۹۲
۸۴	باری تعالیٰ کی عجیب حکمت	۹۳
۸۵	عجیب انداز کے راستے	۹۳
۸۶	بحرِ قلزم کے کنارے ''سمکِ موسیٰ'' کی خواہش	۹۴
۸۷	''کوہِ طور'' کی طرف	۹۵
۸۸	رات کو تقریباً ایک بجے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا	۹۵
۸۹	رات کو پہاڑ پر چڑھنے کی حکمت	۹۶
۹۰	کوہِ طور پر چڑھتے ہوئے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کی لذت	۹۶
۹۱	اس درخت کی زیارت جس پر اللہ کی تجلی کا نور اترا تھا	۹۷
۹۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کا واقعہ	۹۸
۹۳	بیوی کو جمع کے صیغے سے خطاب	۹۸
۹۴	فاخلع نعلیک کی وجہ اور اس پر عمل کی سعادت	۱۰۰
۹۵	زیتون کے درخت	۱۰۱
۹۶	مدین کا کنواں	۱۰۱
۹۷	جس زیتون کے تیل کا ذکر قرآن میں ہے اس کی خریداری کی سعادت	۱۰۲
۹۸	سونے کا بچھڑا	۱۰۳

۹۹	سامری اور اس کے بچھڑا بنانے کا قصہ	۱۰۳
۱۰۰	اس پڑیا میں کونسی مٹی تھی؟	۱۰۴
۱۰۱	سامری کی پرورش حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کی تھی	۱۰۴
۱۰۲	آواز والا بچھڑا	۱۰۵
۱۰۳	بچھڑے کی تصویر والا پتھر	۱۰۶
۱۰۴	مقامِ ہارون علیہ السلام کی زیارت	۱۰۶
۱۰۵	مقامِ صالح علیہ السلام کی زیارت	۱۰۶
۱۰۶	آبارِ موسیٰ	۱۰۷
۱۰۷	عیونِ موسیٰ	۱۰۷
۱۰۸	وادئ تیہ میں	۱۰۸
۱۰۹	جیل میں بھی نوازشاتِ الٰہیہ	۱۰۹
۱۱۰	نہرِ سوئیز (Suez Canal)	۱۰۹
۱۱۱	اسکندریہ شہر	۱۱۰
۱۱۲	اسکندریہ کا کتب خانہ	۱۱۰
۱۱۳	صاحبِ قصیدہ بُردہ علامہ بوصیریؒ کے شیخ کے مزار پر	۱۱۱
۱۱۴	’’سمکِ موسیٰ‘‘ کھانے کی سعادت	۱۱۱
۱۱۵	حضرت لقمان علیہ السلام اور حضرت دانیال علیہ السلام کے مزار پر	۱۱۲
۱۱۶	قاہرہ میں: درخت سے کاغذ	۱۱۳

۱۱۷	سیدنا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا مزار	۱۱۳
۱۱۸	فاتحِ مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک	۱۱۴
۱۱۹	دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات	۱۱۴
۱۲۰	امام زیلعیؒ، عزالدین ابن عبدالسلامؒ اور علامہ سیوطیؒ کے مزارات	۱۱۵
۱۲۱	سید احمد کبیر رفاعیؒ کے مزار پر	۱۱۵
۱۲۲	سید احمد کبیر رفاعیؒ کی کرامت	۱۱۵
۱۲۳	علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ	۱۱۵
۱۲۴	جو میری قبر پر مصافحہ کرے اس کی بھی مغفرت	۱۱۶
۱۲۵	دیگر ائمہ واصحابِ امام مالک کے مزارات پر حاضری	۱۱۷
۱۲۶	حضرت یحیٰ اندلسی مالکیؒ	۱۱۷
۱۲۷	اسپین سے ہاتھی دیکھنے نہیں آیا، حدیث پڑھنے آیا ہوں	۱۱۷
۱۲۸	ذوالنّون مصریؒ کے مزار پر	۱۱۸
۱۲۹	ابنِ عطا اسکندریؒ کے مزار پر	۱۱۹
۱۳۰	ابن عطاء الاسکندریؒ کے حالاتِ زندگی: نام ونسب	۱۱۹
۱۳۱	مذہب اور علمی مقام	۱۱۹
۱۳۲	مشائخ وتلامذہ	۱۱۹
۱۳۳	کرامات	۱۲۰
۱۳۴	وفات	۱۲۱

۱۳۵	احناف کے بیرسٹر ابن ہمامؒ کے مزار پر	۱۲۱
۱۳۶	امام شاطبیؒ کے مزار پر	۱۲۲
۱۳۷	کتے سے بچنے کا مجرب وظیفہ	۱۲۳
۱۳۸	امام شاطبیؒ کے مختصر حالات وتعارف	۱۲۳
۱۳۹	حصولِ علم اور تعلیمی اسفار	۱۲۴
۱۴۰	تدریسی زندگی کے چند گوشے	۱۲۴
۱۴۱	ایک عظیم الشان تالیف ''شاطبیہ''	۱۲۵
۱۴۲	اوصاف وکمالات	۱۲۵
۱۴۳	وفات	۱۲۷
۱۴۴	امام ورش، وکیع بن الجراح، شیخ زکریا انصاریؒ کے مزارات پر	۱۲۷
۱۴۵	ابن حجر عسقلانیؒ کا مزار	۱۲۸
۱۴۶	امام طاہر ابن غلبونؒ کے مزار پر	۱۲۸
۱۴۷	امام طاہر ابن غلبون کی بیٹی کا عبرت ناک واقعہ	۱۲۸
۱۴۸	مصر کو آج پھر سے ایک یوسف کی ضرورت ہے	۱۲۹

شام اور فلسطین کی کارگزاری

۱۴۹	شام اور فلسطین کے سفر کے رفقا	۱۳۲
۱۵۰	ملکِ شام	۱۳۴
۱۵۱	ملکِ شام کے فضائل	۱۳۴

۱۵۲	دینی ودنیوی برکات	۱۳۵
۱۵۳	اہلِ شام کی کفالت	۱۳۵
۱۵۴	شام کے لیے برکت کی دعااوراس میں معجزہ	۱۳۶
۱۵۵	شام کے لیے خوش خبری	۱۳۶
۱۵۶	فتنوں کے زمانے میں ایمان شام میں	۱۳۷
۱۵۷	بیت المقدس اسلامی مملکت کا جز	۱۳۷
۱۵۸	بیت المقدس انبیاء علیہم السلام کا مسکن ومحشر کی سرزمین	۳۷
۱۵۹	دوسرے فضائل	۱۳۸
۱۶۰	ملکِ شام سے دل چسپی کا سبب اورسفر کی خواہش	۳۹
۱۶۱	مسجدِ اقصی کے چندفضائل قرآن وحدیث کی روشنی میں	۱۴۰
۱۶۲	شنیدہ کے بُود مانندِ دیدہ	۱۴۱
۱۶۳	ہماراملکِ شام کا سفر	۱۴۲
۱۶۴	’’پناما‘‘اور’’ملاوی‘‘میں تفصیلی کارگزاری	۱۴۲
۱۶۵	متبرک مقامات کی زیارت کے لیے رہنمااصول	۱۴۳
۱۶۶	ایک اہم کام	۱۴۳
۱۶۷	ترتیب وارسفر کی کارگزاری	۱۴۴
۱۶۸	اللہ تعالیٰ آخرت کاامگریشن بھی آسانی سے پار فرمادے!	۱۴۴
۱۶۹	آج کے دن ہماراپروگرام کیارہے گا؟	۱۴۴

۱۷۰	پہلی زیارت: اصحابِ کہف کے غار کی طرف	۱۴۵
۱۷۱	اصحابِ کہف اور ان کی غار کا پس منظر اور ان کا زمانہ	۱۴۵
۱۷۲	عقیدہ کی بات	۱۴۸
۱۷۳	کیا یہی اصحابِ کہف کا غار ہے؟	۱۴۸
۱۷۴	ایک تفسیر وحدیث کے ماہر شامی عالم کی غار میں ملاقات	۱۴۹
۱۷۵	غار کی حالت	۱۵۰
۱۷۶	اصحابِ کہف کے تبرکات	۱۵۱
۱۷۷	غار کا پیچھے کا دروازہ	۱۵۱
۱۷۸	ایمان کی خاطر قربانی دینے کا بدلہ: نظامِ کائنات ان کے تابع کر دیا گیا	۱۵۱
۱۷۹	کتے کے غار میں نہ جانے کا ایک عجیب تفسیری نکتہ	۱۵۲
۱۸۰	اصحابِ کہف کی یادگار مسجد	۱۵۴
۱۸۱	اس مسجد کی حالت اور بندے کی ایک خوش نصیبی	۱۵۴
۱۸۲	اصحابِ کہف کے مقام پر نئی مسجد	۱۵۵
۱۸۳	دین کی خاطر اپنے جذبات کو قربان کرنے والے جوانوں کی الخ	۱۵۵
۱۸۴	حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے مزار پر	۱۵۵
۱۸۵	حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا مختصر تعارف	۱۵۶
۱۸۶	زمانۂ بعثت	۱۵۶
۱۸۷	حضرت یوشع علیہ السلام کا قرآن میں دو جگہ ذکر	۱۵۶

۱۸۸	یوشع علیہ السلام کے لیے سورج کا غروب ہونے سے رُک جانا	۱۵۷
۱۸۹	حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات	۱۵۸
۱۹۰	حضرت یوشع علیہ السلام کے مزار کی تحقیق	۱۵۹
۱۹۱	اتنا لمبا مزار کیوں؟	۱۵۹
۱۹۲	پہاڑ پر سے زیتون کے درخت کا پر کیف منظر	۱۶۰
۱۹۳	سات عدد زیتون	۱۶۱
۱۹۴	زیتون کے سات قرآنی مقامات	۱۶۱
۱۹۵	مسجدِ اقصیٰ کے گنبد کا دل کش منظر	۱۶۲
۱۹۶	جورڈن کا جائے وقوع	۱۶۲
۱۹۷	عمواس کا جائے وقوع	۱۶۳
۱۹۸	طاعونِ عمواس	۱۶۳
۱۹۹	عمواس کے دونوں حصوں کی زیارت کا شرف	۱۶۴
۲۰۰	پیارے صحابہ کے مزار کی طرف	۱۶۴
۲۰۱	حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف ومناقب	۱۶۴
۲۰۲	ایمان کی کفر پر جیت: بیٹے کے ہاتھ باپ کا قتل	۱۶۵
۲۰۳	اَمینُ ھذہ الامّۃ کا لقب	۱۶۵
۲۰۴	جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں آپ کا مقام	۱۶۶
۲۰۵	ملکِ شام کی فوج کے امیر	۱۶۶

۲۰۶	حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا دل دہلا دینے والا ایک واقعہ	۱۶۷
۲۰۷	طاعون سے بچانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط	۱۶۸
۲۰۸	ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا جواب	۱۶۹
۲۰۹	جواب پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو	۱۷۰
۲۱۰	حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات	۱۷۰
۲۱۱	حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر	۱۷۱
۲۱۲	حضرت ضرار بن اَزْوَر رضی اللہ عنہ کا تعارف	۱۷۱
۲۱۳	حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کی وفات کہاں ہوئی؟	۱۷۱
۲۱۴	حضرت ضرار رضی اللہ عنہ تحفظِ ختمِ نبوت کے محاذ پر	۱۷۲
۲۱۵	عربوں کی ایک اچھی عادت	۱۷۴
۲۱۶	موتہ کا تعارف	۱۷۴
۲۱۷	غزوۂ موتہ کا سبب	۱۷۵
۲۱۸	اشارۂ شہادت	۱۷۵
۲۱۹	غزوۂ موتہ کے تینوں امیروں کا مختصر تعارف: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	۱۷۶
۲۲۰	ابتدائی حالات	۱۷۶
۲۲۱	حضرت زید رضی اللہ عنہ دربارِ رسالت میں	۱۷۶
۲۲۲	حضرت زید رضی اللہ عنہ اسلام کے سایہ میں	۱۷۷
۲۲۳	حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ایک نرالی شادی	۱۷۷

۲۲۴	حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری	۱۷۷
۲۲۵	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اختیار دینا	۱۷۸
۲۲۶	اس غلامی پر سینکڑوں آزادیاں قربان	۱۷۹
۲۲۷	صرف دعوۂ محبت کافی نہیں	۱۷۹
۲۲۸	حضرت زید رضی اللہ عنہ کی والد کی حیرت	۱۸۰
۲۲۹	آزادی کا پروانہ اور زید ابن محمد بننے کی سعادت	۱۸۰
۲۳۰	صرف ایک صحابی حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام صراحتاً قرآن میں	۱۸۲
۲۳۱	دوسرے امیر لشکر: حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا تعارف	۱۸۲
۲۳۲	نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی جان دار تقریر	۱۸۴
۲۳۳	اسلام کا عمدہ تعارف	۱۸۴
۲۳۴	تیسرے امیر لشکر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	۱۸۵
۲۳۵	اخلاق وعادات	۱۸۶
۲۳۶	فضل وکمال	۱۸۶
۲۳۷	ان کی شاعری کا واقعہ	۱۸۷
۲۳۸	جامعِ موتہ میں جمعہ کی نماز کی سعادت	۱۸۸
۲۳۹	حضرت جعفر، عبداللہ بن رواحہ، زید رضی اللہ عنہ کے مزارات پر دلوں کی کیفیت	۱۸۸
۲۴۰	ایک نعمت غیر مترقبہ: اسلامی وضع قطع کی برکات	۱۸۹
۲۴۱	مدین کے قریب	۱۹۰

۲۴۲	موتہ کا میدان اور قاصدِ رسول حضرت حارث بن عمیرؓ کا مزار	۱۹۱
۲۴۳	بحرِ میت	۱۹۲
۲۴۴	بحرِ میت کا تعارف	۱۹۲
۲۴۵	جدید محققین کی رائے	۱۹۳
۲۴۶	سدوم	۱۹۴
۲۴۷	حضرت لوط علیہ السلام	۱۹۴
۲۴۸	اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی قومِ لوط کی کچھ برائیاں الخ	۱۹۵
۲۴۹	مال لوٹنے کی عجیب چال بازی	۱۹۷
۲۵۰	عجیب طرح کی ناانصافی	۱۹۸
۲۵۱	قومِ لوط پر عذاب	۱۹۹
۲۵۲	بحرِ میت کی طرف	۱۹۹
۲۵۳	افسوس! عذاب کی جگہ تفریح گاہ	۲۰۰
۲۵۴	مجرموں کے نام لکھے ہوئے پتھر	۲۰۰
۲۵۵	آج بھی عذاب کے اثرات	۲۰۱
۲۵۶	حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار کی طرف	۲۰۱
۲۵۷	مدین اور اصحابِ ایکہ ایک ہیں یا الگ الگ؟	۲۰۲
۲۵۸	حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر	۲۰۳
۲۵۹	مدین	۲۰۴

۲۶۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کون ہیں؟	۲۰۴
۲۶۱	مدین جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال گذارے	۲۰۷
۲۶۲	قرآن میں مدین کا ذکر	۲۰۷
۲۶۳	فلسطین	۲۰۸
۲۶۴	فلسطین کا قضیہ	۲۰۹
۲۶۵	فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ کس طرح ہوا؟	۲۱۰
۲۶۶	فلسطین ترکوں کی عمل داری میں	۲۱۱
۲۶۷	سلطنتِ عثمانیہ کی حمیت وغیرتِ ایمانی: تاریخی جواب	۲۱۱
۲۶۸	یہودیوں کا انگریزوں سے معاہدہ	۲۱۲
۲۶۹	انگریز کی طرف سے یہودی ریاست کی تشکیل کا اعلان	۲۱۲
۲۷۰	مسلمانوں سے زمینیں خریدنے میں پانی کی طرح پیسہ بہانا	۲۱۳
۲۷۱	مقامی علما کی مخالفت اور دیگر ممالک کے علما سے فتویٰ طلب کرنا	۲۱۳
۲۷۲	جورڈن کی موجودہ دینی حالت اور اس تبدیلی کی اہم وجہ	۲۱۴
۲۷۳	ایک درد بھری اپیل: خدارا موبائل وانٹرنیٹ کے غلط استعمال الخ	۲۱۵
۲۷۴	نہرِ اُردن	۲۱۷
۲۷۵	سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا	۲۱۹
۲۷۶	شہر اریحہ کا تعارف	۲۲۱
۲۷۷	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعابِ دہن ہر بیماری کے لیے شفا	۲۲۲

۲۷۸	ملکِ شام کی برکت کا نظارہ	۲۲۲
۲۷۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزار	۲۲۲
۲۸۰	مقامِ موسیٰ علیہ السلام	۲۲۳
۲۸۱	عداوت کی وجہ سے اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا انکار	۲۲۴
۲۸۲	گجراتی میں بات کرنے کا فائدہ	۲۲۵
۲۸۳	''مادب'' جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی تھی	۲۲۶
۲۸۴	بیت المقدس کا تعارف	۲۲۶
۲۸۵	مسجدِ اقصیٰ کی عجیب وغریب تعمیر	۲۲۷
۲۸۶	مسجد کے افتتاح کی تقریب اور دعا	۲۲۸
۲۸۷	مسجد کے افتتاح کی خوشی میں دعوت	۲۲۸
۲۸۸	مسجدِ میں داخل ہونے والے کے لیے سلیمانؑ کی پانچ دعائیں	۲۲۹
۲۸۹	مسجدِ اقصی کی تعمیر اور سلیمانؑ کی وفات کے متعلق دوسری روایت	۲۳۰
۲۹۰	جناتوں پر دیمک کا احسان	۲۳۰
۲۹۱	بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ میں فرق	۲۳۱
۲۹۲	برکت کا ایک نمونہ	۲۳۱
۲۹۳	مسجدِ اقصیٰ میں ظہر کی نماز کی سعادت	۲۳۱
۲۹۴	اصل مسجدِ اقصیٰ	۲۳۲
۲۹۵	نور کا دریا	۲۳۳

۲۹۶	جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع	۲۳۳
۲۹۷	تانبے کا چشمہ	۲۳۳
۲۹۸	تیل کا کنواں اور مسجدِ اقصیٰ کے لیے تیل بھیجنے کی فضیلت	۲۳۴
۲۹۹	مسجدِ مروان بن عبد الملک اور مسجدِ براق	۲۳۴
۳۰۰	اس گہوارے کی زیارت جہاں عیسیٰؑ نے سب سے پہلے کلام کیا تھا	۲۳۵
۳۰۱	حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے محراب (کمرہ) کی زیارت	۲۳۷
۳۰۲	قبۃ الصخرہ	۲۳۸
۳۰۳	قدرتی چٹان	۲۳۸
۳۰۴	دنیا پرست پادریوں کے مذموم کردار کی ایک جھلک	۲۳۹
۳۰۵	قبۃ الصخرہ کی تعمیر	۲۳۹
۳۰۶	قبۃ الصخرہ کی کیفیت اور خوب صورتی	۲۴۰
۳۰۷	مسجدِ قبۃ الصخرہ	۲۴۱
۳۰۸	مجاہدِ اعظم مولانا محمد علی جوہرؒ کا مزار	۲۴۲
۳۰۹	حضرت سلیمان علیہ السلام کا مزار اور جیل خانہ	۲۴۲
۳۱۰	چٹان کے نیچے ایک قدرتی غار	۲۴۲
۳۱۱	قبۃ الصخرہ کے فضائل	۲۴۳
۳۱۲	ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ	۲۴۴
۳۱۳	حضرت سلیمان علیہ السلام کا محراب وتخت	۲۴۵

۳۱۴	چرچ اور مسجدِ عمر رضی اللہ عنہ	۲۴۵
۳۱۵	چرچ کی چیزوں کے متعلق عیسائیوں کے عقیدے	۲۴۶
۳۱۶	بیت المقدس آج کسی عمرِ ثالث کے انتظار میں!!!	۲۴۷
۳۱۷	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نصاریٰ کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کا مضمون	۲۴۷
۳۱۸	سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا مختصر تعارف	۲۴۸
۳۱۹	آہ! اے صلاح الدین ایوبی!!!	۲۵۰
۳۲۰	سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی خانقاہ کی طرف	۲۵۰
۳۲۱	حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کے مزار پر	۲۵۰
۳۲۲	حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا تعارف	۲۵۱
۳۲۳	حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کا تعارف	۲۵۱
۳۲۴	حضرت شمویل علیہ السلام کا مزار	۲۵۳
۳۲۵	۱۵ر تاریخ اتوار کا دن: مدینۃ الخلیل کی طرف	۲۵۳
۳۲۶	حالات خراب ہونے کے باجود وہاں جانے کا شوق	۲۵۳
۳۲۷	کرفیو جیسے ماحول میں اطمینان سے مدینۃ الخلیل میں داخلہ	۲۵۴
۳۲۸	مسجدِ ابراہیمی میں بابرکت ہال	۲۵۵
۳۲۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر شریف کی زیارت کے آداب	۲۵۵
۳۳۰	سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام	۲۵۶
۳۳۱	سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام	۲۵۷

۳۳۲	وہ خوش نصیب عورت جو ایک نبی کی بیوی، ایک نبی کی بہو اور ایک نبی کی ماں تھی	۲۵۸
۳۳۳	سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام	۲۵۸
۳۳۴	سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام	۲۶۰
۳۳۵	حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا ہمارے لیے عبرت	۲۶۰
۳۳۶	حضرت شمعون علیہ السلام کا مزار	۲۶۲
۳۳۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ کی زیارت	۲۶۲
۳۳۸	حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی قبر و عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھائے جانے کی جگہ	۲۶۳
۳۳۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۲۶۳
۳۴۰	نزولِ وحی اور دعوت و تبلیغ کا آغاز	۲۶۴
۳۴۱	خطبۂ کوہ	۲۶۴
۳۴۲	آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر	۲۶۴
۳۴۳	بنی اسرائیل کی شرارت، آپ علیہ السلام کی بددعا سے خنزیر بن جانا	۲۶۵
۳۴۴	حضرت زکریا علیہ السلام کا مزار	۲۶۵
۳۴۵	حضرت داوٗد علیہ السلام کے مزار کی زیارت	۲۶۵
۳۴۶	سیدنا حضرت داوٗد علیہ السلام کا مختصر تعارف	۲۶۶
۳۴۷	حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر مبارک اور مختصر تعارف	۲۶۷
۳۴۸	جنتی دسترخوان اترنے کی جگہ	۲۶۷
۳۴۹	۱۶ر تاریخ: دعوت و تبلیغ سے جڑے ہوئے ایک ساتھی کی ملاقات	۲۶۹

۳۵۰	اسرائیل کا پایہ تخت: تل ابیب کی طرف	۲۶۹
۳۵۱	تل ابیب میں دعوت وتبلیغ کا مرکز	۲۷۰
۳۵۲	''لد'' شہر	۲۷۰
۳۵۳	بابِ لد پر لکھا ہوا جملہ: ھنا یخرج ملک السلام	۲۷۱
۳۵۴	دجال کا تعارف	۲۷۱
۳۵۵	دجال صرف چالیس دن دنیا میں رہے گا	۲۷۱
۳۵۶	نبوت وخدائی کا دعویٰ	۲۷۲
۳۵۷	لوگوں کی آزمائش کے لیے خرقِ عادت چیزوں کا ظہور	۲۷۲
۳۵۸	مکہ اور مدینہ میں داخلہ سے روک دیا جائے گا	۲۷۳
۳۵۹	ایک بزرگ کا دجال سے مناظرہ	۲۷۳
۳۶۰	یہودیوں کے غرقد نامی درخت کے اگانے کی مہم کی وجہ	۲۷۵
۳۶۱	دجال کے قتل ہونے کی جگہ کی زیارت	۲۷۵
۳۶۲	وہ کنواں جس میں قتل کے بعد دجال کو ڈالا جائے گا	۲۷۶
۳۶۳	عمواس شہر کی زیارت	۲۷۶
۳۶۴	طاعونِ عمواس میں شہید ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات پر	۲۷۷
۳۶۵	صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزار پر دعا کا عجیب منظر	۲۷۷
۳۶۶	حضرت صالح علیہ السلام کے مزار مبارک کی زیارت	۲۷۸
۳۶۷	امام الحدیث ''امام نسائی رحمہ اللہ'' کے مزار کی زیارت	۲۷۸

۳۶۸	۱۷/تاریخ اس سفر کا آخری دن	۲۷۸
۳۶۹	حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا گاؤں ''ناصرہ''	۲۷۹
۳۷۰	یافہ اور حضرت یونس علیہ السلام	۲۷۹
۳۷۱	حضرت یونس علیہ السلام کا مزار	۲۸۰
۳۷۲	حضرت الیاس علیہ السلام کے مزار مبارک کی زیارت	۲۸۱
۳۷۳	اسلام کے بہت بڑے جرنیل سلطان صلاح الدین کی یادگار میدانِ جنگ	۲۸۱
۳۷۴	بحیرۂ طبریہ کی طرف۔طبریہ شہر	۲۸۲
۳۷۵	بحیرہ طبریہ: جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سے معجزات دکھائے	۲۸۲
۳۷۶	یاجوج ماجوج بحیرۂ طبریہ کا سب پانی پی جائیں گے	۲۸۳
۳۷۷	بحیرۂ طبریہ کا خشک ہوجانا دجال کے نکلنے کی ایک علامت	۲۸۳
۳۷۸	اس وقت بحیرۂ طبریہ کی حالت: پانی سوکھ رہا ہے	۲۸۴
۳۷۹	بیسان کا نخلستان	۲۸۴
۳۸۰	بیسان کے متعلق حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو دجال کا سوال	۲۸۵
۳۸۱	اس وقت بیسان کا حال: کہیں پر کھجور نظر نہیں آئے	۲۸۵
۳۸۲	عینِ زغر	۲۸۶
۳۸۳	طالوت اور جالوت کے جنگ کا میدان اور امام طبرانیؒ کا وطن	۲۸۶
۳۸۴	جنگِ یرموک کا میدان	۲۸۷
۳۸۵	مجموعی تأثرات	۲۸۸

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۞	پیش خدمت	۱۶
۞	کلماتِ بابرکت (حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم)	۱۷
۞	سفر اور سفر نامہ کا پس منظر (از: مفتی یوسف ابن شیخ شبیر صاحب)	۲۰
۞	تأثرات (از: حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم)	۲۳
۞	پیش لفظ: کتاب پڑھنے سے پہلے	۲۷
	بلقان ریاستوں کے سفر کی کارگزاری	
۱	بلقان کے رفقائے سفر	۳۲
۲	تمہید	۳۵
۳	مقصدِ سفر	۳۶
۴	بلقان (Balkans) کا تعارف	۳۶
۵	خوب صورتی	۳۷
۶	وجہ تسمیہ	۳۸
۷	قرآن کی تفسیر میں بلقان کے رہنے والوں کا ذکر	۳۸
۸	اسکندر مقدونی	۳۸
۹	سکندر ذوالقرنین کے متعلق ایک غلط فہمی	۳۹

۱۰	ہندوستان کے اکابرین کی بلقان کے تئیں غیرتِ ایمانی	۴۰
۱۱	ترکی کے لیے بارہ لاکھ روپیے کا چندہ	۴۱
۱۲	ترکی کی طرف سے مبارک تحفہ	۴۱
۱۳	ترکی میں حجۃ الاسلام سیمینار	۴۱
۱۴	حضرت نانوتویؒ کی اہلیہ کی قربانی کا قابلِ رشک واقعہ	۴۲
۱۵	شہادت کی تلاش میں!	۴۶
۱۶	جنگ بلقان کے لیے عملی شرکت	۴۶
۱۷	ایک قائد کی فراست: چندے کی اپیل کے عجیب وغریب الفاظ	۴۸
۱۸	البانیا کا مختصر تعارف	۵۱
۱۹	البانیا سلطنتِ عثمانیہ کے عہد میں	۵۲
۲۰	جدید البانیا	۵۲
۲۱	اشتراکیت کا غلبہ	۵۴
۲۲	نظامِ حکومت	۵۴
۲۳	البانیا کا ایک ستارہ	۵۵
۲۴	البانیا میں کمیونزم کے مظالم	۵۵
۲۵	کتابوں کی عجیب وغریب طریقے پر حفاظت	۵۶
۲۶	تہہ خانوں میں چھپائی ہوئی کتابیں دیکھنے کی سعادت	۵۷
۲۷	البسان شہر جہاں آٹھ سو (۸۰۰) سے زیادہ مسجدیں تھیں	۵۸

۲۸	البسان شہر میں حافظ پٹیلؒ کے نام پر مسجد	۵۸
۲۹	اسلامی لباس سے آج بھی نفرت	۵۹
۳۰	اسلامی لباس کے متعلق عوام کا خیال اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم کا عجیب جواب	۵۹
۳۱	روزوں پر پابندی، اور مسلمانوں کا روزہ رکھنے کے لیے مجاہدہ	۶۰
۳۲	تہہ خانوں میں قرآنی تعلیم کا عجیب وغریب نظام	۶۱
۳۳	کتابیں پڑھنے پڑھانے کا بے مثال طریقہ	۶۱
۳۴	ہمارے ملک میں دینی آزادی پر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے	۶۲
۳۵	تین سال کے عرصے میں تقریباً ایک لاکھ مسلمان شہید کیے گئے	۶۳
۳۶	آزادی کے بعد جب پہلی مرتبہ برطانیہ کے احباب گئے تو.....	۶۳
۳۷	شربت کی جگہ شراب	۶۳
۳۸	ایسے فتنے کے زمانے میں تین اسلامی علامتیں باقی تھیں	۶۴
۳۹	انگلینڈ کے احباب کی محنت اور دینی فکریں	۶۴
۴۰	علم حاصل کرنے کے لیے بامشقت اسفار	۶۵
۴۱	ترکی خلافتِ عثمانیہ کے آثار	۶۶
۴۲	وہاں کا ایک اہم مسئلہ: مسلمان کی شناخت کیسے کریں؟	۶۶
۴۳	وہاں کے مسلمانوں کی ایک خوبی	۶۷
۴۴	ہمیں دیکھ کر ان لوگوں کی بے انتہا خوشی	۶۷

۴۵	بعض حکومتوں کی عجیب تضاد بیانی	٦٨
۴٦	ایک اہم میزبان: مولانا حنیف صاحب دودھ والا	٦٨
۴٧	تخفیف ہوئی، ازالہ نہیں ہوا	٦٩
۴٨	خوش رہنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے	٦٩
۴٩	سفر کی ابتدااور ہوائی جہاز میں ایک عورت کے اسلام لانے کا واقعہ	٧٠
۵٠	بدھ کے دن مقدونیا کے شہر اوہرد (ohird) میں	٧۴
۵١	دوسرے دن جمعرات کو تبلیغی مرکز ''تیتووا (Tetovo)'' میں	٧۴
۵٢	حافظ پٹیلؒ کی دینی فکروں سے پورے یورپ میں ایمانی بہار	٧۵
۵٣	''تیتووا'' مرکز پر شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی صاحب کی موجودگی میں بندے کو دینی بات بیان کرنے کی سعادت	٧۵
۵۴	مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کے بیانات کا خلاصہ	٧٦
۵۵	تیتووا مرکز پر مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا بیان	٧٧
۵٦	ایمان کی حلاوت	٧٨
۵٧	ایک اہم ذمے داری	٧٩
۵٨	دعوت وتبلیغ	٨٠
۵٩	تعلیمی اداروں کا قیام	٨١
٦٠	نصرتِ الٰہی کی شرط	٨٣
٦١	حضرت مفتی محمد تقی صاحب کے ساتھ ایک دسترخوان پر	٨۴

۶۲	حضرت مفتی محمد تقی صاحب کے کچھ اوصاف واقوال	۸۴
۶۳	آپ کا سفر میں کھانے کے سلسلے میں معمول اور ذوق	۸۴
۶۴	کھانے کا عمدہ ذوق	۸۴
۶۵	کھانے سے پہلے پانی	۸۵
۶۶	چربی والا گوشت	۸۵
۶۷	قدرتی مناظر دیکھ کر اللہ کی یاد	۸۶
۶۸	بعض دیگر متفرقات اوصافِ حمیدہ	۸۷
۶۹	''پوگرادیس'' میں	۸۸
۷۰	''ترانا'' شہر میں	۸۸
۷۱	جمعہ سے پہلے بیان اور نماز پڑھانے کی سعادت	۸۹
۷۲	البانیا کے مفتیٔ اعظم سے ملاقات	۸۹
۷۳	مسجد کے امام کی درسِ حدیث کی درخواست	۹۰
۷۴	ترانا کے تبلیغی مرکز پر ایک جامع بیان	۹۰
۷۵	حافظ محمد پٹیل روڈ	۹۱
۷۶	ترانا کی ہوٹل میں ایک کانفرنس	۹۱
۷۷	شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کا ایثار	۹۲
۷۸	حضرت کے لیے وقیع کلمات	۹۲
۷۹	شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی	۹۳

۸۰	حضرت فقیہ الامت ؒ کے تصرف کا عجیب واقعہ	۹۳
۸۱	اللہ کے یہاں یہ سوال نہیں ہوگا!!!	۹۴
۸۲	حضرت مفتی صاحب نے البانیا سے بوسنیا کا پورا سفر عمومی کوچ میں کیا	۹۴
۸۳	اپنے چھوٹوں کے ساتھ عجیب معاملہ	۹۴
۸۴	مکاتب کا جوڑ	۹۵
۸۵	رحمۃ فاؤنڈیشن کی طرف سے قائم اسکول: اسلامی اخلاق سے عیسائی متأثر	۹۶
۸۶	اسکول کے معتمد شیخ جمال سے ملاقات	۹۶
۸۷	ان ممالک میں حنفی مسلک عام ہے	۹۷
۸۸	کتب خانے سے مزاج شناسی	۹۷
۸۹	مسجدِ سلطان احمد کے طرز کی مسجد	۹۷
۹۰	البانیا کی ایک مسجد میں خطاب اور اس کی اہم بات	۹۷
۹۱	البانیا سے بوسنیا کی طرف	۹۸
۹۲	مونٹی نیگرو میں	۹۹
۹۳	بوسنیا کی سرحد پر امگریشن آفسر کو ایمان کی دعوت	۹۹
۹۴	سربیوں کے شہر میں	۹۹
۹۵	مغرب کی نماز اور ٹھنڈا پانی	۱۰۰
۹۶	بوسنیا میں ظہر کی نماز	۱۰۰
۹۷	ایک عجیب لطیفہ: واٹس ایپ وہ رکھے جس کی گرل فرنڈ ہو	۱۰۱

۹۸	مسجد میں ریکاڈر سے اذان کا افسوسناک واقعہ	۱۰۱
۹۹	بوسنیا کے بازاروں میں عمدہ قلمی کتابیں	۱۰۲
۱۰۰	بوسنیا میں سربیوں کے مقابلے میں فرشتوں کے ذریعے اللہ کی کھلم کھلی مدد	۱۰۲
۱۰۱	ہمارے ملک میں دین کی آزادی یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے	۱۰۳
۱۰۲	کارگزاری کا دوسرا حصہ: البانیا سے مونٹی نیگرو ہوتے ہوئے....	۱۰۵
۱۰۳	ابتدائیہ۔ بوسنیا میں داخلہ	۱۰۵
۱۰۴	بوسنیا اور مسلمان	۱۰۶
۱۰۵	بڑوں سے تعلق رکھنے کی برکت۔ تنظیم کی بنیاد	۱۰۷
۱۰۶	تنظیم کا سب سے پہلا کام	۱۰۸
۱۰۷	البانیا کے حالات سے واقفیت	۱۰۸
۱۰۸	البانیا جانے کا پروگرام	۱۰۹
۱۰۹	البسان (Elbasan) میں قاری شبیر کا مدرسہ	۱۱۰
۱۱۰	بھارت کے متعلق دنیا کے مختلف ممالک میں ایک تلخ تجربہ (از مرتب)	۱۱۱
۱۱۱	بھارت کے سابق وزیرِ اعظم کے سامنے ایک عالم کی حقیقت گوئی	۱۱۱
۱۱۲	لوگوں کو کیسے قریب کریں؟ اور کیسے دعوت دیں؟	۱۱۲
۱۱۳	بیرون ممالک میں مقیم ہونے والے مسلمانوں کا ایک اچھا طریقہ	۱۱۲
۱۱۴	وطن سے دور ہجرت کر کے دوسرے ملکوں میں آباد ہونے والے مسلمان بھائیوں سے دردمندانہ اپیل	۱۱۳

۱۱۵	بیرون سے تبلیغی جوڑ میں آنے والوں کو داعیٔ کبیر حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولہ دامت برکاتہم کی آبائی وطن کے متعلق خصوصی ہدایت	۱۱۵
۱۱۶	البانیا میں کام کے لیے علما کیسے تلاش کیے؟ اس کی کارگزاری مفتی محمد علی فلاحی صاحب کی زبانی	۱۱۶
۱۱۷	مولانا مقصود اور مولانا نذیر صاحب کی البانیا میں آمد: مولانا حنیف صاحب کی زبانی: کسی اجنبی زبان کو سیکھنے کا عجیب طریقہ	۱۱۸
۱۱۸	اجنبی زبان کے سلسلے میں کچھ سچے لطیفے (از مرتب)	۱۱۹
۱۱۹	بعض مشترک لفظوں کی وجہ سے عجیب اشتباہ	۱۲۰
۱۲۰	ابتدا میں کام کیسے کیا گیا اس کی کارگزاری مولانا مقصود صاحب کی زبانی	۱۲۰
۱۲۱	تنظیم کے ماتحت چلنے والے مکاتب	۱۲۲
۱۲۲	شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب اور بندہ محمود کی طرف سے کام کے متعلق کچھ اہم سوالات اور ذمے داروں کے جوابات	۱۲۲
۱۲۳	دوسالہ کورس	۱۲۳
۱۲۴	دین کی ابتدائی بنیادی معلومات (از: مرتب)	۱۲۳
۱۲۵	مولانا مقصود صاحب سے مزید سوالات وجوابات	۱۲۵
۱۲۶	تجوید کے اعتبار سے یہاں کے طلبہ کا معیار	۱۲۵
۱۲۷	عیسائیوں کا طریقۂ کار	۱۲۷
۱۲۸	حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کی طرف سے ایک اہم مشورہ	۱۳۱

۱۲۹	''الامہ'' تنظیم کا اہم کارنامہ: دولت کی لالچ اور چرچ	۱۳۱
۱۳۰	الامہ تنظیم (UMMAH Welfare Trust Bolton)	۱۳۲
۱۳۱	ہمارے ہندی طرز کے دار العلوم کے قیام کی سخت ضرورت	۱۳۳
۱۳۲	مولانا حنیف صاحب کی تنظیم کے کام کا اجمالی خاکہ	۱۳۴
۱۳۳	دنیا کے مختلف علاقوں میں دینی کام کرنے والوں سے چند گزارشات	۱۳۴
۱۳۴	نئی نسلوں کو اسلام پر باقی رکھنے کے لیے معیاری اسکولوں کی ضرورت	۱۳۹

بلقان ریاستوں کا سفر

از: شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم

۱۳۵	بلقان ریاستوں کا سفر	۱۴۲
۱۳۶	بوسنیا کے علمی شہر موستار میں	۱۶۳
۱۳۷	بوسنیا کی مختصر تاریخ	۱۶۵
۱۳۸	سرائیوو کا دورہ	۱۶۹
۱۳۹	امید کی سرنگ	۱۷۳
۱۴۰	پانچ دن بوسنیا میں شیخ الاسلام کے ساتھ (از: مولانا محمد ابن شیخ آدم)	۱۸۱
۱۴۱	بوسنیا کی مختصر تاریخ	۱۸۱
۱۴۲	پہلا دن ۲۵/جون ۲۰۱۸ء بروز پیر	۱۸۲
۱۴۳	موستار کی زیارت	۱۸۳
۱۴۴	ایک پرانی خانقاہ کی زیارت	۱۸۳

۱۴۵	پرانا برج (Stari Most) کی زیارت	۱۸۳
۱۴۶	محمد پاشا مسجد کی زیارت	۱۸۴
۱۴۷	دوسرا دن ۲۶/جون ۲۰۱۸ء بروز منگل: سرائیوو کی زیارت	۱۸۴
۱۴۸	سرائیوو مقبرہ کی زیارت	۱۸۵
۱۴۹	سرائیوو کے پرانے علاقے کی زیارت	۱۸۵
۱۵۰	غازی خسرو بیگ مسجد کی زیارت	۱۸۶
۱۵۱	تیسرا دن ۲۷ جون ۲۰۱۸ء بدھ	۱۸۶
۱۵۲	آخری دن ۲۸/جون ۲۰۱۸ء جمعرات	۱۸۸
۱۵۳	خلاصہ	۱۸۹
۱۵۴	نورانی مکاتب کے مقاصد	۱۹۰

آں حضرت ﷺ کا سفرِ طائف اور طائف کی کارگزاری

۱۵۵	تمہیدی بات	۱۹۳
۱۵۶	قرآن میں طائف کا ذکر	۱۹۴
۱۵۷	طائف کا جائے وقوع	۱۹۴
۱۵۸	عامُ الحُزن؛ یعنی غم کا سال	۱۹۵
۱۵۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت	۱۹۶
۱۶۰	طائف کا مطلب	۱۹۷
۱۶۱	آپ ﷺ کا طائف کا با مشقت سفر	۱۹۸

۱۶۲	پہاڑ پر چڑھنے کے لیے کیبل کار	۱۹۸
۱۶۳	پہاڑ پر پتھروں کا راستہ	۱۹۹
۱۶۴	ہرا بھرا شہر	۲۰۰
۱۶۵	آپ ﷺ کا طائف میں داخلہ	۲۰۰
۱۶۶	طائف کے سرداروں کو دعوتِ اسلام اور ان کا گستاخانہ جواب	۲۰۱
۱۶۷	اوباشوں کا آپ ﷺ کے پیچھے لگانا	۲۰۲
۱۶۸	سلام اس پر کہ جو زخمی ہوا طائف کی گلیوں میں	۲۰۲
۱۶۹	لمحۂ فکریہ	۲۰۳
۱۷۰	حضرت زید رضی اللہ عنہ کی خوش قسمتی	۲۰۴
۱۷۱	آپ ﷺ کو اپنی پیٹھ پر اٹھانے والے خوش نصیب صحابہ	۲۰۴
۱۷۲	پتھر کی چٹان پر ٹیک لگا کر آرام	۲۰۴
۱۷۳	اس جگہ نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کی سعادت	۲۰۵
۱۷۴	لہولہان حالت میں درد بھری دعا	۲۰۶
۱۷۵	مسافر اور مظلوم کی دعا	۲۰۷
۱۷۶	سفر میں دعا کا اہتمام کرنا چاہیے اور مظلوم کی آہ سے بچنا چاہیے	۲۰۷
۱۷۷	عتبہ وشیبہ کا انگور بھیجنا	۲۰۸
۱۷۸	عداس سے گفتگو	۲۰۸
۱۷۹	شانِ رسالت	۲۰۹

۱۸۰	خدا کی دَین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال	۲۰۹
۱۸۱	مسجدِ عداس رضی اللہ عنہ، سب سے پہلا مینارہ	۲۱۰
۱۸۲	اُحد سے زیادہ سخت دن	۲۱۱
۱۸۳	پہاڑوں کے فرشتے کی حاضری	۲۱۱
۱۸۴	رحمۃ للعالمین کا رحمت بھرا جواب	۲۱۲
۱۸۵	وہ جس کو گالیاں سن کر دعا دینے کی عادت تھی	۲۱۳
۱۸۶	طائف کی دعا کی برکت سے ہندوستان میں اسلام	۲۱۳
۱۸۷	جنات وشیاطین کی پریشانی	۲۱۴
۱۸۸	جناتوں کی آمد اور قرآن سننا	۲۱۵
۱۸۹	مکہ واپسی	۲۱۷
۱۹۰	تکبر کا انجام	۲۱۹
۱۹۱	تواضع کا انعام	۲۱۹
۱۹۲	معراج کا سفر تواضع کا انعام	۲۲۰
۱۹۳	اللہ کی خاطر اٹھائی جانے والی تکلیف کا دنیا وآخرت میں بہترین بدلہ	۲۲۱
۱۹۴	سفرِ طائف ایک انقلابی موڑ	۲۲۲
۱۹۵	طائف کی کچھ یادیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت	۲۲۳
۱۹۶	طائف سے بنی سعد کا سفر	۲۲۴
۱۹۷	آپ ﷺ کو دودھ پلانے والی خوش نصیب عورتیں	۲۲۴

۱۹۸	عرب کے شریف لوگوں کی عادت	۲۲۵
۱۹۹	حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا بچوں کی تلاش میں مکہ	۲۲۵
۲۰۰	حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی قسمت کا ستارہ چمک گیا	۲۲۶
۲۰۱	ایک عجیب نکتہ: آپ ﷺ نے حلیمہ کا دودھ پیا؟ یا آپ کی وجہ سے!	۲۲۷
۲۰۲	حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدے پر	۲۲۸
۲۰۳	بچپن میں بکریاں چرانا	۲۲۹
۲۰۴	نبی سے بکریاں چرانے میں حکمت	۲۲۹
۲۰۵	واقعۂ شقِ صدر	۲۳۰
۲۰۶	شقِ صدر کا واقعہ کتنی مرتبہ پیش آیا؟۔شقِ صدر کی حکمت	۲۳۱
۲۰۷	شقِ صدر والی جگہ اور ہرا بھرا درخت	۲۳۲
۲۰۸	دیگر چند متفرق واقعات: دسترخوان بھی ایک ’’خان‘‘ ہے	۲۳۳
۲۰۹	بزرگوں کی راحت کا خیال رکھتے ہوئے دعا کروانے کے سلسلے میں..	۲۳۴
۲۱۰	دینی نسبتوں کا لحاظ	۲۳۵
۲۱۱	جو حرام سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے اللہ اس کے لیے بچنا آسان فرما دیتے ہیں: ہمارے حضرت دامت برکاتہم کا عجیب واقعہ	۲۳۶
۲۱۲	دوسرا واقعہ	۲۳۷
۲۱۳	گورے لوگوں میں ہمدردی	۲۳۸
۲۱۴	مؤلف کی دیگر تالیفات	۲۳۹

مؤلف کی دیگر تالیفات

نمبر شمار	اسمائے کتب	لغت
۱	عرفات کی دعائیں اور اعمال	گجراتی
۲	ظہورِ مہدی	اردو، گجراتی، ہندی، انگریزی
۳	ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے ضروری مسنون دعائیں	گجراتی
۴	خاص خاص فضیلتوں والی مسنون دعائیں	اردو، گجراتی، ہندی، انگریزی
۵	مختصر سیرتِ نبوی ﷺ پہلا حصہ (اسٹوڈنٹس کے لیے)	گجراتی
۶	ہندستان کی جنگ آزادی اور جمعیتِ علمائے ہند (زیرِ طبع)	گجراتی
۷	احمدیہ قادیانی جماعت کا تعارف	گجراتی
۸	ترتیبِ مبادیاتِ حدیث	اردو
۹	ماہِ رمضان کو وصول کرنے کا جامع مختصر نسخہ	گجراتی
۱۰	عید الاضحیٰ مسائل وفضائل (پمفلٹ)	گجراتی
۱۱	مرزا غلام احمد قادیانی کی شخصیت کا تعارف	گجراتی
۱۲	مرزا غلام احمد قادیانی کے متضاد دعوے	گجراتی
۱۳	قادیانی غیر مسلم (دیوبندی، بریلوی، غیر مقلد اور جماعتِ اسلامی کے علما کے فتاوی)	گجراتی
۱۴	ختمِ نبوت، قرآن وحدیث کی روشنی میں	گجراتی

۱۵	دیکھی ہوئی دنیا: اول، دوم، سوم، چہارم	اردو، گجراتی
۱۶	خطباتِ محمود (اول تا نہم۔ ا سے ۹)	اردو
۱۷	دینی بیانات (اول تا ہشتم۔ ا سے ۸)	گجراتی
۱۸	تیسیر القرآن یعنی آسان ترجمۂ قرآن (دو جلد)	اردو، گجراتی
۱۹	قادیانیت کا تعارف	اردو
۲۰	قرآن میں آئے ہوئے خواتین کے واقعات (تین جلد)	اردو
۲۱	مسنون وظائف	اردو، گجراتی، انگریزی
۲۲	منتخب مسنون دعائیں	اردو
۲۳	بیعت	اردو، گجراتی
۲۴	آسان حج	گجراتی
۲۵	اسلام کا امن اور شانتی کا پیغام	گجراتی، ہندی
۲۶	حج کے پانچ ایام	گجراتی
۲۷	بمبئی سے مکہ مکرمہ	گجراتی
۲۸	زیارتِ مدینہ منورہ	گجراتی
۲۹	مختصر عرفات کے اعمال اور دعائیں	اردو
۳۰	مکتب کے بچوں کے لیے منتخب مسنون دعائیں	اردو، گجراتی، ہندی
۳۱	تذکرۂ قاریانِ بارڈولی	اردو
۳۲	فیضِ سلیمانی (سوانح والد ماجدؒ)	اردو، گجراتی
۳۳	حضرت شیخ الہندؒ اور ریشمی رومال	گجراتی
۳۴	مسلمانوں کا خزانہ	گجراتی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدُ للهِ الذي قال: فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴿۱۳۷﴾(آل عمران)

وقال:اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴿۴۶﴾ (الحج)

وقال:اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ﴿۹﴾(الروم)

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ﴿۱۸﴾(سبا)

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ قَالَ:اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا. وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشاً بَعَثَهُمْ مِنْ اَوَّلِ النَّهَارِالخ . (رواہ ابو داؤد عن صخر بن وداعة رضي الله عنه)

وَ قَالَ لَوْ اَنَّ النَّاسَ يَعْلَمُوْنَ مِنَ الوَاحِدَةِ مَا أَعْلَمُ،مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهُ. (رواہ البخاري عن ابن عمر رضي الله عنه)

وَ قَالَ :الرَّاکِبُ شَیْطَانٌ.وَالرَّاکِبَانِ شَیْطَانَانِ. وَالثَّلَاثَۃُرَکْبٌ. (رواه الترمذي عن عمرو بن شعيب، عن ابيه، عن جدهؓ)

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ بَذَلُوْا جُھُوْدَھَمْ لِنَشْرِ الدِّیْنِ الْقَوِیْمِ فِيْ زَوَایا الْعَالَمِ. أمّابعد!

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بے شمار احسانات جو اس گنہ گار بندے پر ہیں، جس کا حقِ احسان میں کبھی بھی ادا نہیں کر سکتا، ان میں سے ایک بہت بڑا احسان یہ ہے کہ اللہ نے محض اپنے فضل سے اپنے دین کی نسبت پر دنیا کے بہت سارے ممالک میں سفر کا موقع عنایت فرمایا۔

الحمدللہ! ایک طویل عرصے سے آرزو اور تمنا تھی کہ: ارضِ مقدس، فلسطین اور ملکِ شام کی زیارت کریں، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ۲۰۱۵ء میں یہ سعادت عطا فرمائی، رفقا کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ یہ پورا سفر ہوا، جورڈن، فلسطین، اسرائیل پہلی مرتبہ، پھر وہاں سے ترکی دوسری مرتبہ حاضری ہوئی، رفقا کی جماعت کی بھارت واپسی ہوئی اور بندہ وہاں سے پناما پہنچا، وہاں بھی سفر کی کارگزاری کے بیانات نو(۹) دن جاری رہے۔

پھر سفر سے واپسی کے بعد سورت کے ہمارے مخلص ساتھی محترم اسماعیل بھائی جانو اور محترم اختر بھائی میمن کے اصرار پر سورت کی مشہور چوڈگر مسجد میں کارگزاری کی مجلس ہوئی، بہت بڑی تعداد میں لوگوں نے شوق ورغبت کے ساتھ اس میں شرکت کی، بعد میں پہلے کی طرح اشاعت پر بھی احباب اصرار ہوا اور کئی احباب بار بار اس کا شدید تقاضا کرتے رہے؛ لیکن: قد جعل اللّٰہ لکل شيئ قدرا. (الطلاق:۳)

ترجمہ: پکی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

اسی درمیان جنوری ۲۰۱۶ء میں مصر کا سفر ہو گیا، اس کی بھی کارگزاری کی مجلس ہوئی، دونوں کارگزاریوں کو قلمبند کرنا اور اس کو مرتب کرنا ایک بہت بڑا کام تھا، اور اس دوران ترجمۂ قرآن مجید اور حواشی کا کام جاری ہونے کی وجہ سے تاخیر در تاخیر ہوتی رہی، اب الحمد للہ! یہ کام اللہ تعالیٰ کے فضل اور مخلصین کی دعاؤں اور محنتوں کی برکت سے پایۂ تکمیل تک پہنچا، حق تعالیٰ اس کو قبول فرماوے، اپنی رضا کا ذریعہ بناوے۔

قوم وملت کا درد رکھنے والے نوجوان عالمِ دین مفتی عمران میمن تھرادمدظلہ العالی (استاذ جامعہ ڈابھیل) اور دیگر مخلصین۔جن کا اعلیٰ درجے کا اخلاص اور ان کا حکم مجھے ان کے نام کی صراحت سے مانع بن رہا ہے۔کا بھرپور تعاون رہا، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کو اور ان کی نسلوں کو اپنے دین کی مقبول خدمات کے لیے قبول فرماوے، اور دارین کی دولت سے مالا مال فرماوے، ان کے وجود کو میرے دینی کاموں میں تعاون کے ساتھ اللہ تعالیٰ طویل فرماوے، آمین۔

ابھی ۲۰۱۷ء دسمبر کے مہینے میں مشفقی واستاذی ومرشدی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ اور محترم کرم فرما قاری عبد الحنان صاحب زید مجدہم کے ساتھ نیوزی لینڈ کا دوسرا، اور آسٹریلیا، بالی (انڈونیشیا) کے پہلے سفر کی سعادت حاصل ہوئی، تو وہاں احباب تقاضا کرنے لگے کہ ان ممالک کے سفر کی تقریری وتحریری کارگزاری کب تک آئے گی؟

اس سفر کی چند جھلکیاں اس تیسری جلد کے شروع میں پیش کر دی گئی ہے، حق تعالیٰ تمام میزبانوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور اس کارگزاری کی اشاعت میں جن کا بھی حصہ

ہے سب کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

ہمارے نورانی مکاتب کے ناظمِ مکرم (Organizer) اور شعبۂ نشر واشاعت کے صدر حضرت الحاج مولانا حافظ یوسف ابن حافظ صدیق بھانا صاحب کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی دل چسپی سے اس کی اشاعت ہو رہی ہے۔

فقط والسلام

العبد: محمود بارڈولی

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

مورخہ: ۲۷/رجب ۱۴۳۹ھ

مطابق: ۱۵/اپریل ۲۰۱۸ء

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العٰلمين، والصلوٰة والسلام علىٰ سيدنا محمد خاتم النبيين، وعلىٰ اٰله وصحبه وعلىٰ من تبعهم باحسان الىٰ يوم الدين. أما بعد:

مجھے پچھلے کچھ سالوں سے بفضل اللہ تعالیٰ اپنے مشفق ومحسن استاذ اور مرشدِ ثانی شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں ملک وبیرونِ ملک دین کی نسبت سے جانے کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے۔ذلك من فضل الله علينا.

مدرسہ میں جن ایام میں اسباق کا سلسلہ موقوف ہوتا ہے، مثلاً امتحانات کے ایام اور تعطیلات کے ایام اس میں یہ دینی، دعوتی اسفار ہوجاتے ہیں، سالِ گذشتہ شوال کے مہینے میں محترم مفتی عبدالحمید صاحب اور مفتی یوسف ابن مفتی شبیر صاحب اور قاری ذاکر عالی پوری صاحب (مقیم: بلیک برن، برطانیہ) کی دعوت پر برطانیہ کا سفر طے ہوا تھا۔

ایک طویل عرصے سے یہ داعیہ پیدا ہو رہا تھا کہ تاریخی مقامات بخارا، سمرقند، ترمذ وغیرہ دیکھنے چاہیے اور اس بہانے وہاں کے مسلمانوں کو بھی دینی بات پہنچانے کا موقع مل جائے گا۔

ہمارے بیرون کے اسفار کے ٹکٹ، ویزا وغیرہ کی خدمت دمن کے ہمارے محترم حاجی ساجد میمن صاحب انجام دیتے ہیں، انھوں نے یہ بات بتائی کہ ازبکستان

ایئر لائن کے ذریعہ اگر برطانیہ کا سفر کیا جائے تو دوسری ایئر لائن کے مقابلے میں ٹکٹ کے مصارف بھی کچھ کم ہیں اور ہر ایئر لائن اپنے ملک کے کسی بڑے شہر سے ہو کر کے ہی سفر کرتی ہے؛ لہٰذا برطانیہ جاتے ہوئے تاشقند، بخارا، ترمذ وغیرہ بھی بیچ میں آ ہی جائے گا، ان کی یہ بات بندے کو پسند آئی؛ اس لیے اس چیز کو ملحوظ رکھ کر کے ازبکستان ہوتے ہوئے برطانیہ کے سفر کا نظام بنایا گیا، یہ پورا سفر دینی نسبت پر ہوا تھا۔

برطانیہ میں جا بجا مختلف مجالس میں علما اور عامۃ المسلمین کے مجمع میں تاشقند، ترمذ، بخارا، سمرقند، غجدوان وغیرہ شہروں کے کچھ حالات بیان کیے تھے، پھر جب سفر سے واپسی ہوئی تو بہت سارے علما کا اصرار رہا کہ اس سفر کی کارگزاری کی مکمل مجلس ہونی چاہیے؛ تاکہ پورے عالمِ اسلام کو علم و معرفت کے بیش بہا خزانے جن شہروں سے ملے ان کی تازہ صورتِ حال سے واقفیت ہو۔

چنانچہ جامعہ ڈابھیل کے وسیع ہال میں اس مجلس کا انعقاد کیا گیا، بمبئی سے احمد آباد تک کے نامور علما اور مفتیانِ عظام نے اس مجلس میں شرکت فرمائی اور حضرت دامت برکاتہم کی توجّہات کی برکت سے تقریباً دو گھنٹے سے زائد مفصّل خطاب ہوا، چوں کہ سفر کی بہت ساری باتیں جن کا تعلق حضرت دامت برکاتہم کی ذاتِ عالی سے تھا، اس کو میں حضرت کی حاضری میں بیان کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا؛ کیوں کہ حضرت دامت برکاتہم کا مزاج یہ ہے کہ وہ اپنا تعارف پسند نہیں فرماتے۔

اس سفر کی کارگزاری کے لیے خود حضرت دامت برکاتہم نے بڑا اہتمام فرمایا، ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود شروع سے آخر تک مجلس میں تشریف فرما رہے،

درمیان میں ایک دو جگہ پر دورانِ خطاب حضرت نے کچھ رہبری بھی فرمائی، تو جہات اور دعائیں تو مسلسل شاملِ حال رہیں اور آخر میں دس بارہ منٹ کا ایک جامع خطاب بھی حضرت نے فرمایا، اسے بھی اس سفرنامے میں بہ طور نگینہ کے جڑ دیا گیا ہے، باہر سے آنے والے علما کے لیے ایک بڑی مقدار میں کھانا خود حضرت نے تیار کروایا، جب یہ مجلس مکمل ہوئی تو انٹرنیٹ کے ذریعہ سے عالم کے دور دراز ممالک اور بلاد کے علما اور مسلمانوں نے سنا، بے حد پسند کیا گیا اور بہت سوں کی چاہت تھی کہ اس کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

ڈابھیل کی اس مجلس کا شہرہ ہوا تو اور بھی بہت سی جگہوں سے بہ اصرار یہ تقاضے ہوئے کہ کارگذاری کی مجالس ہونی چاہیے، خصوصاً سورت شہر میں محترم ومکرم حاجی اسماعیل جانو اور حاجی اختر میمن صاحب جن کے ذریعہ سے علما کی مجالس سورت شہر میں ہوا کرتی ہیں، اس میں خاص کر اسماعیل بھائی کی طرف سے شدید ترین اصرار ہوا؛ لہٰذا سورت شہر کی ''چوڑ گھر'' مسجد میں ایک دوسری مجلس کا انعقاد ہوا، ڈابھیل کی مجلس میں جو باتیں عرض نہیں کرسکا تھا، زیادہ تر وہ باتیں سورت کی مجلس میں عرض کی گئی ہے۔

الحمد للہ دونوں مجلس کی C.D بھی سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں نے لیں اور انٹرنیٹ پر بھی ہزاروں لوگوں نے اس سے استفادہ کیا۔

ازبکستان کے اس سفر میں ایک اور نامور عالمِ دین حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب قاسمی کشمیری (زید لطفہ) کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہوا، وہ رسالہ ''النور'' کے بانی اور مدیر بھی ہے؛ لہٰذا انھوں نے سفر کی کارگزاری مختلف قسطوں میں اپنے رسالہ

''النور'' میں لکھی۔

حضرت اقدس مولانا ذوالفقار صاحب نقشبندی دامت برکاتہم کی اس علاقے کی ایک کارگزاری شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہے۔ حضرت والا کے سفر کے کئی سال گذر چکے ہیں، مرورِ زمانہ کی وجہ سے ازبکستان کی صورتِ حال میں پوری تبدیلی آچکی ہے؛ اس لیے تازہ صورتِ حال کا سامنے لانا ایک اہم کام تھا۔

اس کارگزاری کو مرتب کرنے میں حسبِ ذیل امور کی رعایت کی گئی ہے:

(۱) ڈابھیل اور سورت دونوں جگہ پر جب کارگزاری پر مشتمل بیان ہوا، تب بندے کے ہاتھ میں تحریری نوٹس موجود تھے، یہ نوٹس سفر کے دوران بندے نے تیار کیے تھے۔

(۲) دورانِ سفر شرعی حدود میں رہتے ہوئے محترم بھائی عابد ڈنگمار صاحب نے جدید ذرائع سے مختلف مقامات پر واقعات اور مقامات کو محفوظ کیا تھا۔

ان دونوں چیزوں سے بھرپور استفادہ کر کے یہ سفرنامہ تیار ہوا ہے۔

(۳) حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب دامت برکاتہم کا جو مضمون ''النور'' میں شائع ہوا تھا اس سے بھی کافی استفادہ کیا گیا ہے۔

(۴) حضرت مولانا ذوالفقار صاحب نقشبندی دامت برکاتہم کے سفر نامے سے بھی قدرے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۵) سفر کے انواع، اقسام اور آداب کے سلسلے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''معارف القرآن'' اور مولانا مفتی انعام الحق صاحب کی کتاب

’’احکامِ مسافر‘‘ سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اس سفر میں دیکھے ہوئے بعض احوال کا بھی اس کارگزاری میں تذکرہ ہے، اس کا مقصد کسی کی کمزور حالت کی اشاعت ہرگز ہرگز نہیں ہے، کسی مسلمان کے عیب یا برائی کو اچھالنے سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

بلکہ ان حالات اور واقعات کو محض سامعین اور قارئین کی عبرت کے واسطے بیان کیا گیا ہے، ساتھ ہی سامعین اور قارئین اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس علاقے کے مسلمانوں کے لیے اور اپنے لیے اور پورے عالم کے مسلمانوں کے لیے ہدایت اور دین پر استقامت کی دعا کا اہتمام کریں اور جس سے جس طرح جس قدر بن سکے خصوصاً اس علاقے کے مسلمان اور عموماً پورے عالم میں دینی بیداری، اشاعتِ دین اور حفاظتِ دین کی فکر اور کوشش کریں اور امت کو اسبابِ زوال سے بچانے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ ان سطروں کو قبول فرماویں، اپنی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ بنائے، آمین۔

کاش! ازبکستان کے یہ سب علاقے پھر سے علوم ومعرفت کے مراکز بن جائیں۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز.**

ایسے تو اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب وغریب شان رہی ہے کہ احادیثِ پاک کو کتابی شکلوں میں جمع کرنے کا کام زیادہ تر اہلِ عجم سے لیا گیا، اس لیے پوری دنیا کے

مسلمانوں کو بخارا، سمرقند، ترمذ سے علمی، روحانی نسبتیں ہیں۔

لیکن مادرِ علمی جامعہ ڈابھیل کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ جامعہ کے دورِ اول میں جب امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جامعہ کی مسندِ علمی کی زینت تھے، اس دور میں بخارا، سمرقند کے علاقے سے بھی تشنگانِ علومِ نبوت یہاں پہنچے؛ گویا کہ جامعہ کا علمی، روحانی فیض الحمد للہ! ان مراکزِ علم ومعرفت بخارا، سمرقند وغیرہ بھی پہنچا ہے۔ **ذلک فضل اللّٰہ یعطیه من یشاء.**

مجھے اپنی تمام تر علمی کوتاہیوں کا اعتراف ہے، اس سفرنامے میں جو کوتاہی آپ کو نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائے ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر لی جائے گی اور اس نیک کام میں آپ بھی شامل ہوں گے۔

اس سفرنامے کی مکمل تیاری میں عزیز محترم مولانا مفتی اویس ابن فاروق کنجری سلمہ اللہ وعافاہ کی محنتوں کا بہت بڑا حصہ رہا ہے، اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور خدمتِ دین کے لیے قبول فرمائے۔ آمین

فقط والسلام

العبد: محمود بارڈولی

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات

پیش لفظ

کتاب پڑھنے سے پہلے

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۲۰۰۰ء کے بالکل شروع میں انگلینڈ کا سب سے پہلا سفر ہوا، پھر اس کے بعد تو انگلینڈ مستقل سفر گاہ بھی ہوا اور گزرگاہ بھی ہو گیا، برِ اعظم امریکا اور جزائرِ ویسٹنڈیز کے مختلف اسفار کے موقع پر جاتے یا آتے ہوئے کبھی ایک دن، دو دن یا آدھے دن کے لیے ٹھہرنے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔

پہلے ہمارے جامعہ ڈابھیل کے فاضل: حضرت مولانا عثمان آدم صاحب جب مسجدِ قوت الاسلام (اپٹن لین) سے متعلق تھے تو ان کی دعوت پر میرے مشفق اور محسن شیخ الحدیث حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے ایما پر رمضان میں ایک ایک عشرے کے لیے لندن جانا ہوتا، ساتھ میں دیگر مقامات کو بھی شامل کرلیا جاتا، پھر حضرت دامت برکاتہم کی معیت میں غیرِ رمضان میں شعبان، شوال مختلف مواقع پر دینی، اصلاحی، دعوتی اسفار کا سلسلہ شروع ہوا۔

بعد میں رفیقِ درس قاری ذاکر صاحب عالی پوری (استاذِ تجوید و قرأت دار العلوم بری) کی وساطت سے حضرت مفتی عبد الحمید صاحب کی دعوت پر برطانیہ کے اسفار کا سلسلہ شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مفتی عبد الحمید صاحب نے پورے برطانیہ میں اسکول کے قیام اور چلانے کا ایک انوکھا کارنامہ انجام دیا ہے، توحید الاسلام اور اس طرح کے نام سے برطانیہ میں پچیس (۲۵) اسکولیں آپ کی زیرِ توجہ ہیں۔

۲۰۱۰ء میں مسجد توحید الاسلام بلیک برن کے افتتاح کے موقع پر حضرت دامت برکاتہم اور بندہ محمود کوان کی دعوت پر پہلی مرتبہ حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت دامت برکاتہم کے پُرمغز مواعظ ہوئے اور مسجد کے امام شیخ سہیل صاحب کے حکم پر نئی مسجد میں خطبۂ جمعہ اور پہلی نماز پڑھانے کی بندے کوسعادت حاصل ہوئی۔

پھر ۲۰۱۲ء سے ہر سال رمضان کے بعد شروع شوال میں مفتی عبد الحمید صاحب کی دعوت پر حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم کی معیت میں برطانیہ کے سفر کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ ۲۰۱۶ء سے حضرت قاری عبدالحنان صاحب کی مصاحبت نے سفر کو پُرلطف اور پُرراحت بنادیا۔

اس پورے پروگرام کے نظم میں حضرت مفتی یوسف ابن شیخ شبیر بھی برابر شامل ہوتے ہیں اوران کی ہر طرح کی رہنمائی اور قیادت میں سفر میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

سالِ گذشتہ شوال ۲۰۱۹ء میں برطانیہ کے ساتھ بلقان کے ملکوں کی بھی دینی و دعوتی سفر کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت مولانا حنیف صاحب دودھ والا اور ان کی تنظیم والوں کی چاہت اوران کی دعوت پر مقدونیا، البانیا، مونٹی نیگرو اور بوسنیا چار ملکوں کا دینی سفر ہوا، اس سفر کی ایک عجیب خوبی یہ تھی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم بھی سفر میں تشریف لائے، اور حضرت مفتی محمد تقی صاحب اور حضرت مفتی احمد صاحب کی برکت سے ایک بہت بڑا قافلہ تیار ہوگیا اور برطانیہ سے ان ملکوں کی حاضری ہوئی اور وہاں سے بھارت واپسی ہوئی۔

حسبِ معمول سفر سے واپسی پر رفقا نے کارگزاری کے بیان کے سلسلے میں اصرار کیا اور سورت کی چوڈگر مسجد اور دیگر مقامات پر کارگزاری کی مجلس ہوئی، اس بیان کو لکھا گیا اور اس میں بہت سارے اضافوں کے ساتھ اس کو کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

تقریباً ۲۰۰۵ء یا ۲۰۰۶ء میں سفرِ حج کے ساتھ طائف کا بھی سفر ہوا تھا، اس کی بھی کارگزاری اس چوتھی جلد میں شامل کر لی گئی ہے۔

اس چوتھی جلد کی طباعت کے جمیع اخراجات حضرت مولانا حنیف صاحب دودھ والا کی تنظیم کی طرف سے ادا کیے جا رہے ہیں، فجزاہم اللہ خیرا احسن الجزاء۔

چوں کہ البانیا کے سفر کے تقریباً دس ماہ گزرنے کے بعد اس کارگزاری کو طباعت کے لیے بھیجا جا رہا ہے اس لیے بہت حد تک یہ احتمال ہے کہ کوئی اہم واقعہ یا کسی کا تذکرہ چھوٹ گیا ہو؛ لہٰذا اس سلسلے میں معذرت خواہ ہوں؛ اگرچہ سفر کے دوران جمیع رفقا سے درخواست کی گئی تھی کہ اپنا تعارف لکھ کر عنایت فرما دیں تو اس کو شامل کر لیا جائے؛ لیکن اس درخواست پر کما حقہ توجہ نہیں کی گئی اس لیے یہ کام نہ ہو سکا۔

اس سفر میں چوں کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کی معیت اور صحبت کی سعادت حاصل رہی اور حضرت مفتی صاحب سفر نامہ لکھنے میں اس دور کے امام الفن ہیں، حضرت مفتی صاحب نے سفر کی کارگزاری جو البلاغ رسالے میں شائع کی تھی اس کو بھی ہم اس کتاب میں شامل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں؛ تاکہ حضرت والا کی اس تحریر کی برکت سے ہماری تحریر بھی اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے، تنظیم کے ذمے دار اور ہمارے سفر کے ناظم اور روحِ رواں

حضرت مولانا حنیف صاحب دودھ والا مدظلہ العالی کا بھی مشورہ تھا اور ہماری بھی دلی چاہت تھی لہذا اہم اپنی سعادت سمجھتے ہوئے حضرت مفتی صاحب کی کارگزاری کو ان کی اجازت کے ساتھ بعینہ شامل کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ حضرت مفتی صاحب کے سایۂ عاطفت کو ہم پر تادیر قائم فرمائے، آمین۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد ابن شیخ آدم نے بھی انگریزی میں سفرنامہ تیار کیا تھا اس کا خلاصہ بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان اسفار اور کارگزاریوں کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے، اور اس کارِ خیر میں جس نے بھی جس لائن سے حصہ لیا اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے فضل وکرم سے جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

بندہ: محمود بارڈولی عفی عنہ

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

مؤرخہ: ۳۰/شعبان ۱۴۴۰ھ - ۶/مئی ۲۰۱۹ء

کلماتِ بابرکت

استاذی و مشفقی حضرت مولانا سلیمان صاحب چوکسی دامت برکاتہم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے علم وہدایت کو بارش سے تشبیہ دی ہے:

”مثل مابعثني الله به من الهدى والعلم كمثل الغيث الكثير“

رحلات واسفار اس امت کا - خاص کر علم وہدایت کی نسبت پر - طُرّۂ امتیاز رہا ہے، نبیٔ کریم ﷺ کے رحلات، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسفار اور رحلات المحدثین تو اسلامی تاریخ کا ایک بہت وسیع باب ہے۔

اس لیے حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ داعی کو سورج سے تشبیہ دے کر فرماتے تھے کہ سورج کی تین صفات داعی میں ہو:

(۱) سورج ہمیشہ چلتا ہے۔

(۲) اپنا نور لے کر چلتا ہے۔

(۳) جسے بھی فیض یاب کرتا ہے اس سے اجرت نہیں مانگتا۔

بقول اقبال مرحوم:

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں	اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر نکلے اِدھر ڈوبے

موجودہ دور میں اسباب ووسائل کی سہولتوں کے باعث سفر بہت آسان اور آرام دِہ ہوگیا ہے؛ اس لیے دنیا میں لوگ مختلف مقاصد کے تحت سفر کرتے ہیں۔

مگر اللہ تعالیٰ کے کچھ مقبول بندے سورج کی طرح عالم کے افق پر طلوع ہوتے ہیں اور بادل بن کر علم وہدیٰ کی بارش لے کر قریہ قریہ، بستی بستی، بنجر زمینوں میں جا کر برستے ہیں: بقول شخصے:

صبح چلتے ہیں، شام چلتے ہیں	عشق والے مُدام چلتے ہیں
ساتھ چلتی ہے ان کے یوں دنیا	جیسے پیچھے غلام چلتے ہیں

انھیں نفوسِ قدسیہ میں میرے استاذِ محترم اور مشفق مربی: حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری زید مجدہم ہیں۔ گذشتہ سال حضرت نے بخارا، سمرقند وغیرہ علاقوں کا سفر فرمایا۔

اس سفر میں رفیقِ سفر حضرت مولانا ابراہیم پانڈور صاحب دامت برکاتہم اور بقولِ سعدیؒ:

ہم از عہد خوردی آثار بزرگی در ناصیۂ او پیدا

کے مصداق عزیزم مفتی محمود صاحب بارڈولی حفظہ اللہ ورعاہ تھے۔

سفرنامہ افادیت کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے: ''سفر وسیلۂ ظفر'' صحیح معنوں میں اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ مسافر اپنے سفر میں دوسروں کو شریک کرے اور سفر میں دوسروں کو شریک کرنا اسی طرح ممکن ہے کہ تمام تجربات ومشاہدات کو اس طرح بیان کر دیا جائے کہ سفرنامہ پڑھنے والا ذہنی طور پر ان راستوں اور گذرگاہوں پر اپنے کو موجود محسوس کرے جن سے سفرنامے کا مسافر گذرا ہے اور اس کو علمی، اصلاحی، سیاسی، جغرافیائی، تمدّنی احوال سے واقفیت ہو۔

پھر جب کہ سفر کرنے والی شخصیت صاحبِ سلسلہ بھی ہو تو اس سفر نامہ سے ان کے بے شمار مسترشدین اور متعلقین کو اصلاحِ نفس کے ساتھ صحبتِ شیخ کا بدل بھی مل جاتا ہے۔

ایک ایسی ہی شخصیت کا زیرِ نظر سفر نامہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آرہا ہے، جسے عزیزم مفتی محمود بارڈولی زید مجدہم نے مرتّب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ اسے تمام مسترشدین، متعلقین کے لیے بے انتہا مفید فرمائے اور حضرت اقدس مفتی احمد صاحب زیدت مکارمہم کو بایں ہمہ صحت وعافیت تادیر ہمارے سروں پر باقی رکھے، آمین۔

دعا گو: سلیمان چوکسی

خادم التدریس: دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

سابق استاذ وناظم تعلیمات:

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک، گجرات

کلماتِ بابرکت

از استاذی، مشفقی ومرشدی: حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث وسرپرست دارالافتاء: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل-سملک)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی الہ وأصحابہ أجمعین، أما بعد!

پچھلے چند سالوں سے رمضان المبارک کے بعد ہمارا برطانیہ کا سفر ہوتا ہے، حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب اوران کے رفقا کی طرف سے دعوت رہتی ہے اور چندروزہ قیام میں مختلف جگہوں پر حاضری دے کرلوگوں سے ملاقات، افادہ واستفادہ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

اِس سال شوال ۱۴۳۹ھ میں پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق جب ہم وہاں گئےتو اپنے اسی سفر میں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد حنیف صاحب دودھ والا -جوحضرت مولانا قاری اسماعیل صاحب سمنی رحمہم اللہ کے داماد ہوتے ہیں- ان کی تنظیم -مسلم ویلفئیر انسٹی ٹیوٹ، بلیک برن- کی طرف سے بلقان کی ریاستوں: البانیا، مقدونیا، مونٹی نیگرو، اور بوسنیا وغیرہ کا بھی ہمارا سفر ہے؛ لہٰذا یو-کے (UK) جانے کے بعد دو تین دن کے بعد ہی ہمیں وہاں کے لیے روانہ ہونا ہے۔

چنانچہ اسی پروگرام کے مطابق ہم وہاں سے نکلے اور مولانا حنیف صاحب اور ان کے بہت سارے رفقائے کار- جو ان کی تنظیم میں ان کے معاون اور کام میں

شریک بھی ہیں ۔ان کا بھی ایک بڑا قافلہ تھا، پہلے سے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم کو بھی دعوت دے کر اس سفر میں تشریف آوری کے لیے انھوں نے راضی کرلیا تھا کہ وہ براہِ راست مقدونیا پہنچ جائیں گے۔

بہر حال! ہمارا یہ قافلہ وہاں سے روانہ ہوا اور ہم مقدونیا پہنچے، پھر وہاں سے ہمارا سفر باقی ممالک کے اندر ہوا۔

میں تو سفر نامے لکھنے سے قاصر ہوں؛ مگر ہمارے رفیقِ سفر، عزیزِ گرامی مولانا مفتی محمود صاحب بارڈولوی ۔زید مجدہ و حفظہ اللہ ۔اس میں مستعد ہیں، وہ سفر سے واپسی کے بعد اپنے بیانات اور مجالس میں بھی سفر کے حالات کو بیان کرتے رہتے ہیں اور اس کو تحریری جامہ پہنا کر دائمی شکل بھی عطا کر دیتے ہیں، اس سے پہلے ’’بخارا، سمرقند، اسپین، ترکی، فلسطین، مصر وغیرہ‘‘ کی کارگزاری تین جلدوں میں اردو اور گجراتی زبان میں شائع ہوچکی ہے۔

اِس سے پہلے بھی مفتی صاحب موصوف مختلف اسفار میں ہمارے رفیقِ سفر رہتے رہے ہیں، اس سفر میں بھی تھے اور انھوں نے اگلے اسفار کی طرح اس سفر کی بھی کارگزاری اپنے انداز سے تیار کی ہے، جس کو مولانا محمد حنیف صاحب اپنے ادارے ۔مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ، بلیک برن ۔کی طرف سے شائع کرنے جا رہے ہیں، اس طرح مختلف اسفار کی کارگزاریوں کی یہ چوتھی جلد ہے۔

یہ دل چسپ کارگزاری آپ پڑھیے! ان شاء اللہ! آپ کو اس سے بہت ساری معلومات حاصل ہوں گی اور بلقان ریاستوں میں اس وقت کیا صورتِ حال ہے، وہاں

کے باشندے اور مسلمان کن حالات سے گزر رہے ہیں اس کا بھی اِس سفر نامے سے آپ کو اندازہ ہوگا۔

اِس موقع پر میں دونوں حضرات کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ اس سفر نامہ سے پڑھنے والوں کو ان شاء اللہ! اس موضوع سے متعلق مفید اور کارآمد معلومات حاصل ہوں گی، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو خیر اور بھلائی کا ذریعہ بنائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

املاءہ: (مفتی) احمد خانپوری (صاحب)

مؤرخہ: ۲۵/ رجب ۱۴۴۰ھ

عرضِ مرتب

الحمدﷲ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد، خاتم النبیین وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین، اما بعد!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بخارا، سمرقند، مرغینان کے دینی، علمی سفر کی کار گزاری کتابی شکل میں منظرِ عام پر آئی تو وہ بہت مقبول ہوئی اور چند ہی دنوں میں اس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا اور تصحیحات کے بعد دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا اور گجراتی زبان میں بھی یہ کارگزاری شائع ہو کر منظرِ عام پر آ گئی۔

اور پڑوسی ملک میں بھی بندے کی کتابیں: خطباتِ محمود کے ساتھ اس کارگزاری کی بھی اشاعت ہونے لگی اور ظہورِ مہدی کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے، یہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے، اللہ تعالیٰ ان کتابوں کے فیض کو تا قیامت عالم میں جاری وساری فرمائے اور اپنی رضا اور محبت کا ذریعہ بنائے، آمین۔

بخارا، سمرقند کی کارگزاری پہلے بیان کی شکل میں ہوئی تھی، پھر کتابی شکل میں آئی، ابھی کچھ وقت پہلے جورڈن اور فلسطین کا سفر ہوا تھا اور ساتھ میں ترکی بھی حاضری ہوئی، اس موقع پر ترکی سے بندے کا پناما جانا ہوا اور پناما میں تقریباً نو (9) روز تک سفر کی کارگزاری کے واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے اور کچھ باتیں جو رہ گئیں وہ رمضان کے اخیری عشرے میں ملاوی میں بیان کیں، وہ مفصل کارگزاری تو اس وقت کتابی شکل میں لانا دشوار ہے؛ البتہ! سی، ڈی، (C.D) کے ذریعہ سے اس کی خوب اشاعت ہوئی، اور انٹرنیٹ کے ذریعے بھی لوگوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا

اور اٹھار ہے ہیں۔

البتہ! رمضان کے بعد احباب کے شدید اصرار پر سورت شہر کی ''چوڑ گھر'' مسجد میں کارگزاری کی مجلس منعقد ہوئی، اس مجلس میں جورڈن، فلسطین اور ترکی کے سفر کی کارگزاری بیان ہوئی، ان شاء اللہ فلسطین اور جورڈن کی کارگزاری ''دیکھی ہوئی دنیا'' کی تیسری جلد میں پڑھنے کو ملے گی، البتہ ترکی کے اس دوسرے سفر کی کارگزاری کیسٹوں سے لکھی گئی اور اس میں ترکی کا جو پہلا سفر ہوا تھا اس وقت کی کچھ باتیں جو ذہن میں محفوظ تھیں، ان کو بھی شامل کر دیا گیا۔

اسپین کا سفر ۲۰۰۸ء میں ہوا تھا اور اس وقت اسپین کے سفر کی کارگزاری کی مختلف خصوصی مجلسیں منعقد ہوئی تھیں اور اس کو لوگوں نے بڑی دل چسپی سے سنا تھا اور وہ سی ڈی (C.D) میں الحمد اللہ! محفوظ ہے، تو سیڈیوں سے اس کارگزاری کو تحریری شکل میں لایا گیا اور کچھ یادداشتیں جو سفر کے دوران تیار کی گئی تھیں، ان کو بھی شامل کر لیا ہے، اس طرح یہ اسپین کی کارگزاری تیار ہو سکی۔

البتہ! حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنی کتاب ''جہانِ دیدہ'' میں جو کچھ لکھا ہے اس کو بھی پڑھنا چاہیے، یہ دونوں کارگزاری جو اس وقت شائع ہو کر منظرِ عام پر آرہی ہے، اس کی ترتیب اور کمپوزنگ میں جن حضرات نے تعاون کیا میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی نسلوں کو دین کی مقبول خدمات کے لیے قبول فرمائے، آمین۔

ویسے تو دنیا کے بہت سارے ممالک میں دین کی نسبت سے حاضری کی

سعادت حاصل ہوئی ہے؛لیکن ان تمام کولکھنا بڑا مشکل کام ہے، البتہ! چیدہ چیدہ مقامات کی کارگزاری ان شاء اللہ شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

دورانِ سفر پیش آنے والے کچھ واقعات جو عجیب وغریب ہیں ان کو اس ’’پیش لفظ‘‘ کے حوالے سے آپ کی خدمت میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

(۱) ایک غیر مسلم پر قرآن کی تلاوت کے اثرات کا عجیب واقعہ

۱۹۹۹؁ء – ۲۰۰۰؁ء میں پناما کا پہلا دینی سفر ہوا، وہاں باقاعدہ عیدگاہ نہ ہونے کی وجہ سے عید کی نماز کسی میدان میں ادا کی جاتی ہے، رمضان عید کی نماز اس سال وہاں کی ایک مشہور یونیورسٹی کے میدان میں ادا کی گئی، عید کی نماز سے پہلے بندے کے ذمے بیان کرنا طے ہوا تھا، ٹریفک کی وجہ سے میں وقتِ مقررہ پر وہاں نہیں پہنچ سکا، تو حضرت مفتی عبدالقادر صاحب کا خطاب شروع ہو چکا تھا، جب میں پہنچا تو انھوں نے میرے نام سے اعلان کیا اور خطاب شروع ہوا۔

عید کے موقع سے جن مسلمانوں کا مجمع وہاں جمع تھا، اس میں بھارتی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد تھی؛ اس لیے بھارت کے سفیر ’’مسٹر تارا سنگھ‘‘ اپنے عملے کے کچھ لوگوں کے ساتھ مبارکباد پیش کرنے کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے، عید کے موقع سے بندے کے ذہن میں ایک مضمون من جانب اللہ جو آیا اس کو میں بیان کر رہا تھا کہ عید کا منظر اور موت اور قیامت کا منظر کافی ملتا جلتا ہے:

میت کو غسل دیا جاتا ہے، اسی طرح آج عید کی نسبت سے سنت پر عمل کر کے سب نے غسل کیا ہے۔

میت کو سفید کفن پہنایا جاتا ہے، عید کی نسبت سے آج مسلمانوں کا مجمع بھی سفید کپڑوں میں ملبوس ہے۔

میت کو آبادی سے نکال کر باہر لے جاتے ہیں، عید کی نسبت سے مسلمان بھی آبادی چھوڑ کر کھلے میدان میں آگئے ہیں۔

اور قیامت کے میدان میں اولین وآخرین کو جمع کیا جائے گا، یہاں بھی عید کی نسبت سے مسلمانوں کا ایک مجمع جمع ہوا ہے۔

اور عید کے انوار اور رحمتِ الٰہیہ کے فیضان کے ساتھ قرآنِ مجید کی بہت ساری آیتیں، پرکیف انداز سے زبان سے تلاوت ہورہی تھیں، پورے مجمع پر ایک سکتہ اور گریہ کی کیفیت طاری تھی، قرآنِ مجید کی آیات کی تلاوت اور اس کے ترجمے کا وہاں موجود بھارتی سفیر ''مسٹر تارا سنگھ'' پر بھی بڑا اثر ہوا اور وہ بھی زار وقطار رونے لگے اور جیسے میں نے اپنا خطاب مکمل کیا، مسٹر تارا سنگھ آگے بڑھے اور مائک ہاتھ میں لے کر قرآنِ مجید اور اسلام کے سلسلے میں بڑے وقیع کلمات بولنے لگے اور اس قدر رورہے تھے کہ ان کے لیے خود اپنی بات بولنا مشکل ہورہا تھا۔

پھر عید کی نماز شروع ہوئی اور نماز کے بعد مرحوم حاجی سلیمان صاحب بھیکھو کے مکان پر کھانے کی ایک دعوت پر وہ بھی شامل ہوگئے، مرحوم حاجی سلیمان بھیکھو صاحب بھارت سے پناما جانے والے اولین لوگوں میں سے ہیں، ان کی فکروں اور کوششوں سے مسجد اور مدرسہ وہاں قائم ہوئے، مرحوم کی اہلیہ محترمہ نے عید کی نسبت سے ایک بڑی دعوت کا انتظام بھی کیا تھا، جس میں پناما کے مؤقر علما اور بھارت کے سفیر

صاحب بھی موجود تھے، اور مسلم ملکوں میں سے صرف ''لیبیا'' کا سفارت خانہ وہاں موجود ہے، اس کے سفیر صاحب بھی دعوت پر مدعو تھے۔

دستر خوان پر بیٹھتے ہی بھارت کے سفیر تارا سنگھ صاحب نے اپنی بات شروع کی، کہنے لگے: قرآنِ مجید پہلی مرتبہ مجھے سننے کا موقع ملا اور اس کی چند آیات اور اس کا ترجمہ سن کر میرے دل پر بڑے گہرے اثرات ہوئے، اب میں پکا ارادہ کرتا ہوں کہ قرآنِ مجید کا ترجمہ حاصل کروں گا اور پورے قرآن کو پڑھوں گا۔

اس سلسلے میں ہم سے اس وقت یہ کوتاہی ہوئی کہ ہم خود انتظام کر کے وہ جس زبان میں سمجھ سکیں، اس زبان میں قرآن کا ترجمہ ان کو پیش کرتے اور قرآن کے مطالعہ کے دوران اگر کوئی بات ان کے ذہن میں آتی تو اس پر مذاکرات، مفاہمات ہوتے، ہم ان سے ربط بڑھاتے؛ لیکن اس ملاقات کے بعد ان سے ربط باقی نہ رہا، اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ان کو ہدایت اور ایمان کے نور سے سرفراز فرماوے، آمین۔

پھر وہ میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے: آپ کی قرآن کے سلسلے میں معلومات بہت اچھی ہیں اور آپ نے مجھے قرآن اتنے قریب سے سنایا، سمجھایا، مجھے بہت رونا آیا اور میرے دل پر بڑے اچھے اثرات ہوئے، میں آپ کی کوئی خدمت کرنا چاہتا ہوں، آپ مجھے اپنی خدمت کا کوئی موقع عنایت کریں۔

اس موقع پر وہاں موجود ایک شخص نے کہا کہ: مفتی صاحب کے برطانیہ کے ویزے کا مسئلہ ہے۔

چوں کہ میں ہمارے جامعہ ڈابھیل کے سالانہ جلسے کے بعد اسی رات کو اڑیسہ

چلا گیا تھا، وہاں ہوا اور سمندری طوفان نے سنگین حالات پیدا کر لیے تھے اور اس وقت ہمارا ادارہ ''فلاح المسلمین'' اس طرح کے مواقع پر نمایاں خدمات انجام دیتا تھا؛ اس لیے مجھے برطانیہ کے ویزا لینے کے لیے ضروری وقت نہیں مل سکا تھا، شعبان کے اواخر میں اڑیسہ سے واپسی کے بعد رمضان کے اوائل میں ''پناما'' کا سفر ہو گیا۔

اس پر بھارت کے سفیر تارا سنگھ صاحب کہنے لگے کہ: میں اپنی خوش نصیبی سمجھ کر آپ کی یہ خدمت ضرور کروں گا، یہاں ''پناما'' میں برطانوی سفیر کو میں خود بھارتی سفارت خانے کی ضمانت پر خط لکھتا ہوں اور اس خط کی بنیاد پر آپ کا ویزا ہو جائے گا۔

چنانچہ وہ خط مع اردو ترجمے کے پیش خدمت ہے:

انڈین سفارت خانہ، انگلینڈ کے سفارت خانے کو مبارک بادی پیش کرتا ہے اور بڑے فخر سے یہ بات کہتا ہے کہ (حضرت) مفتی محمود سلیمان حافظ جی (صاحب مدظلہ) جو اس (U-806358) پاسپورٹ نمبر کے حامل ہیں، ان کو پناما کے انڈین سفیر جناب تارا سنگھ بذاتِ خود جانتے ہیں۔

موصوف تبلیغ اور پناما کی مسلم بستیوں میں قرآن کے احکام سکھانے کی غرض سے آئے ہیں، موصوف بہت بڑے عربی داں ہیں اور ہندوستان کے صوبۂ گجرات کی مشہور و مایۂ ناز شخصیات میں سے ہیں، موصوف اپنے یو کے (UK) میں رہنے والے رشتے داروں کی زیارت کرنا چاہتے ہیں؛ لھٰذا ایک عاجزانہ گزارش ہے کہ آپ موصوف کو ویزا سے نواز دیں، موصوف کے پاس پناما کی ملٹیپل ویزا بھی ہے، ہندوستان کا سفارت خانہ موقع کو غنیمت سمجھ کر یو کے کے سفارت خانے کو اعلیٰ ترین یقین کے اظہار

کی تجدید کی درخواست کرتا ہے۔

پناما/۱۰رجنوری ۲۰۰۰ء
یو کے سفارت خانہ، پناما

اصل خط ملاحظہ ہو:

پیش خدمت

امام الفن حضرت الاستاذ قاری ومقری احمد اللہ صاحب قاسمی بھاگلپوری دامت برکاتہم العالیہ

درجۂ عربی دوم سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک حضرت سے تجوید وقرأت پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، درجۂ عربی دوم ہی سے حضرت الاستاذ نے تجوید کے گھنٹے میں اور دیگر اوقات میں بندے کو حدر سنانے کا موقع عنایت فرمایا، ماشاء اللہ! بہت ہی محبت اور محنت کے ساتھ تجوید اور قرأتِ سبعہ بھی پڑھائی، اور دوسری بھی بہت ساری خصوصی؛ بلکہ اخص الخصوص عنایات اور شفقتیں آج تک برابر جاری وساری ہیں، حضرت الاستاذ کا تفصیلی تذکرہ بندے نے اپنے والدِ مرحوم کی سوانح ''فیضِ سلیمانی'' میں ازصفحہ: ۸۹ تا صفحہ: ۱۰۰ کیا ہے، وہاں تفصیل ملاحظہ فرمالیں۔

اللہ کے فضل سے وجود میں آنے والی اس تیسری جلد کا ثواب حضرت الاستاذ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ حضرت الاستاذ کے سایہ کو تادیر قائم فرماوے، آمین۔

پیش خدمت

الحمدللہ! بندے کا معمول ہے کہ اپنی ہر ایک کتاب کا ثواب اپنے اکابر میں سے باری باری ایک ایک کو ایصال کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ جو سفر نامہ تیار ہوا ہے اس کا پورا ثواب بندے کے استاذِ محترم حضرت مولانا ابراہیم بن محمد کاوی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو ایصال کرتا ہوں۔

مرحوم یکم جون ۱۹۴۸ء میں گجرات کے ضلع بھروچ کے تاریخی گاؤں ''کاوی'' میں پیدا ہوئے اور ۵؍صفر ۱۴۳۶ھ مطابق ۹؍دسمبر ۲۰۱۴ء صبح ۸؍بجے ڈابھیل محمود نگر میں وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جامعہ ڈابھیل میں تعلیم وتدریس: تعلیم اور ۴۵؍سالہ تدریس ملا کر مجموعی ۵۴؍سال ایک ہی جگہ ڈابھیل میں مقیم رہے۔

بندے کو درجۂ فارسی اول میں پورا سال امتحان دینے کی سعادت حاصل ہوئی اور اس کے بعد دوسرے سال مکمل درجۂ عربی اول مرحوم سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

درسی خصوصیات:

(۱) صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں بہت ہی محنت سے پڑھاتے، مشکل باتیں بار بار سمجھاتے، ایک ایک قاعدے کی کئی کئی مثالیں دیتے، بورڈ پر لکھ کر بھی سمجھاتے، دورانِ درس طلبہ سے بھی بلواتے، جس کا ایک اہم فائدہ یہ ہوتا کہ جماعت میں تقریباً ایک ثلث طلبہ کو سبق اسی وقت یاد ہو جاتا۔

(۲) صرف، نحو، منطق کی کئی کئی کتابوں کا مطالعہ کر کے زیرِ درس کتاب کی ترتیب سے سبق کا پورا خلاصہ طلبہ کو کاپی میں لکھواتے، جس میں کئیں کئیں کتابوں کا خلاصہ آجاتا، چنانچہ کتاب الصرف، کتاب النحو، تیسیر المنطق، علم الصیغہ کی کاپیاں طلبہ میں اور مدرسین میں بہت ہی مقبول ہیں۔

(۳) مدرسے کے متعینہ اوقات سے عام طور پر آدھا گھنٹہ پہلے تشریف لاتے اور عام طور پر تمام طلبہ کا سبق پورا پورا سننے کا اہتمام فرماتے۔

(۴) فقہ کی کتابوں میں کبھی کبھی طلبہ کی سمجھ اور جسم کے ساتھ ذہنی حاضری کا امتحان لینے کے لیے بعض مقامات پر کتاب کی عبارت کا ترجمہ ظرافت کے انداز میں فرماتے۔ مثلاً قدوری میں کتاب الاجارہ میں ایک جگہ عبارت ہے:

ومن استاجر رجلا ليضرب له لبنااستحق الاجرة اذا أقامه عندأبى حنيفةؒ.

اس کا ترجمہ یوں فرماتے: ایک آدمی نے کسی شخص کو اجرت پر بلایا؛ تاکہ وہ اس بلانے والے کو اینٹ مارے تو وہ اجرت کا حق دار بن جائے گا، جب کہ وہ اس کو کھڑا کر کے مارے۔

پھر بعد میں صحیح ترجمہ اور مطلب سمجھاتے۔

(۵) سبق میں طلبہ کی تربیت کی غرض سے اکابر اسلاف کے واقعات خوب سناتے، خصوصاً جمعرات کے دن طلبہ کو کچھ نہ کچھ ضرور سناتے، جس کی برکت سے طلبہ میں اپنی اصلاح اور حصولِ علم میں مجاہدہ کا پاکیزہ جذبہ پیدا ہوتا۔

(۶) مولانا سبق میں بہت پابندی سے تشریف لاتے، رخصت تو نادرترین واقعہ ہوتا، عامۃً آپ کی ''رخصتِ اتفاقی'' کا اکثر حصہ باقی رہتا۔

(۷) روزانہ درس کے اختتام پر مجلس کے ختم والی دعا ضرور پڑھتے:

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمدلله رب العٰلمين.

اس سلسلے میں ایک روایت بندے کی نظر سے گزری، الگ الگ تفسیر میں امام بغویؒ کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ قیامت کے روز اسے بھرپور پیمانے سے اجر (بدلہ اور ثواب) ملے اسے چاہیے کہ وہ اپنی ہر مجلس کے اخیر میں یہ دعا پڑھے۔ (تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن: ۷/۴۸۸)

اس دعا کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ علامہ قرطبیؒ نے اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے آں حضرت ﷺ سے کئی بار سنا کہ آپ ﷺ نماز ختم ہونے کے بعد یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (سورۂ صافات: ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن: ۷/۴۸۹)

(۸) فرماتے کہ سبق میں آنے والی کوئی مشکل عبارت یا مسئلہ کے حل کے لیے ہر طرح کی کوشش کے بعد اگر کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آوے تو دو رکعت صلوۃ الحاجہ پڑھ کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ وہ مسئلہ حل فرمادیں گے۔

اس سلسلے میں بندے کو بھی تجربہ ہوا، مثلاً:

''ظہورِ مہدی'' کی تالیف کے زمانے میں ایک حدیث کو ڈھونڈنے کی سخت

ضرورت پیش آئی، کئی جگہوں پر اس کو ابن ماجہ کے حوالے سے دیکھا؛ لیکن ابن ماجہ میں متعدد جگہ پر تلاش کے باوجود وہ روایت نہیں مل سکی، کئی دنوں کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر بندے نے ابن ماجہ ہاتھ میں لی اور بغیر تعیین کتاب کھولی تو اسی صفحے پر وہ روایت ملی اور وہ روایت یہ ہے:

ولا مهدى الا عيسى ابن مريم. (ابن ماجہ:۳۰۴)

(۹) سبق میں طلبہ کو کبھی کبھی ذہنی تازگی کے لیے لطائف بھی سناتے، اس میں سے ایک آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں: ایک صاحب کسی جگہ کسی کی بکریاں چرانے گئے ہوئے تھے، تو چند بکریاں گم ہوگئیں، تو مالک کو اطلاع دینے کے لیے بکری کی مینگنیاں جمع کر کے کسی کے ہاتھ بکری کے مالک کو روانہ کی اور ساتھ میں یہ کہلوایا:

ہمارے ان سے جا کر یہ کہنا جن کے ہم ہیں (یعنی ہمارے سیٹھ صاحب سے)
ان کے وہ چلے گئے جن کے یہ ہیں (یعنی بکریاں گم ہوگئیں اور یہ ان کی مینگنیاں ہیں)۔

(۱۰) ابتدائی درجات کی تدریس کے لیے آپ اپنے استاذ مولانا آدم صاحب مرحوم کی ایک بات سنایا کرتے تھے کہ شروع کے درجات یہ بنیاد ہے؛ لیکن بہت سے مدرسین کی نظر کتاب کی ترقی پر لگی رہتی ہے، جس کی وجہ سے ابتدائی درجات میں جیسی محنت ہونی چاہیے ویسی نہیں ہوتی۔ اس کا ایک حل یہ ارشاد فرماتے کہ دو تین ذہین طلبہ کو سوم چہارم تک پڑھا کر پھر سے شروع کے درجات میں داخل کیا جائے اور سوم چہارم تک دوبارہ پڑھا کر ان کو ابتدائی درجات کا مدرس بنا دیا جائے تو وہ ترقی کی حرص کے بغیر ابتدائی درجات کو پڑھائے گا اور اس سے طلبہ کی بنیاد مضبوط ہوگی۔

مرحوم اگرچہ دورۂ حدیث تک پڑھے ہوئے مکمل عالمِ دین تھے اور اہلِ مدرسہ کی طرف سے کئی مرتبہ پیش کش بھی ہوئی؛ لیکن پھر بھی پوری زندگی ابتدائی درجات کی کامیاب اور مقبول تدریس میں گزاری۔

(۱۱) اپنے استاذ مولانا آدم صاحب مرحوم کے حوالے سے سناتے تھے کہ ایک مرتبہ کسی جگہ گھوڑا گاڑی میں سوار ہو کر کہیں جانا ہوا، وہ گاڑی والا رضا خانی خیال کا تھا جو ہمارے لوگوں کو بلاوجہ ''وہابی'' کہتے اور سمجھتے ہیں، تو وہ ہمارے ساتھیوں کو طنزاً سنانے کے لیے گھوڑے کو تیز چلاتے وقت کوڑا مارتا اور بولتا:

او! ''وہابڑے'' تیز چل۔

تو اس پر مولانا مرحوم نے ساتھیوں سے کہا: یہ یوں بول رہے ہیں ''وہاں بڑے''، یعنی وہاں جنت میں بڑے۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر مرحوم کو پر رعب چہرہ ولہجہ عطا فرمایا تھا، اس سے طلبہ کو بھی خوب فائدہ ہوا اور خاص کر جامعہ ڈابھیل میں خانقاہِ محمودیہ کے واردین و صادرین کو معمولاتِ خانقاہ کی پابندی کروانے میں اور نظام کے استحکام میں بڑا ہی فائدہ رہا۔ مرحوم خانقاہِ محمودیہ کے فعال، فکر مند منتظم رہے اور حضرت شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی کو ان کی فکروں کی وجہ سے بڑی آسانی رہی۔

(۱۳) ہاتھ کی تسبیح (مذکرہ) بنانے کے بھی بڑے ماہر تھے۔ خانقاہ کے واردین وصادرین کو اپنے ہاتھ کی تیار کی ہوئی تسبیح کے ہدیہ سے محظوظ فرماتے۔

(۱۴) مہمان نوازی بھی بڑی عجیب تھی۔ مرحوم کی پہلی اہلیہ کے انتقال کے

وقت ہم سب طلبہ تعزیت کے لیے کاوی پہنچے تو طلبہ کی چاہت کے مطابق کاوی کی مشہور ''لحماً طریا'' کی انواع واقسام سے ضیافت فرمائی تھی، گھر پر ملاقات کے لیے جانے والا کوئی بھی شخص مخصوص مختصر یا مفصل ضیافت کے بغیر واپس نہیں جا سکتا تھا، دریائی لیوٹے (مچھلی کی ایک قسم) خاص اہتمام سے اہلیہ (خالہ جان) سے پکوا کر سال میں دو چار مرتبہ بندے کے لیے بھیجنے کا بڑا اہتمام فرماتے۔مرحوم کا اپنے تلامذہ کی چاہتوں کو پورا کرنے کا یہ عجیب اہتمام تھا۔

(۱۵) میرے مرشدِ ثانی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کی زبان سے کسی بزرگ کی بات سنی کہ وہ فرماتے تھے:

ہمارے بڑوں نے ہماری جتنی قدر کی اتنی ہمارے چھوٹوں نے بھی ہماری قدر نہیں کی۔

اس پر میرے مرشدِ اول حضرت اقدس فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اتنا اضافہ فرمایا:

تاکہ چھوٹوں کی ناقدری برداشت کر سکے۔

واقعۃً ہمارے اکابر اساتذہ جتنا ہمارے ساتھ شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے ہیں وہ واقعی بہت ہی بڑی بات ہے اور حقیقت میں ان کا بڑا پن ہے کہ اپنے چھوٹوں پر اس قدر شفقت فرماتے ہیں۔

استاذی حضرت مولانا ابراہیم صاحب کاوی مرحوم کو یہ بھی معلوم تھا کہ مجھے نلی کا کھچڑا بہت پسند ہے، رمضان کے تیسرے عشرہ میں ایک مرتبہ مرحوم نے بڑے اہتمام

سے چند نلیوں والا کچھڑا ایک پلیٹ میں میری طرف آگے بڑھایا، نلیاں چوس کر میں دسترخوان پر رکھ رہا تھا، اطراف میں دوسرے رفقا بھی دسترخوان پر تھے تو استاذِ مرحوم نے ارشاد فرمایا کہ: چوسی ہوئی نلیاں سب اپنے سامنے مت رکھو، ادھر ادھر بھی نلیاں ایک ایک دو دو رکھ دو۔

پھر ارشاد فرمایا: اتنی ساری نلیاں ایک جگہ کوئی دیکھے گا تو وہ کہے گا کہ: اوہو! اتنی ساری نلیاں اس ایک آدمی نے چوسی اس میں نظرِ بد کا خطرہ ہے۔

اللہ اکبر! اس قدر شفقت اور اس میں بھی اتنا باریک احتیاط، اللہ تعالیٰ ہمارے مشفق اساتذہ کو ان کی شفقتوں کا آخرت میں بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔

اساتذہ اور مربی حضرات کو یاد رکھو

(۱) ہمیں اپنے مشفقوں، مربیوں اور محسنوں کو ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا چاہیے۔

(۲) ان کے لیے ایصالِ ثواب اور دعا کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

(۳) اللہ تعالیٰ وسعت دے تو ان کے لیے قربانی بھی کرنا چاہیے۔

(۴) جب موقع ملے تو ان کے لیے نفل طواف اور عمرہ کرنا چاہیے۔

(۵) ان کے لیے صدقۂ جاریہ کا کوئی کام کرنا چاہیے۔

(۶) ان کی علمی، عملی میراث کو خوب آگے بڑھانا چاہیے۔

(۷) جس طرح دین کی یہ امانت پوری دیانت داری اور پوری محنتوں سے انھوں نے ہم تک پہنچائی، ہمیں بھی امت کی موجودہ اور آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا

اہتمام کرنا چاہیے۔

میرے مرشدِ اول حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ ہم طلبہ اور حضرات مدرسین کو خاص طور پر فرمایا کرتے تھے کہ: روزانہ صبح میں کم سے کم تین مرتبہ سورۂ اخلاص اور تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر جو کتابیں ہم پڑھتے پڑھاتے ہیں ان کے مصنفین اور ائمہ کو ایصالِ ثواب کر دینا چاہیے اور ان کے لیے دعائے مغفرت بھی کرنا چاہیے تو ان کی روحانیت ہماری طرف متوجہ ہوگی اور ان کے لکھے ہوئے علوم سے استفادہ کرنا ہمارے لیے آسان ہو جائے گا۔

حضرت مرحوم کے جنازے میں شرکت کے لیے داعی الی اللہ حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب دامت برکاتہم بھی تشریف لائے تھے، جامعہ ڈابھیل کے مطبخ کے پاس جنازے کے انتظار میں تشریف فرماتے تھے، میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو سب سے پہلے مرحوم بھائی مولانا محمد صاحب -جن کو مولانا لاٹ صاحب اپنے بیٹے کی طرح رکھتے تھے اور چوں کہ بھائی کے انتقال کے بعد مولانا کی پہلی ہی ملاقات تھی؛ اس لیے بھائی- کے سلسلے میں کچھ بات چیت کی، اس کے بعد وہاں موجود کچھ رئیس حضرات کو خطاب کر کے حضرت مولانا لاٹ صاحب نے ارشاد فرمایا:

اے ساتھیو! تم کہتے رہتے ہو Investment کرو، دیکھو! اس کو Investment کہتے ہیں کہ مولانا ابراہیم صاحب دنیا سے چلے گئے؛ لیکن شاگردوں کی ایک جماعت تیار کر کے گئے، کوئی شاگرد شیخ الحدیث ہے، کوئی مفتی ہے، کوئی کیا ہے، سب لوگ اپنی اپنی جگہ دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے استاذ کے لیے صدقۂ

جاریہ بنے ہوئے ہیں۔

حضرت الاستاذ مرحوم کی بندے کے متعلق ایک آرزو

استاذی مرحوم شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا واجد حسین صاحب کے انتقال کے بعد جب جلالین شریف کا درس بفضل اللہ تعالیٰ بندے کے متعلق ہوا تو عادت کے مطابق اپنے اساتذہ کی خدمت میں دعا کے لیے حاضری ہوئی، جب حضرت مولانا ابراہیم صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضری ہوئی تو دعائیں دیں اور ارشاد فرمایا کہ: میری یہ آرزو ہے کہ تم کو جامعہ میں حدیث پڑھاتا ہوا دیکھوں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ استاذ کے وصال کے سال سے ''مؤطا امام مالک'' کا درس بندے کے متعلق ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آں مرحوم کی یہ آرزو بھی پوری فرمائی۔

استاذِ مرحوم کے لیے بہت کچھ لکھنے کا دل چاہتا ہے؛ لیکن انھیں باتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

مؤرخِ جامعہ، مفہرسِ عصر میرے خواجہ تاش مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے اور جن کو میں ''فرید عصرہ، وحید دھرہ'' کہا کرتا ہوں ایسے میرے رفیقِ محترم مفتی فرید کاوی صاحب نے جامعہ علوم القرآن جمبوسر کا ترجمان ''البلاغ''، میں ایک مضمون گجراتی زبان میں لکھا ہے، ان دونوں مضامین میں بھی بہت ساری تفصیلات آپ کو پڑھنے ملے گی۔

بندہ اپنے اس سفر نامے کا انتساب استاذِ مرحوم کی طرف کرتا ہے اور اس کا ثواب مرحوم کی روح کو ایصال کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے، بندے کی عادت ہے

کہ اپنی کتابوں پر عام طور پر اپنے اساتذہ ہی سے دعائیہ کلمات لکھواتا ہے، سالِ گزشتہ رجب کے مہینے میں ''خطباتِ محمودؒ'' کی پانچویں جلد چھپنے جا رہی تھی تو استاذ مرحوم سے بندے نے دعائیہ کلمات کے لیے درخواست کی، آں مرحوم نے خوشی سے اس کو منظور فرمایا، جو خطبات کی پانچویں جلد کی زینت ہے، اس وقت کس کو اندازہ تھا کہ بہت جلدی ہم سے رخصت ہونے والے ہے۔ ذلك تقدير العزيز العليم۔

اللهم اغفره وارحمه وادخله الجنة

پیش خدمت

حسبِ عادت اپنی اس کارگزاری والی کتاب کی چوتھی جلد کا مکمل ثواب مندرجۂ ذیل حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاح دامت برکاتہم۔

شیخ الحدیث حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم۔

حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم۔

حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب، اور حضرت مولانا مفتی یوسف ابن شیخ شبیر صاحب۔

حضرت مولانا حنیف صاحب دودھ والا اور ان کی تنظیم کے تمام رفقا و معاونین، خاص کر کے ہمارے اس سفر کے لیے جن حضرات کا مالی تعاون رہا۔

بفضل اللہ! ان حضرات کی دعاؤں، توجہات اور فکروں سے اس دینی و دعوتی سفر کی ہمیں سعادت حاصل ہوئی اور کارگزاری شائع کرنے کا موقع حاصل ہو رہا ہے۔

سفر اور سفرنامہ کا پس منظر

از: فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا مفتی یوسف ابن شیخ شبیر صاحب

(استاذِ حدیث: جامعۃ العلم والھدی، بلیک برن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد!

گذشتہ سال ماہِ شوال میں حق تعالیٰ شانہ نے اکابر علما کی ایک جماعت کی رفاقت میں بلقان کے چار ممالک کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی، جن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب، والدِ محترم حضرت مفتی شبیر احمد صاحب، حضرت مولانا ابراہیم پانڈور صاحب، مفتی محمود بارڈولی صاحب، مفتی عبدالصمد صاحب منوبری سرِ فہرست ہے۔

بندہ کی ایک مدت سے تمنا تھی کہ ان ممالک کا سفر کیا جائے؛ تاکہ وہاں کے لوگوں کے احوال معلوم ہو سکے، یہ ممالک ایک زمانے میں سلطنتِ عثمانیہ کے زیرِ ریاست تھے، پھر شیوعیت (Communism) کا ایک ایسا ظالمانہ وتاریک دور آیا کہ ایک مدتِ طویلہ تک دینِ اسلام پر سخت پابندی لگائی گئی اور اسلام کو مٹانے کی ہر کوشش کی گئی، پھر اس کے بعد بحمدہ تعالیٰ ان ریاستوں کو آزادی ملی جس کی وجہ سے دینی تنظیموں کے لیے کام کرنا نسبۃً آسان ہو گیا۔

ان احوال کے پیشِ نظر بلیک برن شہر کے کچھ اہلِ علم احباب: مولانا یوسف حجات، مولانا حنیف دودھ والا، مولانا رفیق صوفی اور ان کے رفقا نے مل کر ایک تنظیم

مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ تشکیل دے کر البانیا میں کام شروع کیا، یہ کام ۱۹۹۳ء میں بفضلہ تعالیٰ شروع ہوا اور گذشتہ پچیس سال سے یہ تنظیم مختلف تعلیمی، رفاہی خدمات انجام دے رہی ہے، ان احباب کا بھی ایک عرصے سے اصرار تھا کہ البانیا کا سفر کیا جائے۔

بہرکیف! شوال ۱۴۳۹ھ میں تنظیم نے ایک سفر کا پروگرام طے کیا جس میں علمائے کرام اور کچھ تاجر حضرات نے مقدونیا، البانیا، مونٹی نیگرو، اور بوسنیا کا دورہ کیا، البانیا اور مقدونیا میں تنظیم کی خدمات دیکھنے کا موقع ملا، بڑا روحانی وعلمی سفر رہا، راقم السطور کو شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی رفاقت اوران کے ساتھ گاڑی میں سفر کی سعادت حاصل ہوئی، آپ کی تواضع وانکساری، فراست وبصیرت اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی خوش مزاجی اور للاہیت کا ذاتی تجربہ وہوا، آپ کے علمی دریا سے استفادہ کا موقع بھی ملا، ان ممالک میں اسلامی تنظیموں اور مقامی علمائے کرام سے ملنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی، اس پورے سفر کی تفصیل بندے نے اپنے انگریزی سفر نامہ میں درج کی ہے جو اس ویب سائٹ پر (WWW.islamicportal.co.uk) موجود ہے اور تنظیم کی جانب سے کتابی شکل میں زیرِ طبع ہے۔

اب ہمارے محترم ومکرم مفتی محمود بارڈولی صاحب نے اس سفر کی مفصل روئیداد اردو اور گجراتی میں جمع کی ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کتاب کو شرفِ قبول عطا فرمائے، رشد وہدایت کا ذریعہ بنائے، امتِ مسلمہ کو بلقان کے مسلمانوں کی طرف توجہ دینے کا ذریعہ بنائے، مؤلف کو دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

اس سفر کے تقریباً دو مہینے بعد بندے نے بوسنیا کا ایک مستقل سفر ''امہ ویلفئر

ٹرسٹ'' کے ذمے دار مولانا محمد سیدات صاحب (بولٹن، یوکے) کے ساتھ کیا جو پچھلے سفر میں صرف البانیا اور مقدونیا تشریف لائے تھے۔

امہ ویلفئر ٹرسٹ برطانیہ میں ایک بہت بڑا رفاہی ادارہ ہے جو دنیا کے پچیس ممالک میں مختلف رفاہی، تعلیمی، طبی، اقتصادی و دینی خدمات انجام دے رہی ہے، ان کا سالانہ خرچ تقریباً تیس ملین پاؤنڈ ہے۔

اس سفر میں بوسنیا کے مسلمانوں کے احوال مزید معلوم ہوئے، اور کچھ مزید شہروں کو دیکھنے کا موقع بھی ملا، ماضی قریب میں جن حالات سے ہمارے بوسنوی مسلم بھائی کا گزر ہوا ہے انھیں بوسنیا دیکھے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا، اس سفر کی روئیداد بھی آن لائن موجود ہے، اور، مسلم ویلفئر انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے کتابی شکل میں زیرِ طبع بھی ہے، بحمدہ تعالیٰ امہ ویلفئر ٹرسٹ نے اس کے بعد کچھ تعلیمی و رفاہی کام شروع کیا ہوا ہے جب کہ مسلم ویلفئر انسٹی ٹیوٹ کے پروگرام البانیا اور مقدونیا میں جاری ہے، یہی اس پورے علاقے کی سب سے اہم ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کی جائے اور دینی علوم کی نشر واشاعت کی جائے۔

حق تعالیٰ شانہ امتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائے، بلقان کے مسلمانوں کو ہر خیر وبرکت سے مالا مال فرمائے، ان کی اور ان کے نسلوں کے ایمان کی حفاظت فرمائے، آمین۔

بندہ: یوسف شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۷ر شعبان ۱۴۴۰ھ

دیکھی ہوئی دنیا کی تیسری جلد کے متعلق تأثرات

از: حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم

بانی وناظم: المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد

سیکریٹری: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

یوں تو انسان پیدائش سے موت تک سفر میں ہے اور قبر سے گزرتے ہوئے آخرت کی منزل کی طرف رواں دواں ہے؛ لیکن اس دنیائے بے ثبات میں بھی اپنی اپنی حیثیت اور ضرورت کے مطابق وہ ڈھیر سارے سفر کرتا ہے، ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک، یہ سفر کبھی طلبِ معاش کے لیے ہوتا ہے، قرآن نے بھی اس نوعیت کے سفر کا ذکر فرمایا ہے۔ (قریش:۲)

کبھی سیر وسیاحت کے مقصد سے ہوتا ہے؛ چنانچہ قرآن نے نگاہِ عبرت کھول کر سیر وسیاحت کی تلقین کی ہے: ﴿قل سیروا فی الارض﴾ (انعام:۱۱)

سفر دین و ایمان کی حفاظت کے لیے بھی ہوتا ہے جس کو اصطلاح میں ''ہجرت'' کہتے ہیں، قرآنِ مجید میں جن انبیاء علیہم السلام کا ذکر آیا، قریب قریب ان سبھوں کو ہجرت کے مرحلے سے گزرنا پڑا، اور خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ ہجرت فرمائی۔

سفر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تقرب کے لیے بھی ہوتا ہے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر تو اس کا جلی عنوان ہے ہی؛ لیکن تیسری جگہ جس کے لیے آپ ﷺ نے شدِ رحال کی ترغیب دی ہے وہ بیت المقدس ہے۔ (بخاری: حدیث نمبر:۱۱۳۲)

ایسے ہی باعثِ اجر وثواب اسفار میں انبیائے کرام علیہم السلام، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کی قبروں کی زیارت بھی ہے؛ بشرطیکہ یہ بدعت اور خلافِ شرع باتوں سے بچتے ہوئے ہو۔

حالاتِ سفر کو اگر تحریر میں لے آیا جائے تو اس میں عبرت وموعظت کے بہت سے نکات جمع ہوجاتے ہیں؛ اسی لیے قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے سفر کی دل چسپ تفصیلات ذکر کی ہیں، حدیث میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سفرِ معراج کا پورا واقعہ نقل ہوا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ ہجرت کو سیرت نگاروں نے خاص کر ابن ہشام نے بڑے مؤثر انداز میں بیان کیا ہے، اور بعد کے ادوار میں تو سفر نامے لکھنے کا عام رواج ہوگیا، ابن بطوطہ، اور ابن شہر یار وغیرہ کو اپنے سفر ناموں ہی سے شہرت حاصل ہوئی۔

اردو زبان میں بھی بہت سے خوب صورت اور معلومات سے بھرپور سفر نامے شائع ہوئے ہیں، یہاں تک کہ اردو ادب میں اس کو ایک مستقل صنف مانا گیا ہے، اگر سفر نامے لکھنے والوں کی فہرست بنائی جائے تو ایک مستقل رسالہ تیار ہوجائے گا۔

سفر نامے لکھنے کی روایت ادبی حلقوں میں بھی رہی ہے اور دینی حلقوں میں بھی: چنانچہ برِصغیر کے بڑے علما: علامہ شبلی نعمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبد الماجد دریابادیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، اور موجودہ دور کے اہلِ علم میں مولانا محمد تقی عثمانی کے سفر نامے خاصے مقبول ہیں، اور یہ صرف مسافر کی سرگزشت نہیں ہے: بلکہ تاریخی اور اصلاحی پہلو سے بھی ڈھیر ساری معلومات کا خزینہ ہیں۔

سفر نامے عام طور پر بہت دل چسپی سے پڑھے جاتے ہیں؛ کیوں کہ وہ لکھنے والے کی جگ بیتی نہیں ہوتی، آپ بیتی ہوتی ہے، اور جب انسان اپنی سرگزشت لکھتا ہے تو اس کے الفاظ میں اس کے جذبات و احساسات کی خوشبو بھی رچی بسی ہوتی ہے، اور وہ قاری کو متأثر کرتی ہے۔

بحمد اللہ! ایسے ہی سفر ناموں میں ایک محبی فی اللہ حضرت مولانا محمود بارڈولی استاذِ حدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کا سفر نامہ بھی ہے جو ''دیکھی ہوئی دنیا'' کے نام سے طبع ہوا ہے، یہ اردن، فلسطین، اور مصر کی رودادِ سفر ہے، جس میں اہلِ علم اور اہلِ دین کا ایک پورا قافلہ مصنف کے ہم رکاب تھا۔

مصنف گرامی نے جس وقت یہ کتاب مجھے دی اس وقت تو میں جہاں تہاں اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے دو چار صفحات بھی نہیں پڑھ پایا؛ لیکن حسنِ اتفاق کہ گزشتہ دنوں خود مجھے اسی طرح ایک قافلے کے ساتھ قریب قریب ان ہی مقامات کے سفر کا موقع ملا تو میں نے اس پوری کتاب کو پڑھ ڈالا، اور مجھ سے تو شاید بعض حصے چھوٹ بھی گئے ہوں؛ لیکن میری اہلیہ جو اس قافلے میں شامل تھیں انھوں نے تو حرف بحرف پوری کتاب پڑھی اور اس سے بڑی رہنمائی ملی؛ اگر چہ ہر جگہ گائیڈ موجود تھا؛ لیکن میں اسی کتاب کو اپنے لیے گائیڈ بنایا۔

اس میں تاریخی معلومات بھی ہیں، منظر کشی بھی ہے، عبرت و موعظت کے پھول بھی ہیں، تجربات کا ذخیرہ بھی ہے، جس سے ایک مسافر کو مدد ملتی ہے اور ہر جگہ قرآن و حدیث کا عطر کشید کرنے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

ماشاءاللہ! مؤلف موفق آدمی ہیں، ان کی متعدد کتابیں طبع ہوکر قبولیتِ خاص و عام سے سرفراز ہوئی ہیں، دعاہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں بہترین اجرعطافرمائے، اِس کتاب کو امت کے لیے نافع بنائے اور خود ان کے لیے ذخیرۂ آخرت کرے، ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

(حضرت مولانا) خالد سیف اللہ رحمانی (دامت برکاتہم)

ناظم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

۷/رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

مطابق: ۱۵/مارچ ۲۰۱۹ء

❁❁❁

احادیث ہم تک کس طرح پہنچی؟

احادیث ہم تک کس طرح پہنچی

احادیث نبی کریم ﷺ سے حضرات محدثین تک

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں اپنی زبانِ اقدس سے ارشاد فرمائی، اس کو ہم ''قولی احادیث'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز کر کے دکھائی، اس عمل کو ''حدیث فعلی'' کہتے ہیں۔

اور کوئی کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا اور آپ نے خاموش رہ کر تائید فرمائی اس کو ہم ''تقریرِ رسول'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ تینوں چیزیں قیامت تک کے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک قیمتی نعمت ہے، یہ سب چیزیں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے سینوں میں محفوظ کی، اپنی زندگیوں میں اس کو عملی طور پر اپنایا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عظیم امانت کو اپنے شاگردوں تک پہنچایا، جن کو ہم حضرات تابعین سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرات تابعین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے اس خزانے کے ساتھ ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکت سے جو کچھ سیکھا، اس کی روشنی میں صحابہ کے اقوال واعمال کی یہ اضافی دولت بھی نصیب ہوئی، حضرات تابعین نے یہ تمام تر خزانے اپنے تلامذہ - جن کو ہم تبعِ تابعین کے نام سے یاد کرتے ہیں ان - تک منتقل کیے۔

اور حضرات تابعین یا تبعِ تابعین یا ان کے شاگردوں سے یہ عظیم الشان ذخیرہ ائمۂ حدیث کو ملا، ائمۂ حدیث نے اپنے اپنے انداز سے اس کو مرتب اور مدوّن کیا، جو آج امت کے ہاتھوں میں کتبِ احادیث کی شکل میں موجود ہے، جوامتِ مسلمہ کے لیے قیامت تک قرآن مجید کے ساتھ یہ عملی ذخائر رہنما اور آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔

ائمۂ مجتہدین نے انھیں خزانوں کو سامنے رکھ کر نئے پیش آنے والے مسائل میں اجتہاد کر کے امت کی صحیح رہبری کی، بلاشبہ یہ ائمۂ حدیث پوری امت کے محسنین میں سے ہیں، جنھوں نے احادیث کے ذخیرہ کو بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ جمع کر کے انسانوں کے لیے محفوظ کر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے انسانوں پر ان حضرات محدثین کا بڑا احسان ہے، اس لیے ہر مؤمن کا ان حضرات سے عقیدت ومحبت کا رشتہ ہونا چاہیے۔

قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ، اجماع اور قیاس احکامِ اسلام کی مضبوط اساس اور بنیاد ہیں اور کسی عمارت کا ایک ستون بھی اگر کمزور ہو تو عمارت کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے، یہی صورتِ حال آج اسلام جیسے دینِ متین کے ساتھ بھی پیش آرہی ہے، اعدائے اسلام کی جانب سے بتکلف وتصنع اس کی بنیادوں کو کمزور بتلانے کی کوشش اور سعئ لاحاصل روز افزوں تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہے، اسی میں سے ایک ''احادیثِ رسول ﷺ'' بھی ہے۔

آئے دن یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احادیث کی کتابت نہیں ہوئی اور نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کو قلمبند کیا؛ بلکہ تدوین

احادیث کا خیال ڈیڑھ صدی بعد پیدا ہوا، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست احادیث سننے والے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا۔

نیز خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کتابتِ حدیث سے سختی سے منع فرمایا تھا، اس ارشاد کی تعمیل میں صحابۂ کرام نے احادیث قلمبند کرنے سے پرہیز کیا تھا، ظاہر سی بات ہے کہ ان حالات میں سینکڑوں سال بعد جب محض حافظہ کی بنیاد پر احادیث کی جو کتابیں عالمِ وجود میں آئیں ان پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ درجِ ذیل سطور میں اسی اعتراض کے ازالے کی سعی کی گئی ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسی بات تو وہی شخص کر سکتا ہے جس نے تاریخ کا مطالعہ ہی نہیں کیا، نیز یہ ایک تاریخی جھوٹ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتابتِ حدیث نہیں ہوئی اور اُس زمانے میں صرف حافظہ کے ذریعہ حفاظت کی گئی: کیوں کہ حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کی نشر و اشاعت کا امر فرمانے کے بعد حضرت ابوشاہ رضی اللہ عنہ کی درخواست پر اس خطبہ کو لکھوا کر عنایت بھی فرمایا۔

امام بخاریؒ نے اس کی تخریج کرتے ہوئے فرمایا:

ألا ليبلغ الشاهدُ الغائبَ فلعلّ من يبلغه أن يكون أوعى له من بعض سمعه. (البخاري: ٥٤/٢)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کو مقید کر لو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: مقید کرنے کا کیا

مطلب؟ ارشاد فرمایا کہ: لکھنا۔ (مجمع الزوائد: ۱۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث یاد نہ رہنے کی شکایت کی تو فرمایا: اپنے ہاتھ سے مدد لو، یعنی لکھ لیا کرو۔ (ایضاً)

عام سی بات ہے کہ جب خود دربارِ رسالت سے احادیث کو محفوظ رکھنے اور یاد نہ رہنے پر ان کی کتابت کی اجازت دی جاتی ہے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسے پروانہ صفت نفوس اس شمعِ نبوت پر کیوں جان فدا نہ کردیتے؟

اور ایسا ہی ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حفاظتِ حدیث کے لیے اس دور کے مناسب ہر ممکن طریقہ اختیار فرمایا کہ اجلِّ صحابہ: حضرت ابوبکر صدیق، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن عباس، سمرہ بن جندب، جابر بن عبداللہ، ابوہریرہ، انس بن مالک اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زیادہ احادیث لکھا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مرتب کردہ ایک ہزار احادیث پر مشتمل مجموعہ ''صحیفۂ صادقہ'' کہلاتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے ان کی بیان کردہ روایات کو جمع کیا تھا جس میں ایک سو اڑتیس (۱۳۸) احادیث درج تھیں جو ''صحیفۂ ہمام بن منبہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

تابعین کے زمانے میں عکرمہ مولی ابن عباسؒ، عروہ بن زبیرؒ، رجاء بن حیوۃؒ، سلیمان اعمشؒ وغیرہ حضرات اس خدمت میں نمایاں طور پر سرگرم نظر آتے ہیں۔

ابن شہاب زہری نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے امر پر سب سے پہلے احادیث کو کتابی شکل میں جمع فرمایا تھا، ان کے ساتھ ابوبکر بن حزمؒ نے بھی چند احادیث کو جمع کیا تھا۔

اسی زمانے میں امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتاب ''کتاب الآثار'' بھی بہت مشہور ہوئی، جس کو چالیس ہزار احادیث میں سے منتخب کر کے املا کروایا تھا اور بیس (۲۰) سے زائد شاگردوں نے مختلف اوقات میں ان سے سن کر ترتیب دی تھی، اس کے دو نسخے بروایت امام محمدؒ (م:۱۸۹) اور بروایت امام ابو یوسفؒ (م:۱۸۲) ''کتاب الآثار'' آج بھی شائع ہے، اسی طرح امام صاحب کی دوسری کتاب ''مسندِ امام اعظم'' بہت مشہور ہوئی، جس کو تقریباً سترہ (۱۷) شاگردوں نے اپنی ترتیب سے امت کے سامنے پیش کیا۔

امام محمدؒ- جو امام صاحب کے مایۂ ناز شاگرد ہیں انھوں- نے ''کتاب الآثار'' کی روایت کے ساتھ ساتھ دوسری کتابیں بھی مرتب کیں، جس میں ''مؤطا امام محمدؒ'' بہت مقبول ہے، جو انھوں نے امام مالکؒ سے سن کر ترتیب دی ہے۔ اسی طرح ان کی تیسری کتاب ''الحجة على أهل المدينة'' بھی فقہ الحدیث کی بنیادی کتب میں شامل ہے۔

۲۲۱ھ تک کا زمانہ تبع تابعین کا دور کہلاتا ہے، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ بھی اسی دور میں گزرے ہیں، اس دور میں ان کے علاوہ ابن جریج (م:۱۵۰) امام اوزاعیؒ (م:۱۵۶) مؤطا ابن ابی ذئب (م:۱۵۸) مصنف شعبہ بن حجاج (م:۱۶۰) جامع سفیان

ثوری (م:۱۶۱) جامع سفیان ابن عیینہ (م:۱۹۸) مصنف لیث بن سعد (م:۱۷۵) مؤطا امام مالک (م:۱۸۲) عبد اللہ بن مبارک کی کتاب ''الزھد'' (م:۱۸۱) مسند طیالسی (م:۲۰۴) مسند امام شافعی (م:۲۰۴) مسند دارمی (م:۲۰۵) جامع عبد الرزاق (م:۱۱۲) اور مسند حمیدی (م:۲۱۹) جیسی عظیم الشان کتبِ احادیث مرتب ہوئیں۔

بعد میں آنے والے محدثین اور فقہائے کرام تک صحیح احادیث پہنچنے کا ذریعہ انھیں حضرات کی یہ بلند و بالا کاوشیں بنی ہیں، اسی طرح بعد کے دور کی تمام تصانیف ان کتابوں کی نقل یا عکس بھی کہی جاسکتی ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابی عوانہ، صحیح المنتقی ابن السکن، صحیح ابن حبان، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ کتبِ احادیث آج بھی علمی حلقوں میں بڑی معتبر اور مستند ہیں، جو مذکورہ بالا کتب ہی سے ماخوذ ہیں۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ زمانۂ نبوی، دورِ صحابہ وتابعین حتی کہ ائمۂ ستہ کے دور تک مسلسل کتابتِ احادیث کا کام جاری رہا اور کوئی ایسا معتد بہ خلا نہیں پایا گیا جو ذخیرۂ احادیث سے رفعِ اعتماد کا ذریعہ بن سکے۔

(ملخص، کتابتِ حدیث، ماہنامہ الفاروق جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ)

آدابِ سفر

ادب کے فوائد

انسانی زندگی میں ادب وتہذیب وہ جوہر ہے کہ اس سے اخلاق روشن اور کردار مزین ہوتے ہیں، شب وروز کے اعمال میں حسن وجمال اور معاشرتی مزاج میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے۔

مثل مشہور ہے:

’’باادب بانصیب، بےادب بےنصیب‘‘

ادب سے کام کرنے والا اچھا نصیب پاتا ہے اور بےادب اچھے نصیب سے محروم رہتا ہے۔

اسلام کی جامعیت

اسی بنا پر حیاتِ انسانی کا کوئی ایسا گوشہ اور موڑ نہیں کہ شریعتِ اسلامی نے ادب وتہذیب کے ذریعہ رہنمائی نہ کی ہو اور انسانی زندگی کے ہر دو احوال: سفر وحضر کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو آدابِ اسلامی کی تعلیم سے خالی ہو، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور عمل مبارک سے ہر شعبے میں اپنی امت کی بے مثال رہبری فرمائی:

زندگی کا کوئی شعبہ ہو، سفر ہو کہ حضر	گوشۂ زندگی ہو یا معرکۂ فکرونظر
راحت والم کا عالم ہو کہ ہنگامۂ خطر	عرصۂ جنگ ہو کہ بارگہہ علم وہنر
رہنمائی کی جہاں جب بھی ضرورت ہوگی	رہنما صرف محمد ﷺ کی شریعت ہوگی

سفر کے آداب

یہاں ہم زندگی کے صرف ایک شعبے یعنی سفر کے آداب ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:

مسافر آغازِ سفر سے پہلے اُن حقوق کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جائے جن کا تعلق اہل وعیال کے نان ونفقہ سے ہو یا کسی کی امانت اور قرض سے ہو۔ان ذمّے داریوں کا انتظام بخوبی کرے جن کی مسئولیت اس کے سر ہے اور حلال و پاکیزہ توشے کو اپنے ہمراہ لے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بقول انسانی شرف کی علامت یہ ہے:

(۱) اس کا زادِ سفر حلال و پاکیزہ ہو:

اصحابِ کہف کا حال جو خود باری تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

فَابْعَثُوْا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَداً.(الکھف: ۱۹)

ترجمہ:اب اپنے میں سے کسی ایک ساتھی کو یہ چاندی کا سکہ لے کر شہر بھیجو، وہ جا کر دیکھے (تحقیق کرے) کہ کون سا کھانا عمدہ (یعنی حلال و پاکیزہ) ہے، پھر اس میں سے کچھ کھانا تمھارے لیے (وہاں سے) لے آئے اور یہ کام ہوشیاری سے کرے اور کسی کو تمھاری خبر نہ ہونے دے۔

یہ حضرات خود ضروری اخراجات کا نظم کر کے گئے تھے۔

سفر دینی ہو یا دنیوی خود ہی اخراجات کا نظم کر کے نکلنا بہتر ہے، بعض حضرات

بغیر زادوتوشہ کے حج کے لیے آجایا کرتے تھے، پھرآکرخود بھی پریشان ہوتے اورسوال کرکے دوسروں کوبھی پریشان کرتے تھے،اس پر باری تعالیٰ نے ان کوآئندہ زادِراہ ساتھ لانے کاحکم دیا:

وَتَزَوَّدُوا۔(البقرۃ:۱۹۷)

ترجمہ:اورتم (حج کےسفر میں)ضروری چیزیں ساتھ میں لےلو۔

(۲)دورانِ سفراندازِ گفتگوشیریں ہو:

دیکھو! حضرت موسیٰ اورحضرت ہارون علیہما السلام دعوتی سفر میں تشریف لے جارہے ہیں تو خود باری تعالیٰ نے نرم وشیریں کلام کاحکم فرمایا:

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى. (طه:٤٤)

ترجمہ: پھراس سےنرم بات کہو،شاید وہ نصیحت حاصل کریں یاڈریں۔

(۳)رفقائے سفرمیں باہم حسنِ سلوک اورحسبِ وسعت خوردونوش میں ایک دوسرے کی شرکت ہو۔

(۴)رفقا کی ہرممکن معاونت اچھےمسافرکی علامت ہے۔

(۵)سفرمیں احباب کے ساتھ تفریح اورخوش طبعی کی کچھ جھلکیاں ہوں،جن سے ذہنی کلفت اورجسمانی تھکاوٹ نیز وطن سے دوری کا احساس نہ آجائے؛لیکن ایسی تفریح نہیں کہ متانت وسنجیدگی کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے،بدگوئی کے تکلیف دِہ کانٹوں سے قلوب کبیدہ اوررنجیدہ ہوجائیں۔

آج کل سفرمیں رفقا آپس میں بےحیائی وبےشرمی کی باتوں ہی کوسفرکی خوشی

اور اپنی خوش مزاجی سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے۔ دورانِ سفر بھی ہر بات اور ہر کام میں شریعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اس کا خاص لحاظ کیا جائے۔

صدقہ کے برکات

سفر میں نکلنے سے پہلے اور سفر کے دوران صدقے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقے کی برکت سے بلائیں دور ہوتی ہیں؛ اس لیے صدقہ کرتے رہیں؛ تاکہ بلا اور مصیبت سے اللہ تعالیٰ حفاظت میں رکھے۔

الحمدللہ! کئی سالوں سے ملک اور بیرونِ ملک حضرت دامت برکاتہم کی معیت میں دینی اسفار کی سعادت حاصل ہے، جس روز سفر شروع ہوتا ہے اس دن سے واپس جب وطن پہنچ جائے وہاں تک روزانہ پورے اہتمام سے حضرت دامت برکاتہم کو اور بندے کو عافیت اور سلامتی حاصل ہو، حوادثات اور بلاؤں سے حفاظت ہو، اس نیت سے میرے گھر اہلیہ مالی صدقے کی سعادت حاصل کرتی رہتی ہے۔

رفیقِ سفر

رفیقِ سفر کا انتخاب سفر کا ایک اہم کام ہے، ایسے شخص کے ساتھ سفر کرے جو تقویٰ وطہارت سے آراستہ، اچھے افکار وخیالات کا حامل اور ذکر وفکر، طاعت وعبادات میں معاون ہو، مشفقِ اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ احتیاط تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا:

لَوْ يَعْلَمُ النَّاسَ مَافِيُ الْوَاحِدَةِ مَاأَعْلَمُ مَا سَارَرَاكِبَ بِلَيْلٍ وَحْدَه. (البخاري: ١/ ٤٢١)

ترجمہ: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تنہا سفر کرنے میں کیا نقصان ہے تو کوئی تنہا سفر نہ کرے۔

امیرِ سفر کا انتخاب

جب چند احباب ہوں تو کسی کو امیر منتخب کر لینا چاہیے؛ تا کہ راہِ سفر کی تعیین میں سہولت ہو، اگر کسی امر میں مشورے مختلف ہوں تو امیر کوئی قابلِ اطمینان حل تلاش کر سکے اور ہمراہیوں کے رشتۂ اتحاد کو ٹوٹنے سے بچا سکے؛ لہذا امیر بھی ایسا ہو کہ جو دور اندیش، حالات و مکان سے واقف، نرم مزاج اور ایثار پسند ہو اور احباب کے مناسب مشورے کو قبول کرنے کا حوصلہ اپنے اندر رکھتا ہو۔

حدیثِ نبوی میں رفقائے سفر کے بارے میں مذکور ہے کہ:

"خَيْرُ الأَصْحَابِ أَرْبَعَةٌ"

سفر میں چار ساتھی ہوں تو بہتر ہے۔

اس چار ہم سفر کو بہتر کہنے کی حکمت یہ ہے کہ: راہِ سفر میں دو کام بہت اہم ہوا کرتے ہیں:

(۱) سامان کی حفاظت۔

(۲) کھانے اور پینے کی اور ضروری سامان کی خرید۔

اگر رفقا تین ہوں گے تو دو سامان کی حفاظت میں ہوں گے اور ایک خرید نے جائے گا تو اس کو تنہا جانے پر اجنبیت و وحشت محسوس ہوگی اور اگر چار ہوں گے تو دو دو ایک ایک کام کی انجام دِہی کر لیں گے۔

سفر میں امیر اور اس کی اطاعت

جیسا کہ اوپر کی سطروں سے معلوم ہوا کہ سفر میں ایک امیر کا انتخاب کر لینا چاہیے اور امیر بہر حال امیر ہوتا ہے، جس کو امیر منتخب کر لیا جائے اس کی اطاعت کرنی چاہیے، ہاں! اگر امیر شریعت کے خلاف بات کرے تو پھر اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔

ہمارے حضرت دامت برکاتہم کا عمل اس سلسلے میں عجیب وغریب ہے، سفر میں جس کو بھی امیر منتخب کر لیا تو پھر مشوروں میں اس کے فیصلوں پر عمل فرماتے ہیں اور امیر سے ہی فیصلہ کرواتے ہیں اور کتنا ہی اہم موقع کیوں نہ آئے، جو واقعۃً امیر ہے اسی کو امیر بتلاتے ہیں، اس کتاب میں آپ آگے چل کر پڑھیں گے کہ جب ہم خرتنگ میں حضرت امام بخاریؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تو وہاں کی مسجد کے امام صاحب کی جب ملاقات ہوئی اور انھوں نے اپنے دفتر میں ہم کو بلوایا تو ان امام صاحب کا سب سے پہلا سوال تھا کہ:

آپ کے اس قافلے کے امیر کون ہے؟

اور ظاہر بات ہے کہ کمالاتِ علمیہ وعملیہ، روحانیت ونورانیت اور پر کشش وبارونق چہرے کی وجہ سے خود سائل کا ذہن بھی امارت کے سلسلہ میں بے اختیار حضرت دامت برکاتہم ہی کی طرف جا رہا تھا۔

لیکن حضرت مدظلہ العالی نے سفر کے انتظامی معاملات کے پیشِ نظر پورے قافلے میں سب سے کم عمر، کم علم کو جو امیر بنایا تھا، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ ہمارے سفر کے امیر ہے اور امام صاحب امیرِ سفر کو جس امتیازی کرسی پر بٹھانا چاہتے

تھے،اس کی طرف بھی اس مقرر کیے ہوئے امیر کو آگے بڑھایا،اگرچہ بعد میں اصرار کرنے پر حضرت مدظلہ العالی نے کرسی کو زینت بخشی ؛لیکن اس میں ہمارے لیے ایک بڑی نصیحت ہے کہ جس کو بھی امیر طے کرلیا جائے اس کو دل وجان سے امیر سمجھا جائے اوراس کا اظہار بھی ہواوراس میں حضرت مدظلہ العالی کا شریعت پر عمل کرنے کا جذبہ،خرد نوازی جیسے اوصافِ حمیدہ کا ظہور بھی ہوتا ہے۔

دورانِ سفر احتیاط

سفراور حضر کی حالت میں احتیاط کا دامن نہ چھوڑنا چاہیے،دن میں قافلے سے جدانہ ہواور نہ رات میں غفلت کی نیند سوئے۔اسی بنا پر مستحب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے رفقا جاگتے رہیں اوراگرخوف وہراس اور وحشت محسوس ہوتو:

(۱)آیۃ الکرسی.

(۲)شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰئِكَةُ وَ أُوْلُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ، لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم.(اٰل عمران:۱۸)

(۳) سورۂ اخلاص۔

(۴)اورمعوذتین پڑھ کردم کرلے۔

ضروریاتِ سفر

سفر میں جتنا سامان کم ہو بہتر ہے،تاہم ضروری اشیا ضرور ساتھ رکھیں،ورنہ دِقت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں خاص طور پر پانچ چیزیں رکھتے تھے:

(۱) مسواک۔

(۲) سرمہ دانی۔

(۳) کنگھی۔

(۴) قینچی۔

(۵) آئینہ۔

بعض بزرگوں کے متعلق سنا ہے کہ وہ سفر میں روانہ ہونے سے دو چار دن پہلے سے ہی ضروریات کی تیاری شروع کر دیتے، کسی چارپائی یا کسی کونے میں سفر کی ضروری چیزیں الگ رکھنا شروع کر دیتے۔

اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنی سفر کی ضروریات کی ایک فہرست بنا کر رکھ لی جائے؛ تاکہ ہر سفر کے موقع پر ضروری سامان ساتھ لے جانے میں سہولت رہے، خاص کر جہاں سفر میں جانا ہے وہاں کے موسم کے لحاظ سے ضروری کپڑے، اپنی ضروری دوائیں وغیرہ ساتھ لیوے۔

میرے حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی جہاں جانا ہو وہاں کا موسم وغیرہ ضرور معلوم کرواتے ہیں؛ تاکہ اس کے مطابق تیاری میں آسانی رہے۔

پاسپورٹ کی تین کاپی رکھیں اور ہر ایک کو الگ الگ بیگ میں رکھیں؛ تاکہ بوقتِ ضرورت زیراکس کاپی کام آئے۔

میزبان کا پتہ اور فون نمبر ضرور ساتھ رکھیں۔

سفر میں نماز کے اوقات کا اہتمام

سفر میں نماز کے اوقات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے؛ اس لیے مناسب ہے کہ ''العصر یا الفجر'' کمپنی کی بنی ہوئی ہاتھ کی گھڑی ضرور رکھیں، ایسے بھی ایک مسلمان گھڑی کو ضرورت کی وجہ سے پہنتا ہے اور یہ گھڑی عام اوقات بتلانے کے ساتھ نماز کے اوقات بھی بتلاتی ہے، اس لیے اس کے فوائد بڑھ جاتے ہیں۔

ویسے ہوائی جہاز وغیرہ میں نماز کے اوقات کا اندازہ، سورج کی رفتار، صبح صادق کی روشنی وغیرہ سے بھی لگا سکتے ہیں؛ لیکن وقت کے اندازے کا ایک آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ ہوائی جہاز میں سامنے لگے ہوئے اسکرین پر ہوائی جہاز کے پورے رُوٹ (route) کا نقشہ بھی ہوتا ہے اور ہوائی جہاز کہاں سے گذر رہا ہے، وہ بھی بتایا جاتا ہے اور عام طور پر وہ صحیح ہوتا ہے؛ اس لیے جس ملک کے جس شہر سے جہاز گذر رہا ہے، وہ آپ ''العصر'' گھڑی میں نکالیں اور اس شہر کا نماز کا وقت گھڑی میں دیکھ لیجیے اور اس کو سامنے رکھ کر چند منٹوں کا احتیاط کر کے نماز ادا کر سکتے ہیں۔

اور جہاز کے رُوٹ سے جانبِ مکہ کا اندازہ بھی آسانی سے لگایا جا سکتا ہے اور ساتھ میں ہوائی جہاز میں خدمت کرنے والوں سے آپ پوچھیں گے تو وہ پائلٹ کو پوچھ کر مکہ کی جانب کی رہبری کرتے ہیں۔

سعودی ایئر لائن میں ایک خاص بات

عام طور پر سعودی عرب کے ہوائی جہاز میں پیچھے والے حصے میں ایک چھوٹی سی

جگہ نماز کے لیے خاص ہوتی ہے، وہاں قبلہ نما بھی ہوتا ہے اور نماز کے لیے قالین بھی ہوتی ہے۔

اپنے سفر کے سامان میں قبلہ نما بھی ساتھ رکھنا چاہیے اور العصر گھڑی میں بھی قبلہ نما ہوتا ہے اور ہمیشہ سفر کے ہاتھ والے بیگ میں سفر کے لیے بنایا جانے والا خاص جائے نماز (مصلّی) بھی رکھنا چاہیے۔

سفر میں سامان کی مقدار

سفر میں ہوائی جہاز اور ٹرین میں ہر فرد کی ٹکٹ کے ساتھ جتنا سامان لے جانے کی اجازت ہوتی ہے، اس مقدار کی بھی خصوصی رعایت کرنی چاہیے، اجازت سے زیادہ مقدار سامان لے جانے میں کئی طرح کی تکالیف سامنے آسکتی ہیں۔

ایک مرتبہ حج سے واپسی میں جدہ ایئرپورٹ پر حجاجِ کرام کے پاس کثیر مقدار میں سامان تھا، جو ہر ٹکٹ سے دو تین گنا زیادہ تھا، جس کی وجہ سے بڑی رکاوٹ پیش آئی اور خطرہ یہ ہوگیا کہ ہوائی جہاز شاید چھوٹ جاوے، جب ہر طرح کی کوشش ناکام رہی، تو اس حج گروپ کے ایک ذمے دار صاحب نے بندے کو مکلّف کیا کہ میں جاکر آفیسر سے عربی میں بات کر کے کچھ درخواست کروں، جب بندہ نے جاکر ایک بڑے آفیسر سے بات کی تو اس آفیسر صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ اپنے حاجیوں کے پاس جاکر یہ سوال کرو کہ وہ حج کرنے آئے تھے یا خریداری کرنے آئے تھے؟

اس لیے اپنے ٹکٹ کے ساتھ دیکھ لینا چاہیے کہ کتنی مقدار مال کی اجازت ہے، اس کی رعایت کی جائے۔ ہمارے حضرت دامت برکاتہم کا معمول یہ ہے کہ عام طور پر سفر

میں صرف ضروری چیزوں کے علاوہ زیادہ سامان نہیں رکھتے، جس کی وجہ سے کئی مرتبہ یہ ہوا کہ ٹکٹ کے ساتھ جتنی مقدار اجازت ہوتی ہے، اس سے بہت کم مجموعی سامان ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تقوی

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ کسی سواری کا کرایہ کرتے تو مالک کو چیزیں دکھایا کرتے تھے، اگر بعد میں کوئی خط بھی لاتا تو فرماتے کہ بھائی میں نے سارا اسباب مالک کو دکھا دیا ہے اور یہ اس میں سے نہیں؛ لہٰذا تم مالک سے اجازت لے لو۔ (آپ بیتی: ۱۶۰/۲)

سامان کے متعلق ایک خاص ہدایت

آج کل بہت ساری چیزیں ایسی ہوگئی ہیں جو ہوائی جہاز میں لے جانا ممنوع ہے؛ لہٰذا اس کی معلومات پہلے سے حاصل کرلیں اور اس طرح کی چیزیں ہرگز سفر میں ساتھ نہ رکھیں اور خاص کر کے ہاتھ والے بیگ میں ناخون کاٹنے کا آلہ، قینچی، دھار دار چیزیں ہرگز نہ لیں؛ ورنہ وہ ضائع کردی جاتی ہیں اور سیال چیزیں مثلاً عطر وغیرہ بھی ۲۰۰ ملی لیٹر سے کم کی اجازت ہوتی ہے، اس کو بھی پلاسٹیک کی بیگ میں پیک کروانا ہوتا ہے، اس سے زائد سیّال چیز ہاتھ میں نہ لیں۔

نیوزی لینڈ کے ایک دینی سفر سے واپسی میں ہوائی اڈے پر ایک مخلص نے وہاں کے مشہور شہد ''مانوکا'' ۴۰۰ گرام کی ایک بوتل مجھے اور حضرت دامت برکاتہم کو ہدیہ میں پیش کی، بہت ہی اصرار سے انھوں نے یہ چیز پیش کی اور یہ شہد بہت ہی اعلی قسم

اور قیمتی تھا۔ایک بوتل وہاں کے تقریباً ۱۰۰ ر ڈالر کی ہوتی ہے، ہم نے اس کو دستی بیگ میں رکھ لیا اور آپس کے مذاکرے میں یہ سوچا تھا کہ اس میں سے ایک بوتل بمبئی میں ہمارے مخلص محبّ العلماء حافظ آصف صاحب رینکوٹ والے کو پیش کریں گے اور دوسری بوتل ہمارے اسفار کے ویزا ٹکٹ کی کوشش کرنے والے دمن کے ہمارے مخلص حاجی ساجد میمن صاحب کو پیش کر دیں گے؛ لیکن جب جانچ ہوئی تو یہ دو شہد کی بوتل ہاتھ والے بیگ میں لے جانا ممنوع قرار دیا گیا اور چوں کہ یہ کارروائی ہوائی جہاز میں بیٹھنے کے قریب ہوتی ہے اس لیے باہر آکر واپس کسی کو دینا بھی ممکن نہیں ہوتا۔

بندے نے ایک عقلی حجت بازی سے کام چلانے کی کوشش کی، میں نے ان سے کہا کہ: ایک مسافر کو ۲۰۰ ر گرام سیال چیز کی اجازت ہے؛ اس لیے ہم دو کو ملا کر ۴۰۰ ر گرام کی اجازت ہو جاتی ہے، لہذا ہم دو کے استحقاق کے مطابق ایک بوتل کی اجازت تو ہونی ہی چاہیے۔

تو اس پر جانچ کرنے والے افسر نے کہا کہ: ہر ایک کے لیے انفرادی طور پر ۲۰۰ ر گرام سیال چیز کی اجازت ہے، اس طرح مجموعی طور پر جوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔اب افسر اس کو ضائع کرنے جا رہا تھا۔

اتنی قیمتی چیز ضائع ہو جائے، اس سے بچنے کے لیے میں نے ان سے ہنستے ہوئے کہا کہ: یہ دونوں بوتلیں میں آپ کو ہدیہ میں دیتا ہوں، آپ اس کو گھر لے جا کر استعمال کریں۔

تو اس وقت اس نے اپنے فرائضِ منصبی کا حق بجا لاتے ہوئے کہا: میں اس

وقت اس طرح آپ سے یہ چیزیں ہدیہ میں وصول نہیں کر سکتا، مجھے معلوم ہے کہ یہ ہمارے ملک کا مشہور اور قیمتی شہد ہے؛ لیکن ''قانون قانون ہے'' یہ کہہ کر اس نے ان دونوں بوتلوں کو کچرے کے ڈبے کے حوالے کر دیا۔

دوسروں کا سامان لے جانے کے بارے میں ایک خاص ہدایت

بعض مرتبہ سفر میں جاتے ہوئے بعض رشتے داروں اور دوستوں کی طرف سے کسی کو پہنچانے کے لیے کوئی سامان دیا جاتا ہے، تو اس سلسلے میں یہ بات خاص یاد رکھنی چاہیے کہ اولاً تو ایسی بیگاری والی خدمت سے معذرت ہی اچھی ہے اور اگر لے جانا ضروری ہے تو اس سامان کو کھول کر اچھی طرح دیکھ لینا چاہیے، بعض مرتبہ شرعاً اور قانوناً ممنوع چیزیں کپڑے وغیرہ کے بیچ رکھ کر کے لوگ دے دیتے ہیں اور جانچ ہونے پر لے جانے والا ہی بے چارہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں کے ایک صاحب اس طرح کے ایک معاملے میں پھنس کر کے کئی سال جیل میں گذار چکے ہیں اور بڑا جرمانہ ادا کرنا پڑا وہ علیحدہ۔

نیوزی لینڈ کے اسی سفر میں جاتے وقت وہاں کے ہمارے میزبان مولانا امتیاز صاحب خیر گانوی کے گھر سے ان کے بچوں کے لیے کچھ کپڑے اور کھلونے آئے ہوئے تھے، بمبئی ایئرپورٹ پر جب جانچ ہوئی تو اس سامان کی چیکنگ میں خطرے والی گھنٹی بار بار بجتی رہی، ہم ڈر رہے تھے کہ یہ گھنٹی کیوں بج رہی ہے، کافی دیر جستجو و تلاش کے بعد پتہ چلا کہ سامان میں کوئی کھلونا ہے، جس میں بیٹری (پاور) لگی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے یہ گھنٹی بج رہی تھی، بہت تلاش کے بعد وہ کھلونا ملا، اس میں سے بیٹری الگ کی، تب جا کر کاروائی آگے بڑھی، اس میں کافی دیر تک ذہنی الجھن رہی اور کافی وقت

ضائع ہوا۔

اس سے یہ بات سیکھنے کو ملی کہ کھلونا یا مونچھ کی صفائی کی مشین یا ٹارچ وغیرہ ہو تو اس میں سے بیٹری (پاور) کو الگ کر کے رکھنا چاہیے۔

میزبانوں کے لیے بہترین تحفہ

میرے حضرت دامت برکاتہم میری درخواست پر میزبانوں کے لیے کتابیں ساتھ لے جانے کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں۔خاص کر حضرت دامت برکاتہم کی -محمود الفتاوی، حدیث کے اصلاحی مضامین، نکاح کے مسائل اور ان کا حل جیسی- مفید کتابیں وہاں کے مدارس اور علما کے لیے ایک بہترین تحفہ ہوتا ہے اور عمدہ قسم کا عطر وہ بھی ایک قیمتی تحفہ ہے؛ لیکن اس کو ہاتھ والے بیگ میں نہ لے جائیں۔

سفر میں خفین (چمڑے کے موزے) کا اہتمام

دورانِ سفر نماز کے مواقع بھی پیش آتے ہیں اور ہر جگہ وضو کرنے کی سہولت میسر نہیں ہوتی، خاص کر ہوائی جہاز میں پیروں کو دھونا مشکل ترین کام ہے؛ اس لیے سفر شروع کرنے سے پہلے مکمل وضو کر کے خفین پہن لیے جائیں، اس کی وجہ سے دورانِ سفر وضو کرنے میں بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔

لیکن خفین میں ایک بات خاص ذہن میں رہے کہ لوہے یا کسی دھات کی چین یا بٹن اس میں استعمال نہ ہوئے ہو، چوں کہ جب ہوائی اڈے پر جسم کی جانچ کے لیے جو آلہ استعمال ہوتا ہے تو اس طرح کی دھات والی چیزوں کی وجہ سے الارام بجتی ہے اور

بہت سی مرتبہ موزے نکلوا دئے جاتے ہیں؛ اس لیے دھات کے علاوہ کی چین یا بٹن یا کسی اور شکل سے موزہ چپک سکتا ہو اس طرح کے خفین استعمال کیے جائیں۔

نیز ہوائی جہاز میں جب وضو کریں تو وہاں کم سے کم پانی استعمال کرنے کا اہتمام کریں، چوں کہ چہرہ اور ہاتھ ہی دھونے ہیں، سر اور خفین پر مسح ہی کرنا ہے، تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ احتیاط سے پانی استعمال کریں گے تو ایک گلاس سے بھی کم میں وضو ہو سکتا ہے۔

اور ہوائی جہاز میں ہاتھ دھونے کی جگہ بہت چھوٹی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے پانی کے چھینٹے نیچے گرتے ہیں، دوسرے مسافروں کو تکلیف ہوتی ہے، اس لیے وضو سے فارغ ہو کر ٹشو پیپر فرش پر ڈال کر پانی سُکھا لینا چاہیے۔

نیت

سفر میں روانگی کے وقت نیت بھی بہت اہم چیز ہے، نیت کی درستگی سے سفر عبادت بن جاتا ہے، دین کی اشاعت وحفاظت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دین کی دعوت، حصولِ علم، اشاعتِ علم، احیائے سنت، اقربا اور سب رشتے داروں کی ملاقات، اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت کرنے والوں کی ملاقات وغیرہ۔

میرے حضرت فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر زندہ ہو جائے، جا بجا ذکر کی مجالس قائم ہونے لگیں، یہ بھی میرے سفر کے مقاصد میں سے ہیں۔

مسافر کے دلی جذبات پر اللہ تعالیٰ کی نصرت کے فیصلے

میرے برادرِ مرحوم مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو نظام الدین دہلی – بنگلے

والی مسجد جس کو ''عالمی مرکزِ تبلیغ'' کہا جاتا ہے، وہاں مدرسہ کاشف العلوم ہے، اس- میں درجۂ عربی اول سے دورۂ حدیث تک پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، گجرات کے وہ سب سے پہلے عالم ہیں جن کو نظام الدین سے تکمیلِ دورۂ حدیث شریف کی سعادت حاصل ہوئی اور ان کو نظام الدین کے ماضی قریب کے تمام ہی اکابر کی بہت قریب سے خدمت اور ان سے سفر وحضر میں استفادہ کی سعادت حاصل رہی، انھوں نے مجھے سنایا تھا کہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ''ہوائی جہاز، ٹرین یا کوئی سواری کسی بستی میں پہنچ رہی ہو اس وقت مسافر کے دل میں جو جذبات، جو ارادے، جو نیتیں ہوتی ہیں اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کے یہاں فیصلے ہوا کرتے ہیں''۔

اس لیے ہم اپنے دینی سفروں میں دین کے متعلق بلند عزم وارادے کے ساتھ چلیں، اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد انشاء اللہ شاملِ حال ہوگی۔

رات کا سفر

راستے پر امن اور حالات سازگار ہوں تو صرف دن میں سفر پر قناعت نہ کرنا چاہیے؛ بلکہ حسبِ سہولت رات میں کچھ سفر کرنا چاہیے؛ کیوں کہ رات کے سنّاٹے میں طویل سفر بہ آسانی طے ہو جاتا ہے اور مسافر کو زیادہ احساس بھی نہیں ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ رات کے وقت ضرور چلا کرو، کیونکہ رات کے وقت زمین لپیٹ دی جاتی ہے۔

(ابوداؤد شریف)

سواری کے مالک کا حق

جب کوئی اپنی سواری میں آگے بٹھانے لگے تو اولاً اس کو بتا دیا جائے کہ آگے بیٹھنے کا حق آپ کو ہے، پھر بھی اگر وہ درخواست کرے تو قبول کرتے ہوئے آگے بیٹھ جائیں۔

آدابِ سفر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی مقام پر قیام کریں تو احباب ایک ساتھ مجتمع ہو کر راستے سے ہٹ کر قیام کریں، زیادہ جگہ نہ گھیریں اور درمیانِ سفر کسی منزل پر پہنچیں اور قیام کا ارادہ ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کریں، اس میں یہ بھی خاص دھیان رہے کہ اپنی اپنی گاڑیوں کو بھی مناسب جگہ رکھیں، جو جگہیں خاص گاڑیوں کے لیے بنائی جاتی ہیں، وہی رکھیں۔ نامناسب جگہ گاڑی رکھ کر دوسروں کے لیے تکلیف کا ذریعہ نہ بنیں۔

روانگی سے پہلے نفل کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں:

مَاخَلَفَ عَبْدٌ عَلٰی أَهْلِهٖ أَفْضَلَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ يَرْكَعُهُمَا عِنْدَهُمْ يُرِيْدُ سَفَرًا. (کنز العمال علی المسند ۳۸/۳)

یعنی بوقتِ سفر گھر والوں کے پاس جو دو رکعت پڑھتا ہے، وہ ان کے لیے چھوڑی ہوئی چیزوں میں سب سے افضل ہے۔

اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ روانگی سے قبل دو رکعت نفل کا اہتمام ہو جائے۔

سواری کے وقت دعا پڑھنے کی حکمت

ابولاوس خزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری سواری کے لیے ہمیں عطا فرمایا کہ ہم اس پر سوار ہو کر حج کو جائیں۔ ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم نہیں دیکھتے کہ آپ ہمیں اس پر سوار کرائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر اونٹ کی کوہان میں شیطان ہوتا ہے، تم جب اس پر سوار ہو تو جس طرح میں تمھیں حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو، پھر اسے اپنے لیے خادم بنالو۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی سوار کراتا ہے۔ (مسندِ احمد)

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہر اونٹ کی پیٹھ شیطان ہے، تو تم جب اس پر سواری کرو تو اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو، پھر اپنی حاجتوں میں کمی نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ گلدستۂ تفاسیر ۶/۳۷۵)

سفر کی دعائیں

مسافر جب سفر میں روانہ ہوتا ہے تو اس کا وہ سفر کتنی ہی امید و تمنا اور امنگوں کا کیوں نہ ہو، اس کے قلب و دماغ میں خوشی اور رنج کے ملے جلے جذبات و احساسات کی عجیب کیفیت ہوتی ہے، اہلِ خانہ سے مفارقت، ان کی خیر و عافیت کی فکر، سفر کی پریشانیوں کا تصور، احباب و اقربا سے جدائی، پھر راحت و سکون کے ساتھ واپسی کا خیال، غرض نہ معلوم کتنے افکار و خیالات کے ہجوم میں وہ روانہ ہوتا ہے؛ مگر افکار و احساس کے اس ہجوم میں جو چیزیں ہمیشہ توشۂ طمانینت بنتی ہیں وہ دعائیں ہیں، جن میں مسافر کی

ضروریات کے ہر ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے، ان میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

گھر سے روانگی کے وقت

سفر کی ابتدا میں رشتے دار، دوست واحباب اور متعلقین سے ہنستے چہرے کے ساتھ معافی تلافی کر کے رخصت ہو اور یہ دعا پڑھے:

أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ. (کنز العمال: ۳۶/۳)

ترجمہ: میں تمھارے دین و امانت اور انجامِ عمل کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔

سرورِ کونین ﷺ جب کسی کو رخصت کرتے تو اسے یہ دعا دیتے

زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ کا توشہ عطا فرمائے، تیرے گناہ معاف فرمائے، جہاں بھی تو جائے خیر کی طرف تیری رہنمائی کرے۔

روانگی کے وقت مکان کے دروازے پر پڑھنے کی دعا

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ رَبِّ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْأَزِلَّ أَوْأُزَلَّ أَوْأَظْلِمَ أَوْأُظْلَمَ أَوْأَجْهَلَ أَوْيُجْهَلَ عَلَيَّ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کر کے ان کا نام لے کر نکل رہا ہوں، گناہوں سے بچنے کی قدرت اور اطاعت کی طاقت اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ خود گمراہ ہوؤں یا گمراہ کیا جاؤں، پھسلوں یا پھسلایا جاؤں، ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، جہالت کروں یا مجھ پر جہالت

کی جائے۔

سواری پر سوار ہونے کی دعا

(۱) ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور بغوی نے لکھا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اپنا قدم رِکاب میں رکھا تو فوراً ''بسم اللہ'' کہا، پھر ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے تو ''الحمد للہ'' کہا، پھر فرمایا: سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ إِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ. (الزخرف: ١٤)

پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہماری خدمت میں لگا دیا، جب کہ ہم میں اس کی طاقت نہ تھی اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اس کے بعد تین مرتبہ ''اللّٰه أكبر'' کہا، پھر کہا ''لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا أَنْتَ'' اس کے بعد مسکرا دیے۔

عرض کیا گیا: امیر المؤمنین! آپ کس وجہ سے مسکرائے؟

فرمایا: بندہ جب ''لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا هُوَ'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس فعل کو پسند کرتا ہے (أو کما قال)۔

اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مسکرائے۔ (تفسیر مظہری)

(۲) بِسْمِ اللّٰهِ وَاعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ وَتَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ.

ترجمہ: اللہ کے نام سے سفر شروع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا سہارا لیتا ہوں اور اس پر بھروسہ کرتا ہوں، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑے ہیں۔

(۳) اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ.

ترجمہ: اے اللہ! آپ ہی میرے سفر کے ساتھی ہیں اور آپ ہی میری غیر موجودگی میں گھر والوں، میری اولاد اور میرے مال کے محافظ بن جائیے۔

(۴) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعَثَاءِ السَّفَرِ، وَكَابَةِ الْمَنْظَرِ، وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ.

ترجمہ: اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں سفر کی پریشانی سے اور ایسے منظر سے جو غم انگیز ہو اور اس بات سے کہ جب میں اپنے گھر والوں، اولاد اور مال کے پاس آؤں تو بری حالت میں آؤں۔

(۵) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِیْ هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَاتَرْضٰی.

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقوی کی توفیق مانگتا ہوں اور ایسے عمل کی جس سے آپ راضی ہوں۔

(٦) اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا هٰذَا السَّفَرِ وَاطْوِعَنَّا بُعْدَهٗ.

ترجمہ: اے اللہ! ہمارے لیے سفر کو آسان بنادیجیے اور اس کی مسافت کو ہمارے لیے لپیٹ دیجیے۔

سفر میں پانچ چھوٹی سورتوں کی برکات

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم

یہ چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقا سے زیادہ خوش حال بامراد ہو اور تمھارا سامان زیادہ ہو جائے؟

انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بیشک میں ایسا چاہتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: آخرِ قرآن کی پانچ سورتیں (سورۂ کافرون، سورۂ نصر، سورۂ اخلاص، سورۂ ناس، سورۂ فلق) پڑھا کرو اور ہر سورت کو بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ ہی پر ختم کرو (اس طرح مجموعی دس مرتبہ یا چھ مرتبہ بسم اللہ ہوگی)۔

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس وقت میرا حال یہ تھا کہ سفر میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے بالمقابل قلیل الزاد، خستہ حال ہوتا تھا، جب سے رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کیا، میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا۔ (تفسیرِ مظہری بحوالہ معارف القرآن: ۸۳۲/۸)

مصیبت کے وقت سورۂ قریش پڑھنے کا فائدۂ عظیمہ

ابوالحسن قزوینیؒ نے فرمایا ہے کہ: جس شخص کو کسی دشمن یا اور کسی مصیبت کا خوف ہو اس کے لیے ”لایلف قریش“ کا پڑھنا امان ہے۔

اس کو امام جزریؒ نقل کر کے فرماتے ہیں کہ: یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیرِ مظہری میں اس کو نقل کر کے فرمایا کہ: مجھے میرے شیخ حضرت مرزا جان جاناںؒ نے خوف وخطر کے وقت اس سورت کے پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ: ہر بلا و مصیبت کے دفع کرنے کے لیے اس کی قرأت مجرب ہے، حضرت قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ: میں نے بھی بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔ (معارف القرآن: ۸۲۴/۸)

میرے حضرت کا معمول مبارک ہے کہ مسنون دعاؤں کے ساتھ گیارہ مرتبہ سورۂ قریش خود بھی اور رفقائے سفر میں سے ہر ایک سے پڑھوانے کا اہتمام فرماتے ہیں۔

کشتی میں سوار ہونے کے بعد کی دعا

حضرت خولہ بنت حکیمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کشتی میں سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھے تو ڈوبنے سے محفوظ رہے گی:

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.(ھود:٤١)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کشتی کا چلنا بھی ہے اور اس کا ٹھہرنا بھی ہے، یقیناً میرے رب بہت زیادہ معاف کرنے والے، سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. (سورۂ زمر، آیت:٦٧، منتخب کنز العمال علی المسند:٣٧/٣)

ترجمہ: اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا؛ حالاں کہ پوری کی پوری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے کے سارے آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک ہے اور بہت بالا و برتر ہے اس شرک سے جس کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں۔

بلندی پر چڑھتے اور پستی میں اترتے وقت یہ پڑھے

درمیانِ سفر میں جب بلندی پر چڑھے تو تین بار ''اللہ أکبر'' کہے اور جب

اترنے لگے تو تین بار ''سبحان اللہ'' کہے۔

کسی بستی میں داخل ہونے کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرِ اَهْلِهَا وَخَيْرِ مَافِيْهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ اَهْلِهَا وَمِنْ شَرِّ مَا فِيْهَا.

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے اس بستی کی، اس کے رہنے والوں اور اس میں موجود چیزوں کی بھلائی چاہتا ہوں اور بستی اور رہنے والوں اور اس میں موجود چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

کسی آبادی میں پہنچے تو یہ دعا پڑھیں

جب ہم دین کی نسبت پر سفر کریں تو دعاؤں کا خوب اہتمام ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس جانے کو دینی اعتبار سے خیر و برکت کا ذریعہ بنائے اور ہمارے جانے کو اللہ تعالیٰ اشاعتِ دین و حفاظتِ دین، احیائے سنت کا ذریعہ بنائے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذریعہ بنائے، اپنے ذکر کے زندہ ہونے کا ذریعہ بنائے اور ذکر کی مجالس کے قیام کا ذریعہ بنائے۔

میرے حضرت کا عام معمول یہی رہا ہے کہ روانگی سے کئی دن پہلے دعا کا اہتمام کرتے ہیں اور متعلقین سے بھی خوب دعاؤں کا اہتمام کرواتے ہیں اور سفر خالصۃً لوجہ اللہ ہو اور فتنوں سے حفاظت ہو، اس کے لیے بھی خصوصی دعاؤں کا اہتمام فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں: اس کا خیال رکھنا کہ ہمارا سفر خالص دینی، تبلیغی، دعوتی ہو اور جا بجا اللہ تعالیٰ

کے ذکر کی مجالس قائم ہو۔

الحمدللہ! اس کا خوب مشاہدہ ہوا کہ ملک اور بیرونِ ملک جہاں کہیں بھی جانا ہوتا ہے تو ہر جگہ صبحِ صادق سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے ذکرِ جہری کی مجلس ہوتی ہے اور علما اور عوام کی ایک بہت بڑی جماعت پورے شوق اور رغبت کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے، اکثر حضرات کو تہجد پڑھنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے، پھر ذکرِ جہری کی مجلس اور اجتماعی دعا ہوتی ہے۔

حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ: حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا معمول اسی طرح تھا کہ وہ صبح صادق سے پہلے ذکرِ جہری سے فارغ ہو جاتے تھے۔

اس طرح کی مجالسوں کے بڑے برکات اور ثمرات ہیں اور اس کی برکت سے فتنوں سے بڑی حفاظت ہوتی ہے، خصوصاً دینی کاموں میں مشغول رہنے والے حضرات کے لیے تلاوت، ذکر، تسبیحات کی پابندی، ان کے دینی کاموں میں تقویت کا ذریعہ ہے۔

حضرت دامت برکاتہم خصوصیت کے ساتھ مدارس میں ایسی مجالس قائم کرتے ہیں اور اس کا اہتمام کرواتے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ سفر شروع کرنے سے پہلے نیت درست کر لینی چاہیے۔ ہمارے حضرت دامت برکاتہم کا برطانیہ کا پہلا سفر حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ کے ساتھ ہوا تھا، پھر ایک لمبے عرصے تک برطانیہ کے اسفار نہیں ہوئے، احباب کی طرف سے بار بار اصرار بھی ہوتا رہتا تھا، ایک موقع پر ارشاد فرمایا: جب تک دل میں ایک پاؤنڈ کا بھی خیال محسوس ہوگا، برطانیہ نہیں جاؤں گا۔

الحمدللہ! اس کے بعد خوب اسفار ہوئے اور حضرت خود اپنے لیے رفقائے سفر کے لیے دعاؤں کا خصوصی اہتمام بھی فرماتے ہیں اور بار بار نصیحت بھی فرماتے رہتے ہیں کہ اس طرح کے اسفار میں مال اور جاہ کی محبت ذرہ برابر بھی شامل نہیں ہونی چاہیے۔

سفر کس وقت کرنا چاہیے؟

صبح کا وقت بہت ہی بابرکت ہوتا ہے، کسی کام کے شروع کرنے کے لیے وہ نہایت مناسب وقت ہے؛ اس لیے حتی الامکان صبح سویرے سفر کی ابتدا کرنی چاہیے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا نقل فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُكُوْرِهَا. (مشکوۃ: ۳۳۹/۲)

ترجمہ: اے اللہ! میری امت کے لیے صبح سویرے چلنے میں برکت عطا فرما۔

حضرت صخرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اس دعا کے بعد میں اپنا سامانِ تجارت دن کے ابتدائی حصے میں بیچنے لگا تو اس دعا کی برکت سے پہلے کے مقابلے میں غیر معمولی برکت ہونی لگی۔

سفر کس دن کرنا چاہیے؟

امام الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر جمعرات کو سفر فرمایا کرتے تھے۔ نیز پیر کے روز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر پسند فرمایا ہے؛ لہذا کوئی مجبوری نہ ہو تو ان ایام میں سفر کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ان ایام میں سفر کرنا مستحب ہے۔ (ابوداؤد)

نوٹ: باقی ٹکٹ کا نظام جس طرح ہو جاوے سفر شروع کر دیں۔

جمعہ کے دن سفر کرنا

جمعہ کے دن اگر سفر ہو تو زوال سے پہلے نکلنے میں کوئی حرج نہیں، اگر چہ ایسی جگہ جانا ہو جہاں جمعہ نہ ہوتا ہو، البتہ زوال کے بعد جمعہ سے پہلے سفر میں جانا مکروہِ تحریمی ہے؛ کیوں کہ اقامت کی حالت میں جمعہ میں شرکت واجب ہے۔

عَنِ بْنِ عُمَرؓ قَالَ اِنَّ الْجُمُعَةَ لَا تَمْنَعُهٗ مِنَ السَّفَرِ مَالَمْ يَحْضُرْ وَقْتُهَا.

(كنز العمال على هامش المسند: ۱/ ۴۰)

ترجمہ: جمعہ کا دن سفر کے لیے مانع نہیں ہوتا جب تک کہ جمعہ کا وقت نہ آ جائے۔

سفر میں ذکر کی فضیلت

سفر میں فکرِ راحت و آرام اور مشقت و پریشانی کے ہجوم میں مسافر کے قلب و دماغ پر کبھی کبھی اضطرابی کیفیت طاری ہوتی ہے، اس کا بہترین علاج زبانِ رسالت ﷺ نے تجویز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو۔

چنانچہ وارد ہے کہ دورانِ سفر مسافر کی زبان جب ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوتی ہے تو ایک فرشتہ اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور وہ ہر وقت قلبی، ذہنی راحت و سکون کا سامان فراہم کرتا ہے اور ذکر کی حلاوت و چاشنی زبان و قلب کو تر و تازہ کیے رہتی ہے اور اگر لغو شعر و شاعری اور گانے سننے میں مشغول رہے، تو ایک شیطان اس کا رفیقِ سفر بن کر رنج والم کے اسباب پیدا کرتا ہے:

مَـامِـنْ رَاكِبٍ يَخْلُوْ فِيْ سَيْرِهٖ بِاللّٰهِ وَذِكْرِهٖ اِلَّا رَدِفَهٗ بِمَلَكٍ وَلَا يَخْلُوْ بِشَعْرِهٖ وَنَحْوِهٖ اِلَّا رَدِفَهٗ بِشَيْطَانُ. (منتخب كنز العمال على المسند:۳۸/۳)

ترجمہ: جو مسافر درمیانِ سفر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں رہتا تو ایک فرشتہ اس کا ردیف وہم سفر ہو جاتا ہے اور جو مسافر شعر گوئی میں مشغول ہوتا ہے تو کوئی شیطان اس کا رفیقِ سفر بن جاتا ہے۔

درمیانِ قیام کی دعا

سفر کے درمیان مسافر جب کہیں قیام کرے، تو خواہ کیسا ہی جنت نما ہوٹل یا سرائے ہو، اسے وہ سکون وراحت کہاں میسر جو وطنِ مالوف میں حاصل ہوا کرتی ہے، کبھی غیر مانوس جگہ کی وحشت، تو کبھی کوئی خطرہ، ایسے غیر مطمئن حالات میں جو چیز قلب ودماغ کو اطمینان واعتماد کی فضا مہیا کرتی ہے وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی مبارک دعا ہے جو بوقتِ قیام پڑھی جاتی ہے، اس دعا کی برکت سے جس بستی میں پہنچیں گے وہاں کی کوئی چیز نقصان نہیں دے گی، وہ دعا یہ ہے:

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامّـَاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. (كنز العمال:۳۷/۳)

ہر تکلیف سے امان پانے کی دعا

قبیلۂ اسلم کے ایک آدمی نے حضور ﷺ سے کہا کہ آج کی رات مجھے نیند نہیں آئی۔

آپ ﷺ نے پوچھا: کس وجہ سے؟

انھوں نے کہا کہ: مجھے بچھو نے ڈس لیا تھا۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر شام کو تم نے یہ دعا پڑھ لی ہوتی تو (ان شاء الله عز وجل) کوئی چیز تمھیں تکلیف نہ پہنچاتی:

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. (مسلم: ۲/ ۳۴۷)

نوٹ: ترمذی شریف کی ایک روایت میں آیا ہے کہ شام کے وقت تین مرتبہ اس دعا کو پڑھنے سے اس رات میں بخار، زہر وغیرہ کوئی چیز نقصان نہیں دے گی۔

(ترمذی: ۲/ ۲۰۰)

مسافر کی دعا

یوں تو بارگاہِ الٰہی میں بندوں کی فریاد کی قبولیت کا عام اعلان ہے؛ مگر کچھ افراد ایسے بھی ہیں جن کی فریاد و پکار خاص اہمیت رکھتی ہے اور قبولیت کا انھیں خصوصی درجہ حاصل ہے، ان میں ایک اولاد کے حق میں والدین کی دعا، دوسرے مظلوم کی فریاد اور تیسرے مسافر کی دعا۔ (ترمذی شریف: ۲/۹)

اس لیے مسافر جب تک وطن نہ پہنچ جائے اسے قربِ خاص حاصل رہتا ہے، لہذا ان سے دعا کرنے کی درخواست کرنی چاہیے؛ لیکن مسافر کی یہ حیثیت مطلقاً نہیں؛ بلکہ یہ اس وقت ہے جب کہ وہ حلال رزق پر قناعت کرتا ہو اور رزقِ حرام سے بچتا ہو۔

صاحبِ جمع الفوائد نے ایک روایت نقل کی ہے:

کہ مسافر درمیانِ سفر ''یارب، یارب'' کی رٹ لگاتا ہے، جب کہ اس کا لباس، کھانا پینا اور زادِ راہ مالِ حرام سے ہوتا ہے تو دعا کیسے قبول ہوگی؟

دورانِ سفر حضر کے معمولات پر بھی ثواب

جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ شب و روز کی زندگی میں کسی نیک عمل کا پابند ہوتا ہے اور حتی الامکان پابندی کا جذبہ بھی اس کے قلب میں ہوتا ہے؛ مگر جب وہ راہِ سفر اختیار کرتا ہے تو نظامِ زندگی درہم برہم ہونے سے پابندی چھوٹ جاتی ہے اور اس پر عمل نہیں کر پاتا، پھر بھی فضلِ الٰہی اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب تک وہ سفر میں ہوتا ہے اس کے نامۂ اعمال میں ان تمام اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے جس کی اس نے حضر میں پابندی کر رکھی تھی، اسی طرح تندرستی اور جوانی میں جن اعمال کی پابندی کی، بیماری اور بڑھاپے میں عمل نہ کر سکنے کے باوجود ان تمام اعمال کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم: ان العبد اذا كان على طريقة حسنة من العبادة ثم مرض قيل للملك المؤكل به اكتب له مثل عمله اذا كان طليقا.

قلت: وكذا ورد فى المسافر والشيخ الكبير. (مرقاة: ۲۷۰/۷)

ساتھیوں کی خدمت کا ثواب

سفر میں اکثر الجھن و پریشانی کا سامنا رہتا ہے، ہر شخص سہولت و آرام طلبی چاہتا ہے، ایسے حالات میں اپنی راحت قربان کر دینا اور ساتھیوں کی راحت کی فکر اور ان کی خدمت کرنا، ایثار و ہمدردی اور اعلیٰ اخلاق کی بات ہے۔

حدیثِ نبوی میں ہے کہ: رفقائے سفر کا امیر در حقیقت وہ ہم سفر ہے جو اپنے

احباب کی خدمت کرتا ہے اور جس نے سفر میں خدمت میں پیش قدمی کی تو فضیلت وثواب میں اس سے دوسرا کوئی سبقت نہیں لے جا سکتا، ہاں! سوائے اس مردِ مجاہد کے جس نے شہادت کا جام نوش کیا ہو۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

سید القوم فی السفر خادمھم فمن سبقھم بخدمته لم یسبقوه بعمل الا الشهادة. (کنز العمال: ۳/۳۸)

سفر میں قوم کا واقعی سرداران میں کا خدمت کرنے والا ہے، جس نے ان کی خدمت میں سبقت کی تو سوائے شہادت کے اور کسی بھی عمل کے ذریعہ اس سے کوئی سبقت نہیں کر سکتا۔

درمیانِ سفر شرافت کے تین کام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے: کہ شرافت وانسانیت کے چھ کام ہیں: تین حضر کے اور تین سفر کے۔

حضر کے تین کام یہ ہیں:

(۱) قرآن کریم کی تلاوت۔

(۲) مسجدوں کو آباد کرنا۔

(۳) ایسے دوستوں کی جمعیت بنانا جو دین کے کاموں میں مدد کریں۔

اور سفر کے تین کام یہ ہیں:

(۱) اپنا توشہ غریب پر خرچ کرنا۔

(۲)حسنِ اخلاق سے پیش آنا۔

(۳)رفقائے سفر کے ساتھ مہذب خوش طبعی کا طرزِ عمل رکھنا۔(معارف القرآن: ۲۴۳/۱)

منزل پر صحیح وسلامت پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر

جب ہم کسی شہر یا آبادی میں صحیح سلامت پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ کا شکرادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے سفر کے تمام مراحل کو آسان فرمادیا اور صحیح سلامت وطن یا منزلِ مقصود تک پہنچادیا، اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے سے سنا کہ جب صحیح وسلامت پہنچ جاوے تو یہ پڑھنا چاہیے:اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مَعَ السَّلَامَةِ وَالْعَافِيَةِ.

ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے احکام واقسام

دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف جانا

جب دارالکفر میں اپنی جان ومال اور عزت آبرو کا اطمینان نہ ہو، یا دینی فرائض کی ادائیگی ممکن نہ ہو۔

عہدِ رسالت میں یہ سفر فرض تھا اور قیامت تک بشرطِ استطاعت وقدرت فرض ہے۔ اس کے باوجود دارالحرب میں مقیم رہا تو گناہ گار ہوگا۔

دارالبدعت سے نکل جانا

ابن قاسمؒ کہتے ہیں کہ: میں نے امام مالکؒ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان کے لیے اس مقام میں قیام کرنا حلال نہیں جس میں سلفِ صالحین پر سب وشتم کیا جاتا ہو۔

ابن عربیؒ یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ: یہ بالکل صحیح ہے؛ کیوں کہ اگر تم کسی منکر کا ازالہ نہیں کر سکتے تو تم پر لازم ہے کہ خود وہاں سے زائل یعنی علاحدہ ہو جاؤ، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذَا رَأَیۡتَ الَّذِیۡنَ یَخُوۡضُوۡنَ فِیۡ اٰیَاتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِي حَدِیۡثٍ غَیۡرِہٖ. (الانعام:۶۸)

ترجمہ: اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں نقطہ چینی کرنے میں لگے ہیں تو آپ ایسے لوگوں سے (اس وقت تک) الگ ہو جاؤ جب تک کہ وہ دوسری کسی بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔

جس جگہ پر حرام کا غلبہ ہو وہاں سے نکل جانا

کیوں کہ طلبِ حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔

جسمانی اذیتوں سے بچنے کے لیے سفر

یہ سفر جائز اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے کہ انسان جس جگہ دشمنوں سے جسمانی اذیت کا خطرہ محسوس کرے وہاں سے نکل جائے؛ تاکہ اس خطرے سے نجات ہو۔

یہ سفر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا، جب قوم کی ایذاؤں سے نجات حاصل کرنے کے لیے عراق سے ملکِ شام کی طرف روانہ ہوئے تو فرمایا:

وَقَالَ اِنِّي مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ. (العنکبوت: ۲۶)

ترجمہ: اور انھوں نے (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کہ: میں ہجرت کر کے میرے رب کی (بتائی ہوئی جگہ کی) طرف جا رہا ہوں۔

ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ایسا ہی سفر مصر سے مدین کی طرف کیا:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ. (القصص: ۲۱)

ترجمہ: سو وہ (موسیٰ علیہ السلام) اس (شہر) سے ڈرتے ڈرتے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے نکلے۔

آب وہوا کی خرابی اور امراض کے خطرے سے بچنے کے لیے سفر

شریعتِ اسلامی نے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ آدمی تبدیلیٔ آب وہوا یا امراض سے بچنے کے لیے معتدل آب وہوا کی حامل جگہ کی طرف سفر کریں، جیسا کہ

رسول اللہ ﷺ نے چند چرواہوں کو مدینہ سے باہر جنگل میں قیام کرنے کا حکم ارشاد فرمایا: کیوں کہ شہری آب و ہوا ان کو موافق نہ تھی۔

اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا تھا کہ دارالخلافت ''اُردن'' سے منتقل کر کے کسی سطحِ مرتفع پر لے جائیں، جہاں آب و ہوا خراب نہ ہو۔

لیکن یہ اس وقت ہے جب کسی مقام پر طاعون یا وبائی امراض پھیلے ہوئے نہ ہوں اور جس جگہ کوئی وبا پھیل جائے اس کے لیے حکم یہ ہے کہ جو لوگ اس جگہ پہلے سے موجود ہیں وہ تو وہاں سے نہ بھاگیں اور جو باہر ہیں وہ اس کے اندر نہ جائیں، جیسا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو سفرِ شام کے وقت پیش آیا، کہ سرحدِ شام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملکِ شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے، تو آپ کو اس ملک میں داخل ہونے میں تردد پیش آیا، صحابۂ کرامؓ سے مسلسل مشوروں کے بعد آخر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا مِنْهَا وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَلَسْتُمْ بِهَا فَلَا تَهْبِطُوْا عَلَيْهَا. (رواه الترمذي)

ترجمہ: جب کسی علاقے میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اب وہاں سے نہ نکلو اور جہاں تم پہلے سے موجود نہیں وہاں طاعون پھیلنے کی خبر سنو تو اس میں داخل نہ ہوؤ۔

اس وقت حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حکمِ حدیث کی تعمیل کرتے ہوئے پورے

قافلے کو لے کر واپسی کا اعلان کر دیا۔

بعض علمانے فرمایا کہ: حدیث شریف کے اس حکم میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس جگہ مقیم ہیں جہاں کوئی وبا پھیل چکی ہے، وہاں کے لوگوں میں وبائی جراثیم کا موجود ہونا ظنِ غالب ہے، وہ اگر وہاں سے بھاگیں گے تو جس میں یہ مادۂ وبائی سرایت کر چکا ہے وہ تو بچے گا نہیں اور جہاں یہ جائے گا وہاں کے لوگ بھی اس سے متأثر ہو کر بچ نہیں پائیں گے؛ اس لیے یہ حکیمانہ فیصلہ ہے۔

اپنے مال کی حفاظت کے لیے سفر کرنا

اگر کوئی شخص کسی مقام میں چوروں، ڈاکوؤں کا خطرہ محسوس کرے تو وہاں سے منتقل ہو جائے، شریعتِ اسلامی نے اس کی بھی اجازت دی ہے؛ کیوں کہ مسلمان کے مال کا بھی ایسا ہی احترام ہے جیسا کہ اس کی جان کا ہے۔

یہ چھ قسمیں تو اُس ترکِ وطن کی ہیں جو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کے لیے کیا گیا ہو۔

اور جو سفر کسی چیز کی طلب و جستجو کے لیے کیا جائے اس کی نو قسمیں ہیں:

(۱) سفرِ عبرت

یعنی دنیا کی سیاحت و سفر اس غرض سے کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور قدرتِ کاملہ کا اور اقوامِ سابقہ کا مشاہدہ کر کے عبرت حاصل کریں۔ قرآنِ کریم نے ایسے سفر کی ترغیب دی ہے:

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ .

(الروم: ۹)

ترجمہ: کیا وہ (کافر لوگ) زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ ان سے پہلے جو (کافر لوگ) تھے اس کا انجام کیسا ہوا اس کو دیکھتے؟

حضرت ذوالقرنین کے سفر کو بھی بعض عُلما نے اسی قسم کا سفر قرار دیا ہے اور بعض نے فرمایا کہ: ان کا سفر زمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کرنے کے لیے تھا۔

(۲) سفرِ حج

اِس کا چند شرائط کے ساتھ فریضۂ اسلامی ہونا سب کو معلوم ہے۔

(۳) سفرِ جہاد

مختلف احوال واوقات میں اس کا فرض یا واجب یا مستحب ہونا بھی سب مسلمانوں کو معلوم ہے۔

(۴) سفرِ معاش

جب کسی شخص کو اپنے وطن میں ضرورت کے مطابق معاشی سامان حاصل نہ ہو سکے تو اس پر لازم ہے کہ یہاں سے سفر کر کے دوسری جگہ تلاشِ روزگار میں جائے۔

(۵) سفرِ تجارت

یعنی ضرورت سے زائد مال حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا، یہ بھی شرعاً جائز ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلاً مِنۡ رَّبِّکُمۡ.(البقرۃ:۱۹۸)

ترجمہ:(حج کے سفر میں تجارت اور مزدوری کرکے) اپنے رب کا فضل (یعنی حلال روزی) تلاش کرنے میں تمھارے لیے کوئی گناہ نہیں ہے۔

نوٹ: حلال روزی کو آیتِ کریمہ میں ''فضل'' سے تعبیر کیا گیا ہے؛ اس لیے کہ انسانوں کے لیے روزی کا انتظام کرنا باری تعالیٰ کے لیے ضروری نہیں ہے وہ محض اپنے فضل سے روزی کا انتظام فرماتے ہیں۔

ابتغائے فضل سے مراد اس آیت میں تجارت ہے، اللہ تعالیٰ نے سفرِ حج میں بھی تجارت کی اجازت دے دی ہے، تو محض تجارت کے لیے سفر کرنا بدرجۂ اولی جائز ہوا۔

(۶) طلبِ علم کے لیے سفر

اس کا بقدرِ ضرورت تحصیلِ دین کا فرضِ عین ہونا اور زائد از ضرورت کا فرضِ کفایہ ہونا معلوم و معروف ہے۔

(۷) کسی مقام کو مقدس اور متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا

کسی مقام کو مقدس اور متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا، یہ بجز تین مسجدوں کے درست نہیں:

(۱) مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ)۔

(۲) مسجدِ نبوی (مدینہ طیبہ)۔

(۳) مسجدِ اقصی (بیت المقدس)۔

یہ امام قرطبیؒ اور ابن عربیؒ کی رائے ہے، دوسرے اکابر علمائے سلف وخلف نے عام مقاماتِ متبرکہ کی طرف سفر کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ (محمد شفیع)

(۸) اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے سفر

اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے سفر کرنا- جس کو ''رباط'' کہا جاتا ہے- کثیر احادیث میں اس کی بڑی فضیلت مذکور ہے۔

(۹) عزیزوں اور دوستوں کی ملاقات کے لیے سفر

حدیث میں اس کو بھی باعثِ اجروثواب قرار دیا گیا ہے کہ آدمی عزیزوں اور دوستوں کی ملاقات کے لیے سفر کرے، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں اقربا واحباب کی ملاقات کے واسطے سفر کرنے والے کے لیے فرشتوں کی دعا کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(یہ جب ہے کہ ان کی ملاقات سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، کوئی مادی غرض نہ ہو) واللہ اعلم (قرطبی: ۵/ ۳۴۹ تا ۳۵۱، ماخوذ از معارف القرآن: ۵/ ۳۴۱ تا ۳۴۳)

ملاقات کے لیے سفر کی فضیلت

باہمی الفت ومحبت، عزت واحترام کی بنا پر مسلمانوں کا ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا بھی ثواب سے خالی نہیں اور ملاقات کے لیے مستقل سفر کرنا یہ تو مزید باعثِ ثواب اور رحمتِ الٰہی کے حصول کا سبب ہے۔

چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی ملاقات کے لیے جائے تو جب تک وہ واپس نہیں

لوٹتا اس وقت تک رحمتِ الٰہی اس پر سایہ فگن رہتی ہے، اسی طرح جو شخص بغرضِ عیادت جاتا ہے وہ بھی فیضانِ الٰہی سے سرفراز ہوتا ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

من عاد مريضا أو زار أخاله فى الله ناداه مناد بأن طبت وطاب ممشاك وتبوأت من الجنة منزلا. (الترغيب: ٣/ ٣٦٤)

ترجمہ: جس نے کسی مریض کی عیادت کی یا اللہ تعالیٰ کے واسطے اپنے بھائی کی زیارت کی، تو اسے ایک فرشتہ ندا دیتا ہے کہ خوب کیا اور تیرا چلنا مبارک ہو اور جنت میں تم نے ایک درجہ حاصل کرلیا۔

سفرِ شرعی کی مقدار

سفرِ شرعی کی مقدار: ۷۷ر کلومیٹر، ۲۴۸ر میٹر، ۵۱ر سینٹی میٹر بعض نے سوا ستتر اور بعض نے کسر ختم کر کے ۷۸ر کلومیٹر لکھا ہے۔ (المسائل المہمہ: ۱۳۸، محمود الفتاوی)

مسافرین کا سفر اگر مسافتِ سفر پر یعنی ۷۸ر کلومیٹر سے آگے کا ہو اور اس جگہ ۱۵ر دن سے کم رہنے کی نیت ہو تو نماز میں قصر یعنی چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھیں گے اور اس کے لیے اپنے وطن کی حد سے آگے نکلتے ہی قصر شروع کر دیں اور جب تک وطن نہ لوٹے تب تک قصر کرتا رہے۔

اور اگر ۱۵ر دن سے زیادہ ایک ہی مقام پر رہنے کی نیت ہو تو اِتمام یعنی پوری چار رکعت پڑھیں گے۔

والله تعالىٰ أعلم وعلمه أتم

سفر کی کارگزاری

مصاحبینِ سفر کا تعارف

(۱) مشفقی، محسنی، استاذی اور میرے مرشدِ ثانی، حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ۔

(شیخ الحدیث وصدر مفتی: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، خلیفۂ ارشد: حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ، رکنِ شوریٰ: دارالعلوم دیوبند وندوۃ العلماء لکھنؤ)۔

نوٹ: اس پورے سفر نامے میں جہاں کہیں بھی ''حضرت دامت برکاتہم''، ''حضرت مفتی صاحب'' یا صرف ''حضرت'' کا لفظ آئے گا تو وہاں ''حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم'' ہی کی شخصیتِ بابرکت مراد ہے۔

(۲) حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب پانڈور افریقی دامت برکاتہم۔

(خلیفہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوّر اللہ مرقدہ اور جانشین فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ)۔

(۳) حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب میر قاسمی کشمیری زیدت معالیہم۔

(مہتمم: مدرسہ رحیمیہ بانڈی پورہ، مدیر ''النور'' ورکنِ شوری: دارالعلوم دیوبند)

(۴) مولانا محمود کھیرواں والے۔ (مہتمم: مدرسہ محمودیہ کھیرواں)۔

(۵) خود راقم الحروف: محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی بارڈولی۔

(مدرس: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)۔

(۶) محترم حاجی ساجد میمن صاحب دمن۔

SKY INTER NAT IONAL TOUR AND TRAVELS

DAMAN

(۷)محترم حاجی عابد ڈنگمار، مقیم لیسٹر برطانیہ۔

(۸)ازبکستان کی ٹور کمپنی جن کے ساتھ اس قافلے کا سفر ہوا۔

بعد میں شیخ الحدیث حضرت مولانا حنیف صاحب لوہاروی مدظلہ العالی کے قافلے نے بھی ان کے ساتھ سفر کیا، ان کا مکمل پتہ یہ ہے:

ABDURRAHMAN

REST AND TRAVEL TOUR COMPANY

TOURS & SIGHTSEEING

+998951445566

REST AND TRAVEL TOUR COMPANY

5/1 MIRABAD STREET 100031

TASHKENT UZBEKISTAN

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِأَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ،وَنَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ،وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَاِمَامَنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ،صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ، وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً....اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِھِمْ عِبْرَۃٌلِّاُولِی الْاَلْبَابِ.(یوسف:۱۱۱)

ترجمہ: پکی بات یہ ہے کہ ان نبیوں کے (اوراس سورت میں خاص کر حضرت یوسف علیہ السلام اوران کے بھائیوں کے اور پچھلی امتوں کے)واقعات میں عقل والوں کے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے۔

ہم اس وقت ایک کارگزاری کی مجلس میں جمع ہوئے ہیں۔

قرآنِ مجید کے بعد ہمارے مذہب میں جس کتاب کا درجہ ہے وہ امام بخاریؒ کی جمع کی ہوئی کتاب:

”الجامع الصحیح المختصر من أمور رسول للہ ﷺ وسننه وأیامه“

جس کو ہم سب ”بخاری شریف“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

جس سرزمین پر یہ کتاب لکھی گئی، ترتیب دی گئی، اسی طرح صحاحِ ستہ میں

سے ایک دوسری کتاب ''ترمذی شریف'' وہ جس علاقے میں، جس شہر میں لکھی گئی، ترتیب دی گئی، اس علاقے کے سفر کی یہ کارگزاری ہے۔

سفر کی تاریخ

اِس سال ۱۴۳۴ھ شوال کے مہینے میں دوسری تاریخ کو ۱۰/ اگست ۲۰۱۳ء کو یہ سفر شروع ہوا۔

بخارا، سمرقند، ترمذ یہ سب تاریخی علاقے اس وقت ''ازبکستان'' نامی ایک ملک کے احاطے میں آتے ہیں۔

ازبکستان کے سفر کے لیے ویزا کے مراحل

تقریباً شعبان کا مہینہ اور رمضان المبارک کے کچھ ایام اس ملک کی ویزا کے حصول کی تگ ودو میں خرچ ہوئے، بڑے مشکل مراحل سے گذرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ویزا حاصل ہوا۔

رفقائے سفر

رمضان سے قبل جو مشورہ ہوا تھا، اس میں اس سفر کے لیے درجِ ذیل احباب طے ہوئے تھے:

اوّلاً حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ اور بندۂ ناچیز اور ساتھ میں ہمارے تین ساتھی: ایک دمن سے حاجی ساجد میمن صاحب اور ایک ساتھی حاجی شوکت قریشی مرحوم جن کا پاسپورٹ (passport) ابھی ویزا میں گیا

ہوا تھا؛ لیکن تقدیر کی بات ۱۰/ رمضان کو ڈابھیل سے تراویح میں ختمِ قرآن کی مجلس کے بعد واپسی کے سفر میں کار کے حادثے میں عالی پور کے قریب ان کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی کروٹ کروٹ مغفرت فرمائیں۔

حق بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

ان کے علاوہ ہمارے ایک مخلص دوست حاجی عابد ڈنگمار صاحب دمنی (مقیم حال برطانیہ) یہ سب حضرات سفر کے لیے طے تھے۔

رمضان کے دوسرے عشرے میں ہمارے مخدوم اور ہمارے حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ کے جانشین: حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب بانڈی پورہ کشمیری اور حضرت مولانا محمود صاحب کھیروا، راجستھانی ان حضرات کی بھی سفر میں معیت کا شرف حاصل ہونے کی بات آئی۔ رمضان میں حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم کا قیام اس سال ''میل وشارم'' مدراس میں تھا، حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کا معمول ہے کہ ہر سال رمضان کے چند ایام حرمین میں اور چند ایام حضرت مولانا ابراہیم صاحب کے ساتھ گذارتے ہیں اور بقیہ زیادہ تر اوقات ڈابھیل میں تشریف رکھتے ہیں۔

خود حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کا ''میل وشارم'' سے فون آیا کہ ان حضرات کا بھی آنے کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا: حضرت! ڈیڑھ مہینے سے ہم ویزا کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، تب جا کر مشکل سے ویزا ملا ہے اور اب پندرہ

دن میں ان کا ویزا لگانا مشکل کام تو ہے؛ لیکن ناممکن نہیں ہے، آپ ان سے کہیے کہ: وہ اُدھر دعا کریں، ہم اِدھر کوشش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ خیر مقدر فرمائے۔

ویزا میں اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد

تاخیر سے سہی ہمارے بھائی ساجد نے ان بزرگوں کے ویزا کی کوشش شروع کردی؛ لیکن واقعی ایک کرامت کی بات بتلانا چاہتا ہوں کہ: جمعہ کے دن عید تھی، عید سے ایک دن پہلے یعنی جمعرات کی صبح ویزا ازبکستان سے لگ کر آ گیا اور عجیب بات یہ ہوئی کہ ازبکستان کا سفارت خانہ -جو دہلی میں ہے اس- میں دوپہر میں ایک بجے کے بعد ویزا کا کوئی کام نہیں کرتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ مقدر کی بات تھی کہ شام کو پانچ بجے ان تینوں بزرگوں کا ویزا لگا۔ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل وکرم کا معاملہ ہوا تھا۔

سب حضرات حیران تھے کہ سفارت خانہ کے اوقات کے بعد شام کو ۵ر بجے ویزا لگنا یہ عجیب بات تھی، پھر ویزا لگنے کے بعد ایک بڑا مرحلہ ٹکٹ کا تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان تینوں حضرات کے ٹکٹ بھی رات میں ہو گئے اور سنیچر کے دن یعنی ۲ر شوال کو یہ سفر بحمد للہ شروع ہوا۔

سورت سے دہلی

سورت ہوائی اڈے (Airport) سے ہم تین حضرات -حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، جناب حاجی ساجد میمن صاحب اور بندہ- دہلی گئے۔

دہلی میں ہمارے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے بڑی محبت رکھنے والے اور دہلی میں حضرتؒ کے میزبان محترم: حاجی عبداللہ صاحب کے یہاں رات کا کھانا کھایا اور وہی پر سارے اکابرین جمع ہو گئے، میرٹھ سے حضرت مفتی فاروق صاحب بھی تشریف لائے تھے۔

سفر کے لیے ناشتہ، کھانا

محترم حاجی منصور صاحب کے یہاں سے سفر کے لیے زادو توشہ کا وافر مقدار میں انتظام بھی کیا گیا تھا۔

اس طرح کے سفر میں اگر ساتھ میں کھانا لے لیا جائے تو بڑی سہولت ہوتی ہے۔

محترم حاجی منصور صاحب نے اتنی مقدار میں کھانا بنوایا تھا کہ پورے سفر میں کام آسکے اور اس کو محفوظ کرنے کے لیے بھی خاص ترکیب آزمائی، اس کے ساتھ روٹیوں کی بھی کثیر مقدار اور مختلف قسم کے سوکھے ناشتے بھی ساتھ لے لیے گئے۔

اس سے قبل اندلس کے سفر میں برطانیہ سے اس طرح کھانا ساتھ لے کر چلے تھے، جس کا ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ دورانِ سفر کھانا تلاش کرنے کی فکر نہیں رہتی اور خاص کر جن ملکوں میں حلال کھانا ملنا آسان نہیں ہوتا وہاں بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔

محترم حاجی منصور صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

ڈابھیل سے ہمارے حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کے خادمِ خاص عزیزِ محترم: قاری عبدالحنان صاحب سورتی سلمہ نے ان کو ٹیلی فون پر جو بات عرض کی تھی اس سے کئی گنا زیادہ اور کئی دنوں تک آسانی سے سلامت رہ سکے ایسا

کھانا انھوں نے تیار کروالیا۔

دہلی میں حاجی منصور صاحب اور حاجی عبداللہ صاحب

ایسے بھی میرے مرشدِ اول اور مشفق استاذ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی حیات میں جب رمضان اور عید الاضحیٰ وغیرہ مواقع پر حضرتؒ کی صحبت اور خانقاہ میں جانے کے لیے ملک اور بیرونِ ملک سے جو قافلے دیو بند جایا کرتے، وہ عامتاً دہلی ہی سے گذرتے اور دہلی میں گاڑی اور ہوائی جہاز کی تبدیلی کے دوران حاجی منصور صاحب کے یہاں قافلوں کا قیام ہوتا اور محترم حاجی صاحب اور ان کی مرحومہ بیوی اور ان کے گھر کے خدام بہت ہی خوشی سے مہمانوں کی بڑی خدمت کرتے، مہمانوں کے ٹکٹ بنوانے اور تبدیل کرنے کے سارے مراحل بھی یہ لوگ انجام دیتے، گویا ان کا مکان مستقل مہمان خانہ بن جاتا۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

پہلے حاجی منصور صاحب کا مکان ''بلی ماران، گلی قاسم جان'' کے قریب تھا، اب ماشاءاللہ ''سویل لائن'' پر بڑا وسیع کشادہ مکان ہوگیا ہے۔

ہفتہ میں صرف ایک بار دہلی سے تاشقند جانے والے ازبک ایئر لائن سے رات تین بجے سفر شروع ہوا۔

وسطِ ایشیا کا تعارف

اس ملک کے سفر کی کارگزاری سے پہلے میں آپ حضرات کو اس ملک کا

تعارف کراتا چلوں۔

مشہور محقق و عالمِ دین اور سیاحِ عالم حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کا یہ جامع اقتباس نقل کرنا کافی ہے:

وسطِ ایشیاء کی جو مسلم ریاستیں- جو ستر سال سے زائد سوویت یونین کی محکوم رہیں اور سوویت یونین کے تارتار ہونے کے بعد- آزاد ہوئیں، وہ ازبکستان، تاجکستان، کرغیزستان، قازقستان اور ترکمانستان کے ناموں سے اب الگ الگ ملکوں کی حیثیت کر گئی ہیں۔

یہ پورا علاقہ کسی زمانے میں ترکمانستان کہلاتا تھا اور علم وفضل کا بہت بڑا مرکز تھا، جہاں سے تاریخِ اسلام کی وہ جگمگاتی ہوئی شخصیات پیدا ہوئیں، جن کے علم سے آج پورا اسلام فیض یاب ہو رہا ہے۔

سوویت یونین کے عہدِ اقتدار میں ان ریاستوں کے علما وصلحا پر جو قیامت گذری ہے ان کے مفصل حالات شاید کبھی منظرِ عام پر نہ آسکیں، ستر سال تک ان ریاستوں کا رابطہ نہ صرف عالمِ اسلام؛ بلکہ ساری دنیا سے اس طرح کٹا رہا ہے کہ نہ باہر کا کوئی شخص وہاں آسانی سے پہنچ سکتا تھا اور نہ وہاں کے لوگ باہر آسکتے تھے؛ بلکہ خط وکتابت کے ذریعے بھی ان سے رابطہ نہیں ہوسکتا تھا، ان ریاستوں کی آزادی کے بعد اب راستے کھلے ہیں اور وہاں آمد ورفت ممکن ہوئی ہے۔

ان ریاستوں میں سے ازبکستان وہ ریاست ہے جہاں مسلمانوں کی علمی تاریخ کے سب سے بڑے مراکز ''بخارا، سمرقند، ترمذ، فرغانہ اور تاشقند'' واقع ہیں۔

(ماخوذ: از سفرنامہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ''سفر در سفر'')

شاید حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم خاص اس ملک یعنی ازبکستان کا سفر اب تک نہیں کر سکے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا ازبکستان کا کوئی سفرنامہ باوجود تلاش کے نہ مل سکا۔

البتہ! حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مدظلہ العالی نے اس ملک کا سفر ۱۹۹۲ء میں کیا ہے، جس کا تفصیلی تذکرہ ان کے سفرنامہ ''لاہور سے تا خاکِ بخارا وسمرقند'' میں درج ہے، جو نہایت دل چسپ بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔

ازبکستان کا تعارف

جب ازبکستان کا نام آہی گیا تو مولانا ذوالفقار صاحب کی کتاب سے اس کے بارے میں چند مفید باتیں عرض کر دیتا ہوں:

حضرت اقدس مولانا ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم نے اس علاقے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

فقیر کو مہمان حضرات کے ذریعے وسطِ ایشیا کے بارے میں درجِ ذیل معلومات حاصل ہوئیں:

وسطِ ایشیا کی سرحدیں شمال میں روسی سائبیریا کے یخ بستہ میدانوں کو چھوتی ہیں اور جنوب میں افغانستان وایران سے ملتی ہیں، یہ وسیع وعریض علاقہ ایک طرف چین کی سرحد سے ملتا ہے تو دوسری طرف کیسپئین کے ساحل تک جا پہنچتا ہے، افغانستان اور وسط ایشیا کے درمیان میں دریائے جَیۡحُون ملتا ہے، اس لیے ہندوپاک کے لوگ اس علاقے کو ''دریا پار'' یعنی عربی زبان میں ''ماوَرَاءُ النَّھر'' کا علاقہ کہتے ہیں۔

یہ علاقہ سیر، کارا، زرافشاں اور آمو دریاؤں کی سرسبز اور زرخیز زمین پر مشتمل ہے، جس کے بطن میں سونے، چاندی، یورینیم گیس اور تیل کے وافر ذخائر ہیں، اس کے میدانوں میں کپاس اگتی ہے اور سڑکوں کے دونوں جانب کے باغات پھلوں سے لدے رہتے ہیں، اس کے ایک طرف پامیر کے برف پوش پہاڑ ہیں تو دوسری طرف ترکمانستان کے وسیع وعریض ریگستان بھی ہیں۔

ماضی میں وسطِ ایشیا کی اس سرزمین میں چوں کہ شاہراہ ریشم گذرتی تھی، لہٰذا یہ علاقہ زبردست فوجی اور اقتصادی اہمیت کا حامل رہا ہے، اسی وجہ سے وقت کے طالع آزماؤں اور توسیع پسندوں کی یلغار کا مرکز بھی یہی جگہ رہی ہے۔

تین سو سال قبل مسیح میں یہ زمین سکندرِ اعظم کے تابع رہی ہے، پھر ساتویں اور آٹھویں صدی میں عربوں کے ذریعے یہاں اسلام کی بہار آئی، تیرھویں صدی میں منگولیا سے چنگیز خان کی سفّاکی کا طوفان اٹھا اور اس نے اس علاقہ کی زندگی وتہذیب پر گہرے نقوش چھوڑے، قضاوقدر کے فیصلے ہیں کہ انیسویں صدی کے شروع میں اس قدر دینی تہذیب وتمدن رکھنے والی جگہ ایک مرتبہ پھر زار روس کی جارحیت کے نتیجے میں کفر کے ہاتھوں میں چلی گئی، ستر سال تک یہاں کمیونسٹ کے سرخ انقلاب کا دور دورہ رہا، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۹۱ء کے اخیر میں ان لوگوں کو آزادی کی نعمت عطا کی اور کمیونزم کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

فقیر کے لیے یہ معلومات دل چسپ ہی نہیں؛ بلکہ عبرت کا باعث بھی تھیں، قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں بہرے کانوں اور بند آنکھوں کو کھولنے کے

لیے کبریتِ احمر کا درجہ رکھتی ہیں۔(لاہور سے تا خاکِ بخارا وسمرقند ص:۲۰)

ازبکستان کا ذکر

ازبکستان کو وسطِ ایشیا کی جمہوریاؤں میں مرکزی اہمیت حاصل ہے، اس کی آبادی دو کروڑ اور رقبہ ایک لاکھ ۵۸ ہزار مربع میل ہے، ازبک لوگوں کا سلسلہ منگولوں کے ان خانوں سے ملتا ہے، جنھوں نے اس وقت میں روس اور کیف تک بادشاہی کی، امیر تیمور نے اپنے دور میں تہذیب وثقافت کے وہ گہرے نقوش چھوڑے کہ جس کی جھلک سات سو سال کے بعد اب بھی سمرقند، بخارا اور خیوا کی حسین وجمیل مساجد اور عالی شان مدارس کی عمارتوں میں نمایاں ہے۔

ازبک لوگوں کو نہ صرف اس بات پر ناز ہے کہ یہ تیمور اور بابر کا وطن ہے؛ بلکہ اس بات پر بھی فخر ہے کہ یہ امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، امام منصور ماتریدیؒ جیسے علما اور شیخ بہاؤالدین نقشبندیؒ جیسے مشائخ اور علی شیر نوائی جیسے شاعر، ابن سینا جیسے سائنس داں اور البیرونی اور فارابی جیسے فلاسفروں کی سرزمین ہے۔(لاہور سے تا خاکِ بخارا وسمرقند:۳۲)

لیکن آج جب یہ بندہ اس ملک کا تذکرہ کر رہا ہے تو وہ حضرت مولانا ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم کے سفرنامہ میں کسی اضافہ کا باعث نہیں ہوگا، البتہ اہلِ فکر ونظر کو مضطرب کرنے والا ضرور ہوگا۔

یوں تو مشہور سیاح ابن بطوطہ نے بھی ان علاقوں کا سفر کیا ہے، اس وجہ سے یہ بہت پہلے سے تاریخ میں درج ہیں۔

پھر محدثین وفقہائے احناف رحمہم اللہ اس سرزمین پر پیدا ہوئے ہیں، لہذا

حدیث وفقہ کی کتابوں کے ضمن میں؛ بلکہ مقدمہ میں اس علاقے کے خوب تذکرے ہوتے ہیں۔

کمیونسٹ انقلاب کے بعد اس علاقے سے اسلام اوراس کے نشانات مٹانے کے جو پیہم، منظّم اور مسلسل اقدامات ہوئے ان کے نتیجے میں یہاں اب اسلام کا نام و نشان بھی نہیں ملنا چاہیئے تھا؛ لیکن اسلام کی حفاظت مالکِ کائنات کرتا ہے؛ لہذا اقبال مرحوم کا مشہور شعر:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن	پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کی عملی تفسیر دیکھنی ہو تو ان ریاستوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کے لیے باطل خصوصاً کمیونسٹوں اور یہودیوں نے کس طرح منظّم اور پیہم کوششیں کیں، جن کو سن کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔

کمیونسٹوں کے بارے میں

بخارا کے ہی ایک مفتی صاحب کی زبانی حالات درج کیے جاتے ہیں جو انھوں نے حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی دامت برکاتہم کی فرمائش پر بیان فرمائے تھے، وہ حالات انھیں کی کتاب سے درج کیے جارہے ہیں۔

کمیونسٹوں کے حالات اتنے طویل ہیں کہ وہاں کے مفتی صاحب نے یہ شعر پڑھ کر حالات سنانا شروع کیا:

کہاں سے ابتدا کیجیے بڑی مشکل ہے درویشو	کہانی عمر بھر اور جلسہ رات بھر کا ہے

حالات کی تبدیلی کا اول مرحلہ

مفتی صاحب نے بتایا کہ:

سمرقند، بخارا شروع ہی سے علمی مراکز رہے ہیں، یہاں پر ہر طرف دینی ماحول تھا، لوگ علما کی قدر کرتے تھے، روس کے یہودیوں نے چاہا کہ اسلام کے ان مراکز کو تباہ کیا جائے، تو اس کے لیے انھوں نے بڑی گہری سازش تیار کی، اپنے چند خاندانوں کو تجارت کے بہانے سے بخارا منتقل کیا، یہ لوگ محنت کر کے تجارت کو چمکانے میں خوب کامیاب ہوئے، انھوں نے اپنے بچوں کو بخارا کے بڑے بڑے مدارس میں داخل کروایا، بچے چوں کہ بہت ذہین تھے اور خاندان میں سے چن کر انھیں اس کام کے لیے مختص کیا گیا تھا، اس لیے وہ اپنی پڑھائی میں بہت تیز تھے، اپنے ہم جماعت لڑکوں کو پیچھے چھوڑنے والے تھے، اساتذہ بھی ان کی عقلمندی کے مداح تھے، لہذا وہ ہمیشہ امتحانات میں پہلی پوزیشن حاصل کرتے اور انھیں ہمیشہ دوسروں پر سبقت حاصل ہوتی۔

مدرسے میں یہ بچے دین کا علم حاصل کرتے اور جب گھر آتے تو ماں باپ ان کے ذہن سے ہر چیز صاف کر دیتے اور بتاتے کہ ہم تو یہودی ہیں؛ مگر تمھیں ایک خاص مقصد کے لیے دینِ اسلام کا علم سکھا رہے ہیں۔

یہ بچے دین کا علم حاصل کرتے رہے؛ مگر اس کے نور سے محروم رہے، چوں کہ ان کے دلوں میں شک بھر دیا گیا تھا، جب کئی سالوں کے بعد تعلیم مکمل ہوئی تو ان بچوں کی ذہانت کی وجہ سے انھیں مدرسے کا استاذ بنا دیا گیا، یہ طلبہ میں بہت مقبول

ہوئے اور اپنی عقلمندی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے، وقت کے ساتھ ساتھ یہ خاموش سازش پروان چڑھتی رہی، حتی کہ ایک وقت ایسا آیا کہ یہ یہودی علما بخارا کے مفتی بن گئے۔

یہاں پر مفتی کی بات پر سب لوگ عمل کرتے تھے، انھوں نے کچھ عرصے تو اتنا اچھا کام کیا کہ لوگ عقیدت مند بن گئے، اس کے بعد آہستہ آہستہ انھوں نے ایسے فتوے دینے شروع کر دیے جو آپس میں علمی اختلاف کا سبب بنے، شروع شروع میں تو علما نے چشم پوشی کی؛ لیکن جب دیکھا کہ پانی سر سے گزر رہا ہے، تو انھوں نے ان کے خلاف علمی جنگ شروع کر دی، علما کی جماعت جو سیکڑوں سال سے متحد تھی، اب اس میں دو دھڑے بن گئے، ہر وقت مناظرے اور بحث و مباحثے کی کیفیت رہتی، عوام الناس اس سے بڑے تنگ ہوتے، حتی کہ ان کے دلوں سے علما کا احترام جاتا رہا اور انھوں نے علما سے ہٹ کر اپنی زندگی گزارنی شروع کر دی، معاشرے میں اتحاد و یگانگت کی وجہ سے جو برکات تھیں، وہ ہٹ گئیں اور سازش کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا۔

آج کل امت میں نت نئی بدعات ایجاد ہو رہی ہیں اور اس کو خوب بڑھا چڑھا کر کے لوگوں میں عام کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، اسی طرح غیر ضروری نت نئے مسائل کھڑے کر کے جو فتنے کا ماحول بنایا جا رہا ہیں، جس سے اصل ضروری مسائل سے اہلِ علم کی توجہ کو ہٹانے کی ناپاک سازشوں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ مذکورہ بالا سازش کا ہمارے ملکوں میں بھی تجربہ ہو رہا ہے اور اس کے کچھ شواہد بھی سامنے

آئے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے فتنوں سے امت کی حفاظت فرمائے، آمین۔

حالات میں تبدیلی کا دوسرا مرحلہ

ایسے حالات میں زارِ روس نے مسلمان ممالک پر قبضہ جمانے کی پالیسی پر عمل درآمد شروع کیا، یہ سازش کا دوسرا مرحلہ تھا۔

اس کا طریقۂ کار یہ اپنایا گیا کہ تمام مسلمان ممالک سے دوستی کی گئی، چند سال بڑے اچھے تعلقات رکھنے کے بعد مسلم ممالک کو تجویز پیش کی گئی کہ ہم آپ کے ملک میں سائنسی ترقی لانا چاہتے ہیں، آپ کے ملک میں ریلوے لائنیں بچھائیں گے، صنعتیں لگائیں گے، مال و دولت کی فراوانی ہوگی، مسلم ممالک کے حکام کو یہ پیش کش بہت اچھی لگی، علمانے منع بھی کیا؛ مگر کسی نے ایک نہ سنی، علما کا احترام پہلے ہی سے دلوں سے نکل چکا تھا، نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے؟

جب زارِ روس نے دیکھا کہ تمام ممالک کے اندر کے حالات مجھے اچھی طرح معلوم ہوگئے ہیں تو انھوں نے ہر ہر ملک کو یہ کہنا شروع کیا کہ دیکھو! تمھارا ملک تو سونے کی چڑیا ہے، معدنیات ہیں، تیل ہے، سونا موجود ہے، اگر آپ دوسرے ممالک سے جدا ہوجائیں تو آپ کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوجائے گی، اگر اسی حالت میں وسائل ظاہر کردیے گئے تو دوسرے ممالک بھی آپ سے حصہ مانگیں گے۔

یہ سازش اتنی کامیاب ہوئی کہ مسلم ممالک خود ہی ایک دوسرے سے جدا ہونے لگے، جب اختلافات بڑھ گئے اور چند سال میں سب ممالک ایک دوسرے سے جدا ہوگئے تو زارِ روس نے ان میں سے سب سے کمزور کے ساتھ جان بوجھ کر ایک جھگڑا

کھڑا کرلیا۔ دوسرے ممالک کو یہ یقین دہانی کرائی کہ تمھارا اور ہمارا تعلق تو نہ ٹوٹنے والا ہے؛ مگر فلاں کو ہم مزہ چکھانا چاہتے ہیں، لہذا ایک ملک پر قبضہ کرلیا، دوسرے سے دوستی کی پینگیں بڑھتی رہیں، مسلم ممالک کے حکمران اس دھوکے کو سمجھ نہ سکے اور وقت کے ساتھ ساتھ ایک ایک ملک پر قبضہ کرتے کرتے وہ وقت بھی آیا جب انھوں نے تمام ممالک کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

علما پر سختیوں کی انتہا

مفتی صاحب نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ:

تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ انقلاب آنے کے بعد کمیونسٹوں نے سب سے پہلا نشانہ علما کو بنایا، ان کو چن چن کر قتل کردیا گیا، پھانسی پہ لٹکا دیا گیا، علما کا اتنا قتل ہوا کہ ان کی لاشوں کا انبار لگا کر کرینوں کے ذریعہ اس پر مٹی ڈال دی گئی، وہ اجتماعی قبریں آج بھی کئی جگہوں پر موجود ہیں۔

بعض علما کو جہاز میں لے جاکر سائبریا کے برفانی سمندروں میں چھوڑ دیا گیا، ان میں سے اکثر سردی کی وجہ سے ٹھٹھر کر مر گئے، چند ایک جو بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے، انھوں نے بتایا کہ وہ سردی سے بچنے کے لیے ہر وقت حرکت کرتے رہتے، جب بھوک ستاتی تو برف توڑ کر نیچے پانی میں ہاتھ ڈال کر مچھلی پکڑتے اور زندہ مچھلی کو کھا لیتے، دن رات کسی بھی وقت وہ سو نہیں سکتے تھے، ذرا نیند غالب آتی اور بدن پرسکون ہونے لگتا تو اعضا سردی کی وجہ سے شل ہونے لگتے، چاروناچار پھر اپنے بدن کو حرکت دیتے رہتے، جدھر اندازہ ہوتا کہ ادھر جانا چاہیے اس طرف کو چلتے

رہتے، یوں دن رات گزرتے رہتے، اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ سائبیریا کے برف سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

بعض اوقات علما کو اکٹھا کر کے دو ٹرینوں میں بٹھایا اور دونوں کو مختلف اسٹیشنوں سے چلایا اور پھر ویرانے میں تیز رفتار ٹرینوں کو ٹکرا دیا، اکثر مر جاتے اور کچھ لوگ معذور ہو جاتے، پھر بہتان بھی علما پر لگایا جاتا کہ انھوں نے تخریب کاری کی ہے، ان پر سختی اور زیادتی کی جاتی، غرض کمیونسٹوں نے علما کا نام ونشان مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

سمرقند کے نزدیک ایک عالم ابھی زندہ ہیں، جو روسیوں کے مظالم کی داستانیں سناتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، انھوں نے بتایا کہ:

ایک برتن میں ان کا ہاتھ منہ دُھلایا جاتا، پھر ان کے سامنے پانی پھینک دیا جاتا اور اسی برتن میں کھانا ڈال کر کھانے کے لیے دیا جاتا؛ تا کہ ان کی طبیعت میں کراہت ہو اور کھانا بھی نہ کھائیں۔

رہنے کے لیے چھوٹی سی جگہ دی جاتی؛ تا کہ نہ بیٹھ سکیں، نہ لیٹ سکیں، نہ پاؤں پھیلا سکیں۔

سخت سردی کے موسم میں ٹھنڈا پانی ان کے جسم پر ڈالا جاتا، کبھی ساری ساری رات ٹھنڈے پانی میں بٹھا دیا جاتا؛ تا کہ سو نہ سکیں۔

ظالموں نے اس قدر ظلم کیے کہ علما نے ان سے درخواست کی کہ ہمیں پھانسی دے دو، یہ بات سن کر ظالم مسکرائے اور ماسکو والوں کو خوش خبری سنائی کہ ہم نے ان

علما کو اتنا تنگ کیا کہ موت انھیں اچھی لگنے لگی ہے، آفریں ہے ان علمائے کرام پر جنھوں نے یہ ساری سختیاں برداشت کیں؛ مگر کفر کو قبول نہ کیا۔

چند عجیب باتیں بھی سنیں کہ سمر قند کے قریب ایک غار ملا ہے جس میں ایک نیک آدمی اس حالت میں شہید پایا گیا کہ وہ التحیات پڑھ رہا تھا، گولی اس کے سینے میں لگی اور پشت سے نکل گئی، اسی حالت میں جان نکل گئی، اس کے ریش کے بال گر گئے؛ مگر بقیہ جسم سو سال کے بعد بھی سلامت ملا۔

ایک پہاڑ پر ایک غار میں کچھ پاک دامن و پاک باز عورتوں کی لاشیں ملیں، دروازے کے قریب ایک صاحب پہرہ دینے کی حالت میں قتل کر دیے گئے تھے، آج بھی کوئی آدمی اس غار میں جانے کے لیے اوپر چڑھے تو اسے چھوٹے چھوٹے پتھر اس طرح سے آ لگتے ہیں جیسے کسی نے نشانہ مارا ہو، جتنا اوپر چڑھتے جائیں پتھروں کی بارش تیز ہو جاتی ہے، اسی لیے اب کوئی آدمی اس پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔

سرخ انقلاب میں ہزاروں علما کو صرف اس لیے شہید کیا گیا کہ یہ خدا کے ماننے والے ہیں:

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن	خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ترجمہ: خاک وخون میں تڑپنے کی کیسی اچھی رسم کی بنیاد ڈالی، ان عاشقانِ پاک فطرت پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں۔

تیسرا مرحلہ: دین مٹاؤ تحریک

علما کے وجود کو اپنے زعم میں ختم کرنے کے بعد تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ اسلام کو

لوگوں کی زندگیوں سے ختم کر دیا جائے، اس کے لیے انھوں نے نہ صرف قرآنِ کریم اور اس کی تعلیم پر پابندی لگائی؛ بلکہ قانون بنایا کہ عربی اور اردو رسم الخط میں لکھی ہوئی کوئی عبارت یا کتاب کا صفحہ کسی گھر سے نکل آیا تو اس کے گھر کے سب لوگوں کو پھانسی کی سزا دے دی جائے گی، لوگ اپنی جان کے خوف سے دینی تعلیم سے بالکل محروم ہو گئے، ازبک اور تاجک زبان کے حروف ابجد عربی سے ملتے تھے، انھوں نے اس کو بھی بدل ڈالا اور روسی زبان کو مسلط کر دیا؛ تاکہ ان کی آنے والی نسلیں دینی علم سے محروم ہو جائے۔

عورتوں کو سر پر کپڑا لینے سے روکا جاتا، اسکول و کالج جانے والی بچیاں اگر سر پر کوئی کپڑا لیتیں تو پولیس والے ان کو بازار میں کھڑا کرتے اور سر سے کپڑا اتار لیتے، پھر اگر ان کے بال لمبے دیکھتے تو قینچی سے بال کاٹ دیتے۔

لوگوں کو یہ تعلیم دی جاتی کہ مذہب افیون کے نشے کے مانند ہے، خدا نے انسان کو پیدا نہیں کیا؛ بلکہ انسان نے خدا کے تصور کو پیدا کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی تعلیم دیتے کہ انسان کی کچھ ضروریات ہیں جن کو پورا کرنے میں اسے شرم محسوس نہیں کرنا چاہیے، مثلاً:

جہاں بھوک لگے، وہاں کھانے میں کیا شرم؟

جہاں پیاس لگے، وہاں پینے میں کیا شرم؟

جہاں نیند آئے، وہاں سونے میں کیا شرم؟

جہاں شہوت محسوس ہو، وہاں کسی قریبی لڑکی سے جماع کرنے میں کیا شرم؟

موسیقی کواس طرح عام کیا گیا کہ ہر گھر کے اندر ریڈیو کا ایک رسیور لگوانا اور اسے ہر وقت چالو رکھنا ضروری تھا،حتی کہ چند ایک مساجد میں جو دکھانے کے لیے باقی رکھی گئی تھیں،ان کے محراب میں بھی یہ اسپیکر لگوایا گیا،اس اسپیکر میں ہر وقت دہریت کی تعلیم دی جاتی یا پھر موسیقی سنائی جاتی، ہر مرد وعورت کو نہ چاہتے ہوئے بھی موسیقی سننا پڑتی،لہذا ان میں عیاشی کا رجحان بڑھتا رہا۔

شراب کو اتنا عام کیا گیا کہ ''سیون اپ'' کی بوتل چار روبل کی اور شراب کی بوتل دو روبل کی ملتی، عام لوگ مجبوری کی وجہ سے سیون اپ کے بجائے شراب پیتے، شراب اس لیے عام کی گئی تاکہ شرم وحیا معاشرے سے ختم ہو جائے،لوگوں کے ذہن سے دین کا نام ونشان ختم ہو جائے۔

''روبل'' روسی کرنسی کا نام ہے،آج کل ازبکستان میں ''سومؔ'' کرنسی ہے۔

سوّر کے گوشت کو عام کر دیا گیا؛ تاکہ حرام گوشت کھانے سے بے حیائی پیدا ہو، چنانچہ بھُنا ہوا گوشت اتنا سستا کہ لوگ کباب (شش لک) کھانے کے عادی بن گئے، عام آدمی جو پکا ہوا سالن نہیں خرید سکتا تھا، وہ سیخ کباب وغیرہ لے کر روٹی سے کھا لیتا اور یوں اس کے جسم میں حرام سرایت کر جاتا۔

نام ونشان نہ رہے، ایک زبردست گندی سازش

جب کمیونسٹوں نے لوگوں کی زندگیوں سے دین کو مٹا دیا، تو انھیں خطرہ ہوا کہ کچھ لوگ چوری چھپے دین پر عمل نہ کرتے ہوں، اس کے لیے انھوں نے انقلاب کے تین سال بعد ایک مرتبہ اعلان کیا کہ: ہم عبادت کرنے والوں پر نرمی کرتے ہیں،

ہر بندہ اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرے، مسلمان اس اعلان پر بہت خوش ہوئے، آہستہ آہستہ لوگوں نے گھروں میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔

خفیہ ایجنسیاں ان کی رپورٹ بناتی رہیں، تین سال تک فہرستیں بنتی رہیں، پھر اچانک ایک دن ان تمام لوگوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا جو دین کا نام لیتے تھے، اس آپریشن کے بعد کمیونسٹ لوگ بہت خوش ہوئے کہ اب ہم نے دین کا نام و نشان مٹا دیا۔

نوٹ: موجودہ پرتگال کا ایک علاقہ سابقہ خلافتِ اسلامیہ اندلس کا ایک حصہ تھا، سقوطِ اندلس کے موقع پر عیسائیوں نے اس علاقے میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی شناخت کے لیے اسی طرح کی ایک بھیانک سازش کی تھی، جس کو انشاء اللہ پرتگال کے سفرنامے میں ذکر کروں گا۔ (محمود)

دنیا کے دوسرے لوگوں سے رابطہ ہی کاٹ دیا

کمیونسٹ حکمرانوں نے اپنے نظام کو ٹھونسنے کے لیے عوام الناس کا بیرونی دنیا سے بالکل رابطہ کاٹ دیا، اول تو باہر کا سفر کرنے کے لیے پاسپورٹ ہی نہیں ملتا تھا، اگر کوئی لے لیتا تو اس کے پیچھے خفیہ ایجنسیاں لگ جاتیں، ہر آدمی پر خوف مسلط رہتا، میاں بیوی ایک دوسرے کی مخبری کرتے، حتیٰ کہ سگے بھائی بہنوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ رہا، یوں ایک گھر میں رہنے والوں کا بھی ایک دوسرے سے پتہ کاٹ دیا گیا۔

ان تمام اذیت ناک باتوں کو سننے کے بعد فقیر (مولانا ذوالفقار صاحب نقشبندی) نے مفتی صاحب سے سوال کیا کہ:

آپ یہ بتائیں کہ پھر ستر سال کے بعد بھی دین کے آثار کیسے بچے؟
مفتی صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر بتایا:

دیوانوں کی روئیداد، اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت فرمائی

کمیونسٹ لوگوں کی حکومت عوام کے جسموں پر تھی، عوام کے دلوں پر نہیں تھی، جو لوگ دل میں ایمان کا نور رکھتے تھے، انھوں نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا اور ''قلبہ مطمئن بالایمان'' (ان کا دل ایمان پر مطمئن رہا) والا درجہ پایا گیا، روسیوں نے ان کا سراغ لگانے کی ہر ممکن کوشش کی، بعض پکڑے گئے اور بعض تک ان کی رسائی نہ ہوسکی۔ مثلاً: میرے والد صاحب بہت بڑے عالم تھے، انقلاب آتے ہی انھوں نے اپنی وضع قطع ایسی بنالی جیسے انھیں ''الف، ب'' بھی نہیں آتی، وہ سارا دن ٹریکٹر پر سوار ہوکر سرکاری زمین میں ہل چلاتے رہتے، سولہ سے اٹھارہ گھنٹے تک کام کرتے، حتیٰ کہ سب لوگ ان کو ٹریکٹر کا عاشق سمجھتے؛ مگر ان کا حال یہ تھا کہ رات بارہ بجے جب کھیت سے فارغ ہوکر گھر آتے تو مجھے اس وقت بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

میں چھوٹا بچہ تھا، اس وقت میرے والد صاحب گھر میں میری والدہ سے فرماتے کہ: چائے بناؤ، پھر مجھے دستر خوان پر بٹھاتے اور اتنی دیر کمرے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتے۔

کبھی کبھی باہر پولیس والے آتے اور مجھے مٹھائی دیتے اور پوچھتے کہ: تیرا باپ گھر میں نماز پڑھتا ہے؟

میں کہتا کہ: نہیں؛ اس لیے کہ میں تو چائے کے دستر خوان سے اٹھ کر جاتا تھا،

بعض بچوں سے پولیس والے پوچھتے کہ: بتاؤ! تمھارے والدین نے تمھیں عربی کا کوئی فقرہ یاد کروایا ہے یا نہیں؟

اگر وہ ہاں کر دیتا تو اس کے باپ کو پھانسی دے دیتے، اگر کسی بچے کو بسم اللہ کا لفظ یاد ہوتو اس کے والد کو جیل میں بھیج دیا جاتا، جو بچے اسکول جاتے ان کے استاذوں کی ذمے داری ہوتی کہ اگر کسی بچہ کو عربی الفاظ آتے ہوں تو KGB جاسوس ایجنسی کو رپورٹ کریں۔

علما اس قدر زیر زمین رہ کر کام کرتے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو سکے، مختلف مکانات میں اور حجروں میں خفیہ تعلیم دینے کا سلسلہ چلتا رہتا۔

ہم بعض اوقات ایک بڑا ہال بناتے اور اس میں ضروریات کی ہر چیز مہیا کرتے، پھر اس کے گرد دوسرے کمرے بناتے اور اس ہال کمرے کو اتنا ساؤنڈ پروف بناتے کہ آواز باہر نہ جاسکے، ایک کمرے سے اس ہال کمرے کا دروازہ ہوتا تو اس کے دروازے کو لکڑی اور کیلوں کے ذریعہ مضبوط بند کر دیتے، آگے الماریاں رکھ دیتے، پھر اس کمرے میں شراب کی بوتلیں اور چند ننگی تصویریں رکھ دیتے، پولیس والے جب گھر کی تلاشی لیتے تو شراب والے کمرے کو دیکھ کر سمجھتے کہ یہ کمیونسٹ لوگ ہیں، ان کا دین سے کیا واسطہ؟ وہ خوش ہو کر چلے جاتے، انھیں کیا پتہ کہ جہاں وہ کھڑے ہوتے تھے، وہاں سے چند میٹر پر بچے اپنی معصوم زبانوں سے اللہ تعالیٰ کا قرآن پڑھ رہے ہوتے تھے، ہم استاذ اور بچوں کو بعض اوقات چھ مہینوں کے بعد باہر نکالتے، بعض بچے اندر جاتے وقت قرآن کا لفظ نہیں جانتے تھے؛ لیکن جب باہر نکلتے تو پورا قرآن پڑھنا

سیکھ چکے ہوتے تھے، مسلمان عورتوں کی بڑی قربانی ہوتی کہ وہ اپنے بیٹے کو جب ہال میں بھیج دیتیں تو خود گھر کے صحن میں ہوتی، مگر چھ مہینے تک اپنے بچے کی شکل نہیں دیکھ سکتی تھیں، ہمارے لوگ فرزانے ہوتے تو دین سے خالی ہوجاتے؛ مگر یہ لوگ تو دیوانے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کا دین سلامت رکھا:

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے	تابہ منزل صرف دیوانے گئے

(لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند: ۸۰)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مولانا ذوالفقار صاحب کا سفر ۱۹۹۲ء میں ہوا تھا اور جب ہم اس ملک کا سفر کر رہے ہیں یہ ۲۰۱۳ء ہے، گویا درمیان میں تقریباً بائیس سال کا وقفہ ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ روسیوں کے تسلط سے یہ ملک دیگر وسطِ ایشیائی ریاستوں کی طرح ۱۹۹۱ء میں اس حال میں آزاد ہوا کہ آزادی کے لیے نہ ہی کوئی تحریک چلی اور نہ ہی جلسے جلوس ہوئے، نہ کوئی خون خرابا اور قتل وقتال یا ہنگامہ آرائی؛ بلکہ یہ ریاستیں اس وقت کی مضبوط اور خطرناک سپر پاور طاقت ''سوویت یونین'' روس کے ٹوٹ کر بکھر جانے کے نتیجے میں وجود میں آئی۔

آزادی: اللہ تعالیٰ کا فضل

ہمارے سفر کے ازبک ناظم بھائی عبد الرحمٰن نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ایک عجیب بات بتلائی کہ: الحمد للہ! ہمارے ان ملکوں کو جو آزادی نصیب ہوئی، وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوئی ہے، آزادی کے لیے نہ ہمیں جلوس (ریلیاں)

نکالنی پڑیں، نہ کوئی مسلح جدوجہد کرنی پڑی، ۱۹۹۱ء میں ہمارا ملک اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آزاد ہوا۔

اس بات کو انتہائی درد کے ساتھ بیان کیے بغیر رہا نہیں جاسکتا کہ ۱۹۹۱ء میں روسی تسلط سے آزاد ہونے کے بعد سے لے کر اب تک بائیس سال کے عرصے میں سخت پابندیوں کی وجہ سے یہاں پر کوئی قابلِ ذکر علانیہ اسلام کے اثر ونفوذ اور اشاعت وحفاظتِ دین کا کام نظروں میں نہیں آتا، جو کچھ ہے وہ اسلام کے عاشقوں اور دینِ متین کی محبت میں سرشار قلوب کی اسلام سے وابستگی ہے۔

صدیوں سے اہلِ ایمان کے دلوں میں اسلام کی جو محبت رچی بسی اور رگوں میں پیوست ہے اس نے یہاں پر اسلام اور ایمان سے محبت اور تعلق کو باقی رکھا ہوا ہے اور اس کا اظہار ان لوگوں کے یہاں موجود ''رحمت'' و ''سلامت'' کے محبت بھرے الفاظ سے ہوتا ہے، ورنہ اعمالِ اسلام، شعارِ اسلام، تعلیماتِ اسلامیہ، علومِ دینیہ، اسلامی تہذیب وتمدن حتی کہ کلمۂ اسلام؛ بلکہ قرآنِ پاک اور سید المرسلین ﷺ کے اسمِ مبارک سے بھی یہ حضرات واقف نہیں ہیں؛ چوں کہ اس کی تعلیم وتربیت کا ان کے یہاں کوئی نظام بھی موجود نہیں، نہ ہی اس کے قائم کرنے کی اجازت۔

رحمت اور سلامت کا مطلب

یہ دونوں الفاظ اس ملک میں بڑے، چھوٹے، مرد، عورت سب کی زبان پر ہوتے ہیں، گویا ایسا محسوس ہوا کہ یہ دونوں لفظ وہاں ایک مؤمن کے ایمانی تعارف کا شعار بنے ہوئے ہیں اور ایسا بھی اندازہ ہوا کہ کسی کو مبارک بادی دینے کے لیے، اسی

طرح کسی کا استقبال کرنے کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور جب وہاں کے لوگ اس طرح کے الفاظ بولتے ہیں تو بہت پیارا لگتا ہے کہ ایک دوسرے کو رحمت اور سلامتی کی دعائیں دے رہے ہیں۔

روانگی سے قبل ممکنہ خطرات سے آگاہی

ازبکستان میں ہمارے سفر کے ناظم بھائی عبدالرحمٰن تھے، جو نسلاً ازبکی ہے، ہمارے بھائی ساجد دمن والے کا انٹرنیٹ کے ذریعہ ان سے رابطہ ہوا تھا، انھوں نے ہمیں بتلایا تھا کہ آپ سب حضرات اپنے ساتھ کوئی مذہبی کتاب نہ لائیں، یہاں بہت سختی ہوتی ہے، کتابوں کو کوڑے دان میں ڈال دیتے ہیں اور آپ حضرات تبلیغی جماعت میں آئے ہوئے ہو یا دینی سلسلے میں آئے ہوئے ہو، ایسی کوئی بات بھی ایئرپورٹ پر نہ کریں، ورنہ آپ لوگوں کی تفتیش اور جانچ پڑتال بہت زیادہ ہو جائے گی، اس تاکید کی وجہ سے ہمارے ذہن پر ایک قسم کے خوف اور ڈر کی کیفیت تھی کہ پتہ نہیں کہ کیسا ماحول ہوگا؟

حالاں کہ ہم سن رہے تھے کہ ننانوے فی صد مسلم آبادی والا ملک ہے، آگے برطانیہ کا دینی سفر بھی تھا اور وہاں کے حضرات کے لیے دینی کتابوں کے سیٹ لے جانے تھے، وہ بھی ساتھ نہ لے سکے اور اس کو ہندوستان ہی سے دوسروں کے ذریعہ سیدھا برطانیہ بھیج دینا پڑا، ویسے ائیرپورٹ پر جب سوال وجواب ہوئے اور ان کو بتایا گیا کہ ہمارے سفر کا ایک مقصد زیارت بھی ہے تو اس سے اعلی افسران خوش ہوئے اور ہوائی اڈے کی کارروائی میں قدرے سہولت ہوئی۔

عبرت انگیز واقعہ

جب ہم دہلی ایئرپورٹ سے ہوائی جہاز میں بیٹھے اور Run Way پر ہوائی جہاز پہنچا تو ازبکستان کے دو مسلمان بھائی - جو اس ہوائی جہاز میں ہمارے ساتھ سفر کررہے تھے - میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جہاز کے روانہ ہوتے ہی دونوں نے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگنا شروع کردیں، چند لمحے دعا مانگنے کے بعد دعا کے اختتام پر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا، جس سے اندازہ ہوا کہ سالہا سال تک کمیونسٹوں کے اسلام کو مٹانے کی کوششوں کے باوجود اس دینِ حق کی چنگاری مسلمانوں کے قلوب میں روشن ہے، گویا اقبال مرحوم کا مصرع حقیقتِ واقعہ بن کے سامنے آیا تھا:

آساں نہیں مٹانا نام ونشان ہمارا

ظاہری وضع قطع سے اسلامی شناخت تو دشوار تھی؛ لیکن دعا کا اہتمام بتلا رہا تھا کہ ماشاءاللہ دینی فضا قائم ہے۔

ایک بوڑھی عورت کا جہاز میں نماز پڑھنا

فجر کا وقت قریب تھا، ایک بوڑھی ازبک عورت نے جہاز میں بیٹھے بیٹھے سامنے کی سیٹ پر تیمّم کیا اور اسی حال میں اشارے سے نماز ادا کی۔ **سبحان اللہ!** یہ اسلام ہی کی قوت اور طاقت ہے کہ تقریباً پون صدی تک دشمنانِ اسلام کی مسلسل بے پناہ کوششوں کے باوجود وہ اس عظیم مذہب کو مٹانے میں ناکام رہے۔ کس قدر جانی، مالی، عسکری قوت ان دشمنانِ اسلام نے اس کو مٹانے کے لیے صرف کی، اس

کے باوجود وہ مسلمانوں کے قلوب سے جذبۂ ایمان جدا نہ کرسکے۔

جہاز میں نماز

ہم لوگوں کی کوشش جہاز میں بھی یہ رہتی ہے کہ نماز جماعت سے ادا ہوجائے اور کم ازکم قیام، قعود، رکوع اور سجدہ کی تکمیل کے ساتھ نماز ادا ہوجائے اور اکثر ممالک کے جہازوں میں اس کی اجازت مل جاتی ہے۔ فللہ الحمد!

یہاں بھی جہاز کے عملے سے درخواست کی گئی کہ "ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں، نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں"، انھوں نے قطعاً ممانعت کردی، جس کی وجہ سے پریشانی لاحق ہوگئی، ایک رفیقِ سفر نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو عملہ کا جواب تھا "جہاز کے کپتان کی طرف سے مکمل ممانعت ہے؛ اس لیے ہم اجازت دینے سے معذور ہیں"۔

الغرض! ہوائی جہاز دوملک پاکستان اور افغانستان پر سے گذرتے ہوئے ازبک کی سرحد میں داخل ہوا تو فجر کا وقت ختم ہونے کے قریب تھا۔

پھر ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور ہمت کرکے دوبارہ درخواست کی تو ہوائی جہاز کے اسٹاف نے خاموشی برتی، اس کو ہم نے اجازت پر محمول کرکے دو دو ساتھی کرکے نماز پڑھنا شروع کردی اور الحمدللہ! ہماری فجر کی نماز ادا ہوگئی۔

سفر میں نماز کے برکات

ایسے بھی عام طور پر یہ دیکھا گیا کہ جب بھی سفر کے دوران نماز کا وقت ہو

اور ہم نماز پڑھ لیتے ہیں تو نماز کی برکت سے سفر میں شامل دوسرے مسافر حضرات اور ساتھ بیٹھنے والے اکرام کرنے لگ جاتے ہیں، اکثر یہ بات تجربے میں آئی کہ نماز پڑھنے سے قبل جس نظر سے لوگ ہم کو دیکھتے ہیں، نماز کے بعد لوگوں کی محبت اور اکرام میں اضافہ ہی ہو جاتا ہے اور لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ مذہب پر عمل کرنے والے حضرات ہیں۔

ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کے لیے آپ وہاں کے خدام کو ادب اور نرمی سے درخواست کیجیے اور آپ ان کو بتلا دیجیے کہ ہماری نماز پڑھنے میں ہم کو تین چار منٹ سے زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہے، بہت ہی مختصر وقت میں ہم نماز سے فارغ ہو جائیں گے تو ان شاء اللہ وہ خوشی خوشی اجازت دے دیں گے اور ہم بھی اجازت طلب کرنے سے پہلے ہر طرح تیار ہو جائیں اور کم سے کم وقت میں نماز سے فارغ ہونے کی فکر کریں، خاص کر جب مسافر حضرات کی خدمت کا وقت ہوتا ہے، مثلاً کھانا یا مشروبات پیش کر رہے ہوں، ایسے وقت میں اجازت لینے میں احتیاط سے کام لیں، چوں کہ اس وقت اجازت طلب کرنے میں وہ اپنی مفوضہ خدمات میں رکاوٹ سمجھتے ہیں، جو منع کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

نیز جب ہوائی جہاز اترنے والا ہو یا فضا میں ابھی اس کی پرواز شروع ہی ہوئی ہو یا موسم کی خرابی کی وجہ سے پٹہ باندھے رکھنے کے نشانات جاری ہوں ایسے وقت بھی اجازت طلب کرنے سے احتیاط کرنا چاہیے۔

باقی کئی مرتبہ دیکھنے کو ملا کہ نماز کے لیے جب اجازت مانگی گئی تو وہ باقاعدہ

دھلی ہوئی، صاف ستھری چادر بھی دیتے ہیں اور فرسٹ کلاس کی سیٹیں جہاں ہوتی ہیں، وہاں لے جاکر نماز کی جگہ فراہم کرتے ہیں۔

بعض مرتبہ ہوائی جہاز میں جو عملہ ہوتا ہے وہ کسی وجہ سے منع کرتا ہے، تو آپ اس کے منیجر سے پورے اطمینان کے ساتھ بات کیجیے تو وہ خود بھی آپ کی مدد کریں گے۔

ایک مرتبہ عملے کی ایک خادمہ نے نماز کے لیے جگہ دینے سے انکار کر دیا، کچھ وقت گذر جانے کے بعد ان کے رئیس سے بات چیت کی تو انھوں نے اپنے ماتحتوں کی طرف سے جو منع کیا گیا تھا اس پر معذرت پیش کی اور پھر اس خاص خادمہ کو بلا کر اس کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی معذرت پیش کریں۔

ہوائی اڈے پر نماز کی جگہ

اب تو ماشاء اللہ بہت سارے ہوائی اڈوں پر نماز کی جگہیں بنی ہوئی ہیں، اس پر Prayer room لکھا ہوا ہوتا ہے، اس میں ہر مذہب کے لوگوں کو عبادت کی اجازت ہوتی ہے، مسلمانوں کے لیے بھی نماز کی گنجائش ہوتی ہے، وہاں جا کر کے نماز ادا کر سکتے ہیں۔

سفر میں دینی وضع قطع

اسی طرح سفر میں دینی وضع قطع، لباس کا بھی اہتمام کیجیے، ہماری عزت دین میں ہے، ہماری اسلامی پہچان اور دین داری سفر وحضر سب جگہ ہونی چاہیے، بعض لوگ سفر میں لباس تبدیل کر دیتے ہیں، گویا اسلامی لباس میں سفر کرنے میں عار، شرم

محسوس کرتے ہیں کہ لوگ کیا بات کریں گے، کیا سوچیں گے؟

باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ. (الاحزاب:۳۷)

ترجمہ: اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ تم اس سے ڈرو۔

ہوائی اڈے پر کارروائی

جب ہمارا جہاز تاشقند ہوائی اڈے پر پہنچا تو وہاں کارروائی بھی عجیب وغریب ہورہی تھی، کئی کئی فارم پُر کروائے جارہے تھے اور یہ بھی ایک عجیب بات دیکھی کہ جو ممالک بڑے سمجھے جاتے ہیں اور طاقت میں مضبوط سمجھے جاتے ہیں، وہاں ہوائی اڈے پر کارروائیوں کے کاغذات کم سے کم ہوتے ہیں اور چھوٹے اور کمزور سمجھے جانے والے ممالک میں ہوائی اڈوں پر کاغذاتی کارروائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

پھر سامان لاد کر باہر لے جانے کے لیے ہوائی اڈے پر جو ٹرولی ہوتی ہے، بعض ممالک میں مفت ہوتی ہے اور بعض ممالک میں اس کے لیے بھی پیسے چکانے ہوتے ہیں، یہاں پر بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ سامان کی ایک ٹرولی لینے کے لیے مقامی ۳/ہزار سومو (کرنسی) دینے پڑتے تھے، اتنی مقدار پڑھ کر ہم دنگ رہ گئے اور ٹرولی کے بجائے ہاتھ سے سامان منتقل کرنے کا ارادہ کرلیا، اگرچہ بعد میں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات سامنے آئی کہ ایک امریکی ڈالر کے مقابلے میں وہاں مقامی تقریباً ۲۴۰۰/سوموآتے ہیں، اس سے یہ بھی سیکھنے کو ملا کہ جس ملک میں جائیے، وہاں کی کچھ

کرنسی بھی اپنے ساتھ رکھ لینی چاہیے اور ہمارے ہندوستان کے ایک روپئے کے مقابلے میں وہاں کے ۳۹ رکرنسی مل رہی تھی، یہ بات جب سنی تو اس سے ایک خوشی یہ ہوئی کہ چلیے ! ہمارا ہندوستانی روپیہ بھی کچھ وزن رکھتا ہے۔

پھر ہم وہاں سے باہر نکلے تو مقامی سفر کے لیے جس کمپنی سے ہمارا معاملہ ہوا تھا ان کا ایک نمائندہ ہم کو لینے کے لیے ایئر پورٹ پر آچکا تھا، ہم سب لوگ گاڑی میں سوار ہوئے اور ایک ہوٹل پر پہنچے، وہاں جا کر ناشتہ کیا، ناشتہ کرنے کے بعد کچھ دیر آرام کیا اور آرام کے بعد یہ مشورہ ہوا کہ آج کن کن جگہوں کی زیارت کے لیے جانا ہے؟

یہ پہلا دن ہے، اتوار: ۳۰ رشوال، مطابق: ۱۱ راگست۔

قارئین حضرات پانچ دنوں کی ترتیب سے سمجھتے جائیں تو سمجھنا آسان ہوگا؛ کیوں کہ سنیچر کی شام کو ہماری یہاں سے روانگی ہوئی تھی اور اتوار: ۱۱ راگست کو علی الصبح ہم تاشقند پہنچے۔

شاش (تاشقند)

وہاں ایک بات سن کر ہم کو حیرانی بھی ہوئی اور ایک نئی بات ہمارے علم میں آئی کہ ہم جو آج تک اپنی کتابوں میں سنتے رہتے ہیں ''شاش'' صاحبِ اصول الشاشی جو شاش کے رہنے والے تھے، یہ شاش تاشقند ہی کا پرانا نام ہے، قدیم زمانے میں اس کو شاش کہتے تھے، جہاز میں ایک رسالہ تھا، جس میں ازبکستان کے شہروں کا تعارف تھا، اس میں یہ بات پڑھنے میں آئی تھی اور آج اس کو تاشقند کہا جاتا ہے، یہ ازبکستان کی راجدھانی ہے، ہم وہاں پہنچے۔

حضرت امام

ہمارے سفر کا نظام جس کمپنی کے ذریعہ طے ہوا تھا اس کے ناظم بھائی عبد الرحمٰن ہے، جو وہاں کے بڑے مال دار بھی ہے اور خاصی سیاسی دسترس بھی ان کو حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل اور ان کے توسط سے ہمارے بہت سارے کام آسان ہوگئے، انھوں نے کہا کہ: آج کی زیارت کے لیے ہم کو سب سے پہلے ''حضرت امام'' جانا ہے۔

سفر میں جانے سے پہلے حضرت مولانا ذوالفقار صاحب کی کتاب ''لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند'' پڑھی ہوئی تھی اور Google کے ذریعہ بھی ان تمام جگہوں کی معلومات ہم پہلے ہی حاصل کر چکے تھے؛ اس لیے کچھ کچھ معلومات اجمالی طور پر ہمارے ذہن میں موجود تھیں۔

یہاں ایک بنیادی بات پھر میں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ ازبکستان ان پندرہ ملکوں میں سے ایک ملک ہے جن کو روس نے ظالمانہ اور جابرانہ طور پر قبضے میں لے لیا تھا اور کمیونسٹوں کی حکومت وہاں سالہا سال تک رہی، تقریباً ۳۲ ؍سال تک کمیونسٹوں نے ان ملکوں کو غلام بنائے رکھا۔

مساجد و مدارس کی بے حرمتی

جب ان ملکوں میں کمیونزم آیا تو اس نے سب سے پہلے اسلام کو مٹانے کی زبردست محنت کی، اسی محنت کا ایک حصہ یہ تھا کہ انھوں نے ان پندرہ ملکوں میں جن

میں ازبکستان بھی آتا ہے، تاجکستان بھی آتا ہے، وہاں کی مسجدوں کے ساتھ بہت بے حرمتی کا برتاؤ کیا۔

وہاں جاکر ہم لوگوں نے سنا کہ یہاں کی مساجد میں روسیوں نے گھوڑے اور گدھے باندھنا شروع کر دیے تھے، مساجد کو اصطبل بنا دیا، بہت سی مسجدوں کو انھوں نے ویئر ہاؤس (گودام) بنا دیا، بہت سی مسجدوں پر باقاعدہ منزلیں چڑھادی گئیں، دوسرا فلور، تیسرا فلور بنا دیا؛ تا کہ مسجد کی شناخت و پہنچان ہی باقی نہ رہے اور بہت سی مساجد کو رہائش گاہوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

مدرسے سب کے سب بند کر دیے گئے، کچھ مدارس اسکولوں میں تبدیل کر دیے گئے، قرآنِ مجید کی تعلیم پر پابندی لگا دی گئی، غرض کہ جتنی اسلامی چیزیں ہوسکتی ہیں کمیونسٹوں نے ان پر سختی کے ساتھ پابندی لگا دی تھی۔

احاطۂ حضرت امام

ہم نے پوچھا کہ: ہم جو یہ حضرت امام جا رہے ہیں، اس کے متعلق کچھ مختصر بات ہمارے سامنے آجائے۔

انھوں نے کہا: حضرت امام کو Al Imam Complex بھی کہا جاتا ہے۔

جب ہم وہاں پہنچے تو ہم کو بتلایا گیا کہ اس ملک میں دستور یہ ہے کہ جہاں مسجد ہو اور ساتھ میں کسی بڑے بزرگ کی قبر بھی ہو تو اس کو لوگ ''حضرت امام'' کہتے ہیں اور انگریزی میں ''Al Imam Complex'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا احاطہ ہے، تقریباً ہمارے جامعہ

ڈابھیل کے احاطہ سے دو تین گنا بڑا وہ احاطہ تھا اور اس احاطے میں چار الگ الگ عمارتیں تھیں:

ایک عمارت تھی جس میں ''حضرت قفال شاشیؒ'' کا مزار تھا۔

دوسری عمارت میں ''بیوی خانم'' کی مسجد ہے۔

تیسری عمارت میں ''مدرسہ بارہ خان'' ہے۔

چوتھی عمارت میں ''مصحفِ عثمانی'' رکھا ہوا ہے۔

اب ان چاروں عمارتوں کی قدرے تفصیل آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

حضرت قفال شاشیؒ

ہم سب سے پہلے حضرت قفال شاشیؒ کے مزار والی عمارت کے احاطے میں داخل ہوئے، حضرت قفال شاشیؒ کے متعلق مشہور ہے کہ ملک ازبکستان میں مذہبِ اسلام ان کی محنتوں سے عام ہوا ہے، ویسے تو پہلی صدی ہجری میں ہی اسلام اس ملک میں پہنچ چکا تھا، آگے جب حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آئے گا تو میں وہاں بتلاؤں گا کہ حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ یہ دو بزرگ ہیں، جن کی برکت سے پہلی صدی ہجری میں اسلام اس سرزمین میں پہنچا، بعد میں حضرت قفال شاشیؒ کی محنت سے اسلام وسیع پیمانے پر پھیلا۔

کہتے ہیں کہ: ان کو اللہ تعالیٰ نے افہام وتفہیم کا بڑا اعلیٰ ملکہ عطا فرمایا تھا، اس نعمت سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے لوگوں کو اسلام کے قریب لانے کا کارنامہ انجام دیا۔

حسنِ اخلاق کی وجہ سے ایک مجوسی کا قبولِ اسلام

قفال شاشیؒ کے متعلق وہاں ایک عجیب واقعہ سننے میں آیا کہ: جب وہ چودہ برس کے تھے تو اس وقت پورے ازبکستان میں مجوسی مذہب عام تھا، مجوسی مذہب کا بول بالا تھا، ان کا ایک پڑوسی بھی مجوسی تھا، اس کے باڑے میں انگور کی ایک بیل تھی، اس بیل کا کچھ حصہ حضرت قفال شاشیؒ کے باڑے میں بھی آتا تھا، اس بیل پر جو انگور لگے تھے، اس میں سے چند انگور انھوں نے توڑ کر کھالیے، بعد میں حضرتؒ کو یہ احساس ہوا کہ میں نے پڑوسی کی اجازت کے بغیر یہ انگور کھائے ہیں تو فوراً پڑوسی کے یہاں گئے اور ان سے معافی مانگی اور معذرت چاہی اور کہا کہ: جو قیمت طے کریں گے میں وہ قیمت آپ کو دینے کے لیے تیار ہوں، وہ پڑوسی مجوسی تھا، اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور عام قیمت سے کئی گنا زیادہ بڑی قیمت حضرتؒ سے مانگی، حضرتؒ نے انگور کھانے کی یہ مہنگی قیمت چودہ سال کی عمر میں خوشی خوشی چکادی۔

یہ دیکھ کر اس مجوسی کی بیوی کہنے لگی کہ: دیکھو! ایک مسلمان چودہ سال کا لڑکا ہے، اس کا مذہب اس کو کہتا ہے کہ پڑوسی کے انگور بغیر اجازت کے کھالیے تو اس کی قیمت ادا کرو اور تم نے اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر انگور کی اتنی بڑی قیمت اس سے وصول کی اور اس بچے نے خوشی خوشی انگور کی قیمت ادا کردی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ یقیناً اس بچے کا مذہب صحیح ہے۔

اس واقعے نے اس مجوسی کی بیوی کے دل پر بڑا گہرا اثر ڈالا اور وہ سب سے پہلے مسلمان ہوئی اور اس کے ساتھ اس کا شوہر بھی اسلام میں داخل ہوا، پھر بعد میں

حضرت قفال شاشیؒ کی برکت سے پورے ملک میں اسلام پھیلنا شروع ہوا۔

اس سے کتنا اچھا درس ہم کو ملتا ہے کہ دوسرے کی چیز بغیر اجازت استعمال نہ کریں۔ دیکھیے! ایک مسلمان کے اخلاق ہزاروں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بن گئے۔

ہم ان کے مزار پر حاضر ہوئے، ایصالِ ثواب ودعائے مغفرت کی اور بھی بہت سارے وہاں کے علما اور مفتیان کے مزارات اس احاطے میں موجود تھے، سبھی کے لیے ایصالِ ثواب کی سعادت حاصل ہوئی۔

طلبہ سے ملاقات

حضرت قفال شاشیؒ کے مزار کے باہر بہترین ہری ہری گھاس میں ہم ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دوازبک گورے چٹے نوجوان آ گئے، انھوں نے ہم کو بتلایا کہ: ہم یہاں کہ مدرسے کے طالبِ علم ہیں۔

گفتگو کے بعد پتہ چلا کہ وہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے واقف تھے، اس میں سے ایک نوجوان نے بتلایا کہ: میرے ابا نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی نسبت سے ہی میرا نام ولی اللہ رکھا ہے۔

بخاری شریف اور مسلم شریف کو دیکھنے کی تڑپ

ان دونوں میں سے ایک کو کچھ عربی آتی تھی، اس سے بات ہوئی، اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا:

شیخ! میں یہ چاہتا ہوں کہ میں صحاحِ ستہ: بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی

شریف وغیرہ خریدوں، آپ پتہ بتلائے کہ یہ کتابیں کہاں مل سکتی ہیں؟

میں نے پوچھا: بھائی! آپ کے ملک کے کتب خانوں میں یہ کتابیں نہیں ملتیں؟

اس نوجوان نے بہت افسوس کے ساتھ مجھ کو یہ بات بتلائی کہ: ہمارے ملک کے کتب خانوں میں ہمارے لیے صحاحِ ستہ خریدنے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

اس نے بتلایا کہ: یہاں ''مطبوعات'' کے نام سے آپ کو جا بجا دکانیں نظر آئے گی، یہ ہمارے یہاں کے کتب خانے ہیں؛ لیکن وہاں پر ایک بھی اسلامی کتاب آپ کو نظر نہیں آئے گی، صحاحِ ستہ خریدنے اور دیکھنے کے لیے ہم ترستے ہیں اور واقعۃً بعد میں ہم نے وہاں کے مختلف شہروں میں ''المطبوعات'' نامی بہت ساری دکانیں دیکھی، یہ سب بک اسٹال تھے؛ لیکن اس میں ایک بھی اسلامی کتاب فروخت نہیں ہوتی تھی۔

جب ان نوجوانوں نے یہ بات کہی تو سن کر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، رونا آ گیا، یا اللہ! جس سرزمین پر یہ اہم اہم کتابیں لکھی گئیں، جس سرزمین پر یہ کتابیں ترتیب دی گئیں، آج اس سرزمین کے باشندے ان کتابوں کو دیکھنے اور خریدنے کے لیے ترس رہے ہیں۔

یہ نوجوان طلبہ پورے قافلے کی اسلامی وضع قطع دیکھ کر بہت متأثر تھے اور خصوصاً حضرت دامت برکاتہم کا نورانی چہرہ دیکھ کر وہ لڑکے قریب آ کر بیٹھ گئے، علمی بات چیت کرنے لگے۔

اس میں سے ایک نوجوان نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے درخواست کی کہ: حضرت! میرے اور میرے ساتھی کے لیے علم وعمل کی دعا کر دیجیے۔

حضرت دامت برکاتہم نے اس درخت کے نیچے بیٹھے بیٹھے ان نوجوانوں کے لیے علم وعمل، صلاح وتقویٰ کی دعا کی۔ سب حضرات اس دعا میں شامل ہوئے۔

مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کامل یقین ہے کہ ان بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے ازبکستان میں ان نوجوانوں کے ذریعہ کبھی نہ کبھی دینی انقلاب آئے گا، انشاء اللہ۔

مدرسہ بارہ خان

پھر ہم دوسری عمارت کی طرف مدرسہ بارہ خان کو دیکھنے کے لیے بڑھے، یہ وہ مدرسہ ہے جو کسی زمانے میں ازبکستان کا معروف ومشہور مدرسہ رہا ہے؛ لیکن مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑ رہی ہے کہ آج وہ مدرسہ Shopping Mall میں تبدیل ہو چکا ہے، پورے مدرسے کو بازار میں تبدیل کر دیا گیا ہے، بہترین چھوٹے چھوٹے کمرے جو کسی وقت طلبہ کی رہائش کے لیے رہے ہوں گے، جس میں قدرتی روشنی کا بھی انتظام ہے؛ تاکہ طلبہ یکسوئی کے ساتھ حصولِ علم کر سکے؛ لیکن آج ان تمام کمروں میں ازبکستان کا جو مشہور ہینڈی کرافٹ (ہاتھ سے بننے والی چیزیں) ہیں اس کی دکانیں لگی ہوئی تھیں۔

اس میں سے ایک دکان میں ہم گئے تو انھوں نے ایک حیرت انگیز چیز ہم کو دکھائی کہ ایک چھوٹی سی لکڑی کی بنی ہوئی چیز ہے اور اس سے مختلف دس چیزیں بنتی ہیں، قرآنِ کریم کا رِحال بھی بن جاتا ہے اور کتاب رکھنے کا ظرف بھی بن جاتا ہے،

ایک ہی چیز کوالگ الگ طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے،اس کو موبائل کے اسٹینڈ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، ہم اس کو حیرت کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کشمیری زید لطفہ نے فرمایا: یہ ایسی ملٹی پل استعمال میں آنے والی چیز ہے کہ جس ذہنیت کا آدمی ہوگا ویسا اس کا استعمال ہوگا۔

مسجدِ بیوی خانم

ایک تیسری عمارت جو سامنے تھی، یہ ایک عالیشان مسجد ہے،اس کو ''مسجد بیوی خانم'' کہتے ہیں، تیمور لنگ کی ایک بیوی تھی،اس کے نام سے یہ مسجد بنی ہے اور ہمیں وہاں بتلایا گیا کہ اس مسجد کی تعمیر میں تیمور لنگ نے ہندوستان سے ننانوے ہاتھیوں کو بھیجا تھا اور ننانوے ہاتھیوں کی خدمت اس مسجد کی تعمیر میں لگی ہے، بڑی عالیشان، بڑی خوب صورت مسجد ہے،اس مسجد کے ایک ایک ستون کو دیکھا تو تقریباً ۶۰، ۷۰/فٹ اونچے؛ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ سب کے سب ستون ایک درخت کی ایک لکڑی سے بنے ہوئے تھے، درمیان میں کہیں کوئی جوڑ نہیں اور اس میں بہترین نقش ونگار سے ''اللہ، لا الہ الا اللہ'' وغیرہ کندہ کیا گیا تھا۔

مسجد کا دروازہ بھی بڑا عالیشان اور خوب صورت تھا، مسجد کے باہر دائیں بائیں آسمان کو چھونے والے اونچے خوب صورت مینارے ہیں، ہم دیکھ کر سوچ رہے تھے کہ اس دور میں آج کی طرح آلات نہیں تھے،اس دور میں اتنے اونچے مینارے انسان نے کیسے بنائے ہوں گے؟

ہم اس مسجد میں داخل ہوئے تو اس قدر عالیشان مسجد دیکھ کر حیران رہ گئے،

آپ اس کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ہمارے جامعہ ڈابھیل کی جو مسجد ہے، اس سے بڑی یا قریب اتنی ہی بڑی وہ مسجد تھی؛ لیکن بہت دکھ کی بات سننے کو ملی کہ اتنی عالیشان مسجد میں صرف جمعہ کے دن نماز ہوتی ہے، پورا ہفتہ اس مسجد میں کوئی نماز نہیں ہوتی۔

مصحفِ عثمانی

ایک اور عمارت سامنے تھی، اگرچہ وہ اتوار کا دن تھا اس لیے وہ عمارت بند تھی، اس عمارت میں ایک مصحف مبارک رکھا ہوا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب قرآنِ مجید کو جمع کیا گیا اور سات نسخے تیار کیے گئے تھے، اس میں سے ایک نسخہ جو بعد میں ماسکو کے میوزیم میں تھا وہ نسخہ اس عمارت میں رکھا ہوا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمعِ قرآن

قرآنِ مجید کو حضرات صحابہؓ کے مشورے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ یک جا جمع کر کے اس کے متعدد نسخے تیار کروانے کا اہم کارنامہ انجام دیا تھا۔

عام طور سے مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانچ مصحف تیار کروائے تھے؛ لیکن ابو حاتم سجستانیؒ کا ارشاد ہے کہ کل سات نسخے تیار کیے گئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا اور ایک مدینہ منورہ میں محفوظ رکھا گیا، اسی میں تلاوت کرتے ہوئے آپ شہید

ہوئے اور آیتِ کریمہ "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" پر پہنچ کر آپ کی شہادت ہوئی۔

اس نسخہ کو دیکھنے کی کارگزاری جمعرات کے دن کی کارگزاری میں ان شاء اللہ آرہی ہے۔

مصحفِ عثمانی تاشقند کس طرح آیا؟

مصحفِ عثمانی کا یہ نسخہ تاشقند کس طرح پہنچا؟ اس کی کارگزاری محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے سنیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے سے آج تک قرآنِ مجید کے جو نسخے ہمارے پاس نسلاً بعد نسل چلے آرہے ہیں وہ پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک وہی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو چار یا سات قلمی نسخے مختلف مقامات پر بھیجے، ان میں سے کچھ اب تک محفوظ سمجھے جاتے ہیں، ثبوت کوئی نہیں؛ لیکن یہ روایت ہے کہ یہ انھیں نسخوں میں سے ہے۔

ایک نسخہ آج کل روس کے شہر تاشقند میں ہے، وہاں کیسے پہنچا؟

اس کا قصہ یہ ہے کہ یہ نسخہ پہلے دمشق میں پایا جاتا تھا جو بنی امیہ کا صدر مقام تھا، جب دمشق کو تیمور لنگ نے فتح کیا تو وہاں کے مالِ غنیمت میں سب سے زیادہ قیمتی چیز کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قرآنِ مجید کا نسخہ پایا، اسے لیا اور اپنے ساتھ پایۂ تخت سمرقند لایا اور وہاں اسے محفوظ رکھا، یہ نسخہ سمرقند میں رہا، تا آں کہ گذشتہ صدی میں روسیوں نے سمرقند کو فتح کر لیا، فتح کرنے کے بعد اس نسخے کو- جس کی بڑی

شہرت تھی - روسی کمانڈر اِن چیف نے وہاں سے لے کر سینٹ پیٹرس برگ منتقل کر دیا جو آج کل لینن گراڈ کہلاتا ہے۔

روسی مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ: اس نسخے کو سمرقند کے حاکم نے روسی کمانڈر کے ہاتھ پچیس یا پچاس روپیے میں فروخت کر دیا تھا، ہم نے اسے چرایا نہیں؛ بلکہ خرید کر لائے ہیں۔

بہر حال! پہلی جنگِ عظیم کے اختتام تک وہ نسخہ لینن گراڈ میں رہا، اس کے بعد جیسا کہ آپ کو معلوم ہے زار کی حکومت ختم ہوگئی اور کمیونسٹوں نے حکومت پر قبضہ کر لیا، اس وقت بہت سے روسی باشندے - جو کمیونسٹ حکومت کے ماتحت رہنا نہیں چاہتے تھے - روس چھوڑ کر دنیا میں تتر بتر ہو گئے، ان میں سے ایک شخص پیرس بھی آئے جو جنرل علی اکبر توپچی کے نام سے مشہور تھے، میں خود ان سے مل چکا ہوں، انھوں نے اس کا قصہ مجھے سنایا۔

کہنے لگے کہ: جب زار کو قتل کیا گیا، اس وقت میں فوج میں ایک بڑے افسر کی حیثیت سے سینٹ پیٹرس برگ ہی میں موجود تھا، میں نے ایک کمانڈو (فوجی دستہ) بھیجا کہ جا کر شاہی محل پر قبضہ کرو اور شاہی کتب خانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جو قرآنِ مجید کا نسخہ ہے، تلاش کر کے اسے لے آؤ۔

کمانڈر گیا اور وہ قرآن مجید لے آیا، انھوں نے ایک فوجی کی حیثیت سے ریلوے اسٹیشن پر جا کر وہاں کے اسٹیشن ماسٹر سے کہا کہ: مجھے ریل کا ایک انجن درکار ہے، اس انجن میں اس قرآن کو رکھا اور اپنے آدمیوں کی نگرانی میں انجن ڈرائیور کو حکم

دیا کہ جس قدر تیزی سے جاسکتے ہو اس انجن کو ترکستان لے آؤ، چنانچہ قرآن مجید کا یہ نسخہ اس طرح ترکستان پہنچ گیا۔

اس کی اطلاع کمیونسٹ فوجی کمانڈروں کو چند گھنٹے بعد ملی، چنانچہ اس کے تعاقب میں دوسرا انجن اور کچھ افسر روانہ کیے گئے؛ لیکن وہ انجن ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور اس طرح یہ نسخہ تاشقند پہنچ گیا، جب کمیونسٹ دور میں تاشقند پر روسیوں نے دوبارہ قبضہ کرلیا تو اس نسخے کو وہاں سے لینن گراڈ منتقل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی، چنانچہ وہ نسخہ اب تک تاشقند میں محفوظ ہے۔

زار کے زمانے میں اس قرآنِ مجید کا فوٹو لے کر ایک گز لمبی تقطیع پر کل پچاس نسخے چھاپے گئے تھے، اس میں سے چند نسخے میرے علم میں ہیں اور دنیا میں محفوظ ہیں:

ایک امریکہ میں ہے۔

ایک انگلستان میں ہے۔

ایک نسخہ میں نے کابل میں دیکھا تھا۔

ایک مصر کے کتب خانے میں پایا جاتا ہے۔

میرے پاس اس کی مائیکروفلم بھی ہے، یہ ایک نسخہ ہے۔

دوسرا نسخہ استنبول میں توپ قاپی سرائے میوزیم میں موجود ہے، جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، میں نے خود دیکھا ہے کہ اس میں سورۂ بقرہ کی آیت "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ" پر سرخ دھبے پائے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون ہے؛ کیوں کہ وہ جس وقت تلاوت کر رہے تھے اس وقت

انھیں شہید کر دیا گیا تھا۔

نوٹ: استنبول کے توپ کاپی میں موجود اس نسخے کی زیارت کی سعادت الحمدللہ! راقم الحروف۔محمود غفرلہ۔کو بھی حاصل ہوئی ہے۔

جب حضرت دامت برکاتہم کے ساتھ ترکی کا پہلا سفر ہوا تھا تب اس کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی تھی، ترکی کے پہلے اور دوسرے سفر کی کارگزاری بھی ان شاء اللہ عنقریب منظرِ عام پر آئے گی، آج کل ترکی حکومت نے اس کا عکس لے کر اس کو ہو بہو شائع کیا ہے، ویسا مطبوعہ نسخہ ساؤتھ افریقہ میں ''میاس فارم'' میں دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ (نوٹ مکمل ہوئی)

تیسرا نسخہ انڈیا آفس لائبریری لنڈن میں ہے، اس کا فوٹو میرے پاس ہے، اس پر سرکاری مہریں ہیں اور لکھا ہے کہ: یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نسخۂ قرآن ہے۔

ان نسخوں کے خط اور تقطیع میں کوئی فرق نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخے ایک دوسرے کے ہم عصر ہیں، یہ نسخے جھلی پر لکھے گئے ہیں، کاغذ پر نہیں ہیں، ممکن ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نسخے ہوں یا اس زمانے میں یا اس کے کچھ ہی عرصے بعد کے لکھوائے ہوئے نسخے ہوں۔ بہر حال! یہ بات ہمارے لیے قابلِ فخر اور باعثِ اطمینان ہے کہ ان نسخوں میں اور موجودہ مستعملہ نسخوں میں، باہم کہیں بھی کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ (خطباتِ بھاولپور: ۴۰،۴۱)

نئی تعمیر شدہ مسجد میں نمازِ ظہر اور وہاں کی خصوصیات

اسی احاطے میں ایک طرف پر ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے، جس میں

روزانہ پانچوں نمازیں با جماعت ادا کی جاتی ہیں، ابھی چند سال پہلے بنی ہوئی ہے، ہم اس مسجد میں ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے گئے، میرا وضو نہیں تھا تو میں اور دوسرے ساتھی مسجد کے نچلے حصے میں وضو خانے میں گئے، وضو خانے سے آنے کے بعد حضرت دامت برکاتہم کو کارگزاری سنائی کہ حضرت! وضو خانہ بڑا عجیب ہے!

نیچے والا فرشی استنجا خانہ بھی ایک مستقل نعمت ہے

فرمایا: وضو خانے میں کیا بات دیکھی؟

میں نے کہا: وضو خانے میں پہلی بات تو یہ دیکھی کہ یہاں جتنے استنجا خانے بنے ہوئے ہیں وہ سب ہندوستانی انداز کے بنے ہوئے ہیں۔ بیرون ممالک میں یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہوا کرتی ہے، اس کو آپ لوگ ذہن میں رکھیے، بعض مرتبہ ہندوستانی طرز کا استنجا خانہ تلاش کرنے کے لیے بہت دور دور تک جانا پڑتا ہے۔

ہندوستانی انداز کے استنجا خانے جس میں اکڑو بیٹھ کر فراغت ہوتی ہے یہ بہت ہی عمدہ طریقہ ہے، اس میں نجاست پوری باہر آتی ہے، استنجا میں بیٹھنے کا جو مسنون طریقہ ہے اس کا بھی لحاظ ہوتا ہے اور استنجا بہت آسانی سے ہو جاتا ہے اور طہارت پوری طرح حاصل ہوتی ہے۔

میرے مخلص دوست حاجی اسماعیل صاحب – جو بین الاقوامی آرکیٹیکٹ ہے، دنیا کے کئی ممالک میں مساجد، مدارس اور دوسری عمارتوں کے نقشے انھوں نے بنائے ہیں، ملاوی میں مستقل مقیم ہیں، اصلاً گجرات ہی کے رہنے والے ہیں اور بڑی فنی مہارت کے مالک ہیں، انھوں – نے خود تعمیری فن کے ماہرین اور اطبا کی بات مجھے

بتلائی کہ اس طرح کے فرشی بیت الخلاء استعمال کرنے سے کئی امراض سے حفاظت ہوتی ہے اور اس میں صحت اور تندرستی بھی ہے۔

افسوس کہ! خود مسلمان اپنے گھروں میں اس کا اہتمام نہیں کرتے، معذوروں کے لیے ایک دو اونچے بیت الخلاء بنا لیے جائیں، باقی اس طرح فرشی بیت الخلاء کا نظم بھی ضرور ہونا چاہیے۔

علما توجہ دیں

افریقی ملکوں کے پہلے سفر میں ملاوی کے ایک شہر میں ایک بڑے عالم صاحب کے مدرسے میں پروگرام تھا، پروگرام اور عشا کی نماز سے فراغت کے بعد مدرسے سے کچھ فاصلے پر اس عالم صاحب کے مکان پر کھانے کے لیے جانا ہوا، حضرت مدظلہ کو استنجا کا تقاضا تھا، پتہ چلا کہ ان کے گھر میں ایک بھی فرشی بیت الخلا نہیں ہے، تو حضرت نے ناراضگی کے اظہار کے ساتھ فرمایا: علما بھی گھر میں فرشی بیت الخلاء نہیں بناتے، تاکید فرمائی کہ گھروں میں کم از کم ایک فرشی بیت الخلاء ضرور بنواؤ، پھر ان کے مکان سے دوبارہ مدرسہ تشریف لائے اور فرشی استنجا خانے میں فراغت کے بعد پھر گھر جا کر کھانا تناول فرمایا۔

مساجد کے طہارت خانے

الغرض! میں نے حضرت دامت برکاتہم سے عرض کیا کہ: حضرت دوسری بات یہ ہے کہ ہر بیت الخلا میں ایئر کنڈیشن بھی لگا ہوا ہے۔

وضو خانے میں ہر ہر نل پر گرم پانی کا بھی انتظام ہے اور ٹھنڈے پانی کا بھی اور وضو خانہ نہایت صاف ستھرا ہے، وضو خانے کے دروازے پر جہاں آپ داخل ہوں گے، وہاں پر ٹشو پیپر اور استنجے کا ایک خاص قسم کا کاغذ ہوتا ہے، دونوں میں سے جو چاہو ہر ایک کو دیا جاتا ہے؛ تاکہ آپ کامل طہارت حاصل کرسکیں، ساتھ ہی بیت الخلا میں پانی کا معقول انتظام ہے۔

ماشاء اللہ! عمدہ انتظام تھا، نہایت صاف شفاف بیت الخلا کی لمبی قطار بنی ہوئی ہیں، جب کہ وضو کرنے کے لیے نلوں کی الگ قطار، بیٹھنے کے لیے اونچی اونچی سیٹیں کہ آدمی آرام سے ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ سکے۔

ایک آدمی وہاں پر تولیہ اور ٹشو پیپر دینے کے لیے مقرر ہے، کوئی ان سے ہاتھ منہ پونچھنے کے لیے لیتا ہے، تو کوئی پیر کے لیے لیتا ہے، وہاں پر پیر کے لیے بھی الگ سے ایک تولیہ دیا جاتا ہے، پھر مستعمل تولیہ اس کو واپس دیتے ہیں تو وہ اس کو الگ ڈبے میں جمع کرلیتا ہے۔

نماز باجماعت کا خاص انداز

وضو سے فراغت کے بعد ہم جماعت خانے میں آئے، تھوڑی دیر میں مسجد شریف بھر گئی؛ لیکن نمازیوں کی اکثریت بوڑھوں کی تھی؛ بلکہ تمام ہی بوڑھے تھے، سنتیں پڑھ کر سب لوگ اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے رہے، نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے، ہمارے یہاں کی طرح بار بار گھڑی کو دیکھتے رہنا یا نماز سے پہلے امام صاحب کے انتظار میں راہ تکتے رہنے کی عادت نہیں ہے، امام

صاحب تشریف لائے، الماری کھولی، اس میں سے عمامہ نکال کر سر پر رکھا، ایک چوغہ نکال کر اپنے شرٹ پینٹ پر پہن لیا، داڑھی منڈی ہوئی، بالکل کلین شیو (Clean shave) مصلے پر تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔

نماز مکمل ہو جانے کے بعد امام صاحب نے بالجہر دعا کروائی، قرآنِ پاک میں وارد دعائیں پڑھیں، لوگوں نے سنتیں ادا کیں، امام صاحب نے آگے ہی سنتیں ادا کرنے کے بعد لوگوں کی طرف رخ کر کے ایک بار بلند آواز سے "سُبْحَانَ اللّٰه" کہا، سبھی لوگ آہستہ آواز سے ۳۳ر مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰه پڑھتے رہے، پھر امام صاحب نے بلند آواز سے "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہا، سب حضرات اپنی اپنی تسبیح ۳۳ر مرتبہ آہستہ آواز سے پڑھتے رہے، پھر امام صاحب نے ایک بار زور سے "اَللّٰهُ أَكْبَر" کہا تو سبھی یہی پڑھتے رہے، تینتیس مرتبہ اس کو پڑھنے کے بعد اخیر میں تسبیح کو مکمل کرتے ہوئے ایک بار "لَآ إِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" کہا، اس کے بعد درود شریف پڑھ کر امام صاحب نے دعا کی۔

نماز کے بعد پڑھنے کا ایک عمل، فُقَرا والی تسبیح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز کے بعد "۳۳ر مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰه، ۳۳ر مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰه، ۳۳ر مرتبہ اَللّٰهُ أَكْبَر" پڑھے، بس یہ کل ۹۹ مرتبہ ہوا اور سوویں مرتبہ میں "لَآ إِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ." پڑھے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، چاہے سمندر کی جھاگ

کے برابر ہوں۔ (مسلم شریف:۱/۲۱۹)

مساجد میں قرأت

پھر ایک اور چیز جو پورے ازبکستان میں دیکھی اور اس سے پہلے استنبول کے سفر میں بھی دیکھنے میں آئی تھی کہ نماز کے بعد مجمع بیٹھا رہتا ہے اور امام صاحب یا مؤذن صاحب قرآنِ مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، بہترین مصری انداز میں چند آیتیں پڑھی جاتی ہیں، پورا مجمع دھیان سے سنتا ہے، پانچ سے دس منٹ تک تلاوت سننے کے بعد مجمع باہر نکلنا شروع ہوا اور ہم لوگ بھی مسجد کے باہر نکل آئے، تو امام صاحب کی اور دوسرے لوگوں کی ملاقات ہوئی۔

نماز کے اوقات کا بورڈ

مسجد کے باہر ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر نمازوں کے اوقات لکھے ہوئے تھے، اوقات انگریزی ہندسوں میں ہی درج تھے؛ لیکن نمازوں کے نام کچھ اس انداز سے لکھے ہوئے تھے جو انگریزی کے حروف تو تھے؛ لیکن ملانے سے کوئی لفظ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

ایک صاحب سے معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ: یہ اس رسم الخط میں ازبک زبان میں نماز کے نام ہیں؛ لیکن اصل عربی اور فارسی کا رسم الخط جو اس زبان کا تھا اس کو ختم کر کے نیا رسم الخط انگریزی کا جاری کردیا گیا ہے، یہاں کی عام بات چیت مقامی زبان میں ہے، جیسے ان کی عادت پہلے تھی؛ لیکن لکھائی بدل دی گئی اور رسم الخط

بگاڑ دیا گیا ہے، روسیوں کے تسلط کے زمانے میں دوسرا ایک خط روسی جاری کیا گیا، جس سے اب یہ لوگ بہت نفرت کرتے ہیں؛ مگر ساٹھ ستر سال تک چلائے گئے اور رواج دیے گئے اس نظام کو یکسر یہ لوگ بدل نہیں سکتے ہیں۔

زبان کا اثر تہذیب پر

زبان کا بڑا اثر تہذیب پر پڑتا ہے؛ اس لیے جو قوم اپنی مذہبی، علاقائی، آبائی زبان کو باقی رکھتی ہے تو اس قوم کا تعلق اپنی تہذیب سے باقی رہتا ہے؛ لیکن جب زبان بدلنے لگتی ہے تو تہذیب بھی بدلنے لگتی ہے۔

مختلف ممالک کے اسفار میں یہ بات خاص طور سے محسوس کی کہ جس قوم نے اپنی اصلی زبان باقی رکھی، وہ اپنی اصلی تہذیب پر باقی ہے اور جن کی زبانیں بدل گئیں، تو ان کو دیکھ کر اندازہ لگانا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کا اصل تعلق کہاں سے ہے؟ مختلف ممالک میں ہمارے عربی بولنے والے بھائیوں سے ملاقات ہوتی ہے وہ اپنی عربی زبان بولتے ہیں تو ان میں عربوں جیسی زندگی اور اسلامی اثرات نمایاں نظر آئے۔ اگرچہ ضرورت کے پیشِ نظر جہاں جا کر بس گئے وہاں کی زبان بھی سیکھنا ہے؛ لیکن گھروں میں اور آپس میں تو اپنی اصلی زبان کو باقی رکھنا چاہیے۔

ہمارے ہندوستان سے اور خاص کر گجرات سے جانے والے ہمارے دینی بھائیوں کے گھروں میں گجراتی زبان یا اردو زبان بولی جاتی ہے تو ان کا وطن سے رشتہ باقی رہتا ہے، رشتے داروں سے بھی وہ جڑے رہتے ہیں اور اصلی تہذیب بھی باقی رہتی ہے، جس کی وجہ سے بہت ساری خرابیوں سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ کا ملفوظ

ہمارے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ کا ملفوظ نقل فرمایا کرتے ہیں کہ: ساؤتھ افریقہ میں ایک سفر کے موقع پر حضرت قاری صاحبؒ خوب تاکید سے فرماتے تھے کہ گھروں میں گجراتی زبان باقی رکھو، اس کی برکت سے اپنی اصلی تہذیب باقی رہے گی۔

اپنی اصلی زبان کو باقی رکھنے کا فائدہ

اس اردو، گجراتی کو باقی رکھنے کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہندو پاک سے جانے والے اکابر علما سے استفادہ بھی آسان رہتا ہے اوران کی صحبت کی برکت سے فتنوں سے بڑی حفاظت ہوتی ہے۔

اور منفی پہلو بھی دیکھنے میں آیا کہ جنھوں نے اپنی اصلی گجراتی یا اردو زبان گھروں میں باقی نہ رکھی، ان کے گھروں میں کھانے، پینے، رہن سہن، لباس وغیرہ کا انداز بھی انھیں جیسا ہوگیا ہے، جہاں جا کر وہ بس گئے ہیں اور وطن، رشتے داروں، خاندان اوراکابر سے بھی بے تعلقی ہوگئی۔

مدرسہ گوگل داس

آگے ہم تاشقند ہی میں ایک دوسری جگہ پر پہنچے، جس کا نام ”مدرسہ گوگل داس“ تھا، ہم سب کو یہ نام ہندوستانی انداز کا معلوم ہوا، بتایا گیا کہ پورے ملک میں صرف دو مدرسے ایسے ہیں جن میں اس وقت اسلامیات کی تعلیم ہوتی ہے، اس میں

سے ایک مدرسہ ہے ’’مدرسہ گوگل داس‘‘اور دوسرا مدرسہ ’’مدرسہ میر عرب‘‘جس کا تذکرہ آگے بخارا کے ذیل میں ان شاء اللہ آئے گا۔

چوں کہ شوال المکرّم کا مہینہ چل رہا تھا؛اس لیے مدرسہ بند تھا؛لیکن مدرسے کے نائب مدیر سے ہماری ملاقات ہوئی،انھوں نے بتلایا کہ:ماشاءاللہ ہمارے یہاں ’’ہدایہ‘‘ بھی پڑھائی جاتی ہے اور’’بخاری شریف‘‘ بھی پڑھائی جاتی ہے۔

نصاب معلوم کرنے پر اندازہ ہوا کہ ۳۵ ؍فیصد یہاں اسلامیات کی تعلیم ہوتی ہے،باقی اکثر عصری تعلیم ہوتی ہے،پھر بھی بڑی غنیمت ہے کہ نام رکھا گیا ہے کہ یہ دینی مدرسہ ہے اور ہدایہ و بخاری شریف کے نام سننے کو مل جاتے ہیں،ہم اس مدرسے کو دیکھنے کے بعد باہر نکلے۔

ہندوستانی مطعم

کافی دیر ہوگئی تھی اور ناشتہ کیے کافی وقت ہو گیا تھا،تقریباً شام کے ۴؍ بج رہے تھے،ہم لوگ کھانا کھانے کے لیے ہوٹل پہنچے،اس ہوٹل کا نام’’مہاراجہ ہوٹل‘‘ تھا، ہوٹل کا یہ نام سن کر ہمارے دل میں خوشی ہوئی کہ یہ تو ہمارا ہندوستانی نام ہے،ہمارے سفر کے مقامی ناظم بھائی عبدالرحمٰن صاحب نے ہمارا دوپہر کا کھانا اسی ہوٹل میں طے کیا تھا۔

عجیب بات بتلاؤں!اس ہوٹل میں ہماری دعوت بھائی عبدالرحمٰن صاحب کی طرف سے تھی،ہم نے ان سے بہت اصرار کیا کہ ہم دہلی سے بہت سارا کھانا اپنے ساتھ لے کر چلے ہیں،ہم ہوٹل میں کھانا نہیں چاہتے؛لیکن انھوں نے بہت

اصرار کیا کہ آج آپ کو ہماری دعوت کھانی ہی کھانی ہے۔

اصرار کی وجہ یہ تھی کہ کچھ تکلیف وافسوس کی باتیں ہیں جو زبان پر لانے سے بھی شرم محسوس کرتا ہوں کہ سفر سے پہلے ٹیلی فون پر ان سے بھائی ساجد کے جو مسلسل روابط ہورہے تھے، تو انھوں نے ہمارے ساتھ کچھ ایسے انداز سے گفتگو کی کہ ہم لوگ حیران رہ گئے، ان ممالک میں سیاحت کی نیت سے جانے والوں کے جو غیر شرعی مطالبات ہوتے ہیں انھوں نے دوسروں پر قیاس کرکے ہمیں بھی ان مطالبات میں شامل کرلیا تھا، پھر جب ان کو بتلایا کہ یہ آنے والا قافلہ ہندوستانی علما اور مشائخین کا قافلہ ہے، پھر تو وہ بہت ہی ادب واکرام کے انداز میں بات چیت کرنے لگے اور گفتگو کا انداز ہی بدل گیا۔

تاشقند میں پہلی دعوت

وہ بتارہے تھے کہ: میں نے سوچ لیا تھا کہ جس دن آپ لوگ یہاں پہنچیں گے سب سے پہلے میں آپ لوگوں کی دعوت کروں گا اور انھوں نے دورانِ سفر بار بار اس کا تذکرہ کیا کہ میں علما، مشائخین کی میزبانی کررہا ہوں یہ میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہے اور آپ سے پہلے بہت سارے تفریحی گروپ آتے رہتے ہیں؛ لیکن میں نے کبھی کسی کی کھانے کی دعوت نہیں کی، سب سے اول آپ کی جماعت ہے کہ میں کھانے کی دعوت کررہا ہوں؛ اس لیے ضرور قبول فرمالیں۔

حج وعمرہ کا احترام

ہم نے بہت کہا کہ: ہمارے ساتھ بہت سارا کھانا ہے، آپ بھی ہمارے

ساتھ کھالیں تو ان کو یہ محسوس ہوا کہ شاید ہم کو ان کے کھانے کے بارے میں شک ہوگا، تو بھائی عبد الرحمٰن نے اخیر میں ہم سے کہا کہ: میرے کھانے کے متعلق کوئی شک نہ کرو، میں الحمد للہ! عمرہ کر چکا ہوں۔

انھوں نے بتلایا کہ: ویسے تو ہمارے یہاں نوجوانوں کو حج وعمرہ کا ویزا نہیں ملتا، پورے ملک میں مشکل سے پانچ ہزار حاجیوں کا ویزا آتا ہے اور وہ بھی صرف بوڑھے لوگ ہی حج میں جا سکتے ہیں؛ لیکن چوں کہ میری حکومت میں بہت پہچان ہے اس لیے میں عمرہ کر چکا ہوں اور ہمارے یہاں جو حج اور عمرہ کر لے وہ آدمی بہت ہی باعزت، باکرامت سمجھا جاتا ہے؛ اس لیے میں آپ کو میرے عمرے کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ میری دعوت قبول کرنے سے انکار مت کرو، قبول کرلو، جب انھوں نے بہت اصرار کیا تو ہم ان کی دعوت پر ”مہاراجہ ہوٹل“ پر پہنچے۔

جس دن ہم دہلی سے چلے تھے اس دن ازبکستان Air Line میں اٹھائیس آدمیوں کا ایک قافلہ ہمارے ساتھ تھا، وہ سب ہندوستان کی ایک مشہور ٹریکٹر کمپنی کے Dealer لوگ تھے اور کمپنی نے اپنے مصارف پر ان کو وہ Tour کروائی تھی، اس میں ایک مسلمان بھی تھے، ہوائی جہاز میں ان سے کچھ گفت وشنید ہوتی رہتی تھی، جب ہم دوپہر کا کھانا کھانے ”ہوٹل مہاراجہ“ پہنچے تو وہ اٹھائیس آدمی بھی اس وقت اس ہوٹل میں کھانا کھانے آئے ہوئے تھے۔

وہاں ہمیں ہندوستانی انداز کا کھانا مل گیا، اس ہوٹل کے مالک ایک ازبک نوجوان تھے، انھوں نے اچھی عصری تعلیم حاصل کر رکھی تھی اور اس ہوٹل میں پکانے

والے صدر باورچی (Cheif Cook) ایک ہندوستانی پنجابی تھے، کھانے سے فارغ ہوئے اور چائے کہ محفل چل رہی تھی۔

امام ترمذیؒ اپنے وطن میں اجنبی

میں نے ہوٹل کے مالک اور صدر باورچی کے ساتھ کچھ بات چیت شروع کی، وہ مجھ سے پوچھنے لگے: آپ کہاں سے آئے؟

میں نے تفصیلات بتلائی۔

پھر مجھ سے پوچھنے لگے کہ: آگے آپ کا کیا پروگرام ہے؟

بڑی عجیب درد کی بات میں آپ کو بتلانے جارہا ہوں! میں نے ان سے کہا: آج اتوار کی شام کے جہاز سے ہم ترمذ جائیں گے۔

(اس لیے کہ ترمذ وہاں سے کافی دور ہے، تاشقند سے ہوائی جہاز میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگتا ہے)

یہ سن کر وہ ہوٹل کا مالک اور صدر باورچی بہت تعجب سے پوچھنے لگے: آپ ترمذ کیوں جارہے ہیں؟

جب یہ سوال اس نوجوان نے کیا تو میرے دل کو اس کے اس سوال نے ہلا دیا کہ آپ ترمذ کیوں جارہے ہیں؟

میں نے دل میں کہا: اے اللہ! جس سرزمین میں امام ترمذیؒ جیسے عالم باکمال انسان پیدا ہوئے اور جن کا علمی احسان پوری دنیا پر ہے، ہمارے ملک کے بہت سارے بچے امام ترمذیؒ سے واقف ہیں، آج ترمذ شہر جس ملک میں واقع ہے، اس

ملک کے ایک نوجوان کو معلوم نہیں کہ ترمذ شہر کیا ہے؟ اور یہ لوگ کیوں وہاں جانا چاہتے ہیں؟

واقعہ یہ ہے کہ آج کل ازبکستان کو تفریح گاہ بنا دیا گیا ہے، لوگ تفریح اور عیاشی کی نیت سے وہاں آتے ہیں، تو ان کی تفریح گاہ کی جو فہرست (List) ہے، اس میں کہیں ترمذ نہیں آتا؛ اس لیے ہمارے ہندوستان سے روانہ ہونے سے پہلے فون سے ازبکستان کے جن جن شہروں میں ہم جانا چاہتے تھے، ان شہروں کی تعیین میں بھی ہماری بھائی عبدالرحمٰن سے بہت بحث ہوئی کہ ''ہم لوگ یہاں نہیں جائیں گے، یہاں جائیں گے'' چوں کہ وہ تفریحی اعتبار سے پورا پروگرام بناتے ہیں اور ہم تاریخی مقامات اور اکابرین کی یادگاریں زیادہ سے زیادہ دیکھنے کے لیے جانا چاہتے تھے؛ اس لیے ہم نے سفر میں زائد اخراجات طے کر کے ترمذ شامل کیا تھا۔

تو اس نے پوچھا: آپ ترمذ کیوں جانا چاہتے ہیں؟

میں نے بیٹھ کر اس کے سامنے امامِ عالی مقام امام ترمذیؒ کا اور آپ کی کتاب کا تعارف کروایا، وہ بہت حیرت سے میری بات سن رہے تھے، انھوں نے بہت غور سے میری بات سنی اور اخیر میں اس نوجوان نے میرا شکریہ ادا کیا۔

میں نے کہا: اے اللہ! یہ ہمارے مسلمان نوجوان ہیں، جن کو امام ترمذیؒ کے نام تک سے واقفیت نہیں ہے۔

اے اللہ تعالیٰ! کبھی بھی ایسے برے دن ہمارے ملک کو نہ دکھانا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ ایئرپورٹ پہنچے، وہاں ضروری

کارروائی اور عصر کی نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر تاشقند سے ترمذ جانے والے چھوٹے سے ہوائی جہاز میں ہم بیٹھے۔

تاشقند سے ترمذ روانگی، جہاز میں نماز

مغرب کی نماز کا وقت ہوائی جہاز میں ہوا، ہم نے ان سے مغرب کی نماز کے لیے درخواست کی تو انھوں نے سختی سے معمول کے مطابق منع کر دیا کہ آپ ہمارے جہاز میں بالکل نماز نہیں پڑھ سکتے۔

ہم لوگوں کی کوشش جہاز میں بھی یہ رہتی ہے کہ نماز جماعت سے ادا ہو جائے اور کم از کم قیام، قعود، رکوع اور سجدہ کی تکمیل کے ساتھ نماز ادا ہو جائے اور اکثر ممالک کے جہازوں میں اس کی اجازت مل جاتی ہے، **فللہ الحمد!**

یہاں بھی جہاز کے عملے سے درخواست کی گئی کہ ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں، نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں، انھوں نے قطعاً ممانعت کر دی، جس کی وجہ سے پریشانی لاحق ہو گئی، ایک رفیقِ سفر نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو عملہ کا جواب تھا ''جہاز کے کپتان کی طرف سے مکمل ممانعت ہے؛ اس لیے ہم اجازت دینے سے معذور ہیں''۔

آخر کار حضرت مولانا ابراہیم صاحب نے مولانا محمود صاحب کھیرواں کو ہدایت دی کہ وہ جا کر کوشش کریں، لہٰذا انھوں نے جا کر عملہ کے سربراہ کو سلام کیا اور اپنا تعارف کرایا، اس نے بھی خوشگوار لہجے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے بتلایا کہ میں ازبکستان کے علاقہ بخارا کا رہنے والا ہوں اور مسلمان ہوں، اس پر مولانا محمود صاحب

نے کہا کہ: ہم بھی مسلمان ہیں اور نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔

اس نے جواب دیا کہ: نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

مولانا نے اس کو کہا کہ: میں جے پور کے علاقے کا رہنے والا ہوں، تم کبھی جے پور آئے ہو؟ وہاں پوری دنیا سے لوگ گھومنے آتے ہیں۔

اس نے پوچھا کہ: جے پور کہاں ہے؟

مولانا نے جواب دیا کہ: جے پور ہندوستان میں ہے۔

ہندوستان کا نام سنتے ہی اس نے پوچھا: وہ ہندوستان جہاں کا ''راج کپور'' ہے؟

مولانا سمجھ گئے کہ اس بھولے بھالے مسلمان کو صرف فلمی دنیا کے ایک شخص کا تعارف ہے۔ مولانا نے فوراً کہا کہ: ہاں! وہی ہندوستان جہاں کے فلمستان سے تعلق رکھنے والا یہ شخص ہے۔

اب اس شخص کی آنکھوں میں خوشی اور چمک تھی، اس کا انقباض کچھ دور ہو چکا تھا، مولانا نے اسے گلے لگا کر اس کے ساتھ ایک دو باتیں اور کیں، مولانا نے کہا کہ: تم راج کپور کو کیسے جانتے ہو؟

اس نے کہا کہ: ٹیلی ویژن کے ذریعہ جانتا ہوں۔

مولانا نے کہا: اور بھی کسی کو جانتے ہو؟

چوں کہ وہ بے چارہ ٹی وی کی زندگی سے ہی واسطہ رکھتا تھا، تو اس نے فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والے دوسرے شخص کا نام لیا یعنی شاہ رخ خان کا۔

اب مولانا نے کہا کہ: ہم مسلمان ہیں، ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں، نماز قضا ہو

جائے گی، آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں؟

اب اس کے مزاج میں نرمی آ چکی تھی، اس نے جواب دیا کہ: ہمارے جہاز میں آپ نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں، اگر آپ نے نماز پڑھ لی تو ہمارے لیے پریشانی ہو جائے گی؛ لیکن ایک حل میں نکال سکتا ہوں وہ یہ کہ جہاز کے آخری حصہ میں جہاں جہاز سے نکلنے کی سیڑھی لگتی ہے، اس کے پیچھے جہاز کی دم کی طرف میں ایک حصہ کھول لیتا ہوں، اس چھوٹی سی جگہ میں ایک آدمی کھڑا ہو سکتا ہے، میں وہاں پر آگے کو کھڑا رہوں گا اور آپ لوگ پیچھے جا کر ایک ایک کر کے اپنی نماز ادا کریں، اکھٹے ہو کر نہ آئے، جب ایک آدمی نماز ادا کر کے اپنی سیٹ پر واپس پہنچے تو دوسرا آدمی آئے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اسی ترتیب پر جا کر ایک ایک کر کے نماز ادا کی گئی اور مالکِ حقیقی کا شکر بجالائے۔

اب وہ شخص اس درجہ قریب ہو گیا کہ اس نے تمام رفقائے سفر کو ایک ایک کر کے خود چائے بنا کر پلائی، جب کہ وہ اس سے قبل بات کرنے کو بھی تیار نہیں تھا۔ یقیناً بے نیاز ہے وہ پاک ذات جس نے اپنے غنی ہونے کا مظاہرہ اپنی مختلف شانوں کے ساتھ کیا ہے، وہ "**لم یزل ولا یزال**" نہ کسی کی عبادت کا وہ محتاج ہے اور نہ کسی کے انکار کی اس کو پروا ہے۔

وہ چاہے تو اس کے پاک گھر میں مکہ کے کفار تین سو ساٹھ بت رکھ دیں اور وہ ان کو ڈھیل دے دیں اور کبھی چاہے تو ہاتھیوں کے لشکرِ جرار کو ابابیل جیسی ادنیٰ مخلوق کے ذریعہ چبایا ہوا بھوسہ بنا دے "**فجعلھم کعصف مأکول**".

وہ چاہے تو بت کدے میں اذان دلوادے اور اگر مرضی ہو جائے تو عبرت کے لیے خانۂ خدا میں کفار کے اسلام کے خلاف کیے جانے والے مشوروں پر تحمل اور حلم کا مظاہرہ کرے۔

بہر حال! جہاز میں بقیہ وقت ہم اللہ تعالیٰ کی اس شانِ غنا پر حیرت و متعجب رہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے باوجود نماز کے لیے اس شخص کو نسبتِ ایمانی نرم نہ کر سکی؛ بلکہ غیر مسلم فلمی شخص کا تذکرہ یہ کام کر گیا۔

مالکِ حقیقی کی ذات غنی ہے، کہیں "ان اللہ یؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر" کا مظاہرہ فرماتے ہیں اور بت کدے سے ایمان کے محافظ پیدا فرماتے ہیں:

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

اللہ الصمد!

اسلام اپنوں میں اجنبی

جب ہوائی جہاز کے اسٹاف سے ہم نماز کی اجازت لے رہے تھے تو وہ ہم کو حیرت سے پوچھنے لگے کہ: آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ کون ہو؟ اور یہ سوال و جواب ازبکستان میں ایک جگہ نہیں، کئی جگہ ہم سے ہوئے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ داڑھی، کرتہ، اور اسلامی وضع قطع دیکھ کر ان کا پہلا سوال یہ ہوتا تھا کہ:You AreMuslim (کیا آپ مسلمان ہیں؟) ان کے اس سوال سے دل پر ایک چوٹ لگتی تھی کہ آج مسلمانوں کے ملک میں اسلامی پہچان اجنبی ہو چکی ہے۔

پھر دوسرا سوال یہ ہوتا تھا کہ: آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ اور بہت سی جگہوں پر یہ ہوا کہ ہم نے جن لوگوں کو بھی بتایا کہ ہم ہندوستان سے آئے ہیں تو لوگ جواب میں کہتے کہ: اس ہندوستان سے جہاں سے شاہ رخ خان اور راج کپور ہوا کرتے ہیں، وہاں سے آپ آئے ہیں!!

یہ بات سنتے تو دل رونے لگتا کہ یا اللہ! اس ملک کے نوجوانوں کو امام ترمذیؒ کون ہیں، یہ معلوم نہیں ہے؛ لیکن ان کو ہندوستان کے فلمی اداکاروں کے نام معلوم ہے، حالاں کہ ہوائی جہاز تاشقند سے ترمذ جا رہا تھا۔

ترمذ شہر میں

ہم عشا کے وقت شہر ترمذ پہنچے، بھائی عبدالرحمٰن صاحب کے ایک نمائندے بھائی منصور صاحب وہاں ہمارے استقبال میں گاڑی کے ساتھ موجود تھے، ان کی رہبری میں ہم Meridin ہوٹل جانے کے لیے روانہ ہوئے، اس ہوٹل میں ہمارا رات کا قیام تھا، بھائی منصور ایک دینی سوچ وفکر کے نوجوان ہیں، سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے ہیں، دورانِ سفر نقشبندی اکابر کے کلمات سناتے رہے، اس سے پہلے ترکی اور ملیشیا کے علما کی رہبری کی خدمت انجام دے چکے تھے، چوں کہ یہ شہر سرحدی علاقے میں واقع ہے؛ اس لیے بہت تفتیش ہوئی، نتیجتاً ہم لوگ رات کو بہت دیر سے ہوٹل میں پہنچے۔

دہلی سے حاجی منصور صاحب اور حاجی عبداللہ صاحب کے گھر کا لیا ہوا کھانا ناشتے میں بھی کام آیا تھا اور آج ہوٹل میں بھی اسی کو گرم کر کے کھانے سے فارغ

ہوئے۔ رات کو قیام کیا اور فجر میں ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ ترمذ شہر میں نکلے۔

ترمذ شہر

حضرت مولانا ذوالفقار صاحب نے اپنے سفرنامہ میں ''ترمذ'' کے تحت یوں ذکر فرمایا ہے:

دن کے دس بجے آمو دریا کے کنارے واقع ترمذ شہر پہنچے، یہ افغانستان کا دروازہ کہلاتا ہے اور افغانستان کی جنگ میں روسی فوج کے حملے اور سپلائی لائن کا مرکز رہا ہے، یہاں پر سڑک کے دونوں اطراف میں ہزاروں ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کو کھڑے ہوئے دیکھا، محبّ اللہ نے بتایا کہ: یہ سب گاڑیاں اور ٹینک خراب ہو چکے ہیں، افغانستان کی جنگ میں روس کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا، فقیر ٹینکوں کے قبرستان کو دیکھ کر سوچ رہا تھا:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ. (البقرة: ٢٤٩)

(ترجمہ: کتنی دفعہ ایسا ہوا کہ ایک چھوٹی جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آگئی، اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

آگے تحریر فرمایا ہے:

''کہ ترمذ شہر چوں کہ فوجی اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے، لہذا یہاں پر غیر ملکی سیاحوں کو آنے کی اجازت بہت مشکل سے ملتی ہے'' (لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند)

ترمذ شہر کی صبح، پیر کا دن

ہم نے پوچھا کہ: آج سب سے پہلے کہاں جانا ہے؟ تو بتلایا کہ: ہم سب سے پہلے ترمذ شہر سے باہر حکیم ترمذیؒ کے مزار پر جائیں گے، ہم ترمذ شہر سے باہر نکلے۔

جنتی نہر جَیْحُوْن کی زیارت

یہ ترمذ شہر ''آمودریا'' نامی ندی کے کنارے پر واقع ہے، جس کا اسلامی نام حدیثِ پاک میں 'جیحون' آیا ہے۔

جن چار ندیوں کے متعلق حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ یہ چار نہریں جنت کی ہیں، ان میں سے ایک 'جیحون' ہے، وہ حدیث پاک یہ ہے:

سَيْحُوْنَ وَجَيْحُوْنَ وَالنَّيْلَ وَالْفُرَاتَ كُلٌّ مِّنْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ. (مسندِ بزار)

ترجمہ: سیحون اور جیحون اور نیل اور فرات یہ چاروں نہریں جنتی نہریں ہیں۔

جس کا آج کل وہاں نام ''آمودریا'' ہے، اس دریا کے پار افغانستان، پھر پاکستان، ہندوستان یعنی برِصغیر کا سارا علاقہ ہے اور یہی وہ نہر ہے جس کی وجہ سے ہمارے فقہائے احناف کا ایک طبقہ ''علمائے ماوراءُ النہر'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کے کنارے پر ترمذ شہر واقع ہے۔

کیا ماحول رہا ہوگا جب یہ سرحدیں نہیں تھیں، ہر جانب مسلمانوں کی اسلامی سلطنتیں تھیں، علما اور طلبہ کا علمی تشنگی کو بجھانے کے لیے ادھر ادھر آنا جانا ہوتا تھا، کبھی اس علاقے والے اس علاقے میں اور کبھی وہاں والے یہاں دین کے خاطر آتے

جاتے ہوں گے اور یہاں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ علمی تحقیقات کا تبادلہ، پھر کبھی اس میں آپسی مذاکرے اور بعض مرتبہ مناقشے یعنی کیا علمی ہلچل رہی ہوگی !!

اکتسابِ فیض کرنے والے کبھی یہاں کی خانقاہوں میں، کبھی وہاں کی خانقاہوں میں اور داعیانِ اسلام، اولیائے کرام کبھی اس چوٹی پر، کبھی اس چوٹی پر رختِ سفر باندھتے ہوئے صبح و شام، دن رات، اسفار میں مشغول رہے ہوں گے!!!

آج یہ حال ہے کہ سارا علاقہ کیا، ساری دنیا ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے؛ بلکہ ہر پڑوسی دوسرے سے برسرِ پیکار نظر آتا ہے۔

جیحون کے کنارے کنارے

ہم سڑک سے آمودریا کی زیارت کرتے کرتے آگے بڑھ رہے تھے، راستے میں بدھ مذہب کے ماننے والوں کے بہت سے کھنڈرات ہم دیکھ رہے تھے، یہ کسی زمانے میں بدھ مذہب کے ماننے والوں کی عبادت گاہیں تھیں، گاڑی سے ہی اس کو دیکھتے دیکھتے آگے بڑھ رہے تھے۔

تحقیق سے پتہ چلا کہ اس ملک میں کسی زمانے میں بدھ مذہب عام رہا ہے اور بتایا گیا کہ ہندوستان سے بدھ مذہب افغانستان آیا، افغانستان سے ازبکستان اور یہاں سے یہ مذہب چین اور اس کے اطراف میں پھیلا ہے، بدھ مندروں کے بہت سارے ٹوٹے ہوئے کھنڈرات ہم نے راستے میں دیکھے، بدھوں کی عبادت گاہوں کو ’’پیگوڈا‘‘ بھی کہتے ہیں۔

حکیم ترمذیؒ کے مزار پر

آگے چلتے ہوئے ہم لوگ ایک بہت ہی وسیع وعریض احاطے میں پہنچے، بتلایا گیا کہ: یہ حکیم ترمذیؒ کے مزار کا احاطہ ہے۔

حکیم ترمذیؒ کا مختصر تعارف یہ ہے: ان کا مشہور نام ''حکیم ترمذی'' ہے، پورا نام ''ابوعبداللہ محمد بن علی بن بشیر بن ہارون'' ہے، علی اختلاف الاقوال ان کی پیدائش سن ۲۰۵ھ میں ہوئی اور وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی، انھوں نے ۱۱۵ یا ۱۲۰ سال کی عمر پائی۔

حکیم ترمذیؒ کا تعارف

حکیم ترمذیؒ کا تعارف حضرت مولانا ذوالفقار صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

حکیم ترمذیؒ اپنے وقت کے بڑے علما اور صلحا میں شمار ہوتے ہیں، ان کا مزار آمو دریا کے کنارے پر واقع ہے، دریا کی دوسری طرف افغانستان کا مشہور شہر مزار شریف ہے۔

حکیم ترمذیؒ نے بچپن میں کئی اساتذہ سے علمِ حدیث حاصل کیا، پھر طب کی دنیا میں اپنا نام پیدا کیا، خانقاہ کے متولی نے فقیر کو حکیم صاحبؒ کا مطب دکھایا، زیرِ زمین بنے ہوئے تہہ خانے دکھائے جہاں حکیم صاحبؒ اپنے بعض مریضوں کو رکھتے تھے، یوں لگتا تھا کہ زیرِ زمین ہسپتال بنایا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکیم صاحبؒ کو طبیبِ جسمانی کے ساتھ ساتھ طبیبِ روحانی بھی

بنایا تھا، ہزاروں لوگ آپ کی خدمت میں آ کر دردِ دل کی دوا لیتے رہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال سے بھی نوازا تھا۔

حکیم ترمذیؒ کا ایک واقعہ

آپ کی جوانی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک جوان عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ: میں آپ پر فریفتہ ہوں، ملنے کے لیے آئی ہوں، تنہائی ہے آپ میری مراد پوری کریں۔ آپ کے دل پر خوفِ الٰہی اس قدر غالب آ گیا کہ آپ رونے لگ گئے، عورت یہ دیکھ کر شرمندہ ہوگئی اور واپس چلی گئی، آپ چند دن کے بعد اس واقعہ کو بھول گئے۔

ایک مرتبہ آپ وضو کر رہے تھے، بڑھاپا آ چکا تھا کہ اچانک دل میں اس عورت کا واقعہ یاد آ گیا اور ساتھ ہی خیال آیا کہ مجھے چاہیے تھا کہ اس عورت کی خواہش پوری کر دیتا اور بعد میں گناہ سے توبہ کر لیتا، یہ خیال دل میں ایسا جما کہ نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا، آپ بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے اور خوب رو رو کر دعا مانگی، حتی کہ اسی حالت میں سو گئے، خواب میں نبیِ اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حکیم ترمذی! اتنے مغموم کیوں ہو؟

عرض کیا کہ: اے میرے آقا ﷺ! جوانی میں خوفِ خدا غالب تھا کہ دعوتِ گناہ کے باوجود گناہ کی طرف میلان پیدا نہ ہوا اور اب بڑھاپے میں میری حالت اتنی بگڑ گئی ہے کہ نفس میں گناہ کی رغبت موجود ہے، دل کہہ رہا ہے کہ تو نے اس وقت گناہ کر لینا تھا، افسوس کہ! میں اپنے بال سفید کر بیٹھا؛ مگر دل کو سیاہ کر لیا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بات یہ ہے کہ جب تم جوان تھے تو وہ وقت میرے زمانے سے قریب تھا؛ لہذا اس میں خیر زیادہ تھی، اب تم بوڑھے ہو گئے تو اس زمانے میں خیر کم ہوگئی، ماحول کی نورانیت میں کمی کی وجہ سے تمھارا خیال گناہ کی طرف چلا گیا، تمھارا رونا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔

آنکھ کھولی تو حکیم ترمذیؒ نے اپنے دل کو مطمئن پایا۔ (لاہور سے تاخاکِ بخارا)

حکیم ترمذیؒ کی نقل کردہ حدیث

حدیثِ پاک کے مشہور رسالہ "رسالة الأوائل: للشيخ محمد سعيد بن سنبل رحمة الله" جس میں چالیس سے زائد مختلف کتابوں کی پہلی پہلی حدیثیں جمع کی گئی ہیں، ان کو پڑھا کر محدثین مختلف سندوں سے اس کی اجازت دیتے ہیں، اس میں حکیم ترمذیؒ کی ایک روایت:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا نِمْتُ الْبَارِحَةَ، قَالَ: مِنْ اَیِّ شَیْءٍ؟ قَالَ: لَدَغَتْنِیْ عَقْرَبٌ، فَقَالَ: اَمَا اِنَّكَ لَوْ قُلْتَ حِیْنَ اَمْسَیْتَ: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، لَمْ یَضُرَّكَ شَیْئٌ.

منقول ہے جو حکیم ترمذیؒ کی مشہور کتاب "نوادر الأصول في معرفة أحاديث الرسول" سے لی ہے۔

اس کتاب کا جدید نسخہ ہمارے جامعہ ڈابھیل کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ حکیم ترمذیؒ اپنے زمانے کے بہت ہی مشہور و معروف بزرگ گذرے ہیں۔

سلطان آباد

جہاں ان کا مزار ہے یہ ’’سلطان آباد‘‘ نام کا ایک چھوٹا سا دیہات ہے۔

کہا جاتا ہے کہ: سلطان آباد کسی زمانے میں بہت بڑا شہر تھا؛ لیکن چنگیزی فتنے کے زمانے میں اس شہر کو پورا ویران وکھنڈر کر دیا گیا، یہاں قتلِ عام کیا گیا اور شہر کو ختم کر دیا گیا۔

ہم احاطے میں داخل ہوئے تو ایک طرف میوزیم (Musiam) ہے، جس میں پرانے زمانے کی بہت ساری یادگار چیزیں بھی ہیں، جن کو دیکھ کر اس دور میں کیسا آسان، تکلف سے خالی زندگی گذارنے کا طریقہ تھا وہ سمجھ میں آتا ہے، جب کہ آج ترقی یافتہ کہے جانے والے دور میں گھریلو سامان کی بہتات کے باوجود جدید انداز نے ہماری زندگیوں کو مشکل، مہنگا اور پُر تکلف بنا دیا ہے، گھریلو سامان خریدنے میں بہت بڑی مقدار میں مال و دولت اور وقت خرچ ہوتا ہے، جو اسراف کی ایک شکل ہے۔

احاطے میں عمارتوں کے باہر بہت خوب صورت باغیچہ بھی ہے۔ چلتے چلتے ہم لوگ حکیم ترمذیؒ کی مسجد کے پاس پہنچے، یہ مسجد ایک تہہ خانے میں واقع ہے۔

حکیم صاحبؒ کا ہاسپٹل

کہتے ہیں کہ: حکیم ترمذیؒ نے تہہ خانے میں ہاسپٹل (Hospital) بنایا تھا جس میں مریضوں کو داخل کرتے تھے، جس زمانے میں دنیا میں ہاسپٹل کا کوئی تصور نہیں تھا، اس وقت انھوں نے تہہ خانے میں یہ ہاسپٹل بنایا تھا جس میں باقاعدہ مریضوں کا علاج و معالجہ کیا جاتا تھا۔

ایصالِ ثواب کا انوکھا طریقہ

وہیں پر مسجد بھی ہے اور وہیں پر ان کا مزار بھی ہے، مسجد اور مزار کے پاس ایصالِ ثواب کا ایک عجیب وغریب طریقہ دیکھا کہ وہاں کے عام لوگ بے چارے قرآنِ مجید کی تلاوت سے بالکل واقف نہیں، قرآنِ مجید ناظرہ پڑھنا عام لوگوں کو بالکل نہیں آتا (اس سلسلے میں مزید بات میں ان شاء اللہ آگے کروں گا) وہاں پر ایصالِ ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ مزاروں پر مجاور حضرات بیٹھے رہتے ہیں، مجمع آتا رہتا ہے، جس میں اکثریت عورتوں کی ہوتی ہیں، پچیس پچاس عورتیں جمع ہوتی ہیں، مجاور ایک آیت پڑھتے ہیں، لوگ سنتے ہیں اور اس سنی ہوئی آیت کا ثواب صاحبِ قبر کو ایصال کر دیا جاتا ہے، اس کے بعد دعا کی جاتی ہے اور اس کے بعد مجاور حضرات کو نذرانے دیے جاتے ہیں۔

ذکر کی جگہ

ہم وہاں سے باہر نکلے تو بتایا گیا کہ: سامنے ان کی ذکر گاہ ہے، حکیم ترمذیؒ کی ذکر و مراقبہ کرنے کی عجیب وغریب جگہ ہے، تقریباً ۳۵ / سیڑھی اتر کر ہم زمین میں نیچے پہنچے، یہ جگہ بالکل کچی ہے اور آج تک بالکل ویسی ہی ہے، میں تو اس کو حکیم ترمذیؒ کی کرامت سمجھتا ہوں کہ گیارہ سو، بارہ سو سال کے بعد بھی کچی مٹی رکی ہوئی ہے، نیچے گڑھا ہے، اس گڑھے میں ہم لوگ اترے، ابھی اس گڑھے کے اوپر چھت بنائی گئی ہے، ہم آہستہ آہستہ نیچے اترے، اترنے کے بعد دیکھا کہ وہاں پانی ہے۔

ایک زندہ کرامت

بتایا گیا کہ: حکیم ترمذیؒ جب ۶۳؍سال کی عمر کو پہنچے تو انھوں نے اپنی خلوت گاہ بنوائی تھی، اس میں روشنی بھی نہیں آتی اور ۷۵؍سال تک اس گڑھے میں آپ نے ذکر ومراقبہ کیا ہے، ذکر کے آثار وبرکات اس طریقہ سے ظاہر ہوئے کہ ایک مرتبہ حکیم ترمذیؒ ماہِ رمضان میں ذکر میں مشغول تھے تو قدرتی طور پر گڑھے میں پانی نکل آیا۔

کہا جاتا ہے کہ: آج تک ہر رمضان کے مہینے میں وہ پانی نکلتا ہے اور جب ماہِ رمضان ختم ہو جاتا ہے تو پانی خشک ہو جاتا ہے، ہم چوں کہ شوال کے مہینے کے بالکل شروع میں گئے تھے؛ اس لیے ہم کو اس پانی کے دیدار اور اس کو پینے کی سعادت حاصل ہوئی، اس میں روشنی بھی نہیں آتی۔

جب ہم باہر نکلے تو وہاں پر ایک دوسرے مجاور صاحب بیٹھے ہوئے تھے، وہاں پر بھی پچاس سو عورتوں کا آنا جانا، تلاوت اور ایصالِ ثواب کا سلسلہ جاری تھا، وہاں کے جو مجاور صاحب تھے ہم ان کے پاس جا کر بیٹھے، حضرت دامت برکاتہم کے نورانی چہرے کو دیکھ کر انھوں نے خود درخواست کی کہ دعا آپ کروائیں گے تو حضرت نے وہاں پر پرسوز دعا کروائی، ایک بہت بڑا مجمع اس دعا اور آمین میں شریک ہوا۔

امام ترمذیؒ کے مزار کی طرف روانگی

ہم وہاں سے باہر نکل کر ''شیرآباد'' جانے کے لیے گاڑی میں سوار ہوئے، شیرآباد وہ مبارک جگہ ہے جہاں امامِ عالی مقام امام ترمذیؒ آرام فرما رہے ہیں، تقریباً

۲۰رکلومیٹر ہماری گاڑی چلی ہوگی کہ راستے پر ایک اونچا گیٹ آیا، اس میں ہماری گاڑی داخل ہوئی اور ایک کچے راستے پر چلنے لگی، تقریباً ڈیڑھ دوکلومیٹر کچے راستے میں ہماری گاڑی چلی ہوگی کہ ایک بڑے قبرستان میں ہم داخل ہوئے، جس میں چاروں طرف دور دور پہاڑیاں تھی، کھیت تھے، قبریں تھیں، عجیب سناٹا تھا، دور دور تک نہ کوئی انسان، نہ کوئی مکان، نہ کوئی بستی، نہ کوئی آبادی وہاں نظر آرہی تھی؛ البتہ رحمت کے فرشتے ضرور ان کی اس فرودگاہ پر آتے جاتے ہوں گے، اسی قبرستان کے بیچ میں امام ترمذیؒ آرام فرما ہیں۔

ماضی اور حال کا تقابل

جس زمانے میں امام ترمذیؒ وہاں رہتے تھے، کتنے عاشقانِ علمِ حدیث طلب وجستجوئے علم میں؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بہت سے علما، صلحا، فضلا، صاحبِ سند محدثین محض اپنی سند کو عالی کرنے کے لیے اس حال میں یہاں آتے رہے ہوں گے کہ نورانی مخلوق یعنی فرشتے ان کے قدموں کے نیچے اپنے نورانی پر بچھا کر ان کا استقبال کرتے ہوں گے اور رحمتِ الٰہی ان کو اوپر سے ڈھانپ لیتی ہوگی اور ایک جماعت ان کو چاروں طرف سے گھیر لیتی ہوگی، "حفتهم الملا ئكة" کا نورانی منظر رہتا ہوگا، کتابوں کا تو زیادہ دستور نہیں تھا؛ تاہم قلم وکاغذ لے کر کتنے ہی علم کے متوالے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے ہوں گے۔

اور جس وقت امامِ ہمام مجلس میں آتے ہوں گے، یہ منتظر مجمع مضطرب ہوجاتا ہوگا، کوئی پہلی نظروالا دیدار، کوئی محبت کے القاب، کوئی خاص شاہانہ انداز میں:

”جاء الشیخ الثقة الأمین “ کا اعلان کرتا ہوگا اور جس وقت امامِ حدیث اپنے مبارک لبوں کو کھولتے ہوں گے، رحمتِ الٰہی بھی جوش مارتی ہوئی ان نفوس قدسیہ پر لپکتی ہوگی اور جوں جوں یہ سند ” حدثنا“اور”أخبر نا“ کے تسلسل کو لے جا کر ”قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ پر منتہی ہوتی ہوگی تو محبوبِ دو جہاں ﷺ کی روح مبارک کو اس دور دراز علاقے سے اس درود شریف اور اس کے بعد متواتر درودوں کی خبر اس کام پر مامور جماعتِ ملائکہ پہنچاتی ہوگی، تو سید الثقلین، امام المعلمین حضرت رحمۃ للعالمین ﷺ کی روح پرفتوح کی جانب سے ملنے والی دعاؤں اور مسرتوں کا کیا ٹھکانہ رہتا ہوگا، اللہ اللہ!!!

پھر جس قدر آگے سلسلہ چلتا رہا ہوگا، طلبہ کے استفسارات، امام ترمذیؒ کے جوابات، بعض سینہ بہ سینہ اور بعض کاغذ و قلم لے کر اس خزانے کو سمیٹ کر جب مجلس سے اٹھتے ہوں گے تو قلب و جگر کا کیا حال رہا ہوگا!!!

آج بھی حدیث شریف کے برکات

دنیا دیکھنا چاہے تو تنزل کے اس دور میں بھی آج دار الحدیث کے مناظر کو دیکھنے آئے ”حدثنا و اخبرنا “اور ”قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کو مکمل سند کے ساتھ، آدابِ علم کی رعایت کرتے ہوئے صرف ایک سال میں اساتذہ اور شاگردوں کے درمیان محبت و محبوبیت کا کیا رشتہ پیدا ہو جاتا ہے کہ رخصت اور الوداعی مجالس میں آنکھوں سے جاری ہو کر نہ تھمنے والا سیلاب تو ایسا پیارا اور مؤثر ہوتا ہے کہ اس کے ذکر کے وقت آنکھیں بہہ پڑتی ہیں۔

امام ترمذیؒ کے مزار کے حال کا منظر

اے مالک! آپ حکیم داتا اور دانا ہیں، اپنی رحمتوں کو خود جانتے ہیں۔

کہاں گیا اس جگہ کا وہ منظر؟

کہاں گئیں وہ مجالس؟

کہاں گئے وہ ”قرأت علی الشیخ“ کہنے والے؟

وہ ”حدثنا“ اور ”أخبرنا“ کی سند کو سرورِ کائنات ﷺ تک پہنچانے والے!

یہ کیا ہو گیا؟

آج تو یہاں کچھ بھی نہیں!

کوئی آواز نہیں!

کوئی طالب علم نہیں!

کوئی استاذ نہیں!

مسجد تو ہے، لیکن کوئی اذان دینے والا یا اقامت کہنے والا نہیں!

مالک آپ غنی ہیں، یہ کیا ہو گیا؟

وضو کے وقت استاذ کے لیے پانی کا لوٹا لانے کے لیے دوڑنے والے خوش نصیب شاگردان!

وہ استاذ کے جوتے سیدھے کرنے میں ایک دوسرے سے جھگڑنے والے سعادت مند تلامذہ!

وہ ایک دوسرے سے پہلے حدیث شریف کی عبارت پڑھنے کی کوشش کرنے

والے خوش الحان طالبانِ علمِ حدیث!

وہ "لو قلت من کتابك" کہہ کر کاپی سے حدیث سننے کے شوقین!

وہ استاذ کی کاپی لانے اور لے جانے سے قبل ہی شوقِ علم میں زبانی سنانے کی درخواست کرنے والے!

کہاں گئے؟

کہاں چلے گئے؟

اس جگہ پر یہ سناٹا کیسا؟

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

بہرحال! فعل الحکیم لا یخلو من الحکمة ، بندہ کیا دخل دے مالک کی حکمتوں میں، اس کی تکوین میں، وہ جانے اس کا کام، بندہ اپنی زندگی کی حدود سے باہر کیوں جائے۔

وہاں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، ہم گاڑی سے اتر کر اس مسجد میں گئے، سب نے چاشت کی نماز پڑھی۔ مسجد کے متصل امام ترمذیؒ آرام فرما ہیں، مسجد کے باہر ایک بڑے پتھر پر امام ترمذیؒ کے حالات کندہ کیے گئے ہیں۔

امام ترمذیؒ کے مزار پر

مزار والے کمرے میں داخل ہوتے ہی مولانا رحمت اللہ صاحب نے وجد کے عالم میں ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ: امام ترمذیؒ ایک چھلنی رکھتے تھے اور سندوں کو سامنے رکھ کر کے فیصلے فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث صحیح ہے، یہ حسن ہے، وغیرہ وغیرہ۔

پھر ہم سب امام ترمذیؒ کی قبر کے پاس بیٹھ گئے اور حضرت دامت برکاتہم نے ترمذی شریف کا پہلا باب اور اس کی حدیثیں اور بعد میں ترمذی شریف کے پورے ایک صفحے کی عبارت تلاوت فرمائی، جب حضرت نے خطبہ شروع کیا اور اس جملے پر پہنچے "وبالسند المتصل منالى الامام الهمام الحافظ الحجة أبو عيسى الترمذي" اس وقت سب کی چیخیں نکل گئیں اور سب بے اختیار زار و قطار رونے لگے، پھر جب ترمذی شریف کی عبارت پڑھتے پڑھتے باب پورا ہوا اور امام ترمذیؒ کا تبصرہ شروع ہوا "قال أبو عيسیٰ: هذا حديث حسن صحيح" پر پہنچے تو کوئی بھی اپنے آپ پر قابو نہ کر سکا اور سب دھاڑیں مار مار کر اس موقع پر رونے لگے، ہر ایک پر ایک عجیب گریہ کا سماں طاری ہو گیا۔

پھر حضرت دامت برکاتہم نے دعا شروع کی، اس دعا میں سب کو بہت رونا آیا، خاص طور پر حضرت کی دعا کے اس جملے پر کہ:

اے اللہ! جس سرزمین بابرکت سے پوری دنیا کو علوم نصیب ہوئے، حدیثوں کا مجموعہ ملا، آج اس سرزمین کے انسان کس حالت میں زندگی گذار رہے ہیں!!

ان کے لیے خوب دعائیں کی گئیں، پھر ہم لوگوں نے امام ترمذیؒ کو ایصالِ ثواب کیا۔

ترمذی شریف کی چند حدیثیں امام ترمذیؒ کے مزار پر لکھی گئی ہے "أبو عيسیٰ محمد بن عيسیٰ بن سورة بن موسیٰ الترمذي" یہ پورا نام بھی آپ کے مزار پر کندہ ہے۔

پھر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب بانڈی پورہ والے نے فارسی کا ایک شعر پڑھا، بڑا عجیب شعر تھا؛ چوں کہ ابھی کل ہی ہم قفال شاشیؒ کے مزار سے آئے تھے اور آج صبح حکیم ترمذیؒ کے مزار سے آئے تھے، ان کے مقابلے میں امام ترمذیؒ کے مزار پر بالکل سناٹا تھا، نہ عورتوں کی بھیڑ، نہ مردوں کی بھیڑ، نہ کوئی زیارت کرنے والا، نہ کوئی دیکھنے والا، وہ شعر یہ تھا:

بر مزارِ ما غریباں نہ چراغ نہ گلے	نہ پروانہ سوزد، نہ صدائے بلبلے

ہم غریبوں کی قبر پر نہ پھول ہے، نہ چراغ، نہ کوئی رونے والا ہے، نہ کوئی آنے والا ہے، نہ کوئی چراغ ہے کہ اس پر کوئی پروانہ آ کر گرے، بس ایسی ویرانی میں ہم سو رہے ہیں۔

امتِ مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی پر افسوس کرتے ہوئے اس جگہ سے باہر آئے، سبھی حضرات اس موقع پر ٹھنڈی آہیں بھر رہے تھے کہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے برموقع شعر پڑھ کر قلوب میں توحیدِ الٰہی اور مالک الملک کی شانِ بے نیازی کا استحضار کروادیا:

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند	بہار ہو کہ خزاں لاالہ الا اللہ

پھر جب ہم باہر نکلے تو قلب پر عجیب کیفیت کا سماں تھا، مزار مبارک سے نکل کر ہم سڑک پر آئے، بھوک اور پیاس بھی لگی ہوئی تھی۔

عجیب میٹھے تربوز اور خربوزے

جب چند قدم آگے چلے تو ایک گاڑی دیکھی، جس میں کھیتوں کے تازہ تازہ

خربوزے اور تربوز بیچے جارہے تھے، ہم نے فوراً گاڑی رکوادی اور سب حضرات شہتوت کے درخت کے جھنڈ میں بنی ہوئی ایک جگہ میں بیٹھ گئے، سامنے کھیتوں کا ایک بہترین منظر تھا، تازہ تازہ گیہوں ابھی کٹے ہوئے تھے، دور دور تک پیارا منظر تھا۔

آپ یقین مانیے! زندگی میں اتنے میٹھے، اتنے نرم اور ملائم، رس دار نہ تربوز کھائے اور نہ خربوز، عجیب قسم کے تربوز اور خربوز، میں اس کی کیفیت بیان نہیں کرسکتا، رس سے بھرے ہوئے اور عجیب وغریب مٹھاس، ایسا لگتا تھا کہ اس میں شکر گھولی ہوئی ہے، ایسی مٹھاس تھی اور رس بھی اس میں سے اتنا نکل رہا تھا کہ گلاس کے گلاس بھر جائے، اللہ تعالیٰ کی عجیب نعمت تھی، سب کھا رہے تھے اور بار بار زبان سے الحمدللہ کا ذکر ہو رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو پھلوں کی فراوانی کی نعمت سے مالا مال فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا حال

جب وافر مقدار میں پھلوں سے سیر ہوئے تو حضرت مدظلہ العالی نے ایک نکتہ ارشاد فرمایا:

خربوزہ: فارسی زبان میں ''خر'' گدھے کو کہتے ہیں اور تربوز ''بز'' بکری کو کہتے ہیں، آج کھانے میں ہمارا حال خر اور بز جیسا ہو گیا اور ہم نے خوب سیر ہو کر کھایا۔

یہ جملے اس طرح درد سے حضرت نے ارشاد فرمائے کہ ہمارے لیے ایک بڑی نصیحت بن گئے۔

اگر کھانا اللہ تعالیٰ کے لیے کھایا جاوے، اچھی نیت سے کھایا جاوے تو وہ بھی عبادت ہے۔

قیمت بھی معمولی

جب سارے حضرات کھا کر فارغ ہو گئے تو اخیر میں میں نے پوچھا: کتنی قیمت ہوئی؟ تو قیمت سن کر بھی آپ کو حیرت ہوگی کہ ہمارے حساب سے ایک ڈالر میں اتنے سارے خربوزے اور تربوز ہم نے کھائے (ہمارے ہندوستان میں ایک امریکی ڈالر کا آج کل بھاؤ ۶۲ یا ۶۳ روپیے ہیں) اتنے روپیے میں ہم نے تقریباً بارہ یا تیرہ تربوز اور خربوزے کھائے۔

امام ترمذیؒ کی دعوت

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب جو قلندر اور زندہ ولی صاحبِ نسبت بزرگ ہیں، مجمع البحرین ہیں: ایک تو فقیہ الامت سیدی حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے خلیفہ ہیں اور ساتھ ہی حضرت اقدس مولانا ذوالفقار نقشبندی صاحب دامت برکاتہم سے بھی اجازت ہے، ان کی زبان سے ایک بات نکلی جو واقعی بالکل صحیح تھی کہ ''یہ امامِ عالی مقام امام ترمذیؒ کی جانب سے ہماری دعوت ہے''۔

یہ واقعہ تھا کہ پھر پورے ازبکستان کے سفر میں ہم نے خربوزے اور تربوز بہت کھائے، دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی بہت مرتبہ کھانا نصیب ہوا؛ لیکن جو مٹھاس اور لذت اس خربوزے اور تربوز میں تھی پورے ملک کے سفر میں کہیں پر ایسی لذت اور مٹھاس ہم کو نصیب نہیں ہوئی۔

حضرت دامت برکاتہم نے مجھ سے فرمایا کہ: بات دراصل یہ تھی کہ امام

ترمذیؒ کے مزار پر کوئی آتا جاتا نہیں، ہم آئے؛ اس لیے امام ترمذیؒ نے ہماری دعوت کی اور ان کی توجہ ہم کو حاصل ہوئی۔

حضرت نے فرمایا: حضرت شیخ زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ شہدائے خیبر کی قبور پر حاضری ہوئی تو جتنی کشش اور دل بستگی ان قبور پر تھی، اتنی حرمین کے کسی قبرستان میں نہیں ہوئی، اس پر بڑی حیرت بھی ہوئی اور کئی دنوں تک اس کا اثر بھی رہا، اکابرِ ہند: علی میاں، مولانا انعام الحسن صاحب وغیرہ سے بندے نے اس کی وجہ دریافت کی کہ بقیع اور جنت المعلی میں اتنی کشش نہیں، جتنی یہاں ہوئی، مدینہ پاک کے کئی ماہ قیام میں ان قبور پر بار بار جانے کا تقاضا رہا، ان اکابر نے جاذبیت کی وجوہ مختلف بتلائیں، اس سیہ کار کے خیال میں یہ ہے کہ وہاں کے حاضر ہونے والے بہت کم ہیں، حاضری کی نوبت دور ہونے اور جنگل کی وجہ سے کم آتی ہے؛ اس لیے وہاں کی مقدس ارواح کی توجہ آنے والوں کی طرف زیادہ ہوئی۔ (آپ بیتی: ۱/ ۵۲۸، ۵۲۹)

تو حضرت نے فرمایا کہ: جس طرح کسی کے یہاں کوئی جاتا نہیں ہے، اگر وہاں کوئی جائے تو اعزاز واکرام بڑھ جاتا ہے تو یہاں پر بھی ہم لوگوں کو یہی بات محسوس ہوئی۔

شیرآباد سے بخارا کی طرف

شیرآباد- جہاں امام ترمذیؒ کا مزار ہے وہاں- سے ہم روانہ ہوئے تو ہم نے بھائی منصور سے پوچھا کہ: ہماری اگلی منزل کونسی ہے؟

انھوں نے کہا: اب ہمیں بخارا جانا ہے۔

میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ: چھ سو پچاس کلومیٹر ہے، زیادہ نہیں ہے۔ ہم نے ہندوستانی اعتبار سے اندازہ لگایا کہ ان شاء اللہ پانچ یا چھ گھنٹے میں تو ہم پہنچ جائیں گے اور عصر کی نماز ان شاء اللہ بخارا جا کر ادا کریں گے؛ چوں کہ گاڑی بھی ماشاء اللہ عمدہ تھی، ایئر کنڈیشن بھی اچھا چل رہا تھا، اب تک کے راستے بھی اچھے تھے، ہم اس زعم میں گاڑی میں سوار ہوئے؛ لیکن ہماری گاڑی کچھ ہی کلومیٹر آگے چلی تھی کہ اب ایسا راستہ آیا کہ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ پختہ راستہ بنا ہی نہ ہو، ایسا راستہ کہ بس خدا کی پناہ اور اس کو طے کرنے میں اتنی تاخیر ہوئی کہ تقریباً گیارہ گھنٹے لگ گئے اور کافی رات گئے دیر سے ہم لوگ بخارا پہنچے۔

اصلی دیہاتی زندگی

راستے میں ایک گاؤں میں ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے ہم رکے تھے، وہاں ایک بڑا عجیب واقعہ پیش آیا، بالکل پرانے انداز کا ایک گاؤں تھا، سیدھی سادی وہاں کی زندگی تھی، ظہر کی نماز کے لیے ہم رکے اور مسجد میں نماز کے لیے گئے تو بالکل پرانے انداز کی مسجد تھی، اس کا وضو خانہ بھی بڑا عجیب تھا، اس میں قدیم انداز کے کافی وزن دار لوٹے تھے اور پرانی لکڑیوں کی نشست گاہیں بنی ہوئی تھیں، ایک لمبا گڑھا بنایا گیا تھا جس کے چاروں طرف بیٹھک بنادی گئی تھی اور مستعمل پانی اس گڑھے میں جارہا تھا، اس میں ریت ہونے کی وجہ سے پانی جذب ہوجاتا تھا، استنجا خانے بھی بہت سادے بنے ہوئے تھے۔

مسجد کے چاروں طرف بہت ہی خوب صورت درخت اور بیلیں تھیں اور پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا، جس میں بہت ہی ٹھنڈا پانی تھا، جیسے کسی کولر سے پانی آرہا ہو، بہت ہی عمدہ آب وہوا تھی۔

ہم ضروریات اور وضو سے فارغ ہوکر مسجدِ شرعی میں داخل ہوئے، دیہات کے لوگوں نے ہمارے قافلے کو دیکھا، وہ بڑی حیرت سے ہم کو دیکھ رہے تھے، امام صاحب کو اطلاع ہوئی تو وہ فوراً مسجد میں تشریف لے آئے، گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ اس امام صاحب کے والد بڑے عالم تھے، ان کے دادا بھی بڑے عالم تھے اور ان کے دادا مرحوم کی یاد میں ان کے والد نے یہ مسجد بنا رکھی ہے، وہ امام صاحب چند سورتوں اور آیتوں کے حافظ تھے۔

ہم نے ظہر کی نماز جماعت سے ادا کی، پھر امام صاحب نے قرآنِ پاک کی چند آیتیں سنائیں اور انھوں نے حضرت دامت برکاتہم سے درخواست کی کہ: آپ میرے والد اور مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لیے دعا کروا دیجیے۔

حضرت دامت برکاتہم نے وہاں مسجد میں بیٹھ کر پرسوز دعا کروائی۔

قرآنِ کریم کی تعلیم

امام صاحب سے تعلیمِ قرآن کے سلسلے میں مذاکرہ ہوا تو انھوں نے بتایا کہ: یہاں مکتب یا مدرسے کا نظام تو بہت ہی دشوار ہے؛ بلکہ میں نے اندازہ لگایا کہ اس موضوع پر بات چیت کرنے سے بھی ڈر رہے ہیں۔

نکلتے نکلتے ہم نے آہستہ سے ان سے درخواست کی کہ کم سے کم آپ اپنے

بچوں کو تو قرآنِ پاک پڑھائیے، اس چھوٹے سے دیہات میں تو آپ قرآنِ مجید کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیجیے، یہاں پر کہیں بھی قرآن کی تعلیم کا رواج نہیں ہے۔

اس پر امام صاحب نے بڑے درد سے کہا کہ: معاف کیجیے! کہ ہم ہمارے ملک میں اپنے بچوں کو بھی قرآن نہیں پڑھا سکتے، ہم پر قانونی پابندی ہے، قرآنِ پاک کی تعلیم سے ہم لوگ محروم ہیں، آپ دعا کر دیجیے، ہم ان کی اس درد بھری بات سن کر دل میں حسرت لیے آگے بڑھے۔

باری تعالیٰ کا نظامِ رزق

باہر نکلے تو تازہ پھل، سبزیاں اور بھی چیزیں بڑی مقدار میں چھوٹے چھوٹے راستوں پر واقع فرشی دکانوں میں مل رہی تھیں، کچھ چیزیں خرید کر کھانے بیٹھے، ہمارے ساتھ ہندوستان سے جو کھانا تھا اس میں امام صاحب اور دوسرے وہاں کے مسلمانوں کو بھی شامل کیا، اس وقت دل میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کا نظام دیکھو! کہاں دہلی؟ اور کہاں ازبکستان کا ایک چھوٹا سا دیہات؟ خود پکانے والے کو نہیں معلوم کہ یہ کھانا کون کون کھائے گا؟ کھانے والے کو نہیں معلوم کہ میرے پاس آج کہاں سے کھانا آئے گا؟ سب باری تعالیٰ کا نظامِ رزق ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِيْ الْأَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا.(الهود:٦)

ترجمہ: اور زمین میں کوئی چوپایہ نہیں؛ مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے اس کی روزی ہے۔

امام صاحب اور وہاں کے مسلمانوں سے الوداعی سلام و مصافحہ کر کے ہم پھر گاڑی میں سوار ہو گئے۔

بخارا کے راستے میں عصر کی نماز

پھر راستے میں ایک اور جگہ عصر کی نماز کے لیے رکنا ہوا، یہ ایک قصبہ تھا، وہاں پر ایک ہوٹل تھی، وہاں گاڑی رکوائی اور جب ہم گاڑی سے اترے تو وہاں بچے اور جوان لڑکیاں بڑی تعداد میں ہماری طرف بڑی تعجب کی نگاہوں سے دیکھنے لگے کہ یہ کونسی نئی مخلوق ہے، حسبِ سابق یہاں پر بھی سوالات ہوئے کہ کیا آپ مسلمان ہے؟ کہاں سے آئے ہیں؟ وغیرہ۔

بات چیت میں مشکلات

اس ملک میں عام طور پر بات چیت میں بڑی مشکلات پیش آئیں:

(۱) ازبک زبان ہم نہیں جانتے، اس کے کچھ الفاظ فارسی زبان سے ملتے جلتے ہیں؛ اس لیے بعض بوڑھے لوگ فارسی زبان بولنے سے بات کا کچھ خلاصہ سمجھ لیتے ہیں۔

(۲) عام لوگ انگریزی نہیں جانتے؛ البتہ ہوٹل اور بڑے شہروں میں انگریزی سے کام چل جاتا ہے۔

(۳) مساجد کے ائمہ میں سے بعض حضرات قدرے عربی سے واقفیت رکھتے ہیں؛ اس لیے کبھی کبھی کچھ کام اس سے بھی چل جاتا ہے، البتہ مقامی رہبر بھائی منصور صاحب انگریزی زبان جانتے تھے؛ اس لیے ترجمانی میں وہ معاون بنے اور بڑی مشکل بات یہ ہے کہ دکان، ہوٹل ہر جگہ لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں، عام کام کاج

وغیرہ میں اس قدر عورتیں دوسری جگہ کم دیکھنے میں آئیں۔

خیر! ہم ایک جگہ عصر کی نماز کی نیت سے ٹھہر گئے، وہاں بہترین بغیر دودھ والی چائے سے اور ہمارے ساتھ جو ذخیرۂ طعام تھا اس سے پورا قافلہ محظوظ ہوا، اور کچھ مقامی حضرات بھی شامل ہوگئے، ہوٹل کے پچھلے والے حصے میں ایک ندی بہہ رہی تھی، جس کا پانی بہت ہی ٹھنڈا اور وافر مقدار میں تیزی سے بہہ رہا تھا اور اس کے کنارے پر بہت خوب صورت نشست گاہیں بنی تھیں، جہاں بیٹھ کر کھانا وغیرہ کھایا جاسکے۔

تمام حضرات نے وضو کیا، پھر ندی کے کنارے ایک کشادہ جگہ پر اذان کہی گئی اور نماز کی صفیں لگیں تو مقامی لوگ بہت حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جس چیز کی ان کے نفوس کو تلاش تھی وہ ایک طویل عرصے کے بعد ملی، وہاں کے موجود لوگوں کو نماز کی دعوت دینے پر ہی اکتفا کرنا پڑا، وہاں پر بھی بہت سارے بچے تھے، ان کو کلمۂ طیبہ کی تلقین کی سعادت حاصل ہوئی۔

البتہ! شہروں سے دور اس قصبے میں ہوٹل پر ہندی فلمی گانیں بج رہے تھے، جو ہماری درخواست پر کچھ دیر بند کردیے گئے، ہم حسرت وتعجب کے ساتھ دعا کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے۔

''کرش یا کرشی'' شہر میں

گزرتے ہوئے راستے میں ایک شہر آیا جس کا نام ''کرش'' بتایا گیا، وہاں ایک خوب صورت عمارت تھی، اس پر عربی زبان میں کچھ عبارتیں لکھی تھیں، وہ عمارت

دیکھ کر ہم نے گاڑی رکوادی، پتہ چلا کہ یہ عمارت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی یاد میں بنائی گئی تھی، ان کا مزار تو دمشق میں ہے؛ لیکن ان کی قبر کی مٹی لاکر ان کی یاد میں یہ عمارت بنائی گئی ہے۔

ہم اندر داخل ہوئے، عمارت میں عیسائیوں کا کافی رش نظر آیا، اس عمارت کے منتظم کو تلاش کیا گیا، انھوں نے ہم کو پوری عمارت میں گھمایا پھرایا، ایک کمرہ نہایت اہتمام سے دکھایا، جس میں کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں، ان کتابوں میں سے ایک پرانی کتاب بہت اہتمام سے دکھائی کہ یہ نوادرات میں سے ہے، وہ خود نہیں جانتے تھے کہ یہ کتاب کیا ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ کس فن کی ہے؟ اس کو یہاں کیوں رکھا گیا ہے؟ قدیم کاغذ اور شکستہ تحریر ہونے کی وجہ سے وہ اس کو نوادرات میں سے سمجھ رہے تھے، ہم نے غور سے دیکھا تو وہ منطق کی کتاب ''قطبی'' تھی اور لکھنؤ کی چھپی ہوئی تھی، اوپر کی عبارت کے ساتھ جملہ منسلک ہونے کی بنا پر المسمی کے بعد ''بالقطبی'' کی شکل میں لکھا ہوا ہونے کی بنا پر شاید ان کے لیے کوئی عجیب چیز تھی۔

خیر! اس میوزیم میں ہم نے ہندوستان کی مطبوعہ دو کتابیں دیکھیں، ایک ''قطبی'' جو فرنگی محل لکھنؤ کی مطبوعہ تھی اور دوسری کتاب ''التبیان'' جو نول کشور لکھنؤ سے چھپی ہوئی تھی۔

نول کشور

یہ مطبع نول کشور کسی زمانے میں لکھنؤ کا مشہور مطبع رہا ہے، اس کا نام تو غیر مسلموں جیسا ہے، باقی حقیقتِ حال اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والے ہیں، اس کتب

خانے کے مالکان نے دینی، اسلامی بہت سی کتابیں شائع کی ہیں۔ ان نول کشور صاحب کے بہت سارے واقعات ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ کتابوں کا بہت زیادہ ادب واحترام کرتے تھے، سنا ہے کہ جن پلیٹوں میں کتابیں چھپتی تھی، ان پلیٹوں کو دھونے کے لیے گنگا ندی کے کنارے بھیجتے تھے؛ تا کہ ان پلیٹوں کے اندر سے جو روشنائی نکلے، اس کی بے ادبی نہ ہو اور دکان میں بھی کتابیں نہایت باادب انداز میں رکھی رہتی تھیں۔

باقی آج کل مسلمان کتاب فروخت کرنے والوں کا حال بھی بہت برا ہے، نہایت گندی نالیوں کے قریب حدیث، تفسیر کی کتابوں کو رکھ چھوڑتے ہیں، قرآن، حدیث اور دیگر کتابیں جہاں رکھی ہوں وہاں بیٹھ کر بیڑی، سگریٹ پیتے ہیں، قرآن اور کتابوں کے بیچ میں ٹی وی رکھا ہوا ہوتا ہے اور فلم دیکھی جاتی ہے، گانا بجتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں، آمین۔

الغرض! جب اس میوزیم میں موجود عملہ سے میں نے بات چیت کی کہ آپ کی لائبریری میں رکھی ہوئی یہ کتاب انڈیا کی چھپی ہوئی ہے تو وہ حیرت میں پڑ گئے کہ یہ کتاب جو ہمارے یہاں رکھی ہے وہ انڈیا سے کیسے آ گئی؟ وہ بھی حیران تھے، کافی وقت ہو چکا تھا؛ اس لیے ہم وہاں سے روانہ ہونے لگے۔

پوری عمارت وغیرہ کے نظارے سے فارغ ہونے کے بعد روانگی سے قبل جب رہبر سے کہا گیا کہ وہ ہمیں کسی ذمے دار سے ملائے تو ایک صاحب سے ملاقات کروائی، جب ان سے استفسار کیا گیا کہ یہ عمارت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی

طرف منسوب ہے، باہر بہت نمایاں تحریر بھی دروازے کے اوپر کندہ کرائی گئی ہے، یہاں ایسی کیا چیز ہے؟

انھوں نے بتایا کہ: امیر تیمور یا ان کے لوگ جب کبھی عربوں یا بزرگ شخصیات کے دربار میں گئے تو وہاں اگر ان کو تبرکات میں سے کوئی چیز ملی یا وہاں کی خاک میسر ہوئی تو اس کو ساتھ لاکر انھوں نے ان ہی شخصیات کے نام سے منسوب عمارت تیار کرواکے ان آثار یا تبرکات یا مٹی کو اس طرح اہتمام کے ساتھ محفوظ کیا۔ ان ہی مقامات میں سے یہ جگہ بھی ہے کہ حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے منسوب مٹی اس جگہ پر رکھی گئی تو اس پر یہ یادگار بنائی گئی ہے، اسی عقیدت کی وجہ سے زائرین اور سیاحوں کا یہاں آنا جانا رہتا ہے۔

''نسف'' شہر

یہاں ایک بات معلوم ہوئی کہ ''نسف'' شہر یہاں سے ۵۰ رکلومیٹر دور ہے اور جب نسف شہر کا نام آیا تو ہمارے ذہن میں امام ابوالبرکات نسفیؒ اور شمس الائمہ علامہ حلوائیؒ کی یادیں تازہ ہوگئیں، شرحِ عقائد کے ماتن اور ''العقائد'' کے مصنف علامہ عمر نسفیؒ ذہن پر چھا گئے۔

راستے کے خوب صورت پہاڑ اور سدِّ ذوالقرنین کی یاد

راستے میں ہم لوگ خوب صورت مختلف رنگ کے پہاڑ دیکھتے ہوئے اور ازبکستان کی اصلی دیہاتی زندگی کا نظارہ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، بعض جگہ

پر پہاڑ ایسے عجیب وضع کے تھے جیسے کہ باقاعدہ دیوار بنائی گئی ہو، جب ان پہاڑوں کو دیکھا تو گاڑی میں یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ سدِ ذوالقرنین کہاں پر واقع ہے؟ اس لیے کہ قصص القرآن میں مولانا سیوہارویؒ نے اور دوسرے مفسرین نے جو مختلف رائے لکھی ہیں اس میں ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ روس کے اس علاقے میں اس دیوار کے ہونے کے امکان ہے۔

اس سفر میں ہم نے دیکھا کہ پتھر کے بنے ہوئے کچے مکانات ہیں، گدھے اور خچر پر لوگ سواریاں کر رہے ہیں، راستے میں ایک جگہ پر دیکھا کہ پہاڑ پر ٹرین کا انجن ہے، بتایا گیا کہ یہ روسی حکومت کے زمانے میں کسی ٹرین کا انجن تھا، بطورِ یادگار پہاڑ پر رکھا گیا ہے۔

بخارا شہر میں حاضری

کافی رات گئے ہم بخارا پہنچے، ہمارے قیام کے لیے جو ہوٹل تجویز کی گئی تھی، وہاں جا کر ہم کو پتہ چلا کہ الحمدللہ! ہم لوگ بہت ہی خوش نصیب ہیں کہ جس جگہ پر ہماری ہوٹل واقع ہے، یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت امام بخاریؒ کا محلّہ تھا، جہاں امام بخاریؒ رہا کرتے تھے، آپ کا خاندان جہاں آباد تھا، اسی محلے میں الحمدللہ! یہ ہوٹل واقع تھا۔

پھر دوسری عجیب بات یہ تھی کہ اس ہوٹل کے سامنے وہ مسجد ہے جس کو مسجد ''جامع امام بخاریؒ'' کہا جاتا ہے، جس میں نہ جانے کتنی مرتبہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کا درس دیا ہوگا، وہ مسجد بالکل ہوٹل کے سامنے ہے اور مدرسہ ''میر عرب'' وہ

بھی بالکل اسی مسجد کے سامنے تھا۔

مدرسہ میر عرب

یہ مدرسہ میر عرب ازبکستان کا مشہور مدرسہ ہے کہ کمیونسٹوں کے آنے کے بعد جب تمام دینی درسگاہوں پر پابندی لگادی گئی تو پورے ملک میں یہی ایک مدرسہ تھا جس میں کچھ نہ کچھ دینی تعلیم باقی رہی، اس کو امام بخاریؒ کی کرامت سمجھنا چاہیے کہ کمیونسٹوں کے ظلم وتشدد کے دور میں بھی اس مدرسے میں کچھ نہ کچھ دینی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

میر عرب مدرسے کے بلند وبالا دروازے پر یہ حدیثِ پاک لکھی ہوئی ہے:

من كان فى طلب العلم كانت الجنة فى طلبه.

ترجمہ: جو شخص علم کی تلاش میں ہوتا ہے تو جنت اس کی تلاش میں ہوتی ہے۔

آج کل اس مدرسے میں تقریباً دوسو طلبہ کے ٹھہرنے کا انتظام ہے، یہ دو منزلہ خوب صورت مدرسہ روسی انقلاب کے ہاتھوں سے بچا رہا۔

اس وقت پورے ازبکستان میں صرف دو مدرسے ہیں: ایک مدرسہ میر عرب اور دوسرا مدرسہ گوگل داس جو ہم نے تاشقند میں دیکھا تھا، باقی پورے ملک میں کہیں دینی تعلیم کا نظام نہیں رہا۔

منگل کا روز بخارا شہر میں

ہم نے رات کو عشا کی نماز ہوٹل ہی میں ادا کی اور صبح صبح اکابرین حضرات

امام بخاریؒ کی مسجد میں نماز پڑھنے گئے تو سخت حیرت ہوئی کہ فجر کی نماز کا وقت ہونے کے باوجود مسجد شریف میں نہ آدم، نہ آدم زاد۔ یہ حضرات مسجد میں گھومے پھرے، اس اثنا میں اسی ملک کے ایک دور ودراز علاقے کے تین افراد اور آگئے وہ بھی با جماعت نماز کی طلب کی نیت سے مسجد میں آئے تھے۔

کسی زمانے میں ہزاروں مسلمانوں کی حاضری دیکھنے والے یہ منبر ومحراب، جس کے نمازیوں میں علما، طلبہ، صلحا، مشائخ اور اولیا شامل ہوا کرتے تھے، آج فجر کی اذان کو ترس رہے تھے، اسی صورتِ حال کو دیکھ کر شاعرِ مشرق علامہ اقبال کا وہ تاریخی جملہ دل ودماغ میں گھومنے لگا، جس کو حکیم احمد شجاع نے اپنی کتاب ''خون بہا'' میں یوں نقل کیا ہے، علامہ لکھتے ہیں:

مکاتب ومدارس کی اہمیت

ان مکتبوں کو اسی حال میں رہنے دو، غریب مسلمان کے بچوں کو اِن ہی مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ مُلّا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں، اگر برِصغیر کے مسلمان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا، جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا وہاں اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔ (بحوالہ ماہنامہ الرشید لاہور، دارالعلوم دیو بند نمبر)

اللہ تعالیٰ حفاظت فرماوے، آمین۔

اللہ تعالیٰ کا فضل اور مولانا رحمت اللہ صاحب کی کرامت

فجر کی نماز میں ایک عجیب کرامت سامنے آئی، ہم لوگ راستے میں تذکرہ کر رہے تھے۔ مولانا رحمت اللہ صاحب سے عرض کیا کہ: آپ کا ''النور'' رسالہ پوری دنیا میں جاتا ہے، اس ملک میں کہیں آتا ہے؟

انھوں نے بانڈی پورہ فون کیا اور پوچھا کہ: اپنا النور رسالہ ازبکستان میں کہیں آتا ہے؟

بتایا گیا کہ: ازبکستان میں ایک صاحب پر یہ رسالہ جاتا ہے۔

انھوں نے بانڈی پورہ النور کے دفتر سے ٹیکس میسج کے ذریعہ اس خریدار کا پتہ منگوایا، فون نمبر تو نہ مل سکا، اتفاق کی بات کہ وہ رسالہ مرغینان جاتا تھا، جہاں صاحبِ ہدایہ رہا کرتے تھے؛ لیکن فون نمبر نہ ہونے کی وجہ سے مسئلہ یہ تھا کہ اب کیسے اس آدمی کو تلاش کیا جائے۔

جامع امام بخاری

یہ حضرات جامع امام بخاری میں فجر کی نماز پڑھنے گئے، امام بخاریؒ جس مسجد میں درس دیتے تھے، وہ مسجد اس وقت اتنی عالیشان اور وسیع ہے کہ تقریباً بیس ہزار آدمی بیک وقت اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن اس وقت مسجد کے حی علی الصلوۃ والے ایک چھوٹے سے حصے میں نماز ہوتی ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ

فجر کی نماز میں صرف یہ زائرین مصلی تھے، باقی پوری مسجد نمازیوں سے خالی تھی۔

ان اکابر کے علاوہ تین مصلی اور بھی تھے، ان میں ایک النور رسالے کے خریدار جو مرغینان کے رہنے والے ہیں- مرغینان وہاں سے بہت دور ہے- وہ بھی وہیں اس مسجد میں نماز کے لیے موجود تھے، نماز کے بعد گفتگو سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہی النور رسالے کے خریدار ہے، وہ کسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت الاستاذ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم عالیہ کے پاس ترمذی شریف پڑھنے آئے تھے، حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈوران صاحب کو اوران کے دو مقامی رفیقوں کو اپنے ساتھ ہوٹل پر لائے، ان کے ساتھ امام صاحب بھی آگئے اور کافی دیر تک وہاں کے حالات کے متعلق بات چیت ہوئی، ان کے ذریعہ بہت ساری خفیہ معلومات حاصل ہوئیں، ساتھ میں ناشتہ ہوا، وہ حضرات وہاں کی خاص چیزیں لے آئے، جانبین سے " تھادوا تحابوا "والی حدیث شریف پر عمل کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر ہوٹل سے نکلتے وقت مشورہ ہوا کہ کون کونسی تاریخی جگہوں کی زیارت کے لیے جانا ہے، اسی مشورے کے بعد حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم اور مولانا رحمت اللہ صاحب زیدلطفہ اور بندہ محمود غفرلہ ہم تین حضرات امام بخاریؒ کی مسجد کو دیکھنے کے لیے گئے۔

مسجد کے درمیان میں ایک چبوترہ ہے، بتایا گیا کہ اس چبوترے کے نیچے کنواں ہے، جب چنگیز خان کے زمانے میں حملے ہوئے اور اس مسجد میں سینکڑوں لوگوں کو

شہید کیا گیا تو ان تمام شہدا کو اس کنویں میں ڈالا گیا اور اس پر چبوترہ بنا دیا گیا۔

جامع امام بخاری میں درسِ بخاری

وہ چبوترہ اس مسجد جامع امام بخاریؒ کے صحن میں واقع ہے، ہم اس چبوترے کے اوٹے پر بیٹھے، مولانا رحمت اللہ صاحب نے حضرت سے درخواست کی کہ یہاں بیٹھ کر درس ہو جائے تو تبرک حاصل ہو جائے، تو فوراً حضرت نے بخاری شریف کی پہلی حدیث تلاوت فرمائی اور حدیث شریف کی سند پڑھی اور پرسوز دعا کروائی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس جگہ جہاں بیٹھ کر امام بخاریؒ نے نہ جانے کتنے انسانوں کو صحیح بخاری کا درس دیا ہوگا، آج اس جگہ بیٹھ کر بخاری کی پہلی حدیث، سند اور دعا کی ہم کو سعادت حاصل ہوئی۔

مسجد سے واپسی پر ہوٹل آکر ہم سب ساتھی تیار ہوئے اور گاڑی میں بیٹھ گئے، اس وقت میں نے عرض کیا کہ: میں نے سنا ہے کہ بخارا کے باہر حضرت کعبِ احبارؒ کا مزار ہے؛ لہذا ان کے مزار کی زیارت کے لیے بھی چلیں گے، شہر سے باہر کافی دور ایک بنجر و ویران جگہ پر ہم پہنچے، وہاں کعب احبارؒ کا مزار ہونا بتلایا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ رمزی ہو، اس کی زیارت کے بعد ہم شہر بخارا واپس آئے۔

قصرِ عارفاں میں

پرانے زمانے کا یہ بڑا وسیع وعریض احاطہ ہے جس میں بہت سارے اولیا، علما مدفون ہیں۔ عالیشان مسجد، خانقاہ، مدرسہ اور قیام گاہ قدیم طرز سے بنی ہوئی ہیں،

ان تمام عمارتوں میں بہت ہی مضبوط اور اعلیٰ قسم کی لکڑی استعمال ہوئی ہے اور صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان عمارتوں میں شکستگی اور ویرانگی معلوم نہیں ہوتی، بہت ہی خوب صورت نقش ونگار ہیں اور ایک ہی درخت کی اونچی طویل مضبوط لکڑیوں کے بنے ہوئے ستون ہیں، یہ پورا احاطہ ظاہری اور باطنی دونوں حسن سے معمور معلوم ہوتا ہے، اسی احاطے میں ایک طرف خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ کا مزار ہے۔

شیخ بہاؤالدین نقشبندیؒ

قصرِ عارفاں کے اسی احاطے میں حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبندیؒ کا مزار ہے، جو سلسلۂ نقشبندیہ کے بانیوں میں شمار کیے جاتے ہیں، ان کے مزار پر حاضری ہوئی، مولانا رحمت اللہ صاحب نے بتلایا کہ: ان کے خاندان کے ایک آدمی ڈاکٹر عاشق نقشبندی سری نگر کشمیر میں رہتے ہیں۔

حضرت شاہ بہاؤالدین نقشبندیؒ کے اوراد واذکار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ–والد شاہ ولی اللہ صاحبؒ– نے فارسی زبان میں جمع کیے ہیں، اس کا اردو ترجمہ بھی ہوا ہے۔

حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبندیؒ کی کرامت

حضرت خواجہ بہاؤالدینؒ کی ایک کرامت بتلائی جاتی ہے کہ وہ ایک مرتبہ حج کے سفر میں تشریف لے گئے تو ریگستان میں وہ کسی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے، رات خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے حضرت خواجہ بہاؤ الدینؒ کو ایک لکڑی عنایت فرمائی۔

صبح جب وہ بیدار ہوئے تو واقعۃً ان کے سامنے وہ لکڑی رکھی تھی، وہ لکڑی خواجہ صاحب لے آئے اور اس کو اپنی خانقاہ کے پاس لگا دی، بعد میں وہ لکڑی ہرا بھرا شہتوت کا درخت بن گئی اور صدیوں تک وہ درخت سلامت رہا۔

اِس وقت درخت کا تنہ وہاں موجود ہے، لوگ آتے ہیں اور حسبِ عادت اس میں سے لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے وغیرہ توڑ کر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی خانقاہ کے علاقے کو ''قصرِ عارفاں'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان کے مزار کی زیارت کے بعد ہم لوگ آگے بڑھے۔

فتاویٰ قاضی خان کے مؤلف

ہم یہاں سے نکل کر قاضی خانؒ کے مزار کے لیے روانہ ہوئے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''فتاوی قاضی خان'' کے مؤلف، جن کا نام حسن بن منصور اوزجندیؒ ہے، ۵۹۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

قاضی خانؒ کے مزار پر

بتایا گیا کہ: یہاں بخارا میں ایک جگہ ہے جس کو ''چار مینار علاقہ'' کہا جاتا ہے، وہاں قاضی خان کا مزار ہے۔ ہم ان کے مزار پر پہنچے، یہاں پر وہی حال، نہ کوئی زیارت کرنے والا، نہ کوئی سیاح، نہ کوئی آنے جانے والے بالکل سناٹا۔

ایک محلے کے بیچ میں قاضی خان کا مزار ہے۔ وہاں بیٹھے، ایصالِ ثواب کیا اور پھر ہم وہاں سے نکل آئے۔

مساجد و مدارس کا شہر

بخارا کے متعلق ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس شہر میں کسی زمانے میں ایک سو تیس (۱۳۰) مدارس تھے؛ لیکن ان تمام مدارس کو کمیونسٹوں کی حکومت آنے کے بعد اسکول (school) میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور آج بھی وہ اسکول اور یونیورسٹیوں کی حالت میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ ازبکستان کے مسلمانوں کو توفیق عنایت فرمائیں کہ وہ ان اسکولوں کو دوبارہ مدرسوں میں تبدیل کریں؛ تاکہ ایک بار پھر یہاں سے ”قال اللہ، قال الرسول“ کی صدائیں گونجے۔

اور بخارا شہر میں آج بھی تین سو (۳۰۰) مساجد ہیں؛ اسی لیے اس کو مساجد و مدارس کا شہر کہا جاتا ہے۔

امام ابو حفص کبیرؒ کے مزار پر

امام حسن بن منصور قاضی خانؒ کے مزار کی زیارت کے بعد ہم آگے ایک بہت بڑے قبرستان میں گئے، اس میں سینکڑوں علما اور مشائخین کے مزار ہیں، خاص طور پر جو چیز اس قبرستان میں کشش کی تھی وہ امام ابو حفص کبیرؒ کا مزار تھا، جو امام محمدؒ کے شاگردوں میں سے ہیں اور حضرت دامت برکاتہم نے تاریخ کے اعتبار سے مجھے یہ بتایا کہ بخارا اور اس علاقے کے یہ سب سے پہلے عالمِ دین ہیں، جن کی برکت سے اس علاقے میں علمِ دین کی نشر و اشاعت ہوئی۔ یہ امام بخاریؒ کے استاذ بھی ہیں، ان کے مزار پر ہم پہنچے۔

دو گنبد والی مسجد

وہاں پر ایک عجیب مسجد دیکھی، جس مسجد پر دو حصوں میں گنبد بنایا گیا تھا، آدھا گنبد نیچا اور آدھا گنبد اونچا ہے، ایک ہی گنبد کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اونچا نیچا بنایا گیا ہے، یہ ایک عجیب فنِ تعمیر کا نمونہ دیکھا۔

مسجد نہایت خوب صورت ہے، اس کے ارد گرد چمن بھی بہت ہی پر کیف ہے، مسجد میں ہندوستان کی Ajanta کمپنی کی بنی ہوئی گھڑی لگی ہوئی تھی۔

وہاں کے جو امام صاحب تھے ان کے ساتھ بھی بہت ساری بات چیت اور گفتگو ہوئی، اس گفتگو کے دوران ہم نے ان سے بھی قرآنِ مجید کی تعلیم اور مکتب کے سلسلے میں بات کی تو وہ اخیر میں کہنے لگے کہ: ''سوال کو سوال ہی رہنے دو، بہت سے سوالوں کے جواب ہم سے طلب مت کرو، اس ملک کے حالات کچھ ایسے ہیں کہ ہم بہت سے سوالوں کے جواب آپ کو نہیں دے سکتے، یہاں کون آدمی جاسوس ہو، کہہ نہیں سکتے؟ اور اس سلسلے کی گفتگو بند ہی کر دو۔

امام صاحب بہت اکرام کے ساتھ پیش آئے، ہماری گاڑی تک ہم کو رخصت کرنے آئے اور ہم گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔

سمرقند کی طرف روانگی

چوں کہ بخارا سے آگے ہمارا سفر سمرقند کا تھا، مشورہ ہوا کہ کیسے جانا ہے؟ یہ منگل کا دن تھا اور ہم لوگ آگے سمرقند کے لیے روانہ ہونے والے تھے،

پہلے یہ طے ہوا کہ ٹرین سے جائیں؛ لیکن پھر میں نے آہستہ سے کہا کہ: ٹرین سے جانے میں ایک دو اہم زیارت چھوٹ جائے گی؛ اس لیے کہ ٹرین بخارا سے سیدھا سمرقند پہنچا دیتی ہے، کار سے جانے ہی میں فائدہ ہے، الحمدللہ! یہی طے ہوا اور ہم لوگ شام کے وقت بخارا سے سمرقند کے لیے روانہ ہوئے۔

خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے شہر میں

بخارا سے تقریباً ہم لوگ پچاس (۵۰) کلومیٹر آگے چلے تو سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک اور بزرگ خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے شہر ''غجدوان'' میں پہنچے اور ان کی خانقاہ پر حاضری ہوئی، ان کی خانقاہ، مزار، مسجد اور مدرسے کا ایک بہت بڑا وسیع احاطہ ہے۔ خواجہ عبدالخالقؒ حضرت امام مالکؒ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

خواجۂ جہاں یعنی حضرت خواجہ عبدالخالقؒ

حضرت مولانا ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم نے حضرت خواجہ عبدالخالقؒ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

حضرت خواجہ عبدالخالقؒ سلسلۂ نقشبندیہ کے بڑے نمایاں بزرگوں میں سے گزرے ہیں، آپ حضرت امام مالکؒ کی اولاد میں سے تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ لوگ ''خواجۂ جہاں'' کے لقب سے پکارتے تھے۔ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک سبق تلقین فرمایا تھا، جو سلسلۂ نقشبندیہ کا مکھن کہلاتا ہے اور اس کا نام ''تہلیلِ خفی''، یعنی حبسِ دم کا ذکر ہے، آپ کے شش کلمات سلسلۂ نقشبندیہ کی

بنیاد بنے ہیں:

خلوت در انجمن	سفر در وطن
نظر بر قدم	ہوش در دم

وغیرہ اصطلاحات آپ نے جاری کیں۔ (لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند: ۱۰۸)

بھائی عبد الرحمٰن کی طرف سے بھائی منصور جو اس علاقے کے مقامات کے ہمارے رہبر تھے، وہ بھی نقشبندیہ سلسلے سے جڑے ہوئے ہیں، ان سے مزید ایک جملہ یہ بھی سنا:

دست بہ کار، دل بہ یار

یعنی کوئی بھی کام میں ہو ہمارا دل یار (اللہ تعالیٰ) کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، وہاں ایصالِ ثواب اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد ہم پھر گاڑی میں سوار ہوئے۔

خواجہ بایزید بسطامیؒ

غجدوان سے صرف پانچ کلومیٹر آگے چلے کہ ایک قبرستان سے ہمارا گزر ہوا، ایک ٹیلے پر قبرستان میں خواجہ بایزید بسطامیؒ کے مزار پر پہنچے، وہاں ایصالِ ثواب، دعائے مغفرت سے فارغ ہوئے۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ سلسلۂ نقشبندیہ کے عظیم المرتبت بزرگوں میں سے تھے، ان کے متعلق جنید بغدادیؒ نے فرمایا:

”بایزیدؒ کا مقام اولیاء اللہ میں ایسا ہے جیسے کہ جبرئیل علیہ السلام کا مقام ملائکہ میں“

بخارا سے سمرقند جاتے ہوئے ایک جگہ ”کارن پٹہ“ کہلاتی ہے، یہاں پر

ایک شہر آباد ہے، اس شہر کے بڑے قبرستان کے ایک ٹیلے پر حضرت خواجہ صاحبؒ کا مزار پرانوار واقع ہے، وہاں فیضان کی بارش ہو رہی تھی:

تم جس پہ رو رہے ہو وہ کس کا مزار ہے!	شمعِ مزار ہے، نہ کوئی سوگوار ہے

وہاں بھی عورتوں کی بھیڑ تھی، دو چھوٹے چھوٹے معصوم لڑکے اور لڑکیاں ہم نے ان کو قریب کرنے کی کوشش کی اور ہم نے ان کو کلمۂ طیبہ پڑھانے کی کوشش کی، میں بہت دکھ سے کہوں گا کہ ”اس پورے سفر میں جتنے مسلمان بچے اور بچیوں سے ملاقات ہوئی، ان میں سے نویں (۹۰) فیصد بچے اور بچیوں کو کلمہ پڑھنا نہیں آتا تھا“ جب ہم ان کو کلمہ پڑھانے کی کوشش کرتے تو بہت مشکل سے وہ ”لا اله الا الله“ پڑھ پاتے تھے؛ لیکن ” محمد رسول الله “والا جز تو پڑھ ہی نہیں پاتے تھے، بڑی مشکل سے بعضوں کو پورا کلمہ یاد ہوا۔

سمرقند شہر میں حاضری

پھر حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار سے نکل کر ہم گاڑی میں سوار ہو کر آگے سمرقند کے لیے روانہ ہو گئے، منگل کی رات دیر گئے ہم سمرقند پہنچے، وہاں جا کر ہم لوگ سو گئے، جب صبح ہوئی تو یہ بدھ کا دن تھا، سمرقند میں آج سب سے پہلے سب سے بڑا اشتیاق کا کام یہ تھا کہ ہمیں امام بخاریؒ کے مزار پر حاضری دینی ہے، یہ آج سب سے زیادہ طلب اور تڑپ کی چیز تھی۔

حضرت مفتی صاحب کا عجیب خواب

صبح ناشتے کے لیے ہوٹل کے تہہ خانے میں انتظام تھا، ناشتے کے دسترخوان

پر حضرت مولانا ابراہیم صاحب، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب، حضرت مولانا محمود صاحب کھیراں والے یہ سب حضرات تشریف فرما تھے اور مختلف تاریخی علمی موضوعات پر بات چل رہی تھی، بھائی عابد دنگمار صاحب اور محمود کو اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کی خدمت کا موقع حاصل ہوا، اسی دوران حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے اپنا ایک عجیب خواب بیان فرمایا، تمام حضرات ہمہ تن متوجہ ہو کر سننے لگے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا: یہ خواب میں نے آج سے چالیس (۴۰) سال پہلے دیکھا تھا؛ لیکن کسی کو نہیں بتلایا۔

خواب یہ تھا کہ: میں نے دیکھا کہ علمائے کرام کی ایک جماعت جس میں مولانا قمرالدین اور مولانا شمس الدین ہیں، سب کے ساتھ میں بخارا و سمرقند کا سفر کر رہا ہوں، الحمد للہ! آج چالیس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ خواب پورا فرمایا۔

اور یہ شمش الدین اور قمرالدین دو نام لغوی معنی میں ہیں۔

اللہ کے ایک ولی کے خواب کی تعبیر والے سفر میں میرے جیسے سیاہ کار کی شمولیت یہ باری تعالیٰ کا محض فضل ہے۔

ساتھ میں حضرت یوسف علیہ السلام والی بات یاد آگئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں جو خواب دیکھا تھا، جس کا تذکرہ خود باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ. (یوسف: ۴)

ترجمہ: (وہ واقعہ سنو) جب کہ یوسف (علیہ السلام) نے اپنے ابا سے کہا کہ:

اے میرے ابا! یقیناً میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند کو دیکھا کہ وہ میرے سامنے سجدہ کر رہے تھے۔

اس خواب کے متعلق بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ: وہ خواب بھی چالیس سال کے بعد پورا ہوا تھا۔

امام بخاریؒ کے مزار پر

ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد امام بخاریؒ کے مزار پر ''خرتنگ'' جانے کے لیے سوار ہوئے، خرتنگ کسی زمانے میں سمرقند سے باہر رہا ہوگا، اب تو سمرقند شہر اتنا وسیع ہوگیا ہے کہ خرتنگ خود سمرقند شہر میں آ گیا ہے۔

خرتنگ کی تحقیق

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

''خر'' کے معنی ہیں: گدھا اور ''تنگ'' کے معنی ہے: کمی۔ یہ سمرقند سے دس میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور آباد ہے، وہیں امام بخاریؒ کا مزار ہے، مزار کے ساتھ ایک خوب صورت مسجد بھی ہے، میں نے اس مسجد میں نماز پڑھی ہے۔

کہتے ہیں: حضرت الامامؒ کی وفات سن کر اتنی بڑی تعداد میں لوگ وہاں پہنچے کہ سواری کے گدھے کم پڑ گئے، اس وجہ سے اس گاؤں کا نام خرتنگ پڑ گیا یا اور کسی بڑے آدمی کی وجہ سے یہ صورت پیش آئی ہوگی؛ اس لیے یہ نام مشہور ہوگیا۔ (تحفۃ القاری: ۱/۴۰)

ہم لوگ روانہ ہوئے، ایک عجیب شوق تھا اور امیدوں اور آرزؤں کے خواب میں ہم مشغول تھے کہ امام بخاریؒ کے مزار کی جانب ہم بڑھ رہے ہیں۔

جب ہم امام بخاریؒ کے مزار والی جگہ پر پہنچے، بخاری پڑھنے والے جانتے ہوں گے کہ امام بخاریؒ پر جب ''خلقِ قرآن'' کے مسئلے میں آزمائش کا دور آیا اور بخارا والوں نے آپ کو نکالا، سمرقند والوں نے آپ کو آنے سے روکا، آپ پر پابندی لگادی تو آپ خرتنگ میں اپنی خالہ جان کے یہاں پہنچے اور وہیں زندگی کے آخری ایام گزارے اور یہیں آپ کا انتقال ہوا، غریب الوطنی میں آبائی وطن سے دور آپ نے شہادت کی وفات پائی۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

مَنْ مَاتَ غَرِیْباً اَوْ غَرِیْقًا مَاتَ شَھِیْداً. (حلیة الأولیاء)

یعنی جس کا انتقال اپنے وطن کے علاوہ دوسری جگہ ہوجائے یا پانی میں ڈوب کر مرجائے وہ شہید ہے۔

ہم وہاں پہنچے، ایک بہت بڑا وسیع احاطہ! ہمارے جامعہ کے احاطے سے بھی بڑا احاطہ، بہت خوب صورت بنا ہوا؛ لیکن یہ دیکھ کر بہت ہی افسوس ہوا کہ امام بخاریؒ جیسے امامِ عالی مقام محدث کا مزار جس احاطے میں واقع ہے، آج اس کو تفریح گاہ بنادیا گیا ہے، سینکڑوں عورتیں اور مرد، کپڑے بھی ان کے ایسے کہ میں اس کو بیان نہیں کر سکتا، جیسے یورپ کی کوئی تفریح گاہ ہو اس انداز میں لوگ گھوم پھر رہے تھے، بلا مبالغہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس بابرکت جگہ پر ایسی حرکتیں کررہے تھے، جو دینِ اسلام

سے دور، حیا وشرم سے خالی، بالکل عیاشانہ انداز، اس کو دیکھ کر بہت ہی دکھ ہوا۔

ہم آہستہ آہستہ اندر داخل ہوئے، دروازے کی دونوں جانب بہترین ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کی نہریں چل رہی ہیں، خوب صورت درخت، بیلوں کے طویل سلسلے کی وجہ سے بڑا ہی خوب صورت اور پر کیف منظر ہے، ہم دھیمے دھیمے داخل ہوئے، سامنے ایک احاطہ آیا، وہاں سے امام بخاریؒ کا مزار نظر آنے لگا۔

پہلا احاطہ پورا ہوا، پھر دوسرے احاطے میں داخل ہوئے، یہ مزار کے چاروں طرف احاطہ ہے، ہم اس میں داخل ہوئے، اس میں ایک طرف مسجد ہے، ہم سب سے پہلے امام بخاریؒ کے مزار پر پہنچے، اس مزار پر گنبد ہے اور اس گنبد کے نیچے زمین سے تھوڑی اونچائی پر امام بخاریؒ کا مزار بنا ہوا ہے۔

یہاں پر لوگ آتے ہیں، یہاں ایصالِ ثواب کا نیا طریقہ دیکھنے کو ملا، پورے ازبکستان میں ایصالِ ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ وہاں جو مجاور ہوتے ہیں وہ آیت پڑھتے ہیں اور دعا ہوتی ہے، یہاں پر جو دو مجاور تھے وہ صحیح بخاری کی پہلی اور آخری حدیث کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کا ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور دعا کی جاتی ہے، عورتوں اور مردوں کی بھیڑ آتی ہوئی نظر آئی، ہم ایک طرف ہو کر چھاؤں میں بیٹھ گئے۔

ہم کو پتہ چلا کہ یہ جو مزار نظر آرہا ہے وہ تو بس نظیر ہے، اصل مزار تو تہہ خانے میں ہے اور یہ چیز دوسری جگہوں پر بھی دیکھنے کو ملی، جیسے آگرہ شہر میں تاج محل دیکھنے کے لیے لوگ آتے جاتے ہیں، وہاں مزار اوپر بتایا جاتا ہے؛ حالاں کہ کافی نیچے گہرائی میں جب سیڑھیوں سے اتر کر جاتے ہیں، وہاں اصلی مزار ہے، اسی طرح برما کے

رنگون شہر میں بہادر شاہ ظفر کے مزار پر حاضری ہوئی تو وہاں بھی اسی طرح کا ہے، اوپر کی طرف نمائشی مزار ہے اور نیچے تہہ خانے میں اصلی مزار ہے۔

الغرض! مختصر کوشش کے بعد ہم کو نیچے تہہ خانے میں جانے کی اجازت مل گئی، چابی لے کر ایک ذمے دار صاحب حاضر ہوئے، تالا کھولا اور الحمدللہ! امام بخاریؒ کا مزار جس تہہ خانے میں ہے اس میں جانے کا اللہ تعالیٰ نے ہم کو موقع عنایت فرمایا۔

ہم سیڑھیوں سے اتر کر نیچے قبر کے پاس پہنچے، جہاں یہ عظیم ہستی اس وقت آرام فرما ہیں، وہ امام جس کو ''امیر المؤمنین فی الحدیث'' کا لقب ملا، جس کے شاگرد حدیث میں سینکڑوں ہزاروں نہیں؛ بلکہ لاکھوں ہیں، جب کہ اس زمانے میں محدثین کے ہجوم میں حدیث کا اِملا کرنے والوں کی روشنائی کی دواتوں کی تعداد ہی ہزاروں میں ہوا کرتی تھی، رہتی دنیا تک کے لیے جس عظیم شخصیت نے وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جس سے آج تک علما، صلحا، ائمۂ دین، مجتہدین، محدثین، محققین، فقہا، مفسرین اور صوفیا فیض حاصل کر رہے ہیں، وہ آج یہاں اس حال میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی نورانی مخلوق ملائکہ کے جلو میں آسودۂ خواب ہیں کہ آس پاس دور دور تک ان کے کارنامے کا کوئی سلسلہ اور نام ونشان نظر نہیں آتا، نہ ہی ان باتوں کا کوئی تذکرہ کرنے والا!!!

دنیا جیسے باقی سیاحتی مراکز کو دیکھنے جاتی ہے، پلوں کو، تعمیرات کو، آثارِ قدیمہ میں مختلف انداز کی عمارتوں کو، بالکل اسی انداز میں آج یہاں آنے والے آتے ہیں، تصویر کھینچتے اور کھنچواتے ہیں، یہاں کی انتظامیہ نے طویل وعریض خوب صورت پارک اس کے آس پاس حسین وجمیل درخت اور پھول، پانی، کرسیوں اور سایوں کا انتظام کر

رکھا ہے، دور دور تک راستے اور آمد رفت کی سہولتیں بنادی ہیں، وضواور حاجتِ بشریہ کے لیے مناسب انتظام بھی ہے اور آنے والا ہجوم ان تمام چیزوں سے استفادہ بھی کر رہا ہے؛ لیکن وہ یہاں سے کیا لے کر جارہا ہے کہ یہاں کون آرام فرما ہیں؟

کوئی ان کے سامنے بیان کرنے والا نہیں، اس سلسلے کا کوئی تعارف، رسالہ پمفلٹ نہیں، نہ ہی اس مشن کے کوئی جانشین علما، طلبہ، مدرسے یا درسگاہ۔

ہاں! یہ وہی امام بخاری ہیں جن کی روایاتِ حدیث کو مالکِ کائنات نے پورے عالم میں امتیاز بخشا ہے۔

وہی امام جن کی مجلس میں جب شاگرد حاضر ہوتے ہوں گے تو کبھی سماعتِ حدیث کے لیے حاضری دیتے ہوں گے۔

کبھی قرأت علی الشیخ کے لیے۔

کتنے لوگ صرف دعا یا مصافحہ یا زیارت کے لیے حاضری دیتے ہوں گے۔

طالبانِ علومِ نبوت کا ہجوم ہر وقت پروانہ واران پر نثار ہوتا رہا ہوگا۔

لیکن آج یہ مقام تماشہ گاہِ عالم ہے اور بس۔

بس اس منظر کو میں الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں، جیسے ہی ہم امام بخاریؒ کے مزار پر پہنچے، خدائے پاک کی قسم! انوار کی بارش ہو رہی ہے اور جیسے ہی ہم داخل ہوئے سب کے دل کانپنے لگے، سب سے پہلا جملہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی زبان سے زور سے نکلا کہ ''یہ وہ عظیم انسان ہے جس کا پوری انسانیت پر احسانِ عظیم ہے''۔ ہم سب وہاں بیٹھ گئے، خادم نے دروازہ بند کر دیا۔

امام بخاریؒ کے مزار پر درسِ بخاری

وہاں حضرت دامت برکاتہم نے صحیح بخاری شریف کی تلاوت شروع کی، سب سے پہلے خطبہ کے بعد جب سند پڑھی اور سند میں اس جملے پر پہنچے:

"وبالسند المتصل منا الى الامام الهمام الحافظ الحجة أمير المؤمنين في الحديث أبي عبدالله محمد بن اسماعيل "تو سب کی رونے میں چیخیں نکل گئیں، سب دھاڑے مار مار کر رونے لگے، پھر حضرت نے بخاری شریف کی عبارت پڑھنا شروع کی، پہلی آیت اور پہلی حدیث آپ نے تلاوت کی، سب ساتھی دھاڑے مار مار کر رو رہے تھے۔

حدیث کی تلاوت کے بعد حضرت دامت برکاتہم نے پرسوز و پرکیف دعا شروع کی اور اس دعا میں سب رو رہے تھے، بہت ساری چیزیں مانگی، خاص ایک یہ بات کہی گئی: اے اللہ تعالیٰ! جس سرزمین سے پوری دنیا کو علوم اور معرفت کی دولت نصیب ہوئی، آج یہ سرزمین علم وہدایت ومعرفت کی پیاسی ہے۔

اے اللہ! پھر یہاں یہ دن دکھا دیجیے کہ مدارس، مساجد، خانقاہیں آباد ہو جائیں اور قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں پھر سے یہاں گونجنے لگے۔

ہم کو جتنا وقت اندر رہنے کی اجازت ملی تھی وہ وقت ختم ہو گیا، ہم باہر آئے اور پھر سے تالا لگ گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے مزار پر حاضری یہ اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کی کرامت تھی، ورنہ ہر کسی کے لیے وہ دروازہ کھلتا نہیں ہے، الحمدللہ! ہمارے

لیے دروازہ بھی کھل گیا اور بخاری شریف کی تلاوت بھی ہوئی اور دعا بھی ہوئی، ہم دیر تک امام بخاریؒ کے مزار کے سامنے باہر والی جانب کرسی پر بیٹھ کر ذکر و تلاوت کرتے رہے۔

امام بخاریؒ کے مزار کے احاطے کی مسجد میں

پھر مزار کے قریب ایک بڑی مسجد ہے، وہاں حاضری ہوئی، وہاں پر مولانا رحمت اللہ صاحب نے آہستہ سے حضرت دامت برکاتہم سے درخواست کی کہ: حضرت! آپ کی جو عالی سند ہو، اس موقع پر اس سند سے ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں تو ''مسلسل بالاولیت'' والی حدیث پڑھ کر حضرت نے سب کو عالی سند سے اجازت مرحمت فرمائی۔

اور سند اس طرح بیان فرمائی: (مولانا مفتی) احمد خانپوری عن مولانا مفتی عبد الغنی کاوی عن حافظ عبدالرحمٰن امروہی (المعروف بہ بابا عبد الرحمٰن) عن الشاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی عن الشاہ عبدالعزیز الدہلوی۔

بخارا شہر میں مرغینان کے جس صاحب کی ملاقات ہوئی تھی- جو مولانا رحمت اللہ صاحب کے مقبول رسالہ ''النور'' کے قاری ہیں- وہ اور دوسرے بہت سارے حضرات ان کی وساطت سے ملاقات کے لیے آ گئے، ان حضرات نے ملاقات کی اور عرض کیا کہ: یہ مجمع اس طرح جمع ہو رہا ہے، وہ مناسب نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہاں حکومتی عملہ غیر متعارف افراد پر گہری نگاہیں رکھتا ہے۔

یوں اس مقام پر حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر نہایت شاداں وفرحاں

تھے؛ لیکن ساتھ ہی موجودہ صورتِ حال پر افسوس کناں!

مسجد میں نماز سے فارغ ہوکر ذرا ستانے بیٹھے، مسجد میں بیٹھ کر پانچ دس منٹ خیر خبر لے کر ابھی آپس میں گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ان کے کسی رفیق نے ان کو کچھ اشارہ کیا، انھوں نے بتایا کہ: اب ہمارا یہاں بیٹھ کر گفتگو کرنا مناسب نہیں، اس کی یہاں قانوناً اجازت نہیں، صرف سیاحت کے لیے یہاں آسکتے ہیں، کوئی مجلس نہیں جما سکتے؛ اس لیے فوراً اٹھ کر منتشر ہو جانا چاہیے؛ کیوں کہ آپ لوگ مسافر ہیں اور ہم لوگ مقامی؛ اس لیے احتیاط کرنی چاہیے، چنانچہ فوراً یہ مجلس برخاست ہوگئی۔

ایک نوجوان لڑکی کا واقعہ

ہم نے مسجد کے باہر ایک نوجوان لڑکی دیکھی، لگتا تھا کہ کسی کالج کی لڑکی ہوگی، ایک دم ماڈرن (Modern) انداز کی، ادھورے ناقص باریک کپڑوں میں، دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہو، اتفاقیہ نظر پڑ گئی، آپ کو حیرت ہوگی کہ ایسی لڑکی مسجد کے دروازے پر جتنی چپلیں تھیں ان کو سیدھا کر رہی تھی اور سب کو سلام کر رہی تھی۔

یہ منظر دیکھ کر خیال آیا کہ: اے اللہ تعالیٰ! ان کے دل میں اسلام کی عظمت تو کچھ نہ کچھ باقی ہے، خدا کرے کہ یہاں سیاسی، حکومتی پابندیاں ختم ہو جائے اور صحیح نہج سے محنت ہو تو ان شاء اللہ ایمانی بہار دوبارہ آسکتی ہے۔

امام صاحب کی طرف سے ضیافت

اس دوران ہمارے رہبر صاحب نے یہاں کے مفتیٔ اعظم صاحب جو اس

احاطے کے مسجد کے امام بھی تھے، ان سے ہماری ملاقات کے لیے وقت حاصل کرلیا تھا، چنانچہ ہم مفتیٔ اعظم صاحب کے دفتر میں پہنچے اس حال میں کہ وہاں سے کچھ لوگ نکل رہے تھے۔ رہبر نے بتایا کہ: یہ لوگ نکاح خوانی کے لیے آئے تھے۔

دلہن مغربی عیسائی طرز کا لباس پہنے ہوئے ہے اور ایک دو مستورات اس کے اس چوغے کو اٹھائے ہوئے تھیں۔

رہبر نے بتایا کہ: اس سے یہ نیک فال لیا جاتا ہے کہ جنھوں نے دلہن کا چوغہ اٹھایا ان لڑکیوں کا نکاح جلدی ہو جائے گا۔

مفتیٔ اعظم صاحب نے نہایت گرم جوشی سے خوش آمدید کہا، اپنی کرسی سے اٹھ کر وہ ہم سے ملے، تعارف ہوا، سلام ودعا ہوئی، روایتی قہوہ سے انھوں نے ضیافت فرمائی، گفتگو کے دوران انھوں نے یہ شعر سنا دیا کہ:

سمرقند صیقلِ روئے زمین ست	بخارا قوتِ دینِ اسلام ست

قہوہ سے فارغ ہو کر انھوں نے بہت اصرار کیا کہ ان کے ساتھ ہمارا قافلہ گروپ فوٹو بنوائے۔

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے معذرت چاہی، اس پر وہ اپنی کرسی پر تشریف لے گئے، اپنی میز سے چند فوٹو نکال کر دکھلانے لگے کہ فلاں فلاں اسلامی ملک کے ان ان علما ومشاہیر کے میرے ساتھ فوٹو ہیں، آپ کو بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے؛ لیکن ہم لوگوں نے نہایت معذرت کے ساتھ تصویر کشی سے احتراز کا موقف دہرایا، اس پر وہ اپنے مطالبے سے دست بردار ہو گئے۔

امام بخاریؒ کے مزار کے قریب میوزیم

کتابوں میں پڑھا تھا کہ وہاں ایک بڑا میوزیم (Musime) ہے، ہم اس کو دیکھنے گئے، اس میں قرآنِ مجید کے بہت سے مختلف نسخے تھے، جو دنیا کے مختلف نامور علما اور مسلمان بادشاہوں اور وزیروں نے ہدیہ کے طور پر بھیجے تھے، فلاں ملک سے یہ نسخہ آیا، فلاں ملک سے یہ نسخہ آیا۔

جب ہم یہ نسخے دیکھ رہے تھے تو ایک عجیب بات ہوئی، وہ میں آپ حضرات کو بتانا چاہتا ہوں کہ: مرد، عورت، جوان، بوڑھے، بچے سب اس کو ہاتھ لگاتے، اس کو چومتے، بوسہ لیتے، اپنی آنکھوں سے لگاتے، اس سے زیادہ کچھ نہیں کر پاتے ہیں، ان بے چاروں کو قرآن پڑھنا ہی نہیں آتا، قرآنِ مجید کی تعلیم کا کوئی ماحول نہیں، نہ کوئی مکتب، نہ کوئی مدرسہ، نہ کوئی انفرادی قرآن مجید کی تعلیم کا ماحول۔ آج اس ملک میں قرآن مجید کے نسخے بہت کم ہیں اور وہ نسخے بھی پڑھنے کے لیے نہیں، وہ صرف زیارت، دیدار، چومنے اور حصولِ برکت کے لیے رکھے جاتے ہیں۔

وہاں پر کعبۃ اللہ کے غلاف کا ایک ٹکڑا بھی ہے، جو سعودی حکومت نے اعزازاً بھیجا تھا، وہ بھی وہاں لگا ہوا ہے، وہاں ''روضۂ مبارک'' کی تصویریں بھی لگی ہوئی ہیں۔ میں آپ کو کیا بتلاؤں، ہمارے یہاں گھر گھر میں گنبدِ خضرا کی تصویریں ہوتی ہیں، مواجہہ شریف کی تصویریں ہوتی ہیں، ہمارے یہاں کا بچہ بچہ اس کو جانتا ہے، کہ یہ گنبد خضرا ہے، یہ مواجہہ شریف ہے، وہاں یہ چیزیں بھی نادر سمجھی جاتی ہیں۔

جہاں ''مواجہہ شریف'' اور ''جالی مبارک'' کی تصویریں تھیں، وہاں بہت

ساری ازبک عورتیں اور مرد بھیڑ لگا کر پوچھ رہے تھے: یہ کس چیز کی تصویر ہے؟

ان کو انگریزی میں بتایا گیا کہ: یہ ’’مواجہہ شریف‘‘ ہے۔

پھر وہ پوچھتے ہیں: یہ مواجہہ شریف کیا ہے؟

جب ان کو سمجھایا گیا تو وہ مارے خوشی کے فوراً اپنے موبائل میں ان کی تصویریں لینے لگے کہ یہ وہ مبارک جگہ ہے جہاں حضرت نبی کریم ﷺ آرام فرما ہیں۔

یہ بات جب آ کر میں نے حضرت دامت برکاتہم کو سنائی تو سب کو رونا آ گیا کہ یا اللہ! آج جہاں امام بخاریؒ آرام فرما ہیں، وہاں لوگوں کو گنبدِ خضرا اور مواجہہ شریف اور روضۂ مبارکہ سے بھی واقفیت نہیں ہے، لوگ اس سے بھی بے خبر ہیں، اے اللہ! آج ہمارے شعائر اپنوں میں کیسے اجنبی ہو گئے ہیں!!!

پھر ہم امام بخاریؒ کے مزار کے احاطے سے باہر نکلے کہ اب ہم کو آگے جانا تھا؛ لیکن چوں کہ یہاں کافی دیر ہو گئی تھی، تقریباً ۳ رساڑھے تین گھنٹے ہو گئے تھے اور کھانے کا تقاضا تھا؛ اس لیے سوچا کہ ایک اور زیارت کر لیتے ہیں۔

خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے مزار پر

امام بخاریؒ کے مزار سے نکل کر سمرقند شہر میں آئے، وہاں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بہت بڑے بزرگ ’’خواجہ عبید اللہ احرارؒ‘‘ کی خانقاہ اور مزار ہے (ان کا ایک عجیب واقعہ بھی ہے، جو اخیر میں حضرت دامت برکاتہم کے بیان میں آئے گا) ہم ان کے مزار پر پہنچے اور حضرتؒ کی خانقاہ والی مسجد میں ہم نے ظہر کی نماز ادا کی۔

مزار پر ایصالِ ثواب، دعائے مغفرت وغیرہ کیا، عجیب روحانی پر کیف منظر

تھا، بڑا اطمینان اور سکون کا ماحول تھا، پرانے انداز کا ایک حوض وہاں ہے، لگتا ایسا ہے کہ بہت قدیم دور سے یہ حوض چلا آ رہا ہے، یہاں مسجد بھی بالکل قدیم دور کی، مضبوط لکڑیوں کی بنی ہوئی اور خانقاہ و مدرسہ بڑے وسیع پرسکون ماحول میں واقع ہے۔

''خواجہ عبید اللہ احرارؒ'' کا ایک واقعہ

حضرت مولانا ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم نے ''خواجہ صاحب'' کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ سلسلۂ نقشبندیہ کے کبار مشائخ میں سے تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا مال و دولت اتنا عطا کیا تھا کہ آپ کے اونٹ گھوڑے سونے چاندی کی کیلوں سے باندھے جاتے تھے، مولانا جامی جب بیعت کے ارادے سے حاضر ہوئے تو محفل کی یہ شان وشوکت اور طمطراق دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے ان کے دل میں تردد پیدا ہوا، آپؒ نے فرمایا: سونے چاندی کی میخیں زمین میں گاڑنے کے لیے ہوتی ہیں، دلوں میں گاڑنے کے لیے نہیں ہوتیں۔

آپؒ فرمایا کرتے تھے: اگر میں پیری مریدی کرتا تو دنیا سے کسی پیر کو کوئی مرید نہ ملتا؛ مگر مجھے تو بلند مقصد یعنی سنت کے اِحیا کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وقت کے سلاطین بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپؒ کی قبر کے قریب میں ایک شاہی مسجد بنی ہوئی ہے۔ (لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند: ۹۱)

وہاں پر ایک کتب خانہ تھا، اس میں ازبک زبان میں ترجمہ کیا ہوا قرآن مجید تھا، ازبک اور عربی زبان کی لغات بھی وہاں پر دست یاب تھی، مولانا رحمت اللہ صاحب نے وہ خرید لی اور بندے نے بھی وہاں سے ازبک زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ لیا۔

زعفران سے لکھی ہوئی یٰس شریف

وہاں پر ایک عجیب چیز دیکھی کہ یٰس شریف ایک پتلے کاغذ پر زعفران سے لکھی ہوتی ہے، جو وہاں بہت زیادہ تعداد میں رکھی ہوئی تھی۔

میں نے پوچھا: یہ کیا چیز ہے؟

بتایا کہ: یس شریف زعفران میں لکھی جاتی ہے، لوگ اس کو خریدتے ہیں، گھر لے جاتے ہیں اور پانی میں دھو کر اس کو پیتے ہیں، اس کو بہت متبرک سمجھتے ہیں، ہم نے بھی یادگار کے طور پر کچھ عدد خرید لی۔

لکھی ہوئی یس شریف پینے کی برکت

جلالین شریف کے حاشیہ میں ایک روایت لکھی ہے: جو آدمی سورۂ یس شریف لکھ کر اس کو پی لیوے اس کے پیٹ میں ایک ہزار دوائیں (شفا) ایک ہزار نور، ایک ہزار برکتیں، ایک ہزار رحمتیں داخل ہوں گی اور ہر بیماری اور کھوٹ نکل جاوے گی۔

بخاری پلاؤ

وہاں سے فارغ ہو کر ہم شام کا کھانا کھانے کے لیے ایک ریسٹورنٹ میں پہنچے، اس دن سمرقند میں ''بخاری پلاؤ'' کی عجیب دعوت تھی کہ وہاں سمرقند میں بخاری پلاؤ کا انداز بڑا انرالا ہے، ایک بڑے طشت میں چاول پھیلائے ہوتے ہیں، چاول کو ہمارے ہندوستانی انداز کے مقابلے میں کچھ کم پکا کر قدرے کچا رکھا جاتا ہے، پھر اس پر بڑے جانور کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے اور چھوٹے جانور کے گوشت کے

چند ٹکڑے بہترین گلے ہوئے رکھ دیے جاتے ہیں، پھر آلو کی طرح کی ایک سبزی ہوتی ہے وہ خاص انداز میں کاٹ کر چاروں طرف جمائی جاتی ہے اور مختلف قسم کے ہرے پتے اور مختلف سبزیاں اس کے حسن اور لذت کو بڑھاتی ہیں، ساتھ میں خاص قسم کا دہی جس میں کھٹا پن کا نام ونشان نہیں ہوتا، اس میں بھی کچھ مسالے ملائے ہوئے ہوتے ہیں، اس کے ساتھ جو لطف کو بڑھانے والی چیز تھی، وہ یہ کہ پورے پورے ٹماٹر میں اوپر سے ذرا سا سوراخ کر کے خاص قسم کے ہرے مسالے بھر کر اس کو ابال دیا جاتا ہے اور آٹھ دس اس طرح کے ٹماٹر ایک پلیٹ میں رکھ کر پیش کیے جاتے ہیں، اس خاص مسالے کے ساتھ ابالنے کی وجہ سے اس میں سے نکلنے والا پانی اور وہ ٹماٹر دونوں ہی بہت لذیذ معلوم ہوتے ہیں، اس طرح پر تکلف دعوت سے محظوظ ہوئے۔

کھاتے وقت یہ نیت رہی کہ اللہ تعالیٰ اس غذا سے حاصل ہونے والی قوت کو اپنے دین کی خدمت میں استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے، جسم کا حق بھی ادا ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق کو بھی ہم ادا کریں۔

کھاتے کھاتے امام بخاریؒ کے تذکرے چلتے رہے، جب کھانے کے لیے ہوٹل پر پہنچے، تو دیکھا کہ وہاں انگور کے بیلوں سے چھت بنائی گئی ہے، وہاں کے ہوٹلوں میں عام طور پر استقبالیہ میں انگور کے بیلوں کی چھت ہوتی ہے اور جو کھلے ریسٹورنٹ ہوتے ہیں، جس میں پختہ چھت نہ ہو، وہاں خاص کر انگور کی بیلوں کو پھیلا کر سایہ اور چھت بنائی جاتی ہے، آپ مبالغہ سمجھیں گے؛ لیکن سچی بات یہ ہے کہ انگور کی بیل میں

پتے کم تھے اور خوشے زیادہ تھے۔

امام بخاریؒ کے مزار سے آ کر کے! اس کے نیچے بیٹھ کر ''بخاری پلاؤ''! وہ بھی صاحبِ بخاری (حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم) کی دعوت!! وہ منظر واقعۃً بڑا ہی عجیب وپُر سرور تھا۔

صاحبِ بخاری اوران کی طرف سے دعوت

بندہ نے دورۂ حدیث شریف کے سال بخاری شریف جلد اول مکمل حضرت شیخ الحدیث مولانا اکرام علی صاحب بھاگلپوریؒ سے پڑھی اور جلد ثانی مکمل مشفقی حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اسی سال ۱۴۳۴ھ میں پھر تدریس کے ساتھ بخاری شریف (جلدِ اول از شروع تا جز ۱۰/ختم ص:۳۷۶، اور جلد ثانی از کتاب المغازی تا کتاب فضائل القرآن) شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، آج کی دعوت حضرت کی طرف سے تھی جو ہمارے لیے بڑی سعادت تھی۔

قبرستانِ محمدین

دعوت سے فارغ ہونے کے بعد مشورے سے ایک قبرستان میں جانا طے ہوا، آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ سمرقند میں ایک قبرستان ہے، جس کے تذکرے ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں ''قبرستانِ محمدین'' اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں اس دور کے ''محمد'' نام کے محدثین، مفسرین علما کو دفن کیا جاتا تھا۔

اس قبرستان میں دفن ہونے کے لیے دو شرطیں تھیں:

(۱) ان کا نام محمد ہونا چاہیے۔

(۲) وہ اپنے زمانے کے مشہور محدث، مفسر اور فقیہ ہونے چاہیے۔

اس شرط کی وجہ سے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کے مؤلف علامہ برہان الدین مرغینانیؒ تک کو اس قبرستان میں جگہ نہ مل سکی اور ان کو قبرستان سے باہر ایک جگہ دفن کیا گیا ہے، اس قبرستان میں تحقیق کی تو بتایا گیا کہ تقریباً چار سو (۴۰۰) محمد نام کے مشہور علما کو دفن کیا گیا ہے، ہم کو وہاں جانا تھا، جب وہاں جا کر دریافت کیا تو بتایا کہ: اب وہ قبرستان نہیں ہے۔

آپ کو حیرت ہوگی کہ جب ہم اس قبرستان کے علاقے میں گئے، اس کا نام ہے ''چکاردیزا'' تو وہاں جا کر پتہ چلا کہ کمیونسٹوں کی حکومت آنے کے بعد ان ظالموں نے اس قبرستان پر بل ڈوزر چلا دیا اور ان تمام محدثین کی قبروں کو مٹا کر ختم کر دیا۔

بعض محدثین کی قبروں پر مسلمانوں نے چالاکی کر کے اپنے مکان بنا دیے اور مکان کے کمروں میں چند قبریں باقی بچ گئیں، ورنہ پورے قبرستان کو کمیونسٹوں نے مٹا کر ختم کر دیا۔

امام ماتریدیؒ کے مزار پر

امام ابومنصور ماتریدیؒ عقائد کے مشہور امام ہیں، ان کی پیدائش کی تاریخ تو معلوم نہ ہوسکی، البتہ ان کی وفات سن ۳۳۳ھ ہجری میں ہوئی ہے، یہ علمِ عقائد کے بڑے امام مانے گئے ہیں، ان کا مزار رحمہ اللہ! وہاں سلامت ہے، جس پر اس وقت

گنبد اور چاروں طرف بہترین باغیچہ بنا ہوا ہے، ہمیں نماز بھی پڑھنی تھی؛ لہٰذا جب ہم وضو کرنے کے لیے پہنچے تو بلا مبالغہ برف پگھلا کر جو پانی نکالتے ہیں، اتنا ٹھنڈا پانی وہاں پر تھا، اس ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے ہم نے وضو کیا اور ہم نے وہاں عصر کی نماز باجماعت ادا کی۔

امام ابومنصورؒ کی قبر کے اردگرد بہت سارے پتھر رکھے ہوئے تھے، تقریباً ۲۴ یا ۲۶ کے قریب پتھر رکھے ہوئے تھے اور ان پتھروں پر تاریخِ پیدائش اور وفات کے ساتھ اکابر علما کے نام لکھے ہوئے تھے، بتایا گیا کہ کمیونسٹوں نے جب اس قبرستان کو ختم کیا تو قبروں پر جو پتھر لگے ہوئے تھے، ان میں سے کچھ پتھر بعد میں لوگوں کو مل گئے، وہ پتھر لوگ اٹھا لائے اور امام ابومنصور ماتریدیؒ کی قبر کے اردگرد رکھ دیے۔

کہتے ہیں کہ: امام ابومنصورؒ کے مزار کو بھی کسی مسلمان نے اپنا وہاں مکان بنا کر محفوظ کر لیا تھا۔

حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کے مزار پر

پھر وہاں سے فارغ ہو کر ہم آگے کے مزار کے لیے نکلے ”شاہ زندہ“۔

یہ شاہ زندہ کون ہے؟

یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور مفسر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، ۴۵ھ میں ان کی شہادت ہوئی ہے، یہ وہ مقدس انسان ہے جو اس علاقے میں سب سے پہلے اسلام کی دعوت لے کر تشریف لائے، ان کی برکت سے اس پورے علاقے میں ایمان واسلام کی بنیاد پڑی،

عید کے دن وہ نماز پڑھ رہے تھے اور دورانِ نماز کافروں نے شہید کر دیا تھا؛ اس لیے وہاں ''شاہ زندہ'' کے نام سے ان کو پہچانا جاتا ہے، ان کا مزار ایک اونچے ٹیلے پر ہے، ہم حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کے مزار والے ٹیلے پر آہستہ آہستہ چڑھ کر گئے، مجھے بہت فکر تھی کہ حضرت دامت برکاتہم کیسے اوپر آئیں گے؟ لیکن الحمد للہ! حضرت دامت برکاتہم بھی آہستہ آہستہ اوپر تشریف لے آئے، خاندانِ رسالت کی نسبت کی برکات اور حضرت کے قلب میں عشقِ نبوی کہ اس قدر ضعف اور بڑھاپے کے باوجود آہستہ آہستہ تشریف لے آئے۔

حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں شریک تھے اور سب سے آخر میں قبر مبارک سے نکلنے والے بھی یہی تھے۔

دروازے کی ایک جانب ایک بڑے پتھر پر آپ کا نام کندہ تھا اور ساتھ ہی یہ حدیث بھی لکھی ہوئی تھی:

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أشبه الناس بي خلقا وخلقا.

(حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاق میں اور شکل وصورت میں سب سے زیادہ مشابہ تھے)

آپ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر جب پہنچے تو انوارات کا عالم کچھ اور ہی تھا، قبر پر لکھا ہوا تھا:

لا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا.(آل عمران: ١٦٩)

(آپ ہرگز مردہ شمار نہ کریں ان لوگوں کو جو قتل کر دیے گئے اللہ تعالیٰ کے

راستے میں)

یہی وہ جگہ تھی، جہاں ہمارے اکابرین: بایزید بسطامیؒ اور ابوالحسن خرقانیؒ جیسے حضرات مراقبہ کیا کرتے تھے اور قریب میں ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔

جہاں حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کا مزار ہے، وہ بھی ایک بند جگہ ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کی برکت سے چابی آگئی اور وہ کمرہ بھی کھل گیا، ہم کمرے میں داخل ہوئے، وہاں ہزاروں انسان تفریح کے لیے، زیارت کے لیے آتے ہیں؛ لیکن وہ کمرہ نہیں کھلتا ہے۔

ہم مزار کے اندرونی حصہ میں بیٹھے، ایصالِ ثواب کیا، پھر میں نے آہستہ سے مولانا رحمت اللہ صاحب سے درخواست کی کہ: حضرت! اس جگہ آپ دعا کروا دیجیے تو مولانا نے دعا کروائی اور ہم وہاں سے باہر نکلے۔

ان کا مزار تقریباً دس منزل کی اونچائی پر بنا ہوا ہے اور وہاں تیموری خاندان اور دوسرے علما اور مشائخین کے مزار ہیں۔

وہاں سے جب نیچے اترے تو دیکھا کہ وہاں پرانے انداز کے بیت الخلا، غسل خانے، پرانے مٹکوں وغیرہ کی یادگار باقی ہے، پانی گرم کرنے کا پرانے زمانے میں جو طریقہ تھا وہ بھی وہاں موجود ہے۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مجھ سے مسکراتے ہوئے فرمانے لگے کہ: ہدایہ پڑھانے والے حضرات ہدایہ کی عبارت سے اس کو تطبیق دیں، یہ پرانے زمانے کے مٹکے وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ یہ بھی وہ مبارک انسان ہیں، جن کی برکت سے اس علاقے میں اسلام پہنچا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا مزار اس وقت ریگستان میں کسی جگہ واقع ہے۔

آپ نواسئہ رسول اور سیدہ رقیہؓ کے فرزندِ ارجمند تھے، آپ ابتدا میں بخارا تشریف لائے، پھر کچھ عرصے کے بعد سمرقند ہجرت کر گئے، یہاں بہت سے لوگوں نے آپ سے دینِ اسلام کی روشنی پائی، سمرقند کے مضافات میں آپ کا قیام رہا، ایک مرتبہ آپ کے گھر سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر کفار نے موقع پا کر آپ کو شہید کر دیا، آپ کی قبر مبارک آپ کے گھر ہی میں بنائی گئی، قریب ہی ایک عالیشان مسجد تعمیر کروائی گئی جس کے ارد گرد اونچی دیوار والی فصیلیں ہیں۔

تیمور لنگ

اور اسی سمرقند شہر میں تیمور لنگ کا مزار بھی ہے، امیر تیمور لنگ کی تاریخ پیدائش ۷۳۶ھ مطابق ۱۳۳۶ء ہے، امیر تیمور کو بچپن ہی سے سپاہیانہ کارناموں اور مردانہ کھیلوں کا شوق تھا، اس کو ہر جگہ کامیابی ملی، اس کا راز یہ تھا کہ وہ ایک شجاع ترین سپاہی، بلند حوصلہ انسان، مستقل مزاج، جفاکش اور مشکل پسند شخص تھا، دوسروں سے زیادہ متحرک اور باعمل تھا اور اتنی متوازن صفات و کردار کا حامل تھا کہ وقت کے تقاضے پر پورا اترتا تھا۔

مشہور مغربی محقق سر پرسی سائیکس کا تیمور کے بارے میں خیال یہ ہے کہ زمانۂ تاریخ میں کسی انسان نے اپنے زور سے ایسے کارنامے انجام نہیں دیے، کوئی دوسرا شخص اس کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا، بعض اوقات تو اس کی کامیابیاں انسانی طاقت سے بلند نظر آتی ہیں۔

تیمور کا ہم عصر مؤرخ شریف الدین اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ: شجاعت اور اولوالعزمی نے اسے چین سے لے کر یونان کی سرحدوں تک پورے ایشیا کا مالک وسرتاج اور شہنشاہ بنا دیا تھا۔

ان کی وفات ۱۷ر شعبان ۸۱۰ھ بروز چہار شنبہ رات کے وقت ہوئی تھی۔

دولت لنگڑے کے گھر آئی

ایک خطرناک لڑائی میں اس کی ٹانگ ضائع ہوگئی تھی تب سے وہ لنگڑا ہوگیا تھا اس پر حکایتِ لطیف میں ایک بہت لطیف حکایت لکھی ہے کہ:

امیر تیمور لنگ جب ہندوستان پہنچا تو اس نے گویّوں کو بلایا اور کہا: میں نے بڑے بوڑھوں سے سنا ہے کہ اس شہر میں ماہر گویے رہتے ہیں۔

یہ سن کر ایک نابینا گویّا امیر کے پاس گیا اور گانا شروع کیا، امیر بہت خوش ہوا اور اس کا نام پوچھا۔

گویے نے کہا: میرا نام ’’دولت‘‘ ہے۔

امیر نے کہا کہ: دولت بھی اندھی ہوتی ہے؟

گویے نے جواب دیا: اگر دولت اندھی نہ ہوتی تو لنگڑے کے گھر نہ آتی۔

امیر نے اس جواب کو بہت پسند کیا اور اس کو بہت انعام دیا۔

تیمور نام کی کثرت

ازبکستان کے سفر میں یہ دیکھا کہ بہت سارے بچوں کے نام تیمور ہوتے ہیں اور وہاں تیمور نام رکھنا بہت اچھا سمجھا جاتا ہے اور تیمور لنگ کا مزار بھی ہم نے باہر سے دیکھا۔

امام دارمیؒ

شام کافی ہوچکی تھی، آفتاب غروب ہونے جارہا تھا، ہم نے طے کیا تھا کہ اب یہاں کی زیارتوں میں امام دارمیؒ کی زیارت باقی رہ جاتی ہے، گاڑی والے سے بات کرکے ہم امام دارمیؒ کے مزار کی جانب آگے بڑھے، سمرقند شہر سے بالکل باہر دیہات میں امام دارمیؒ آرام فرما ہیں، جہاں تقریباً ۲۰؍کلومیٹر کا سفر طے کرکے ہم پہنچے اور آپ کے مزار کی زیارت کی۔

یہاں کتبہ پر مرقوم ہے:

امام محمد بن عبد الله بن عبد الرحمن بن مفضل بن اجرام الدارمی السمرقندی ولد ۱۸۱ھ ۷۹۸ م،هو من شيخ مسلم والبخاری والترمذی.

نیز کتاب دارمی کے بارے میں لکھا ہے:

وهومقدم عند المحققين على سنن ابن ماجه توفى ۲۵۵ھ ۸۶۹ م.

جہاں پر آپ آرام فرما ہیں وہاں ایک عجیب منظر تھا، انگور کی بیلیں، ناسپاتی اور بہت سارے پھلوں کے کھیت، ایک چھوٹا سا خوب صورت دیہات۔

ہم شام کے وقت وہاں پہنچے، وہاں حیرت کی بات یہ معلوم ہوئی کہ اس مزار کے اردگرد جو چند مکانات ہیں، وہ امام دارمیؒ کے خاندان کے لوگوں کے مکانات ہیں اور ان ہی کے خاندان کے لوگ وہاں آباد ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے محدث امام دارمیؒ کے خاندان کے افراد ہونے کا حق ادا کر دیا، جب ہم وہاں پہنچے تو نہ کوئی جان پہچان، نہ پہلے سے کوئی اطلاع، ہم امام دارمیؒ کے مزار کے پاس جا کر بیٹھے، ایصالِ ثواب وغیرہ سے فارغ ہوئے، اتنے میں تو انھوں نے ہماری میزبانی کی تیاری کر ڈالی، عجیب میزبانی، تھوڑی دیر میں تو بہت بڑی مقدار میں تازے تازے، میٹھے میٹھے انگور وہ لوگ توڑ کر لے آئے، ناسپاتی اور دوسرے بہت سارے پھلوں کا ڈھیر ہمارے سامنے لاکر رکھ دیا، اتنی بڑی مقدار میں کہ ہم کھا نہیں سکتے۔

جب کہ ان بے چاروں کی غربت کا حال یہ تھا کہ انھوں نے جو کپڑے پہنے ہوئے تھے ان پر بھی پیوند لگے ہوئے تھے اور گدھے کی سواری اور پرانے انداز کے ان کے مکانات تھے۔ امام دارمیؒ کے مزار کے باہر ٹھنڈے پانی کے چشمے جاری تھے، ہم نے وہاں وضو کیا، پھر ہم سمرقند شہر کی طرف واپس آئے۔

فقیہ ابواللیثؒ اور علامہ مرغینانیؒ کے مزار پر

مغرب کی نماز کا وقت قریب تھا، ہم نے ہمارے سفر کے ناظم سے کہا کہ: ہم

نے سنا ہے کہ فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ کا مزار بھی یہاں پر ہے؟

بہت تلاش و جستجو اور کئی گلیوں میں گاڑی گھمانے کے بعد ہم ایک مسجد پر پہنچے، اتنے میں مغرب کی نماز کی جماعت ختم ہو چکی تھی۔

بتایا گیا کہ: یہیں فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ کا مزار ہے اور یہ ان کی مسجد ہے، وہاں جا کر ہم نے سب سے پہلے مغرب کی نماز با جماعت ادا کی، بعد میں مزار پر حاضری ہوئی، وہاں دعا، ایصالِ ثواب وغیرہ سے فارغ ہوئے۔

فقیہ ابو لیث سمرقندؒ سمرقند سے اٹھنے والی ایک ایسی شخصیت ہے، جنھوں نے ''تنبیہ الغافلین'' کتاب لکھ کر غافل دلوں کو جگا دیا، جن کا تقویٰ لوگوں میں بہت معروف تھا۔

ایک مرتبہ سفر پر روانہ ہوئے تو ان کے سامان سے زیادہ ان کے پاس مٹی کے ڈھیلے تھے، کسی نے پوچھا کہ: آپ اتنا بوجھ کیوں اٹھائے پھرتے ہیں؟

انھوں نے جواب دیا کہ: یہ مجھے اپنی طہارت کے لیے استعمال کرنے ہوتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ کسی کے کھیت سے بغیر اجازت کے مٹی کا ڈھیلا بھی اٹھاؤں۔

(لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند: ۹۰)

اور یہیں قریب میں صاحبِ ہدایہ علامہ مرغینانیؒ کا مزار بھی بتایا جاتا ہے، وہاں بھی حاضری ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی سعادت حاصل ہوئی۔ آج سمرقند کی تمام زیارتوں سے ہم فارغ ہو چکے تھے اور تاشقند کے لیے ہمیں روانہ ہونا تھا۔

سمرقند سے تاشقند

سمرقند سے تاشقند جانے کے لیے رات دیر سے ہوائی جہاز میں ہمارا ٹکٹ

بنا ہوا تھا، تاشقند کی فلائٹ کے لیے ہم ایئرپورٹ پہنچے، ہوائی جہاز تاخیر سے تھا، کافی رات گئے ہم تاشقند پہنچے۔

حضرت دامت برکاتہم کی تہجد

اس رات کی عجیب حالت بیان کروں؛ تاکہ چھوٹوں کا حوصلہ بڑھے اور عمل کی توفیق ہو۔

بدھ کے روز سمرقند کی پورے دن کی مسلسل مشغولیات اور تھکان، پھر رات دیر سے تقریباً دو بجے تاشقند پہنچے، تمام حضرات اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے، اللہ تعالیٰ کی اس بندے پر مہربانی ہے، کئی مرتبہ ملک و بیرون ملک میں حضرت دامت برکاتہم کی معیت میں ایک کمرے میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس پورے سفر میں ہر جگہ ہوٹل کی ترتیب اسی طرح تھی، بندے کو حضرت کے ساتھ دو آدمی والے کمرے میں رہنے کا موقع ملا اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب، بھائی عابد اور بھائی ساجد ایک ساتھ تین والے کمرے میں ہوتے اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب اور مولانا محمود صاحب کھیرواں والے ایک ساتھ دو والے کمرے میں ہوتے۔

جب ہم انتہائی تھک کر اور بالکل چور ہو کر ہوٹل کے کمرے میں پہنچے، ساتھ ہی ذہن میں صبح کا فکر سوار تھا کہ کل صبح ''مرغینان'' کا سفر کیسے ہوگا؟ بندہ نے نہایت تھکاوٹ کی وجہ سے ضروریات سے فراغت کے بعد بستر پر لیٹنے کی تیاری کر لی؛ بلکہ بندہ تو اپنی عادت کے مطابق بستر پر پڑ بھی گیا؛ لیکن یہ منظر دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس قدر تھکاوٹ کے باوجود حضرت مصلے پر کھڑے ہو گئے اور تہجد کی نماز کی نیت باندھ لی،

دل میں آیا کہ اے اللہ! یہ آپ کے کیسے بندے ہیں، بڑھاپا ہے، ضعف ہے، تھکان ہے، پھر بھی رات کے وقت آرام کے بجائے مصلے پر آ گئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو راتوں کی عبادت پر ایسی استقامت نصیب فرمائے۔

نماز سے فراغت کے بعد بہت ہی شفقت سے ارشاد فرمایا کہ: کافی دیر ہو چکی ہے، صبح صادق سے قبل آنکھ کھلے نہ کھلے؛ اس لیے کہ اب صرف دو ہی گھنٹے صبح صادق میں باقی ہے؛ اس لیے تہجد ادا کر لی، صبح صادق کے بعد اٹھ کر فجر پڑھ لیں گے۔

حضرت دامت برکاتہم کا تہجد کے لیے ایک طریقہ

ایک بیرون کے سفر کے دوران جب رات ہم کمرے میں آرام کے لیے گئے تو ایک عجیب بات ارشاد فرمائی کہ: جب سفر میں رات کے وقت دیر ہو جاتی ہے اور اسفار اور مجالس کی کثرت کی وجہ سے تھکان بھی ہو جاتی ہے تو رات کو سوتے وقت پیشاب نہیں کرتا ہوں؛ تا کہ پیشاب کے تقاضے سے آنکھ کھل جائے اور تہجد بھی ادا ہو جائے۔

اس سلسلے میں ایک دوسرا مجرب طریقہ یہ بھی ہے کہ سوتے وقت پانی زیادہ پی لیا جائے؛ تا کہ پیشاب کا تقاضا ہو اور آنکھ کھل جائے اور تہجد کی نماز چھوٹنے نہ پائے۔

بندے نے جب یہ بات سنی تو دنگ رہ گیا، اے اللہ! ہم تیرے کیسے بندے ہیں کہ زیادہ سونے کے لیے تدبیریں اپناتے ہیں اور یہ آپ کے مخلص بندے تہجد اور عبادت میں کمی نہ آئے اس کے لیے تدابیر اپناتے ہیں۔

ویسے تو سفر و حضر میں بکثرت مشاہدہ کیا کہ صبح صادق سے تقریباً ڈھائی تین

گھنٹے پہلے بیدار ہونا، ضروریات سے فارغ ہوکر طویل تہجد، پھر انفرادی طویل دعا، گریہ وزاری، پھر بارہ تسبیح کا ذکرِ جہری، پھر مسنون وظائف کا اہتمام اور صبح صادق ہوتے ہی دوسنت ادا کرنا اور فوراً مسجد جانا، حضرت دامت برکاتہم کا یہ معمول سالہا سال سے رہا ہے۔

نوٹ: یہاں پر میں حضرت دامت برکاتہم کا ایک اور عمل بتلادوں۔

حضرت دامت برکاتہم کا سفر میں قیام کے لیے مسجد یا مدرسہ پسند فرمانا

حضرت دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: کسی کا ذاتی مکان کیسا بھی ہو، کتنی بھی وسعت والا ہو اور صاحبِ مکان کے دل میں کتنی بھی وسعت کیوں نہ ہو؛ لیکن دوسرے لوگوں کو وہاں آنے جانے میں تکلف ہوتا ہے، اسی طرح کچھ خاص لوگوں سے کچھ خاص لوگوں کو ناراضگی بھی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے استفادہ اور افادہ دونوں میں کمی آتی ہے، جب کہ مسجد، مدرسہ عام جگہ ہے، کوئی بھی آجا سکتا ہے؛ اس لیے بیرونِ ممالک کے اکثر وبیشتر اسفار میں پہلے سے ہدایت ہوتی ہے کہ مسجد یا مدرسے میں قیام طے کیا جائے۔

جب اندلس کا سفر ہوا تو وہاں بھی قرطبہ شہر میں ایک رات ہوٹل میں گزاری، باقی اشبیلیا میں ایک مصلی مل گیا وہیں دو روز قیام کیا، جس کی تفصیل ان شاء اللہ اندلس کے سفر نامے میں آئے گی؛ حالاں کہ وہاں بھی پہلے ایک ہوٹل قیام کے لیے طے تھی؛ لیکن بندے نے وہاں پہنچ کر حضرت دامت برکاتہم کے مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے اس کو رد کروادیا، جس میں کچھ پیسے بھی ضابطے کے مطابق ہوٹل والوں

نے واپس نہیں دیے۔

اور ترکی کے پہلے سفر کے موقع پر پانچوں دنوں کا مکمل قیام استنبول کے تبلیغی مرکز ''مسجد سلام'' میں رہا اور روزانہ فجر کے بعد اشراق تک ہم میں سے کسی کا بیان مرکز پر ہو جاتا؛ حالاں کہ مرکز شہر سے کافی دور ہے۔

ابھی ''گیانا'' کے ایک سفر میں ہمارے میزبان مفتی رمضان صاحب نے اپنے مکان میں ایک شاندار حجرے میں حضرت دامت برکاتہم کے قیام کا انتظام کیا تھا، پھر ان کو راضی کر کے دار العلوم کی مسجد میں منتقل ہو گئے اور وہیں قیام فرمایا۔

اگر چہ بخارا اور سمرقند کے سفر میں دلی چاہت اور کوشش کے باوجود مسجد مدرسہ کا قیام ناممکن رہا، بادلِ ناخواستہ ہوٹلوں میں ہی قیام کرنا پڑا۔

جمعرات کا دن، صاحبِ ہدایہ کے دیار میں

آج کے دن یہ طے تھا کہ صاحبِ ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانیؒ کا گاؤں دیکھنے کے واسطے ''مرغینان'' جانا ہے، واقعی اس دن کا سفر ہمارے لیے بڑے امتحان کا سفر تھا؛ اس لیے کہ رات تقریباً دو بجے ہم اپنی ہوٹل پر پہنچے اور صبح فجر کی نماز پڑھ کر مرغینان کی طرف روانگی ہوئی، کل سفر سے تھکے ہارے بالکل چور ہو گئے تھے اور آج پھر صبح سویرے سفر۔

''فرغانہ'' کی طرف

تقریباً تاشقند سے ۴۰۰ رکلومیٹر کی دوری پر ''مرغینان'' کا علاقہ واقع ہے

اورتا جکستان کی سرحد(Border) کے علاقے میں-یعنی از بکستان کا بالکل سرحدی علاقہ-فرغانہ واقع ہے۔

فرغانہ پورے ضلع کا نام ہے اور مرغینان چھوٹا سا شہر ہے، جیسا کہ ہمارے یہاں تعلقہ ہوتا ہے، پھر جیسا کہ ہمارے یہاں بڑے شہر وسیع ہوتے جارہے ہیں اور اس میں اطراف کی آبادی بھی ضم ہو جاتی ہے، اسی طرح کا کچھ منظر یہاں بھی ہے اور رشدان ایک دیہات ہے، جہاں پر صاحبِ ہدایہ علامہ برہان الدینؒ پیدا ہوئے۔

خود صاحبِ ہدایہ کے ہم وطن بادشاہ بابر نے صاحبِ ہدایہ کے گاؤں کا نام ''رشدان'' بتایا ہے۔(ظفر المحصلین:۱۷۷)

فجر کے بعد ہم فرغانہ کی طرف نکلے۔سہانی صبح،خوشگوار ہوا،صاف فضا، شفاف موسم کے دوران فرائے بھرتی ہوئی گاڑی میں جملہ ساتھیوں نے حضرت دامت برکاتہم کے حکم سے فجر کے بعد کی تسبیحات،تلاوت اوراذکار و معمولات پورے کیے،گویا باطنی اور ظاہری دونوں طرح کے پرسکون اور اطمینان بخش ماحول نے سکینت کا سماں پیدا کر دیا،قافلے والے اپنے اپنے معمولات سے فارغ ہوتے ہی یکے بعد دیگرے سبھی آرام اور طمانینت وسکینت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

اس دوران آفتاب کی شعائیں بھی اپنا جلوہ بکھیرتی ہوئی ماحول کو منور کرتی گئیں،گاڑی نے ہموار میدان کو الوداع کر دیا اور پھر نہایت حسین وجمیل پہاڑیوں کا سفر طے کرنا شروع کر دیا۔

ایک دریا(Rezak say) نامی سڑک کے کنارے نظر آیا،ان کی زبان

میں دریا کو ''سائی'' کہتے ہیں اور اس کے بعد خوب صورت سرنگ سے گاڑی کا گزر ہوا، وہ سرنگ اپنی بناوٹ، صفائی اور خوب صورتی میں کافی دل کش تھی، اس کا رکھ رکھاؤ بہت ہی عمدہ تھا، روشنی کا اعلی انتظام، گندگی کا نام ونشان نہیں، اس کی لچک نامی ٹنل کی لمبائی ۸۰۰ر میٹر لکھی ہوئی تھی۔

بتایا گیا کہ: یہاں قریب میں ''ازبکستان'' کی سرحدیں کئی علاقوں سے ملتی ہیں، دائیں طرف تاجکستان ہے اور بائیں طرف کرزغستان اور چاروں طرف پہاڑ، پتھر، سبزہ اور درخت سب مل کر ایک خوب صورت نظارہ پیش کرتے تھے، ایک دو گھنٹے کے بعد نہایت عمدہ طرز پر سجے ہوئے ایک بازار سے گزرنا ہوا، قصبہ (Town) کی طرح یہاں نہایت سلیقے سے عارضی دکانوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں اور ان دکانوں میں عورتیں سودا سلف بیچ رہی تھیں۔

ہمارے دیار میں جیسے صبح کے وقت بیکری، روٹی، نان، پایے وغیرہ دکانوں پر نمایاں نظر آتے ہیں، اسی انداز سے یہاں پر ''شیرمال'' نما ایک عمدہ اور خوب صورت روٹی تقریباً سبھی دکان پر سجی ہوئی تھی۔

ہمارے رہبر کی ہدایت کے مطابق راستے میں ایک جگہ ہم لوگ ضروریات سے فراغت اور ناشتے کے لیے اترے، دکانوں پر بیٹھی ہوئی نیم برہنہ مستورات شاید ہمارے اسلامی وضع قطع کو دیکھ کر نہایت محبت اور عقیدت سے ''السلام علیکم'' کہنے لگیں؛ لیکن تعجب اس وقت ہوا جب ایک دو خاتون نے ہم سے سوال کیا: عربستان یعنی کیا آپ لوگ عربی ہیں؟

ہمارے ایک ساتھی نے جواب دیا: عربستان نہیں، دہلی، ہندستان۔

تو سلام کرنے والی ان عورتوں نے مسکراتے ہوئے کہا: نمستے، شاہ رخ خان۔ تحقیق کرنے پر رہبر نے بتلایا کہ: ہندوستانی فلموں کو دیکھنے کا چوں کہ یہاں کافی زیادہ رواج ہے؛ اس لیے ہندوستان کے نام سے انھوں نے فلموں میں دیکھا ہوا'' وہاں کا نمستے اور وہاں کے فلمی ہیرو کے نام'' آپ کو خوشی میں بتلا رہی ہیں۔

یہ معاملہ نہایت فکرمندی کا تھا؛ لہٰذا ہم نے فارسی زبان میں – جس کو وہ قدرے سمجھتی تھیں – ان سے کہا: ''السلام علیکم'' سلامِ اسلام است؛ لیکن ''نمستے'' سلامِ کفار است۔ تو وہ شرمندگی کے ساتھ نہایت ندامت کا اظہار کرنے لگیں۔

صاحبِ ہدایہ کے حجرے میں

خیر! یہاں ہم لوگ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد تقریباً مزید دو گھنٹے سفر طے کر کے ''مرغینان'' پہنچے، یہاں پر قصبہ نما ایک دیہات میں سڑک سے ذرا فاصلے پر ایک مختصر سا کمرہ ہے، جس پر عالیشان گنبد بنایا گیا ہے، ایک صاحب ڈیوٹی پر متعین ہے، جو اس کمرے کے گائیڈ اور نگراں ہیں، ان کے سامنے ٹیبل پر رحل ہے جس پر چھوٹے سائز کی مطبوعہ سورۂ یاسین رکھی ہوئی ہے، چاروں طرف سیاحوں اور زائرین کے بیٹھنے کے لیے بنچ لگے ہوئے ہیں۔

جی ہاں! یہ وہ کمرہ ہے جس میں عالمِ اسلام کے عظیم الشان فقیہ علامہ برہان الدین مرغینانیؒ نے ''ہدایہ'' نامی وہ مایۂ ناز کتاب لکھی ہے، جس سے اس وقت سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ کے فقہا استفادہ کر رہے ہیں اور عرب وعجم میں اسلامی

عدالتوں میں اس کی جزئیات کے مطابق اسلامی قاضی اور جج فیصلے صادر کرتے ہیں۔

ہدایہ کتاب لکھنے کا واقعہ

یہ کتاب ''صاحب ہدایہ'' نے اس حال میں لکھی کہ مستقل ہر روز روزہ رکھتے اور گھر والوں کو بھی ان کے روزہ رکھنے کا علم نہ ہوتا، گھر سے وقتِ متعینہ پر دوپہر کا کھانا آتا، جو کونے میں رکھا جاتا اور علامہ موصوف بعد میں پورے اخفا کے ساتھ کسی فقیر کو دے دیا کرتے، اس طرح سے روزہ رکھنے کا علم ان کے گھر والوں تک کو بھی نہیں ہوا، تاہم شاگرد اور خدام ایسی باتوں سے واقف ہوتے ہی ہیں۔ ۱۳؍سال تک مسلسل روزے رکھے (ایامِ ممنوعہ کو چھوڑ کر)۔

جامعہ ڈابھیل کے ایک طالب علم کا روزہ کے ساتھ ہدایہ پڑھنا

ہمارے یہاں بارڈولی میں حضرت مولانا غلام محمد دیسائی صاحبؒ تھے، طویل عرصے تک انھوں نے دینی خدمات انجام دی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔ ان کے ایک صاحب زادے عزیزم مولانا مصباح صاحب مقیم حال لیسٹر برطانیہ زمانۂ طالب علمی سے ہی نیک طبیعت ہے، جب انھوں نے سنا کہ صاحبِ ہدایہؒ نے ۱۳؍سال روزے رکھ کر کتاب لکھی تو انھوں نے خود عزم کرلیا کہ میں بھی روزے کے ساتھ ہدایہ کتاب پڑھوں گا اور اس پر عمل کیا، یہ تو ایک واقعہ ہے جو علم میں آیا، ایسے نہ جانے کتنے واقعات ہوتے ہوں گے۔

آج بھی اس کتاب کی چاروں جلدوں سے پورے عالمِ اسلام کے کتب

خانے مزین ہیں، مدارس میں لاکھوں علما اور طالبانِ علوم دین دن رات پڑھتے پڑھاتے ہیں، عدالتوں میں اس کے حوالے دیے جاتے ہیں؛ لیکن یا اسفاہ! جس جگہ پر یہ کتاب لکھی گئی، اس کمرے میں بیٹھے تو اندازہ ہوا کہ رہبر شاید اس کتاب کے نام سے بھی واقف نہیں اور وہاں کے منتظمین اس مقام پر سیاحوں کی رہبری کا فریضہ انجام دے رہے ہیں؛ لیکن کتاب اور صاحبِ کتاب کے بارے میں ان کے پاس معلومات تک نہیں۔

البتہ اس کمرے کے دروازے پر انگریزی اور مقامی زبان میں صاحبِ ہدایہ کا نام اور اس کمرے میں کتاب لکھے جانے کا ذکر تھا۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

وہاں پر عجیب انوار محسوس ہو رہے تھے، میں نے آہستہ سے حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم سے درخواست کی کہ: حضرت! اس جگہ تو آپ ہی دعا کروائیں تو حضرت مولانا ابراہیم صاحب نے اس حجرے میں دعا کروائی۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی متبرک جگہوں پر دعا

قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ تفصیل سے موجود ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام جس حجرے میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی تھی اور وہاں بے موسم پھل اللہ تعالیٰ کے غیبی خزانے سے آتے ہوئے حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھے تو اسی جگہ پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا مانگی:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّه قَالَ رَبِّ هَبْ لِيُ مِنُ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَة

اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَاء. (ال عمران:۳۸)

ترجمہ: اس موقع پر (اسی جگہ) زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی (زکریا علیہ السلام دعا میں) بولے: اے میرے رب! آپ مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کیجیے، یقینی بات ہے کہ آپ دعا کو بہت سنتے ہیں۔

قرآن مجید کے اس واقعے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی اس طرح کی عبادت گاہ یا کسی اور یادگار جگہ پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیے، وہ قبول ہوتی ہے؛ لیکن بس اس کو اللہ تعالیٰ سے مانگنے تک ہی محدود رکھیں، وہاں دوسری رسومات، خرافات کا سلسلہ شروع نہ کیا جاوے۔ ہم فرغانہ اور مرغینان وغیرہ سے فارغ ہوکر واپس تاشقند کے لیے روانہ ہوئے۔

مرغینان سے تاشقند

ہم وہاں سے جلدی جلدی تاشقند پہنچے؛ اس لیے کہ اس دن شام کو حضرت مولانا ابراہیم صاحب اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی دہلی کے لیے روانگی تھی اور ابھی ''مصحفِ عثمانی'' کی زیارت باقی تھی؛ اس لیے بہت تیزی سے ہماری گاڑی چل رہی تھی، الحمد للہ! پانچ سوا پانچ بجے بہترین نشیب وفراز والے پہاڑی علاقہ کا طویل سفر کرکے ہم تاشقند پہنچے اور سیدھے مصحفِ عثمانی کی زیارت کے لیے Hazrat Al Imam Complex پہنچے۔

مصحفِ عثمانی کی زیارت

مصحفِ عثمانی ایک بہت بڑے کمرے میں رکھا گیا ہے، وہاں ہر وقت دو

ڈاکٹر تھرمامیٹر لیے ہوئے مقرر ہیں اور اس کمرے میں گرمی اور سردی کا درجۂ حرارت وبرودت (Temperature) ناپتے رہتے ہیں؛ چوں کہ اتنا قدیم نسخہ ہے کہ کہیں آب وہوا سے اس کو نقصان نہ پہنچ جائے، اس لیے مصحف کے نسخے کے واسطے جو ضروری حرارت وبرودت ہونی چاہیے اس کو ناپتے رہتے ہیں۔

خیر! آج کے دور میں یہ اہتمام ہو رہا ہے، صدیوں تک اس کی حفاظت باری تعالیٰ نے ظاہری اہتمام کے بغیر محض اپنی قدرتِ کاملہ سے فرمائی ہے، ہم اس کمرے میں داخل ہوئے، کمرے کے بالکل وسط میں ''مصحفِ عثمانی'' کا وہ نسخہ رکھا ہوا ہے، وسیع خط کا لکھا ہوا اور وہی پرانی طرز کی عربی کا، الحمد للہ! ہم نے اس کی زیارت کی، اس کے اطراف میں اور بھی بہت سارے قرآن کے تراجیم اور نسخے رکھے ہوئے ہیں، ہم نے ان کی بھی زیارت کی۔

گھوڑے کا گوشت

زیارت سے فارغ ہوکر ہم باہر نکلے اور عصر کی نماز ادا کی، ابھی تک دوپہر کا کھانا باقی تھا۔ بھائی عبد الرحمٰن نے وہاں کے ایک اسلامی ہوٹل میں کھانے کا نظام بنایا تھا، تحقیق سے پتہ چلا کہ یہاں حلال گوشت کا انتظام ہے، انواع واقسام کے ازبکستان کے کھانوں کا انتظام کیا گیا تھا، ایسے یہاں کے لوگ کھانے میں مرچ مسالا بالکل استعمال نہیں کرتے، کچی سبزیاں بھی بکثرت استعمال ہوتی ہیں، دہی اور سوڈا واٹر کا استعمال عام ہے، ٹماٹر بھی خوب کھائے جاتے ہیں، دوسری سبزیوں کی طرح یہاں کے ٹماٹر بھی لذیذ اور عمدہ ہوتے ہیں، ہمارے علاقے میں جیسے دیسی ٹماٹر

ہوتے ہیں،اس سے بھی کئی گنالذیذ وہاں کے ٹماٹر ہوتے ہیں،اس کو کاٹ کر کے روٹی کے ساتھ بے تکلف کھایا جاتا ہےاور سالم ٹماٹر کواوپر سے ذرا کاٹ کر پھراس میں پودینہ اور دوسری سبزیاں پیس کر بھردی جاتی ہیں، پھراس کو خاص طریقہ سے ابال کریا بھون کر پیش کیا جاتا ہے،جس سے وہ بڑالذیذ معلوم ہوتا ہے۔

وہاں جب ہم ہوٹل پر پہنچے تو بھائی عبدالرحمٰن صاحب نے بتایا کہ:یہاں شرعی طریقے پر ذبح کیے ہوئے گھوڑے کا گوشت بھی ملتا ہے،سالِ گذشتہ ۱۴۳۳ھ میں تدریس کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے بخاری شریف دوبارہ پڑھنے کا موقع ملاتو دورانِ درس سنا تھا کہ روس کے ملکوں میں آج بھی گھوڑے کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

الغرض!جب ہم نے اس ہوٹل کے بارے میں سنا کہ یہاں گھوڑے کا گوشت بھی ہے تو یہ چیز ہمارے لیے بالکل نئی تھی،تو میں نے سب سے پہلے جلدی سے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے کان میں آہستہ سے پوچھا کہ:حضرت!یہاں گھوڑے کا گوشت مل رہا ہے،اجازت ہوتو ایک پلیٹ منگوائیں۔

حضرت نے انشراح کے ساتھ فوراً اجازت مرحمت فرمائی کہ ضرور منگواؤ، پہلے کبھی کھانے کا اتفاق نہیں ہوا ہے،بہت سی حلال چیزیں جس کو پہلے کھانے کا اتفاق نہیں ہواان میں سے ایک یہ بھی ہے،جب وہ پلیٹ تیار ہوکر آگئی تو میں نے سب اکابر سے عرض کیا کہ:یہ گھوڑے کا گوشت ہے،سب کو چکھنا ہےتو سارے اکابر اچنبھے میں پڑگئے،سب سے پہلے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے مجھ سے فرمایا:حضرت

سے پوچھا بھی؟

میں نے بتایا: جی! حضرت دامت برکاتہم کی اجازت سے منگوایا ہے۔

تب حضرت دامت برکاتہم نے حضرت شیخ زکریاؒ کی آپ بیتی کے حوالے سے بھی اجازت کی بات ارشاد فرمائی اور سب حضرات نے پھر اس کو کھایا۔

وہاں دیکھا گیا کہ نلی سے نکلنے والا بڑے جانوروں کا گدود کچا کھایا جاتا ہے اور اس کو اتنا شان دار، سجاوٹ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ دیکھنے میں گھانس، کسٹر کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور لوگ اس کو بڑے ذوق وشوق کے ساتھ کھاتے ہیں، ہمارے سامنے بھی اس کو پیش کیا گیا۔

دورانِ سفر مسائل بتانے میں احتیاط

ہمارے حضرت مدظلہ العالی کا معمول یہی ہے اور ہمیں تاکید بھی فرماتے ہیں کہ: جس ملک میں جائیں، وہاں اختلافی اور نزاعی قسم کے مسائل کے سلسلے میں کوئی سوال کرے تو اس کو جواب نہ دیا جائے؛ چوں کہ عامۃً اس طرح کے سوال کا مقصد صحیح نہیں ہوتا، مختلف فیہ مسائل میں ہماری رائے معلوم کرنا اور اگر رائے سائل کے موقف کے موافق ہے تو اس کو ہماری طرف منسوب کر کے اس کی خوب تشہیر کرنا اور فریقِ مخالف کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنا ہوتا ہے؛ اس لیے ایسے مسائل میں احتیاط یہ ہے کہ سائل کو یہ جواب دے دیا جائے کہ مقامی علما سے رجوع کریں۔

اور بعض مرتبہ یہ بھی مناسب ہوتا ہے کہ اس طرح جواب دیا جائے کہ آپ اپنا سوال لکھ کر دیں، ہم وطن جا کر دارالافتا سے اس کا جواب روانہ کریں گے، اس

سلسلے کے بعض بڑے علما کے سوالات اور اس پر حضرت کا نہایت معتدل، نصیحت آمیز جواب وغیرہ کے واقعات ان شاء اللہ آئندہ یورپ، کینیڈا، بار باڈوس وغیرہ کے سفر نامے میں نقل کروں گا۔

ہاں! اگر اہلِ علم ہے تو تنہائی میں علمی لحاظ سے کچھ مذاکرہ کرنا چاہے تو اس طرح کے مذاکروں میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح غیر اختلافی اور غیر نزاعی مسائل میں کوئی سوال واقعی سوال ہی ہو اور اندازہ بھی ہو کہ سائل کا مقصد کوئی فتنہ یا فساد نہیں ہے تو پھر جواب دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تاشقند سے دہلی

وہاں سے پھر حضرت مولانا ابراہیم صاحب کا قافلہ ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہوا، حضرت مفتی صاحب کی معیت میں ہمارے برطانیہ کے ایک ساتھی بھائی عابد کے ساتھ ہم لوگ وہاں سے ہوٹل پر پہنچے؛ چوں کہ ہم کو جمعہ کے دن بھی وہیں تاشقند میں قیام کرنا تھا اور جمعہ کے دن وہاں سے یورپ کے لیے ہماری روانگی تھی۔

تاشقند کی شبِ جمعہ

حضرت مولانا ابراہیم صاحب دامت برکاتہم کے قافلے کو ایئرپورٹ کی طرف الوداع کر کے ہم مغرب کی نماز ایک مسجد میں پڑھ کر ہوٹل میں اپنے کمرہ میں پہنچ گئے، ہوٹل کے قریب کوئی مسجد نہ ہونے کی وجہ سے عشا کی نماز باجماعت ہوٹل ہی میں ادا کی اور آرام کیا۔

سنت قرأت کا اہتمام

ہمارے حضرت کو مسنون قرأت کا بڑا اہتمام رہتا ہے؛ اس لیے آپ کی چاہت یہ ہوتی ہے کہ جمعہ کے دن کی فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر پڑھی جائے، ائمۂ مساجد اور اہلِ مدارس کو بھی اس کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ سنت قرأت کا اہتمام کرو، ماشاءاللہ! تاشقند کی اس ہوٹل میں جہاں ہم مقیم تھے وہاں پورا اطمینان تھا اور برطانیہ کا سفر بھی جمعہ کی نماز کے بعد تھا؛ اس لیے جمعہ کی فجر میں جب باجماعت نماز پڑھی گئی تو اس میں مسنون قرأت کا اہتمام ہوا، الحمدلله على ذلك۔

ہاں! جب دورانِ سفر نماز کا موقع ہو اور سفر کی ہماہمی کا ماحول ہو اس وقت مختصر قرأت پر اکتفا کرنا چاہیے۔

تاشقند میں جمعہ کی صبح

فجر کے بعد آرام، ناشتہ، غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر سامان کے ساتھ ہوٹل سے نکلے؛ چوں کہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر سیدھا ایئر پورٹ پہنچنا تھا، راستے میں ایک جگہ پھلوں کی بڑی منڈی تھی، اس پھلوں کی مارکیٹ کے دروازے کے پاس گاڑی رکوادی گئی، حضرت گاڑی میں بیٹھے ہوئے اپنے اذکار واوراد، تلاوت اور معمولات میں مشغول تھے، بھائی عبد الرحمٰن، بھائی عابد اور بندے کو اس پھلوں کی منڈی میں لے گئے، وہاں تازہ پھل اور خشک میوؤں کے انبار لگے ہوئے تھے، پھلوں کی سائز،

رنگ اور تازگی کو دیکھ کر بار بار زبان سے بے اختیار ”سبحان اللہ، الحمد للہ“ نکل رہا تھا کہ جب دنیا میں اس قدر عجیب و غریب پھل پیدا کیے گئے ہیں تو جنت کے پھل اور میوے کیسے ہوں گے!!

تازہ آلو بخارا کی سائز ہمارے یہاں کے متوسط سائز کے پپیتے کے برابر ہوتی تھی، اس میں سے بعض پھل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجوبہ حضرت دامت برکاتہم کو دکھانے کے لیے گاڑی میں ساتھ لے آئے اور کچھ خشک میوے بھی ساتھ میں خرید لیے، فتبارك الله أحسن الخالقين!

تاشقند کا نرالا جمعہ

ہم جمعہ کے دن تاشقند میں رہے اور وہاں ایک مسجد میں ہم نے جمعہ کی نماز ادا کی، وہ جمعہ بھی زندگی کا یادگار جمعہ تھا، سات منٹ میں امام صاحب نے خطبہ اور نماز سب پڑھا دیا، دونوں خطبے بھی ہوگئے اور نماز بھی ہوگئی، امام صاحب نے پہلی رکعت میں ” اذا جاء نصر الله والفتح“ پڑھی اور دوسری رکعت میں ”قل أعوذ برب الناس“ پڑھی اور سات منٹ میں نماز اور خطبہ سب ہوگیا۔

مجمع وہاں کثیر تھا، ماشاء اللہ! جمعہ کے حاضرین میں سے تقریباً تمام ہی لوگوں نے جمعہ سے قبل اور بعد کی سنتوں کا اہتمام کیا، سنتوں کا یہ اہتمام بڑی اچھی بات تھی جو ہمارے یہاں مفقود ہے۔

جمعہ کی نماز کے بعد بھائی عبد الرحمٰن صاحب نے اپنی ذاتی گاڑی سے ہمیں ائیر پورٹ تک پہنچایا، وہاں سے ہم برطانیہ کے لیے روانہ ہوگئے۔

کچھ خاص خاص باتیں

حج اور داڑھی

نوجوانوں کو آج تک وہاں قانونی طور پر حج کی اجازت نہیں ہے، داڑھی رکھنے کی بھی اجازت نہیں ہے، بڑھاپے میں ان کو حج اور داڑھی کی اجازت ملتی ہے؛ اس لیے وہاں صرف بوڑھے لوگ داڑھی والے نظر آتے ہیں۔

امام بخاریؒ کی نسبت سے حاجیوں کو فائدہ

ابھی حرمین شریفین میں جو توسیعات کے کام چل رہے ہیں، اس کے پیشِ نظر سعودی حکومت نے مختلف ملکوں سے آنے والے حجاج کی تعداد میں کمی کی ہے؛ لیکن اس ملک کی تعداد میں کمی نہیں کی اور ساتھ میں یہ جملہ بھی کہا گیا کہ: حضرت امام بخاریؒ کی نسبت سے اس ملک کی حج کی ویزا کی مقدار وہی جاری رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی نسبت بڑی اونچی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی قدر اور لاج رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

عورتوں کے لباس کا حال

عورتوں کے لباس بہت عجیب وغریب ہے۔ ہم اس ملک میں جا کر عورتوں کا لباس دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم کسی مسلمانوں کے ملک میں آئے ہیں، لگتا ایسا ہے کہ یورپ کے کسی شہر میں گھوم رہے ہیں۔

عورتوں کے ظاہری لباس کی تین حالتیں اور ایمانی غیرت

بتایا گیا کہ: جب اسلام اس ملک میں آیا تو پہلے برقع عام تھا، پھر وہ برقع ختم ہوا اور ڈھیلے ڈھالے عورتوں کے لباس آئے، پھر ایک دور آج کا دور آیا کہ بالکل ناقص، ادھورے اور باریک کپڑے، ہماری مسلمان بہن کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ کوئی مسلمان لڑکی راستے پر جارہی ہے یا کوئی اور عورت۔

البتہ! عورتوں میں ایک بات یہ دیکھی کہ جب وہ ڈاڑھی والوں کو دیکھتی ہیں تو سلام بھی کرتی ہیں، کپڑے بھی سمیٹ لیتی ہیں اور اکراماً ایک طرف کو کھڑی ہو جاتی ہیں، یہ ایمانی غیرت کی علامت ہے۔ بس دعا اور دعوت کی محنت کے ذریعہ ان میں دین کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

قبروں پر تصویر اور گھوڑے کے بال اور پنجے کا نشان

مزارات اور قبرستانوں میں ایک نئی چیز دیکھی جو اس سے پہلے کسی جگہ دیکھنے نہیں ملی کہ جس آدمی کو قبر میں دفن کیا گیا ہے اس کی تصویر (Photo) بھی اس قبر پر لگائی جاتی ہے۔

بعض بعض قبروں پر گھوڑے کی دم کے بال بھی لٹکے رہتے ہیں۔ پوچھنے پر بتلایا گیا کہ: یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ کسی مرد کی قبر ہے۔

بعض قبروں پر ''پنجے'' کے نشانات بھی بنے ہوئے ہیں اور یہ اسلام کے ''ارکان خمسہ'' کی طرف اشارہ ہے کہ صاحبِ قبر اسلام کے پانچوں بنیادی ارکان:

توحید، نماز، روزہ، زکوۃ، حج کے پابند تھے اور یہ کامل اور مکمل مسلمان تھے۔

کھانے میں سادگی

ازبکستان کے مسلمانوں کے کھانے میں ہم نے بہت سادگی دیکھی۔ البتہ روٹیاں وہاں بہت ڈیزائن والی ہوتی ہیں اور سلاد کے ساتھ، پھل کے ساتھ بھی روٹی کھائی جاتی ہے، سیدھا سادہ ان کا کھانا ہے۔

امانت داری

اس ملک میں اللہ تعالیٰ نے امانت داری کی عجیب صفت رکھی ہے، امانت داری کی بات یہ کہ لاکھوں سوموکا وہ معاملہ کرتے ہیں؛ لیکن وہ گننے کو معیوب سمجھتے ہیں، لوگ نوٹوں کے بنڈل حوالے کردیتے ہیں؛ لیکن کوئی اس کو گننے کی پروا نہیں کرتا۔ مقامی آدمی نے بتایا کہ: یہاں گننا عیب ہے، یہاں ایک نوٹ بھی آپ کو کم نہیں ملے گا، امانت داری یہاں عام ہے۔

پھل اور پانی

اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے پھلوں کی عجیب نعمتوں سے نوازا ہے، پانی بھی بہت عجیب، جتنا کھاؤ، ہضم ہوجاتا ہے۔ ہم لوگ ناشتہ کرتے ہوئے یہ نیت کرتے کہ زیادہ کھالو پورا دن ہم کو چلنا ہے، دوپہر کو کھانے کی ضرورت نہ پڑے؛ لیکن دو چار گھنٹوں کے بعد ہر ساتھی کچھ نہ کچھ کھانے کی طلب ظاہر کرتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس ملک میں بہت عجیب ہاضم پانی، ہاضم آب و ہوا ہم نے پائی۔

یہاں سوڈا واٹر پینے کا بھی عام رواج ہے، کھانے کے موقع پر عام طور پر سوڈا واٹر کی بوتلیں ضرور پیش کی جاتی ہیں۔ بتایا گیا کہ: اس ملک میں بعض جگہوں پر قدرتی طور پر زمین سے ہی ایسا سوڈے کی طرح کا پانی بڑی مقدار میں نکلتا ہے، جس کو بوتلوں میں بھر کر بیچا جاتا ہے، یہ چیز ساؤتھ افریقہ کے سفر میں ہمارے ڈابھیل سملک کے مشہور خاندان ''میاں'' لوگوں کے مشہور ''میاں فارم'' میں ہے کہ وہاں بھی قدرتی پانی اس طرح کا برآمد ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ اس کا تذکرہ افریقی ملکوں کے اسفار میں ہوگا۔

اس ملک میں جو پھل دیکھے دنیا میں ایسے پھل فروٹ بہت کم جگہوں پر نظر آئے، انار اتنے بڑے بڑے اور رس سے بھرے ہوئے، دباؤ تو نچڑ کر تمھارا گلاس بھر جائے۔

ہمارے یہاں جو سیب ہوتا ہے اس سے بھی بڑے بڑے آڑو۔

انگور ہمارے یہاں کے جامن سے بھی بڑے۔

اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو پھلوں کی کثرت سے نوازا ہے، ڈرائی فروٹ بھی بہت زیادہ، ماشاء اللہ! اس ملک کے لیے اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب نعمت ہے۔

دعا کا اہتمام

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کشمیری مدظلہ نے ہمارے حضرت دامت برکاتہم کو اور ہم سب حضرات کو سنا کر ایک بات کہی کہ: حضرت! آپ اس ملک میں دعا کے لیے تشریف لائے ہیں۔

مولانا رحمت اللہ صاحب بار بار ہمارے حضرت دامت برکاتہم کو یہ کہہ رہے تھے کہ ”آپ تو اس ملک کے مسلمانوں کو دعا دینے کے لیے تشریف لائے ہیں“ اس ملک کے مسلمانوں کے لیے آپ کی دعا ہو جائے، اللہ تعالیٰ کل اس ملک کو پھر سے ایمان، اسلام کی حقیقی دولت سے مالا مال فرما دیں گے، پھر سے اللہ تعالیٰ وہ دن دکھائیں گے کہ اس ملک میں امام بخاریؒ اور ابواللیث سمرقندیؒ پیدا ہوں گے، قاضی خانؒ اور علامہ برہان الدین مرغینانیؒ پیدا ہوں گے اور ان سب کی بنیاد میں آپ کی دعائے بابرکت کا پانی ہوگا؛ اس لیے آپ ان کے لیے دعائیں کر کے جائیں۔

فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی برکت کا ایک واقعہ

پھر ہمارے حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک واقعہ انھوں نے سنایا کہ: جب حضرتؒ کا کشمیر کا دورہ ہوا تو جن جن بستیوں میں حضرت کو لے گیا، ان تمام بستیوں سے اللہ تعالیٰ نے شرک، بدعات، رسومات، نصرانیت کو ختم فرما دیا اور الحمد للہ! وہاں دینی ماحول قائم ہو گیا۔

حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ

ایسی ہی برکت کا واقعہ ہمارے یہاں بھروچ ضلع کے متعلق ہوا، جب شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا سفر ہوا تو حضرت بھروچ ضلع کی جن جن بستیوں میں تشریف لے گئے، وہاں سے بدعات و رسومات کا خاتمہ ہو گیا اور دیہات دیہات میں سینکڑوں علما اور حفاظ تیار ہو گئے اور جا بجا مدارس و مکاتب قائم ہو گئے۔

اللہ والوں کے قدم کی برکت

یہ اللہ والوں کے قدموں کی برکت ہے، کسی نے سچ بات کہی ''جب کسی علاقے میں کوئی سرکاری وزیر جاتا ہے تو وہاں راستے ٹھیک ہوجاتے ہیں اور جب کسی علاقے میں کسی اللہ والے کا گزر ہوتا ہے تو راستے پر چلنے والے ٹھیک ہوجاتے ہیں''۔ کسی جگہ کوئی دنیوی بادشاہ پہنچتا ہے تو لوگ ظاہری حالات بدلنے کی امیدیں قائم کرتے ہیں؛ لیکن جہاں روحانیت کے بادشاہ اللہ تعالیٰ کے اولیا جاتے ہیں وہاں دلوں کی دنیا بدل جاتی ہے۔

حالات کا خلاصہ

واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سفر بڑا ہی پر عبرت رہا کہ یا اللہ! جس ملک سے پورے عالم کو علوم نصیب ہوئے:

آج وہ ملک کلمہ کلمہ کے لیے ترس رہا ہے۔

قرآنِ مجید کی تعلیم کے لیے تڑپ رہا ہے۔

نہ وہاں کوئی مکتب ہے۔

نہ وہاں کوئی مدرسہ ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ: یہ مسلمانوں اور وہ بھی ''حنفی سنی'' مسلمانوں کا ملک ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ بہت دعاؤں کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ وہاں ایسی حکومت قائم فرمادے یا اہلِ حکومت کو یہ توفیق عطا فرمادے کہ دینی تعلیم کے سلسلے میں پابندیاں

ختم ہو جائیں، پھر سے وہاں مکاتب، مساجد، مدارس آباد ہو جائیں اور وہاں سے پورے عالم کو علم و ہدایت کی روشنی نصیب ہو، اللہ تعالیٰ وہ دن بہت جلدی دکھائے، اس کی دعائیں ہم کریں۔

نعمت پر شکر

ان سب سے ہم مسلمانانِ ہند عبرت حاصل کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس ملک کو جو نعمتیں عطا فرمائیں کہ جا بجا مدارس، مساجد، علما، اللہ تعالیٰ کے نیک بندے، خانقاہ اور دعوت و تبلیغ کی محنت۔ واللہ! یہ سب اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، ہم ان نعمتوں کی شکر گذاری کریں:

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَ زِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ.(ابراھیم:۷)

ترجمہ: اگر تم واقعی میرا شکر کروگے تو میں تم کو زیادہ نعمت دوں گا اور اگر تم نے (میری نعمت پر) ناشکری کی تو اچھی طرح سمجھ لینا کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کبھی ایسے برے دن ہمارے ملک میں نہ دکھائیں؛ بلکہ پورے عالم میں بھی کسی مسلمان کو نہ دکھائیں۔

وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ.(ال عمران:۱۴۰)

ترجمہ: اور یہ دن (اوقات) ہیں جو ہم لوگوں کے درمیان میں باری باری بدلتے رہتے ہیں۔

دن اور حالات کو پلٹنے میں دیر نہیں لگتی۔ اللہ تعالیٰ ہماری نسلوں کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور مساجد، مدارس، مراکز، خانقاہ، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے

محبت اور ان کی مجلس کی بہار - جو ہم ہمارے ملک میں دیکھ رہے ہیں - اللہ تعالیٰ اس بہار کو باقی رکھے، نظرِ بد سے بچائے، برے انقلاب سے بچائے اور اللہ تعالیٰ ان روحانی، علمی، دینی نعمتوں کی صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اپنی دعاؤں میں ازبکستان اور روس سے آزاد ہونے والے مسلمانوں کا بھی کچھ حصہ لگا لیجیے کہ اللہ تعالیٰ ایمان واسلام کی بہار کو قائم کرنے کی کوئی شکل پیدا فرمادے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

حضرت دامت برکاتہم کا خطاب

ابھی آپ ساری تفصیلات سن چکے، واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے لیے بڑی عبرت کا مقام ہے اور ہم اپنے یہاں جس ماحول کو دیکھ رہے ہیں وہ ہمارے اکابرین اور بزرگوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے، ہم اس کی قدر کریں؛ اس لیے اس کو باقی رکھنے کے لیے جس نوع کی محنتیں کرنی پڑے ہم اس میں کمی اور دریغ نہ کریں اور اس کو باقی رکھنے کے لیے جتنی بھی قربانیاں دینے کی ضرورت پڑے ہم قربانیاں دیں۔

ورنہ آپ نے حالات سنے کہ ساری دنیا کو علمِ حدیث کی ایسی کتابیں جہاں سے ملیں وہاں اس کو کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو موقع دیا ہے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں، جو صلاحتیں اور قویٰ دیے ہیں ہم اس کو دینی، ملی اور اسلام کی حفاظت واشاعت کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ لگائیں، اسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوازا جاتا ہے۔

بہرحال! یہ ساری باتیں آپ کے سامنے آچکی۔ آپ کو عزیز محترم مفتی محمود صاحب سلمہ نے جس واقعے کے متعلق کہا ہے، وہ واقعہ ''حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ'' کا ہے، وہاں بھی میں نے زبانی سنایا تھا۔

حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ میں پڑھا تھا کہ ایک آدمی حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی خدمت میں زیارت وملاقات کی نیت سے حاضر ہوا، یہ سمجھ کر کہ یہ بڑے اللہ والے ہیں؛ لیکن چوں کہ حضرت خواجہ صاحب بڑے مال دار تھے، وہاں انھوں نے مال کی ریل پیل اور شاہانہ ٹھاٹھ دیکھ کر کہا:

نہ مردست آں کہ دنیا دوست دارد

یعنی اللہ والا وہ نہیں جو دنیا کو دوست رکھتا ہو۔

اور اپنا ارادہ ملتوی کر کے واپسی کا ارادہ کرلیا؛ لیکن نماز کا چوں کہ وقت ہو گیا تھا؛ اس لیے ٹھہر گئے اور وہ ہما شما کی طرح کے لوگ نہیں تھے، تھوڑی دیر وہاں لیٹ گئے، نیند آ گئی تو خواب میں خواجہ عبید اللہ احرارؒ کو دیکھا اور خواب میں خواجہ صاحبؒ نے کہا: بھائی! تم کیا کہہ رہے تھے؟ بولو! تو انھوں نے وہی جملہ دہرایا:

نہ مردست آں کہ دنیا دوست دارد

تو اس پر خواجہ صاحبؒ نے دوسرا مصرعہ کہا:

اگر دارد برائے دوست می دارد

اگر دنیا کو دوست رکھتا بھی ہے تو دوست (حقیقی دوست اللہ تعالیٰ) کے خاطر رکھتا ہے۔

جب بیدار ہوئے اور حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہی واقعہ بیداری میں پیش آیا۔

بہر حال! ہمارے اکابر نے ہم کو نیت کی درستگی کا جو سبق سکھایا ہے، وہ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔

امام بخاریؒ کو جب امام دارمیؒ کی وفات کی اطلاع ہوئی - ۲۵۴ھ یا ۲۵۵ھ میں امام دارمیؒ کی وفات ہوئی اور امام بخاریؒ ۲۵۶ھ میں انتقال فرما گئے - تو انھوں نے ایک شعر کہا تھا:

ان تبق تفجع بالأحبة كلها	وفناء نفسك لاابالك افجع

گویا امام بخاریؒ اپنے آپ کو مخاطب ہو کر یوں فرما رہے تھے کہ: تو زیادہ زندہ رہا تو تجھے تمام دوستوں کی جدائی کا غم اٹھانا پڑے گا، جو آدمی طویل عمر پاتا ہے تو اس کو ان چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے، مجھے یاد آ گیا کہ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا دامت برکاتہم - جو ہمارے بزرگ ہیں - تو ان کے سامنے ان کے لڑکوں، لڑکیوں کا انتقال ہوا تو ایک مرتبہ فرمایا جو لمبی عمر پائے گا اس کو یہ سب تو بھگتنا ہی ہے، تو بہر حال:

ان تبق تفجع بالأحبة كلها

وفناء نفسك لاابالك افجع

مشکوۃ شریف پڑھانے کے زمانے میں امام دارمیؒ کا تذکرہ پڑھا تھا، اس وقت سے یہ شعر ذہن میں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ موت بڑی دردناک ہے؛ اس لیے ہر آدمی کو موت کی تیاری کرنی چاہیے۔

بہر حال! یہ تمام واقعات اور احوال ہمارے لیے بڑی عبرت کا موقع ہے، ابھی میں دو چار دن پہلے حدیث کے سبق کے لیے سورت گیا وہاں مولانا احمد صاحب لاٹ دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی تو مولانا کے سامنے اس سفر کا مختصر تذکرہ ہوا تو مولانا نے بھی فرمایا کے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک ہندوستان کو بڑی نعمتوں سے نوازا ہے اور جو لوگ پوری دنیا کا سفر کرتے ہیں اور حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو وہ لوگ پورے شرح صدر کے ساتھ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس ملک میں دین کی نسبت سے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، وہ دنیا میں کہیں بھی حاصل نہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، اس کی ہمیں قدر کرنی چاہیے اور اس کو بڑھانے کے لیے ہمیں اپنی کوششوں اور محنتوں کو بڑھانا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے، آمین۔

مقدمه

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے متعلق لیبیا کے سفیر صاحب کے کلمات

جیسا کہ اوپر لکھا گیا، اس عید کے دسترخوان پر لیبیا کے سفیر صاحب بھی موجود تھے، لیبیا کے کرنل "معمر قذافی" اور پناما کے جنرل "ناروے گو" دونوں رفیقِ تعلیم ہونے کی وجہ سے وہاں لیبیا کا سفارت خانہ شروع ہوا تھا۔

لیبیا کے سفیر صاحب کہنے لگے کہ: مجھے پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ ہندوستان میں اتنے بڑے شیخ تھے اور ان کی اتنی ساری تصانیف عربی، اردو میں ہیں کہ رمضان میں حضرت کے انتقال پر ہمارے ملک کی ٹی وی چینل پر باقاعدہ مرحوم کی حیاتِ طیبہ اور کارناموں پر ایک مفصل پروگرام پیش کیا گیا، تب مجھے ان کی شخصیت کا تعارف ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے ان اکابرین کی علمی، عملی یادگاروں سے بھرپور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(۲) قرآنِ مجید کے متعلق ایک دوسرا واقعہ

۲۰۱۱ء مطابق ۱۴۳۲ھ میں حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں افریقہ کے ایک ملک "بوسوانا" (Botsvana) کا سفر ہوا، سفر کے دوران ساؤتھ افریقہ سے مفتی فاروق صاحب منّی کی طرف سے شدید اصرار ہوا کہ ان کے بیٹے کا حفظ مکمل ہو گیا ہے، اس لیے حضرت دامت برکاتہم کی دعا پر مجلسِ تکمیل منعقد کرنا ہے۔

ہمارے یہاں کے سورتی خاندان کے ایک صاحب جو افریقی حکومت میں اہم وزارت کے عہدے پر تھے ان کی کوششوں کی برکت سے اللہ فضلی سے ویزا بھی جاری ہوگیا، البتہ! سفراس طرح ہوا کہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم اور عزیز گرامی القدر قاری عبدالحنان صاحب بائے روڈ افریقہ گئے اور غیبر ون کی ایک مسجد میں جمعہ کی نماز میں بندے کا بیان طے تھا؛ اسی لیے جمعہ کے بعد کے ہوائی جہاز سے مفتی فاروق منتی صاحب کی معیت میں بندے کا جوہانسبرگ (Johanesburg) جانے کا نظام بنا۔

جب ہم شام کے وقت جوہانسبرگ کے ہوائی اڈے پر پہنچے تو وہاں امیگریشن آفسر کو بڑی حیرت ہوئی کہ آپ ''بوسوانا'' سے ساؤتھ افریقہ کا ویزا لے کر آرہے ہیں وہ بھی صرف ڈھائی تین روز کا قیام ہے۔

وہ بار بار پوچھنے لگا کہ: آپ اتنے قلیل وقت کے لیے کیوں آئے ہو؟

بندے نے عرض کیا کہ: یہ ہمارے مفتی فاروق صاحب منتی ہیں، ان کے چھوٹے سے بچے نے قرآن زبانی یاد کرلیا ہے اور اس نسبت سے ایک بڑا پروگرام ہیں؛ اس کے لیے ہمارا آنا ہوا ہے۔

اس نے قرآن کے متعلق یہ سوال پوچھا کہ: قرآن کتنا بڑا ہے؟

میں نے کہا کہ: ساڑھے چھ ہزار (6500) سے زائد آیتیں قرآن میں ہیں، ایک سو چودہ (114) سورتیں ہیں، تیس (30) پارے ہیں۔

اس نے بہت ہی حیرت سے کہا کہ: اتنی ہزار ہا آیتیں کیا ایک چھوٹے بچے

نے زبانی یاد کرلیں؟

میں نے کہا کہ: جی ہاں! ہم آپ کو بھی دعوت دیتے ہیں، اس پروگرام میں آپ تشریف لائیں۔

تو وہ افسر صاحب اتنے حیرت زدہ ہوئے کہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے اور بار بار پوچھنے لگے کہ: اچھا! ایک چھوٹے بچے نے اتنی ہزار آیتیں یاد کرلیں؟

وہ اتنے حیرت زدہ تھے کہ اپنے ہم منصب وہم مذہب دوسرے افسر صاحب کو بھی بلایا اور قرآن کے حفظ کی جو بات ہم نے ان سے کہی تھی وہ ان کو سنانے لگے اور بہت ہی آسانی سے امیگریشن کسٹم کی کارروائیاں طے ہوگئیں۔

مفتی فاروق صاحب منتی مدظلہ ان سے کہنے لگے کہ: یہ قرآن ہی کا معجزہ ہے کہ لفظ بہ لفظ لوگ اس کو زبانی یاد کرلیتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی برکت سے ہوائی جہاز کا ایک عجیب سفر

''بوسوانا'' کے اسی سفر میں ہمارے حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب کی برکت سے ''غبیر ون'' سے فرانسس ٹاؤن کا ہوائی جہاز کا سفر بھی بڑا انرالا رہا، غبیرون میں ویزا کی ضروری کارروائی کی وجہ سے ایسے وقت پر فراغت ہوئی جب کہ غبیرون سے فرانسس ٹاؤن جانے کا جہاز جاچکا تھا، وہاں کے مشہور رئیس عبدالستار دادا صاحب نے کہا کہ: میرا ذاتی طیارہ ہے، اسی سے ہم سفر کرتے ہیں۔

چناں چہ انھوں نے فوراً اپنے پائلٹ (Pilot) کو فون کیا اور نیا خریدا ہوا جیٹ کمپنی کا شاندار ہوائی جہاز — جس میں بیٹھنے، سونے اور کھانے کی تمام سہولیات تھیں

اس — کے ذریعے سے سفر ہو گیا اور وہاں ظہر کی نماز کے فوراً بعد مسجد میں مردوں میں اور اس کے بعد مستورات کے پروگرام میں کوئی خلل نہیں آیا اور مقررہ نظام کے مطابق سارے پروگرام خیریت سے ہو گئے۔

یہ زندگی کا پہلا موقع تھا جس میں کسی کے ذاتی نئے شان دار سہولیات والے طیارے سے یہ دینی سفر ہوا، ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کہیں کسی جگہ کسی صاحب کی کار سے جانا پہلے سے طے ہوا اور اس کار میں کوئی رکاوٹ پیش آ گئی تو کسی دوسرے صاحب نے کہا: میری کار سے چلے جائیے، شعر:

ہجومِ بلبل ہوا چمن میں کیا جو گل نے جمال پیدا
کمی نہیں اکبر قدر دانوں کی کرے تو کوئی کمال پیدا

اس سفر میں فرانسس ٹاؤن سے واپسی پر یہ بھی ہوا کہ انھیں عبدالستار دادا نے اپنے فارم ہاؤس پر ایک رات قیام کی درخواست کی، نہایت وسیع وعریض رقبے میں پھیلا ہوا ان کا فارم جس میں قسم قسم کے جانور آزاد رہتے ہیں اور اس میں دو سو تین سو آدمی قیام کر سکے اتنا بڑا ان کا عالی شان بنگلہ۔

اس میں علما کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ رات کا قیام ہوا اور حسب معمول صبح صادق سے ایک گھنٹہ پہلے ذکرِ جہری کی مجلس ہوئی، جس میں ''بوسوانا'' کے علما اور عوام سب حیرت زدہ رہ گئے کہ خود عبدالستار دادا جو وہاں کے رئیس بھی ہیں اور حکومت کے بڑے عہدے پر ہیں، آدھی رات کے بعد شہر کی اپنی قیام گاہ سے طویل سفر کر کے جنگل میں اپنے فارم پر آئے، ذکر اور تہجد میں شامل ہوئے۔

یہ اللہ کے نام کی کشش اور اور حضرت دامت برکاتہم کی روحانیت کی برکت ہے۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم افریقہ کے ایک سفر کے موقع پر معمول کے مطابق ہوائی جہاز کے سفر کے دوران قرآنِ مجید کی تلاوت میں مشغول تھے تو ایک ایئر ہوسٹس (Air Hostress) آپ کے چہرے کے انوار کو دیکھ کر کے ایمان لے آئی تھی، اس کا عجیب وغریب واقعہ "دیکھی ہوئی دنیا" کی تیسری جلد میں مفتی یعقوب صاحب منی زیدمجدہم کے قلم سے ان شاء اللہ آپ پڑھو گے۔

قرآن مجید کے متعلق تیسرا واقعہ

ابھی چند روز پہلے مکاتب کے امور کے سلسلے میں کچھ (Kutch) کے علاقے کا سفر ہوا تھا، واپسی میں ٹکٹ نہ مل سکنے کی وجہ سے اے سی فرسٹ کلاس (A.C.First class) کا ٹکٹ بنوایا، جس کے گراں قدر مصارف کی وجہ سے بندے کی طبیعت پر اس کا اثر تھا؛ لیکن ایک واقعے کی وجہ سے تمام گرانی کے اثرات دور ہو گئے۔

اے سی فرسٹ کلاس کی ترتیب کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ اس میں دو دو، تین تین مسافروں کے لیے چھوٹے چھوٹے الگ الگ کمرے ہوتے ہیں اور بہت ساری نرالی سہولیات ہوتی ہیں، عشا کی نماز اور کھانے سے فراغت کے بعد احباب کے ساتھ مکاتب کے تعلیمی مشوروں سے فارغ ہو کر سونے کی تیاری ہو رہی تھی، اس وقت رفیقِ سفر حافظ اویس اور حافظ الطاف نے آ کر بتایا جس جگہ ہماری سیٹ (Seat) ہے

وہاں دو بڑے آدمی ہیں اور وہ آپ سے قرآن کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

دن بھر کے کچھ کے دور دراز علاقوں کے سفر اور مکاتب کے مدرسین کے ساتھ مختلف مجلسوں کی وجہ سے بہت زیادہ ہی تھکان تھی، گیارہ (11) بج رہے تھے؛ اس لیے پہلے تو طبیعت آمادہ نہیں ہوئی؛ لیکن معاً دل میں خیال آیا کہ یہ لوگ جو قرآن کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو پھر ہمیں ان کو ضرور وقت دینا ہی چاہیے۔

میں نے ان کو کہا: بلا لیجیے۔

میں نے برادرِ مکرم مولانا اسماعیل صاحب کاپودروی سے بہت منت وسماجت کی کہ آپ ہی ان کو قرآن کا تعارف پیش کریں۔

اللہ نے ان کو افہام وتفہیم کا اعلیٰ ملکہ عطا کیا ہے؛ لیکن اس کے لیے وہ آمادہ نہیں ہوئے؛ چوں کہ گجراتی زبان میں بات کرنی تھی۔

خیر! جب وہ دونوں حضرات ہمارے سامنے آئے، تو دیکھا کہ ظاہراً بہت ہی وجیہ شخصیت ہیں اور بہت ہی طلب کے ساتھ آئے، اولاً انھوں نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور قدرے سر جھکا دیا، جو ہندوؤں کے یہاں تکریم کا ایک خاص طریقہ ہے، وہ دونوں حضرات کھڑے ہی تھے، میں نے ان کو بیٹھنے کے لیے کہا، دونوں حضرات بیٹھ گئے۔

دونوں نے بہت ہی ادب سے سوال کیا کہ: ہمیں قرآن مجید کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہے۔

میں نے دل میں اللہ سے دعا کر کے بات چیت شروع کی تو عجیب چیز میں نے دیکھی کہ وہ دونوں حضرات نے اپنے پیر سے جوتے نکال دیے اور کہنے لگے کہ: قرآن جیسی پاک کتاب کی بات ہم سنیں تو اس کے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جوتے نکال دیں۔

اور پہلے ہی سے ادب سے بیٹھے ہوئے تھے اور قرآن کے سلسلے میں میری باتیں شروع ہوئیں، تو پہلے سے بھی زیادہ باادب ہو کر بیٹھ گئے اور تقریباً چالیس (40) منٹ نہایت غور وادب کے ساتھ قرآنِ مجید کے متعلق وہ باتیں سنتے رہے۔

پھر جب میں نے بات روک لی تو ان کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی اور نہایت درد بھری آواز سے کہنے لگے کہ: ہم نے اخبارات، میڈیا کے ذریعے سے اسلام اور قرآن کے بارے میں کیا سن رکھا تھا اور ہم کیا سمجھ رہے تھے، جب کہ حقائق بالکل الگ نکلے اور ہمیں یہ سب باتیں سن کر کے یقین ہے کہ قرآن آسمانی (پوِتر پستک) پاک کتاب ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے متعلق بھی بعد میں کچھ باتیں ان کو بتائی گئیں۔

انھوں نے اسلام اور قرآن کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے اور پڑھنے کا عزم بھی کیا۔

اخیر میں ان سے ان کا تعارف پوچھا۔

انھوں نے اپنا کارڈ دیا، تب پتہ چلا کہ ان میں سے ایک صاحب پورے کچھ ضلع سیشن کورٹ کے جسٹس ہیں اور دوسرے صاحب اصلاً بھارتی اور امریکہ کے شہری

تھے، جو گچھ اور بمبئی میں مختلف جگہوں پر کئی ہسپتال (Hospital) چلاتے ہیں اور انھوں نے کالج قائم کیے ہیں اور بہت بڑی مقدار میں رفاہی کام کرتے ہیں۔

دونوں نے اپنے اپنے نمبر بھی دیے اور اپنے یہاں آنے کی پر خلوص دعوت بھی دی، یہ سب قرآنِ مجید کے برکات ہیں۔

اس سے ایک بات یہ بھی سیکھنے کو ملی کہ دورانِ سفر ہم اپنے اخلاقِ عالیہ سے اسلام کا کتنا اچھا تعارف کرانے کا موقع حاصل کر سکتے ہیں۔

میرے ایک مخلص محب محترم سلیم بھائی گودھرا والے جو ریلوے کے اہم عہدے داریں سے ہیں، جب ان کے سامنے اس واقعے کا تذکرہ کیا تو وہ مجھے کہنے لگے کہ: ایسے بڑے کوالیٹی (V.I.P) لوگوں تک اسلام اور قران کی حقانیت اجاگر کرنے کے مواقع ایسے اعلیٰ کلاس کے سفر میں مل سکتے ہیں اور جو مہنگا کرایہ خرچ ہوا وہ کئی گنا زیادہ وصول ہو گیا؛ چوں کہ اس سفر کی برکت سے آپ کو اسلام کی دعوت کا ایک موقع ملا۔

ان کی اس بات سے مصارف زیادہ خرچ ہونے کا بوجھ تھا وہ بھی ہلکا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے محترم سلیم بھائی گودھرا والے کو خوب جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

(۴) چوتھا واقعہ

ابھی ابھی اس سال 2016/2017ء میں 26/جنوری کے روز احمد آباد سے واپسی ہو رہی تھی، ہمارے جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب مدظلہ العالی کی معیت میں یہ سفر تھا، پہلے سے ٹکٹ ریزرو نہیں تھا، اسٹیشن پر جب پہنچے تو سوت

کی طرف جانے والی ایک ٹرین بالکل تیار تھی، عزیز محترم مفتی رضوان صاحب نے احمد آباد سے سورت کے دو سادے ٹکٹ خرید لیے اور ٹی سی سے بات کرلی۔

ہم دونوں اے سی ڈبے میں سوار ہو کر سورت کی طرف آرہے تھے، جب سورت قریب آنے لگا تو میں خود ٹی سی صاحب کے پاس گیا، وہ مجھے کہنے لگے: ایک ہزار (1000) روپیے دے دیجیے۔

میں نے ان سے کہا کہ: آپ اس کی رسید کاٹ دیجیے۔

وہ مجھے کہنے لگے: رسید کی کیا ضرورت ہے؟ آپ مجھے صرف ایک ہزار روپیے دے دیجیے۔

میں نے کہا کہ: رسید تو کٹوانی ہی ہے۔

وہ پوچھنے لگے کہ: کیوں آپ رسید کے لیے اصرار کررہے ہیں؟

میں نے کہا کہ: ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

جس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ عام طور پر ٹی سی لوگ سیٹیں دے دیتے ہیں، رسید نہیں بناتے ہیں، پیسے ان کی جیب میں چلے جاتے ہیں؛ حالاں کہ گاڑی حکومت کی ملکیت ہے اور گاڑی کے جس طرح کے ڈبے میں ہم سفر کریں گے اس کا جتنے کا ٹکٹ ہوتا ہے اتنے پیسے حکومت کے خزانے میں پہنچانا ضروری ہے اور یہی ہماری شریعت کی مبارک تعلیم ہے۔

اس پر وہ ٹی سی صاحب مجھے کہنے لگے کہ: جب آپ نے اوپر والے یعنی اللہ کی بات کی اب مجھے ایک پیسہ بھی اپنے لیے آپ سے نہیں لینا ہے اور ضابطے کے

مطابق جتنے کا ٹکٹ اے سی کا بنتا ہے اتنے پیسے لیے اور رسید بنادی اور بہت حیرت سے بار بار میری طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ: آپ اوپر والے کی وجہ سے قانوناً رسید بنواتے ہیں یہ کتنی اچھی بات ہے۔

رسید بن جانے کے بعد میں نے تقریباً تین سو (300) روپیے بطورِ ہدیہ پیش کیے۔

وہ کہنے لگے کہ: جب آپ نے اوپر والے مالک کا نام لیا ہے تو میں آپ سے ایک پیسہ بھی زائد نہیں لے سکتا۔

پھر بھی میں نے بہت اصرار کے ساتھ ان کو ہدیہ پیش کیا کہ آپ اپنے بچوں کے لیے اس میں سے کوئی چیز خرید کر لے جائیں۔

غرض! ہم اپنے اسفار کے ذریعے اسلام میں معاملات کی صفائی، اجارہ اور کرایہ کے متعلق احکام اچھی طرح غیر مسلموں کے سامنے اور ناواقف مسلمانوں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، جو تعلیماتِ اسلام کی دعوت کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

(۵) پانچواں واقعہ

2000ء میں رمضان المبارک کے مہینے میں پہلی مرتبہ پناما کا دینی سفر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس وقت بمبئی سے پیرس اور پھر پیرس سے ہوائی جہاز بدلنا تھا۔

پیرس کے ہوائی اڈے پر اطمینان سے میں بیٹھا ہوا تھا، رمضان تھا، روزہ تھا، اتنے میں دو صاحب نے مجھے سلام کیا، دونوں مکمل کوٹ پتلون میں ملبوس تھے، ظاہر میں علامتِ اسلام نہ ہونے کی وجہ سے تعجب کے ساتھ میں نے ان کے سلام کا جواب

دیا، پھر انھوں نے عربی میں گفتگو شروع کی، تب پتہ چلا کہ ان میں سے ایک صاحب جامعہ ازہر مصر کے کسی شعبے کے استاذ تھے اور دوسرے صاحب جامعہ ازہر ہی کی کسی شاخ کے مدرس تھے۔

دورانِ گفتگو پتہ چلا کہ انھوں نے علامہ بنوری کی معارف السنن کا مطالعہ کیا تھا جس کی وجہ سے وہ علامہ بنوری سے بہت ہی متأثر تھے۔

میں نے ان سے آہستہ سے کہا کہ: علامہ بنوری جس مدرسے میں پڑھے اور جہاں انھوں نے پڑھایا اسی مدرسے میں پڑھنے کی اور اس وقت پڑھانے کی سعادت مجھے حاصل ہے۔

خیر! مختلف علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، اتنے میں ہوائی جہاز کا وقت ہوا، وہ بھی رمضان کی مناسبت سے دینی دعوتی غرض سے لاطینی امریکہ کے کسی ملک کے سفر پر جا رہے تھے۔

اٹھتے اٹھتے اس ملاقات کا ان کا آخری جملہ یہ تھا کہ وہ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ:

ہم کو بھی ہمارے لیے یہ چیز لازم کر لینی چاہیے کہ ہم اسلامی لباس پہنیں اور شرعی طریقے سے ڈاڑھی رکھیں۔

اس سے ایک بات یہ بھی سیکھنے کو ملی کہ سفر وحضر ہر موقع پر اسلامی لباس، اسلامی وضع قطع ہمیں اپنانی چاہیے۔

ہمارا مزاج اس طرح اسلامی وضع کا ہے، یہ اللہ کے فضل وکرم سے ہمارے

اکابر کی سفر و حضر کی صحبت بابرکات کا فیض ہے۔

بہت سارے ہمارے مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ سفر کے موقع پر اسلامی لباس چھوڑ کر دوسری طرح کا لباس پہن لیتے ہیں، یہ چیز کسی طرح مناسب نہیں ہے، ہر جگہ ہماری عزت اسلام میں ہی ہے، اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔

بہر حال! سفر کے چند واقعات کو قلم بند کروا دیا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فائدہ مند بنائے، آمین۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول بنائے، اپنی رضا کا ذریعہ بنائے، آمین۔

نوٹ: یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، کارگزاری سننے کے مشاق حضرات کے اصرار پر جو بیان ہوئے تھے اس کو سی ڈی سے قلم بند کیا گیا اور اس میں اضافے کیے گئے ہیں۔

والسلام

العبد: محمود بن مولانا سلیمان حافظجی بارڈولی

مدرس: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک

رجب ۱۴۳۷ھ

پیش خدمت

اللہ کی توفیق سے بندے نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اپنے تمام اساتذہ اور مشائخین کے ایصالِ ثواب کے لیے کچھ نہ کچھ صدقۂ جاریہ کا کام کیا جائے، الحمد اللہ! اس پر کافی حدتک عمل کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

نورانی مکاتب کے مبارک سلسلے کے جو مختلف زون قائم کیے گئے ہیں ان میں ہر زون کی نسبت سلسلۂ چشتیہ عالیہ کے مشائخینِ حقہ اور میری سندِ حدیث کے مشائخین سے جڑی ہوئی ہے اور جو کتاب بھی اللہ کی توفیق سے تیار ہوتی ہے، اس کا ثواب بھی اپنے بڑوں میں سے کسی نہ کسی کے لیے ایصال کرتا ہوں۔

سفرنامے کی اس دوسری جلد کا مکمل اجروثواب میرے بہت ہی مشفق استاذ، جن سے مجھے سب سے زیادہ کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے اور عربی کے ابتدائی درجے سے دورۂ حدیث شریف تک جن کی تعلیمی، تربیتی توجہات سے استفادہ کا خوب موقع ملا ہے، اس سے میری مراد حضرت الاستاذ مولانا مفتی اسماعیل صاحب چاسوی دامت برکاتہم العالیہ ہیں، ان کے نام پر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

آں موصوف سے بندے کو حسب ذیل کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے:

(۱) درجۂ عربی اول میں پورا سال امتحان دینے کی سعادت حاصل ہوئی ہیں۔ موصوف امتحان کے ساتھ بہت کچھ سکھاتے بھی ہیں۔

(۲) درجۂ عربی دوم کے سال: نور الایضاح، قدوری، ہدایۃ النحو، کافیہ، علم

الصیغہ، القراۃ الواضحہ، مفتاح القران، تیسیر المنطق، مرقاۃ، عربی تمرین'' وغیرہ۔

(۳) درجۂ عربی سوم میں: اصول الشاشی، شرح ابن عقیل، دروس التاریخ۔

(۴) درجۂ عربی چہارم میں: مقاماتِ حریری۔

(۵) درجۂ عربی پنجم میں: ہدایہ ثانی، شرح عقائد، حسامی۔

(۶) درجۂ عربی ششم کے سال: مشکوۃ شریف جلد ثانی، نخبۃ الفکر۔

(۷) دورۂ حدیث شریف کے سال: طحاوی شریف، نسائی شریف، سنن ابن ماجہ وغیرہ۔

میری طالب علمی کے زمانے میں ''النادی العربی'' کے سرپرست بھی مولانا اسماعیل صاحب ہی تھے، پھر اردو انجمن کے سرپرست بھی جامعہ کی طرف سے آپ کو بنایا گیا؛ لہٰذا دونوں انجمنوں میں آپ کی زیرِ سرپرستی عربی، اردو تقریر وتحریر میں مشق کی سعادت حاصل ہوئی، زمانۂ طالب علمی میں بندے پر جس قدر شفقت تھی، اس کا ایک واقعہ خطباتِ محمود کی چوتھی جلد، ص ۲۸ پر دیکھا جاسکتا ہے۔

زمانۂ طالبِ علمی میں استاذِ محترم کے متعلق ایک خواب دیکھا تھا، وہ خواب میں نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے محقق عالمِ دین، حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب — شارحِ ابوداؤد — کی خدمت میں لکھا تھا، وہ خواب مع تعبیر حسبِ ذیل ہے:

خط (خواب کی تعبیر کے سلسلے میں)

(دوسرا خواب) احقر نے یہ دیکھا کہ مدرسہ شروع ہوا اور احقر اپنے استاذ حضرت مولانا اسماعیل صاحب مظاہری جن سے عربی دوم پڑھا تھا ان کے مکان پر ملنے گیا، احقر

مکان میں داخل ہوا تو استاذ اور اہلیہ محترمہ اور سب فرزند سوئے ہوئے تھے، استاذ نے اپنی اہلیہ سے پردہ کرنے کو کہا اور پھر احقر آگے والے کمرے میں بیٹھا، پھر استاذ نے گھر کے اندر جا کر ٹھنڈا پانی میرے لیے بھیجا اور پھر میرے لیے ٹھنڈا دودھ اور فالودہ بنانے میں مشغول ہوئے، پھر احقر بیدار ہو گیا۔

امید ہے کہ دونوں خوابوں کی تعبیر پر احقر کو مطلع فرمائیں گے۔

محمود بارڈولی

متعلم: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک، گجرات

درجۂ عربی سوم

جواب (مع تعبیر خواب)

عزیزم مولوی محمود گجراتی سلمہ اللہ تعالیٰ!

تمھارا مکتوب پہنچا، تعلق اور محبت پر اندازہ ہوا، اللہ تعالیٰ شانہ تمھاری اس محبت کو طرفین کے لیے موجبِ منفعت فرمائے، آمین۔

تمھارے دونوں خواب اچھے ہیں، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، آمین۔

دونوں کا حاصل یہ ہے کہ:

آپ کو اپنے بزرگوں اور استاذوں سے عقیدت اور محبت ہے، جس سے نفع پہنچنے کی توقع ہے؛ بلکہ نفع پہنچ رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں اضافہ فرمائے اور تم کو محنت اور کوشش کی مزید توفیق عطا فرما کر ترقیات سے نوازے، فقط والسلام۔

مجھے بھی دعامیں یاد رکھا کرو۔

فقط

محمد عاقل عفا اللہ عنہ

۱۴؍شوال ۱۴۰۶ھ

نوٹ:(۱) اول خواب دوسرے بزرگ کے متعلق تھا۔

(۲) عربی دوم بعد والے رمضان کا مہینہ سہارنپور میں موچیوں والی مسجد میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کی صحبت میں گذارنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اس وقت رمضان میں خواب میں حضرت شیخ زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کو دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، جس کی برکت سے حضرت مولانا عاقل صاحب سے اچھا خاصہ تعارف ہو گیا تھا، پھر عربی سوم والے سال سیدی ومولائی حضرت فقیہ الامتؒ سے بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔

پھر نور الایضاح پڑھنے کے زمانے میں، نور الایضاح کی ایک عبارت ”والقیام حین قیل حی علی الفلاح“ کا سبق ہوا، سبق کے بعد دوسرے وقت میں نے حضرت الاستاذ سے اس سلسلے میں مزید باتیں پوچھیں، تو اس وقت حضرت الاستاذ نے بہت اچھی طرح عبارت سمجھائی۔

ان دنوں میرے مرشدِ اول فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ جامعہ ڈابھیل میں تشریف فرما تھے، عصر کے بعد علمی وروحانی مجلس ہوتی تھی، حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے حضرت فقیہ الامتؒ سے بھی سوال کر کے حضرت کے مسکت، الزامی، محقق جواب سے محظوظ ہونے کا ہم کو موقع عنایت فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اساتذہ کی ان توجہات اور محنتوں کا بہترین بدلہ دنیا اور آخرت میں عطا فرمائے اور ان کے سایۂ عاطفت کو صحت وعافیت کے ساتھ ہم پر قائم ودائم فرمائے، آمین۔

نوٹ: جو اساتذہ بہ قیدِ حیات ہیں، ان میں سے میرے مرشدِ ثانی اور مشفق و محسن استاذ حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں اپنے خطبات کی دوسری جلد کا ثواب پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے اور نورانی مکاتب کا ایک پورا زون گلشنِ احمد کے نام سے آباد وشاداب ہے۔

ان شاء اللہ دیگر باقی حیات اساتذہ کے لیے آئندہ یہ سلسلہ جاری رہیں گا۔

❁❁❁

اسپین کی کارگزاری

رفقائے سفر

(۱) حضرت اقدس شیخ الحدیث مفتی احمد خان پوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ (صدر مفتی وشیخ الحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک، گجرات)۔

(۲) مفتی محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی، بارڈولی (استاذِ تفسیر وحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک، گجرات)۔

(۳) حضرت مولانا اسماعیل صاحب (مہتمم: دار العلوم لیسٹر برطانیہ)۔

(۴) مولانا عمران پٹیل صاحب لنڈن (فاضلِ جامعہ ڈابھیل)۔

(۵) مولانا محمد بن مولانا سلیمان حافظ جی لیسٹر (مرتب کے برادرِ مرحوم)۔

(۶) الحاج امتیاز بھائی گجیا (لنڈن)۔

(۷) الحاج احمد بھائی منجان والا (لیسٹر)۔

(۸) الحاج محمد بھائی بھانا، اٹالواوالے (مانچیسٹر)۔

(۹) حاجی ناصر بھائی دادا (سورت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَاِمَامَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ، وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً ــــ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِہِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ (یوسف: ۱۱۱)

ترجمہ: پکی بات یہ ہے کہ ان کے واقعات میں عقل والوں کے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے۔

وَکَذٰلِکَ أَخْذُ رَبِّکَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰی وَہِیَ ظَالِمَۃٌ، إِنَّ أَخْذَہٗ أَلِیْمٌ شَدِیْدٌ۔

(ہود: ۱۰۲)

ترجمہ: اور اسی طرح تمھارے رب پکڑ میں لے لیتے ہیں جب بستیوں کو پکڑتے ہیں اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں، یقیناً اس (اللہ تعالیٰ) کی پکڑ بڑی دردناک ہے، بہت ہی سخت ہے۔

اسپین ہمارے لیے دل چسپی کا باعث کیوں؟

اسپین یہ یورپ کا ایک ملک ہے، ایسے تو یورپ میں بہت سارے ممالک ہیں؛

لیکن یہ ملک ہمارے لیے اس لیے دل چسپی کا باعث ہے کہ حضرات تابعین کے دور سے تقریباً آٹھ سو سال تک یہاں پر ایک مثالی اسلامی حکومت قائم رہی، یورپ کے اس ملک کو مسلمانوں نے اپنی بھرپور خداداد صلاحیتوں کے ذریعہ تہذیب وتمدن اور ترقی کا ایک گہوارہ بنایا اور پورے عالم میں ایک مثالی ملک کی شکل میں اس کو تعمیر کیا۔

اسی اسپین میں حرمین کے بعد مسلمانوں کی ایک زمانے کی پوری دنیا کی سب بڑی عالی شان مسجد ''جامعِ قُرطُبہ'' بھی قائم ہے۔

اسی اسپین کی سرزمین پر حضرت امام قرطبیؒ، علامہ شاطبیؒ، خطیب الامت منذر ابن سعیدؒ اور تفسیرِ بحرِ محیط کے مصنف علامہ ابوحیّان اندلسیؒ جیسے نامور حضرات پیدا ہوئے؛ اسی لیے یہ ملک ہمارے لیے بڑا دل چسپی کا باعث رہا ہے۔

دیرینہ آرزو اور اسپین کا سفر

بچپن سے اس کے حالات اور واقعات ہم سنتے تھے اور کچھ مدت سے اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرتے تھے کہ اللہ کرے کہ کبھی ایسا موقع آئے کہ ہم اس ملک کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں جہاں آٹھ سو سال تک ہماری مثالی حکومت قائم رہی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سالِ گذشتہ ماہِ شعبان ۱۴۲۷ھ میں میرے مشفق و محسن حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے ساتھ انگلینڈ کا ایک دینی سفر ہوا اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق انگلینڈ سے الحمدللہ! اسپین کی حاضری نصیب ہوئی، شعبان کے اواخر میں ہماری وہاں حاضری ہوئی۔

قبل اس کے کہ میں آپ حضرات کی خدمت میں اپنے سفر کی کارگزاری عرض

کروں فتحِ اندلس کے متعلق ایک دو باتیں آپ سے عرض کر دیتا ہوں۔

اسپین نام کی وجہ اور اس کا جائے وقوع

کہتے ہیں کہ: طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے جو قوم اس خطے میں آباد ہوئی اس کا نام ''اندلش'' تھا، عربوں نے ''شین'' کو ''سین'' میں بدل کر اس پورے علاقے کا نام ''اندلس'' رکھ دیا۔

بعد میں یہاں ایک رومی بادشاہ کی حکومت ہوئی جس کا نام ''اشبان'' تھا، اسی نے اشبیلیہ شہر آباد کیا جس کی وجہ سے ''اشبیلیہ'' شہر کو ''اشبانیہ'' کہا جانے لگا، پھر رفتہ رفتہ یہ نام پورے ملک کے لیے بولا جانے لگا اور اسی کی بگڑی ہوئی شکل ہسپانیہ یا اسپین ہے۔
(اندلس میں چند روز از مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی: ۱۰)

اسپین یہ یورپ کا ایک ملک ہے، اگر عالم کے نقشے میں ہم دیکھیں تو مسلمانوں کا جو آخری ملک ''مراکش'' ہے، اس سے بالکل قریب ترین ہے، بحری راستے بائیس (22) یا تیئیس (23) میل کا فاصلہ ہے۔

مراکش اور اسپین کے درمیان چھوٹی بڑی کشتیاں چلتی رہتی ہیں، سیاح اسی کے ذریعہ آمد و رفت کرتے ہیں۔

فاتحِ افریقہ حضرت موسیٰ بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت موسیٰ ابن نصیر رحمۃ اللہ علیہ کا نام تاریخ میں بہت ہی روشن ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دستِ بابرکت پر افریقی ممالک کی فتح مقدر فرمائی تھی، بہت سے افریقی ممالک کو موسیٰ ابن نصیرؒ نے فتح کیا۔

موزامبیک نام کی وجہ

کہتے ہیں کہ: وسطِ افریقہ میں ایک ملک ''موزام بیک'' (Mozambik) ہے، اس کا اصل نام ''موسیٰ بیک'' ہے، یہ حضرت موسیٰ بن نصیرؒ کا نام ہے، اسی سے اس ملک کا نام ''موسیٰ بیک'' بنا، پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے ''موزامبیک'' بن گیا ہے۔

اس ملک میں ''بیراشموی'' شہر کے قریب تابعین کے مزارات بھی معروف ہیں، بندے کو اس ملک میں کئی مرتبہ دینی نسبت سے حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

فاتحِ اسپین طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت موسیٰ بن نصیرؒ نے اپنے ایک چہیتے سپہ سالار، تاریخِ اسلام کے جگمگاتے ستارے حضرت طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کو تقریباً سات ہزار (7000) رُفقا کی ایک جماعت لے کر اسپین کی طرف روانہ فرمایا، خود اسپین کے عیسائی لوگوں کی درخواست پر حضرت موسیٰ بن نصیرؒ نے یہ اسلامی لشکر اسپین کی طرف روانہ کیا تھا، ان کا مقصد مظالم سے انسانیت کو آزاد کرانا تھا اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلوا کر اپنے خالق و مالک کی غلامی میں لانا تھا۔

نوٹ: فاتحِ اندلس طارق بن زیاد: بربری، افریقہ کے باشندے اور موسیٰ بن نصیرؒ کے آزاد کردہ غلام، فوجی خدمات پر مامور تھے، ان کا لشکر بربریوں پر مشتمل تھا 19 جولائی ۷۱۱ء میں حملہ کر کے اندلس کو فتح کیا اور وہاں اسلامی حکومت قائم کی۔

حضرت طارق ابن زیادؒ نے مراکش سے اسپین پہنچنے کے لیے چار بڑی کشتیوں

کو استعمال کیا، اسپین میں جہاں آج کل "جبل الطارق" واقع ہے جس کا جدید نام جبرالٹر (Gibraltor) ہے، جو پوری دنیا میں مشہور ہے، یہ اصل لفظ "جبلِ طارق" سے بنا ہے۔

طارق بن زیادؒ کا خواب: فتحِ اندلس کی بشارت

روایت میں ہے کہ کشتی میں سوار ہونے کے بعد طارق بن زیادؒ کی آنکھ لگ گئی، خواب میں ان کو نبیٔ کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔

انھوں نے خواب میں دیکھا کہ آں حضرت ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کچھ دیگر اجلّ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اسلحے سے مسلح ہو کر پانی پر چلتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں، جب آپ ﷺ طارق بن زیادؒ کے پاس سے گذرے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

طارق! بڑھتے چلے جاؤ۔

یہ جملہ — جو درحقیقت حضور ﷺ کی طرف سے فتحِ اسپین کی بشارت تھی — ارشاد فرمانے کے بعد آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے مقدس رفقا آگے بڑھتے ہوئے اندلس میں داخل ہو گئے۔

جب حضرت طارق بن زیادؒ کی آنکھ کھلی تو بے حد مسرور اور خوش تھے؛ اس لیے کہ خواب میں ان کو فتح کی بشارت مل چکی تھی۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی: کشتیاں جلانا

جب اندلس کے ساحل پر اترے تو آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ

اپنی کشتیوں کو جلادیا؛ تاکہ:

(۱) اپنے ساتھیوں کے سامنے فرار کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔

(۲) اس ملک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسلام زندہ ہوجائے۔

(۳) وہ ملک ان کے لیے قیامت تک کے لیے آرام گاہ بن جائے؛ یعنی اس ملک میں ان کی قبریں بنیں۔

(۴) اسلام کا پرچم لہراتا ہوا نظر آئے۔

کشتیوں کو جلانے میں آپ کے پیشِ نظر یہ مقاصد تھے۔

پھر اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ تاریخی خطبہ دیا:

اندلس کے ساحل پر طارق بن زیادؒ کا ولولہ انگیز خطاب

حمد وثنا کے بعد! میرے ساتھیو! تمھارے پیچھے سمندر ہے اور سامنے دشمن، جان بچانے کے راستے ختم ہو چکے ہیں؛ لٰہذا تمھارے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ تم خدا کے ساتھ کیے ہوئے عہد میں سچے اترو اور جرأت سے کام لو۔

یاد رکھو! اس جزیرے میں تم ان یتیموں سے زیادہ بے آسرا ہو جو کسی کنجوس کے دستر خوان پر بیٹھے ہوں، دشمن تمھارے مقابلے کے لیے اپنا پورا لاؤ لشکر لے کر آ گیا ہے اس کو ہر قسم کی سہولت حاصل ہے اور تمھارے لیے تلواروں کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں، زیادہ وقت اگر یوں ہی گذر گیا اور تم کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے تو تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دلوں پر جو تمھارا رعب چھایا ہوا ہے وہ ختم ہوجائے گا؛ بلکہ دشمن کے دل میں جرأت وحوصلہ پیدا ہوجائے گا؛ لٰہذا انجامِ بد سے بچنے کے لیے ایک ہی طریقہ

ہے اور وہ یہ ہے کہ تم پوری ثابت قدمی اور دلیری سے اس سرکش و ظالم بادشاہ کا مقابلہ کرو، اگر تم خود کو موت کے لیے تیار کرلو تو اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے۔

یاد رکھو! میں نے تمھیں کسی ایسے انجام سے نہیں ڈرایا جس سے میں خود بچا ہوا ہوں، نہ میں تمھیں کسی ایسے کام پر آمادہ کررہا ہوں جس سے تم نا آشنا ہو، میں ہر قدم پر تمھارے ساتھ ہوں؛ بلکہ دو قدم آگے ہوں۔

میرے بھائیو! اگر تم نے آج کی مشقت پر صبر کرلیا تو مدت تک لذت وراحت سے لطف اندوز ہوتے رہو گے، اللہ کی نصرت تمھارے ساتھ ہے، تم حق وانصاف کا علم بلند کرنے کے جذبے سے یہاں پہنچے ہو، تمھارا یہ عمل دنیا و آخرت میں تمھاری یادگار بنے گا اور تمھاری نسلیں تمھارے اوپر فخر کریں گی۔ (بشکریہ پندرہ روزہ آئینۂ دارالعلوم دیوبند ۲۴ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ)

طارق کی دعا

(اندلس کے میدانِ جنگ میں علامہ اقبالؒ کی ترجمانی)

یہ غازی، یہ تیرے پُر اسرار بندے	جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا	سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو	عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن	نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی
خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے	قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے
کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا	خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں

طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو	وہ سوز اس نے پایا ان ہی کے جگر میں
کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو	ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کردے	وہ بجلی کہ تھی نعرۂ "لا تَذَر" میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کردے	نگاہِ مسلماں کو تلوار کردے!

جب طارق نے اندلس پر حملہ کیا تو وہاں کے حاکم نے بادشاہ "راڈرک" کو اطلاع دی کہ ایسے لوگوں نے حملہ کیا ہے جن کا نہ وطن معلوم ہے نہ یہ کہ وہ آسمان سے اترے ہیں یا زمین سے نکلے ہیں۔ (از کلیاتِ اقبال)

بہر حال! حضرت طارق بن زیادؒ کو فتح کی بشارت تو مل ہی چکی تھی، آہستہ آہستہ ایک کے بعد ایک فتوحات ہوتی رہی۔

اندلس کا پورا علاقہ آہستہ آہستہ فتح کرتے ہوئے یہ آگے بڑھتے چلے گئے اور اس ملک میں مکمل اسلامی حکومت بفضل اللہ! قائم ہوئی، جس کے تفصیلی احوال کتبِ سیر میں موجود ہیں۔

علامہ مقریؒ نے "نفح الطیب" میں بہت تفصیل سے اس کا تذکرہ کیا ہے اور ابھی ابھی اردو زبان میں "خلافتِ اندلس" کے نام سے ایک کتاب چھپ چکی ہے جس کے مؤلف کا نام "نواب ذوالقدر جنگ بہادر" ہے۔

اور حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے سفرنامے میں بھی آپ اس کے کچھ حالات دیکھ سکتے ہیں۔

نوٹ: جبلِ طارق کے متعلق مزید تفصیل اپنے موقع پر آرہی ہے۔

لنڈن ائیر پورٹ سے غرناطہ (Granada) کی طرف

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے اس ملک کی حاضری کے اسباب مہیا کر دیے، انگلینڈ میں ہمارے خصوصی متعلقین میں سے ہمارے بارڈولی کے میرے رشتے کے ماموں زاد بھائی امتیاز بھائی گجیا کی طرف سے ہمارے سفر کا خرچ اور ہمارے برادرِ بزرگ وار مولانا محمد صاحب جو لیسٹر میں رہتے ہیں، انھوں نے ویزا کا انتظام کیا۔

افسوس اس سفرنامے کی اشاعت کے وقت وہ دنیا میں نہیں ہیں، مؤرخہ ۲؍ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ، مطابق 26 نومبر 2014ء کو ان کی وفات ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات جنت میں بلند فرمائے، آمین۔

اللہ کے فضل و کرم سے ہمارا یہ سفر شعبان کے دوسرے عشرے میں ہوا، لنڈن کے ایک چھوٹے سے ہوائی اڈے سنسیٹ (Stansted Airport) سے ہمارا ہوائی جہاز تھا، علی الصباح ہم ہوائی اڈے پر پہنچے۔

آج کل یورپی ملکوں میں بعض ہوائی جہاز کی کمپنیاں ایسی چلی ہیں کہ جس میں کھانے پینے کی سہولت نہیں ہوتی، سامان بھی ہم محدود لے جا سکتے ہیں؛ لیکن اس کے بدلے میں مسافروں کو بہت سستا ٹکٹ مل جاتا ہے، ایسی ہی ایک کمپنی ریان (Ryan) کا انتخاب کیا گیا تھا۔

رفقائے سفر

ماشاء اللہ! انگلینڈ سے دس احباب اور تیار ہو گئے تھے اور ہم دو تھے، کل بارہ

آدمیوں کی ایک مکمل جماعت تھی۔

اس میں دارالعلوم لیسٹر کے مہتمم: حضرت مولانا اسماعیل صاحب بھی شریک تھے اور ہمارے مرحوم بھائی کے ہم زلف :احمد منجان والے بھی، ان کو خصوصیت کے ساتھ ہم نے اس لیے تیار کیا تھا کہ وہ ایک مدت تک ''پناما'' رہ چکے تھے اور ہسپانوی زبان سے اچھے طور پر واقف تھے اور ہمیں یہ بات معلوم تھی کہ اسپین میں انگریزی زبان کا زیادہ رواج نہیں ہے۔

ہمارے لیے درسِ عبرت

یہ بھی ہمارے لیے ایک عبرت کی چیز ہے کہ یورپین ممالک اپنے اپنے ملک کی زبان اور تہذیب ہی سے محبت رکھتے ہیں، یورپ کے دیگر ممالک میں لوگ نہ تو انگریزی زبان بولتے ہیں اور نہ بولنا پسند کرتے ہیں؛ بلکہ یہ تعبیر بھی غلط نہ ہوگی کہ لوگ انگریزی زبان اور انگریزی تہذیب پر تھوکنے کے لیے بھی تیار نہیں، اتنے متنفر ہیں۔

یہ تو ہم ہی انگریزی کے دیوانے بنے ہوئے ہیں اور یہ طویل عرصے تک انگریزوں کی غلامی کے اثرات ہیں۔

بہرحال! اس بات کا ہمیں پتہ تھا؛ اس لیے ایک ساتھی ہسپانوی زبان بولنے والا ساتھ میں تیار کرلیا تھا۔

ریان ائیر لائن (RyanAir) کا ہوائی جہاز سینسیٹ ائیر پورٹ سے روانہ ہوا، تقریباً دو گھنٹے کی پرواز ہوئی اور یہ ہوائی جہاز غرناطہ جانے والا تھا۔

غرناطہ کا آج کل ہسپانوی زبان میں ''غرناڈا (Granada)'' نام ہے۔

زیتون کے درختوں کا خوب صورت منظر

جہاز اڑتا گیا اور جب غرناطہ ہوائی اڈے کے قریب پہنچا تو نیچے اترنے لگا، جیسے جیسے جہاز نیچے اتر رہا تھا؛ چوں کہ میں کھڑکی کے بالکل متصل تھا اور حضرت مفتی صاحب بازو والی سیٹ پر تھے، تو میں کھڑکی سے دیکھ رہا تھا کہ نیچے دور دراز تک بہت وسیع وعریض پھیلی ہوئی پہاڑیاں ہیں اور پہاڑیوں کے اوپر خوب صورت نقش ونگار ہیں، میں حیرت میں پڑ گیا۔

میں نے حضرت سے بھی کہا کہ: حضرت! یہ کھڑکی سے آپ دیکھیے! کتنے شان دار نقش ونگار دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں؛ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ نقش ونگار کس چیز کے ہیں؟

پھر جب جہاز اور نیچے اترا تو ہم یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ یہ جو ہرے بھرے نقش ونگار تھے یہ کوئی اور چیز نہیں تھی؛ بلکہ ہزاروں ایکڑ میں پھیلی ہوئی زیتون کی باڑیاں تھیں اور اس کو اتنے منظم انداز میں اُگایا گیا تھا کہ ہوائی جہاز سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ یہ کوئی خوب صورت نقش ونگار (Design) ہے۔

غرناطہ ہوائی اڈے پر

ہوائی اڈے پر ہمارا ہوائی جہاز پہنچا، دس حضرات کی تو برٹش (British) پاسپورٹ تھی؛ اس لیے ان کی تو امیگریشن کی کوئی کارروائی نہیں ہوئی، میرا اور حضرت کا بہت معمولی امیگریشن ہوا اور پھر ہم لوگ باہر نکل آئے۔

یورپ کے ہوائی اڈوں کا نظام

یورپ کے اکثر ممالک میں بہت سالوں سے یہ نظام ہے کہ ہوائی اڈے پر اپنے ملک کے شہریوں کے لیے الگ لائن ہوتی ہے اور ساتھ ہی یورپ کے تمام ملکوں کے باشندوں کے لیے بھی خصوصی رعایت ہوتی ہے، ان کے لیے امیگریشن، کسٹم کے کاؤنٹر الگ ہوتے ہیں اور اب تو کئی ملکوں میں اپنے ملکوں کے شہریوں کے لیے فارم بھرنا، خانہ پری کرنا وغیرہ کارروائیاں بالکل ختم کردی گئی ہیں اور ایک خاص قسم کا کیمرہ (Camera) لگا ہوا ہوتا ہے، اس کے سامنے کھڑے ہو جائیے اور پاسپورٹ کھول کر اسکرین کے سامنے دکھلا دیجیے، ایک لائٹ ہوگی اور آگے بڑھنے کا گیٹ خود ہی کھل جائے گا۔

نتیجہ ارذل کے تابع

ایک مرتبہ پرتگال (Portugal) سے برطانیہ لوٹ رہے تھے، حضرت اقدس مفتی احمد صاحب اور بندے کے ساتھ ہمارے مخلص برطانیہ کے حاجی محمد بھائی بھانا ٹالو والے جو مانچسٹر (Manchester) میں مقیم ہیں اور علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ العالی کے قریب کے لوگوں میں سے ہیں، وہ بھی اس سفر میں ہمارے ساتھ تھے، واپسی میں ائیر پورٹ پر ان کو یورپ والی لائن سے گذرنا تھا؛ چوں کہ ان کا پاسپورٹ برٹش تھا اور اس کی کارروائی کرنی نہیں ہوتی ہے، بس پاسپورٹ اسکرین کے سامنے دکھا کر گذر جانا ہوتا ہے؛ لیکن وہ حضرت دامت برکاتہم العالیہ کی خاطر ہمارے ساتھ ہی

رہے اور جس لائن سے ہم کو گذرنا تھا اس میں آگئے تو ان کو بھی ہماری ہی طرح فارم بھرنا، خانہ پری کرنا، مہر لگوانا یہ سب کارروائی کرنی پڑی، اس پر حضرت مدظلہ العالی نے لطافت کے انداز میں ارشاد فرمایا:

اس کو کہتے ہیں "نتیجہ ارذل کے تابع ہوتا ہے"۔

ہندوستانی پاسپورٹ والوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے برٹش پاسپورٹ والوں کو بھی ہماری طرح کارروائی کرنی پڑی۔

جوس (Juice) کا واقعہ ہمارے لیے عبرت

غرناطہ ہوائی اڈے پر مجھے کچھ پیاس اور بھوک محسوس ہو رہی تھی، مجھے سنترے کا رس بہت ہی پسند ہے، ہوائی اڈے پر ہم اپنے ساتھیوں کے انتظار میں تھے جو پہلے سے بک کرائی ہوئی کار لینے کے لیے گئے ہوئے تھے، ائیر پورٹ پر ایک ریسٹورنٹ میں بہت سارے عمدہ، بڑی سائز کے سنترے رکھے ہوئے تھے، جس کو دیکھ کر دل میں جوس پینے کا خیال آیا۔

میں نے اس میں کھڑے ہوئے ایک گورے نوجوان سے انگریزی میں کئی مرتبہ کہا کہ: مجھے اس پھل کا رس چاہیے، میرے پاس پاؤنڈ اور یورو دونوں کرنسی تھی، وہ پیش کی؛ لیکن اس کے باوجود اس نے میری بات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور سنی ان سنی کرتا رہا، پھر میں نے اس کو اشارے کے ساتھ انگریزی میں سمجھایا کہ: مجھے اس پھل کا رس مطلوب ہے، پھر بھی اس نے کوئی توجہ نہیں دی، کافی دیر کی کوششوں کے باوجود جب میں ناکام رہا تو میں نے واپس آکر بھائی احمد منجان والے سے کہا: بھائی! مجھے

سنترے کا رس چاہیے اور وہ ریسٹورنٹ والا میری بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں۔

بھائی احمد نے جا کر اس کو اسپینی زبان میں ایک چھوٹا سا جملہ کہا، اس نے فوراً رس تیار کر کے پیش کر دیا، تب سمجھ میں آیا اور حقیقت کا انکشاف ہوا کہ ان لوگوں کو اپنی مادری زبان سے بڑی محبت اور لگاؤ ہوتا ہے؛ اس لیے یہ اپنی مادری زبان کے علاوہ دوسری زبان کو بولنے کے لیے یا سمجھنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوتے، خاص کر انگریزی زبان سے بالقصد یہ بے تعلقی جیسا برتاؤ کرتے ہیں، تب احساس ہوا کہ ہم لوگ آج انگریزی زبان کے کیسے دیوانے ہیں اور ہمارے ملکوں میں ایسی جگہوں پر دکان تو کیا صفائی کرنے والوں کے لیے بھی انگریزی زبان شرط قرار دیتے ہیں، اس کے بغیر ان غریبوں کو ملازمت نہیں ملتی۔

ہندوستان سے سب سے پہلے چار مہینے کے لیے چین جانے والی تبلیغی جماعت کی کارگزاری جو اس جماعت کے امیر: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحب ملیؒ نے لکھی ہے، اس میں ایک خاص بات کی طرف انھوں نے نشان دہی کی ہے کہ:

چینی لوگ اپنی مادری چینی زبان سے بے حد محبت کرتے ہیں، جاننے کے باوجود انگریزی زبان بولنے اور سمجھنے میں نہ جاننے والوں جیسا برتاؤ کرتے ہیں۔

آج دنیا کے ملک ملک میں چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں بھی چائنا کے کھانے کے ریسٹورنٹ اور چائنا کی مصنوعات آپ کو ملے گی، جو قوم اپنی تہذیب اور زبان سے ایسی گہری وابستگی رکھے وہ ظاہر میں کیسی ترقی کر رہی ہے۔

ایک مرتبہ برازیل (Brazil) سے جوہانسبرگ (Johanesburg)

آتے ہوئے ہوائی جہاز میں قریب میں بیٹھے ہوئے ایک چینی خاندان کو بندہ محمود نے خود دیکھا کہ طویل ہوائی پرواز میں انھوں نے ہوائی جہاز کا کھانا بالکل نہیں کھایا؛ بلکہ چینی کھانا جو اُن کے ساتھ تھا، اس میں گرم پانی ملا کر وہ کھاتے رہے۔

چینیوں کی وطنی، لسانی، غذائی محبت قابلِ داد ہے۔

اللہ کرے! ہم مسلمان بھی ''نبوی عطایا'' سے محبت کرنے والے بن جائیں۔

ہوٹل کی طرف

یورپی ملک میں ایک سہولت بہت اچھی ہے کہ کار کرائے پر ایسی ملتی ہے کہ ہم کو چابی سونپ دی جاتی ہے، ہم لے کر چلے جائیں اور واپسی پر جمع کرادیں، بارہ ساتھی کے حساب سے ایک بڑی اور ایک چھوٹی؛ ایسی دو کاریں ہم نے پہلے سے انٹرنیٹ کے ذریعہ بُک کروالی تھی اور غرناطہ شہر میں ایک ہوٹل بھی بک کروالیا تھا، ہمارے دو ساتھی: اس میں ایک ہمارے جامعہ کے فاضل مولوی عمران لنڈنی بھی تھے، انھوں نے ایک گاڑی سنبھال لی اور دوسری احمد بھائی نے اور ہم لوگ متعینہ ہوٹل جانے کے لیے روانہ ہوگئے۔ چار دن تک کھاسکیں اتنا کھانا ہم لنڈن سے ساتھ لے کر چلے تھے؛ چوں کہ ان ملکوں میں حلال غذاؤں کے بڑے مسائل ہیں؛ اس لیے مکمل چار دن کا کھانا ہم اپنے ساتھ لے کر چلے تھے۔

صرف ایک مسلمان کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس رہی ہیں

غرناطہ شہر میں جب ہمارے قدم پڑے تو دل میں ایک عجیب وغریب احساس

تھا کہ:

اے خدا! یہ وہی سرزمین ہے کہ جہاں کے چپے چپے پر کسی زمانے میں مسلمانوں کے قدم اور مسلمانوں کے سجدوں کے نشان پڑا کرتے تھے!!

آج وہاں ہماری نگاہیں کسی ایک مسلمان کو دیکھنے کے لیے ترس رہی تھیں، دور دور تک ہم نے نظر کی، ایک مسلمان بھی نظر نہیں آتا تھا، جو ملک آٹھ سو سال تک ہمارا رہا اس کا یہ حال ہے۔

سفر کا پہلا دن: منگل

قَصرُ الْحَمْرَاء (Al-Hambra) کی طرف

ہم ہوٹل پر پہنچے اور سامان وغیرہ درست (Set) کیا، اس کے بعد ظہر کی نماز ادا کی، نماز ادا کرنے کے بعد کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر — چوں کہ نقشے وغیرہ ساتھ لے کر چلے تھے تو — سب سے پہلے یہ طے ہوا کہ یہاں پر جو مشہور اور معروف عمارت ''قصر الحمراء'' ہے وہ سب سے پہلے ہم دیکھنے کے لیے چلیں۔

وہاں ایک اور طریقہ (System) بھی ہے کہ گاڑیوں میں ایک چھوٹا سا کمپیوٹر نما اسکرین لگا ہوتا ہے جس میں پورے یورپ کے محلہ محلہ، گاؤں گاؤں، شہر شہر اور گھر گھر کے پتے (Address) جمع ہوتے ہیں، اس کا تعلق سیٹلائٹ (Satellite) سے ہوتا ہے، وہ اپنی گاڑی میں لگا دو اور جہاں جانا ہو وہ سیٹ کر دو، وہ آپ کی رہبری کرے گا، ٹم ٹم (Tum Tum) کمپنی کا ''راہ نما'' ہمارے ساتھ تھا، ہم اس کو ساتھ لے کر چل رہے تھے اور اس کو ہم نے اشارہ دے دیا کہ ''قصر الحمراء'' جانا ہے، وہ برابر نشان دِہی کرتے ہوئے ہم کو لے کر چل رہا تھا۔

اب تو ماشاء اللہ! یہ رہبر مشین ہمارے ملکوں میں بھی عام ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کی دَین: منظم راستے

بحمد اللہ! یورپ کے دوسرے ممالک کو دیکھنے کا موقع بھی ملا مثلاً: برطانیہ، فرانس، پرتگال، ہالینڈ؛ لیکن محلوں کا جو ایک نظم اور گلیوں کا ایک نظام اندلس اور اسپین

میں دیکھا وہ یورپ کے اور کسی ملک میں نہیں دیکھا، بالکل منظم راستے، منظم گلیاں اور منظم محلے، یہ ہماری اسلامی حکومت کی یادگاریں ہیں۔

بہر حال! جب ہماری گاڑی "قصرالحمراء" کے دروازے پر پہنچی تو عالی شان صدر دروازہ (Main Gate) جس پر عربی زبان میں "الحمراء" لکھا ہوا تھا، باقی سب چیزیں اسپینی زبان میں لکھی ہوئی تھی۔

کافی دیر تک ہم نے ٹکٹ کی کوشش کی، بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ آج ٹکٹ ملنا مشکل ہے، آئندہ کل آپ کو اس کا ٹکٹ ملے گا، سیاحوں کی آج کثرت ہیں، دنیا بھر سے لوگ اس کو دیکھنے آتے ہیں۔

جَنَّۃُ الْعَرِیف کی زیارت

الحمراء کا ایک حصہ وہ ہے جو باغ اور باغیچوں سے مزین ہے جس کا عربی نام "جَنَّۃُ الْعَرِیف" ہے اور آج کل اسپینی زبان میں اس کو (Generalife) کہتے ہیں، وہاں یورپ کی کرنسی یورو (Euro) استعمال ہوتی ہے، ہم پانچ یورو کا ٹکٹ خرید کر "جَنَّۃُ الْعَرِیف" میں داخل ہوئے۔

جَنَّۃُ الْعَرِیف کے خوب صورت مناظر

میں آپ سے بیان نہیں کرسکتا، یہ عالی شان باغ کئی پہاڑیوں کے اوپر پھیلا ہوا ہے، بنوامیہ نے اپنے دورِ حکومت میں اس چمن کو آباد کیا تھا، جگہ جگہ پر بیٹھنے کے لیے بہترین لکڑی کی بنی ہوئی کرسیاں ہیں، پہاڑیوں پر خوب صورت پھول اور عمدہ قسم کے

پتوں والے شان دار، عمدہ درخت اور پودے ہیں، عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ مسلمانوں نے اس کو کیسے بنایا ہوگا!

اس باغ میں ہم مختلف جگہوں پر تفریح کرتے رہے اور اپنے شان دار ماضی کو یاد کرتے رہے۔

ٹھنڈے پانی کے چشمے

اسی دوران ہم نے اس چمن میں یہ دیکھا کہ جگہ جگہ پانی کے چشمے ہیں، اس میں بہترین اور بہت عمدہ ٹھنڈا پانی ہے۔

میں یہ سمجھتا تھا کہ شاید آنے والے سیاحوں کے لیے ٹھنڈے پانی کے کولر (Cooler) کہیں لگے ہوں گے، اس کا مستعمل پانی ان نالیوں میں آتا ہوگا؛ حالاں کہ وہ تو پورے باغ میں پھیلے ہوئے ٹھنڈے پانی کے بہترین چشمے تھے، اتنے میں نماز کا وقت ہوا، وضو کرنے کے لیے پانی کی ضرورت تھی؛ اس لیے اس پانی کے متعلق تحقیق بھی کرنی تھی۔

عجیب سیڑھیاں

ایک اور عجیب بات یہ دیکھی کہ اس باغ کے مختلف اونچے حصوں پر چڑھنے کے لیے جو سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں اور سیڑھی کے دونوں طرف سہارا دینے کے لیے جو سیڑھی کے دستے بنے ہوئے ہیں ان دستوں کی دیواروں پر بھی پانی جاری ہے، یہ نظارہ ہم نے دنیا میں کہیں نہیں دیکھا۔

عجیب دل کو ہلا دینے والا جواب

چلتے چلتے ہم نے ہمارے بھائی احمد کے واسطے سے — جو وہاں پولیس سیکورِٹی (Security) والے کھڑے ہوئے تھے، ان میں سے — ایک افسر سے پوچھا کہ: یہ ٹھنڈا پانی کہاں سے آتا ہے؟

اس نے جو جواب دیا اس نے ہمارے دل کو ہلا دیا۔

اس اسپینی گورے افسر نے کہا کہ: یہ ٹھنڈا پانی کہاں سے آتا ہے، ہمیں کچھ معلوم نہیں، یہ تو تم لوگ جاری کر کے گئے تھے، آج تک ہمیں بھی پتہ نہیں چلا کہ اتنا ٹھنڈا اور اتنی وافر مقدار میں پانی کس طرح سے آتا ہے؟ پورے باغ میں اس کے مختلف چشمے پھیلے ہوئے ہیں۔

اس نے بہت عجیب وغریب لہجے میں یہ جواب دیا، بس! اس جواب سے ایک کرنٹ (Shock) سا لگا، اے اللہ! آپ نے مسلمانوں کو کیا عجیب وغریب ہنر دیا تھا!

خیر! ہم نے اسی پانی سے وضو کر کے نماز باجماعت ادا کی۔

اسلامی پرچم کی جگہ صلیب کا دل خراش منظر

جنۃ العریف کا نظارہ کرنے کے بعد قصر الحمراء کا وہ حصہ جو لشکری چھاؤنی کے طور پر استعمال ہوتا تھا، ہم اس طرف گئے، وہاں عالی شان اونچے اونچے قلعے ہیں، اس میں جو سب سے اوپر کا قلعہ — جہاں سے پورا غرناطہ شہر نظر آتا ہے وہ — سب سے اونچائی والی پہاڑی پر ہے، ہم وہاں پہنچے اور اس جگہ کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ:

جب ہماری اسلامی حکومت ختم ہوئی تھی اور آخری بادشاہ ابوعبداللہ نے ایک معاہدہ کر کے قصر الحمراء کی چابی چاندی کی ایک پلیٹ میں رکھ کر عیسائی بادشاہ کے حوالے کی تھی اور عیسائی بادشاہ نے قصر الحمراء پر قبضہ کرنے کے بعد قلعہ کے سب سے اوپر والے حصے پر — جہاں اسلامی پرچم ہوا میں لہراتا تھا — دنیا کو اپنا قبضہ دکھانے کے لیے چند پادریوں کو وہاں بھیجا تھا اور ہمارا پرچم وہاں سے ہٹا کر صلیب لٹکائی تھی۔

اس دل خراش منظر کو دیکھتے ہی ہم میں سے ہر ایک کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

قلعے کی سب سے اوپر والی جگہ پر نماز باجماعت پڑھنے کی سعادت

ہم وہاں پہنچے، میرا وضو تھا، مولوی عمران لنڈنی کا بھی وضو تھا تو میں نے کہا کہ: مولوی عمران! دیکھو یہ جگہ صدیوں سے ترس رہی ہے، یہاں نہ کسی نے اذان دی اور نہ نماز پڑھی؛ حالاں کہ کسی دور میں ہمارا مرکز تھا، چلو! آپ اذان دو، میری بھی عصر کی نماز باقی ہے، آپ کی بھی باقی ہے۔

میرے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پرس تھا، جس میں ایک چھوٹا سا مصلّٰی تھا، میں نے کہا: اور کیا ہوگا کہ سیکورٹی والے آئیں گے اور ٹوکیں گے، ہم تو مسافر (Tourist) لوگ ہیں، گرفتار تو کریں گے نہیں ان شاء اللہ! آپ اذان دو، ہم دونوں باجماعت یہاں پر نماز پڑھتے ہیں۔

الحمدللہ! ہم نے قلعے کے سب سے اوپر کے حصے میں جہاں عیسائیوں نے فتح کے بعد سب سے پہلے اپنی صلیب لگائی تھی وہاں عصر کی نماز باجماعت ادا کی اور اللہ

تعالیٰ سے دعا مانگی کہ: اے اللہ! اس عمارت کو دوبارہ تیرے نام سے آباد و معمور فرمادیجیے۔

دین کی محنت نہ ہونے کا نتیجہ

جب ہم نے وہاں نماز پڑھی تو اس جگہ پر حیرت کی بات یہ دیکھی کہ بہت سے جوان لڑکے لڑکیاں، نیم عریاں، عیسائیوں کے لباس پہنے ہوئے ہیں، ان میں سے بعض لوگوں نے ہم سے سلام کیا۔

ہم حیرت میں رہ گئے کہ یہ خالص عیسائی شکل وصورت والے ہم سے سلام کر رہے ہیں، پھر ان سے گفتگو ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ نسلاً ہمارے عرب مسلمان بھائی تھے؛ لیکن آج دین کی محنت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ظاہری شکل ایسی ہوگئی کہ ہمارا ان کو مسلمان کے طور پر پہچاننا ہی مشکل تھا، انھوں نے اپنا تعارف کروایا، اپنا نام بتایا، انگریزی میں وہ گفتگو کررہے تھے۔

ایک عبرت ناک واقعہ

اس موقع پر ماہ نامہ ''اشرف الجرائد'' کے اداریہ سے ایک عبرت ناک واقعہ نقل کررہا ہوں:

یہ عاجز (مدیر) زمانۂ اسارت میں جو کتابیں مل جاتیں ان کا مطالعہ کرلیا کرتا تھا، سقوطِ اندلس کی تاریخ پڑھتے ہوئے بعض واقعات نے بہت زیادہ متأثر کیا تھا، ایک عبرت ناک واقعہ آپ پڑھ بھی لیجیے اور دیکھیے کہ اگر سلاطینِ اسلام اپنا طرزِ عمل

تبدیل نہیں کرتے ہیں تو تاریخ اپنے آپ کو کس طرح دہراتی ہے، میں جب عالمِ اسلام کے ماضی کو دیکھتا ہوں تو اشکبار ہوجاتا ہوں، مستقبل کو سوچتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، مایوسی تو کفر ہے، بس! کسی مردِ غیب کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس رہی ہیں، عَسَی اَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلاً۔

سلطانِ اندلس ابوعبداللہ کا ایک مقولہ: اہلِ غرناطہ کی بدقسمتی یہ ہے کہ میرے سب کام ادھورے ہوتے ہیں اور میری بدقسمتی یہ ہے کہ میرے وزیر کا کوئی بھی کام ادھورا نہیں ہوتا۔

یہ بات ابوعبداللہ نے اس وقت کہی تھی جب کہ اس کے وزیر ابوالقاسم نے انگریز فاتح کی جانب سے قصر الحمراء (اندلس کا نادرو بے مثال شاہی محل) کے تخلیہ کا آرڈر پہنچایا تھا اور ابوالقاسم خود بھی انگریز فاتح سے ملا ہوا تھا۔

جب اس کے وزیر نے مسٹر فرڈیننڈ (Ferdinand) کا یہ تحریری حکم پہنچایا کہ دودن کے اندر ''الحمراء'' خالی کرکے ''الفُجَارَۃ'' منتقل ہوجاؤ تو وہ محل کے اپنے حجرے میں جاکر رونے لگا، اس کی ماں عائشہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے سر پر اپنے دونوں ہاتھ تسلی کے لیے رکھ دیے، پھر دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

بادشاہ: ماں! میں نے اپنا سر ایک اژدھے کے منہ میں دے دیا ہے۔

ماں: تم اپنا اور پوری قوم کا سر اس دن اژدھے کے منہ میں دے چکے تھے جب تمھیں بادشاہ بننے کا شوق ہوا تھا، تم نے اپنے باپ سے غداری کی تھی۔

بادشاہ: فرڈی ننڈ کا حکم آیا ہے کہ اب ہم اس محل میں نہیں رہ سکتے۔

ماں: مجھے سب معلوم ہے، کوئی بات غیر متوقع نہیں ہو رہی ہے۔

بادشاہ: امی! اب میں کیا کروں؟

ماں: یہ سوال اس وقت کرنے کا تھا جب تم کچھ کر سکتے تھے، اب ماں کے مشورہ کا کوئی فائدہ نہیں، اندلس کی تاریخ کا سب سے منحوس دن وہ تھا جس میں تمھیں حکمراں بننے کا خیال آیا تھا۔

بادشاہ: نہیں اماں! اس سے منحوس دن وہ تھا جس دن میں پیدا ہوا تھا، آپ نے اسی وقت میرا گلا گھونٹ دیا ہوتا۔

ماں: مجھے اعتراف ہے کہ میں نے اپنی قوم کے لیے ایک سانپ جنم دیا تھا، تم مجھے اس کا مجرم کہہ سکتے ہو؛ لیکن میں ماں تھی اور ایک ماں کا ہاتھ اولاد کا گلا گھونٹنے کے لیے نہیں ہوتا، اس کی پرورش کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

بادشاہ: آپ دعا کریں کہ: الحمراء چھوڑنے سے پہلے مرجاؤں۔

ماں: اب موت کی تمنا سے تمھارے ضمیر کا بوجھ ہلکا نہ ہو سکے گا، اب یہی کارنامہ ہے کہ "الحمراء" خالی کرنے کی فکر کرو۔

بادشاہ: کیا ہم "الفجارۃ" میں خوش رہ سکیں گے۔

ماں: ہرگز نہیں! مجھے معلوم ہے کہ ہمیں وہاں بھی نہیں رہنے دیا جائے گا، یہ مراکش کے راستے کی ایک منزل ہے، اب وطن کی یہ سرزمین ہمیں قبر کی جگہ بھی نہ دے گی۔

بادشاہ: میں نے ابھی تک "الحمراء" چھوڑنے کا ارادہ نہیں کیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ قوم کے سامنے جا کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے معافی مانگ لوں اور

بتاؤں کہ اصل میں میرے وزیر ابوالقاسم نے مجھے دھوکا دیا، اس صورتِ حال کا وہی ذمے دار ہے۔

ماں: تم بار بار قوم کو دھوکا نہیں دے سکتے، اب تم ان کے سامنے جاؤ گے تو وہ تمھاری بوٹیاں نوچ دیں گے، وہ تم سے ان بے گناہوں کا حساب پوچھیں گے جنھیں تم نے بھیڑ بکریوں کی طرح دشمنوں کے حوالے کردیا ہے، تم پورے ملک کی تباہی کے ذمے دار ہو، تمھارے ہاتھ حامد بن زہرہ (اندلس کے بہت بڑے عالم خطیب اور مجاہد) جیسے پاک بازوں کے خون میں رنگے ہوئے ہیں، اب تم قوم کے حق میں مرچکے ہو، تمھاری موت تمھیں زندہ نہیں کرسکتی۔

بادشاہ: اگر آپ اجازت دیں تو میں ابوالقاسم کو قتل کردینے کے لیے تیار ہوں۔

ماں: بیٹا! تم نے پورے اندلس کو غداروں سے بھر دیا ہے، ایک غدار کو مار کر کیا ملے گا؟

بادشاہ: مجھے غرناطہ کا ہر آدمی غدار دکھائی دیتا ہے۔

ماں: یہ تمھاری کھیتی کا پھل ہے، تم نے باپ سے غداری کرکے اس ملک کی زمین میں غداری کا بیج بویا تھا، اب تمھاری کھیتی پک کر تیار ہوچکی ہے۔

بادشاہ: امی! مجھے طعنہ مت دیجیے۔

ماں: میں تجھے زیادہ دنوں تک طعنے نہیں دے سکتی؛ لیکن اندلس کی مائیں قیامت تک تجھ پر لعنت بھیجتی رہیں گی۔

بادشاہ: مجھے یقین نہیں آتا کہ میں الحمراء سے نکال دیا جاؤں گا، یہ خواب سا

لگتا ہے۔

ماں: خواب کا زمانہ گذر چکا ہے، اب تمھیں خوابوں کی تعبیریں دیکھنی ہیں۔

بادشاہ: امی! ہمارے بعد ''قصرالحمراء'' میں کون رہے گا؟

ماں: تمھارے بعد اس محل کے مالک وہ ہوں گے جن سے تم نے اپنی قوم کی آبرو کا سودا کیا ہے۔

کہتے ہیں: ابوعبداللہ نے غرناطہ سے تخلیہ کر کے ''الفجارۃ'' جاتے ہوئے پہاڑوں کی بلندی سے اپنے عالی شان محلات کی طرف دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

یہ دیکھ کر اس کی ماں نے کہا: بیٹا! جب مَردوں کی طرح دشمن سے لڑنے کا وقت تھا تو بزدل بن کے محل میں چھپ گیا تھا، اب عورتوں کی طرح رونے کا کیا فائدہ؟

انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں دیکھو!	ہر تغیر سے آتی ہے صدا فَافْهَمْ فَافْهَمْ!

نوٹ: آج جب کہ عالمِ عرب کے پر تعیش اور موج کی زندگی گزارنے والے سلاطین یہود و نصاریٰ کے دعوؤں اور وعدوں پر اعتماد کر کے اپنے وفاداروں کو غدار اور غداروں کو وفادار سمجھنے کے سنگین جرم میں مبتلا ہیں، ماضی کے اس واقعے میں ان سلاطین کے انجام کی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔ خدا کرے ایسا نہ ہو!!! (بہ شکریہ: ازاداریہ ماہ نامہ اشرف الجرائد، فروری ۲۰۱۵ء)

ستر ہزار (70000) دین دار مسلمانوں کی شہادت والی جگہ

پھر ہم قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے قلعے کے بالائی حصہ سے نیچے آئے اور

قصر الحمراء کا اندرونی حصہ جو شاہانِ اسپین کی رہائش گاہ تھی اس کے لیے تو ٹکٹ آئندہ کل ملنا تھا؛ اس لیے ہم لوگ وہاں سے واپس لوٹے اور اپنی گاڑیوں میں سوار ہو کر چلے، ایک چوراہے پر ہمیں پہنچنا تھا، جس چوراہے کے لیے تاریخ کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اسپین کی مشہور" ملکہ ازابیلا" (Queen Azabela) نے ایک منت مانی تھی اور جب سقوطِ اندلس ہوا اور اسلامی حکومت ختم ہوئی تو اس نے اپنی اس منت کی تکمیل کے لیے اس چوراہے پر ستر ہزار دین دار مسلمانوں کو بیک وقت شہید کیا تھا، اس چوراہے کو دیکھنے کے لیے ہم لوگ پہنچے۔

یہاں پانی کے فوارے اڑ رہے تھے اور پتھروں سے بچھا ہوا ایک صحن ہے، چاروں طرف بڑی اونچی عمارتیں ہیں، بیچ میں وہ جگہ ہے جہاں رانی ازابیلا نے اپنی منت پوری کرنے کے لیے بیک وقت ستر ہزار مسلمانوں کو شہید کیا تھا، وہ جگہ ہم نے دیکھی، وہاں کچھ عرب مراکشی کی دکانیں دیکھیں، جہاں کچھ مسلمان انداز کے کپڑے ملتے تھے اور کچھ عرب بھائی مل گئے، ان سے عربی میں سلام وکلام ہوا۔

غرناطہ کا مشہور مدرسہ

پھر ہم تھوڑے آگے بڑھے اور غرناطہ کا مشہور مدرسہ — جہاں پر بڑے بڑے محدثین، مفسرین اور فقہا پیدا ہوئے تھے اس — کی تلاش میں نکلے، ایک جگہ اسپینی زبان کا ایک بورڈ" المدرزا" (AL Madraza) دیکھا، یہ" المدرسہ" (AL Madarasa) کی بگڑی ہوئی شکل ہے، ہمیں یقین ہو گیا کہ جہاں کسی زمانے میں دار العلوم قائم تھا اس کے صدر گیٹ پر ہم پہنچ گئے۔

وہاں بہت سی قرآن کی آیتیں سنگِ مرمر پر نقش کی ہوئی تھیں اور کھجور کا درخت اور چاند، ستارہ یعنی کچھ اسلامی آثار معلوم ہوتے تھے، یہ بہت عالی شان عمارت تھی جس میں سینکڑوں حجرے تھے، اس وقت اس میں غرناطہ کی سب سے بڑی یونیورسٹی (University) قائم ہے، ہم حیرت کی نگاہوں سے ان مناظر کو دیکھتے رہے اور دیکھنے کے بعد آگے بڑھے۔

عالی شان مساجد جن کو چرچوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے

اسی دوران اور بھی مساجد دیکھنے کا اتفاق ہوا جو اسلامی حکومت میں مساجد تھیں؛ لیکن آج ان تمام مسجدوں کو چرچ میں تبدیل کر دیا گیا ہے، مسجد ہونے کی علامت کیا ہے؟ محراب و منبر اور مسجد کے منارے۔

اور دل کو رُلانے والی بات تو یہ تھی کہ مسجد کے میناروں کے اوپر صلیبیں لگی ہوئی ہیں، ہر جگہ قران کی آیات منقش ہیں، منبر پر صلیب لگی ہوئی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے فرضی مجسمے لگے ہوئے ہیں اور مسجدوں کو چرچ میں تبدیل کر دیا گیا ہے، یہ سب دل خراش مناظر ہم دیکھتے رہے۔

یہ جس ''المدرسہ'' کا میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا، اس میں آگے چل کر ایک بڑا وسیع میدان ہے، وہ میدان ہماری حکومت میں ایک بڑا قبرستان تھا۔

قبلہ رخ ہڈیوں کے ڈھانچے

ہمارے رفقائے سفر میں میرے رشتے کے ماموزاد بھائی: الحاج امتیاز محمد گجیا

صاحب بھی تھے، وہ حضرت مفتی ابراہیم صاحب گجیا، ناظم: دارالاحسان بارڈولی کے حقیقی بھائی ہیں اور ہمارے مفتی صاحب ان کو "مجذوب صاحب" کے لقب سے یاد فرماتے ہیں، اس سے پہلے بھی ان کا اسپین کا سفر ہوا تھا، وہ اپنے پہلے سفر کا آنکھوں دیکھا حال بیان فرما رہے تھے کہ:

اس یونیورسٹی میں ایک میدان تھا جس میں بہت ساری کھلی ہوئی قبریں میں نے خود دیکھی ہے، اس میں انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے تھے اور وہ ڈھانچے قبلہ رخ تھے، اس سے یقین ہوا کہ یہ مسلمانوں کی قبریں ہیں اور ان کو قبلہ رخ دفن کیا گیا ہوگا، آج تک ان کے ڈھانچے قبلہ رخ نظر آتے ہیں اور پتہ نہیں اس قبرستان میں کونسے ولی، کونسے محدث کی قبریں ہوں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جب ہمارا یہ سفر ہوا تو ہم اس قبرستان میں نہیں جاسکے تھے اور بتایا گیا کہ اب وہ قبریں وغیرہ سب ختم کردی گئی ہیں۔

جامعِ غرناطہ

اسی شہر غرناطہ کی جو جامع مسجد ہے جو "جامعِ غرناطہ" کہلاتی ہے، اسی جامع غرناطہ کی مسجد کے صحن میں ملکہ "ازابیلا" اور ملک "فرڈیننڈ" (Ferdinand) جس کے ہاتھ میں ابوعبداللہ نے قصر الحمراء کی چابی سونپی تھی، ان دونوں کی قبریں بنائی گئی ہیں اور یہ اپنی فتح کے غرور کی نشانی کے طور پر کہ ہم یہاں فاتح بن کر آئے ہیں۔

ایک مراکشی عرب سے ملاقات

مغرب کا وقت قریب تھا، ہم لوگ غرناطہ کی گلیوں میں پیدل چل رہے تھے،

ایک عجیب منظر لگ رہا تھا کہ جتنے ہم تھے صرف وہی اسلامی لباس میں تھے اور باقی عام لوگ عیسائی لباس میں، آگے چلتے چلتے ایک جگہ آئی جہاں بہت ساری ہوٹلیں تھیں؛ چوں کہ میں سنترے کے جوس کا بڑا شوقین ہوں تو میں تلاش کر رہا تھا کہ کوئی ہوٹل مل جائے جہاں میں سنترے کا جوس پی لوں تو ایک ہوٹل پر ہم پہنچے، وہاں ایک نوجوان نے ہم سے سلام کیا، میں حیرت میں پڑ گیا کہ کون ہم کو سلام کر رہا ہے؟

میں نے اس سے پوچھا کہ ما اسمک الکریم؟

اس نے اپنا تعارف کرایا۔ وہ ایک مراکشی عرب تھا اور بھی وہاں کچھ شام، فلسطین اور مصر کے عرب نوجوانوں سے ملاقات ہوئی، جن کو ظاہری طور پر ہم پہچان نہیں سکتے کہ یہ مسلمان ہیں، وہ شراب کی دکانیں چلا رہے تھے یا شراب اور جوس کی مشترکہ دکانیں لے کر بیٹھے ہوئے تھے، یا اس طرح کی دکانوں میں ملازمت کر رہے تھے۔

ہم نے ان سے پوچھا کہ: یہاں کوئی نماز کی جگہ ہے؟

ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھوں نے کہا کہ: آپ یہاں پیچھے چلے جائیں، ابھی ابھی الحمدللہ! ایک نئی مسجد قائم ہوئی ہے۔

مغرب کی نماز کے لیے مسجد میں اور امام کا حال

ہم گلیوں سے گذرتے ہوئے، پوچھتے پوچھتے ایک مسجد پر پہنچے، مغرب کا وقت قریب تھا، اذان ہونے والی تھی، ہم اوپر والے حصے میں پہنچے، امام صاحب کا ہم انتظار کر رہے تھے، شرٹ اور کوٹ میں ملبوس ایک صاحب آئے اور انھوں نے اپنے اوپر ایک عربی جبہ ڈال دیا اور مصلے پر کھڑے ہو گئے، ڈاڑھی بھی ان کی نہ ہونے کے برابر

تھی، کچھ تھی کچھ نہیں تھی۔

مغرب کی نماز امام نافعؒ کی قرأت میں

جب انھوں نماز شروع کی تو پتا چلا کہ وہ مالکی المسلک ہے، نماز میں ارسال کر رہے تھے؛ چوں کہ مراکش اور مغرب میں امام نافعؒ کی قرأت کا عام رواج ہے تو انھوں نے بے تکلف مغرب کی نماز امام نافعؒ کی قرأت میں پڑھائی، نماز کے بعد اور کچھ دیر بعد سے مصلی حضرات سے ملاقات ہوئی، کچھ خیر خیریت اور کچھ مذاکرہ کا موقع ملا۔

ہوٹل پر واپسی، کھانا اور آرام

پھر ہم وہاں سے نکل کر اپنی ہوٹل کی طرف پہنچے اور جا کر ہم نے ہوٹل میں قیام کیا، یہ منگل کا دن تھا جو ہمارے سفرِ اسپین کا پہلا دن تھا، اس دن یہ چند عبرت کی چیزیں دیکھیں اور ہم رات کو عافیت کے ساتھ اپنی ہوٹل میں پہنچ گئے، کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر آئندہ کل کا کیا نظام ہے اس کا مشورہ ہوا اور پھر آرام کرنے کے لیے اپنے اپنے حجروں میں پہنچے۔

سفر کا دوسرا دن: بدھ

دوبارہ قَصرُ الحَمرَاء کی طرف

رہبروں نے یہ بتایا تھا کہ: آپ کو اگر قصر الحمراء دیکھنا ہے تو آئندہ کل علی الصباح آنا ہوگا؛ اس لیے ہم نے وہاں کے وقت کے اعتبار سے صبح صادق ہوتے ہی صبح کی نماز اپنے کمروں میں ادا کی اور فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر قصر الحمراء جانے کے لیے روانہ ہو گئے۔

ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ اتنی صبح جب کہ شہر میں تاریکی تھی، کون پہنچا ہوگا؟ ہم ہی آج پہلے اس کے گیٹ پر پہنچیں گے، لیکن جب ہم قصر الحمراء پر پہنچے ہیں تو حیرت میں پڑ گئے کہ جہاں ٹکٹ کی کھڑکی ہے وہاں ہمارا نمبر سو سے اوپر تھا اور ہمارے آگے سو سے زیادہ عیسائی جوان لڑکے، لڑکیاں ٹکٹ کھڑکی کھلنے کے انتظار میں لائن میں کھڑے تھے، اس وقت ہمارے دل میں یہ جذبات تھے کہ:

اے اللہ! مسلمانوں نے اس سرزمین پر کیسے کیسے نقشے اور تعمیرات کی مثالیں قائم کیں کہ آج یورپ کے انگریز اس کو دیکھنے کے لیے علی الصباح اپنی نیند کو قربان کر کے یہاں قطاروں میں آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

یہ ہمارے لیے بڑی عبرت کی بات ہے؛ حالاں کہ ابھی کھڑکی کھلنے میں تین گھنٹے باقی تھے، تقریباً آٹھ یا پونے آٹھ بجے کا وقت ہوا اور کھڑکی کھلی، وہاں تک تو ٹکٹ خریدنے والوں کی قطار معلوم نہیں کہاں تک لمبی ہو چکی تھی، جب کھڑکی کھلی تو ہم نے ٹکٹ خریدا اور ہم لوگ قصر الحمراء میں داخل ہوئے۔

قصر الحمراء میں

یہ قصر الحمراء مسلمان حکمرانوں نے اپنے دورِ حکومت میں قلعہ اور شاہی محل کی نیت سے تعمیر کروایا تھا:

اس میں عجیب وغریب خوب صورت سفید سنگِ مرمر سے بنی ہوئی عمارتیں ہیں۔ پانی کے حوض ہیں۔

ہر ایک لیے الگ الگ حجرے اور کمرے ہیں۔

اور ہمارے لیے سب سے زیادہ تڑپانے والی چیز ان محلوں میں ویران مساجد تھیں۔

دیواروں پر جابجا ''لا غالب الا اللّٰہ، لا غالب الا اللّٰہ'' لکھا ہوا تھا؛ چوں کہ یہ بنوامیہ کا ایک شناختی، علامتی نشان بن گیا تھا؛ اس لیے سب جگہ یہی لکھا ہوا تھا۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی فرمانے لگے کہ: بالکل صحیح ہے کہ جب ہم نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا غلبہ دکھا دیا۔

اس میں ہر جگہ پر ''وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ'' کے مناظر دیکھے۔

کتنی عالی شان یہ عمارتیں کہ آج ساڑھے پانچ سو سال تو ہماری حکومت کے خاتمے کو ہو چکے، اس کے باوجود ان عمارتوں کا حسن ایسا ہے جیسا کہ ابھی یہ عمارتیں بنی ہوئی ہیں تو پھر اُس دور میں ان کا حسن کیسا ہوگا! سوچنے کی چیز ہے۔

محل بھی اتنے شان دار بنے ہوئے ہیں کہ محل میں بیٹھے بیٹھے بادشاہ پورے شہر کو دیکھ لیا کرتے تھے، دور دور تک ان کی نظریں پہنچ جایا کرتی تھیں، محل کے اندر خوش نما

عمدہ عمدہ محرابیں ہیں، پانی کے حوض بنے ہوئے ہیں، بادشاہ جہاں بیٹھتے تھے، اس کے علاوہ بادشاہ کے سونے کے کمرے اور خوب صورت باغیچے ہیں اور ہر جگہ پر تعمیر کے عجیب وغریب انوکھے اور عمدہ نمونے ہیں۔

ہم بڑی حسرت سے محل کو دیکھتے رہے، تقریباً ڈھائی تین گھنٹے کا وقت ہمارا صرف ہوا اور پھر روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اور دل میں حسرت لے کر اس محل سے رخصت ہوئے، اگر اس کو ہم تفصیل سے دیکھتے تو شاید ہمارا پورا دن خرچ ہو جاتا؛ لیکن آگے کا سفر بھی تھا؛ اس لیے اسی پر ہم نے اکتفا کیا اور ہم قصر الحمراء سے نکل کر باہر آئے۔

قصر الحمراء کے عجیب فوارے

قصر الحمراء میں عجیب وغریب قسم کے فوارے ہیں، اس میں سے ہر وقت پانی اڑتا رہتا ہے اور بہت ہی خوش نما منظر معلوم ہوتا ہے، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ان فواروں میں کوئی مشین لگی ہوئی نہیں ہے؛ بلکہ اس کو اسلامی حکومت کے دور سے ایک خاص ایجاد کے نتیجے میں بنایا گیا، جس سے ساری دنیا آج تک حیرت زدہ ہے اور ان فواروں کی بنیاد ہے ''(Gravitational Force)'' جس کو گجراتی زبان میں (gi#r#tviikoi}Ni biL کہتے ہیں اور اردو زبان میں کششِ ثقل کہتے ہیں۔

زمین میں اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر ایک جاذبیت رکھی ہے، اس کے نتیجے میں چیزیں اوپر سے نیچے کی طرف آتی ہیں، اس قدرتی زمینی جاذبیت کو خاص انداز میں کام میں لا کر فوارے ایجاد کیے گئے ہیں، جس سے مسلسل پانی اڑتا رہتا ہے، یہ مسلمانوں کی ایجاد کا عجیب کرشمہ ہے۔

دنیا کے بعض مقامات پر یہ قدرتی جاذبیت نہیں ہے، جس کی وجہ سے پہاڑوں پر نیچے سے اوپر کی طرف گاڑیاں بغیر چالو کیے ہوئے چلتی ہیں، جیسے ''کینیا'' کے بعض پہاڑوں میں اس عجیب قدرتی نظارے کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

بندہ نے ''کینیا'' کے سفر کے وقت اس کی معلومات حاصل کی تھی اور ایک اخبار کے مضمون میں بھی اس کی تفصیل پڑھنے کا موقع ملا تھا:

فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین (النور)

ہوائی جہاز اور مسلمان

قُرطُبہ شہر میں ایک نامور شخص گزرے ہیں، جن کا نام ''شیخ عباس بن فرناس بن ورداس بن التکورینی'' ہے، جن کی کنیت ''ابوالقاسم'' ہے، ان کی ولادت ۸۱۰ء میں ہوئی ہے اور ۸۸۷ء میں وفات ہوئی ہے، ان کے متعلق تاریخ میں بتایا جاتا ہے کہ: یہ وہ شخص ہیں جنھوں نے مختلف پرندوں کی جسمانی ساخت اور ان کی اڑان کے انداز پر غور وخوض کیا اور ہوائی جہاز کا ڈیزائن (Design) تیار کیا اور ان ہی کے اس ڈیزائن کو اہلِ دنیا نے آگے بڑھایا، موجودہ ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر کی بنیاد اصل ان ہی کی ڈیزائن ہے۔

''لیونارڈو داوینس'' (Leonardo-Da-Vinci) نے جو ہوا میں اڑان کے ڈیزائن تیار کیے، وہ سب اصل ''شیخ عباس بن فرناس'' کی بنائی ہوئی ڈیزائن پر مبنی ہے، آج ہوائی تفریحات کا ایک اہم حصہ گلائڈرس (Gliders) ہے، وہ بھی ''شیخ عباس'' کے تیار کیے ہوئے نقشے سے ہے۔

قُرطُبہ کی طرف

غرناطہ شہر سے ہم روانہ ہوئے، ہماری آگے کی منزل ''قرطبہ'' تھی، جس کو آج کل اسپینی زبان میں ''کوردوبا'' (Cordoba) کہتے ہیں۔

ہماری گجراتی زبان میں ''دوبا (ڈوبا)'' کمزور جسم، کمزور ذہنیت والے انسان کو کہتے ہیں۔ قرطبہ کے اس وقت کے اسپینی تلفظ پر ایک موقع پر حضرت مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا:

اس شہر سے اچھے اور قابل لوگ چلے گئے اور ''ڈوبا'' رہ گئے۔

قرطبہ کے راستے کا خوش نما منظر اور انجیر کے باغات

غرناطہ سے جب روانہ ہوئے تو پورے راستے پر دونوں طرف سفید رنگ کی مٹی تھی، جو اس ملک کی ایک انوکھی چیز کہنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ کہنا چاہیے، جو حسن کو بڑھا رہا تھا۔

اس سفید زمین پر دور دور تک عالی شان باغ تھے اور یہ باغ کس چیز کے تھے؟ زیتون، سنترہ، انجیر کے۔ انجیر کا موسم چل رہا تھا، کثرت سے انجیر وہاں لگے ہوئے تھے۔

کھاؤ! یہ تو ہمارے باپ داداؤں کا لگایا ہوا ہے

چوں کہ ہم ہندوستانی مزاج کے لوگ ہیں؛ اس لیے بیر اور املی کے درخت جو عام سرکاری زمینوں میں قدرتی اگے ہوئے ہوتے ہیں اس پر پتھر مار کر بیر اور املی کے پھل

گرا کر کھانے کی عادت ہے تو میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: یہ انجیر کھانے چاہیے۔

حضرت نے کہا کہ: دیکھو! وہ سیکورِٹی والے آپ کو چھیڑے نہیں اس کا لحاظ رکھنا۔

میں نے ہمارے بھائی امتیاز کو کہا کہ: ہمیں انجیر تو کھانے ہی کھانے ہیں، میری زبان سے ایک جملہ نکل گیا کہ: یہ تو ہمارے باپ داداؤں کا لگایا ہوا ہے، کھاؤ، یہ ہماری میراث ہے، کوئی ہمیں نہیں روک سکتا''۔

ہم نے اس کو توڑا اور کھانا شروع کیا، بہترین، قسم قسم کے انجیر، کچھ پکے ہوئے، کچھ کچے، ہم نے خوب کھائے، پھر تو اسپین میں چاروں روز انجیر ہی انجیر کھائے اور پھر تو ہر جگہ یہ جملہ عام ہو گیا کہ:

''ہمارے باپ دادا کا لگایا ہوا ہے''، یہ کہتے تھے، گراتے تھے اور کھاتے تھے۔

ہم شہر قرطبہ جانے کے لیے روانہ ہوئے، ڈھائی تین گھنٹے کا ہمارا یہ سفر رہا، بہت ہی عمدہ اور پختہ سڑکیں اور گاڑیاں بھی تقریباً ڈیڑھ سو دو سو کی رفتار سے چل رہی تھیں، بہت آسانی سے ہمارا یہ سفر طے ہوا، مولوی عمران لنڈنی — جو ہمارے جامعہ کے فاضل ہیں — ہمارے ساتھ تھے اور وہ گاڑی چلا رہے تھے۔

بڑی روانی سے ہمارا یہ قافلہ رواں دواں تھا، راستے میں کئی شہروں سے ہمارا گذر ہوا، ان شہروں میں بھی اکثر جگہ پہاڑیوں پر چرچ نظر آئے، ان چرچوں کی شکل یقینا مسجد والی تھی، اس سے ہمیں یہ یقین ہو گیا کہ یہ کسی زمانے میں مسجد رہی ہو گی جس کو چرچ میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

جامعِ قرطبہ

بالآخر! ہم قرطبہ پہنچے اور قرطبہ پہنچنے کے بعد ایک جگہ گاڑی پارک کی اور پھر جامعِ قرطبہ کے دروازے پر پہنچے، جامعِ قرطبہ پہنچنے کے بعد جب ہم ٹکٹ خریدنے کے لیے گئے تو ہماری شکل دیکھ کر ہی ہمیں یہ کہہ دیا گیا تھا کہ: آپ نماز پڑھنے کی کوشش بھی نہ کریں۔ بہت سخت ہمیں تاکید کردی گئی۔

جامعِ قرطبہ کا حال

بہر حال! ٹکٹ خریدنے کے بعد ہمیں تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا، پھر جامعِ قرطبہ کے احاطے میں ہم داخل ہوئے، جامعِ قرطبہ کا احاطہ تقریباً ہمارے جامعہ ڈابھیل کے احاطے کے بقدر ہوگا، چاروں طرف بہترین مضبوط حجرے۔

ممکن ہے کہ مسجد کے ساتھ کوئی مدرسہ ہو یا یہ کہ کوئی خانقاہ ہو، جس کے یہ حجرے ہوں۔

بیچ میں صحن ہے اور صحن میں بہت سے انجیر، سنترے اور انگور کے درخت اور بیلیں لگی ہوئی ہیں، جس سے مسجد کا حسن اور دوبالا ہو رہا تھا اور مسجد کا عالی شان مینارہ — جہاں سے کسی زمانے میں اذان کی صدائیں گونجا کرتی تھیں — دیکھ کر ہم میں سے ہر ایک رو رہا تھا کہ آج اس پر صلیبیں لگی ہوئی ہیں، بڑے بڑے گھنٹے لگے ہوئے ہیں اور مختلف اوقات میں بجائے جا رہے ہیں اور وہاں عیسائیوں کے نشانات لگے ہوئے ہیں، اس کو ہم حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے رہے۔

فنِ تعمیر کا عجیب نمونہ

پھر مسجد کا صحن اور حجرے دیکھنے کے بعد مسجدِ شرعی یعنی جماعت خانے میں داخل ہوئے۔

یہ جامعِ قرطبہ فنِ تعمیر کا بھی عجیب نمونہ ہے۔

کہتے ہیں کہ: دمشق سے تعمیر کے ایک ماہرِ فن کو بلوا کر اس کا نقشہ تیار کروایا گیا تھا، اس مسجد میں چھتیس بڑے بڑے گنبد ہیں اور ستون تقریباً ایک ہزار چار سو سترہ (1417) ہیں اور ہماری حکومت کے زمانے میں رات کے وقت اس مسجد میں دوسو اسّی (280) فانوس روشن کیے جاتے تھے اور چھوٹے چھوٹے جو فانوس ہوتے تھے وہ تقریباً سات ہزار چار سو پچیس (7425) تھے۔

اس مسجد کی ایک خوبی یہ ہے کہ چھت میں تین سو ساٹھ (360) طاق بنے ہوئے ہیں۔

آپ نے مشارق اور مغارب کی تفسیر میں پڑھا ہے کہ سورج روزانہ ایک چال پر نہیں چلتا؛ بلکہ وہ روزانہ پورے سال اپنی چال بدلتا رہتا ہے؛ اسی لیے قرآن میں مشارق اور مغارب جمع استعمال کیا گیا۔

ایک تفسیری قول کے مطابق چوں کہ روزانہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ بھی الگ ہے اور غروب ہونے کی جگہ بھی الگ ہے، تین سو ساٹھ دن میں تین سو ساٹھ جگہ طلوع و غروب ہوتا ہے تو یہ تین سو ساٹھ طاقچے اس انداز سے بنائے گئے تھے کہ سورج جس چال پر ہو، جس راستے پر ہو، روزانہ کی اس کی الگ الگ منزل کے اعتبار سے الگ

الگ طاقچے سے مسجد میں روشنی آئے۔

تین آیات مع تطبیق

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۔ (الصفّت:۵)

ترجمہ: آسمانوں کے اور زمین کے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہیں اس کے رب ہیں اور (جہاں سے سورج اور دوسرے ستارے نکلتے ہیں ان) مشرقوں کے رب ہیں۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ۔ (رحمن:۱۷)

ترجمہ: دونوں مشرقوں کے حقیقی مالک اور دونوں مغربوں کے حقیقی مالک وہی ہیں۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلاً۔ (مزمل:۹)

ترجمہ: مشرق اور مغرب کے مالک ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں، سو ان ہی کو وکیل بنالو (یعنی سارے کام اللہ تعالیٰ کو سونپ دو، وہی کام بنانے والے ہیں)۔

سورج اور دوسرے ستارے روزانہ جانبِ مشرق سے طلوع ہوتے رہتے ہیں، شمال سے لے کر جنوب تک الگ الگ نقطوں سے سال کے ۳۶۵ دن سورج اور ستارے طلوع ہوتے رہتے ہیں، ہر روز طلوع ہونے کا ایک نیا نقطہ، شاید اسی کی طرف اشارہ سورۂ صافات کی آیت سے ہو رہا ہے۔

جب کہ سورۂ رحمٰن میں تثنیہ کا صیغہ آیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ سردی اور گرمی دو موسموں کے دو طرح طلوع کے نقطوں کی طرف تثنیہ کے صیغے سے اشارہ ہو رہا ہے۔

جب کہ سورۂ مزمل میں مفرد کا صیغہ ہے، اس میں اس کی طرف اشارہ معلوم ہو رہا ہے کہ طلوع کی نفسِ جہت تو ایک ہی مشرق ہے۔

اور اس کے بالمقابل فرضی نقطے مغرب کے ہیں۔

مسجد کی منقّش چھت

اس کی چھت میں جو لکڑی استعمال ہوئی ہے اس میں اتنا خوب صورت، سنہرا، نقش و نگار والا کام ہوا ہے کہ دیکھتے ہی عقل دنگ رہ جاتی ہے، ایک تو منقش کام اور وہ بھی سنہرا اور لکڑی کتنی مضبوط ہو گی کہ آج تقریباً پانچ سو سال سے زیادہ تو ہماری حکومت کے خاتمے کے ہو گئے پھر بھی وہ لکڑی قائم ہے۔

اور مسجد میں کمانوں میں جو پتھر استعمال ہوئے ہیں وہ بھی بہت خوب صورت، آپ نے مسجدِ نبوی کی زیارت کی ہو تو ابھی جو جدید توسیع ہوئی ہے اس میں جو الگ الگ قسم کے پتھر لگائے گئے ہیں، اس طرح کے الگ الگ قسم کے پتھروں کو فٹ کر کے کمانیں بنائی گئی ہیں۔

دل دوز مناظر

ہم مسجد میں داخل ہوئے اور داخل ہونے کے بعد رونا آتا تھا؛

اس لیے کہ مسجد کے چاروں طرف دیواروں پر صلیبیں لگادی گئی ہیں۔

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی فرضی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔

عیسائی مذہب کی ساری علامتیں لگی ہوئی ہیں۔

باکتھل کے پروگرام کے لیے مختلف جگہوں پر اسٹیج بنے ہوئے ہیں اوران پروگرام کے سامعین کے لیے کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔

عیسائی سیاح — جس میں عورتیں بھی ہوتی ہیں، مرد بھی ہوتے ہیں — نیم کپڑے پہنے ہوئے مسجد میں ٹہل رہے ہیں اور ایک جگہ اتنا دکھ ہوا کہ ایک جوڑا کونے میں بیٹھ کر جیسے کہ ان عیاشوں کی عادت ہیں، پارکوں میں، ہوٹلوں میں بیٹھ کر ایک دوسرے کی چھیڑخوانی کرتے ہیں، بوس وکنار کرتے ہیں، ایسی حرکت اللہ تعالیٰ کے گھر میں کررہے تھے، یہ منظر دیکھ کر ہم لوگوں کو بہت رونا آیا۔

مسلمانوں کی ذلت اور عیسائیوں کی عزت ظاہر کرنے والی تصاویر

وہاں ایک تصویر لگی ہوئی ہے جس میں ابو عبداللہ اوران کے ساتھیوں کو داڑھی، ٹوپی اور عمامے کے ساتھ ذلتی کی حالت میں اور فرڈی ننڈ بادشاہ اوراس کے ساتھیوں کو فاتحانہ شان کے ساتھ دکھا گیا ہے اور چاندی کی پلیٹ میں آخری مسلم حکمران، عیسائی بادشاہ کو ''الحمراء'' کی چابی پیش کرتے ہوئے بتلا گیا ہے۔

جب اس تصویر کو عین محراب ومنبر کے پاس دیکھا تو ہمارا دل پھٹا جارہا تھا۔

آج منبر ومحراب دو رکعت کے لیے ترس رہے ہیں

ہمارے لیے انھوں نے الگ سے (Specia) سیکورِٹی بلوالی؛ تاکہ ہم نماز نہ پڑھیں، ایک کونے میں ہمارے ساتھی محمد بھائی بھانا مانچسٹر (Mancheste) والے نے کوشش بھی کی اور نیت بھی باندھ لی؛ لیکن فوراً پولیس نے آکر ان کو پکڑلیا؛ اس

لیے کہ پوری مسجد میں جابجا کیمرے لگے ہوئے ہیں، اس کی وہ دفتر سے نگرانی بھی کرتے رہتے ہیں۔

یہ وہی جامعِ قرطبہ ہے جہاں مفسرِ امت امام قرطبیؒ، امام ابوحیان اندلسیؒ آیا کرتے تھے، نمازیں پڑھا کرتے تھے، جہاں علامہ شاطبیؒ ہوا کرتے تھے، جہاں خطیبِ امت حضرت منذر ابن سعیدؒ کے خطبے امت کی رہبری کرتے تھے، آج وہی منبر و محراب دو رکعت کے لیے ترس رہے ہیں۔

بہر حال! ہمارے بس میں صرف اتنا تھا کہ ہم اذان زور زور سے پڑھتے اور تلاوت کرتے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے، اس کے سوا ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا، تقریباً تمام ساتھیوں نے کچھ نہ کچھ تلاوت کی، ذکر کیا، اذان کہی اور پون ایک گھنٹہ بہت ہی دل کو تھامتے ہوئے مسجد میں ہم نے گزارا اور پھر ہم بڑے بوجھل قدموں کے ساتھ مسجد سے باہر نکلے۔

ہم نے بہت منت وسماجت کی کہ ہمیں دو رکعت پڑھنے کا موقع دیا جائے؛ لیکن ہمیں منع کر دیا گیا، یہاں تک کہ جماعت خانے سے باہر آ کر صحن میں نماز پڑھنے کی اجازت مانگی تو بھی ہمیں اجازت نہیں دی۔

ٹورِس آفس (Tourism Office) میں ظہر کی نماز

بالآخر! قریب میں حکومت کی ایک ٹورِس آفس تھی، ہم وہاں گئے اور وہاں کے افسروں سے درخواست کی — وہاں جو عمارتیں تھیں ان کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ کسی زمانے میں یہ عمارتیں بھی مدرسہ یا خانقاہ رہی ہوں گی — ہماری درخواست پر انھوں نے

اتنا منظور کیا کہ آپ ہماری آفس میں نماز پڑھ سکتے ہیں، مسجد میں نہیں پڑھ سکتے،ہم نے ٹورس آفس میں ظہر کی دو رکعت نماز باجماعت ادا کی؛ چوں کہ ہم سب مسافر تھے، نماز ادا کرنے کے بعد ہم وہاں سے باہر نکلے۔

وادئ کبیر اور اس کا پل

مسجد کے آگے والے حصے میں وادئ کبیر — جو اسپین کی سب سے بڑی ندی شمار ہوتی ہے وہ — بہتی ہے، اس کو ہم دیکھنے کے لیے گئے، اس وادی پر بہت ہی عمدہ اور خوب صورت پل (Bridge) بنا ہوا ہے۔

اس پل کے متعلق یہ بات کہی جاتی ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے اپنے دورِ خلافت میں اس کو تعمیر کروایا تھا، آپؒ نے دمشق میں بیٹھے بیٹھے قرطبہ کی فکر فرمائی اور اس وادئ کبیر پر پل بنانے کے لیے عبدالرحمن ابن عبیداللہ الغافقی نام کے ایک ماہرِ تعمیرات کو دمشق سے روانہ فرمایا، انھوں نے ۱ھ میں اس پل کو تعمیر کروایا، جس کا طول آٹھ سو ہاتھ اور چوڑائی چالیس گز تھی۔

اس زمانے میں اس پل کی پوری دنیا میں کوئی نظیر نہیں تھی، اب وہ پل بالکل بوسیدہ ہو چکا ہے؛ چوں کہ وہ دوسری صدی ہجری کا بنا ہوا ہے، اس وقت گذرنے کے لیے اور ٹریفک (Traffic) کے لیے اس کو بند کر دیا گیا ہے اور اس کے برابر میں ایک دوسرا پل بنا دیا گیا ہے۔

باہر سے مسجد کے محراب کے پاس کھڑے رہ کر ہم اس پل کا نظارہ کرتے رہے اور نظارہ کرنے کے بعد وہاں سے لوٹے۔

عصر کی نماز کے لیے مسجد کی تلاش

ہمیں کھانا بھی کھانا تھا اور عصر کی نماز بھی پڑھنی تھی اور آگے کا سفر بھی طے کرنا تھا، ہم نے کسی سے پوچھا کہ: اس شہر میں کوئی مسجد ہے جس میں نماز ہوتی ہو؟

ہمیں کسی نے بتلایا کہ شہر میں جہاں رِنگ روڈ (RingRoad) ہے وہاں آپ چلے جائیے، وہاں ایک پارک ہے، اس میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔

ایک چھوٹی سی مسجد، اس میں بھی تالا لگا ہوا

ہم وہاں پہنچے تو وہاں ایک بہت بڑا پارک تھا، جس کے چاروں طرف سڑکیں تھیں، اس باغ کے بیچ میں ایک بہت ہی چھوٹی سی مسجد تھی، ہم اس کے قریب پہنچے اور انتظار کرنے لگے کہ ابھی عصر کا وقت ہوگا تو مسجد کھلے گی، کافی دیر تک ہم انتظار کرتے رہے، ہم کو دیکھ کر کچھ نوجوان ہمارے قریب آئے اور سلام کیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مراکش کے عرب نوجوان ہیں جو یہاں ملازمت کے لیے آئے ہیں۔

امام صاحب مغرب یا عشا میں آئیں گے

ہم نے ان سے پوچھا کہ: نماز پڑھنی ہے، مسجد کب کھلے گی؟

انھوں نے ہمیں جواب دیا: يُمْكِنُ الشَّيْخُ يَجِيءُ فِي الْمَغْرِبِ أَوِ الْعِشَاء۔

یعنی شیخ تو فجر کی نماز پڑھا کر تالا لگا کر چلے جاتے ہیں، اب یا تو مغرب میں آئیں گے یا عشا میں، تب مسجد کھلے گی، پورا دن مسجد کو تالا لگا رہتا ہے، شیخ ملازمت پر کہیں جاتے ہیں اور جب ملازمت سے آتے ہیں تو مسجد کھلتی ہے اور نماز پڑھاتے ہیں۔

خدا کی شانِ بے نیازی

ہم نماز پڑھنے کے لیے بے چین تھے، جب کوئی جگہ میسر نہیں آئی تو ہم لوگ وضو کرنے کے لیے ایک نل پر گئے، میں حضرت مفتی صاحب کے ساتھ چل رہا تھا۔

حضرت فرمانے لگے: باری تعالیٰ کی شانِ بے نیازی تو دیکھو کہ جس شہر قرطبہ میں مسلمانوں کی پوری دنیا کی سب سے بڑی مسجد ''جامعِ قرطبہ'' ہے اور جہاں ہماری حکومت کے دور میں تقریباً سولہ سو سے زیادہ مسجدیں رہی ہیں، آج اس شہر کے ایک کونے میں ہمیں نماز پڑھنے کے لیے جگہ میسر نہیں ہے اور جو مسجد اس وقت مسجد ہے اس کا حال ہمارے سامنے ہے، یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی۔

اندازہ یہ ہوا کہ مراکشی مسلمانوں نے ابھی ابھی یہ مسجد بنائی ہوگی۔

دانے دانے پہ لکھا ہے کھانے والے کا نام

بالآخر! ہم نے وضو کیا اور پارک میں ہم نے نمازِ عصر ادا کی اور عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد چوں کہ ہمیں کھانا بھی کھانا تھا اور کھانا بھی زیادہ مقدار میں تھا؛ اس لیے ہم نے ان مراکشی نوجوانوں کو بھی ہمارے ساتھ شریک کرلیا، اس وقت میرے دل میں بے ساختہ یہ خیال آیا کہ: اے اللہ! یہ تیرا کیسا نظام ہے، ان کھانا پکانے والوں نے سوچا تک نہیں ہوگا کہ مراکشی نوجوان بھی کھائیں گے اور نہ ان نوجوانوں نے سوچا ہوگا کہ ہمیں یہ کھانا نصیب ہوگا، پک رہا ہے انگلینڈ میں اور کھایا جارہا ہے اسپین میں، کیا خدا کے رزق کا نظام ہے!!!

بہر حال! ان عرب نوجوانوں نے بہت خوشی سے ہمارے ساتھ کھانے میں شرکت کی۔

ایک اردو جاننے والے سے مختصر ملاقات

وہاں پر ایک اردو جاننے والا بھی ہمیں مل گیا، جو پارک سے گذر رہا تھا، اس نے ہماری شکل وصورت دیکھ کر ہمیں سلام کیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ پاکستان سے کسی ہوٹل میں ملازمت کے لیے یہاں آیا ہوا تھا، مغربی ملکوں میں چوں کہ ٹائم کی بڑی قیمت ہوتی ہے، خاص طور پر ڈیوٹی کے اوقات میں؛ اس لیے مختصر سی بات کر کے وہ آگے چل دیا، ہم اس سے مزید حالات معلوم نہیں کر سکے۔

پورے قرطبہ شہر میں ایک ہی چھوٹی سی مسجد

بہر حال! ان عرب نوجوانوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس وقت پورے شہر قرطبہ میں یہی ایک چھوٹی سی مسجد ہے، یہی عبادت گاہ ہے جس کو وہ لوگ مصلیٰ کہتے ہیں اور فجر اور عشاء دو نمازیں پابندی سے ادا ہوتی ہیں، ظہر، عصر اور مغرب کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی اور اکثر نہیں ہوتی اور جمعہ میں کھلتی ہے؛ لیکن امام صاحب کو ملازمت سے اجازت نہ ملے تو جمعہ میں بھی مسجد کا کھلنا دشوار ہو جاتا ہے۔

مَدِيْنَةُ الزَّهْرَة کی طرف

قرطبہ سے روانہ ہونے کے بعد ہمیں آگے "مدينة الزهرة" جانا تھا جو پورے اسپین میں ہمارے اسلامی دور کی یادگار، عجیب وغریب اور خوب صورت جگہ ہے۔

یہ قرطبہ سے صرف آٹھ میل کے فاصلے پر ہے، ہم مدینۃ الزہرہ کی طرف آگے بڑھے، جب ہم اس کی طرف بڑھ رہے تھے تو راستے میں بورڈ وغیرہ سے راستہ متعین کرتے ہوئے جیسے جیسے مدینۃ الزہرہ کے قریب پہنچے تو پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوا، بہت ہی عجیب وغریب، خوب صورت پہاڑیاں، ایک پُرکیف، خوش نما منظر تھا۔

وقت پورا ہوجانے کے باوجود اندر جانے کی اجازت

ہم ایک جگہ پہنچے جہاں لکھا ہوا تھا ''مدینۃ الزہرہ'' میں داخل ہونے کے لیے یہاں سے ٹکٹ خریدیں'' وہاں ہم نے ہماری گاڑیاں روکیں اور وہاں سے ٹکٹ خریدا، شام کافی ہوچکی تھی؛ اس لیے قانون کے مطابق ٹکٹ تو مل نہیں سکتا تھا، سیاح بھی تقریباً نکل چکے تھے، کچھ ہی باقی تھے؛ لیکن ہماری شکل وصورت دیکھ کر وہاں موجود سرکاری ملازموں نے رعایت کی، نیز ہمارے اسپینی زبان جاننے والے ساتھی نے کچھ سفارش کی کہ ہم اتنے دور سے آئے ہیں اور ہمارے پاس ٹائم بھی بہت کم ہے تو اس نے ہمارے ساتھ اتنی خیر خواہی کی کہ اس نے دروازہ کھول دیا اور کہا: ٹھیک ہے، آپ لوگ اندر زیارت کے لیے جاسکتے ہیں۔ ہم مدینۃ الزہرہ میں داخل ہوئے۔

مَدِیْنَۃُ الزَّھْرَۃ کی تعمیر اور عجائبات

یہ مدینۃ الزہرہ شہر کے باہر پہاڑیوں کے بیچ میں ایک خوب صورت، بہت دل کش جگہ ہے، یوں کہنا چاہیے کہ: یہ ایک شاہی شہر ہے، اس میں شاہی محلات ہیں، مسجدیں ہیں اور بہت ہی عمدہ اور خوب صورت یہاں کی عمارتیں ہیں۔

جعفر ابن عبد الرحمن نامی اموی خلیفہ نے اس کی تعمیر شروع کروائی تھی، ۹۶۱ء سے ۹۷۲ء تک ان کی خلافت رہی۔

یہ مدینۃ الزہرہ میں جو بورڈ لگا ہوا تھا وہیں سے میں نے نوٹ کیا اور خلیفہ عبد الرحمن ثالث نے اپنی مرکزی حکومت کی جگہ اسی مدینۃ الزہرہ کو بنایا تھا۔

ایک روایت کے مطابق ۳۲۵ھ میں خلیفہ عبد الرحمن الناصر نے اپنی ملکہ "زہرہ" کی یادگار میں اس کی تعمیر کی کروائی تھی۔

عبد الرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت

(سرزمینِ اندلس میں)

میری آنکھوں کا نور ہے تو	میرے دل کا سرور ہے تو
اپنی وادی سے دور ہوں میں	میرے لیے نخلِ طور ہے تو
مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا	صحرائے عرب کی حور ہے تو
پردیس میں ناصبور ہوں میں	پردیس میں ناصبور ہے تو
غربت کی ہوا میں بارور ہو	ساقی تیرا نمِ سحر ہو
عالم کا عجیب ہے نظارہ	دامانِ نگہ ہے پارا پارا
ہمت کو شناوری مبارک	پیدا نہیں بحر کا کنارہ
ہے سوزِ دروں سے زندگانی	اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ
صبحِ غربت میں اور چمکا	لوٹا ہوا شام کا ستارہ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے	مومن کا مقام ہر کہیں ہے

یہ اشعار جو عبدالرحمن اول کی تصنیف سے ہیں، تاریخ المقری میں درج ہیں۔ مندرجۂ بالا اردو نظم ان کا ترجمہ ہے۔ (درختِ مذکور مدینۃ الزہراء میں بویا گیا تھا)

عبدالرحمن اول: خاندانِ بنی امیہ کے خلیفۃ ہشام کا پوتا، عباسیوں کے ہاتھوں تنگ آ کر ہسپانیہ چلا گیا، کچھ عرصہ بعد ہسپانیہ کے حاکم کو شکست دے کر اور عباسیوں سے قطع تعلق کر کے خود مختار بادشاہ بن گیا۔

وفات: ۷۹۰ء۔ سلطنت اندلس کا بانی یہی ہے۔ (ماخوذ: از کلیاتِ اقبال:)

جَبَلُ الْعَرُوْس

وہاں ایک پہاڑ ہے، اس پہاڑ کو "جَبَلُ الْعَرُوْس" کہا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ: جب "مدینۃ الزہرہ" کی تعمیر مکمل ہوئی اور خلیفۃ عبدالرحمن ناصر اپنی ملکہ "زہرہ" کے ساتھ یہاں پہنچے تو ملکہ نے اس خوب صورت شہر کو دیکھا اور جب اس کی نظر پیچھے والے پہاڑ پر پڑی تو وہ سیاہ تھا، وہ اس کو بدنما معلوم ہوا، اس نے خلیفۃ سے کہا کہ:

یہ حسین وجمیل کنیز اس حبشی کی گود میں رہے گی؟ اس طرح اس نے خلیفۃ کو ابھارا۔

خلیفۃ نے اپنی ملکہ کا دل خوش کرنے کے لیے حکم جاری کیا کہ پورے پہاڑ پر خوب صورت پھل دار درخت اور پھول لگائے جائیں جس کی وجہ سے پورا پہاڑ ایک دلہن کی طرح حسین اور خوب صورت ہو گیا اور اس کا نام "جبل العروس" رکھ دیا گیا۔

قَصْرُ الْخُلَفَاء

اس مدینۃ الزہرہ میں ایک ایوان ’’قَصْرُ الْخُلَفَاء‘‘ کہلاتا تھا، جس کی دیواریں سونے کی بنی ہوئی تھیں اور چھت پر بھی سونا لگا ہوا تھا اور باقی جگہوں پر سنگِ مرمر لگا ہوا تھا اور بیچ میں ایک خوب صورت حوض بنا ہوا تھا جس میں پارہ بھرا ہوا رہتا تھا اور محرابیں رنگ بہ رنگ اور بلور، عقیق وغیرہ کے پتھروں سے بنی ہوئی تھیں، جس سے سورج کی دھوپ ان ایوانوں میں آتی تھیں تو دیکھنے والوں کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتی تھیں۔

اُمرا کا حال یہ تھا کہ لوگ جب دربار میں آتے تھے اور کسی کو مرعوب و متأثر کرنا مقصود ہوتا تھا تو تخت پر بیٹھ کر کسی غلام کو اشارہ کرتے تھے، وہ اس پارہ کو ہلا دیتے تھے جس کی وجہ سے پورا محل گول گول گھومتا ہوا نظر آتا تھا، جس کی وجہ سے ہر کس و ناکس متأثر ہو کر نکلتا تھا۔

اسی مدینۃ الزہرہ میں جانوروں کے لیے بھی ایک باغ تھا جس میں وہ ان کے لیے بنائے گئے قدرتی ماحول میں رہا کرتے تھے اور اللہ جانے کیا کیا عجائبات اس میں تھے۔

دوسروں کو رعب میں ڈالنے والے محل سے ہی زوال کی ابتدا

یہی مدینۃ الزہرہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلم حکمرانوں کو حکومت دی تھی اور انھوں نے اس کو عیش کدہ بنا دیا اور دنیا کے دوسرے ممالک کے لوگ اس زمینی جنت کو دیکھنے آتے تھے تو مسلمانوں کے عروج کو دیکھ کر مرعوب ہو کر جایا کرتے تھے؛ لیکن آج افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے زوال کی ابتدا بھی اسی مدینۃ الزہرہ سے ہوئی۔

اسی محل کو خلفا نے عیش کدہ بنایا، شراب کباب کی محفلیں اس میں ہونے لگیں اور خدا کو بھول بیٹھے اور اللہ کی پکڑ کو بھول کر انھوں نے دنیوی زیب وزینت کے پیچھے اپنی ساری صلاحیتوں اور توانائیوں کو خرچ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے یہ ملک چھین لیا۔

بہر حال! پہاڑ کے اوپر سے لے کر نیچے تک مختلف انداز کے کمرے اور یہ خوب صورت محل پھیلا ہوا ہے۔

تزوید میاہ

اسی ''مدینۃ الزہرہ'' کے اندر جہاں پانی کی ٹنگی بنی ہوئی ہے اس پر عربی میں عبارت لکھی ہوئی ہے ''تزوید میاہ''یعنی یہاں سے پانی ہر جگہ سپلائی (Supply) ہوتا ہے۔

یہ عربی عبارت دیکھ کر تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی ہوئی کہ کچھ ہماری یادگار اب تک باقی ہے۔

یہاں بھی انجیر اور انگور کی بیلیں تھیں، خشک انجیر بھی تھے اور خشک کشمش بھی تھی، بڑی وافر مقدار میں ہم لوگ یہاں پر محظوظ ہوئے؛ چوں کہ غروب کا وقت قریب تھا اور وہاں جو محکمہ کے لوگ تھے انھوں نے کہا کہ: اب وقت ہو چکا ہے؛ بلکہ آپ لوگوں کی رعایت میں وقت سے تقریباً ایک گھنٹہ زائد موقع دیا گیا، اب آپ لوگ باہر آجائیں۔ ہم لوگ مدینۃ الزہرہ سے باہر نکل کر اپنی گاڑیوں میں سوار ہوئے۔

نوٹ: مدینۃ الزہراء کے متعلق جو تفصیلات حضرت مفتی محمد تقی صاحب مدظلہ

العالی نے لکھی ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہے۔

اشبیلیہ کی طرف

ہمارا آئندہ کا سفر اشبیلیہ کا تھا جو علامہ اشبیلیؒ کا شہر ہے، وہاں جانے کے لیے ہم روانہ ہوئے، راستے میں ایک پٹرول پمپ پر رُک کر ہم نے مغرب کی نماز ادا کی اور وہاں سے ہم اشبیلیہ شہر جانے کے لیے روانہ ہوئے، یہ ہمارے سفر کا دوسرا یعنی بدھ کا دن تھا جس میں ہم نے جامعِ قرطبہ اور مدینۃ الزہرہ کی اپنی آنکھوں سے زیارت کی۔

اشبیلیہ

''اشبیلیہ'' قدیم دور سے ''اندلس'' کا بڑا عظیم الشان شہر ہے، اس کا دوسرا نام ''حمص'' بھی ہے اور ''اندلس'' کا دارالسلطنت (Capital) بھی رہا ہے، یہاں کے پہاڑ پر ''زیتون'' اور انواع واقسام کے پھل فروٹ کے درخت ہیں، قطن کی کھیتی بھی خوب ہوتی ہے، وادیٔ کبیر نامی نہر اس شہر سے بہتی ہے، جس میں چھوٹی بڑی کشتیاں قدیم دور سے چلتی ہیں، ہمارے اکابر، اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت اس شہر سے وابستہ رہی ہے۔

آگے کا ہمارا نظام اشبیلیہ کا تھا، جناب حافظ پٹیل صاحب کے دار العلوم ڈیوز بری انگلینڈ — جہاں پورے یورپ کا مرکز بھی ہے اس — میں اشبیلیہ کے دو طالب علم پڑھتے تھے، ان حضرات کو اور ان کے والد کو ہمارے سفر کی اطلاع ہو چکی تھی اور طلبہ بھی تعطیلات میں گھر ہی تھے اور ڈیوز بری مرکز سے وہاں کے استاذ الحدیث اور ہمارے جامعہ کے قدیم فاضل حضرت مولانا یوسف دروان نے فون کر دیا تھا کہ میرے

مشائخ وہاں آرہے ہیں، وہ طلبہ اپنے استاذ ہونے کی وجہ سے مولانا دروان صاحب کا بڑا احترام کرتے تھے؛ اس لیے وہ حضرات ہمارے بڑے منتظر تھے، ایک طالب علم ''محمد'' خود اشبیلیہ سے غرناطہ ہمیں لینے کے لیے آئے، پھر پورے سفر میں ان کی رہبری رہی۔

مشورے کے مطابق مدینۃ الزہرہ کی زیارت کے بعد ہم وہاں سے اشبیلیہ جانے کے لیے روانہ ہوئے، مسلسل چلنے کے بعد تقریباً بارہ بجے ہم اشبیلیہ شہر پہنچے۔

اشبیلیہ کا اس وقت جدید نام (Sevilla) ہے، یہ پورے اندلس کی راجدھانی شمار ہوتی ہے اور وہاں ایک بہت بڑے اپارٹمینٹ (Apartment) کے تہہ خانے میں ایک مسجد ''مسجد الهداية'' ہے، اس مسجد پر ہم پہنچے، ایسے ان احباب کا اصرار تھا کہ ہوٹل میں کمرے کا انتظام ہوگا؛ لیکن ہم نے یہی پسند کیا، حضرت مفتی صاحب کی طبیعت بھی یہی چاہتی ہے کہ کوئی مسجد یا مدرسہ ہو تو زیادہ مناسب ہے، وہ مسجد چھوٹی تھی؛ لیکن بہرحال مسجد تھی؛ اس لیے ہم نے قیام کے لیے اسی کو ترجیح دی اور تہہ خانے میں ایک طرف چھوٹا سا وضو خانہ اور بیچ میں جماعت خانہ تھا۔

مسجد کے دروازے پر ایک عجیب تنبیہ

اس مسجد کے دروازے پر ایک بہت ہی اچھی عبارت لکھی ہوئی تھی، موبائل بند کرنے یا مسجد میں خاموش رہنے کی تنبیہ کرنے کے لیے یہ عبارت لکھی گئی تھی:

اِقْطَعْ جَمِيْعَ الاِتِّصَالَاتُ

اِتَّصِلْ بِرَبِّ السَّمٰوٰتْ۔

ایک دوسری جگہ عبارت اس طرح لکھی ہوئی یاد پڑ رہی ہے:

اِقْطَعْ جَمِیْعَ الاِتِّصَالَاتْ

اِتَّصِلْ بِخَالِقِ السَّمٰوٰتْ۔

ترجمہ: تمام (دنیوی) تعلقات کو ختم کردو اور آسمانوں کے بنانے والے خدا سے تعلق جوڑلو۔

آج کل موبائل کے سلسلے میں ہماری جو بے احتیاطی ہے وہ بہت ہی قابلِ فکر ہے، مسجد، مدرسہ، دینی مجالس، حرم مقدس، مطاف، عرفہ، منٰی، مزدلفہ، روضۂ مبارکہ، مسجدِ نبوی ہرجگہ فون کی گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں اور نماز، تلاوت، طواف، صلوٰۃ وسلام پیش کرنے میں بہت ہی خلل ہوتا ہے؛ اس لیے اس پر توجہ ہونی چاہیے۔

اور بہت سے بھائیوں کی موبائل کی گھنٹی (Ringtone) فلمی گانوں کی طرز کی ہوتی ہے یا فلمی گانے بجتے ہیں، یہ تو شرعاً بھی ناجائز ہے اور گناہ کا کام ہے، اس سے بہت زیادہ احتراز کرنا چاہیے۔

سفر کا تیسرا دن: جمعرات

فجر میں کئی عرب حضرات سے ملاقات ہوئی اور یہاں پر بھی امام نافعؒ کی قرأت کے مطابق نماز پڑھنے کا موقع ملا، آرام کرنے کے بعد ہم اشبیلیہ شہر کو دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے۔

قَصْرُ الْقَزَارِیْز اور اس کے عجائبات

بتایا گیا کہ: یہاں بہت ہی عالی شان مساجد اور قلعے ہیں، سب سے پہلے ہم ''قَصْرُ الْقَزَارِیْز'' پہنچے، یہ ایک بہت مشہور محل ہے، دوسری صدی میں یہ تعمیر ہوا تھا، یوں کہنا چاہیے کہ: قصر الحمراء سے بھی زیادہ حسین اور خوب صورت عمارت ہے اور قصر الحمراء سے بھی بڑے اس میں کمرے بنے ہوئے ہیں، حکومت کے جتنے بھی وُزرا اور شاہی خاندان کے جتنے بھی شہزادے ہوتے تھے ہر ایک کے لیے الگ الگ محل اس میں تعمیر کیا گیا ہے۔

اس میں دیواروں پر بہترین انداز میں قرآنِ کریم کی آیتیں کندہ ہیں اور جگہ جگہ ''لَا غَالِبَ اِلَّا اللّٰہ'' لکھا ہوا ہے۔

اس کا گنبد نہایت خوب صورت، سنہرے انداز کا بنا ہوا ہے، اس کے دروازے اس کی عمارت سے زیادہ قیمتی ہیں، اعلیٰ قسم کی لکڑی اور اعلیٰ قسم کے سونے اور چاندی سے اس میں ڈیزائن وغیرہ کا کام ہوا ہے۔

بیچ میں جا بجا نہریں ہیں اور بہترین حوض بنے ہوئے ہیں اور خاص طور پر چار

بڑی نہریں ہیں جو محل کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں۔

قرآنی آیتوں کے ساتھ عیسائیوں کی شرارت

اب عیسائیوں نے اپنی حکومت آنے کے بعد ایک شرارت یہ کی ہے کہ سنگِ مرمر میں جہاں جہاں آیتیں کندہ ہیں اور اسی طرح ''لا غالب الا اللّٰہ'' میں جو تشدید ہے اس میں تحریف کر کے اس کی جگہ صلیب کا نشان بنا دیا ہے۔

لوگ ان محلات کو دنیوی جنت کا نمونہ کہا کرتے تھے، ان کے حسن کو ہم اپنی زبان سے تعبیر ہی نہیں کر سکتے۔

اس محل کی ایک عجیب سسٹم

یہاں ایک چیز دیکھی جو دنیا میں اس سے پہلے اور کسی جگہ میں دیکھنے کو نہیں ملی، پورے محل میں الگ الگ جگہوں پر نمبر لگے ہوئے ہیں، ایک نمبر، دو نمبر، بارہ نمبر۔ گیٹ پر جب ہم ٹکٹ خریدتے ہیں تو وہاں ہم کو چھوٹے سے موبائل کی طرح ایک چھوٹا سا ریکارڈر (Recorder) ملتا ہے اس کا بھی کرایہ غالباً پانچ یا دس ''یورو'' ہے اور جتنے نمبر محل میں مختلف کونوں پر لگے ہیں وہ نمبر اس پر بھی لگے ہیں، اب آپ پورے محل میں کسی بھی جگہ پر چلے جائیے اور وہاں دیوار پر جو نمبر لکھا ہوگا وہ نمبر اس مشین پر دبائیے، مثلاً چوبیس نمبر کسی دیوار پر لکھا ہوا ہے تو آپ چوبیس نمبر اس پر ڈائل کیجیے تو فوراً آپ کو اس جگہ کی تاریخ سنائے گا کہ:

یہ کون سی عمارت ہے؟

کس نے بنائی ہے؟

کس کام میں استعمال ہوئی تھی؟

کتنا خرچ اس میں ہوا تھا؟

اُس دور میں کتنا سونا چاندی اس میں خرچ ہوا تھا؟

کونسے بادشاہوں اور خلفا کی قیام گاہ اس میں رہی ہے؟

اور وہ بھی کئی زبانوں میں، خاص طور پر انگریزی اور اسپینی زبان میں یہ مشینیں ملتی ہیں، ہم نے انگریزی زبان والی مشین کرائے پر لے لی، جس کونے پر جاتے تھے نمبر ڈائل کرتے تھے اور وہ بیان شروع ہو جاتا تھا۔

دل کو ہلا دینے والی بات

اس مشین کی ایک بات نے ہم سب ساتھیوں کے دلوں کو ہلا دیا، وہ یہ کہ جب ہم اس پورے عالی شان محل — جو اتنا وسیع وعریض ہے کہ تقریباً ایک دن دیکھنے کے لیے لگائیں تو بھی ناکافی ہو، اس — کو دیکھ چکے تو اخیر میں ایک عیسائی بادشاہ کی بات نقل کی گئی ہے کہ: آپ اتنا عالی شان محل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

کتنی شان وشوکت والا یہ خوب صورت محل ہے!

کتنے عالی شان اس کے گنبد ہیں!

کتنی عالی شان اس کی دیواریں ہیں!

کتنے شان دار اس میں دروازے ہیں!

کتنے شان دار پارک اور باغ اس میں بنے ہوئے ہیں!

یہ سب کس نے بنایا؟
مسلم حکمرانوں نے بنایا۔
لیکن وہ مسلم حکمراں کس قدر محنت سے، کس قدر مال خرچ کر کے بنا گئے اور آج وہ محل ہمارے قبضے میں ہے۔

گویا کہ اس عیسائی بادشاہ کی طرف نسبت کر کے یہ جملہ جو ریکارڈ کروایا ہے وہ ہمارے دلوں کو دکھانے والا تھا کہ واقعی:

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ (الدخان)

ترجمہ: وہ (لوگ) کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے اور (کتنی ساری) کھیتیاں اور عمدہ عمدہ مکانات اور عیش (وآرام) کا سامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے، اسی طریقے سے (ان کا انجام) ایسا ہوا کہ ہم نے اُن سب چیزوں کا وارث (مالک) ایک دوسری قوم کو بنا دیا، پھر ان لوگوں پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ان کو کوئی مہلت (ڈھیل) دی گئی۔

اس آیت کی ایک عملی تفسیر ہمارے سامنے تھی کہ ہم اپنی عیاشیوں کی خاطر نہ جانے ایسی کتنی یادگاروں کو دوسروں کے حوالے کر کے چلے گئے۔

اموی بادشاہ کی ایک آرزو جو پوری نہ ہوئی

اس محل کے پیچھے ایک بہترین خوب صورت پھلواڑی بنی ہے، وہاں ایک ستون

ہے، اس ستون پر لکھا ہے کہ ۱۰۹۵ء میں یہ ستون قائم ہوا، المعتمد ابن عباد نامی اموی خلیفہ نے اس کو قائم کروایا، اس نے اس ستون پر ایک عبارت کندہ کروائی ہے، عربی میں بھی ہے اور اسپینی زبان میں بھی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ:

میری چاہت یہ ہے کہ میری موت اس جگہ پر ہو اور قیامت کے دن میں اس جگہ سے اٹھ کر زندہ ہوں۔

لیکن افسوس کی بات یہ کہ یہ ستون اور اپنی آرزو کو کندہ کروانے کے بعد چند دنوں کے اندر سقوطِ اشبیلیہ ہوا اور اشبیلیہ سے اسلامی حکومت ختم ہوئی اور المعتمد ابن عباد کو وہاں سے بھاگ جانا پڑا اور مراکش شہر میں اس کی موت ہوئی اور وہی اس کی تدفین ہوئی۔

محل میں رقص وسرود کی محفلیں

اس محل کے متعلق مشہور ہے اور کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے کہ: یہاں سے نظامِ حکومت چلتا تھا اور پھر شام میں شراب اور شباب کی محفلیں لگتی تھیں اور بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھ کر حاضرین سے پوچھا کرتے تھے کہ:

میرا گنبد کتنا عالی شان ہے!

میرا محل کتنا خوب صورت ہے!

لوگ تعریفی کلمات کہتے تھے اور تعریفی کلمات کے بعد وہاں رقص وسرود کی محفل گرم ہوتی تھی، اس میں دیر رات تک گانا بجانا اور شراب نوشی ہوا کرتی تھی، یہی چیزیں اس ملک سے ہمارے زوال کا سبب اور ذریعہ ثابت ہوئی۔

محل کی ایک عجیب خوبی

اس محل کی اور ایک عجیب خوبی یہ ہے کہ اس کے پیچھے ایک بہت ہی وسیع باغ ہے اور اس باغ میں اموی خلفانے یہ اہتمام کیا تھا کہ دنیا بھر میں جتنے بھی پھل ہوتے ہیں ہر ممکنہ پھل کے پودے وہاں انھوں نے لگوائے، ان کا دعویٰ تھا کہ دنیا میں کوئی پھل ایسا نہیں جو اس باغ میں نہ ہو، دور دراز کے ملکوں سے انھوں نے بڑے اہتمام سے قسم قسم کے پھل، میوے، اس کے پودے منگوائے اور لگوائے تھے۔

یہ وہ دور تھا جب کہ مواصلات کے لیے ہوائی جہاز نہیں تھے، اس دور میں پھل فروٹ کے پودے دنیا بھر سے منگوا کر کے لگوانا ذرا سوچو! اس کے پیچھے کتنا خرچ ہوا ہوگا اور کتنا اہتمام کیا ہوگا؟

بادشاہ کو جو پھل کھانا ہوتا تھا اپنے غلاموں کے پاس منگواتا تھا اور کھایا کرتا تھا اور یہ باغ اتنا گنجان اور وسیع ہے کہ آدمی اگر اکیلا اندر جائے تو گم ہو جائے۔

میرے اس باغ میں اگر تم گم ہو جاؤ تو!!!

اس باغ کے دروازے پر آکر ریکارڈر بولتا ہے، وہ آواز اس عیسائی بادشاہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے جو کہ بعد میں قابض ہو گیا تھا اس کی آواز نقل کی گئی ہے کہ:

میرے اس باغ میں تم اگر گم ہو جاؤ تو میں تمھاری رہنمائی کرنے آؤں گا۔

گویا کہ میری روح اس باغ میں ہوگی جو تمھاری رہبری کرے گی، اس کا یہ جملہ بھی ریکارڈر میں موجود ہے۔

اگر زمین پر کوئی جنت ہے تو یہی ہے

تفریح کرتے کرتے اگر آدمی تھک جائے تو بیٹھنے کے لیے بہترین خوب صورت چھوٹے چھوٹے جھونپڑے بھی بنے ہوئے ہیں۔

مختلف قسم کے چہچہاتے ہوئے پرندے بھی ہیں۔

ایک عالی شان بہت بڑا وسیع وعریض حوض بھی ہے، جس میں محل کے اوپر سے پانی آ کر گرتا ہے اور محل کے اوپر سے جو پانی اس میں گرتا ہے اس کا منظر بڑا عجیب و غریب ہے، ایک پرنالہ بنایا ہے، اس پرنالہ کا دہانہ کسی دور میں زلزلہ کی وجہ سے تھوڑا سا ٹیڑھا ہو گیا تھا؛ لیکن ایک طرف یہ وسیع وعریض عالی شان اور گنجان باغ، دوسری طرف حوض اور پھر اوپر سے گرتا ہوا پانی، واقعی یہ چیز ان کو نشہ دلانے والی تھی کہ اگر زمین پر کوئی جنت ہے تو یہی ہے، اس قدر ان لوگوں نے اس کو سنوارنے کا اہتمام کیا تھا۔

بہر حال! ہم محل کے بہت سارے حصے اس لیے دیکھ نہ سکے کہ اس میں ایک دن بھی ناکافی تھا، ہم تین چار گھنٹے اس میں صرف کرنے کے بعد باہر نکل آئے، باہر نکلے تو راستے میں ایک مسجد دیکھی جس کا نام ''المحاذ'' تھا، اگرچہ یہ مسجد حال میں چرچ بنا دی گئی ہے، یہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی اور اسلامی نام ہو؛ لیکن اس کے نام کی اسپینی شکل جو اس وقت تبدیل ہے وہ ''المحاذ'' ہے۔

جرالڈا (Giralda) ٹاور

وہاں سے ہم آگے چلے تو ایک مشہور عمارت ہے جس کو ''جرالڈا ٹاور'' کہتے ہیں

یہ "جرالڈا ٹاور" بہت ہی اونچا اور بہت ہی عجیب انداز کا بنا ہوا ہے ۱۱۸۴ء میں احمد ابن باسو نے "علی غمارا" نامی ایک معمار کو بلوا کر اس کو بڑے اہتمام سے تعمیر کروایا تھا اور 1198 عیسوی میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ کہتے ہیں: اس دور میں یہ سب سے اونچا ٹاور تھا "ایفل ٹاور" (Eiffel Tower) سے بھی اس کی اونچائی زیادہ تھی؛ لیکن ۱۳۶۵ء میں زلزلہ آیا جس میں اس کا بالائی حصہ گر گیا، اگرچہ اس وقت بھی اس کی اونچائی بہت ہے۔

ربڑ کے درخت

وہاں سے فارغ ہو کر چوں کہ ہم کچھ تھکے ہوئے تھے اس لیے "الوادی الکبیر" — جو اشبیلیہ میں بھی بہتی ہے اس — کے کنارے پر جا کر پونا ایک گھنٹہ آرام سے بیٹھے، وہاں پر گاڑیوں کے ٹائر میں جو ربڑ استعمال ہوتا ہے اس کے درخت تھے، وہاں پر بیٹھنے کے لیے بہترین کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور خوب صورت چھوٹی بڑی کشتیاں سیاحوں کو گھما رہی تھیں۔

کہتے ہیں کہ: یہ "وادی الکبیر" پورے اندلس میں بہتی ہے اور 660 کلومیٹر تقریباً اس کا طول ہے، اتنے طویل عرصے میں کتنا پانی اس وادی میں بہہ چکا ہوگا!!

ہم سوچ رہے تھے کہ ہمارے دور کی شہادت دینے والا یہ دریا ہے کہ اس کو بھی معلوم ہے کہ کسی دور میں ہماری یہاں پر حکومت تھی۔

ٹورے ڈیل اورو (Torre del Oro) مینارہ

اس کو دیکھنے کے بعد ہم باہر نکلے تو وادی کے کنارے پر ایک بہت ہی عمدہ

مینارہ ہے جس کا نام ''تورے ڈیل اورو'' ہے، اس کی اسلامی حقیقت اور تعبیر کیا ہوگی وہ تو سمجھ میں نہیں آسکی؛ لیکن اس وقت اس کا نام ''تورے ڈیل اورو'' ہے، بالکل وادی کے کنارہ پر بہت ہی خوب صورت مینارہ ہے، وہاں پر لکھا ہوا ہے کہ: مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اس میں سونے کی ٹائلس (Tiles) لگی ہوئی تھیں۔

اس مینارے کو بنانے کا مقصد ''وادی الکبیر'' میں آنے جانے والی کشتیوں پر نظر رکھنا تھی۔

موڑالڈز (Moral de Hornuez) قلعہ

اس کو دیکھنے کے بعد ہم آگے بڑھے (موڑ ایلڈز) اب یہ نام عربی میں کیا ہوگا وہ تو معلوم نہیں ہوسکا، یہ بہت ہی قدیم دور کا قلعہ ہے اور ہماری اسلامی حکومت کی یادگار ہے، یہاں پر مسجد بھی ہے، کہتے ہیں کہ: یہ اس شہر کی سب سے بڑی جامع مسجد تھی، باہر سے ہم کو دیکھنے کا موقع ملا، اندر سے دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا، بہت ہی وسیع ہے، اس وقت یہ چرچ میں تبدیل کردی گئی ہے، تقریباً ہمارے جامعہ کی مسجد سے 10 یا 15 گنا بڑی ہوگی اور اونچائی بھی تقریباً ڈھائی یا تین گنا بڑی ہے، اس وقت یہ عالی شان چرچ ہے، کسی زمانے میں یہاں پر جامع مسجد اشبیلیہ تھی۔

ٹرام ریلوے

اس کے بعد ہم نے ٹرام ریلوے دیکھی، اس سے پہلے ہم نے کلکتہ میں بھی دیکھی ہے، جب میرے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے ڈھاکہ میں رمضان گزارا تھا

اس وقت کلکتہ میں ہم نے دیکھی تھی؛لیکن وہ تو ایسی ہی سیدھی سادی؛ مگر یہاں پر ہم نے جو ٹرام ریلوے دیکھی وہ اصلی ٹرام تھی، بہترین انداز کی، اس میں ریل کی پٹریاں روڈ پر ہی ہوتی ہے، جہاں کار اور بس چلتی ہیں وہی پر یہ چلتی ہیں اور اوپر تار لگے ہوئے ہوتے ہیں، ٹریفک ہو تو رک بھی جاتی ہے اور موقع ملنے پر چلتی بھی رہتی ہے۔

زیتون کی خریداری

پھر ہم ''مسجد الہدایہ'' پہنچے، کافی شام ہو چکی تھی، جب ہم مسجد پہنچے تو میں نے سوچا کہ ساتھ لے جانے کے لیے زیتون خرید لیں؛ کیوں کہ اسی وقت میں نے فون پر بارڈولی بات کی تو وہاں سے بھی تقاضا ہوا کہ وہاں کے زیتون ضرور لائیں۔

ہم زیتون خریدنے کے لیے نکلے تو راستے میں پتہ چلا کہ یہاں پر کسی اردو جاننے والے بھائی کی دکان ہے، ہم بہت شوق سے چلے کہ ملاقات کریں کون ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟

جب ہم وہاں پر پہنچے تو ایک بڑی دکان (Shop) تھی اور اس میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی، وہ سمجھی کہ تبلیغی جماعت آئی ہے، واقعی ہم جماعت ہی میں تھے۔

اس نے کہا کہ: ہمارے شوہر تو عشا میں آئیں گے۔

ہم نے اس کے ساتھ کچھ مذاکرہ کیا اور کہا کہ: آپ کے شوہر آئیں تو عشا میں مسجد بھیجئے، ہم لوگ برطانیہ سے آئے ہوئے ہیں، اصلاً ہم لوگ ہندوستانی ہیں۔

بات چیت سے پتہ چلا کہ وہ پاکستانی ہیں اور یہاں کاروبار کی غرض سے آئے ہوئے ہیں۔

ہوٹل کے مقابلے میں مسجد میں قیام زیادہ پسندیدہ

رات ہم نے مسجد میں گزاری، یہاں پر وہ محمد جو ''ڈیوز بری'' میں پڑھتے ہیں ان کے والد صاحب نے بڑی محبت کا سلوک کیا، ہمارے ساتھ کھانا تو تھا ہی، ان کے گھر سے بھی کھانا آ گیا، بالکل عربی انداز کا سیدھا سادہ کھانا، ہم نے عربی کھانے کے شوق اور ان کی دل جوئی کی خاطر اس میں سے دو چار لقمے کھا لیے۔

بہر حال! اس مسجد میں ہم نے دوسری رات گزاری اور ہمیں ہوٹل میں قیام کرنے کے مقابلے میں ایسے سیدھے سادے جماعت خانے میں قیام کرنا زیادہ پسند آیا؛ چوں کہ اس میں پانچوں نمازوں میں مختلف عرب بھائیوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، مسجد میں نماز باجماعت کا اہتمام رہا، تعلیم کے حلقے بھی ہوتے، عبادت خانہ بھی خوب آباد رہا۔

دینی بات کرنے کی سعادت

مراکشی عرب حضرات نے بہت اصرار کیا کہ آپ لوگ آئے ہیں تو کچھ بیان ہو جائے تو فجر کے بعد دس پندرہ منٹ عربی زبان میں ان کے سامنے کچھ گفتگو بھی کی؛ چوں کہ ماضی قریب ہی میں ''نیوزی لینڈ'' کا سفر ہوا تھا اور وہاں پر بھی عرب حضرات کثیر تعداد میں تھے تو ان کے سامنے روزانہ فجر کے بعد عربی زبان میں بیان ہوتا تھا؛ اس لیے کچھ مشق تازہ ہو گئی تھی۔

پھر شام میں حضرت کو اصرار کیا تو حضرت نے بھی ایک نماز کے بعد مختصر عربی

زبان میں ان عرب بھائیوں کے سامنے خطاب کیا اور پھر تشکیل بھی ہوئی، میرے مرحوم بھائی مولوی محمد تبلیغی عربی زبان اچھی بول لیتے تھے، انھوں نے عربی میں تشکیل اور دعوت وتبلیغ کے کام کی ترتیب سمجھائی۔

اسپین کے اس سفر کا آخری دن: جمعہ

آئندہ کل جمعہ کا دن تھا، مشورہ میں یہ طے ہوا کہ علی الصباح ''جبلِ طارق'' پر جائیں اور پھر راستے میں ''مالقہ'' شہر آئے گا، ''ابن المدینی'' آئے گا اور پھر شام کو ہم غرناطہ پہنچ جائیں گے؛ اس لیے کہ اسی دن شام کو ہمارا لنڈن کے لیے واپسی کا فلائٹ تھا، ہم لوگ علی الصباح مشورہ کے مطابق نکلے۔

ایک دارالعلوم کے مہتمم کا اپنے ہاتھ سے کھانا پکانا

اب ہمارے پاس لنڈن کا پکا پکایا کھانا ختم ہو چکا تھا تو دارالعلوم لیسٹر کے مہتمم مولانا اسماعیل صاحب نے اشبیلیہ میں بہترین دال چاول پکائے اور کچھ سبزی بھی پکائی، میں نے کہا: مہتمم صاحب! آپ نے تو غضب کر دیا!

وہ مجھے ایک دن کا قصہ سنانے لگے کہ: ایک دن ہمارے دارالعلوم کا باورچی بھاگ گیا، طلبہ کے لیے میں نے ہی کھانا پکایا تو طلبہ کہنے لگے کہ: ایسا کھانا تو باورچی بھی نہیں پکاتا تھا، آج تو باورچی سے بھی زیادہ لذیذ پکا ہے۔

میں نے ازراہِ ظرافت کہا کہ: اللہ تعالیٰ ہر مہتمم کو ایسی توفیق دے کہ وہ بوقتِ ضرورت مدرسہ کی ہر خدمت کر سکیں۔

جب کھانا تیار ہو چکا تو ہم نے ڈبوں میں بھر لیا اور اولِ وقت فجر کی نماز پڑھ کر ہم لوگ گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے، محمد کے والد نے ہمارے ساتھ بڑی شفقت کی، بڑی خیر خواہی کا معاملہ کیا اور بہت دعائیں دیں، اس کے بعد ہم روانہ ہوئے۔

حضرت قاری صدیق صاحب باندوی رحؒ کا عمل

میرے دوست مرحوم مولانا فضیل احمد گورکھپوری سابق ناظمِ عمومی جمعیتِ علمائے ہند نے اپنے ہتھوڑہ باندہ کے زمانۂ طالب علمی کا عجیب واقعہ سنایا تھا، اس زمانے میں ہتھوڑا باندہ کا مدرسہ ابتدائی مرحلے میں تھا، مدرسے کے بجٹ میں بیت الخلا وغیرہ کی صفائی کے لیے ملازم رکھنے کی گنجائش نہ تھی۔

لیکن عجیب بات یہ تھی کہ صبح سویرے جب طلبہ اٹھتے تو مدرسے کے بیت الخلا وغیرہ کو صاف ستھرا پاتے۔

مولانا مرحوم سناتے تھے کہ: بچے آپس میں بات کرتے کہ مدرسے میں کوئی مستقل صفائی کا خادم نہیں ہے اور رات دیر سے ہم تکرار و مطالعہ سے فارغ ہو کر سونے سے قبل استنجا خانہ دیکھ کر جاتے ہیں، صبح سویرے بالکل صاف پاتے ہیں۔

ہم دو تین طلبہ نے ایک رات چھپ کر پتہ لگانے کی کوشش کی، ہم حیران رہ گئے کہ تقریباً رات دو بجے کے بعد جب مدرسے میں عام طور پر سناٹا ہوتا ہے، حضرت قاری صدیق صاحبؒ خود چپکے سے مکان سے تشریف لائے اور بیت الخلا وغیرہ کی صفائی کر رہے ہیں، ہم پہنچ گئے تو حضرت نے فرمایا: بچو! ابھی مدرسے کے پاس گنجائش نہیں ہے؛ اس لیے میں خود ہی صفائی کر دیتا ہوں، کسی کو میرا یہ عمل نہ بتانا۔

مساجد میں کچن اور ضروری طعام کا سامان

بیرون ممالک میں کئی جگہوں پر یہ بات دیکھنے میں آئی کہ مسجد سے متصل ایک چھوٹا سا کچن ہوتا ہے، اس میں ضروری کھانے پکانے کا سامان ہوتا ہے، آنے والے مسافروں کو اور تبلیغی جماعت کے ساتھیوں کو بڑی سہولت ہو جاتی ہے، یہ ایک مناسب چیز ہے۔

جبلِ طارق کی طرف

ہم وہاں سے ''جبلِ طارق'' جانے کے لیے روانہ ہوئے، تقریباً دو ڈھائی گھنٹے کا سفر کر کے ہم نو بجے کے قریب ''جبلِ طارق'' پہنچے۔

جبلِ طارق آج بھی یورپ کے قبضے میں

''جبلِ طارق'' والا حصہ اسپین کا ہی ہے؛ لیکن اب تک وہ برطانیہ کے قبضے میں ہے، وہاں پر انگلینڈ کی حکومت ہے، اس لیے جب ہم وہاں پہنچے تو باقاعدہ ہمارا امیگریشن ہوا، پاسپورٹ میں ویزا کی چیکنگ ہوئی، کسٹم ہوا اور ہمارے پاسپورٹ پر ایک مہر لگائی گئی۔

جب ہم چیک پوسٹ سے آگے بڑھے تو بالکل انگلینڈ جیسا منظر تھا، وہاں کی پولیس کا جو یونیفارم ہے وہ برطانیہ کی پولیس کا تھا، یہاں پر بھی پاؤنڈ کی کرنسی اور انگریزی میں بورڈ لگے ہوئے تھے، ایک چھوٹا سا شہر ہے؛ لیکن انگلینڈ نے اتنا حصہ اپنے قبضے میں رکھا ہے۔

ہم نے تحقیق کی کہ یہ کیسے ہوگیا؟

معلوم ہوا کہ پہلی عالمی جنگ کے موقع پر برطانیہ نے اسپین پر یہ دباؤ ڈالا کہ مسلمان کسی زمانے میں اسی راستے سے یورپ میں داخل ہوئے تھے؛ یعنی مراکش سے ہوکر ''جبلِ طارق'' کے راستے سے یورپ میں آئے تھے تو کہیں یہ تاریخ دوبارہ دہرائی نہ جائے؛ چوں کہ انگریز بڑی چالاک قوم ہے۔

اور اسی دور میں فرانس اور جرمنی پر بھی حملہ ہوا تھا؛ اس لیے برطانیہ نے اسپین پر دباؤ ڈال کر یہ ''جبلِ طارق'' والا حصہ اپنے قبضے میں لے لیا؛ تا کہ مسلمان یہاں سے گھس نہ سکیں۔

بہر حال! ہم قریب پہنچے اور جس کو دیکھنے کی ایک طویل مدت سے آرزو تھی کہ ''جبلِ طارق'' کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھیں، اللہ تعالیٰ نے وہ موقع ہمیں فراہم فرمادیا، ہم نے ایک جگہ پر گاڑیاں پارک کردیں اور وہاں پر چھوٹا سا ائیر پورٹ بھی ہے، رنوے (Runway) بھی ہے؛ چوں کہ انگلینڈ کا قبضہ ہے؛ اس لیے اس نے اپنے جہازوں کے لیے ایک چھوٹا سا ائیر پورٹ بھی بنا رکھا ہے اور ''جبلِ طارق'' پر انھوں نے جا بجا اپنی ٹینکیں اور توپیں لگا رکھی ہیں۔

''جبلِ طارق'' پر چڑھنے کے لیے ایک تو کار کا راستہ ہے اور ایک کیبل کار کا راستہ ہے، ہم نے اسی کو پسند کیا کہ ذرا کیبل کار سے بیٹھ کر جائیں، ہم نے ہر فرد کی اٹھارہ یورو (Euro) میں ٹکٹ خریدی، اس طرح کل بارہ ساتھیوں کی ٹکٹ خریدی اور ہم کیبل کار میں بیٹھ کر ''جبلِ طارق'' پر پہنچے۔

اس وقت جبلِ طارق پر حکومت

یہ بھی عجیب بات ہے کہ ''جبلِ طارق'' اور اس کے اردگرد کا حصہ برطانیہ کی حکومت کے زیرِ انتظام ہے اور اس کے نمایاں اثرات ہر چیز پر نظر آتے ہیں۔

مثلاً جب جبلِ طارق جانا ہو تو وہاں برطانوی ویزا دیکھا جاتا ہے، جبکہ اسپین کے ویزا کے لیے سینگن ویزا سے کام چل جاتا ہے۔ اس خاص حصے میں پولیس کی وردی برطانوی پولیس والی ہے، برطانوی پرچم لہراتے نظر آتے ہیں، یورپ میں ''یورو'' کرنسی ہے، لیکن جبلِ طارق پر ''پاؤنڈ'' کی کرنسی رائج ہے، فوج بھی برطانوی لباس میں نظر آتی ہے۔

یہاں ایک چھوٹا سا ہوائی اڈہ ہے اور جگہ کی قلت کی وجہ سے ہوائی جہاز کے لیے جو ''رن وے'' ہوتا ہے وہ بھی عام سڑک کا ایک حصہ ہے، جب جہاز اڑتا ہے یا اترتا ہے تو تھوڑی دیر کے لیے ٹرافک روک لیتے ہیں، جیسے ہمارے یہاں راستوں پر ریلوے کی پٹری ہوتی ہے، جب ٹرین گزرنے والی ہوتی ہے تب پھاٹک بند کر دی جاتی ہے، ٹرین گذرنے کے بعد اس کو کھول دیا جاتا ہے، بس اسی طرح کا وہاں ایک چھوٹا سا ہوائی اڈہ ہے۔

آبادی بھی اتنی خاص نہیں ہے، بس فوج اور پولیس ہے، ایسا لگتا ہے کہ اس وقت امکانی تو نہیں، صرف خیالی یا تاریخی ذہنی اندیشوں کی وجہ سے خطرات سے بچنے کے لیے یہ حفاظتی نظم ہے۔

جبلِ طارق پر ایک قدیم دور کی بنی ہوئی مسجد ہے، مسجد میں دو رکعت ادا کرنے

کی سعادت حاصل ہوئی، یہاں باقاعدہ پنج گانہ نماز کا نظم نہیں ہے، بس ایک یا دو نمازیں ہی ہوتی ہیں۔

جبلِ طارق پر جانے کے لیے راستے بھی بنے ہوئے ہیں، جب اوپر چڑھتے ہیں تو وہاں سے دور دور تک سمندر کا منظر بڑا دل کش معلوم ہوتا ہے۔

جبلِ طارق کے قریب بحیرۂ روم تنگ ہو کر ایک چھوٹی سے آبنائے میں تبدیل ہو جاتا ہے جبکہ وہ راستہ اٹلانٹک میں جا کر گرتا ہے، اسی آبنائے کو آج کل جبلِ طارق کہتے ہیں۔

ہم لوگ جبلِ طارق سے مراکش آنے جانے والی کشتیوں کو دیکھ رہے تھے اور تاریخ کی یادیں دماغ میں سیر کر رہی تھیں کہ انہیں راستوں سے طارق بن زیاد آئے تھے جنھوں نے اندلس کی تاریخ بدل دی تھی۔

جبلِ طارق کا عجیب پر کیف منظر

ایک عجیب روحانی پر کیف منظر تھا، ایک تو جمعہ کا دن اور ساتھ ہی ''جبلِ طارق'' کی حاضری؛ اس لیے ہمارے دلوں میں عجیب وغریب جذبات امنڈ رہے تھے، ایک طرف زمین جو اسپین کو ''جبلِ طارق'' سے جوڑتی ہے، باقی تینوں طرف ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔

وہاں جو بندرگاہ ہے وہاں سے اسٹیمریں مراکش کے لیے چلا کرتی ہیں، تقریباً تیئیس (۲۳) دریائی کلومیٹر کا فاصلہ ہے جو دوڈھائی گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔

آنے جانے والی اسٹیمروں پر ہماری نظر تھی، دل میں یہ ہوا کہ یہی وہ راستہ

ہے جہاں سے طارق ابن زیاد ایک روز دین کے متوالوں کو لے کر یہاں پر پہنچے تھے اور اسی سمندر کے متعلق ان کو خواب میں بشارت ہوئی تھی اور نبیٔ اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین اور اجلۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کو انھوں نے اسی پانی پر چلتے ہوئے دیکھا تھا۔

یہاں پر جو قدیم مسجد ہے اس کے متعلق یہ خیال ہے کہ اسی جگہ پر حضرت طارق ابن زیادؒ نے اسپین کی سرزمین پر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کو خطاب کیا تھا اور اسی جگہ پر بعد میں یہ مسجد تعمیر ہوئی، جو قدیم پتھروں کی بنی ہوئی ہے، اگرچہ ایک اور جدید مسجد بھی اس وقت ''جبلِ طارق'' پر بنی ہوئی ہے۔

ہم تقریباً دو گھنٹے وہاں پر رہے اور کچھ ناشتہ بھی کیا، ''جبلِ طارق'' کی تصویریں بھی ہم نے خریدی؛ چوں کہ جمعہ کا دن تھا اس لیے ہم لوگ ''جبلِ طارق'' سے نیچے آئے اور ہم گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔

ابن المدینی کی طرف

ہم نے سوچا کہ ابن المدینی یا ''مالقہ'' پہنچ کر جمعہ پڑھیں گے، ماشاء اللہ! دونوں ساتھیوں نے بہت تیز ڈرائیونگ کی اور ہم عافیت سے ابن المدینی پہنچ گئے۔

وہاں پر الحمدللہ! دو مسجدیں آباد ہیں، ہم ''مسجدِ شناء'' پہنچے، جمعہ کی اذان ہو چکی تھی اور خطبہ بھی شروع ہو چکا تھا، ہم نے جلدی سے وضو کیا اور مسجد میں گئے۔

جمعہ کے خطبے میں ہمارا تذکرہ

خطیب شیخ صاحب نے ہم کو دیکھ کر خطبہ طویل کر دیا؛ چوں کہ یہ شعبان کا آخری

جمعہ تھا اور اگلا جمعہ رمضان میں واقع ہونے والا تھا؛ اس لیے شیخ نے اسی مضمون پر خطبہ دیا، بہت ہی فصیح وبلیغ الفاظ میں خطبہ ہو رہا تھا۔

ہم کو دیکھ کر انھوں نے خطبہ ثانیہ میں ہمارا تذکرہ کیا کہ اللہ کے راستے میں ایک جماعت آئی ہوئی ہے اور انھوں نے ہمارے لیے سفر کی عافیت کی باقاعدہ خطبے میں دعا کی۔ یہ عربوں کا طرۂ امتیاز ہے۔

تقریباً ایک گھنٹے تک خطبہ دیا، پھر نماز ہوئی۔

امام صاحب سے ملاقات اور پر لطف کھانا

نماز کے بعد کئی عرب بھائیوں سے ملاقات ہوئی، شیخ سے بھی ملاقات ہوئی، پھر ہم کھانے کے لیے بیٹھے تو شیخ اپنے کمرے میں گئے اور خالص زیتون کے تیل میں پکے ہوئے کئی انڈے لے کر آئے اور وہ بھی ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے، بڑا لطف آیا، ہمارا کھانا تو ایک طرف رہ گیا، ہم تو شیخ کے انڈے ہی کھاتے رہے؛ چوں کہ خالص زیتون میں پکے ہوئے اور وہ بھی شیخ کے ہاتھ کے پکے ہوئے۔

امام صاحب نے عجیب داستانیں سنائی

دورانِ گفتگو انھوں نے ایک عجیب بات سنائی کہ: میرا نام ہے الشیخ ادریس الشریف۔

شریف عربی زبان میں سید خاندان کو کہتے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ: ہم اصلاً مکہ کے باشندے ہیں اور ہمارے آباواجداد مکہ

کے تھے؛ مگر جس دور میں اندلس میں اسلامی حکومت قائم تھی اس وقت ہمارے آباو اجداد مکہ سے اندلس آئے تھے، ان کی آمد کا مقصد خالص دینی خدمات تھا؛ لیکن جب ہماری حکومت کا خاتمہ ہوا تو ہمارے آباواجداد اپنے ایمان کو بچانے کے لیے مراکش منتقل ہو گئے تھے؛ اس لیے ہمارے خاندان میں ایمان باقی رہ گیا۔

شیخ ہم کو داستانیں سنا رہے تھے کہ ہمارے خاندان میں جو روایتیں آج کل چل رہی ہیں اس میں یہ ہے کہ:

جب اسپین سے ہماری حکومت کا خاتمہ ہوا تو مسلمانوں کے سامنے عیسائیوں نے دو ہی راستے رکھے: یا تو عیسائی مذہب اپنالیں یا تو ملک چھوڑ کر چلے جائیں؛ ورنہ قتل کر دیے جاتے؛ حالاں کہ معاہدہ میں فرڈی ننڈ (Ferdinand) بادشاہ کے ساتھ یہ طے ہوا تھا کہ مسلمانوں کو ان کے مذہب کے معاملہ میں آزادی دی جائے گی، کوئی پابندی نہ ہوگی، ایک تحریری معاہدہ ہوا تھا۔

لیکن پھر بھی انھوں نے اقتدار سنبھالتے ہی مظالم شروع کر دیے، قتلِ عام کیا گیا اور اسی قتلِ عام کے خوف سے بہت سے مسلمان زبردستی عیسائی بن گئے۔

اس کا اثر آج تک وہاں کی نسلوں میں نظر آتا ہے کہ پورے یورپ میں جو گورے ہیں وہ بالکل سفید ہیں اور اسپین میں جو گورے ہیں وہ گندمی مائل ہیں؛ گویا کہ عربی النسل ہونے کا اثر ان میں اب تک نمایاں ہے۔

شیخ کہنے لگے کہ: اسلامی دور میں غرناطہ اور قرطبہ میں میرے خاندان کی جو جائدادیں تھیں میرے پاس آج تک اس کے دستاویز موجود ہیں؛ لیکن افسوس کہ آج

ہمارا حق دلانے والا اس سرزمین پر کوئی نہیں۔

شیخ نے فرمایا کہ: ابھی ابھی چند سال سے یہاں مراکشی عرب تجارت کی نیت سے، ملازمت کی نیت سے آرہے ہیں، ان کے ساتھ ساتھ ہم لوگ بھی یہاں آگئے اور میں یہاں پر امامت کی خدمت انجام دیتا ہوں۔

واقعی بہت ہی شریف الطبع تھے، سادات خاندان کی جو شان ہوتی ہے ویسا تقویٰ، ویسی صلاح، نورانی چہرہ اور ویسی مہمان نوازی شیخ ادریس کے اندر ہم نے پائی، بڑی محبت سے انھوں نے ہمارے ساتھ برتاؤ کیا، بہت شفقت سے پیش آئے اور ہم سے دعائیں بھی کروائیں، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے بڑے اہتمام سے ان کے لیے دعا کی، ان کی ایک اہم ضرورت تھی جس کے لیے انھوں نے درخواست کی کہ اس مسئلے کے لیے آپ دعا کر دیں۔

مسجد کی دیواروں کے رونے کا واقعہ

بہر حال! شیخ کے ساتھ بہت دیر تک بات چیت ہوئی۔

انھوں نے ہمیں ایک عجیب قصہ سنایا کہ: آج سے کچھ سال پہلے ''پرتگال'' سے ایک جماعت آئی تھی، پرتگال تو متصل ملک ہے؛ اس لیے وہ اپنی گاڑیوں میں آئے تھے، یہ جماعت ڈھونڈتی تھی کہ کہیں مسلمان مل جائے؛ تاکہ ان کی ملاقات کریں اور ان تک دین کی بات پہنچائیں، دورانِ سفر اس جماعت نے ایک کھنڈر اور ویران مسجد میں قیام کیا اور انھوں نے مشورہ کیا کہ ہمیں یہاں پر اذان دینی چاہیے اور نماز پڑھنی چاہیے۔

ساتھیوں نے وہاں پر دو رکعت نفل ادا کی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ساتھیوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو بے اختیار تمام ساتھی زار و قطار رونے لگے اور جب تمام ساتھی رونے لگے تو مسجد کی دیواروں سے بھی رونے کی آواز آنے لگی اور پوری جماعت کے ساتھیوں نے مسجد کی دیواروں کے رونے کی آواز سنی۔

یہ واقعہ بندے نے ''پرتگال'' اور برطانیہ میں جن الفاظ میں سنا وہ بھی پیش خدمت ہے:

''اندلس'' کا جو نقشہ اسلامی دورِ حکومت میں تھا وہ بڑا وسیع تھا، واقعات اور احوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید موجودہ پرتگال اور فرانس کا کچھ حصہ بھی قدیم اسلامی اندلس میں شامل تھا۔

بعض حضرات کی رائے تو یہاں تک ہے کہ موجودہ پیرس (Paris) سے تقریباً تین سو (300) میل دور تک شاید اسلامی اندلس کی حکومت پھیلی ہوئی تھی۔

جس وقت ہم برطانیہ سے اسپین جا رہے تھے اس وقت ایک واقعہ ہم کو برطانیہ میں بہت سے دین دار حضرات نے سنایا اور بعد میں پرتگال کے سفر کے موقع پر بھی وہاں کے دین دار حضرات نے یہ واقعہ سنایا کہ:

پرتگال سے ایک تبلیغی جماعت کاروں کے ذریعہ اسپین پہونچی، ان کی فکر یہ تھی کہ مسلمانوں کو تلاش کریں اور ان کو دین کی دعوت پہنچائیں اور سقوطِ اندلس کے دور میں جن مسلمانوں کی نسلوں کو عیسائی بنا دیا گیا ہے ان کو بھی دعوت دینے کی کوشش کی جائے، دورانِ سفر وہ لوگ اسپین میں ایک جگہ رُکے، تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں

ایک قدیم ترین عمارت ہے جو اسلامی دور میں مسجد تھی اور اب ویران ہے، جماعت کے احباب اس عمارت کے پاس گئے اور اندر داخل ہوئے، صاف صفائی کر کے اذان پڑھی اور باجماعت نماز ادا کی تو دیکھنے میں آیا کہ اس مسجد کی دیوار سے بڑی مقدار میں آنسو کے قطرات کی طرح پانی کے قطرات ٹپک رہے ہیں۔

گویا کہ ان دیواروں کو بھی رونا آ گیا کہ صدیوں کے بعد اس میں اذان و اقامت اور نماز ہوئی۔

ایسے تو دنیا کی ہر چیز میں حیات کا ہونا اور اس کا تسبیح پڑھنا خود قرآن سے ثابت ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴)

ترجمہ: ساتوں آسمان اور زمین اور جو (مخلوق) ان میں ہیں وہ سب اس اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے اور ہر چیز اس (اللہ تعالیٰ) کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے؛ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو، یقینی بات ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) بڑے حلیم، بہت معاف کرنے والے ہیں۔

غسلِ جنابت اسلام کی علامت

سقوطِ اندلس کے زمانے میں مسلمانوں کو قتل کیا گیا یا بھگا دیا گیا یا زبردستی عیسائی بنا دیا گیا، بہت سے ایسے واقعات سننے کو ملتے ہیں کہ مسلمانوں کو مجبوری میں

اپنے ایمان کو چھپا کر زندگی گزارنی پڑی، اس زمانے میں مختلف حیلوں سے مسلمانوں کی شناخت کی کوشش کی جاتی تھی؛ تاکہ ان کو مرتد بنایا جائے یا قتل کیا جائے۔

ان ہی میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ صبح سویرے یا آدھی رات کے وقت خفیہ پولیس کے لوگ محلوں میں چکر لگاتے اور غسل کرنے کی آواز پر دھیان دیتے، جس کے گھر رات کے وقت غسل کی آواز آتی تو وہ سمجھ جاتے کہ یہ کسی مسلمان کا گھر ہے جو اپنا ایمان چھپا رہا ہے اور پھر ان کے ساتھ سختیاں شروع ہو جاتیں، اس کے لیے اڑوس پڑوس میں رہنے والے عیسائی لوگ بھی جاسوسی کر کے حکومت کو بات پہنچاتے کہ ان کے یہاں کسی طرح کی اسلامی علامت ہے، پھر ان پر زیادتیاں ہوتیں۔

قدیم دور سے آج تک دھوکا دہی کی ایک عجیب شکل

آسمانی نصرت کا نام

سقوطِ اندلس کے آخری ایام میں عیسائی چال بازوں نے مسلمانوں کو دھوکا دینے کی ایک عجیب ترکیب بنائی، مسلمانوں کو غفلت میں ڈالنے کے لیے عجیب وغریب پروپیگنڈہ کیا، حیرت اور تعجب کے انداز میں انھوں نے ایک بات پھیلانی شروع کی کہ جب ہم مسلمانوں کے علاقوں میں رات کے وقت حملہ کرنے کے لیے آتے ہیں تو ہمیں آسمان سے فرشتے اترتے نظر آتے ہیں جو ہرے عماموں میں ملبوس گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں اور ہتھیار لے کر مسلمانوں کے محلوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

بس! یہ باتیں سننی تھیں کہ مسلمان مطمئن ہو کر خوابِ غفلت میں مبتلا ہو گئے۔

ضرور ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کی نصرت آسکتی ہے؛ لیکن اس کے لیے ہم شرط تو پوری کریں:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو	اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

بس! مسلمانوں کی میٹھی نیند کا عیسائیوں نے بھر پور فائدہ اٹھایا اور مسلم علاقوں اور محلوں کو تباہ و برباد کرنے میں انھیں کسی مزاحمت کا سامنا نہ رہا۔

شاید اس قسم کی شاطرانہ باتیں اور چالیں آج بھی دشمنانِ اسلام مسلمانوں پر آزماتے ہیں اور یہ بھولے بھالے ان باتوں کو سمجھ نہیں پاتا۔

قدیم دستاویز اب تک موجود ہیں

قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ میں مقیم بعض مراکشی مسلمانوں سے پتہ چلا کہ جو مسلمان اسلامی دور میں اسپین میں مقیم تھے اور پھر اسپین سے مراکش جانے میں کامیاب ہو گئے تھے، ان کی آل و اولاد کے پاس اب تک اسلامی دور کے بنے ہوئے دستاویز موجود ہیں، یعنی زمینیں، مکان کی ملکیت ان کے نام پر ہے، اس دور کی تحریرات اب تک موجود ہیں اور برطانیہ سے مراکش آنے جانے والے بعض حضرات سے بھی یہ بات سننے کو ملی۔

مالقہ کی طرف (Malaga)

بہر حال! ہم لوگ ''ابن المدینی'' سے ''مالقہ'' جو وہاں کا مشہور صنعتی شہر ہے، وہاں کی بندرگاہ بہت مشہور ہے۔

کہتے ہیں کہ: ''مالقہ'' اسلامی دور میں بھی پورے اسپین کی بندرگاہ تھی۔

یہ شہر اس وقت تو عیاشی کا مرکز بنا ہوا ہے، یورپ سے لوگ باقاعدہ یہاں پر عیاشی کرنے آتے ہیں؛ چوں کہ یہاں کا سمندر بہت خوب صورت ہے۔

ہم لوگ نماز سے فارغ ہو کر ابن المدینی سے مالقہ شہر پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے واپس ہوئے اور بھی بہت سے قدرتی حسین اور خوب صورت پہاڑ اور اسلامی نام والے شہروں سے گذ ہوا۔

ہم لوگ بحمد اللہ! عصر تک غرناطہ پہنچ گئے، وہاں پہونچنے کے بعد کرائے کی گاڑیاں ہم نے ان کمپنیوں کے حوالے کیں اور چوں کہ ابھی ہوائی جہاز میں کچھ وقت تھا؛ اس لیے ہم لوگ ہوائی اڈے کے باہر ٹہلتے رہے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی زبان پر بار بار علامہ اقبال کے اشعار دہراتے رہے:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا	مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے	آساں نہیں مٹانا نام ونشاں ہمارا
دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا	ہم اس کے پاسباں ہیں، وہ پاسباں ہمارا
تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں	خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری	تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم	سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
اے گلستانِ اندلس! وہ دن ہیں یاد تجھ کو	تھا تیری ڈالیوں پر جب آشیاں ہمارا
اے موجِ دجلہ! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو	اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
اے ارضِ پاک! تیری حرمت پہ کٹ مریں ہم	ہے خون تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز ہمارا	اس کا نام ہے باقی آرامِ جاں ہمارا
اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا	ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

یہ اشعار حضرت پڑھتے تھے اور واقعی کوئی ساتھی ایسا نہیں ہوگا کہ جس کو رونا نہ آیا ہو کہ کتنی عالیشان تھی ہماری حکومت اور آج کوئی اللہ کا نام لینے والا یہاں پر موجود نہیں۔

بعض متفرق حالات

عربی لباس اور کاتب صاحب

دورانِ سفر ہم نے بعض جگہوں پر عربی کپڑوں کی دکانیں بھی دیکھیں، اس کی دو وجہیں ہیں: ایک تو یہ کہ چند عرب مصر فلسطین اور مراکش سے ملازمت کی غرض سے آکر یہاں بس گئے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو عیسائی اس وقت ہیں ان میں بعض نسلاً مسلمان ہیں تو ان میں خاندانی طور پر عربی لباس کی طرف کچھ فطری میلان بھی ہے جو اب تک چلا آرہا ہے۔

اشبیلیہ میں تو ایک عربی کاتب کو بھی دیکھا، وہ بہترین کتابت کرتا تھا، لوگ اس کے پاس آتے تھے اور چابی کی رِنگ وغیرہ پر عربی میں لکھواتے تھے۔

مرتب اور منظم شہروں کی گلیاں

پورے اسپین کے جتنے بھی شہروں کو ہم نے دیکھا بہت ہی مرتب، عمدہ انداز میں محلے اور گلیاں بنی ہوئی ہیں جو اسلامی حکومت کی یادگار ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے

دورِ حکومت میں بہت ہی مرتب انداز میں آباد کی تھیں، راستے کے دونوں طرف بڑے اہتمام سے انھوں نے پھل اور پھول لگوائے تھے، پہلے بھی میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ سنترے تو راستے پر ہوتے ہیں، جہاں جاؤ ہاتھ بڑھاؤ اور جتنا کھانا ہو کھاؤ، اسی طرح پورے ملک میں ناسپتی، انجیر، گیہوں، زیتون، کھجور، انانس (Pineapple) بڑے بڑے کے درخت بکثرت لگے ہوئے ہیں۔

اور آج بھی یہاں پر پرانے انداز کے کھپریل کے مکانات دیکھنے کو ملتے ہیں اور بعض جگہوں پر جیسا کہ غرناطہ اور قرطبہ میں دیکھا کہ پہاڑوں کو کھود کر مکانات بنائے جاتے ہیں اور لوگ اس میں رہتے ہیں، بتایا گیا کہ یہ غریبوں کے مکانات ہیں:

وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا فٰرِهِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾ (الشعراء: ۱۴۹)

ترجمہ: اور کیا تم پہاڑوں کو تراش کر بڑے ناز کے ساتھ (اتراتے ہوئے) گھر بناتے رہو گے؟ (ایک معنیٰ "ماہرین" بھی ہیں۔ وہ اس طرح کے مکانات بنانے میں بڑے ماہر تھے)۔

اس آیت کا مظہر پہلی مرتبہ اسپین میں دیکھا۔

علامہ ابن رشد اندلسی کا مجسمہ

جامعِ قرطبہ کے باہر ایک بڑا مجسمہ ہے، اس کے نیچے لکھا ہوا ہے "ابوالولید محمد ابن الرشد" یعنی ابن رشد اندلسی کا وہ مجسمہ ہے؛ کیوں کہ وہ اصلاً قرطبہ کے رہنے والے تھے؛ عجیب بات یہ ہے کہ اسی علامہ ابن رشد کے نام سے ان کے دادا بھی مشہور ہے جو مسلکاً مالکی تھے؛ مگر آج حدیث پڑھانے والا کوئی بھی ان سے مستغنی نہیں ہے۔

اس مجسمے پر ان کی ولادت بھی لکھی ہوئی ہے ۱۱۲۶ء میں قرطبہ میں ولادت ہوئی اور ۱۱۸۶ء میں مراکش میں وفات پائی۔

ابن رشد اسپین کے مسلمان فلسفیوں کی فہرست میں ایک بڑا ہی روشن نام ہے، اس زمانے کے تمام جدید علوم میں مہارت رکھتے تھے؛ بلکہ موجودہ زمانے کی علمی ترقی اور فکری انقلاب حقیقت میں ابن رشد ہی کے علمی کارناموں کا عملی نتیجہ ہے؛ اس لیے اسپین والوں نے یادگار کے طور پر آج بھی ان کا مجسمہ باقی رکھا ہے۔

شہروں اور محلوں کے عربی نام

یہاں شہروں اور محلوں کے نام بھی آج تک عربی میں رائج ہے، مثلاً ہم نے اشبیلیہ میں ایک ہسپتال دیکھا کہ اس پر لکھا ہوا تھا ''کلینکا دی فاطمہ'' کلینک انگریزی میں چھوٹے سے دواخانے کو کہتے ہیں۔

ایک جگہ لکھا ہوا دیکھا ''لیگواڈی مدینہ'' (Legva De Madina)۔

جبلِ طارق کے پاس ایک چھوٹا سا گاؤں ہے ''القدسیہ'' (Al Caipesia)۔

ایک اور گاؤں دیکھا ''الزبال'' (Al Zebal) جو جبلِ طارق سے بالکل متصل ہے۔

ایک بستی کا نام تھا ''الجزیرہ''۔

ایک عالی شان عمارت پر لکھا ہوا تھا ''المنزلون'' (Al-Munozleon)، میں نے سوچا کہ ہمارے دور میں یہ کوئی مسافر خانہ رہا ہوگا یا مہمان خانہ ہوگا۔

ایک جگہ دیکھا ''المحاد مسجد''۔ میں نے سوچا: ہوسکتا ہے مسجد کا اصل نام ''محمد

مسجد‘‘ ہو۔

گویا کہ عربی نام بکثرت رائج ہے۔

اس طرح کے کئی عربی الفاظ دیکھنے کو ملے اور عربی زبان کے ’’ال‘‘ سے کثرت سے ہسپانوی الفاظ شروع ہوتے ہیں۔

یہاں لوگوں کے رنگوں میں سفیدی وسرخی ہے، جو عربی الاصل ہونے کی یاد زندہ کرتی ہے۔

مسلمان سقوطِ اندلس کے بعد لاطینی ممالک کی طرف

سقوطِ اندلس کے دور میں بہت سارے لوگ یہاں کے ساحلی راستے سے ’’لاطینی امریکہ‘‘ کے ممالک چلے گئے۔

اس لیے آج تک ان ممالک میں ہسپانوی عربی نسل کے لوگ بہت زیادہ دیکھنے کو ملتے ہیں، خاص کر ’’پناما‘‘ میں اسپین کے لوگوں کی نسل بہت زیادہ ہے اور ہمارے گجراتی لوگ جو وہاں مقیم ہیں وہ عجیب طرح کے واقعات سناتے ہیں کہ عیسائی بڑے، بوڑھے ہمارے لوگوں کو کہتے ہیں کہ: ہم خاندانی مسلمان ہیں۔

ہمارے لوگ جب پھیری کے کاروبار میں جاتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں تو پہلے کئی بڑے، بوڑھے شہادت دیا کرتے تھے کہ: ہمارے دادا، نانا، دادی، نانی، تمھاری طرح نماز پڑھتے تھے، مسلمان تھے؛ لیکن محنت نہ ہونے کی وجہ سے اب ان کی نسلیں صرف ظاہر میں مسلمان ہیں۔

۱۹۹۹ء میرے پہلے ’’سفرِ پناما‘‘ کے وقت وہاں کی حکومت میں اسلامی خاندانی

نسبتوں والے دو وزیر بھی تھے، بتایا گیا کہ: یہ انھیں اسپینی مسلمانوں کی نسل میں سے ہیں۔

اسپین میں آج بھی قیلولہ کا رواج

اسپین میں اسلامی آثار میں سے ایک چیز ہے کہ وہاں پر آج تک قیلولہ کا رواج ہے، دوپہر میں تقریباً بارہ ساڑھے بارہ بجے سب مارکیٹ بند ہو جاتے ہیں، یہ چیز یورپ کے کسی ملک میں دیکھنے کو نہیں ملتی اور پھر شام کو تین یا چار بجے مارکیٹ کھلتے ہیں۔

کھانے میں زیتون اور روغنِ زیتون کا استعمال بکثرت رائج ہے۔

اشبیلیہ کے ایک محلے کا نام ''بحیرہ'' ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ: بخاری شریف میں ایک جگہ یہ لفظ ''مدینہ'' کے لیے استعمال ہوا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس مناسبت سے اس محلے کا نام بھی ''بحیرہ'' رکھا گیا ہو۔ وہ حدیث پیشِ خدمت ہے:

قال سعد بن عباده: یارسول اللّٰہ! اعف عنه واصفح عنه، فوالذی انزل علیک الکتاب، لقدجاء اللّٰہ بالحق الذی نزل علیک لقد اصطلح اهل هٰذه البحیره علیٰ ان یتوجوه فیعقبوبة بالعصابة (الخ) (بخاری: کتاب التفسیر)

امام ''شاطبیؒ'' کے شہر کی تلاش

الحمد اللہ! بندے نے قرأتِ سبعہ بھی پڑھی ہے، استاذ محترم امام الفن ''قاری احمد اللہ صاحب مدظلہ العالی'' امام شاطبی کا درس میں تذکرہ فرماتے ہوئے اندلس کے حالات بھی خوب سناتے، اسی نسبت سے اندلس میں امام شاطبیؒ کی ولادت کی جگہ تلاش

کرنے کا شوق ہوا۔

ڈیوز بری مرکز پر فون کر کے قاری یوسف دروان صاحب سے معلومات حاصل کیں، انھوں نے بتایا کہ: ''شاطبہ'' کو اس وقت شاید ''خاطبہ'' یا ''خاطابہ'' کہتے ہوں گے اور امام شاطبیؒ کی وفات تو مصر میں ہوئی تھی۔

الحمد اللہ! اسی سال ربیع الاول ۱۴۲۳ھ میں مصر کی حاضری کے موقع پر امام شاطبیؒ کے مزار پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تھی، اس کا مفصل تذکرہ ان شاء اللہ مصر کی کارگزاری میں لکھوں گا۔

مکمل لباس پر ہمارا مذاق

بعض جگہوں پر ہم نماز کا ارادہ کرتے تھے یا کسی عمارت پر جا کر کھڑے ہوتے تھے تو چوں کہ ہمارے لباس مکمل اور وہاں تو نیم لباس عام ہے، عریانیت اور ننگا پن عام ہے تو ان کو ہمارے کامل لباس پر ہنسی آتی تھی:

کہ عورتیں پورے کپڑے نہیں پہنتیں اور یہ مرد کیوں پورے کپڑے پہنے ہوئے ہیں؟

گویا کہ ہمارا مذاق اڑاتے تھے اور یہ تجربہ اس سے پہلے مجھے پیرس کے سفر میں بھی ہوا، جب میں ممبئی سے پیرس کے لیے روانہ ہو رہا تھا تو ہوائی جہاز میں تو دو تین گوری عورتیں مجھ کو دیکھ کر ہنس رہی تھیں، میں نے پیر میں مسح کی آسانی کی خاطر خفین پہنے ہوئے تھے تو وہ مجھ کو دیکھ کر میرا مذاق اڑاتی تھیں۔

گویا اس طرح مکمل لباس میں ہونا ان کے لیے آج کے دور میں انوکھی بات

تھی۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی فرمانے لگے کہ: یہ ہمارا مذاق نہیں اڑا رہی ہیں؛ بلکہ یہ لوگ اس لیے خوش ہو رہے ہیں کہ ان عمارتوں کے اصل مستحقین صدیوں کے بعد اس کے قریب کھڑے ہیں۔

جس ملک میں آٹھ سو سال تک اسلامی حکومت قائم رہی ہو اور جہاں کا چپہ چپہ اذان و اقامت کی صدا سے گونج رہا ہو، آج وہاں پر ہمیں کوئی صحیح قبلہ بتانے والا بھی نہیں ملتا ہے۔

جس سرزمین پر امام قرطبیؒ جیسے امت کے مایۂ ناز مفسر پیدا ہوئے ہوئے، جہاں علامہ شاطبیؒ پیدا ہوئے، ابو حیان اندلسیؒ جیسے مفسر پیدا ہوئے اور جہاں بڑے بڑے محدث پیدا ہوئے، آج وہاں پر کوئی اللہ اکبر کہنے والا نہیں ہے۔

ان ملکوں میں جانے کے بعد ہر قدم پر ایک ہی احساس ہوا کہ:

اے اللہ! تو مسلمانوں کو ان اعمال سے بچنے کی توفیق عطا فرما جن اعمال سے تیرا غضب اور غصہ زمین پر اترتا ہے، تو تو وہ خدا ہے کہ:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۶ (آل عمران)

ترجمہ: (اے نبی! ایسا) کہو کہ: اے اللہ! جو حکومت (اقتدار، سلطنت) کے مالک ہیں، آپ جس کو چاہتے ہیں حکومت دیتے ہیں اور جس سے آپ چاہتے ہیں اس

سے حکومت کو چھین لیتے ہیں، آپ جس کو چاہتے ہیں اس کو عزت دیتے ہیں، آپ جس کو چاہتے ہیں ذلیل کرتے ہیں (تمام قسم کی) بھلائی آپ ہی کے اختیار میں ہے، یقینی بات ہے کہ آپ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتے ہیں۔

جب تک ہم نے اللہ کے سامنے اپنے بندہ اور اہل ہونے کا ثبوت دیا وہاں تک اللہ ہمیں نوازتا رہا اور حکومت دی؛ لیکن جس دن سے ہم نے اپنی نااہلیت کا ثبوت دیا اس دن سے اللہ نے یہ اقتدار اور حکومت ہمارے ہاتھوں سے چھین لی؛ چنانچہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ (الانبیاء)

ترجمہ: اور پکی بات یہ ہے کہ زبور میں نصیحت کے بعد ہم نے یہ لکھ دیا تھا کہ یقیناً زمین کے (حقیقی) مالک میرے نیک بندے ہوں گے۔

یعنی تورات میں اور تورات کے علاوہ دوسری آسمانی کتابیں: زبور، انجیل، قرآن اسی طرح لوحِ محفوظ اور تمام آسمانی کتابوں میں یہ مضمون مشترکہ طور پر ہے کہ جنت کی زمین صالح بندوں کو ملے گی اور دنیا کی زمین پر صالح بندوں کو ایک مرتبہ مکمل حکومت دی جا چکی اور قیامت سے قبل حضرت مہدی رضی اللہ عنہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں پھر سے ملنے والی ہے، دونوں باتوں کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔

جب تک ہم نے صلاح کا ثبوت دیا تب تک اللہ نے یہ حکومتیں ہمارے ہاتھ میں دیں اور جب ہم نے ان حکومتوں کو عیاشی کا ذریعہ بنالیا اور خدا کی دی ہوئی حکومت

اور مال کے ذریعہ نافرمانیاں کرنے لگے اور خدا کی دی ہوئی دولت سے غیر ضروری نمائشی عالی شان عمارتیں بنانے لگ گئے، شراب اور کباب کی محفلیں ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکومتیں ہمارے ہاتھ سے چھین لی۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ: جب ابو عبداللہ یہاں سے روانہ ہونے لگا تو اس کو خود کو رونا آ گیا تو اس کی والدہ اس کے ساتھ تھی تو اس نے اس کو ڈانٹ پلانا شروع کر دی کہ:

آج تو کس منہ سے رو رہا ہے؟

کیا میں نے تجھ کو بار بار نہیں سمجھایا تھا کہ عیسائیوں کے ساتھ تیری دوستی کتنی مہلک ثابت ہوگی؟

تجھ کو سمجھایا تھا کہ عیسائیوں کی رفاقت تجھ کو ایک دن ختم کر دے گی۔

آخر اتنی عظیم الشان اور ایک مثالی حکومت کا جو زوال ہوا یہ آج مسلمانوں کے لیے درسِ عبرت ہے کہ آج مسلمان اللہ کی دی ہوئی دولت اور صحت کو حرام کاموں میں خرچ نہ کریں؛ بلکہ اس دولت کو اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کریں، اگر ہم دولت دینے والے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق دولت خرچ کریں گے تو اللہ تعالیٰ عزت کے اعلیٰ مقام عطا فرمائیں گے۔

خدا کرے کہ اسپین کی یہ تاریخ ہمارے لیے عبرت کا سامان بنے!!!

واپسی کے موقع پر ہر ساتھی کی زبان پر اور دل میں ایک احساس تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسی ذلّت اور رسوائی سے مسلمانانِ عالم کو محفوظ رکھے۔

بعض ساتھی یہ کہتے تھے کہ:

کیا دوبارہ اسپین میں اسلامی حکومت قائم ہو گی یا نہیں؟

کس قدر حسرت بھرا یہ سوال تھا کہ یہ عالی شان مساجد اور بڑے بڑے مدرسے جو آج چرچ میں تبدیل ہو گئے ہیں، کیا دوبارہ اس میں اذان کی صدا گونجیں گی؟

کیا ان مدرسوں میں دوبارہ قال اللہ اور قال الرسول کی آوازیں آئیں گی؟

اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے، وہ کرسکتا ہے؛ لیکن کاش! مسلمان ان اعمال پر آجائے جس کے برکت سے اللہ کی رحمتیں اترتی ہیں:

جو میں جاگ اٹھوں تو میرے لیے وہی تخت و تاج ہے
وہ جو کٹ گئیں میری عظمتیں؛ میری غفلتوں کا خراج ہے

بہر حال! ہمارا یہ سفر چار دن اور تین رات کا مکمل ہوا اور ہم تقریباً آدھی رات کو لنڈن پہنچ گئے، اللہ تعالیٰ اس سفر کو ہمارے لیے اور دیگر مسلمانوں کے لیے عبرت اور نصیحت کا ذریعہ بنائے اور عالمِ اسلام کو ایسی ذلت اور رسوائی سے محفوظ اور مامون رکھے، آمین۔

سقوطِ اندلس کی اس جانب پر ایک نظر

(۱) لوگ اپنے بادشاہ ابوعبداللہ کی بے پروائی سے جو انھوں نے قومی مصیبت میں دکھلائی ناراض ہو ہی رہے تھے، اب قحط کی آفت میں مبتلا ہونے والے تھے، عام ناراضی جو پھیلی ہوئی تھی وہ چھپائے نہ چھپ سکی اور یہ تجویز ہوئی کہ اس قابلِ نفرت بادشاہ کو امنِ عامہ پر قربان کردیا جائے۔

اس غداری کو ابوعبداللہ سمجھ گئے اور اس پر انھوں نے وہ فعل کیا کہ جس سے وہ اور ان کا نام قیامت تک ذلیل وخوار ہوگیا:

یعنی اپنے متزلزل تخت کو بچانے کے لیے انھوں نے عیسائیوں سے مدد مانگی، چنانچہ ''ڈان فیڈرک ڈی ٹولیڈو'' سرحد کے گورنر ادھر سے بھیجے گئے، یہ ایک بڑی جمعیت کو لے کر فوراً آگے بڑھے، ظاہر یہ کیا گیا کہ وہ عقیل وفہیم؛ مگر بے اصول فرڈی نینڈ کے برائے نام حلیف (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کٹھ پتلی) کو بچانے کے لیے آرہے ہیں، اس فوج کے تمام افسروں کو یہ ہدایت تھی کہ وہ دونوں فریق کو اتنا کمزور نہ کریں کہ توازنِ قوت قائم نہ رہے۔

یہی وہ پالیسی تھی جو اس بے رحمانہ کشمکش وکوشش میں اول سے آخر تک قائم رہی، اس سے مقصود یہ تھا کہ اگر دونوں فریق ازروئے طاقت وقوت یکساں رہیں گے تو دونوں آپس میں لڑتے بھڑتے رہیں گے اور یہ لڑائی دونوں کے حق میں مہلک ثابت ہوگی، نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں اپنے ہی ہاتھ سے اپنی اپنی سلطنتوں کو تباہ کردیں گے۔

اسی بنا پر ڈان فیڈرک دونوں فریق سے اس طرح کھیلتے رہے جیسے کہ چوہے کو

مارنے سے پہلے بلی اس کے ساتھ کھیلتی ہے، انھوں نے دونوں کو اس دھوکے میں رکھا کہ صلح کرائے دیتے ہیں، ڈراتے رہے دونوں کو اور مدد ایک کی بھی نہ کی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں فریق اپنے اپنے غصے کو نہ روک سکے اور جب یہ دیکھ لیا کہ دونوں پھر ایک دوسرے سے بھڑنے ہی والے ہیں تو ڈان فیڈرک چپ چاپ چلتے بنے۔

(۲) دنی الطبع اور قابلِ نفرت ابوعبداللہ کی ذلت وخست اب انتہا کو پہنچ گئی تھی، اگر اب وہ کسی اور گناہ کے مرتکب ہوتے تو ان کی رذالت میں کچھ زیادہ اضافہ ہونے کی گنجائش نہیں رہی تھی، وہ اپنے ملک کے امن وعافیت کو محض اس لیے خیرباد کہہ چکے تھے کہ اپنے اس تخت پر متمکن رہیں، جس کو اپنے قبضے میں رکھنے کی نہ ان میں قابلیت تھی نہ اتنا استقلال کہ وہ اس کی مدافعت وحفاظت کر سکتے۔

اب وہ اپنی رعایا کو نیلام کر رہے تھے اور اس کو یہ ترغیب دے رہے تھے کہ:

ان دشمنوں سے جو اپنی بلند نظری سے ان کے آقا بننا چاہتے ہیں روپیہ لے کر اپنے آپ کو ان کی غلامی میں دے دیں۔

جہاں ایسے اہم امور ہوتے تھے کہ جن میں فوراً کارروائی کرنے کی ضرورت تھی وہاں ابوعبداللہ ہمیشہ سستی وکاہلی کرتے تھے اور ایسے معاملات میں مدد کرنے میں وہ چستی وچالاکی دکھلاتے تھے کہ جن سے ان کی رعایا کی آزادی بیخ وبن سے اکھڑ جائے، خود ان کی سلطنت معرضِ خطر میں پڑ جائے اور اپنا تاج وتخت باقی نہ رہے۔

(از: اخبار الاندلس، مترجم ۲/، ترجمہ: منشی محمد خلیل الرحمن صاحب)

بہر حال! عیسائیوں کی گود نشینی، کاسہ لیسی نے مسلمانوں کو اسپین کی حکومت

سے محروم کردیا، بقول حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی:

اندلس میں مسلمانوں کے عروج کے اسباب بھی واضح تھے اور زوال کے اسباب بھی واضح ہیں:

شمشیر وسنان اول، طاؤس ورباب آخر

اب یہ ہمارا کام ہے کہ کن اسباب کو اپنے لیے اختیار کرتے ہیں۔

برطانیہ میں مجھے ایک صاحب نے ایک بزرگ کے متعلق بتلایا کہ: جب وہ اسپین تشریف لے گئے تو خواب میں یا کشفِ قبور میں اسپین کے کسی مرحوم مسلمان سے ملاقات ہوئی، انھوں نے بتایا کہ:

ہم اسپین کے مسلمانوں کو بہت برا نہ سمجھو، بات یہ ہے کہ جب تک اللہ نے اس ملک میں اسلامی حکومت قائم رکھنے کا فیصلہ فرمایا تھا تب تک وہ باقی رہی اور جب تقدیری فیصلہ ہوا تو اسلامی حکومت ختم ہوگئی:

ذلک تقدیر العزیز العلیم (یس:۳۸)

ترجمہ: یہ اس اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا نظام ہے جو بڑے زبردست ہیں بڑے جاننے والے ہیں۔

اس پر تو ہمارا ایمان ہے۔

ساتھ ہی دارالاسباب میں اسباب کو بھی دیکھا جاتا ہے؛ اس لیے جن اسباب کی بنیاد پر نصرتِ الٰہیہ سے ہم محروم ہوجاتے ہیں ان سے خود کو بچانے کی فکر بہت ضروری ہے۔

ہسپانیہ

(ہسپانیہ کی سرزمین سے واپسی پر لکھے گئے)

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے	مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تیری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں	خاموش اذانیں ہیں تیری بادِ سحر میں
روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں	خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ وکمر میں
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی	باقی ہے ابھی رنگ میرے خونِ جگر میں!
کیوں کر خس وخاشاک سے دب جائے مسلماں	مانا وہ تب وتاب نہیں اس کے شرر میں
غرناطہ بھی دیکھا میری آنکھوں نے ولیکن	تسکینِ مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں
دیکھا بھی دکھایا بھی، سنایا بھی سنا بھی	ہے دل کی تسلی نہ نظر میں، نہ خبر میں

(از کلیاتِ اقبال)

۞۞۞

ترکی کی کارگزاری

ترکی کے پہلے سفر کے رفقا

(۱) شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری (سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک)

(۲) مفتی محمود بارڈولی (استاذ تفسیر وحدیث: جامعہ ڈابھیل، گجرات)

(۳) مولانا عمران پٹیل صاحب لندن (فاضل جامعہ ڈابھیل)

(۴) مولانا اسماعیل پٹیل صاحب (مہتمم دار العلوم لیسٹر)

(۵) مرحوم حاجی شوکت قریشی صاحب دمن۔

(۶) قاری عبد الحنان صاحب سورتی۔

(۷) الحاج ناصر دادا صاحب سورت۔

ترکی کے دوسرے سفر کے رفقا

(۱) مفتی محمود بارڈولی (استاذ تفسیر وحدیث: جامعہ ڈابھیل، گجرات)

(۲) مولانا ناصر صاحب نوساری۔ (نورانی مکاتب کے روحِ رواں)

(۳) مولانا صادق صاحب مانکپوری۔ (یکے از بانیان نورانی مکاتب)

(۴) مولانا عمر صاحب، احمد آباد (فاضل جامعہ ڈابھیل)

(۵) حاجی عبد الصمد پالاوالا (نواپور)۔

(۶) حاجی عبد الصمد گھونسلا (کروڈ)۔

(۷) حاجی خورشید صاحب مانجرا۔

(۸) کامل بھائی (احمد آباد)۔

(۹) طلحہ بھائی وغیرہ۔

(۱۰) حاجی عارف صاحب آؤجی (نواپور)۔

(۱۱) حاجی شعیب ماندہ (نواپور)۔

بسم الله الرحمن الرحيم

اَلْحَمْدُ لِلّٰه نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ شَفِيْعَنَا وَحَبِيْبَنَا وَاِمَامَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَوٰاتُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَهْلِ طَاعَتِهٖ، وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً ـــــ اَمَّا بَعْدُ!

گذشتہ مجلس میں مبارک زمین فلسطین اور جورڈن کی کارگزاری آپ کو سنائی گئی تھی، آج کی اس مبارک مجلس میں 18؍جون 2014ء کو ترکی اور اس کے کچھ حصوں کا دوسرا دینی سفر ہوا، اس کی مختصر کارگزاری عرض کرنی ہے۔

چوں کہ بندے کا سفر اس طرح ہوا کہ پہلے جورڈن اور فلسطین گیا، پھر وہاں سے ترکی جانا ہوا۔ ان شاء اللہ! فلسطین اور جورڈن کی کارگزاری ایک مستقل جلد میں امت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

سفر کے دوران بہت سارے احباب ریکارڈر (Recorde) میں میری باتوں کو محفوظ کرتے تھے اور بہت ساری تاریخی جگہوں کو ''ویڈیو'' (video) کے ذریعہ محفوظ کیا گیا، پوری کوشش کی گئی تھی کہ انسان اور جانوروں کی تصویر نہ آوے۔

بعض تاریخی مقامات کی تصویریں انٹرنیٹ (Internet) کے ذریعے ہزاروں کی تعداد میں دنیا بھر میں پھیل گئی، ان میں سے بہت ساری ویڈیو کلپ (video

clips) ہماری سائٹ پر بھی آپ دیکھ سکتے ہیں۔

ویب سائٹ کا پتہ ہے:(www.nooranimakatib.com)

فتحِ قسطنطنیہ کی نبوی بشارت

ترکی میں ایک بڑا شہر ہے جس کا نام ''استنبول'' ہے، اسی کو پرانے زمانے میں ''قسطنطنیہ'' کہتے تھے اور جس کو انگریزی میں (Costantinopol) کہتے ہیں۔

قدیم عیسائی، عالمی مرکز قسطنطنیہ آج استنبول شہر کی شکل میں ہے، قدیم قسطنطنیہ کی دیوار وغیرہ آج تک وہاں موجود ہیں۔

یہ وہ مبارک سرزمین ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا تھا اور اپنے صحابہؓ کو خوش خبری دی تھی کہ:

تم ضرور قسطنطنیہ کو فتح کروگے۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت بشیر بن سحیمؓ سے روایت نقل کی ہے:

لتفتحن القسطنطنية، فلنعم الأمير أميرها ولنعم الجيش ذلك الجيش۔

قیصرِ روم (Roman Empire) اس زمانے کی ایک سب سے بڑی سپر پاور طاقت تھی، ان کا مرکز اور راجدھانی (Capital) اس وقت قسطنطنیہ ہوا کرتا تھا، پوری دنیا کے عیسائیوں کی طاقت کا وہ مرکز تھا اور عیسائیوں کا جو عالمی بادشاہ ہوا کرتا تھا اس کو ''قیصرِ روم'' کہا جاتا تھا۔

نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ لتفتحن القسطنطنية۔

تم ضرور قسطنطنیہ کو فتح کروگے۔

بہترین لشکر

اور آگے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

جولشکر اس کو فتح کرنے جائے گا وہ لشکر بہترین لشکر ہوگا، اس لشکر کا جو امیر ہوگا وہ بہترین امیر ہوگا۔

اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ:

اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ۔

کہ قیصر بادشاہ ہلاک ہوجائے گا تو پھر قیامت تک دوسرا قیصر پیدا نہیں ہوگا۔

یہ دو حدیثیں نبیٔ اکرم ﷺ نے اِس قسطنطنیہ کے بارے ارشاد فرمائی تھی۔

اسی طرح حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں بھی قسطنطنیہ کا تذکرہ موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ: دنیا کا سب سے پہلا چرچ وہ بھی استنبول ہی میں ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کے بعد عیسائیوں نے سب سے پہلا چرچ وہاں بنایا تھا۔

قسطنطنیہ کی طرف سب سے پہلا لشکر

اب حضور ﷺ نے اس کے فتح کی اتنی بڑی خوش خبری دی؛ اس لیے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دل میں یہ چاہت تھی کہ ہم اس کو فتح کرنے جائیں۔

سب سے پہلے نبیٔ کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے

اپنے دورِ امارت میں اپنے بیٹے یزید کو ایک لشکر لے کر اسے فتح کرنے کے لیے روانہ کیا تھا اور اس لشکر میں عظیم صحابی حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے میزبان: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں کہ ہجرت کے بعد حضور ﷺ ان کے گھر پر رہے اور آپ کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت نبیٔ کریم ﷺ اپنے ہی مکان میں ٹھہرے

سیرت کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یمن کے جو "تُبّع" بادشاہ ہوتے تھے، ان میں سے ایک تبع بادشاہ اپنی حکومت کے دورے پر نکلے، ان کی حکومت یمن سے افریقی ملکوں تک پھیلی ہوئی تھی، ان کے دورے پر لشکر کے ساتھ چار سو (400) کے قریب یہودی علما کا ایک قافلہ تھا، یہ سفر کرتے کرتے مدینۂ منورہ پہنچے اور وہاں قیام کیا۔

تورات میں اللہ کے آخری نبی کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں، ان سے یہ علما واقف تھے، انھوں نے وہ تمام نشانیاں مدینۂ منورہ پر صادق آتی ہوئی پائیں، جس سے ان کو یقین ہوگیا کہ یہی وہ مدینہ ہے جہاں اللہ کے آخری نبی ہجرت کر کے تشریف لانے والے ہیں، خود ان علما کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم کو یہیں قیام کر لینا چاہیے۔

انھوں نے ضابطے کے مطابق تبع بادشاہ سے اس سلسلے میں درخواست کی کہ: ہم اس شہر میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔

تبع بادشاہ نے ان کی درخواست سن کر مدینہ میں قیام کی وجہ پوچھی۔

ان علما نے بتایا کہ: تورات کی بشارتوں کے مطابق یہ شہر اللہ کے آخری نبی کی

ہجرت کی جگہ ہے؛اس لیے ہم یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔

وہ خود بھی بہت خوش ہوئے اور ان تمام چار سو علمائے یہود کو مدینۂ منورہ میں قیام کی اجازت دے دی اور سب کے لیے خود اپنے پیسوں سے مکان بنوائے، تمام علما کے لیے جاگیریں خریدیں؛ تاکہ ان کے لیے گزرانِ حیات میں سہولت رہے اور تمام علما کی خود اپنے مصارف سے شادیاں بھی کروادیں۔

پھر ساتھ ہی میں تبع نے ایک مکان الگ سے بنایا اور وہ مکان اللہ کے آخری نبی کی نیت سے بنایا اور پھر ان چار سو علما میں جو سب سے بڑے عالم تھے ان کو اس مکان کی چابی حوالے کی اور کہا کہ:

جب اللہ کے آخری نبی تشریف لے آویں تو ان کی خدمت میں یہ مکان میری طرف سے پیش کردینا۔

اور کہا کہ: اگر تمھاری زندگی میں اللہ کے آخری نبی کا ظہور نہ ہو، تو اپنی اولاد کو وصیت کردیں اور یہ وصیت چلتی رہے اور جب اس نبی کی بعثت ہوجائے تو ان کی خدمت میں یہ مکان کی چابی پہنچ جاوے۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ: جس بڑے عالم کو تبع بادشاہ نے حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے مکان کی چابی حوالے کی تھی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں سے تھے اور ان کے پاس وہ خط محفوظ تھا جو انھوں نے حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو پیش بھی کیا تھا۔

گویا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

کے مکان میں نہیں؛ بلکہ اپنے ہی مکان میں ہجرت کے بعد قیام فرمایا۔

تبع بادشاہ نے نبیٔ کریم ﷺ کی محبت وعقیدت میں کچھ اشعار اور مدحیہ کلمات بھی کہے تھے، جو کتبِ تفاسیر وتواریخ میں موجود ہیں۔

حضرت نبیٔ کریم ﷺ اور صحابہ کی ایک بے مثال خوبی

تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو ہی یہ امتیازی سعادت حاصل رہی ہے کہ دنیا میں آپ کی ولادت باسعادت وبعثت باکرامت سے بہت پہلے لوگ آپ پر غائبانہ ایمان لائے۔

اسی طرح آپ کے طفیل میں آپ کے صحابہؓ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ ان کی ولادت سے پہلے ہی سابقہ آسمانی کتابوں میں ان کے تفصیلی تذکرے آئے۔

حضور ﷺ سے نرالی محبت

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی ام ایوبؓ نے نبیٔ کریم ﷺ کی مثالی خدمت انجام دی، کھانا جب تیار ہوتا تو ایک خوانچہ جیسے برتن میں پورا پورا کھانا حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کردیتے تھے، آپ ﷺ کو جتنا تناول فرمانا ہوتا اس سے فارغ ہوتے، پھر وہ خوانچہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے پاس لے جاتے اور دونوں میاں بیوی اس کھانے میں سے اسی جگہ سے کھاتے جہاں نبیٔ کریم ﷺ کے دستِ مبارک اور انگشتِ مبارک کے نشانات ہوتے تھے۔

یہ تھی ان کی آپ ﷺ سے نرالی محبت وعقیدت۔

نبی ﷺ کا ادب ابوایوب رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی سے کوئی سیکھے

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان دو منزلہ تھا، انھوں نے اپنا پورا مکان حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے اپنے قیام کے لیے نیچے والی منزل پسند فرمائی، یہ ارشاد فرمایا کہ: لوگ مجھ سے ملنے کے لیے آتے جاتے رہیں گے، اگر میں اوپر رہوں گا تو لوگوں کے آنے جانے کی وجہ سے تم کو تکلیف ہوگی؛ اس لیے تم اوپر رہو، میں نیچے رہوں گا۔

یہ دونوں میاں بیوی اوپر والی منزل میں رہتے تھے؛ لیکن ادب کا حال یہ تھا کہ اوپر والی منزل میں دیوار کے کنارے کنارے ہی چلتے تھے، فرش پر درمیان والے حصہ میں نہیں چلتے تھے، اس قدر غایت درجہ کے ادب کا انھوں نے لحاظ رکھا۔

ایک مرتبہ اوپر والی منزل کے فرش پر پانی گر گیا اور اس دور میں مٹی کے مکانات ہوتے تھے، دونوں میاں بیوی کو یہ خطرہ ہوا کہ پانی مٹی سے سرایت کر کے کہیں نیچے نہ گرنے لگے اور آپ ﷺ کو پانی ٹپکنے سے تکلیف نہ ہو، دونوں میاں بیوی نے پوری رات گدڑی کے ذریعے پانی کو جذب کر کے سکھانے میں گزاری۔ یہ تھا ان دونوں میاں بیوی کے دل میں نبیٔ کریم ﷺ کا ادب واحترام۔

پیاز اور لہسن والا کھانا

حضور ﷺ نچلی منزل پر ان کے یہاں قیام فرما تھے، ایک مرتبہ معمول کے مطابق کھانا تیار کر کے پیش کیا، آپ ﷺ نے کھانا تناول نہیں فرمایا اور پورا خوانچہ ویسے

ہی واپس گیا، اس پر دونوں میاں بیوی کو بڑی فکر ہوئی، فوراً حضرت ابو ایوب ﷜ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وجہ دریافت کی۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کھانے میں پیاز اور لہسن ہے اور میرے پاس فرشتے آتے جاتے رہتے ہیں، اس طرح کا لہسن اور پیاز والا بدبو والا کھانا مناسب نہیں ہے۔

بس اس دن سے حضرت ابو ایوب ﷜ اور ان کی بیوی نے کھانے میں لہسن کا استعمال بند کر دیا۔

کھانے میں لہسن اور پیاز کا مسئلہ

کچی مولی، لہسن، پیاز کا کھانا بلا کراہت درست ہے؛ لیکن مسجد میں کچی پیاز، لہسن وغیرہ بدبودار چیزیں کھا کر جانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر پکا کر کھایا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/ ۶۳)

اسی طرح کچی پیاز اور لہسن کھا کر بلا ازالہ رائحۂ کریہہ کے مجلسِ ذکر، عیدگاہ اور جنازہ اور تمام عبادتوں کی جگہوں میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔ (شرح مسلم للنووی ۱/ ۲۰۹)

مسلم شریف کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے پیاز وغیرہ کھانے سے منع فرمایا، پھر فرمایا: جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب بھی نہ آئے؛ اس لیے کہ فرشتوں کو ان چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن چیزوں سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے، خالی مسجد میں پیاز وغیرہ کھا کر جانے کا یہی حکم ہے۔ (شرح مسلم للنووی ۱/ ۲۰۹)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ: ”رات کے وقت پیاز کھانا جائز نہیں“ ان کی یہ

بات درست نہیں؛ کیوں کہ جس طرح دن میں پیاز کھانا جائز ہے اسی طرح رات میں بھی کھانا جائز ہے۔

ہاں! البتہ حضرات فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ: پیاز اور کوئی بدبودار چیز کھا کر بلامسواک کیے مسجد میں نہیں جانا چاہیے، خواہ دن میں ہو یا رات میں۔ (اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے ۶/ ۲۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: نبیٔ کریم ﷺ کا آخری کھانا وہ تھا جس میں پیاز تھا (یعنی پکا ہوا پیاز)۔

فائدہ: آپ ﷺ نے کچا پیاز اور لہسن کبھی نہیں استعمال کیا؛ البتہ! پیاز کو پکا دیا جاتا جیسے سالن وغیرہ میں یا اسے تل دیا جاتا تو آپ ﷺ بدبو نہ ہونے کی وجہ سے نوش فرما لیتے۔ (شمائلِ کبریٰ ۱/ ۱۱۳)

بڑھاپے کے باوجود جہاد کا طویل سفر

بہر حال! حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں موجود تھے اور اس وقت ان کی عمر تقریباً اسی (80) سال کی تھی، بالکل بوڑھے ہو چکے تھے؛ لیکن بس! حضور ﷺ کی اس بشارت کو حاصل کرنے کے لیے اس بڑھاپے کی حالت میں بھی لشکر میں شامل ہو گئے۔

مدینہ منورہ سے قسطنطنیہ ہوائی جہاز کے راستے سے تقریباً تین گھنٹے سے زیادہ کا راستہ ہے؛ یعنی اس زمانے کے (3273) کلومیٹر تقریباً اتنا طویل سفر کر کے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ استنبول تشریف لے گئے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی آرزو

جب وہاں گئے تو بیمار ہو گئے، لشکر کے جو امیر تھے یزید بن معاویہ وہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: آپ تو اللہ کے نبی ﷺ کے میزبان ہیں، بتلاؤ! میں آپ کی کیا خدمت کروں؟

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا جو جذبہ تھا اور جو جواب تھا، اللہ ہم سب کو بھی ایسا جذبہ عطا فرمائے!

فرمایا کہ: یزید! بس میری ایک ہی آرزو ہے کہ: جب میرا انتقال ہو جائے تو میری لاش کو یہاں پر دفن مت کرنا؛ بلکہ میری لاش کو گھوڑے پر رکھنا اور پھر اس گھوڑے کو تم چلانا اور دشمنوں کی زمین میں جتنا دور لے جا سکو، لے جانا اور دشمنوں کے شہر میں مجھ کو دفن کرنا۔

اس جذبہ کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ کل قیامت کے دن ہم اللہ کے سامنے یہ کہہ سکیں کہ: اے اللہ! ہم زندہ تھے تو تیرے راستے میں چلتے تھے اور مرنے کے بعد ہماری لاش بھی تیرے راستے میں چلتی رہی۔

یہ ان کے جذبات کا خلاصہ تھا، اسی کو کہتے ہیں کہ: دین کا کام کرتے کرتے مرنا ہے اور مرتے مرتے کرنا ہے۔

بہر حال! جب آپ کا انتقال ہوا تو یزید نے ایک گھوڑے پر آپ کا جنازہ رکھا اور اس کو چلایا اور قسطنطنیہ میں جو عیسائیوں کا مضبوط قلعہ تھا، اس قلعے کے نیچے لے جا کر آپ کی قبرِ مبارک بنائی اور وہاں پر ان کو دفن کیا۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا مزار

جس محلے میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا مزار ہے وہ پورا محلہ آپ رضی اللہ عنہ کے مبارک نام سے ''ایوب پاشا'' کہلاتا ہے، مزار پر ایک عالی شان مسجد ہے، لوگ کثرت سے زیارت کے لیے آتے ہیں، قرآن کی تلاوت ہوتی ہے۔

اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ آپ کے مزار پر انوار کی بارش محسوس ہوتی ہے اور مزار مبارک کے قریب حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے حوالے سے لکھے ہوئے آپ کے حالات جب پڑھتے ہیں تو رونا آجاتا ہے اور آپ کی آخری وصیت کے کلمات تو دل میں پاکیزہ جذبات پیدا کرتے ہیں۔

استنبول کے تبلیغی مرکز سے پیدل چل کر جا سکے اتنے فاصلے پر یہ مزار واقع ہے۔

سلطان محمد فاتح رحمۃ اللہ علیہ

خیر! حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ جس لشکر میں تھے اتفاق کی بات کہ وہ لشکر قسطنطنیہ کو فتح نہ کر سکا؛ البتہ! حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اس جگہ وفات اور تدفین نے فتح کی بنیاد رکھ دی۔

اللہ نے اس کی فتح سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں پر مقدر کر رکھی تھی، صدیوں کے بعد یہ قسطنطنیہ حضرت سلطان محمد فاتحؒ کے ہاتھوں سے فتح ہوا اور وہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی اور قیصرِ روم ہمیشہ کے لیے ہلاک ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے وہاں پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔

زمین پر کشتیوں کا چلنا

جب سلطان محمدؒ وہاں پہنچے تو ایسے کارنامے انجام دیے کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے، ہم جانتے ہیں کہ کشتیاں پانی پر چلتی ہیں؛ لیکن سلطان محمدؒ نے ستّر (70) کشتیاں دس (10) میل تک زمین پر چلائی ہے اور وہ بھی پہاڑی اتار چڑھاؤ والا راستہ تھا، یہ اسلام کی تاریخ میں بے مثال واقعہ ہے کہ سلطان محمد فاتح نے ستر کشتیاں ہتھیاروں سے بھری ہوئی پہاڑوں کے اوپر دس میل تک چلائی ہے۔

یہ کشتیاں اس طرح تھیں کہ ان کے نیچے چربی لگائی گئی تھی، دو دو کشتی چلانے والے ہر کشتی میں موجود تھے، ہوا کی مدد لینے کے لیے اوپر بادبان بھی کھول دیا گیا اور ایک رات میں یہ کشتیاں چلائی گئیں، آج بھی وہ جگہ موجود ہے کہ کہاں سے کہاں تک انھوں نے کشتیاں چلائی تھی۔

اس علاقے کو ''قاسم پاشا'' کہتے ہیں۔

لسان الدعوۃ والتبلیغ حضرت مولانا محمد عمر پالنپوریؒ کا بیان

کیا ہوا ایک عجیب نکتہ

وہاں پر دعوت وتبلیغ کے ایک بہت پرانے ساتھی ابراہیم عمر صاحب نے خود مجھ کو یہ بات سنائی کہ: میں نے نظام الدین مرکز پر حضرت مولانا محمد عمرؒ صاحب کے بیان میں سنا، حضرت نے عجیب نکتہ کی بات بیان فرمائی تھی کہ:

مدائن کو فتح کرنے کے لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دریا میں گھوڑے

دوڑا دیے تھے اور استنبول کی فتح کے لیے سلطان محمدؒ نے زمین پر کشتیاں چلائی تھیں، مولانا عمر صاحب فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ نے مدائن کی فتح کے موقع پر دریا میں زمین بنائی اور استنبول کی فتح کے موقع پر زمین کو دریا بنایا۔ یہ خدا کی قدرت ہے!

ان شاء اللہ ظہر کی نماز ہم ''آیا صوفیا'' میں پڑھیں گے

کہتے ہیں کہ: جس دن یہ شہر فتح ہوا اس دن سلطان محمدؒ اور ان کے ساتھی پوری رات اللہ کے سامنے دعا اور ذکر میں مشغول رہے اور پھر فجر کی نماز کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: ان شاء اللہ ظہر کی نماز ہم ''آیا صوفیا'' میں جا کر پڑھیں گے۔

یہ ''آیا صوفیا'' جیسا کہ مشہور ہے کہ عیسائیوں کا سب سے پرانا چرچ ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کے بعد تیسری صدی عیسوی میں بنایا گیا تھا۔

پھر اللہ کا فضل ہوا کہ یہ پوری فوج ظہر سے پہلے وہاں پہنچ گئی۔

عجیب کرامتی بزرگ

اس لشکر کے سردار سلطان محمد فاتح عجیب کرامتی بزرگ تھے، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس آدمی کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے بشارت دی ہو کہ وہ امیر بہت اچھا امیر ہوگا، وہ کیسا انسان ہوگا!

آپ اپنے لشکر کے ساتھ جب ''آیا صوفیا'' میں ظہر کے وقت پہنچے اور اذان کہی گئی اور نماز کے لیے تیاری کی گئی تو آپ کو قبلہ معلوم نہیں تھا کہ قبلہ کس جانب ہے؟ انھوں نے اذان کے بعد اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھانے کی تیاری کی کہ قبلہ کس

جانب ہے مجھ کو نظر آجائے تو جس جانب انھوں نے رخ کیا اس جانب ان کو کعبہ نظر نہیں آیا۔

پھر دوسری جانب اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھائے، ادھر بھی کعبہ نظر نہیں آیا۔

پھر تیسری جانب اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھائے، وہاں بھی کعبہ نظر نہیں آیا۔

پھر جب چوتھی جانب اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھائے تو اللہ نے ان کو کعبہ کی زیارت کروادی۔ یہ ان کی زندہ کرامت تھی۔

اسی ''آیا صوفیا'' میں جو جامع مسجد بنی ہے اس میں چار جانب محراب بنائے گئے ہیں، اسی سلطان محمدؒ کی کرامت کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے وہاں محراب میں چاروں سمت قبلہ کے نشان بنے ہوئے ہیں۔

وہاں کی چاہت کی چیزیں

ہم لوگ ۲۰۰۸ء میں ہمارے حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ پہلی مرتبہ استنبول گئے تھے۔

اُس سال رمضان کے اخیری عشرے میں لندن اپ ٹن لین کی مسجد قوۃ الاسلام میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے مشورہ سے خانقاہی معمولات کا سلسلہ رہا اور عید کے بعد مولانا عمران صاحب لندنی سلّمہ کی معیت میں بندہ لندن سے سیدھا استنبول پہنچا تھا اور ہمارے حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم اور قاری عبدالحنان صاحب زید فیضہ اور مرحوم الحاج شوکت علی قریشی صاحب اور حاجی ناصر دادا یہ سب حضرات ممبئی سے استنبول پہنچے تھے۔

جب کہ اب کی مرتبہ دوسرا سفر اِس سال 2014 میں شعبان کے مہینے میں اللہ کے فضل وکرم سے ہوا۔

میں آپ حضرات کو یقین سے بتلاؤں کہ: وہاں جانے کے بعد جو چاہت ہوتی ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ جلدی جلدی اللہ کے نبی ﷺ کے میزبان حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر پہنچے، جب ہم وہاں پر گئے تو قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہاں پر اللہ کی رحمت برستی ہے، عجیب انوار کی بارش ہوتی ہے۔

دوسری چاہت یہ ہوتی ہے کہ سلطان محمد فاتح کے مزار پر ایصالِ ثواب کے لیے حاضری ہو، اتنا عظیم بادشاہ کہ جن کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے بشارت دی ہو کہ: وہ امیر بہت ہی اچھا امیر ہوگا۔

جب ان کے مزار پر جاتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ہم کسی صاحبِ دل اور صاحبِ روحانیت بزرگ کے مزار پر کھڑے ہیں۔

کچھ اسی طرح کی روحانیت ہمارے یہاں گجرات میں شہر احمد آباد میں سلطان مظفر عبدالحلیمؒ کے مزار پر بھی محسوس ہوتی ہے، جن کے عجیب حالات مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے "مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" والی کتاب میں لکھے ہیں۔

دنیا کا سب سے زیادہ تبرکات والا میوزیم

وہاں کی ایک عجیب چیز توپ کاپی سرائے (Top Kapi Saray) ہے۔

یہ دنیا کا وہ میوزیم ہے جس میں سب سے زیادہ مستند تبرکات ہیں، اتنے تبرکات

دنیا کے اور کسی میوزیم میں نہیں ہیں، نہ مکہ میں اور نہ مدینہ میں؛ اس لیے کہ استنبول پانچ سو (500) سال تک اسلامی خلافت کا مرکز رہا ہے، حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے بعد جو خلافت شروع ہوئی، اس خلافت کا آخری باقاعدہ مرکز ترکی رہا، ۱۹۲۲ء میں پہلی عالمی جنگ کے بعد خلافت کو ختم کیا گیا؛ اسی لیے ساری دنیا میں جو الگ الگ متبرک چیزیں ہیں ان میں سے بہت ساری وہاں پر جمع کردی گئی ہیں۔

نیز بڑے بڑے علما کہتے ہیں کہ: جتنے زیادہ مستند متبرکات اس میوزیم میں ہیں اتنے دنیا کے اور کسی میوزیم میں نہیں ہے، اس وقت جتنی چیزیں وہاں رکھی ہوئی ہیں وہ نسبتوں والی ہیں، حقیقتِ حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

لیکن ہم جیسے گنہگار امتیوں کے لیے حضرت نبیٔ کریم ﷺ اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب چیزوں کا دیکھنا یہ بھی سعادت مندی کی بات ہے۔

اس میوزیم کے تبرکات

(۱) اس میوزیم میں کعبہ کے بہت سارے تالے اور اس کی چابیاں ہیں۔

(۲) آپ ﷺ کا پرچم جو غزوۂ بدر میں استعمال کیا گیا تھا۔

(۳) مصر کے بادشاہ مقوقس کے نام لکھا گیا حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا خط۔

(۴) آپ ﷺ کی مہرِ مبارک۔

(۵) آپ ﷺ کے روضۂ مبارکہ کی مٹی مبارک۔

(۶) آپ ﷺ کی قبر مبارک پر اُڑھائے ہوئے کپڑوں کے ٹکڑے۔

(۷) آپ ﷺ کا مشکیزہ مبارک۔

(۸) آپ ﷺ کی تلوار مبارک۔

(۹) آپ ﷺ کی کمان مبارک۔

(۱۰) آپ ﷺ سفر میں جس کٹورے کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے وہ کٹورا۔

(۱۱) آپ ﷺ کے جوتے مبارک کا تلوا مبارک۔

(۱۲) آپ ﷺ کی چپل مبارک۔

(۱۳) آپ ﷺ کا ریش مبارک۔

(۱۴) ابوتمیم غسانی کو جو خط حضور ﷺ نے لکھا تھا، اس کا نقش۔

(۱۵) خطوط مبارک۔

(۱۶) جناب رسول اللہ ﷺ کی تلوار رکھنے کی تھیلی۔

(۱۷) حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے قدمِ مبارک کے نشان۔

(۱۸) آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال۔

(۱۹) غزوۂ احد میں آپ ﷺ کا جو دانت مبارک شہید ہوا تھا اس کا ٹکڑا۔

(۲۰) آپ ﷺ کا پیالہ مبارک۔

(۲۱) آپ ﷺ کا جبہ مبارک۔

(۲۲) غزوۂ خندق کا تخمینی نقشہ۔

(۲۳) سورۂ ہُمزہ وغیرہ کے نزول کے وقت جن چیزوں پر آیتیں لکھی گئیں ان کے چمڑے۔

(۲۴) سفر بنوالمصطلق میں جب پانی میسر نہیں آیا تھا، تب جس پتھر پر تیمم کیا تھا وہ پتھر۔

(۲۵) حضرت یوسف علیہ السلام کا عمامہ مبارک۔

(۲۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کھانا پکانے کا برتن۔

(۲۷) حضرت داؤد علیہ السلام کی تلوار۔

(۲۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک۔

(۲۹) حضرت یحییٰ علیہ السلام کا دستِ مبارک جو گریس (Grees) کے اطراف میں انطاکیہ نامی جگہ سے برآمد ہوا تھا۔

(۳۰) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا ایک کپڑا جس پر خون کا نشان نظر آرہا ہے۔

(۳۱) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جبہ مبارک۔

(۳۲) حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر ابن العوام، حضرت جعفرِ طیار، حضرت خالد ابن ولید، حضرت عمار بن یاسر، حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت ضرار بن ازور، حضرت ابوالحصین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تلواریں۔

(۳۳) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کرتہ مبارک اور چھوٹی سی پیٹی۔ اس کرتہ مبارک کی تفصیل بندہ کے خطبات کی جلد: ۱/ ۲۲۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳۴) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دوپٹہ۔

(۳۵) حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا بکس۔

(۳۶) حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا دلہن کو پہنانے کا پردہ۔

(۳۷) حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا مصلیٰ۔

(۳۸) حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی قمیص مبارک۔

(۳۹) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا کرتہ مبارک۔

(۴۰) حضرت اویس قرنیؒ کی سفید ٹوپی۔

(۴۱) چاندی کا حجرِ اسود کا خول۔

(۴۲) سنہرے رنگ کا حجرِ اسود کا کَوَر۔

(۴۳) کعبہ کے پرانے میزابِ رحمت۔

(۴۴) کعبہ شریف کے تختے۔

(۴۵) کعبہ شریف کے اندر کا سرخ کپڑا۔

(۴۶) امام شعرانیؒ کی ٹوپی۔

(۴۷) علامہ جلال الدین رومیؒ کی کٹوری۔

(۴۸) امام اعظم ابوحنیفہؒ کا جبہ۔

(۴۹) امام احمد رافعیؒ کی قبر سے حاصل کردہ زمین کا ایک ٹکڑا۔

یہ سب تبرکات اس میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں۔

تبرکات کے علاوہ دوسری یادگار چیزیں

اس توپ کاپی میوزیم میں تبرکات کے علاوہ دوسری بھی بڑی یادگار چیزیں ہیں، جس میں قدیم دور میں استعمال ہونے والے جنگی اسلحے کی ایک بہت بڑی مقدار ہے۔

اس میں زرہیں جب دیکھتے ہیں تو حیران ہوجاتے ہیں کہ اتنی وزن دار زرہیں بدن پر پہن کر کیسے جنگ کرتے ہوں گے؟

ہتھیاروں کی ایک بڑی مقدار بھی وہاں موجود ہے۔

اس کے علاوہ اصلی زبرجد، اصلی ہیرے، الماس، سلطان محمد کا گھڑی والا خنجر، یہ سب عجائبات وہاں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

استنبول میں دوسری تاریخی یادگاریں

(۱) جامعہ سلطان احمد اور اس کا میدان۔

(۲) قصر بلدز۔

(۳) جامع مسجد سلیمانیہ: اس کی چوکھٹ پر صلیب والا پتھر جو کسی عیسائی بادشاہ نے دھوکے سے بھیجا تھا جس کا تذکرہ مفتی محمد تقی صاحب کے سفرنامے میں ہے۔

(۴) کتب خانہ سلیمانیہ، وہاں سے ہم کو ایک ہدایہ کی شرح کی سی ڈی (C.D) بھی ملی۔

(۵) زینان معمار کا مزار، جنھوں نے مسجد، مدرسے، مکتب، مقبرے، اسپتال، پل، مسافر خانے، وغیرہ کل ملا کر تین سو ساٹھ (360) کے قریب اسلامی یادگاریں تعمیر کیں۔

میرے مخلص دوست — جو فنِ تعمیر کے بڑے ماہر ہیں — آرکیٹکٹ اسماعیل بھائی ملاوی والے نے سنایا کہ: آج تک زینان کی تھیوری (Theory) تعمیرات کے فن میں پڑھائی جاتی ہے۔

قصرِ خلافت اور اس کی شان

اسی میوزیم میں پہلے خلیفہ رہا کرتے تھے اور خلیفہ کا محل اس زمانے میں وہی ہوا کرتا تھا جب ہم اس محل کے دروازے پر جاتے ہیں تو رونا آجاتا ہے، اس دروازے کی داہنی طرف لکھا ہوا ہے:

اَلْخَلِيْفَةُ ظِلُّ اللّٰهِ فِيْ الْأَرْضِ۔

ترجمہ: خلیفہ زمین پر اللہ کا سایہ ہوا کرتا ہے۔

دوسری طرف لکھا ہوا ہے:

يَأْوِيْ اِلَيْهِ كُلُّ مَظْلُوْمٍ۔

جو بھی مظلوم ہو گا وہ یہاں آکر کے پناہ لے گا۔

یہ جملہ جب پڑھتے ہیں تو رونا آجاتا ہے کہ: اے اللہ! قصر خلافت اور خلیفہ کی کیا شان ہوا کرتی تھی!!!

اور اندر جہاں خزانے ہیں، اس میں سونے چاندی، جواہرات اور زمرد کی اتنی قیمتی چیزیں ہیں کہ حضرت مولانا سید علی میاں ندویؒ صاحب کا ملفوظ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اگر کسی زمانے میں ترکی کی حکومت کا دیوالیہ ہو جائے تو اس خزانے میں اتنے ہیرے اور اتنا سونا ہے کہ عرصے تک اس خزانے سے پورا ملک چل سکتا ہے۔

اور ایسے ایسے تحفے ہیں جو جرمن، اٹالی اور انگلینڈ کی حکومت نے بھیجے تھے جب ہم ان کو دیکھتے ہیں تو رونا آتا ہے کہ:

اے اللہ! کسی زمانے میں خلافت کی کیا شان ہوگی کہ یورپین حکومتیں مسلمان خلفا کے لیے عزت واکرام کے ساتھ ان کی خوشی حاصل کرنے کے لیے تحفے بھیجا کرتے تھے۔

اللہ وہ مبارک اور پاکیزہ ایام امت کو دوبارہ عطا فرمائے، آمین۔

مصحفِ عثمانی

اس میوزیم کی ایک اور عجیب چیز یہ تھی کہ: قرآن مجید جو باقاعدہ ایک جگہ پر لکھ کر جمع کیا گیا، وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع کیا گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں قرآن مجید کے سات نسخے تیار کروائے تھے، اس میں سے ایک نسخہ اس میوزیم میں بھی موجود ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو قرآن تیار کروائے تھے اس میں سے انھوں نے ایک قرآن اپنے پاس رکھا تھا، باقی چھ قرآن دنیا کی الگ الگ جگہوں پر بھیج دیے تھے، اب وہ نسخہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس رکھا تھا اس وقت کہاں ہے؟

اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں:

ایک روایت یہ ہے کہ وہ استنبول میں ہے۔

اور ایک روایت کے مطابق تاشقند میں ہے۔

الحمد للہ! وہ دونوں نسخے ہم نے دیکھے ہیں اور جب دشمنوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا تھا اس وقت آپ رضی اللہ عنہ یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرما رہے تھے:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾ (البقرة)

ترجمہ: سوعنقریب آپ کی طرف سے اللہ تعالیٰ ان کے لیے کافی ہوجائیں گے (یعنی اللہ تعالیٰ ان دشمنوں سے آپ کی طرف سے نمٹ لیں گے) وروہ (اللہ تعالیٰ) ہر بات کو سننے والے، ہربات کو جاننے والے ہیں۔

دشمن نے پیچھے سے جیسے ہی حملہ کیا تو خون کا فوارہ اڑا اور یہ آیتِ کریمہ اس نسخے میں جس جگہ لکھی ہوئی وہاں گرا، جو ابھی تک ایسا کا ایسا ہی موجود ہے۔

اس کی مزید تفاصیل بندے کے سفرنامہ ''دیکھی ہوئی دنیا جلد اول'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مسلسل چارسو سال سے قرآن کی تلاوت کا مبارک سلسلہ

اس میوزیم میں تبرکات والے حصے میں اتنا اہتمام کرتے ہیں کہ وہاں کی حکومت نے چوبیس (24) گھنٹوں کے لیے قرآن کے قاریوں کی ڈیوٹی مقرر کر رکھی ہیں، جو باری باری آکر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، لکھا ہے کہ: مسلسل چارسو (400) سال سے یہ مبارک سلسلہ جاری ہے۔

اور یہ چارسو سال کی گنتی توسقوطِ خلافت تک کی ہے، پہلی عالمی جنگ کے بعد جب کمال پاشا کا دور آیا تو اس نے اس مبارک سلسلہ کو کچھ دنوں تک رکوایا تھا اور کچھ دنوں کے بعد الحمدللہ! یہ مبارک سلسلہ پھر سے شروع ہوگیا اور پھر سے وہاں رات دن قرآن کی تلاوت ہونے لگی ہے، واقعتاً تبرکات اور تلاوت کے انوار کا مشاہدہ اس کمرے میں ہوتا ہے۔

بہر حال! استنبول میں یہ سب مبارک زیارتیں ہیں اور یہ دنیا کا واحد میوزیم ہے

جہاں اتنے سارے تبرکات بیک وقت موجود ہیں۔

ہم لوگ تصویر میں جو تبرکات دیکھتے ہیں وہ سب استنبول کے میوزیم کے ہیں۔

پورے یورپ کا تبلیغی جوڑ اور اس میں شرکت کی سعادت

شعبان کے مہینے میں حضرت حافظ پٹیل صاحب دامت برکاتہم ٹکولی تشریف لائے ہوئے تھے، انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ: چھٹیوں کا کیا نظام ہے؟

میں نے کہا: حضرت! میں فلسطین اور جورڈن جا رہا ہوں، وہاں سے ترکی ہوتے ہوئے پناما کا دینی، دعوتی سفر ہے۔

انھوں نے پوچھا کہ: ترکی کون سی تاریخ کو جا رہے ہو؟

میں نے کہا کہ: اٹھارہ، انیس (19،18)۔

فرمایا کہ: دو تین دن اور بڑھا دو؛ اس لیے کہ بیس، اکیس (21،20) کو پورے یورپ کا وہاں جوڑ ہو رہا ہے، میں بھی پہنچ رہا ہوں اور مجھ کو حکم بھی دیا کہ: آپ کو بھی اجتماع میں رُکنا ہے۔

میں نے اپنے ٹراویل ایجنٹ (Travel Agent) کو فون کیا کہ: ایک اللہ کے ولی کا ایسا حکم ہے، آپ میری ٹکٹ بدل دو۔

انھوں نے ٹکٹ بدل دیا۔

پینتالیس (45) ملکوں کے لوگ اس جوڑ میں شامل تھے۔

الحمدللہ! میں بھی تینوں دن اس میں شامل رہا۔

حضرت حافظ پٹیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حافظ پٹیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ ڈابھیل کے قریب ''ٹکولی'' کے وطنی تھے، جامعہ ڈابھیل میں حفظ کیا، پھر برطانیہ تشریف لے گئے اور برطانیہ میں دعوت کی مبارک محنت کو شروع کرنے والوں میں آپ کا نام خاص طور پر نمایاں ہے، آپ کی فکروں سے یورپ اور امریکہ اور ویسٹ انڈیز کے جزائر میں دعوت وتبلیغ کا کام خوب پھیلا۔

آپ کے بیٹے مولانا سعید پٹیل صاحب، مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامعہ ڈابھیل میں پڑھے، حضرت حافظ صاحب نے امریکہ اور پناما میں بھی بہترین معیاری دارالعلوم قائم کیے اور ٹکولی میں بھی مدرسہ دارالعلوم دعوۃ الایمان قائم کیا اور اس وقت بوسنیا (Bosnia) میں بھی فکریں ہو رہی ہیں۔

مدرسہ، خانقاہ اور دعوت تینوں مبارک سلسلے سے مربوط تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا یوسف صاحب متالا کے خلیفہ تھے۔

علما، صلحا سے بڑی محبت فرماتے تھے، ہر ایک کو تحفے ہدایا پیش کرتے تھے، میرے ساتھ خورد نوازی کا مثالی معاملہ فرماتے تھے، میرے مرحوم بھائی مولانا محمد اور ان کے بچوں کے ساتھ کامل اپنائیت کا برتاؤ کرتے تھے، ابھی حال ہی میں ۱۸ر فروری ۲۰۱۶ء بروز جمعرات بعد المغرب آپ کا انتقال ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرمائے، درجات بلند فرمائے، آمین۔

استنبول کا تبلیغی مرکز اور دینی ماحول

ماشاء اللہ! ترکی میں موجودہ حکومت کی دین پسندی اور دینی محبت کی وجہ سے

اس وقت استنبول میں کافی دینی چہل پہل دیکھنے کو ملتی ہے، پہلے سفر اور دوسرے سفر میں کافی تبدیلی نظر آئی۔

پہلے سفر میں اسلامی لباس دیکھنے کے لیے نگاہیں ترستی تھیں، بہنوں میں برقعہ وغیرہ عام طور پر نظر نہیں آتا تھا، صرف شیخ آفندی کی خانقاہ والے علاقے میں پردہ اور اسلامی لباس نظر آتے تھے۔

لیکن اس دوسرے سفر میں حیرت انگیز دینی تبدیلیاں نظر آئیں، اب جا بجا بازاروں میں، ٹرینوں میں، ایئرپورٹ پر مسلمان عورتیں اسلامی برقعے میں نظر آتی ہیں، لڑکیوں میں بھی نقاب خوب عام ہو رہا ہے، داڑھیاں اور اسلامی لباس میں مزین مردوں کی بہت بڑی تعداد نظر آتی ہیں، پہلے سفر کے موقع پر ان سب چیزوں کے لیے بڑے شہروں میں کافی کمی نظر آتی تھی، اب الحمد اللہ! اللہ کے فضل سے بڑی دینی بیداری نظر آتی ہیں۔

استنبول میں دعوت و تبلیغ کا مرکز بھی بڑا عالی شان، وسیع تیار ہو گیا ہے، پہلے سفر کے موقع پر چوں کہ میرا برطانیہ سے ترکی جانا ہوا تھا اور عزیزم مولوی عمران پٹیل زید مجدہ ساتھ تھے، انھوں نے ہوٹل کے کمرے انٹرنیٹ سے بُک کروار کھے تھے۔

لیکن میں حضرت مفتی صاحب کی آمد سے ایک روز پہلے استنبول پہنچ گیا تھا، وہاں جا کر ہوٹلوں کا ماحول اور ہوٹلوں کا جائے وقوع دیکھ کر ان میں قیام کرنا کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوا تھا، تو بک کروائی ہوٹل کے پیسے بھی ہوٹلوں کے قانون کے مطابق ایسے ہی چھوڑ دینے پڑے اور تبلیغی مرکز پر قیام کرنا پسند کیا۔

برطانیہ ہی سے استنبول کے مرکز کا کچھ پتہ مل گیا تھا اور پہلے سفر کے وقت استنبول کی میٹرو ٹرین کا آخری اسٹیشن یہی تبلیغی مرکز والا علاقہ تھا۔

اگرچہ اس دوسرے سفر میں یہ دیکھنے میں آیا کہ میٹرو ٹرین کی پٹریاں شہر کے مزید پھیل جانے کی وجہ سے مرکز کے علاقے سے بھی کافی آگے تک چلی گئی ہے، البتہ تبلیغی مرکز والی مسجد ہی کے نام سے اس علاقے کے ریلوے اسٹیشن کا نام بھی رکھا گیا اور اس اسٹیشن کو "مسجدِ سلام" کہتے ہیں اور یہ حکومت کی دین داری کی ایک اور دلیل ہے، جیسے ہمارے یہاں دہلی میں تبلیغی مرکز حضرت نظام الدین کے علاقے میں آتا ہے اور اس نام سے اب ٹرینیں بھی چلتی ہیں۔

خیر! تبلیغی مرکز کو مسجدِ سلام کہتے ہیں، وہاں اطراف وجوانب کے ملکوں سے جماعتوں کا آنا جانا ہوتا رہتا ہے، ہمارے پہلے سفر کے وقت ایران، بوسنیا کی جماعتیں آئی ہوئیں تھی اور بوسنیا کی جماعت میں دارالعلوم کراچی کے پڑھے ہوئے ایک مولوی صاحب تھے، جو ترکی زبان سے بھی بڑے واقف تھے اور انھوں نے ہمارے بیانوں کا ترکی زبان میں ترجمہ کرنے کی بڑی خدمت کی۔

پہلے سفر کے موقع پر میرے برطانیہ سے ترکی پہنچنے کے ایک دن بعد جب حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم قافلے کے ساتھ بمبئی سے ترکی پہنچے تو آپ نے بھی مرکز کے اس قیام کو بہت پسند فرمایا اور مرکز کے ذمے داران بھی ہندوستانی علما کے اس قافلے سے بہت خوش تھے اور ان کی درخواست یہ رہتی تھی کہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد ہم میں سے کسی کا بیان ہوجایا کرے، الحمدللہ! چھ دن روزانہ فجر بعد دینی بات کرنے

کی سعادت ہم لوگوں کو حاصل رہی۔

ایک دومرتبہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا خطاب ہوا، ایک مرتبہ دارالعلوم لیسٹر کے مہتمم مولانا اسماعیل مدظلہ کا خطاب ہوا، چار مرتبہ مجھے دینی بات پہنچانے کی سعادت حاصل ہوئی اور مرکز کے ساتھیوں میں سے بھائی ابراہیم عمر ناشتے کے بعد اپنی گاڑی میں لے کر مختلف زیارتوں کے لیے لے جاتے، بمبئی سے حضرت مفتی صاحب کے ساتھ کھانا بھی بڑی مقدار میں آیا تھا، اسی لیے مرکز کے مطبخ میں اس کو گرم کر کے ہم استعمال کرتے تھے۔

ترکی کا کھانا

ترکی کے لوگوں کے کھانے میں ذرہ برابر بھی مرچ مسالے نہیں ہوتے، البتہ ترکش کباب بہت ہی عمدہ لذیذ ہوتے ہیں، ترکی کی مٹھائی بھی بہت عمدہ اور مشہور ہوتی ہے، ترکی مرکز پر یہ دیکھا کہ دسترخوان پر مرچ کے ڈبے رکھے جاتے ہیں، جس طرح ہمارے یہاں نمک کے ڈبے رکھے جاتے ہیں وہاں مرچ اور نمک دونوں رکھے جاتے ہیں، ہمارے رفقائے سفر بڑی مقدار میں مرچ ملا کر کھاتے تھے؛ تاکہ کسی درجہ ہماری طرح کا ذائقہ پیدا ہو سکے۔

ایک مرتبہ مرکز پر ہم نے خود کھانا تیار کیا، وہاں کے طعام کے ذمے دار ساتھی ہماری مرچ کی مقدار دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے کہ آپ اس قدر مرچ کھاتے ہیں، کچھ اس طرح کا نظارہ ''ری یونین'' کے سفر میں ہوا کہ وہاں بالکل کم مرچ کا کھانا ہوتا ہے؛ اس لیے ہری پیسی ہوئی مرچ کی ڈبیاں ہر دسترخوان کا جزولاینفک ہوتی ہیں، خاص طور

پر جب دوسرے ملک کے مہمان دسترخوان پر ہوں تب؛ تا کہ ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق مرچ ملائے۔

ہم لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ دودھ اور چائے تک مسالے والے پسند کرتے ہیں، پھگوں پر بھی مسالے چھڑکتے ہیں اور کھانے کا اثر مزاج پر پڑتا ہے، جو ہمارے کھانوں سے ہمارے مزاج میں نمایاں ہیں۔

عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے واقعے پر ایک ترکی عالم کا عجیب جملہ

فجر کی نماز کے بعد کے بیان میں مرکز پر مقیم ترکی حضرات اس کے علاوہ آئی جماعتوں کے افراد اور مختلف محلوں کے تبلیغی ذمے دار احباب شریک ہوتے، ساتھ ہی قریب کی مساجد کے ائمہ اپنی مسجدوں کی نماز سے فارغ ہوکر اس بیان میں شامل ہوتے، ایک روز فجر کے بعد بیان میں بندے نے عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز واقعہ بیان کیا، بیان کے بعد ترکی کے ایک مؤقر عالمِ دین میرے پاس آئے اور مجھے سناتے ہوئے بہت زور سے کہ مجمع کے اکثر افراد سن سکیں اس طرح کہنے لگے کہ:

ہندوستانی علما کی جماعت یہیں رہ کر اس وقت تک دین کی محنت برابر کرتی رہے گی، جب تک کہ خلافت پھر سے استنبول میں قائم ہوجائے۔

پھر انھوں نے مجھے اس واقعہ کا کسی عربی کتاب کا حوالہ پوچھا، باادب دو حوالے عرض کیے گئے۔

آپ حضرات کے ایمان کی تازگی کے لیے ہمارے جامعہ ڈابھیل کے تیسرے شیخ الحدیث، مفسرِ قرآن، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، جن کے بابرکت حجرے میں قیام کی بندے

کو اس وقت سعادت حاصل ہے، ان کی ایک تقریر سے وہ واقعہ لفظ بہ لفظ نقل کرتا ہوں:

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز واقعہ

ایک جہاد میں حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کچھ اور مسلمانوں کے ساتھ رومیوں کے ہاتھ قید ہو گئے تھے، عیسائی بادشاہ کو خبر ہو گئی تھی کہ محمد کے ماننے والوں کے ایمان پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔

اس نے اس موقع پر اس بات کو آزمانا چاہا اور حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ جو قید ہو چکے تھے ان سے کہا کہ: میں تم سے اپنی لڑکی کی شادی کر دوں گا اور سلطنت کا ایک حصہ تمھیں دے دوں گا اگر تم اپنا دین چھوڑ دو اور عیسائی بن جاؤ۔

انھوں نے تعجب سے جواب دیا کہ: تو مجھے طمع دلاتا ہے، اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی مجھے دے دے پھر بھی یہ بات نہیں ہو سکتی۔

جب اس نے دیکھا کہ لالچ دینے سے تو کام نہ بنا تو تکلیف دینا شروع کی اور قید خانہ میں ڈال دیا اور کھانا پانی دینا بند کر دیا، جب بالکل مخمصہ کی حالت کو پہنچ گئے تو ان کے سامنے خنزیر کا گوشت اور شراب پیش کی گئی، باوجود یہ کہ حالتِ مخمصہ میں ان کے لیے ان چیزوں کا بقدرِ ضرورت استعمال جائز تھا؛ مگر غیرتِ اسلامی کی بنا پر اس خیال سے کہ میں یہ کھالوں گا تو یہ لوگ خوش ہوں گے کہ دیکھا اب بھوک کی وجہ سے اسلام کہاں گیا؟ کچھ نہ کھایا۔

بادشاہ نے ان کو بلا کر پھر وہی لالچ دیا اور سمجھایا۔

انھوں نے پھر وہی جواب دیا۔

تو اس نے یہ تدبیر کی کہ ایک بڑی دیگ میں تیل گرم کرنا شروع کیا، جب وہ گرم ہوتے ہوتے تقریباً آگ ہو گیا تو عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو وہاں کھڑا کیا اور ان کے سامنے قیدیوں میں سے ایک کو اس کے اندر ڈال دیا۔ جو حال ہونا چاہیے تھا ظاہر ہے۔

پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سمجھایا کہ: دیکھو! تم سے بھی یہی معاملہ کیا جائے گا، اب بھی میری بات پر عمل کرلو۔

انھوں نے انکار کیا۔

تو ان کو بھی اس میں ڈالنے کا حکم دیا۔

جب ڈالنے کے لیے ان کو لے جا رہے تھے اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

بادشاہ سمجھا کہ اب شاید خوف زدہ ہو کر میرا مطالبہ تسلیم کرلیں گے؛ اس لیے ان کو واپس بلوایا اور کہا کہ: معلوم ہوتا ہے کہ اب تم میری بات تسلیم کرلوں گے۔

انھوں نے جواب دیا کہ: تجھے مغالطہ ہوا ہے، یہ رونا جان جانے کے خوف سے نہیں؛ بلکہ مجھے اس پر حسرت و افسوس ہوا کہ میں اللہ کے راستے میں فقط ایک ہی حقیر جان پیش کر رہا ہوں، کاش! اگر میرے ہر بنِ مو کی جگہ ایک ایک جان ہوتی تو ان سب کو اللہ کی راستے میں قربان کر دیتا، تب مجھے پوری خوشی ہوتی۔

ان باتوں کو سن کر بادشاہ نے کہا کہ: اگر تم میری پیشانی کو ایک بوسہ دے دو (یہ تعظیمی چیز تھی) تو چھوڑ دوں گا۔

انھوں نے پوچھا کہ: فقط مجھے چھوڑ دوں گے یا میرے ساتھیوں کو بھی۔

اس نے کہا: سب کو چھوڑ دوں گا۔

ان حضرات کی تو حکیمانہ سمجھ تھی، جب صرف اپنی جان بچانے کا معاملہ تھا تب تو وہ کیا جو اوپر ذکر ہوا، اب جب دیکھا کہ ایک معمولی بات پر چند مسلمانوں کی جان بچ جاتی ہے اور وہ سب اعداء اللہ کے نرغے سے رہائی پاتے ہیں تو منظور کرلیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر سب کو چھڑا کر لے آئے۔

چنانچہ ان کی آمد کی خبر مدینہ میں پہنچی، یہ خلافتِ فاروقی کا زمانہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پورے واقعہ کی خبر پہلے ہو چکی تھی، انھوں نے تمام مسلمانوں سے کہا کہ: عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے استقبال کو چلو، ہر مسلمان پر ان کا حق ہے کہ ہر ایک ان کی پیشانی کو بوسہ دے، میں بھی استقبال کو جاؤں گا اور بوسہ دوں گا۔

چنانچہ مدینہ والے مع امیر المؤمنین کے ان کے استقبال کے لیے باہر آئے اور ہر ایک نے بطورِ اکرام وتعظیم ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اس قسم کی جاں نثاری کے بے شمار واقعات ہیں اور پوری تاریخ شاہد ہے۔

اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ لو کہ! دین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں حبِ طبعی کہاں گئی؟

اس حدیث میں ایسی ہی محبت کی ترغیب ہے۔ (فضل الباری شرح بخاری ۱؍۳۴۰)

ترکی کے مسلمانوں کی خدمت گزاری اور عجیب سوال

پہلے سفر کے موقع پر، اسی طرح اس دوسرے سفر کے موقع پر ترکی کے مسلمانوں

سے مل کر یہ بات سمجھ میں آئی کہ یہ لوگ خدمت کا بڑا عجیب جذبہ رکھتے ہیں:

پہلے سفر کے موقع پر کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ٹرینوں میں لوگ ہمارا ٹکٹ خود سے لے لیتے اور شرافت کا یہ عالم کہ بتاتے بھی نہیں؛ بلکہ جب ہم ٹکٹ کنڈکٹر (Conducter) کو ہمارے ٹکٹ کے پیسے آگے بڑھاتے، تب وہ بتاتے کہ: فلاں صاحب نے آپ کے ٹکٹ کے پیسے ادا کر دیے ہیں۔

رہبری کا بھی بڑا اچھا جذبہ ان میں دیکھا، بہت سی مرتبہ یہ ہوا کہ ہم نے کسی سے کسی جگہ کے متعلق پتہ دریافت کیا تو وہ خود چل کر پتہ دکھانے کے لیے آئے، ایک موقع پر ایک صاحب قریب تین، چار، کلومیٹر تک صرف رہبری کے لیے آئے۔

البتہ پہلے سفر کے موقع پر دل کو ہلانے والی ایک بات یہ پیش آتی تھی کہ ہمارے لباس اور وضع قطع کو دیکھ کر ٹرین وغیرہ میں بہت سے لوگ تعجب سے سوال کرتے کہ: آپ کون سے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟

ایک موقع پر کچھ ترکی حضرات ہم سے انگریزی میں یہ سوال کر رہے تھے، تو حضرت مفتی صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ: یہ کیا کہہ رہے ہیں؟

میں نے عرض کیا: ہم سے پوچھ رہے ہیں کہ آپ کا مذہب کونسا ہے؟

اس طرح کے عجیب سوال سے رنجیدہ ہو کر حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے مجھ سے یوں فرمایا کہ: تم ان سے پوچھو کہ تم ہم کو کس مذہب پر سمجھتے ہو؟

خیر! اس دوسرے سفر میں تو اس طرح سوالات کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، یہ بھی ایک دینی بیداری کی بات ہے۔

تبلیغی اجتماع

اس دوسرے سفر کے موقع پر استنبول میں پورے یورپ کا مشاورتی جوڑ بھی ہورہا تھا اور اسی جوڑ کی مناسبت سے حضرت حافظ پٹیل صاحب نوراللہ مرقدہ نے میری ٹکٹ کی تاریخ میں کچھ تبدیلی بھی کروائی تھی جس کی برکت سے اس مشاورتی جوڑ میں شرکت کی مجھے بھی سعادت حاصل ہوگئی۔

اس جوڑ میں ہندوستان سے مولانا اسماعیل صاحب گودھروی صاحب مدظلہ العالی ایک جماعت کے ساتھ کئی روز پہلے سے تشریف لائے ہوئے تھے۔

ساؤتھ افریقہ سے مولانا یوسف صاحب توتلا مدظلہ العالی جو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ صاحب کے خلیفہ ہیں، وہ بھی ایک بڑی جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہوئے تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ صاحب نے جب اسٹینگ ساؤتھ افریقہ میں رمضان المبارک کے مہینے میں قیام فرمایا تھا تو اس وقت وہاں کے میزبانوں میں مولانا یوسف توتلا صاحب پیش پیش تھے اور مخدومی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کی معیت میں ساؤتھ افریقہ کے سفر کے موقع پر ان کے دولت کدے پر ایک رات قیام کی سعادت بھی مجھے حاصل ہوئی۔

مولانا یوسف صاحب توتلا مدظلہ العالی اتنے بڑے صاحبِ نسبت بزرگ ہونے کے باوجود خود اپنے ہاتھ سے مہمانوں کا بستر لگانا اور دوسری خدمات کرنے کا کام انجام دیتے ہیں۔

اس اجتماع میں ہمارے گجرات کی ایک تبلیغی جماعت بھی وہاں موجود تھی۔

شیخ یونس تیونسی بھی اجتماع میں

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب کی معیت میں فرانس کے پہلے اور دوسرے سفر کے موقع پر پیرس کے ہمارے میزبان مولانا ہارون صاحب ٹنگاری مدظلہ نے وہاں کے تبلیغی مرکز پر قیام بھی کروایا اور بیان بھی کروایا۔

پیرس میں مقیم تیونس کے ایک بڑے عالمِ دین شیخ یونس حفظہ اللہ جو اصلاً تیونس کے ہیں، انسانیت کی اصلاح کا بڑا درد رکھتے ہیں اور فرانس میں دعوت وتبلیغ کی محنت کے بانیوں میں سمجھے جاتے ہیں، ان سے بھی بڑی محبت کے تعلقات جانبین سے ہو گئے، بیان میں مجمع کو رُلانا اور خود بھی رونا اور دینی فکر بیدار کرنے کا اللہ نے ان کو عجیب ملکہ عطا کیا ہے۔

ہمارے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے عاشق زار ہیں، عمر میں بڑے ہونے کے باوجود علمی استفادے کا عجیب وغریب جذبہ رکھتے ہیں، پیرس میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم اور میرے بیان کے وقت قلم اور کاپی لے کر باتوں کو نوٹ کرتے اور جو باتیں چھوٹ جاتیں وہ بیان کے بعد کھانا، پینا، راحت سب کچھ قربان کر کے رات دیر تک پوچھ کر نوٹ کرتے۔

اور دینی باتیں دریافت کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہوئے چلتے ہیں کہ آپ کو یہ باتیں لکھوانے میں تکلیف تو ہو رہی ہے؛ چونکہ آپ سفر میں ہو، مسلسل بیانات ہو رہے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود یہ سب باتیں آپ مجھے نوٹ کروائیے، میں آپ کی باتوں پر عمل کروں گا اور جہاں کہیں جاؤں گا، پہنچاؤں گا، جس سے آپ کو بھی بڑا اجر ملے گا۔

ان کی اس طرح کی مثالی طالب علم کی باتیں سن کر کے تھکان، نیند اور طعام کے تقاضے کے باوجود ہم کو بھی بیٹھنے کی ہمت ہو جاتی۔

محترم شیخ یونس صاحب حفظہ اللہ بھی استنبول کے اس جوڑ میں تشریف لائے ہوئے تھے، ان سے بھی اچھی خاصی ملاقاتیں، مذاکرے بھی ہوتے رہے۔

شیخ موصوف ہمارے جامعہ ڈابھیل بھی تشریف لاتے رہتے ہیں۔

دارالعلوم زکریا ساؤتھ افریقہ اور ترکی کے طلبہ

دعوت وتبلیغ کی محنت کی برکت سے ترکی کے کچھ بھائیوں کے دلوں میں ہمارے دارالعلوم دیوبند والی ترتیب سے اپنے بچوں کو پڑھانے کا شوق پیدا ہوا، تو یہاں کے ذمے داروں میں بھائی ابراہیم عمر صاحب نے اپنے بیٹوں کو جامعہ زکریا پڑھنے بھیجا اور ایک دوسرے احمد نام کے طالب علم بھی جامعہ زکریا میں پڑھتے ہیں۔

جامعہ زکریا کے مدیر اور وہاں کے مؤقر اساتذہ کی ایک جماعت ہمارے حضرت مفتی صاحب کے شاگردین ومریدین میں سے ہیں۔

جامعہ کے مدیرِ محترم اور دیگر اساتذہ نے ترکی کے ان طلبہ کو افریقہ سے فون کر دیا، جس کی برکت سے بھائی ابراہیم عمر نے خوب رہبری اور خدمت کی اور اپنے گھر پر کھانے کی شاندار دعوت بھی کی۔

شیخ احمد ترکی حفظہ اللہ کے ریسٹورنٹ میں بہت ہی اعلیٰ قسم کی دعوت ہوئی۔

دور دراز کے ملکوں میں اس قدر اکرام یہ اللہ کے فضل سے دینی، علمی نسبتوں کی برکات ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں جس کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

توپ کاپی میوزیم میں فتحِ استنبول کا عجیب دل کش نظارہ

استنبول میں توپ کاپی میں قصر الخلافہ جن میں تبرکات اور نوادرات، جواہرات اور اسلحات کا ایک نادر اور عظیم ذخیرہ ہے، اسی طرح کی ایک جگہ اور ہے جس کو بھی توپ کاپی میوزیم کہتے ہیں، پہلے سفر کے موقع پر بھی وہاں جانا ہوا تھا، وہاں کچھ نادر خطوط اور تصویرات کے البم (Album) محفوظ ہیں، اب اس دوسرے سفر کے موقع پر جب اس میں حاضری ہوئی تو اس میں اب بہت کچھ اضافے اور توسیعات ہو چکی ہیں۔

سب سے بڑی دل چسپ چیز اب یہ ہو گئی ہے کہ فتح استنبول کے واقعات جو کتابوں میں پڑھنے کو ملتے ہیں اس کا دل چسپ نظارہ تیار کیا گیا ہے، جس میں وہ تمام واقعات زندہ تصویروں کی شکل میں دکھائے جاتے ہیں اور فتح کے تاریخی واقعے کے متعلق پرانی یادگار چیزوں کو نہایت مرتب انداز سے رکھ کر بولتی تصویروں کی شکل میں دکھایا جاتا ہے، فاتح انسانوں کی مصنوعی آواز، جانوروں کی آوازیں، اسلحے گولے بارود کی آوازیں، ایک عجیب انداز میں دکھائی جاتی ہیں، جہاں کھڑے رہنے کے بعد ہٹنے کا دل نہیں چاہتا، ایسا لگتا ہے کہ فتح کا واقعہ ہمارے سامنے ہو رہا ہے اور فریضۂ منسیہ متروکہ کے پاکیزہ جذبات بیدار ہو جاتے ہیں۔

حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کا مزار

پہلے سفر میں ایک روز شام کے وقت بھائی ابراہیم عمر اپنی گاڑی سے استنبول کے ایک طرف اونچے پہاڑ پر ہم کو لے گئے، جس پر سے تقریباً پورے شہر کا نظارہ ہمارے

سامنے تھا، استنبول کے سمندر اور ایشیا اور یورپ کو جوڑنے والے پل کا منظر بھی سامنے تھا اتنے میں مغرب کی اذان کا وقت ہو گیا اور استنبول شہر کی ہزار ہا مساجد کے میناروں سے ایک ساتھ بلند ہونے والی اذان کا پرکیف منظر ایمان کو تروتازہ کر گیا۔

وہاں کی مساجد میں عام طور پر یہ ماحول بھی ہے کہ فرض نماز کے بعد پانچ سے دس منٹ تک بہت ہی عمدہ قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے، ایک قاری صاحب قرآن پڑھتے ہیں اور سب لوگ سنتے ہیں، پھر فاتحہ کا لفظ زور سے بولا جاتا ہے اور مختصر دعا کے بعد لوگ اپنے کاموں کی طرف نکل جاتے ہیں۔

اسی پہاڑ پر ہم نے مغرب کی نماز ادا کی، نہایت سخت سردی تھی، مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر بھائی ابراہیم عمر ایک دوسرے پہاڑ پر لے گئے، وہاں حضرت یوشع علیہ السلام کا مزار بتلایا جاتا ہے، ہم نے وہاں عشا کی نماز ادا کی اور پھر ہم قیام گاہ مرکز کی طرف واپس لوٹے۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا مزار جورڈن میں بھی بتلایا جاتا ہے، وہاں پر بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے اور جورڈن میں جس پہاڑی پر حضرت یوشع علیہ السلام کا مزار بتلایا جاتا ہے، وہاں سے مسجدِ اقصیٰ کا گنبد جب افق صاف ہوتا ہے تب نظر آتا ہے اور اس کا بھی بڑا عجیب منظر ہوتا ہے۔

ان شاء اللہ اس کا تفصیلی تذکرہ تیسری جلد میں آئے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام والی مچھلی

قرآنِ مجید میں سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا

واقعہ آیا ہے، جو مزید تفصیلات کے ساتھ بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔

اس واقعے میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تو علامت کے طور پر ایک مچھلی ساتھ میں تھی، بھنی ہوئی یہ مچھلی سفر میں غذا کا کام بھی دیتی تھی اور جہاں زندہ ہو جاوے اس کے قرب وجوار میں حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات ہوگی، یہ علامت بھی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام اس مچھلی کو ایک طرف سے پورا کھا چکے تھے اور ایک طرف کا گوشت کھانے کی وجہ سے اس طرف کا کانٹا بھی سامنے نظر آنے لگا تھا، جب کہ دوسری طرف گوشت ابھی باقی تھا اور وہ مچھلی اللہ رب العزت کی قدرت سے زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی، معارف القرآن اور دوسری تفاسیر میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ اس مچھلی کی نسل آج تک موجود ہے۔

الحمد للہ! ۱۹۹۹ء ـــ ۲۰۰۰ء کے سال رمضان کے مہینے میں ۵ ر رمضان سے لے کر عید کے بعد تک پناما میں دینی نسبت سے قیام کی پہلی مرتبہ بندے کو سعادت حاصل ہوئی تھی۔

پناما میں مقامی علما اور دین دار لوگوں کے ایک قافلے کے ساتھ ساحلِ سمندر پر جانا ہوا، تو ساحل کے قیام کے وقت پناما کے مشہور عالمِ دین مفتی عبد القادر صاحب کے چھوٹے بھائی صالح بھائی جو عزیزِ مکرم مولوی احمد بھٹیؒ کے والد ہوتے ہیں اور علما سے بڑی محبت رکھتے ہیں اور بڑی خدمت کرتے ہیں، وہ کہیں سے ڈھونڈ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مچھلی کی نسل کی تازہ مچھلیاں لے آئے تھے۔

انھوں نے بتایا کہ: اس نسل کی مچھلیاں بہت ہی کم مارکیٹ میں آتی ہیں اور

گراں قیمت ہونے کے باوجود بھی خاص طور یہودی لوگ فوراً اس کو خرید لیتے ہیں۔

بحمد اللہ! پاناما میں ''سمکِ موسیٰ'' سے محظوظ ہونے کا موقع ملا تھا، پھر بعد کے اسفار میں بھی یہ موقع ملتا رہتا ہے۔

اسی سال ربیع الاول کے مہینے میں جب مصر کا سفر ہوا تو اسکندریہ شہر میں اس مچھلی کو دیکھنے اور اس سے محظوظ ہونے کا موقع ملا۔

وہ مچھلی بھی عجیب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے، اس کی نسل آج تک اسی طرح ہے، ایک طرف گوشت ہے، دوسری طرف صرف کانٹا ہی ہے، گوشت بالکل نہیں ہوتا اور کانٹے کے اوپر چمڑی ہوتی ہے، اسی طرح اس مچھلی میں توالد وتناسل کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

الحمد اللہ! دینی اسفار کی برکت سے عالم کے پانچوں برِ اعظم میں مختلف قسم کی مچھلیوں سے محظوظ ہونے کا موقع ملتا رہتا ہے؛ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کی برکت سے جو لذّت اس قسم کی مچھلی میں ہے، وہ دنیا کی کسی اور مچھلی میں دیکھنے کو نہیں ملی۔

شانلی اورفہ (عرفہ) (SanliUrfa) کا تعارف

یہ ترکی کے مشرقی حصے میں واقع ہے، یورپ میں سب سے پہلا قرآن کا ترجمہ اسی شہر کے قریب فرانسی راہب ''بطرس'' نے کرایا۔

1517ء میں عثمانی خلفا اس شہر میں داخل ہوئے، عثمانی خلافت کے ختم کے بعد یہ شہر ترکی کا حصہ بن گیا۔

638ء میں مسلمان صلحاً داخل ہوئے۔

1098ء میں صلیبیوں کے قبضے میں چلا گیا۔

1144ء میں عماد الدین زنگیؒ نے دوبارہ فتح کرلیا۔

اس شہر کے متبرک مقامات میں سے یہ ہیں:

(۱) مسجدِ صلاح الدین ایوبیؒ ے ۵۹۳ھ میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔

(۲) بحیرۂ سمکیہ: کہا جاتا ہے کہ جس آگ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ڈالا گیا تھا وہ آگ پانی میں تبدیل ہوگئی اور اس میں مچھلیاں موجود ہیں۔

(۳) کہفِ میلادِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام وجامع خلیل الرحمن: وہ مقام جہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی، وہاں ایک مسجد بھی بنادی گئی۔

نوٹ: ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت میں اور روایات بھی ہیں۔

(۴) مقام النبی ایوب وقبرہ: جس مقام پر حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے بدن پر پانی بہایا تھا اور آپ کو شفا ہوئی تھی۔

(بشکریہ: شیخ اویس گودھرا مدظلہ)

شانلی عرفہ (حران) کی زیارت کی تمنا

پھر آگے ایک اور زیارت کی بہت تمنا تھی اور اس سے پہلے جب ہمارا حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ سفر ہوا تھا تو وہاں نہیں جاسکے تھے، وہ ترکی کا ایک علاقہ ہے جو کسی زمانے میں شام کا حصہ تھا؛ لیکن پہلی عالمی جنگ کے بعد عالم کے نقشے گڑ بڑائے تو یہ ملک شام کا حصہ ترکی میں آ گیا، استنبول سے ہوائی جہاز سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے، اس کا نام ''عرفہ'' ہے، الحمد للہ! اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے

وہاں کی حاضری بھی نصیب فرمائی۔

"عرفہ"، جس کا تفسیر کی کتابوں میں "حران" نام ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت میں حضرات مفسرین نے "حران" کا تذکرہ کیا ہے، کئی تفسیروں میں اس کا تذکرہ آیا ہے اور اسی علاقے کو آج "عرفہ" کہتے ہیں۔

منیا ترکیہ (Minia Turkiya)

ترکی کے پہلے سفر کے موقع پر استنبول میں بھائی ابراہیم عمر ایک جگہ پر لے گئے تھے، جہاں پورے ترکی کے تمام شہروں میں مختلف تاریخی یادگاریں اور عجا کتبات ہیں، ان کا نمونہ بنایا گیا ہے، گویا پوری ترکی کی تمام ہی اہم یادگاروں کو چھوٹی چھوٹی عمارتوں میں بنا کر ایک احاطہ میں رکھا گیا ہے، اسی جگہ پر علامہ رومیؒ کے مزار اور خانقاہ کا نظارہ بھی دیکھا تھا، جو حقیقت میں استنبول سے کافی دور "کونیا" شہر میں ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت، نارِ نمرود، گوپھن، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام کے مزارات وغیرہ سب چیزوں کے چھوٹے چھوٹے اصل کی طرح بعینہ نمونے بنائے گئے ہیں۔

الحمد اللہ! اس دوسرے سفر میں ان مقامات کی زیارتِ اصل ان جگہ پر جا کر کرنے کا موقع حاصل ہو۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش کی زیارت

بہر حال! ہم لوگ صبح کی فلائٹ سے عرفہ پہنچے تو چونکہ وہاں پہلے ہی سے دعوت

وتبلیغ کے ذمے دار ساتھیوں کو اطلاع ہو چکی تھی کہ ہندوستان کے کچھ علما آرہے ہیں، ان میں خاص طور پر بھائی عبدالرحمن صاحب تھے جو کسی اسکول کے ٹیچر ہے؛ اس لیے وہ لوگ ہم کو ائیرپورٹ پر لینے کے لیے آگئے اور پھر کہا کہ: آج ناشتہ کرنے کے بعد ہم آپ کو پہلی زیارت حضرت ابراہیم علیہ السلام جہاں پیدا ہوئے تھے اس کی کراتے ہیں۔

دل میں بڑی بے چینی تھی کہ کب ہم ناشتے سے فارغ ہوں اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش کی زیارت کے لیے جائیں، ناشتے میں دل نہیں لگ رہا تھا کہ کب اس مبارک جگہ کو دیکھیں اور اپنی آنکھوں کو سکون پہونچے۔

ناشتے کے بعد ہم لوگ وہاں روانہ ہوئے، پہاڑ کے دامن کے ایک بڑے وسیع احاطے میں یہ جگہ واقع ہے، ویسے تو دور سے بورڈ شروع ہو گئے تھے "مَوْلِدُ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْم علیہ السلام" اور جیسے جیسے راستہ قریب ہوتا گیا دل میں اور شوق بڑھتا چلا گیا اور درودِ ابراہیم پڑھنا شروع کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: کثرت سے درودِ ابراہیم پڑھو۔

پستے کے درخت اور "گراناڈا" ملک کا حال

الحمد اللہ! دنیا کے مختلف ملکوں کے مختلف اسفار میں انواع واقسام کے پھل اور میوے کھانے کو ملتے ہیں اور بہت سی جگہوں پر ان کے درخت دیکھنے کو ملتے ہیں۔

"ویسٹ انڈیز" کے ایک سفر کے موقع پر وہاں کے ایک چھوٹے سے ملک "گراناڈا" جانا ہوا، یہ جزیرہ ہے، وہاں "خیر گاؤں" کے مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی آبادی ہے اور کچھ لوگ ہمارے بارڈولی کے بھی ہیں۔

اس "گراناڈا" ملک جانے کے لیے ہندوستانی پاسپورٹ والوں کو مطار پر

ویزا ملتا ہے، ایسے ممالک میں خاصی خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے ملک کی دوسرے ملک میں عزت ہے کہ یہاں پہلے سے ویزا نہیں لینا ہوتا، اس ملک کے ہوائی اڈے پر بڑے حروف سے لکھا ہے (''Spice Icelan'') یعنی یہاں انواع واقسام کے مرچ مسالے ہوتے ہیں۔

اس جزیرے میں چاکلیٹ، کیڈبری، جائفل، جاونتری، لونگ کے اس قدر درخت ہیں کہ جتنا چاہو خود توڑلو۔

اور پھلوں کی اتنی کثرت ہے کہ کوئی شخص کچھ کام نہ کرے اور عبادت کے واسطے اپنے آپ کو فارغ کردے تو بھی اطمینان سے بلامشقت پھل کھا کر بغیر پیسوں کے زندگی بسر کرسکتا ہے، یہاں پھل اور میوہ جات کی کثرت ہے۔

خیر! شانلی عرفہ مطار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت کی طرف جاتے ہوئے راستے میں کثرت سے پستے کی باڑیاں تھیں، راستے کے دونوں طرف خوش نما باڑیاں دیکھ کر ہم رُک گئے اور قریب جا کر پستے کے درختوں کو، پھول کو اور ابتدائی مرحلے کے پستوں کو دیکھا۔

عجیب اطمینان وسکون والی جگہ

پھر ہم ''مولد سیدنا ابراہیم'' والے احاطے کے دروازے میں داخل ہوئے، وہاں ایک عالی شان مسجد ''مسجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام'' بنی ہوئی ہے اور وہیں ایک بڑا پہاڑ ہے اور اس پہاڑ میں ایک غار ہے، جس غار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: اس غار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی، وہ عجیب غار ہے۔

وہاں کے علاقوں میں اول وقت میں ظہر پڑھنے کا رواج ہے؛اس لیے پہلے ہم نے ظہر کی نماز ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر ہم اس غار میں داخل ہوئے، جب ہم اندر داخل ہوئے تو ایسا لگ رہا تھا کہ اندر اے سی(A.C)مشین لگی ہوئی ہے، ایسی بہترین ٹھنڈک اندر تھی اور عجیب اطمینان اور سکون کی کیفیت تھی، اندر مصلے وغیرہ بچھے ہوئے تھے۔

نمرود کا خواب

وہاں کے علما جو عربی بھی جانتے تھے انھوں نے بتایا کہ:نمرود بادشاہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا، اس نے ایک خواب دیکھا تھا، اس خواب کی تعبیر اس کو بتلائی گئی تھی کہ:اللہ کے ایک نبی پیدا ہونے والے ہیں اور وہ تیری اس حکومت کے زوال کا ذریعہ بنیں گے۔

تو نمرود نے اس پیدا ہونے والے بچے کے انتظار میں اپنے سپاہیوں کو لگا دیا کہ وہ بچہ جب پیدا ہو تو اس کو قتل کر دینا اور ان کاہنوں نے اس خاندانِ ابراہیمی کا اشارہ تک نمرود کو بتا دیا تھا کہ فلاں خاندان میں وہ بچہ پیدا ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اور خدا کی عجیب شانِ تربیت

جب پیدائش کا وقت قریب آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ چپکے چپکے اس غار میں چلی گئی اور غار میں ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور عجیب اللہ کی شان کہ والدہ اپنے بچے کی پیدائش کے بعد بچے کو وہیں غار میں چھوڑ کر اپنے محلے میں چلی آئی؛ تا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے اور غار کے دروازے کو بھی بند کر دیا۔

اس طرح کی بات وہاں کے موجود علما بتاتے ہیں اور وہاں اس طرح کے کتبے بھی لگے ہوئے ہیں۔

یہاں پر یہ روایت بھی مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بکری کو مقرر کر دیا تھا، وہ بکری مقررہ وقت پر اس غار کے دروازہ پر جاتی اور وہاں پر بیٹھ جاتی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کا دودھ پی لیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ان کی والدہ بھی جاتی اور ان کو دودھ پلاتی تھی، اس طرح پورے پندرہ مہینے تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اس غار میں رہے۔

پانی کا عجیب چشمہ

ہم اس غار میں بیٹھے، ایک کونے میں ہم نے ایک نل دیکھا، لوگ آرہے ہیں، جارہے ہیں اور اس نل میں سے پانی بھر کر لے جارہے ہیں، ہم نے سوچا کہ چوں کہ یہاں ٹھنڈک بہت ہے تو پانی بھی ٹھنڈا ہوگا؛ اس لیے لوگ لے جاتے ہوں گے، ہم نے بھی پانی لیا۔

پھر بتایا گیا کہ: آپ یہ کانچ دیکھ رہے ہو، آدھا غار تو کھلا ہے جس میں ہم داخل ہوتے ہیں، ذکر و تلاوت کرتے ہیں اور آدھے غار پر کانچ لگا ہوا ہے، اس کانچ کے پیچھے ہمیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے پیچھے پتھر ہیں؛ لیکن ان علما نے ہم کو بتایا کہ: ذرا دھیان سے دیکھیے۔

جب ہم نے دھیان سے دیکھا تو ہم حیرت میں پڑ گئے کہ اس کانچ کے پیچھے پورا کا پورا ایک دم صاف ستھرا پانی ہے اور پانی کا ایک بڑا، وسیع، گہرا، نہایت شفاف حوض بنا ہوا ہے، اگر ہم کو بتلایا نہ جائے تو پتہ بھی نہ چلے کہ اس کے پیچھے پانی ہے۔

کہا کہ: یہ ایک چھوٹا سا چشمہ ہے اور خدا جانے یہ پانی کہاں سے آتا ہے اور ہم کو انھوں نے بتایا کہ: اس کے ساتھ ایک مشین لگی ہوئی ہے اور یہ ایک نل ہے جہاں سے روزانہ سینکڑوں لوگ آ کر پانی لے جاتے ہیں، ہم نے بھی اس کا پانی پیا، بہت میٹھا اور خوب ٹھنڈا۔

کہا کہ: یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قیام کی برکت ہے کہ صدیوں سے اتنی مقدار میں پانی ہے۔

بہر حال! ہم لوگ غار میں کافی دیر تک بیٹھے۔

نمرود کا قلعہ اور آگ والی جگہ

پھر انھوں نے کہا کہ: یہاں سے جلدی نکلو، ابھی اور ایک اہم جگہ دکھلانا چاہتے ہیں؛ چونکہ شام تک ان جگہوں سے لوٹ کر قیام کی جگہ واپس بھی آنا تھا۔

ہم نے کہا کہ: وہ کیا ہے؟

انھوں نے کہا کہ: نمرود کا قلعہ دیکھنا ہے۔

اور جس جگہ اس ظالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا وہ جگہ آپ کو دکھانی ہے۔

وہ جگہ ہم کو پہلے سفر سے معلوم تھی کہ وہ ترکی میں ہے؛ لیکن کسی وجہ سے ہم وہاں نہیں جا سکے تھے۔

کافی دیر تک گاڑی چلنے کے بعد ہم اس جگہ پر پہنچے، دیکھا کہ بڑے بڑے اونچے اونچے پہاڑ اور پہاڑ پر آج تک نمرود کے زمانے کا قلعہ بھی بنا ہوا ہے اور اس قلعے

پر جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ: اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ایک بڑی آگ جلوائی، تقریباً ایک مہینے سے زیادہ تک اس آگ کو بھڑکایا اور وہ آگ اتنی خطرناک ہوگئی تھی کہ کوئی قریب جانے کے لیے تیار نہ تھا۔

جب آگ بھڑک گئی اور آپ علیہ السلام کو اندر ڈالنے کا وقت آیا تو سوال پیدا ہوا کہ کون آپ کو آگ کے اندر ڈالے؟

ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لیے گوپھن

شیطان نے ہر ایسے موقع پر اپنے چیلوں کی مدد کی ہے، اس نے نمرود کو یہ سمجھایا کہ: ایک گوپھن بناؤ اور اس میں ابراہیم کو بٹھاؤ اور اس کو گھماؤ اور دور سے ابراہیم کو آگ میں ڈال دو، اس نے ایک گوپھن بنوائی، پورے انسان کو آگ میں ڈالنا تھا۔

آپ یقین جانیے! اس ظالم نے اونچے پہاڑ پر دو کھمبے (ستون) نصب کروائے اور وہ پتھر کے دو کھمبے ابھی تک موجود ہیں اور اس کھمبے کے درمیان گوپھن بنوائی، آپ کی اِس مسجد کے محراب سے مسجد کا جو دروازہ باہر ہے اس کی مسافت سے تقریباً ڈیڑھ گنا زیادہ دوری پر وہ گوپھن لگی ہوئی ہے اور آگ اتنی دوری پر سلگائی گئی تھی۔

قیامت کے دن سب سے پہلے لباس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا جائے گا

پھر وہ ظالم نمرود کے سپاہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس گوپھن کے پاس لے کر پہنچے، جیسا کہ حدیث میں موجود ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے

سے پہلے برہنہ کیا، بدن کے تمام کپڑے اتروا لیے۔

اللہ کو یہ ادا بہت پسند آئی؛ چوں کہ یہ اللہ کے دین کی خاطر کپڑے اتروائے گئے تھے، توحید کے خاطر، ایک اللہ کی عبادت کی دعوت کے خاطر؛ اس لیے حدیث میں فرمایا گیا کہ:

اول من یکسی یوم القیامة ابراھیم۔

قیامت کے دن سب سے پہلے جنتی لباس اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنائیں گے؛ اس لیے کہ اللہ کے دین کی خاطر ان کے کپڑے اتروائے گئے تھے۔

آگ کا گلستاں بن جانا

پھر اس ظالم نے آپ علیہ السلام کو گوپھن میں بٹھایا اور تقریباً پینتیس منزلہ کی اونچائی سے آگ میں پھینکا اور خدا کی شان اور ہمارا تو ایمان ہے کہ آگ اللہ کے حکم کے بغیر جلا نہیں سکتی، اگر اللہ کا حکم ہوگا تو وہ جلائے گی، ورنہ اس کے اندر جلانے کی تاثیر نہیں ہے، جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب اس ظالم نے آپ علیہ السلام کو آگ کے اندر ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم فرمایا کہ:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ (الانبیاء)

ترجمہ: ہم نے حکم دیا کہ: اے آگ! تو ابراہیم کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی (آرام) والی ہو جا۔

اور اسی کو کسی شاعر نے کہا ہے:

گر آج بھی ہو ابراہیم سا ایماں پیدا	آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

آج بھی اگر ہمارا ایمان حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا بن جائے تو آج بھی آگ باغ بننے کے لیے تیار ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کی آگ کا ایک منظر

قرآنِ مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا مفصل واقعہ آیا ہے، سترھواں پارہ، سورۂ انبیاء میں یہ واقعہ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

مفسرین کی لکھی ہوئی باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدلل تقریر سے ان کی قوم کے لوگوں پر بڑا اچھا اثر ہوا اور قریب تھا کہ وہ حق کو قبول کر لیتے، بتوں کا عاجز ہونا ان کو سمجھ میں آ گیا تھا؛ لیکن شیطان ان کے لیے رکاوٹ بن گیا، ابتدا میں لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر سن کر کے سرنگو ہو گئے، باری تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

ثُمَّ نُكِسُوا عَلٰى رُءُوسِهِمْ.

ترجمہ: پھر ان (مشرکوں) نے (شرم کے مارے) سر جھکا لیا۔

مگر کچھ دیر کے بعد پلٹ گئے اور پھر کفر کی بات کرنے لگے اور آپس کے مشورے سے انھوں نے یہ طے کیا جو قرآنِ مجید میں ان الفاظ سے منقول ہے:

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ (الأنبیاء)

ترجمہ: لوگوں نے کہا کہ: اس (ابراہیم) کو آگ میں جلا دو اور تمھارے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کو کچھ کرنا ہی ہے تو۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان بہت بڑی نعمت ہے۔

یہ کفار خود اپنی زبان سے بول رہے ہیں کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو جلاؤ اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔

وہ معبود کس کام کا جو دوسروں کی مدد کا محتاج ہو؟۔

حقیقی معبود وہ ہوتا ہے جو سب کی مدد کرے اور اس کو کسی کی مدد کی ضرورت نہ ہو۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ: قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گرفتار کیا، ایک کوٹھڑی میں بند کردیا اور اس کے اردگرد باڑ کی طرح ایک احاطہ کردیا گیا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ: آپ کے لیے ایک بہت بڑا گڑھا کھودا گیا اور ٹھوس قسم کی لکڑیاں آپ کو جلانے کے لیے وہاں اکٹھی کی گئیں، کافروں نے آپ کو پکڑ کر باندھنا شروع کردیا، جب لوگ آپ کو رسی سے باندھ رہے تھے تو آپ کی زبان سے یہ بابرکت کلمات جاری تھے:

لا الہ الا انت سبحانک لک الحمدولک الملک لا شریک لک.

ترجمہ: الٰہی! آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، آپ کی ذات پاک ہے، تمام تعریفیں آپ ہی کے لیے ہیں، سارے ملک کے آپ اکیلے مالک ہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

آپ کے خلاف عام کفار کا جوش وخروش اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ آپ کی ہلاکت کے نام سے تمام منتیں مانگی جاتی تھیں:

کوئی بیمار منت مانگتا تو یوں کہتا کہ: اگر میں اچھا ہوگیا تو ابراہیم کو جلانے کے

لیے لکڑیاں دوں گا۔

عورتیں مراد مانگتیں تو یوں کہتیں کہ: اگر ہماری مراد پوری ہوگئی تو ہم ابراہیم کو جلانے والی آگ میں، لکڑیاں ڈالیں گے۔

مرنے والے وصیت کرتے کہ: ہمارے مرنے کے بعد لکڑیاں خرید کر ابراہیم والی آگ میں شامل کردینا۔

عورتیں چرخا کات کر جو مزدوری ملتی اس سے لکڑیاں خرید کر نمرود کی خوشی کے لیے ڈھیر میں شامل کردیتی تھیں۔

غرض! بے مثال آگ آپ کے لیے جلائی گئی۔

تفصیلی روایت کہتی ہے کہ: گرگٹ کے سوا سب جانوروں نے آگ بجھانے کی کوشش کی۔

حدیث میں نبیٔ کریم ﷺ نے گرگٹ اور چھپکلی کو مارنے کا حکم دیا۔

لیکن اللہ کے یہاں کچھ اور ہی مقدر تھا، قیامت تک رہنے والی انسانیت کو یہ مقدس تعلیم دینی تھی کہ نفع ونقصان پہنچانے والے اسباب اپنی تاثیر میں اللہ کے محتاج ہیں، اللہ کے جلیل القدر نبی کو آگ میں ڈالا جارہا ہے اور آگ کے خالق کا حکم آپ کے نام پر آرہا ہے:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ (الانبیاء)

ترجمہ: ہم نے حکم دیا کہ: اے آگ! تو ابراہیم کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی (آرام) والی ہوجا۔

عجیب نظارہ دنیائے انسانیت نے دیکھا کہ جس رسی سے آپ کو باندھا گیا تھا، بس! وہ رسی جل گئی، آگ کی حرارت بالکل ختم ہوگئی، صرف آگ کی چمک اور روشنی باقی رہی۔

مفسرِ امت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹھنڈک کے ساتھ سلامتی کا لفظ نہ فرمایا جاتا تو سردی کی شدت کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مر جاتے۔

امام بغویؒ نقل کرتے ہیں کہ: ''یا نار کونی برداً'' کا حکم آتے ہی روئے زمین کی تمام آگیں بجھ گئیں، اس روز دنیا بھر میں کوئی آگ سے فائدہ نہیں اٹھا سکا، اگر اللہ تعالیٰ ''علیٰ ابراھیم'' نہ فرماتے تو شاید آگ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈی ہو جاتی۔

ان تفصیلی روایت کے پیش نظر بندے کا یہ خیال ہے کہ آج تک مشرکین کے یہاں سال میں ایک تہوار کا دن آتا ہے کہ جس میں وہ لوگ آگ کو استعمال نہیں کرتے ہیں، تمام ٹھنڈی یا باسی چیزیں استعمال کرتے ہیں، کوئی چیز گرمائی بھی نہیں جاتی، شاید یہ اسی دن کی یادگار ہے۔

خیر! اس واقعے کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر صرف سولہ (16) سال کی تھی، ملائکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بازو پکڑا، آپ کو بٹھایا، ایک مسند پر آپ جلوہ افروز تھے، جبرئیل امین اور دوسرے فرشتے آپ کے ساتھ ہمنشینی اور بات چیت کے لیے بیٹھ گئے، ایک شیریں پانی کا چشمہ جاری ہوگیا، آپ نے آگ میں خوب صورت گلاب کے پھول دیکھے، آپ کے جسم کا کوئی حصہ متأثر نہیں ہوا، جبرئیل امین نے جنتی

کرتہ پہناتے ہوئے اللہ کا پیغام پہنچایا کہ: آپ کے رب فرماتے ہیں: کیا تم کو معلوم نہیں کہ میرے دوستوں کو آگ نقصان نہیں پہنچایا کرتی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام سات روز آگ میں رہے، بعد میں فرمایا کرتے تھے: عمر بھر اتنی راحت نہیں ملی جتنی ان سات دنوں میں ملی۔

دشمنوں کی تمام سازشیں ناکام ہوئیں، دنیا میں بھی عذاب ان کو نظر آیا۔

اس واقعے کے بعد پورے ملک میں ہر چیز میں مہنگائی بڑھ گئی، آگ بھی چل پڑی اور گڑھے سے نکل کر دور دور مشرکین کو اس نے جلایا، آگ گڑھے سے نکل کر جہاں جہاں گئی ہوگی اس کے کچھ آثار آج بھی وہاں بتائے جاتے ہیں۔

مچھروں کی فوجوں نے حملہ کیا، جس نے نمرود کے گوشت کو نوچ لیا اور اس کا خون چوس لیا اور ایک لنگڑا مچھر اس کے دماغ میں گھس گیا، جو بالآخر اس کی ہلاکت کا ذریعہ ثابت ہوا۔

حقیقی بات یہ ہے کہ جو بھی توحید کے داعی کا دشمن ہوتا ہے، اللہ کا غضب ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کی ضرور نصرت فرماتے ہیں۔

جنتی کرتہ

بہر حال! جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو اسی وقت اللہ کی طرف سے جنتی کرتہ آیا، حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت میں سے ایک کرتہ لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا۔

یہ تو دنیا میں انعام مل گیا اور آخرت میں تو انعام ملے گا ہی ملے گا۔

آگ میں باغ

حضرت جبرئیل علیہ السلام جنتی کرتہ لے کر آگ میں پہنچے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ایسے بیٹھے ہوئے تھے کہ جیسے کوئی بادشاہ باغ میں بیٹھا ہو اور آگ آپ علیہ السلام کا ایک بال بھی نہیں جلا سکی۔

پھر اس کے بعد وہ جنتی کرتہ آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو دیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے وہ کرتہ اپنے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہ کرتہ اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس وہ کرتہ سلامت رہا اور قرآن میں ہے کہ مصر سے حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ کرتہ اپنے بھائیوں کے ساتھ بھیجا اور کہا کہ:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ (یوسف)

ترجمہ: تم میرے اِس کُرتے کو لے کر جاؤ اور اس کو میرے ابا کے چہرے کے اوپر ڈالو، ابا جان کی آنکھیں (اس کرتے کی برکت سے) روشن ہو جائیں گی اور تم سب اپنے گھر والوں کو لے کر میرے پاس (مصر) آجاؤ۔

یعنی میرے ابا جان کی آنکھ میرے فراق میں اور میری جدائی میں روتے روتے چلی گئی ہے تو لو یہ کرتہ لے جاؤ اور میرے ابا کے چہرے پر رکھ دینا ان شاء اللہ اس کی برکت سے ان کی آنکھیں صحیح ہو جائے گی۔

وہ کرتہ وہی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہنایا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جنتی کرتہ

ضحاکؒ اور مجاہدؒ وغیرہ ائمۂ تفسیر نے فرمایا کہ: یہ اس کرتے کی خصوصیت تھی؛ کیوں کہ یہ عام کپڑوں کی طرح نہ تھا؛ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جنت سے اس وقت لایا گیا تھا جب ان کو برہنہ کر کے نمرود نے آگ میں ڈالا تھا، پھر یہ جنت کا لباس ہمیشہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس محفوظ رہا اور ان کی وفات کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس رہا، ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملا، آپ نے اس کو ایک بڑی متبرک شئی کی حیثیت سے ایک نلکی میں بند کر کے یوسف علیہ السلام کے گلے میں بطورِ تعویذ کے ڈال دیا تھا؛ تاکہ نظرِ بد سے محفوظ رہیں۔

برادرانِ یوسف نے جب ان کا کرتہ والد صاحب کو دھوکہ دینے کے لیے اتار لیا اور وہ برہنہ کر کے کنویں میں ڈال دیے گئے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور گلے میں پڑی ہوئی نلکی کھول کر اس سے یہ کرتہ برآمد کیا اور یوسف علیہ السلام کو پہنا دیا اور یہ ان کے پاس برابر محفوظ چلا آیا۔

اس وقت بھی جبرئیل امین ہی نے یوسف علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ: یہ جنت کا لباس ہے، اس کی خاصیت یہ ہے کہ نابینا کے چہرے پر ڈال دو تو وہ بینا ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ: اس کو اپنے والد صاحب کے پاس بھیج دیجیے تو وہ بینا ہو جائیں گے۔

اور مجدد الف ثانیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت یوسف کا حسن و جمال اور ان کا وجود خود جنت ہی کی ایک چیز تھی؛ اس لیے ان کے جسم سے متصل ہونے والے ہر کرتے میں یہ خاصیت ہو سکتی ہے۔ (بہ حوالہ مظہری، معارف القرآن: ۵/ ۱۴۲)

خدا کی عجیب قدرت کہ سب لکڑیاں مچھلیوں میں بدل گئیں!

اب اس کے بعد خدا کا جو حکم تھا کہ:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ (الانبیاء)

ترجمہ: ہم نے حکم دیا کہ: اے آگ! تو ابراہیم کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی (آرام) والی ہو جا۔

وہاں یہ بات مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس کلمہ کی برکت سے پوری کی پوری آگ پانی سے بدل گئی اور اندر جو جلنے والی لکڑیاں تھی ان لکڑیوں کو اللہ تعالیٰ نے مچھلیوں سے بدل دیا، عجیب اللہ کی قدرت کہ جتنی بڑی آگ جلائی تھی اتنا ہی بڑا وہاں تالاب بن گیا، آپ کے اس جماعت خانے سے تقریباً دو ڈھائی گنا لمبا اور اس سے کچھ زیادہ چوڑا وہ حوض ہے اور اس میں مچھلیاں ہیں اور یہ وہی حوض ہے جس کو نمرود نے آگ کی شکل میں جلایا تھا اور پھر اللہ کے حکم سے وہ آگ ختم ہوگئی اور کہتے ہیں کہ: آگ پانی میں تبدیل ہوگئی تھی اور اِس وقت اس پانی کا نام ہے ’’بحیرۂ خلیل الرحمن‘‘ وہاں پر بورڈ لگا ہوا ہے۔

کہتے ہیں کہ: لوگ وہاں کی مچھلیوں کو بابرکت سمجھتے ہیں اور کوئی اس کو کھاتا نہیں ہے، بڑی تعداد میں وہ مچھلیاں ہیں؛ لیکن وہ اس کو تبرکاً دیکھتے ہیں، اس کو کھاتے نہیں ہیں۔

بہر حال! ہم نے وہاں پر اللہ کے فضل و کرم سے وہ گوپھن اور آگ کی جگہ اور غار وغیرہ کو دیکھا۔

وہاں پر ایک مدرسہ ہے، مدرسہ خلیل الرحمن، اس میں الحمد للہ! درس و تدریس کا

مبارک سلسلہ جاری ہے۔

اس کے بعد پھر ہم کو دوسری ایک اور زیارت کے لیے جانا تھا؛ چوں کہ دوسرے دن علی الصباح ہماری واپسی تھی؛ اس لیے رات تک میں ساری زیارتیں پوری کرنی تھیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا شہر

ہم کو کہا کہ: اب ہم آپ کو ایسی جگہ لے جائیں گے جہاں پر اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ایوب علیہ السلام مقیم تھے، ہم جنگلات کے اندر کافی دور تک چلے اور پھر ایک شہر آیا۔

تفسیری روایتوں کے مطابق ایوب علیہ السلام کا بیماری والا واقعہ

ہم کو سب سے پہلے اس شہر میں جو غار تھا اس میں لے گئے، جیسا کہ تفسیری روایتوں میں ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کو خطرناک بیماریاں لگیں جو طویل عرصہ تک رہیں، جس کے نتیجے میں آپ کو آپ کے گھر والوں نے نکال دیا، گاؤں والوں نے نکال دیا، محلہ والوں نے نکال دیا اور بستی کے باہر جہاں پر کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا ہے وہاں پر آپ کو لے جا کر رکھ دیا، مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی اس روایت کو معارف القرآن میں نقل کیا ہے کہ:

شہر کے بالکل کنارے پر آپ کو لے جا کر رکھ دیا، اللہ کے نبی کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی وفادار بیوی کی بے مثال خدمت

کہتے ہیں کہ: اس وقت آپ علیہ السلام کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں تھا؛ لیکن ایسے وقت میں آپ کی بیوی نے وفاداری کا ثبوت دیا اور آپ کی برابر خدمت کرتی رہی۔

ایک قول کے مطابق آپ کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کی بیٹی ہوتی ہے جو برابر اپنے شوہر کی خدمت کرتی رہی، بے مثال خدمت کی، ایسی خدمت کہ وہ خود کام کرنے جاتی، ملازمت کرتی اور دو چار روٹیاں کما کر لاتی اور خود ایک روٹی کھاتی اور اپنے شوہر کو دو روٹی کھلاتی اور اپنے شوہر کی خدمت کرتی، اس طرح اس عورت نے سترہ سال تک بڑی وفاداری کے ساتھ اپنے شوہر کی خدمت کی۔

دوا کے لیے اپنے سر کے خوب صورت بال بیچ دیے

یہاں تک لکھا ہے اور تفسیر کی روایت میں ہے کہ ایک موقع پر تو ایسے حالات آگئے کہ آپ علیہ السلام کی دوا کے لیے بھی پیسے نہیں بچے تو اس وقت کی کوئی شہزادی تھی اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے بال دیکھے، ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اتنے خوب صورت تھے تو آپ کی بیٹی کتنی خوبصورت ہوگی؟

اس شہزادی نے ان سے کہا کہ: تیرے یہ بال مجھ کو کاٹ کر دے دے؛ تاکہ میں اس کو اپنے بالوں میں لگالوں گی جس کی وجہ سے میرے بال خوب صورت ہوجائیں گے۔

غریبی کے ایام ایسے تھے کہ غربت اور مفلسی کی وجہ سے اور اپنے شوہر کی دوا

اور علاج کرانے کی خاطر انھوں نے اپنی چوٹی کاٹ کر بیچ دی۔

یہ تو اس شریعت کی بات ہے، ہماری شریعت میں اس طرح بال کاٹ کر بیچنا جائز نہیں ہے۔

تفصیلی واقعہ بندہ کے خطبات کی پانچویں جلد میں دیکھا جاسکتا ہے۔

وہ غار جس میں بیماری کے ایام گزارے

بہرحال! آپ نے جس غار میں بیماری کی حالت میں لمبا عرصہ گزارا وہ غار ابھی تک ویسا ہی موجود ہے، ایک آدمی اس میں جاسکتا ہے اور ایک آدمی نکل سکتا ہے، اتنا چھوٹا اس کا دروازہ ہے، ہم باری باری اندر گئے اور پھر باہر آئے اور وہاں پر قرآن مجید کی کچھ آیتیں بھی لکھی ہوئی ہیں جو حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق ہے۔

بیماری سے شفا

طویل عرصہ کے بعد ایک دن کی بات ہے کہ ان کی بیوی کام کرنے گئی ہوئی تھی، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور حضرت ایوب علیہ السلام سے فرمایا کہ:

اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ. (سورۂ ص: ۴۲)

ترجمہ: (ہم نے حکم دیا کہ زمین پر) اپنا پیر مارو۔

آپ علیہ السلام نے اپنی ایڑی کو زمین پر رگڑا تو ایک چشمہ جاری ہوا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ: ایک پاؤں زمین پر رگڑا، ایک چشمہ جاری ہوا، دوسرا پاؤں زمین پر مارا تو دوسرا چشمہ جاری ہوا۔

پھر فرمایا:

هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ. (سورۂ ص: ۴۲)

ترجمہ: یہ ٹھنڈا پانی ہے جو نہانے اور پینے کے کام میں آئے گا۔

یعنی اس پانی میں آپ کو غسل کرنا ہے؛ چنانچہ اس میں غسل کرنے کی وجہ سے آپ کی تمام بیماریاں ختم ہوگئیں اور آپ ایک دم تندرست ہوگئے اور پھر دوسرے چشمہ کا پانی آپ نے پیا جس کی وجہ سے پہلے جیسی طاقت اور تندرستی لوٹ آئی، اس کے بعد غار سے نکل کر ایک جگہ جا کر بیٹھ گئے۔

آج تک پانی کا وہ چشمہ وہاں موجود ہے

وہاں کی مشہور باتوں میں یہ ہے کہ آج تک پانی کا وہ چشمہ وہاں پر موجود ہے اور اس کے اوپر غلاف لگا دیا گیا ہے، پہلے تو ہمیں پتہ نہیں چلا، بعد میں معلوم ہوا تو ہم نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ: ہم لوگ ہندوستان سے آئے ہیں، کسی بھی طرح اس کی جالی کھلوادو؛ تاکہ ہم بھی اس پانی کو دیکھیں اور اس میں سے کچھ قطرے پیویں جس سے حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا ہوئی تھی۔

انھوں نے بتایا کہ: یہ کھل تو نہیں سکتا؛ لیکن حکومت نے پائپ لائن لگادی ہے اور یہ جو آگے آپ کو کولر نظر آرہے ہیں اس میں اسی کنویں کا پانی ہے، میں نے کہا: الحمدللہ! اور سب ساتھیوں سے کہا کہ: چلو! بھائی یہ نسبتِ ایوبی والا پانی ہے اس کو پی لو۔

جب ہم وہاں گئے تو دیکھا کہ لوگ ڈرم کے ڈرم بھر کر پانی لے جارہے ہیں، ہمارے بعض ساتھیوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ سے بھی بوتلیں

اور ڈرم بھر لیے تھے اور یہاں سے بھی سب نے بھر لیا۔

افسوس کہ ہم وہ پانی یہاں نہ لا سکے

دوسرے دن استنبول جانے کے لیے عرفہ کے ایئرپورٹ پر آئے، وہاں پر چیکنگ ہوئی، اس میں سب سے پہلے یہ ڈرم اور بوتلیں نکلیں، انھوں لے لیا اور کہا کہ: پانی لے جانے کی اجازت نہیں ہے، جتنا پینا ہو یہاں پی لو۔

ہم نے کہا کہ: سامان (Luggage) میں رکھ دو۔

انھوں نے کہا کہ: نہیں! ہوائی جہاز میں پانی کی اجازت نہیں ہے۔

بہت کوشش کی؛ لیکن ناکام رہے، تو ساتھیوں سے کہا کہ: یہاں پر جتنا پی سکو، اتنا پی لو، سب نے پیٹ بھر کر پانی پیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے مزار کی طرف

پھر انھوں نے کہا کہ: اگر آپ ہمت کریں تو ہم آپ کو حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کی بیوی کی قبر کی بھی زیارت کرا دیویں۔

میں نے کہا کہ: ماشاءاللہ! یہ تو بہت اچھا ہے۔

انھوں نے کہا کہ: مزید دور کا سفر کرنا پڑے گا۔

میں نے کہا کہ: ہم تھکنے کے لیے تو یہاں پر آئے ہیں، چلو! چلتے ہیں۔

برکت والا علاقہ اور پستے کی باڑیاں

ہم نکلے، چلتے چلتے عجیب پہاڑی اور پتھریلی علاقے میں پہنچے، ملکِ شام کا

وہ ٹکڑا ہے، بالکل ٹھنڈا وہ علاقہ ہے، ترکی اور استنبول کی آب وہوا الگ اور یہاں کی آب وہوا الگ، بالکل بیّن فرق۔

اور جب وہاں کے کھیتوں میں چلتے ہیں تو بالکل وہی منظر جو میں نے اس سے پہلے فلسطین کا منظر آپ کو سنایا تھا کہ: بہترین پھل پھول کی باڑیاں اور عجیب عجیب مناظر اور زندگی میں پہلی مرتبہ پستے کی باڑیاں دیکھی تھیں، سینکڑوں ایکڑوں میں اس کی کھیتیاں ہوتی ہیں۔

میں نے کہا کہ: واقعی باری تعالیٰ نے جو فرمایا ہے اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① (بنی اسرائیل)

ترجمہ: اس (اللہ تعالیٰ) کی ذات ہر عیب سے پاک ہے جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو رات کے وقت میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے اطراف میں ہم نے (ہر قسم کی) برکتیں رکھی ہیں؛ (اس بندے محمد ﷺ کو وہاں لے جانے کا مقصد یہ تھا) تا کہ ہم ان کو ہماری (قدرت کی) کچھ نشانیاں دکھلائیں، یقینی بات ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہر بات سننے والے، ہر چیز دیکھنے والے ہیں۔

ماشاء اللہ! سینکڑوں ایکڑ میں پستے کی باڑیاں، اور سیب، ناسپتی، سنترے کی باڑیوں کی باڑیاں لگی ہوئی ہیں، تب جا کر اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کا مشاہدہ ہوتا ہے اور دل میں ایمان تازہ ہوتا ہے کہ پورا بابرکت علاقہ، عجیب وغریب ہریالی ہے۔

چلتے چلتے جنگل بیابان میں پہنچے، بس! اِس وقت وہ منظر میری آنکھوں میں گردش کر رہا ہے۔

قریۃ سیدنا ایوب علیہ السلام

جیسے ہی ہماری گاڑی رکی، وہاں کے سب مسلمان ہم کو ملنے کے لیے آئے، مسجد کے امام بھی آئے؛ چوں کہ ہماری عصر کی نماز بھی باقی تھی، ہم نے جلدی جلدی نماز پڑھی، اس کے بعد وہاں کے لوگ اپنے گھروں سے قہوہ اور ناشتہ لے آئے، بڑے فیاض لوگ تھے، ابھی تو ہم نماز پڑھ رہے ہیں اتنے میں تو وہ ناشتہ بنا کر لے آئے، پہلے ہم کو مسجد میں ناشتہ کروایا، پھر کہا کہ: اب ہم حضرت ایوب علیہ السلام کی قبر پر جائیں گے۔

اس مسجد کا نام "مسجدِ سیدنا ایوب علیہ السلام" ہے اور اس بستی کا نام بھی یہی ہے "قریۃ سیدنا ایوب علیہ السلام"۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا مزار مبارک

ہم کو قبرستان میں لے گئے اور ہم ایک گنبد میں داخل ہوئے، جہاں بالکل سناٹا تھا حضرت ایوب علیہ السلام کا مزار اسی جگہ بتایا جاتا تھا، سب ساتھی بیٹھ گئے اور سب ساتھیوں نے قرآن کی تلاوت بھی کی، پھر ہم جب ایصالِ ثواب اور دعا سے فارغ ہوئے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے مزار پر عجیب خوشبو

ایک شیخ نے فرمایا کہ: میں ایک چیز آپ کو عجیب بتاؤں، یقین کروگے؟

میں نے کہا کہ: بتاؤ تو سہی۔

کہا کہ: دیکھو! اوپر جو مزار مبارک نظر آرہا ہے وہ نشانی ہے، اصل مزار مبارک نیچے والے حصہ میں ہے، اس کے اوپر بہترین موٹی قسم کی چادریں لگی ہوئی تھیں، انھوں نے ایک جگہ سے چادر ہٹائی، وہاں پر ایک چھوٹا سا دروازہ تھا، وہ انھوں نے کھولا اور کہا کہ: اس میں دیکھو! اصل قبر اس میں ہے۔

قبر سے اصلی عود کی خوشبو

پھر مجھ سے کہا کہ: بسم اللہ پڑھ کر ہمت کر کے منہ اندر داخل کرو، پھر مجھ کو بتاؤ کہ کیا محسوس ہوتا ہے اور کہا کہ: میں پہلے آپ کو محسوس کروانا چاہتا ہوں۔

میں نے اللہ کا نام لے کر، ہمت کی اور اندر اپنا منہ داخل کیا تو خدائے پاک کی قسم! اندر سے عود کی خوشبو آرہی تھی۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کہ سب باری باری کر کے اندر منہ داخل کرو۔

سب نے الحمد للہ! اندر منہ داخل کیا اور سب کی زبان پر ایک ہی لفظ کہ یہ عود کی اصلی خوشبو ہے۔

وہ شیخ کہنے لگے کہ: سالوں کا یہ مشاہدہ ہے، یہ کسی کا لگایا ہوا عود نہیں ہے، یہ خوشبو قدرتی طور پر حضرت ایوب علیہ السلام کی قبر سے نکل رہی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا مزار مبارک پر

ہم حضرت ایوب علیہ السلام کے مزار کی زیارت سے فارغ ہوئے تو کہا کہ: اب

ان کی بیوی کے مزار پر آگے چلیں گے، تھوڑا سا آگے چلے تو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا مزار ایک جانب میں ہے، وہاں ایک چھوٹا سا باغیچہ ہے اور اس میں عورتوں کی بہت بھیڑ لگی ہوئی تھی؛ کیوں کہ عورتیں عام طور سے شفا وغیرہ کی نیت سے مزار پر آتی ہیں۔

ہم حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے مزار پر کھڑے رہے، دل میں یہ خیال آیا کہ:

اے اللہ! یہ کیسی خاتون تھی کہ ایک روایت کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی بیٹی جو اپنے آخری زمانے میں مصر کے بادشاہ تھے، بادشاہت کے زمانے میں ان کی اس لڑکی کی ولادت ہوئی تھی، ایک بادشاہ اور نبی کی بیٹی ہو کر بھی اس نے اپنے شوہر کی کیسی خدمت کی، اللہ نے سچ فرمایا:

إِنَّا وَجَدْنَهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ (ص)

ترجمہ: یقیناً ہم نے ان (ایوب علیہ السلام) کو صبر کرنے والا پایا، حقیقت میں وہ بہت ہی اچھے بندے تھے، یقیناً وہ (اللہ کی طرف) بہت زیادہ لو لگانے والے تھے۔

ان کے مزار پر ایصالِ ثواب اور دعا وغیرہ سے فارغ ہو کر شیخ مجھے کہنے لگے کہ: شیخ! اگر آپ کو تاخیر نہ ہو تو ایک مزار کی اور زیارت کرا دوں۔

میں نے کہا کہ: ٹھیک ہے۔

حضرت یسع علیہ السلام کی قبر مبارک پر

کہا کہ: حضرت یسع علیہ السلام کی قبر مبارک بھی اسی ''حران'' کے علاقہ میں ہے۔ چوں کہ یہ نام زیادہ مشہور نہیں ہے؛ اس لیے ساتھی مجھ سے کہنے لگے کہ: کیا

نام بتایا؟

میں نے کہا کہ: یہ بھی اللہ کے ایک نبی ہیں اور ان کا نام قرآن میں آیا ہے، میں نے ان کو قرآن کی آیت پڑھ کر سنائی:

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ؕ ﴿۴۸﴾

(سورۂ ص)

ترجمہ: اور تم اسماعیل (علیہ السلام) کو اور یسع (علیہ السلام) کو اور ذوالکفل (علیہ السلام) کو ذرا یاد تو کرو، وہ سب بہترین لوگوں میں سے تھے۔

حضرت یسع علیہ السلام کا ذکرِ خیر

ترکی کے اس دوسرے سفر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے ایک نبی حضرت یسع علیہ السلام کی طرف منسوب مزار پر بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی اور چوں کہ یہ زیادہ مشہور نہیں؛ اس لیے ان کے متعلق کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

یہاں جو لکھا جا رہا ہے وہ قصص القرآن سے، مجاہدِ قوم وملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ کی تحقیقات ہیں، قرآنِ مجید کے واقعات کے سلسلے میں اتنی محقق کتاب یک جا طور پر بندے نے عربی اردو زبان میں آج تک نہیں دیکھی، حضرت مولانا کی تحقیقات حسبِ ذیل ہے:

حضرت الیسع علیہ السلام

نام ونسب: وہب بن منبہ کی اسرائیلی روایات میں ہے کہ ان کا نام ’’الیسع‘‘

ہے اور خطوب کے بیٹے ہیں، ابن اسحاق نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

کتبِ تواریخ میں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی ہیں۔

اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ان کے نسب کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔

اور نسب نامہ اس طرح ہے:

الیسع بن عدی بن شوتم بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام)۔

اور اگر تورات کے "یسعیاہ" نبی اور حضرتِ الیسع علیہ السلام ایک ہی شخصیت ہیں تو تورات نے ان کو "عموص" کا بیٹا بتایا ہے۔

بعثت: حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ ہیں، اوائلِ عمر میں ان ہی کی رفاقت میں رہتے تھے اوان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے حضرتِ الیسع علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور انھوں نے حضرتِ الیاس علیہ السلام ہی کے طریقہ پر بنی اسرائیل کی رہنمائی فرمائی۔

یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ حضرت الیسع علیہ السلام کی عمرِ مبارک کیا ہوئی اور بنی اسرائیل میں کتنے عرصہ تک انھوں نے حقِ تبلیغ ادا کیا۔

قرآن اور حضرت الیسع علیہ السلام: قرآنِ عزیز نے ان کے حالات پر زیادہ روشنی نہیں ڈالی اور سورۂ انعام اور سورۂ ص میں صرف ذکر پر اکتفا کیا ہے:

وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَالۡیَسَعَ وَیُوۡنُسَ وَلُوۡطًا ؕ وَکُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ

(الانعام:۸۶)

ترجمہ:اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط اور ان سب کو ہم نے دنیا والوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

وَاذۡکُرۡ اِسۡمٰعِیۡلَ وَالۡیَسَعَ وَذَا الۡکِفۡلِ ؕ وَکُلٌّ مِّنَ الۡاَخۡیَارِ ﴿۴۸﴾ (ص)

ترجمہ:اور تم اسماعیل (علیہ السلام) کو اور یسع (علیہ السلام) کو اور ذوالکفل (علیہ السلام) کو ذرا یاد تو کرو، وہ سب بہترین لوگوں میں سے تھے۔

موعظت: بنی اسرائیل کے ان نبیوں اور پیغمبروں کے واقعات سے جو کہ جلیل القدر انبیا علیہم السلام کے شرفِ صحبت اور مخلصانہ اتباع میں خلافت کے بعد منصب نبوت سے سرفراز ہوئے، یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحبتِ نیکاں حصولِ خیر کے لیے اکسیرِ اعظم ہے، رومی نے سچ کہا:

یک زمانہ صحبت با اولیاء	بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

اگر ریاضات وطاعات کا سلسلہ ہزاروں سال بھی رہے؛ مگر کسی کامل کی صحبت سے محرومی ہو تو بے شبہ یہ ایک بڑی خامی ہے جس کا مداوا صحبتِ کامل کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ (قصص القرآن: ۲/۳۵، از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ)

بہر حال: شیخ نے کہا کہ: چلیے! ہم آپ کو وہاں لے چلتے ہیں۔

ہمارے ساتھ حلب کے ایک بہت بڑے عالمِ دین بھی تھے، جو ہجرت کر کے وہاں مقیم ہوئے تھے، انھوں نے گھر میں بٹھا کر بہت ہی شان دار ضیافت کی، اصلی

مثالی بدوی زندگی سے ہم محظوظ ہوئے۔

بالکل پتھریلے علاقے میں جہاں عام طور سے لوگوں کا آنا جانا نہیں ہوتا ہے، ایک دم سناٹا اور وہاں کچھ عرب قبائل بھی رہتے ہیں، وہاں ہم کو لے گئے اور ہم نے حضرت یسع علیہ السلام کی مزار مبارک کی زیارت کی اور الحمدللہ! وہاں پر ایصالِ ثواب اور دعا کی۔

اس کے بعد عرفہ شہر کی طرف ہماری واپسی ہوئی اور رات کو مرکز پر قیام کیا، پھر علی الصباح استنبول کی فلائٹ پکڑی؛ کیوں کہ جمعہ کا دن تھا اور جمعہ سے پہلے ہم کو استنبول پہنچنا تھا۔

یہ ترکی کے سفر کی مختصر کارگزاری تھی۔

اخیر میں ہمارے نوجوان دوستوں کے فائدے کے لیے ایک اہم بات عرض کرتا ہوں:

استنبول میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کرتہ

ترکی کے اس دوسرے سفر میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کرتہ میں نے بہت دھیان سے دیکھا، اس نیت سے کہ امت کے نوجوانوں کو بتلاؤں کہ:

اے امت کے پیارے نوجوانو! سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں آیا کہ:

سیدا شباب اهل الجنة۔

حسن اور حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے۔

اے میرے پیارے نوجوانو! اللہ آپ کو وہاں لے جائے اور تم کو بھی اپنی آنکھ سے وہ کرتہ دکھائے، اللہ کی قسم! آپ بھی بہت ڈھیلا ڈھالا کرتہ پہنتے تھے۔

آج ہمارے کپڑے ایسے ہوگئے کہ کہنی کھلی ہوئی اور اِن شرٹ کر کے لوگ مسجدوں میں آتے ہیں، بے حیائی کے لباس ہیں، ذرا حیا اور شرم والے اور ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہننے کی عادت ڈالو۔

اِن شرٹ کی حقیقت

انشرٹ کے متعلق یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ عجیب طرح کا انداز لباس ہے، جس میں خوب بے حیائی نمایاں ہوتی ہے۔

بعض مرتبہ بیانات میں نوجوانوں کو سمجھانے کے لیے ایک خاص انداز میں یہ تعبیر عرض کرتا ہوں کہ کیسی بے وقوفی کا دور آ گیا کہ لوگ پینٹ اوپر اور شرٹ نیچے پہن کر نکلتے ہیں، اس بات پر لوگ تعجب سے میری طرف دیکھنے لگتے ہیں۔

پھر دورانِ بیان ان سے عرض کرتا ہوں کہ: جو یہ ان شرٹ کیا جاتا ہے اس میں شرٹ کو نیچے دبا دیا جاتا ہے اور پینٹ کو اوپر کر دیا جاتا ہے، یہی تو پینٹ اوپر اور شرٹ نیچے کا نظارہ ہے۔

اس طرح کی وضع میں انسان کے ستر کی ہیئت لوگوں کے سامنے بالکل ظاہر ہوجاتی ہے؛ اس لیے ہمارے بہت سے مفتیانِ کرام نے ان شرٹ کر کے نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

اور پینٹ کا معاملہ تو سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ اس قدر چست کہ انسان کے بدن

میں خود تنگی پیدا کردے اور پینٹ کا آگے والے حصّے میں جو چین لگایا جاتا ہے وہ تو خود کو مورد الزام بنانے کی ایک بین بات ہے، سورۂ یوسف میں اس کی طرف اشارہ نکلتا ہے:

اِنۡ کَانَ قَمِیۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ قُبُلٍ فَصَدَقَتۡ وَهُوَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ۝۲۶ (یوسف)

ترجمہ: اگر اس (یوسف) کا کرتہ آگے کی طرف سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ (یوسف) جھوٹوں میں سے ہے۔

خیر! اسلامی لباس مسلمانوں کے لیے اپنانا بہت ہی ضروری ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم کو حیا اور شرم والے لباس پہننے کی توفیق عطا فرمائے اور جنت میں نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں داخلہ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس مجلس کو قبول فرمائے اور اس میں جتنی خیر اور بھلائی کی باتیں آئیں اللہ تعالیٰ اس کو اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنائے، اللہ تعالیٰ ہمارے بیٹھنے کو قبول فرمائے، آمین۔

ترکی کے دینی، تعلیمی نظام میں انقلابات کی کچھ داستانیں

(مفتی ابولبابہ صاحب کی کتاب سے اقتباسات)

ناسازگار ماحول میں دین کا کام کرنے والوں کے لیے فائدہ مند باتیں

عوام کو مسجد سے قریب کرنے کا بہترین طریقہ

(۱) حضرت شیخ آفندی نے ایک مسجد میں تیس (30) سال امامت کے فرائض انجام دیے، پہلے اٹھارہ (18) سال تک کوئی مسجد نہ آتا تھا، حضرت خود گھر گھر جاتے اور ساکنانِ محلہ سے کہتے کہ: میں ہر وقت مسجد میں ہوتا ہوں، اگر کوئی کام پڑ جاوے تو یاد رکھنا، خادم کو ہر مشکل میں اپنے ساتھ پاؤ گے۔

اٹھارہ سال کے بعد اللہ اللہ کر کے برف تڑخی، جمود پگھلا، شیخ کی توجہات اور دعائیں رنگ لائیں اور مسجد میں باجماعت نماز شروع ہوگئی، آج یہ عالم ہے کہ اس محلے میں کوئی گھر ایسا نہیں جہاں سے داڑھی اور عمامہ کے مسنون حلیے میں مرد اور مکمل شرعی لباس میں خاتون آجا نہ رہے ہوں۔

اجڑے ہوئے ماحول میں دینی تعلیم کیسے جاری ہو؟

(۲) ۱۹۲۴ء میں خلافت کے ادارے یا اصطلاح کو باقاعدہ اسمبلی سے منسوخ کروا دینے کے بعد ۱۹۲۶ء میں فقہ اسلامی بھی بحیثیتِ قانون عدالتوں سے ختم کر دی گئی تھی۔

پھر ترکی کا عربی و فارسی سے مشابہ رسم الخط تبدیل کر کے انگریزی جیسا بنانے اور بچوں کو سرکاری تعلیم لازماً دلوانے کے قانون کی وجہ سے دینی تعلیم کا آغاز بھاری چٹان اٹھا کر ڈھلوان پر چڑھنے جیسا جاں گسل کام تھا۔

آفندی کے لفظ پر پابندی تھی، یہ لفظ فارسی کے "اخوند" جیسے الفاظ سے قریب

المعنی ہے۔

الغرض! علمی سلسلہ جاری نہ رہنے کی وجہ سے بلیک آؤٹ (Black Out) جیسی صورت حال پیدا ہوتی جارہی تھی۔

مدرسہ، مکتب قائم کرنا قانوناً ممنوع تھا ایسے ماحول میں

آخر! اللہ اللہ کر کے ''موسیٰ امجا'' نامی حضرت کے ایک مرید اپنے گھر کے تہہ خانے میں مکتب کھولنے پر تیار ہو گئے، اس زیرِ زمین مکتب سے شروع ہونے والا سلسلہ آج ماشاء اللہ بڑے بڑے مدارس کی شکل میں ڈھل چکا ہے۔

حضرت اپنی دعاؤں اور توجہات کے ساتھ کمال درجے کی حکمت وفراست سے کام لیتے تھے، کامل درجے کے اخفا کے ساتھ بچوں کو اعلیٰ انعام اور ان کے والدین کا مسلسل اکرام جاری رہتا تھا۔

علم، تزکیہ اور تبلیغ (طلبہ کی حوصلہ افزائی)

ترکی کا نورانی قاعدہ دیکھنے کا اتفاق ہوا، وہ نقشبندی سلسلے کے ایک بڑے شیخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا ہے۔

اس قاعدے کے بعد عربی شروع ہوتی تھی، جو طلبہ ''نصر ینصر'' کی گردان یاد کر لیتے، ان سے شیخ آفندی فرماتے: تم والیٔ شہر سے افضل ہو۔

جو طالبِ علم ''حروفِ جر'' پڑھ لیتا حضرت اس سے کہتے کہ: تم اب جا کر کہیں پر یہی ''حرفِ جر'' پڑھاؤ، پھر تمھیں اگلا سبق دیں گے۔

وہ عرض کرتا: حضرت! کیا پڑھاؤں؟ کیسے پڑھاؤں؟

جواب دیا جاتا: ہمارے یہاں علم اصل نہیں، عمل اور تبلیغ اصل ہے، تم انھیں تصوف پڑھاؤ اور تربیت کرو، یہ علم نہ عوام کو آتا ہے نہ علما کو، تم نے جتنا تصوف سیکھ لیا، اسے قلیل علم کے ساتھ جوڑ کر پڑھاؤ گے تو مرجعِ خلائق بن جاؤ گے۔

آج ترکی کا نظامِ تعلیم، تعلیم و تربیت یا تعلیم و تصوف کے حسین امتزاج پر مشتمل ہے، اس میں امامِ ربانی، حضرت مجددِ الفِ ثانی، شیخ احمد سرہندیؒ کے مکتوبات باقاعدہ سبقاً پڑھائے جاتے ہیں، تمام اساتذہ و طلبہ بالالتزام ذاکر و شاغل ہوتے ہیں، اس کی برکات ہیں کہ علم کم ہے، لیکن اس کی افادیت و قبولیت ماشاء اللہ توقع سے زیادہ اور روز افزوں ہیں۔

پولیس سے بچنے کے لیے

پولیس اور خفیہ تنظیم والے چھاپے مارتے تھے کہ بچہ اسکول جارہا ہے یا نہیں؟ اس لیے حضرت کی ایک تاکید تو یہ تھی کہ جو بچہ ہمارے پاس شام کو مدرسہ پڑھے، وہ فی الحال اسکول سے ناغہ نہ کریں۔

کاشت کاری کے عنوان سے تعلیمِ دین

جو حضرات دیہات میں بچوں کو پڑھاتے تھے، وہ کاشت کار کا لباس پہنتے اور کتابوں کے ساتھ کھیتی باڑی کے آلات تیار رکھتے، گاؤں سے باہر اونچی جگہ یا درخت پر دو بچوں کو بٹھا دیا جاتا تھا، جیسے ہی فوجی جیپ آتی ہوئی نظر آتی تمام طلبہ کتابیں چھوڑ کر

کھیت میں پہنچ جاتے۔

ریلوے کے سفر کے عنوان سے دینی تعلیم

شہر کے اساتذہ نے تو عجیب ہی طریقہ اختیار کیا تھا، ترکی میں یورپ کی طرح ریل کا سفر سستا اور آرام دہ ہے، یہ حضرات سستی قیمت پر مستقل نشستیں لے لیتے، صبح صبح شاگردوں سمیت ریل گاڑی کا ایک ڈبہ مخصوص کر کے سفر شروع کر دیتے، سفر جاری رہتا اور زمینی سفر کے ساتھ علمی سفر چلتا رہتا، آخری منزل پر اترنے کے بعد یہ لوگ کچھ دیر سستاتے اور پھر استاد شاگردوں پر مشتمل ''مسافروں کی یہ جماعت'' واپسی والی ریل پر سوار ہو جاتی اور وقفے کے بعد والے اسباق مکمل کرتے ہوئے شام کو گھر پہنچ جاتے، اس دور کے بہت سے ایسے طلبہ ہیں جنھوں نے اسی طرح آہنی چھکڑے پر بیٹھ کر ''سفر در سفر'' کی شکل میں تعلیمی مراحل طے کیے ہیں۔

نماز کا اہتمام

علمِ دین پر کیا موقوف ہے؟ نماز پر بھی اسی طرح پابندی تھی، بہت سارے لوگوں نے سالہا سال تک اشاروں سے نماز پڑھی۔

(ماخوذ: از تُرکِ ناداں سے تُرکِ دانا تک، مفتی ابولبابہ مدظلہ العالی)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

سفر کے دوران پیش آنے والے کچھ متفرق واقعات

سلام سے اسلام

ابھی ۲۰۱۷ء میں آسٹریلیا(Australia)اور نیوزی لینڈ(New Zealand) کے سفر میں ساتھیوں نے ایک عجیب قصہ سنایا کہ: ہمارے ایک مسلمان بھائی نے کسی کو مسلمان سمجھ کر سلام کیا؛ حالاں کہ وہ مسلمان نہیں تھا۔

سامنے والے نے پوچھا کہ: آپ نے مجھے کیا کہا؟

انھوں نے جواب میں سلام کا ترجمہ انگریزی میں سمجھایا، اس پر وہ سامنے والا -جو عیسائی تھا- ایمان لے آیا اور کہنے لگا کہ: ہم لوگ ہمارے ہم مذہب لوگوں سے جب ملتے ہیں تو ہاو(how) یا ہیلو(hello) وغیرہ کہتے ہیں اور تمھارے مذہب میں کتنی اچھی چیز ہے کہ ملاقات کے وقت آپس میں ایک دوسرے کو تین دعائیں دیتے ہیں: ① سلامتی ② رحمت ③ اور برکت۔ اور آج ان تینوں کی بہت ضرورت ہے۔

اس واقعے نے ان کو اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کی طرف آمادہ کیا، الحمد للہ! اور وہ مسلمان بھی ہو گئے۔

کانگارو(Kangaroo)نام کا ایک جانور

آسٹریلیا میں کانگارو(Kangaroo) نام کا ایک جانور ہے، اس کے پیٹ

کے باہری حصے میں اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر ایک تھیلی رکھی ہے، ولادت کے بعد اس کے بچے اس کے ساتھ کھیلتے ہیں اور جب ماں کے دوڑنے کا وقت آتا ہے تو وہ بچے اس تھیلی میں چھپ جاتے ہیں اور ماں ان کو لے کر چلتی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرت کا کرشمہ ہے۔

آسٹریلیا اور بیرون کے دیگر مقامات کے میزبان

آسٹریلیا کے سفر میں ڈاکٹر قاسم صاحب ماکڑا ہمارے میزبان تھے، بہت ہی اللہ والے، خداترس آدمی ہیں، ہمارے حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسنؒ کے مرید ہیں، حضرتؒ ہی نے ان کا نکاح پڑھایا تھا۔

دیگر مقامات کے احباب حسبِ ذیل ہیں:

برزبن (Brisbane): (۱) مولانا امتیاز صاحب خیر گاؤں والے۔

(۲) قاری فیضان صاحب (فاضلِ جامعہ ڈابھیل)۔

(۳) مولوی ابوبکر متالا۔

(۴) محمد بھائی منگیرا۔

(۵) مولانا عزیر صاحب۔

میلبون (Melbourne): (۱) مفتی زیاد راوت صاحب۔

(۲) عمران بھائی بدات، یہ میرے بہنوئی مولانا عبد الصمد جسات صاحب کے داماد ہوتے ہیں اور بڑی بات یہ ہے کہ ہوائی جہاز بنانے والی مشہور کمپنی بوئنگ (Boieng) میں بڑے اونچے عہدے پر ہیں۔

پرتھ (Perth): ① حافظ زکریا صاحب۔

② تاشقند فیملی کے احباب۔

③ مفتی شبیر صاحب (افریقہ والے)

سڈنی (Sydney):

① عدنان بھائی سورت حکیم چیچی والے۔

② مولانا تھانوی صاحب۔

اصل آسٹریلیائی آدی باسی قوم کے نبیوں جیسے اخلاق

برزبن میں تین دن قیام رہا، ڈاکٹر قاسم صاحب کے یہاں جمعہ کے بعد کھانے میں مولانا یوسف صاحب پیر بھی تشریف لے آئے، انھوں نے وہاں کے اصل آسٹریلیائی آدی باسی قوم کے متعلق عجیب عجیب باتیں سنائی کہ: یہاں کے اصل آدی باسی لوگوں کے اخلاق اتنے اچھے اور عمدہ ہیں کہ ہمیں یقین ہوتا ہے کہ کسی نبی کی امت ہوگی؛ یعنی ان کے اخلاق بالکل نبیوں جیسے ہیں؛ لیکن یوروپی سفید لوگ آئے اور انھوں نے اپنی حکومت جمادی، اور یہ اصلی لوگ دب گئے۔

آسٹریلیا کے متعلق مولانا پیر صاحب وغیرہ نے بتلایا: سب سے پہلے یہاں افغانستان کے علاقے کے مسلمانوں کو لایا گیا تھا، یہ ملک بہت بڑا ہے، آبادی بہت کم ہے اور ریگستانی علاقے ہیں تو راستہ بنانے کے لیے افغانی پٹھانوں کو لایا گیا تھا، وہ اونٹ کے ساتھ یہاں آئے تھے، یہاں ان کی قبریں بھی ہیں، انھوں نے آکر یہاں اسلام پھیلایا۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ایک شاگردِ خاص مولانا بشیر دیوان لاجپوری کی عجیب مجاہدانہ دینی محنت

نیوزی لینڈ میں بابو بھائی اکلیرا والے۔پہلے اور دوسرے دونوں سفر کے میزبانِ خاص۔کے بچوں کے نانا مولانا بشیر صاحب دیوان لاجپوری شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگردِ خاص ہیں، انھوں نے بڑی مشقت اور پابندی کے ساتھ فیجی میں عجیب وغریب دینی خدمات انجام دی، تقریباً پینتیس (۳۵) سال تک وہاں کے جنگل کو آپ نے اپنی دینی محنتوں سے آباد کیا۔

ان کی نماز کی پابندی کا حال یہ ہے کہ پینتیس (۳۵) سال تک کبھی تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی، اذان سے پہلے مسجد میں آنا اور تمام مصلیوں کے چلے جانے کے بعد مسجد سے جانا، لوگوں کو مسائل کی رہنمائی کرنا، جب لوگ مسائل کے سلسلے میں الجھتے تو کہتے کہ: ابھی نماز کا وقت آئے گا اور مولانا اذان سے پہلے مسجد میں تشریف لے آتے ہیں تو ان سے ہم کو مسائل سیکھنے کو ملیں گے، لوگ نماز کا انتظار کرتے ہیں۔

آپ کی برکت سے پورے فیجی میں مکاتب قائم ہوئے، طلبہ دوسرے ممالک کے دارالعلوم میں پڑھنے گئے، پھر فیجی ہی میں بڑے بڑے دارالعلوم بن گئے، علما تیار ہوئے اور یہی فضا انھوں نے یہاں نیوزی لینڈ میں آکر بھی قائم فرمائی، ۱۹۵۵ء میں آپ فیجی تشریف لے گئے تھے۔آپ کے اردو بیانات بھی شائع ہوئے ہیں۔

اور نیوزی لینڈ میں حسین بھائی پارکر، اشرف بھائی صوفی، قاری محمد صاحب پٹیل وغیرہ حضرات نے بھی بڑی خدمت کی۔

اس دوسرے سفر کے موقع پر قاری یوسف صاحب بھولا مدظلہ حضرت دامت برکاتہم کی صحبت سے مستفید ہونے کے لیے باقاعدہ امریکہ سے سفر کر کے نیوزی لینڈ تشریف لائے، ان کے لطائف اور ظرائف سے سفر میں خوب لطف رہا۔

ہرے بھرے درختوں کے درمیان کھولتا ہوا پانی اور دھواں

۲۰۰۷ء کے نیوزی لینڈ (New Zealand) کے پہلے سفر کے موقع پر بابو بھائی ہم کو روٹروا (Rotorua) لے گئے، یہ علاقہ بہت عجیب وغریب ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے جہنم میں آگ کے ساتھ درخت اُگائے ہیں اسی طرح وہاں ہرے بھرے درخت بھی ہیں، بیچ بیچ میں گرم گرم کھولتا ہوا پانی ہے جس میں سے پانی کھولنے کی ڈراؤنی آوازیں بھی نکلتی ہیں اور دھواں بھی خوب نکلتا ہے؛ گویا یہ دنیا میں جہنم کا ایک نمونہ ہے، جب قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جہنم میں زقوم کا ایک درخت ہوگا:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ (الدخان)

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ زقوم کا درخت، (بڑے) گنہگار (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا، (وہ زقوم) سیاہ تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا، وہ (لوگوں کے) پیٹوں میں کھولتے ہوئے پانی کی طرح جوش مارے گا۔

تو مشرکینِ مکہ نے انکار کر دیا تھا کہ: آگ میں کیسے درخت اُگ سکتا ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی اس کا ایک نمونہ دکھا دیا۔

پینگوئن (Penguin) ایک عجیب وغریب قسم کا پرندہ

سن ۲۰۰۷ء کے نیوزی لینڈ کے سفر کے موقع پر ہمارے بارڈولی کے ایک داماد محترم یونس بھائی بھیکو صاحب ہمارے حضرت مفتی احمد صاحب اور مجھے پینگوئن (Penguin) دکھانے لے گئے۔

پینگوئن ایک عجیب وغریب بڑا پرسکون قسم کا پرندہ ہے، اس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے جیسے کہ کوئی بڑے مولانا شیروانی پہن کر جلوہ افروز ہو، اس کا خوش نما منظر ہوتا ہے، وہ پینگوئن پرندے چڑیاں گھر میں پال کر رکھے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے ہر ایک کے گلے میں نمبر ہوتے ہیں، روزانہ ہر ایک کو تین تین مچھلیاں کھلائی جاتی ہے، عجیب نظام ہے، جب ان کا نگران مچھلی لے کر آتا ہے تو پرندہ اپنی ترتیب کے مطابق نمبروار سامنے آتا ہے، جب اس کو تین لقمے دے دیے جاتے ہیں تو وہ واپس چلا جاتا ہے، ہر ایک اپنے نمبر کی ترتیب سے آتا ہے اور تین لقمے کھا کر واپس چلا جاتا ہے، کاش! ایسی ترتیب اور قناعت ہم انسانوں میں بھی آجاوے!!!

سطحِ سمندر پر شیشے کی ہوٹل

نیوزی لینڈ کے پہلے سفر کے موقع پر محترمہ ''حفصہ بہن بودی'' کے شوہر ہم کو ایک ہوٹل لے گئے، جو سمندر کی سطح کے برابر اور اس سے نیچے پوری شیشے کی بنی ہوئی تھی، وہاں بیٹھ کر چائے ناشتہ کرتے ہوئے سمندر کی چیزوں کو دیکھنے کا عجیب لطف آتا ہے، پانی ہوٹل کی چہار دیواری کے ساتھ لگا ہوا رہتا ہے۔

جہاں سب سے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے

نیوزی لینڈ میں وِیلنگ ٹن (Wellington) کے آگے ''اِنور کارگل'' نام کی ایک جگہ ہے، کہتے ہیں کہ: دنیا میں کعبۃ اللہ سے سب سے دور مسجد وہاں تعمیر کی گئی ہے اور فیجی میں ٹَویِنی (Taveini) ایک جزیرہ ہے، اِنور کارگل اور ٹَویِنی ان دونوں کے متعلق یہ بات کہی جاتی ہے کہ: روزانہ سورج سب سے پہلے انہی دوجگہوں پر طلوع ہوتا ہے اور اِنور کارگل کے آگے جاکر ساؤتھ پول کا بورڈ آتا ہے؛ یعنی اب یہاں سے دنیا ختم۔

کچھ لوگ فیجی اور نیوزی لینڈ کے ان علاقوں میں جماعت میں جاتے ہیں، وہ وہاں جانے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور جاکر دعا کرتے ہیں: اے اللہ! دنیا کی جانبِ مشرق میں تیرے دین کی اشاعت کے لیے سفر کرتے کرتے دنیا کے آخری شرقی کنارے تک پہنچ گئے اب اس کے آگے کوئی زمین نہیں ہے، اگر ہوتی تو وہاں بھی دین کی اشاعت کے لیے جاتے، ایسے جذبات کے لوگ بھی یہاں آتے ہیں۔

پناما میں دوسمندروں کے سنگم کا قابلِ دید نظارہ

پناما میں دوسمندر: بحرِ اٹلانٹک (Atlantic Ocean) اور بحرِ پیسافک (Pacific Ocean) کو جوڑنے کا جو نظام ہے وہ اللہ نے انسان کو عقل کی جو نعمت دی ہے اس کی عجیب وغریب طاقت کا ایک کرشمہ ہے، ایک سمندر اونچا، دوسرا سمندر نیچا، دونوں کو برابر کرنے کا جو نظام ہے وہ عجیب وغریب اور قابلِ دید ہے۔

میرے مخلص میزبان: حاجی زبیر سامرودوالے اور حاجی ابراہیم نواپور والوں نے بہت اچھی طرح وہاں کی سیر کروائی۔

دو جہازوں کے درمیان ایک ملک کی حاضری اور نماز باجماعت کی سعادت

آسٹریلیا سے واپسی میں پرتھ سے ایک جہاز کے ذریعے انڈونیشیا کے جزیرہ ”بالی“ پہنچے، یہ بحرِ ہند میں واقع ایک نہایت خوب صورت جزیرہ ہے جہاں لوگ بکثرت سیر وسیاحت کے لیے آتے ہیں۔

فجر کی نماز پرتھ میں ادا کی، اور وہاں سے بالی پہنچے، امگریشن اور ویزا کی کارروائی بفضل اللہ! بہت ہی آسانی سے چند منٹوں میں مکمل ہوگئی، اس کے بعد ایک کار کے ذریعے ایئر پورٹ سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر ایک مسجد گئے، وہاں جاکر فارغ ہوئے، مختصر آرام کیا۔

مسجد کے اذان کے مائک میں زور زور سے قرآنِ مجید کی قرأت جاری تھی؛ تاکہ راستے سے گذرنے والے بھی سن سکیں۔

تھوڑی دیر میں اذان ہوئی اور ہم نے باجماعت نماز ادا کی، پھر وہاں سے ایئر پورٹ پہنچے، ایئر پورٹ پر عصر کی نماز اور کھانے سے فارغ ہوئے اور وہاں سے ایئر ایشیا (Air Asia) کا ہوائی جہاز ملیشیا ہوتے ہوئے بمبئی کے لیے تھا، اس جہاز نے ہمارے ملک میں مسافروں کو لے کر چلنے والا بڑا آٹو رکشا (چھکڑا) کا احساس کروایا۔

حضرت مدظلہ فرمانے لگے: یہ بھی اس طرح کا شاید پہلا موقع تھا کہ دو جہاز کے درمیان (Transit) کسی ملک کی مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کی۔

باربادوز میں ایک عجیب وغریب غار

بارباڈوز میں ایک عجیب وغریب غار ہے، حافظ اعزاز صاحب کاریا اور حاجی محمد علی بھائی بھانا کے اصرار پر پہلے سفر کے موقع پر وہاں جانا ہوا، اس غار میں باقاعدہ چھوٹی چھوٹی گاڑیاں چلتی ہیں، اس میں سفید برف کی شکل میں ایک عجیب وغریب قدرتی مادہ بھی جمتا ہے، یہ اللہ کی قدرت ہے۔

کہتے ہیں کہ: ہریسن (Harrison) نام کا کوئی شخص تھا، اس کی بھینس گم ہو گئی تھی، وہ اس کو ڈھونڈنے کے لیے نکلا تھا اور غار دریافت ہوا، تب سے اس کا نام ہریسن کیو (Harrison Cave) بن گیا۔

سمندر کے اندر عجیب وغریب مخلوقات

بارباڈوز کے سفر میں سب مرین (Submarine) کے اندر بیٹھنے کا بھی اتفاق ہوا، پانی کے کافی اندر تقریباً ۱۲۰ میٹر کی گہرائی تک وہ سب مرین میں بٹھا کر لے جاتے ہیں۔

اس میں بیٹھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ سمندر کے اندر کیسی عجیب وغریب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں، قسم قسم کی مچھلیاں، قسم قسم کے جانور، قسم قسم کے پتھر اور سمندر کی تہہ کی زمین، یہ عجیب اللہ کی قدرت کے نمونے ہیں۔

نشہ آور چیزوں کی خطرناک عادت

بہت سے ملکوں میں منشیات (drax) پر بڑی پابندی ہے؛ البتہ غیر قانونی

طور پر اس کا خوب رواج ہے، ہاں! اگر کسی بیماری یا کسی اور ضرورت کے موقع پر ڈاکٹر خاص مقدار میں اس کو تجویز کرے تو اتنی مقدار کی قانوناً اجازت ہوتی ہے۔

ایک مسلم ڈاکٹر صاحب کے پاس دو مسلم بچے ڈرگس کی اجازت کا کاغذ لکھوانے کے لیے آئے؛ لیکن ڈاکٹر صاحب نے ان کو لکھ کر نہیں دیا؛ کیوں کہ واقعی ان بچوں کو ضرورت بھی نہیں تھی، ڈاکٹر صاحب نے ان کی خیر خواہی میں نہیں لکھا، بات پوری ہوگئی، کچھ دنوں کے بعد ڈاکٹر صاحب کی گاڑی کے ٹائر (Tire) کٹ گئے، ڈاکٹر صاحب بہت حیران ہوئے کہ کس نے میری گاڑی کے ٹائر کاٹ دیے، پھر انھوں نے اس کو ٹھیک کروا دیے۔

کچھ دنوں کے بعد پھر ان کی گاڑی کے ٹائر کاٹ دیے گئے، ڈاکٹر صاحب بہت حیران ہوئے کہ: یہ کیا شرارت ہو رہی ہے؟ میں تو ہر ایک کے ساتھ خدمت کا برتاؤ کرتا ہوں، کسی کو میری طرف سے تکلیف نہیں پہنچتی ہے۔

تحقیق کرنے کے بعد (c.c.tv) کیمرہ وغیرہ کے ذریعے ان کو پتہ چلا کہ وہی دو بچے ۔جن کو ڈرگس کا کاغذ لکھنے کو منع کر دیا تھا۔ یہ حرکت کر رہے ہیں۔

اندازہ لگاؤ کہ ڈرگس کا ماحول کتنا خطرناک ہے جس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو نقصان اٹھانا پڑا!

یہ نشہ والی چیزوں کی عادت اتنی خطرناک ہوتی ہے کہ انسان اپنی عادت پوری کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے؛ اس لیے دعا، دوا، اور تدبیر کے ذریعے اس سے بچنے بچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اسلامی لباس کا عمدہ اثر: پہلا واقعہ

میلبون (Melbourne) کے ایئرپورٹ پر تھے، کچھ غیر مسلم عیسائی لڑکیوں نے حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ، قاری عبدالحنان صاحب، مولانا امتیاز صاحب خیر گامی اور بندہ محمود وغیرہ کو دیکھا، ہمارے اسلامی مکمل لباس دیکھے، جناب احمد بھائی منگیرا اوکلینڈ (Auckland) والے، وہ تو عمامہ کے ساتھ تھے۔

وہ عیسائی لڑکیاں۔ جو بہت عجیب وغریب لباس پہنے ہوئی تھیں۔ ہمار کپڑے دیکھ کر کہنے لگیں: آپ لوگ بہت ہی اِسمارٹ (Smart) اور بہت ہی اچھے نظر آرہے ہو، اور بہت ہی متأثر ہوکر بار بار اسلامی لباس کی تعریف کرنے لگیں۔

یہ تو انھوں نے ہمارے ظاہری لباس کو دیکھ کر کہا، اگر وہ ہمارے حقیقتِ اسلام کو دیکھتے تو پتہ نہیں کتنے متأثر ہوتے؟

دوسرا واقعہ

بندے کے ساتھ اِس سے پہلے اِس طرح کا ایک اور واقعہ پیش آیا، جب ۱۹۹۹ء ختم ہوکر ۲۰۰۰ء کا سن شروع ہورہا تھا، اس رمضان میں پہلی مرتبہ پناما کا سفر ہو رہا تھا، عید کے دن حافظ رشید صاحب (کالا کاچھا والے)، ہمارے بارڈولی کے بھائی اسماعیل پٹیل وغیرہ کے ساتھ نہر وغیرہ کی طرف تفریح کے لیے جانا ہوا۔

ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے ہم لوگ ایک جگہ رکے، اور ایک گارڈن میں باجماعت نماز پڑھی، وہاں بہت ساری عیسائی لڑکیاں جمع ہوکر اپنے مبائل میں ہماری نماز کے فوٹو لینے لگیں، پھر ہم جب پناما کینل پر پہنچے تو عیسائی لڑکیوں نے آکر باقاعدہ

پناما کی زبان میں درخواست کی، حافظ رشید صاحب نے ہم کو سنایا کہ: وہ یوں کہہ رہی ہیں کہ: آپ کا یہ اسلامی لباس ہم کو بہت اچھا لگ رہا ہے، ہم لوگ چاہتے ہیں کہ: ہم آپ کے ساتھ ایک فوٹو (Selfie) لیویں۔

ہم نے ان کو معذرت کردی اور اسلام کی تعلیمات سے ان کو روشناس کرایا۔

اِس سے اندازہ لگاؤ کہ ہمارے اسلامی لباس کا کتنا عمدہ اثر ہوتا ہے!!!

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کا چہرہ دیکھ کر ایک ایئر ہوسٹس کے ایمان لانے کا عجیب واقعہ

جس سال فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا رمضان دارالعلوم زکریا ساؤتھ افریقہ میں ہوا تو حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ بھی اخیری دس دن کے لیے تشریف لائے تھے (اس وقت مرولی ریلوے اسٹیشن تک فلائنگ رانی ٹرین پر الوداع کے لیے جانے کی سعادت بندہ محمود کو حاصل ہوئی تھی) رمضان کے بعد حضرت کا چار ملکوں کا سفر ہوا:

(۱) زمبابوے (zimbabwe)۔

(۲) ملاوی (malawi)۔

(۳) زامبیا (zambia)۔

(۴) بوٹسوانا (Botswana)۔

اِس سفر میں میری خوش نصیبی تھی کہ میں بھی حضرت کے ساتھ ساتھ رہا، زمبابوے، ملاوی، زامبیا، اور جوہانسبرگ سے ہو کر ہم بوٹسوانا گئے۔

اس سفر میں ایئر بوٹسوانا سے ہمارا چار (۴) بجے سفر تھا، بوٹسوانا کے شہر گیبرون (Gaborone) کے لیے جب سوار ہوئے تو اس فلائٹ میں میری اور حضرت کی سیٹ سب سے اخیر میں تھی، حضرت اپنا کوئی وقت ضائع نہیں کرتے تھے، معمول کے مطابق آپ نے قرآن کا مصحف نکال کر تلاوت شروع کردی۔

جب ایئر ہوسٹس (Air Hostess) کھانا لے کر آئی تو حضرت کو دیکھ کر اس نے مجھ سے پوچھا کہ: حضرت نے اپنے چہرے پر کونسا کریم (Cream) لگایا ہے جس سے حضرت کا چہرہ بہت چمکتا ہوا معلوم ہوتا ہے؟

میں نے کچھ جواب نہیں دیا۔

اس نے پھر آ کر دوسری مرتبہ مجھ کو پوچھا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

گیبرون اترنے سے پہلے پہلے حضرت نے مجھ سے پوچھا: وہ کیا کہہ رہی تھی؟

میں نے کہا: وہ پوچھ رہی تھی کہ: آپ چہرے پر کونسا کریم استعمال کر رہے ہیں جس سے آپ کا چہرہ چمکتا ہوا ہے۔

حضرت نے مجھ سے کہا کہ: اس کو کہو کہ: یہ ایمان کا نور ہے، وہ جب کلمہ پڑھے گی، ایمان لائے گی تو اللہ اس کو بھی ویسا ہی نور مرحمت فرمائیں گے۔

میں نے اس کو یہی جواب دیا۔ اس نے اترنے سے پہلے میرا پتہ بھی لے لیا، اور اپنا تعارف کروایا کہا کہ: گیبرون میں رہتی ہے، ایئر بوٹسوانا کے لیے کام کرتی ہے۔

ہم گیبرون پہنچے، پھر وہاں کے پروگرام سے فارغ ہو کر جوہانسبرگ پہنچے، اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ رکھا اور ہم نے ایک دوسرے سے دینی امور میں خط و کتابت شروع کی اور چار (۴) مہینے کے بعد اس نے کلمہ پڑھا اور اسلام لے آئی، اس کا

نام جمیلہ رکھا اور وہ ہمیشہ مجھے کہتی تھی کہ:

حضرت جیسا چہرہ میں نے کبھی بھی نہیں دیکھا، اس کے بعد اس کی شادی بھی ہوئی، اب ایمان کے ساتھ وہ رہتی ہے۔

یہ حضرت کی کرامت اور حضرت کا اخلاص ہے۔

نوٹ: اِس قصے کے راوی مفتی یعقوب منتی صاحب افریقہ والے ہیں۔

ہمارے حضرت کے متعلق امام الفن قاری سلیمان صاحب مدرسہ تجوید القرآن دہلی کے عجیب کلمات

کئی سال پہلے حضرت دامت برکاتہم کی معیت دہلی میں واقع مدرسہ تجوید القرآن میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، بیرونی ملک کے دوسرے اکابر بھی تھے، حضرت قاری سلیمان صاحب نے ایک شاندار استقبالیہ جلسہ کیا، جس میں بچوں کا قرآن سنایا اور حضرت کے نورانی چہرے اور نورانی اخلاق سے بہت ہی متأثر ہوئے اور جلسے میں علی الاعلان اس کا تذکرہ کیا اور ایک شعر حضرت کے متعلق پیش کیا:

مردِ حقّانی کی پیشانی کا نور	کہاں چھپ سکتا ہے پیشِ ذی شعور

بندے کو بخاری شریف کا ایک واقعہ یاد آ گیا جس میں ہجرت کے بعد جب حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی سب سے پہلی مرتبہ زیارت کی تو ان کے تأثرات یہ تھے: انه لیس بوجه کذاب۔

یعنی یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر کے ظلِ بابرکات کو تا دیر صحت و عافیت کے ساتھ ہم پر

باقی فرمائے، آمین۔

ہوائی جہاز میں ملنے والے کھانے کے متعلق بہترین مشورہ

ہمارے بہت سارے بھائی جب ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہیں تو کھانا لیتے نہیں ہیں یا لینے کے بعد معمولی کھا کر واپس کر دیتے ہیں، اس میں کھانا ضائع ہونے کا بڑا خطرہ لگا رہتا ہے، مناسب یہ ہے کہ جو کھانا وے جی ٹیبل(VG Table) یا حلال کھانا ہو یا مشروبات ہو وہ لے لیا جائے اور خود کو ضرورت نہ ہو تو تھیلی میں ساتھ لے لیویں، ان شاء اللہ! وہ کسی دوسرے کو کام آوے گا۔

بندے کا اس پر معمول رہا ہے کہ عام طور پر میں ہوائی جہاز سے کھانا لے لیتا ہوں اور جہاں جانا ہو وہاں میں کسی کو ہدیہ کر دیتا ہوں؛ چوں کہ اس کی قیمت ہم ٹکٹ میں ادا کر ہی دیتے ہیں اس لیے اس کے لے جانے میں ہمارے لیے کوئی بری بات نہیں ہے۔

ہوائی جہاز میں ملنے والے کھانے کی قدردانی کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ میں بمبئی سے بوٹسوانا جا رہا تھا، بمبئی سے بوٹسوانا تک ایک جگہ درمیان میں جہاز تبدیل کرنا تھا، اِس سفر میں میرے مشفق ومحسن حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کچھ پہلے تشریف لے گئے تھے۔

حضرت ملاوی سے بوٹسوانا تشریف لانے والے تھے اور بندہ بمبئی سے بوٹسوانا پہنچ رہا تھا۔

میں نے معمول کے مطابق ہوائی جہاز کا کھانا لے لیا، جب میں ایئرپورٹ پر اترا تو تو وہاں مولانا سلیم صاحب کے مدرسے کی گاڑی مجھے لینے آئی تھی اور کچھ مقامی

افریقن سیاہ فام طلبہ بھی استقبال کے لیے تھے، ان کو میں نے کھانا پیش کر دیا، انھوں نے بہت شوق اور رغبت سے کھایا، ایسا لگ رہا تھا کہ مدرسے میں کھانا تیار ہو اس سے پہلے مجھے ایئرپورٹ پر لینے آچکے ہوں گے اور ان کو کافی بھوک لگی تھی، ایک ایک لقمہ انھوں نے پوری قدردانی کے ساتھ کھایا۔

دوسرا واقعہ

اسی طرح کا ایک واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ڈربن سے جوہانسبرگ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب مدظلہ العالی، مفتی یعقوب صاحب منتی، مفتی فاروق صاحب منتی کی معیت میں سفر ہو رہا تھا، ہم لوگ ڈربن سے کھانا کھا کر چلے تھے، ہوائی جہاز میں کھانے کا کوئی تقاضا نہیں تھا۔

ہوائی جہاز میں سب کو برگر (Burger) دیے گئے، میں نے تمام ساتھیوں سے برگر جمع کر لیے، ہم تقریباً آٹھ ساتھی تھے، جب ہم جوہانسبرگ ایئرپورٹ پر اترے تو وہاں ایئرپورٹ کے باہر کچھ فقیر قسم کے لوگ بے چارے بھوکے تھے، ان کو وہ برگر دے دیے تو انھوں نے بہت شوق سے قبول کیا اور فوراً کھایا اور بہت دعائیں دی۔

تیسرا واقعہ

ایک مرتبہ موزامبیق (Mozambique) کی راج دھانی مپوٹو (Maputo) سے ٹیٹ (Tet) جا رہا تھا، ملاوی کے احباب گاڑی کے ذریعے مجھے ٹیٹ سے ملاوی لے جانے والے تھے، رمضان کا مہینہ تھا، ہوائی جہاز میں جو ناشتہ ملا وہ اور پلاسٹک کی پلیٹیں چمچیاں وہ بھی میں نے ساتھ لے لی، پھر ہم لوگ ٹیٹ ایئرپورٹ سے ملاوی

لیلونگوے جانے کے لیے نکلے تو راستے میں کچھ غریب آبادیوں سے گزر ہوا۔

درمیان میں نماز کے لیے رُکے، ایک جگہ استاذ بچوں کو پڑھا رہے تھے، جو کچھ کھانا اور ہوائی جہاز کا سامان لیا ہوا تھا وہ ان کو ہدیہ دے دیا، انھوں نے بہت خوشی خوشی قبول کیا۔

ان غریبوں کے لیے یہ نعمت بھی بہت بڑی ہوا کرتی ہے؛ اسی لیے ہوائی جہاز سے ملنے والی ان چیزوں کو لے کر ہم صدقہ کر سکتے ہیں۔

نوٹ: اسٹیل اور شیشے کے برتن، اوڑھنے کی شال اور کمبل جو صرف استعمال کے لیے دی جاتی ہے وہ جہاز ہی میں چھوڑ دیں، وہ ساتھ میں نہ لے جاویں۔

سفر کے متعلق چند ضروری ہدایات

اپنے سفر نامہ کی پہلی جلد میں سفر کے متعلق بہت ساری ہدایات لکھ چکا ہوں؛ پھر بھی چند ہدایات اس تیسری جلد میں لکھ رہا ہوں؛ چوں کہ تجربات سے انسان بہت کچھ حاصل کرتا ہے، سفر در سفر جاری ہے اور نئے تجربات سے نئی نئی باتیں سامنے آتی رہتی ہیں:

① جب کسی منزل پر پہنچتے ہیں اور وہاں جہاز سے نکل کر ہم اپنا سامان لیتے ہیں تو جلد بازی میں اپنا بیگ چیک نہیں کرتے؛ حالاں کہ اس وقت بیگ کو اچھی طرح چیک کر لینا چاہیے، بہت سی مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارا بیگ تو اچھا تھا؛ لیکن اب جہاں پہنچے تو بیگ پھٹا ہوا ہے تو ہم اسی وقت ہوائی جہاز کمپنی سے قانونی کارروائی کر سکتے ہیں، اس کی طرف خصوصی دھیان دیں۔

بہتر یہ ہے کہ جہاں سے روانہ ہوں اس وقت جب جہاز والوں کو سامان جمع کرواتے ہیں تب موبائل میں ہمارے بیگ کی تصویر لے لیں، سامان نہ پہنچے یا گم ہوجائے تو تلاش میں اس سے بڑی سہولت رہتی ہے۔

② پہلے نیٹ پر چیک کر کے بورڈنگ کارڈ (Boarding Card) لے لیں، اور ہوائی جہاز میں داہنی طرف کی جگہ لیں؛ تاکہ استنجا کے لیے آنے جانے میں سہولت رہے، اسی طرح ایسی جگہ سیٹ پسند کریں کہ کھڑکی سے ہم سورج کا طلوع اور غروب دیکھ سکیں؛ تاکہ ہمارے لیے نماز پڑھنے میں سہولت رہے۔

③ ہوائی جہاز کے سفر میں جب ٹکٹ بنوائیں تو اسی وقت معذوروں کے لیے وئیل چیئر اور ہمارا سبزی والا کھانا یا فروٹ وغیرہ کو صراحتاً لکھوا دینا چاہیے۔

④ ایک سہولت یہ ہوتی ہے کہ ہمارے ساتھ اگر کوئی وہیل چیئر والا ساتھی ہو تو اس کی وجہ سے ہوائی لائن کی کمپنی کو درخواست کریں گے تو وہ سیٹ آگے کی طرف دیتے ہیں، اِس سے بھی بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

ہمارے حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم ابھی ضعف کی وجہ سے جہاز کے سفر میں وہیل چیئر میں چلتے ہیں، ایئرپورٹ میں خوب لمبے لمبے فاصلے ہوتے ہیں، آپ کی برکت سے ہمیں جس طرح دنیا میں اور بہت سارے فائدے حاصل ہوتے ہیں اسی طرح ہوائی جہاز میں بھی ہمیں آگے سیٹ مل جاتی ہے اور دوسری بہت ساری قانونی کارروائیاں بھی آسانی سے ہوجاتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس صحبت کی برکت سے آخرت میں بھی خوب فوائد عطا فرماوے۔

⑤ جو لوگ ہوائی جہاز میں کثرت سے سفر کرتے ہیں وہ کارڈ بھی بنوالیویں،

ہوائی جہاز کمپنیوں کے آپس میں گروپ ہوتے ہیں جیسے کہ سٹار ایلائنس وغیرہ، جب ہم سفر کریں تو اس ٹکٹ سے سفر کے میل کی مقدار درج (Miles) کروادیں، جس کی وجہ سے بعض مرتبہ کچھ خاص مقدار میں مائی لیج ہو جانے پر ٹکٹ مفت بھی مل جاتا ہے، اور بعض مرتبہ سامان بھی زیادہ لے جانے کی اجازت ملتی ہے، اور بھی بہت سے فوائد ہوتے ہیں، اس سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔

⑥ جب ایک سفر میں دو تین ہوائی جہاز بدلنے ہوں تو ایک ہی کمپنی کے ایک ہی ٹکٹ سے ایک ہی پی این آر (PNR) نمبر سے تمام ٹکٹ بنوائیں۔

اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہوائی جہاز کمپنی قانونی طور پر منزلِ مقصود تک لے جانے کی ذمے دار ہو جاتی ہے، مثلاً بمبئی سے کینڈا جا رہے ہیں۔بمبئی سے دبئ، دبئ سے پیریس، پیریس سے ٹورنٹو۔ تو ایک ہی پی این آر کی ٹکٹ لینا چاہیے، اگر خدانخواستہ کوئی ہوائی جہاز تاخیر سے ہو گیا اور آگے والا ہوائی جہاز چھوٹ گیا تو اسی ہوائی جہاز کمپنی کی ذمے ہے کہ وہ دوسرا معقول انتظام کر کے پہنچائے۔

⑦ ملک و بیرونی ملک کے سفر میں اگر ہمارا کھانے وغیرہ کا کوئی پرہیز ہے تو میزبان کو اطلاع دے دینی چاہیے؛ کیوں کہ وہ لوگ مہمانوں کے لیے بہت محنت سے عمدہ چیزیں بنواتے ہیں اور بعض مرتبہ ہمارا اسی چیز کا پرہیز ہوتا ہے؛ اس لیے اس کی طرف بھی خاص توجہ دینی چاہیے۔

مصر کے سفر

کی

کارگزاری

مصر کے رفقائے سفر کے اسمائے گرامی

① مفتی محمود، بارڈولی۔

② مولانا ناصر شیخ صاحب، نوساری۔

③ مولانا صادق غلام علی لہر مانیکپوری۔

④ حاجی عبدالصمد گھونسلا، کٹر وڈ۔

⑤ حاجی ایوب وہرا کھمبھاتی، کچھولویؒ۔

⑥ سراج الدین بن مرحوم حاجی شوکت قریشی، دمن۔

⑦ آصف میمن، دمن۔

⑧ حاجی بلال کاریا، بارڈولی۔

⑨ حاجی شاہد بھملا، بارڈولی۔

⑩ رفیق بھائی لونت۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَلْحَمْدُ لِلّٰہ نَحْمَدُہُ وَنَسْتَعِیْنُہُ وَنَسْتَغْفِرُہُ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتوَکَّلُ عَلَیْہ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ یَّھدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہُ لَاشَرِیْکَ لَہ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَاِمَامَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہُ وَرَسُوْلُہ،صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَ اَھلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ، وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً اَمَّا بَعْدُ!فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ.

ترجمہ:اورمصر کے جس آدمی نے ان (یوسف) کوخریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ:تواس (یوسف) کوعزت سے رکھنا، شاید یہ ہم کوکام آجائے یا ہم اس کواپنا بیٹا بنالیں گےاور(جس طرح کنویں سے ہم نے یوسف کونکالا)اسی طرح ہم نے یوسف کو(مصرکی) زمین میں عزت کی جگہ دی اوراس واسطے کہ ہم ان (یوسف) کوکچھ باتوں کا صحیح مطلب نکالناسکھادیں۔

وقال تعالیٰ: **فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ؕ۹۹**

ترجمہ:سوجب وہ سب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے،توانھوں نے (یعنی

یوسف علیہ السلام نے) اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور (یوسف علیہ السلام نے) کہا کہ: تم سب مصر میں داخل ہو جاؤ، ان شاء اللہ ہر طرح امن وامان (چین واطمینان) کے ساتھ رہو گے ﴿۹۹﴾

وقال تعالیٰ: وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳

ترجمہ: قسم کھاتا ہوں انجیر کی اور زیتون کی ﴿۱﴾ اور طور پہاڑ کی (جو) سینا کے صحرا میں ہے ﴿۲﴾ اور اس امن والے شہر (مکہ) کی ﴿۳﴾

محترم حضرات!

الحمد للہ! اسفار کی کارگزاری کی نسبت سے اس مسجد میں یہ تیسری مجلس ہے۔

بخارا، سمرقند کی کارگزاری کی مقبولیت

اس سے پہلے بخارا، سمرقند، ترمذ کی کارگزاری کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے تھے، پتہ نہیں ہمارے یہاں کے ساتھیوں کا کیسا اخلاص ہے کہ اُس سفر کی کارگزاری کو ایک ہی رات میں تقریباً ساڑھے تین ہزار لوگوں نے مختلف ملکوں میں ڈاؤنلوڈ (Downloads) کیا اور سنا اور بعد میں اللہ کے کرم سے وہ کارگزاری اردو، گجراتی زبان میں کتابی شکل میں بھی شائع ہو گئی۔

دوسری مجلس میں ملکِ شام یعنی اردن، اور فلسطین اور ترکی کی کارگزاری ہوئی تھی، اور آج اس تیسری مجلس میں ہم ان شاء اللہ! سفرِ مصر کی کارگزاری پر بات کریں گے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پوری امت کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، آمین۔

مصر جانے کی چاہت اور مصر کا سفر

ایک مدت سے چاہت تھی کہ مصر کی زیارت کریں؛ اس لیے کہ مصر سے ہمارا روحانی اور ایمانی رشتہ ہے، برادرِ مکرم مفتی طاہر (باکس والا صاحب) کے سفرِ مصر کے بعد میرا شوق اور بھی بڑھ گیا، ششماہی امتحانات کے بعد ہمارے مدرسے میں ایک ہفتے کی تعطیل ہوتی ہے، ویسی تو کئی ملکوں کی دعوت چل رہی تھی؛ لیکن یہ طے ہوا کہ اگر ملکِ مصر کا ویزا حاصل ہو گیا تو وہیں کے سفر کو ترجیح دیں گے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں مصر کے سفر کی سعادت عطا فرمائی۔

مصر سے ہمارا ایمانی وروحانی رشتہ اور قرآن میں مصر کا تذکرہ

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ مصر سے ہمارا روحانی اور ایمانی رشتہ کیا ہے اور کیسے ہے؟

مصر جس کو آج کل لوگ اجپت (Egypt) کہتے ہیں؛ حالاں کہ اس کو اجپت نہیں کہنا چاہیے؛ بلکہ مصر ہی کہنا چاہیے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن میں مصر ہی فرمایا ہے: سورۂ یوسف کی آیت نمبر اکیس (21):

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ

اور آیت نمبر ننانوے (99): وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۟

اس میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف لفظ ''مصر'' استعمال فرمایا ہے۔

اور آیت نمبر تیس (30) میں مصر کے لیے لفظ ''مدینہ'' استعمال کیا ہے:

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۰

ترجمہ: اور شہر (یعنی مصر) میں عورتیں باتیں کرنے لگیں کہ: عزیز کی بیوی (زلیخا) اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے اپنے نوجوان غلام کو پھسلاتی ہے، اس (نوجوان یوسف) کی محبت اس عورت (یعنی عزیز کی بیوی) کے دل میں بیٹھ گئی ہے، ہم تو یقینی طور پر یہ مانتے ہیں کہ وہ (عزیز کی بیوی) کھلی ہوئی گمراہی (یعنی غلطی) پر ہے۔

اور آیت نمبر تہتر (73): قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝۷۳

ترجمہ: وہ (گیارہ بھائی) بولے کہ: اللہ کی قسم! پکی بات ہے کہ تم کو تو معلوم ہے کہ ہم (ملکِ مصر میں) فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور ہم چوری کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ ﴿۷۳﴾

اور آیت نمبر اسی (80): فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۰

ترجمہ: میں تو ہرگز اِس زمین (یعنی ملکِ مصر) سے ہٹ کر نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ میرے ابا مجھے (گھر واپس آنے کا خود) حکم دیویں، یا تو اللہ تعالیٰ ہی میری مشکل کو سلجھا دیویں اور وہ (اللہ تعالیٰ) تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔ ﴿۸۰﴾

اور آیت نمبر چھپن (56): وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک (یعنی مصر) میں با اختیار بنا دیا۔

اِن تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے مصر کے لیے ''الارض'' کا لفظ استعمال فرمایا

ہے، اس سے اندازہ لگاؤ کہ کم از کم چھ (6) آیتوں میں ملکِ مصر کے نام کا تذکرہ ہے۔

وادیٔ سینا بھی مصر میں ہے

اس سے آگے جہاں اللہ تعالیٰ نے ''وادیٔ سینا'' کا تذکرہ کیا ہے، یہ تو اتنی مبارک جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی قسم کھائی ہے اور وہ بھی مکہ جیسی سرزمین کے ساتھ اس کی قسم کھائی گئی:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳

ترجمہ: قسم کھاتا ہوں انجیر کی اور زیتون کی ﴿۱﴾ اور طور پہاڑ کی (جو) سینا کے صحرا میں ہے ﴿۲﴾ اور اس امن والے شہر (مکہ) کی ﴿۳﴾

یہ پوری ''وادیٔ سینا'' مصر میں ہے۔

قرآن مجید میں تقریباً اٹھائیس (28) پاروں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہے، صرف دو پارے: چودہ (۱۴) اور انتیس (۲۹) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اکثر واقعات مصر میں پیش آئے۔

اس سے اندازہ لگاؤ کہ اِس مصر سے ہمارا کتنا بڑا روحانی رشتہ ہے۔

مصر نام کی وجہ

یہ مصر نام کیسے رکھا گیا؟ تو ایسے ہر محدود شہر کو ''مصر'' کہتے ہیں۔ مصر کا معنیٰ آتا ہے ''حد''۔ رات اور دن کے درمیان اللہ تعالیٰ سورج کو کھلی ہوئی حدِ فاصل بناتے ہیں، دو پانیوں کے درمیان جو آڑ ہوتی ہے اس کو بھی ''ماصر'' کہا جاتا ہے؛ لیکن یہاں مصر سے ایک خاص ملک مراد ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے ایک صاحب زادے کا نام ''سام بن نوح'' ہے، یہ آپ کے اُن تین بیٹوں میں سے ہیں جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، اسی سام بن نوح کے بیٹے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے کا نام ''مصرائیم'' تھا، ان کے نام کی نسبت سے اس علاقے کا نام ''مصر'' بنا۔

سام بن نوح کی قبر مصر میں بتائی جاتی ہے، ایک سینوگاک تھا یعنی یہودیوں کی عبادت کی جگہ، اسی میں حضرت سام بن نوح کا مزار تھا، یہودیوں کی عبادت گاہ کے ختم ہونے کے بعد اس جگہ مسجد کی تعمیر ہوئی۔ یہ ایک وجہِ تسمیہ ہے۔

مصر سے ایمان تازہ کرنے والا روحانی رشتہ

بھائیو! ایمان تازہ کرنے والا ایک اور روحانی رشتہ مصر سے آپ کو بتاؤں:

ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی اماں جن کی برکت سے امت کو صفا، مروہ کی سعی میسر آئی، جن کی برکت سے زمزم ملا؛ یعنی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا وہ بھی ملکِ مصر کی تھیں۔

واقعہ بہت لمبا ہے، مختصر یہ کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں جلانے والا واقعہ پیش آنے کے بعد اپنے وطن بابل سے چل کر مصر پہنچے، آپ کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بہت خوب صورت تھیں، اس زمانے کا بادشاہ جو فرعون تھا اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زنا کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو زنا میں ناکام کیا اور اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی کرامت دیکھی تو اپنی بیٹی یعنی شہزادی ہاجرہ کو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے لیے دے دیا۔

اِس کا تفصیلی واقعہ خطباتِ محمود جلد (۴) میں آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اسی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا نکاح ہوا، پھر انھیں کے پیٹ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے جن کو ہم ''ذبیح اللہ'' کہتے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان میں ایک ہی نبی پیدا ہوئے، وہ ہیں میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، یوں کہہ لیجیے کہ مصر سے ہمارے نبی کا دادھیالی رشتہ جڑا ہوا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ مصر میں پیش آیا

پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا زمانہ آیا، ان کا تو پورا واقعہ ہی مصر میں پیش آیا، جس کو قرآنِ مجید میں ''احسن القصص'' حسین ترین یا عجیب ترین واقعہ کہا گیا ہے۔

اللہ کے ایک نبی، جو نبی کے بیٹے ہیں اور نبی کے پوتے ہیں، جو غلام بن کر مصر پہنچے، اللہ نے ان کو آزاد بھی کروایا اور مصر کا بادشاہ بھی بنایا اور مصر میں ان کو نبوت بھی عطا کی، حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی مصر میں گذری، وہیں ان کا نتقال ہوا، ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی زندگی کے آخری دنوں میں مصر ہجرت کی، اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے

حضرت یوسف علیہ السلام کے تقریباً چار سو (۴۰۰) سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے، حضرت ہارون علیہ السلام بھی مصر میں پیدا ہوئے، دونوں نبیوں کی دعوتی زندگی کا بڑا حصہ مصر سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ سب ہمارے روحانی رشتے ہیں۔

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امّاں جان کا بھی تذکرہ ہے: **وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ** ۚ (القصص:۷)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کو الہام کیا یہ کہ تو اس (موسیٰ) کو دودھ پلاتی رہ۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بھی مصر میں رہتی تھیں، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ''یوحانث'' ہے، اور والد کا نام ''عمران'' ہے؛ کہتے ہیں کہ عبرانی زبان میں ''موٗ'' پانی کو کہتے ہیں اور ''شی'' درخت کو کہتے ہیں۔ جب یہ لفظ عربی میں منتقل ہوا تو شین کو سین سے بدل دیا گیا تو موسیٰ ہو گیا؛ چوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدائش کے بعد صندوق میں بند کر کے پانی میں ڈال دیا گیا تھا اس لیے ''موسیٰ'' نام ہو گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً دو ہزار سال پہلے ''مصر'' تمدن و تہذیب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا، یہاں کے حکمراں عمالقہ تھے، حضرت یوسف ؑ ''کنعان'' سے ایک بدوی غلام کی حیثیت سے مصر میں داخل ہوئے، مصر کا دارالسلطنت اس زمانہ میں ''رعمسیس'' تھا، یہ غالباً اس مقام پر واقع تھا جہاں آج ''صان'' کی بستی آباد ہے، جغرافیائی حیثیت سے اس کا جائے وقوع مشرق کی جانب دریائے نیل کے قریب بتایا جاتا ہے، مصری افواج کا افسر، شاہی خاندان کا ایک رئیس ''فوطیفار'' تھا، یہ سیر کے لیے مصر کے بازار سے گذر رہا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر نظر پڑی، اور اس نے معمولی

قیمت لگا کر ان کو خرید لیا۔

بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا خاندان مصر میں مقیم ہو گیا، خود آپ کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام بھی یہیں تشریف لے آئے تھے، اور یہیں ان کا انتقال ہوا، اگرچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی وصیت کے مطابق خود حضرت یوسف علیہ السلام نے شہر ''الخلیل'' میں لا کر دفن کیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات اور دفن کا عجیب واقعہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر میں مصر میں ہوئی، وفات کے بعد اہلِ مصر کا دفن کے سلسلے میں اختلاف ہو، ہر ایک برکت کے لیے اپنے محلے میں دفن کرنا چاہتا تھا اور قریب تھا کہ قتل وقتال کی نوبت آ جائے، پھر انھوں نے یہ طے کیا کیا کہ مرمر کے ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں دفن کر دے؛ تاکہ ان پر سے پانی گزر کر سب کو برکت پہنچے، پہلے داہنی جانب دفن کیا تو بائیں جانب والا حصہ سوکھ گیا، پھر بائیں جانب دفن کیا تو داہنی جانب والا حصہ سوکھ گیا، چنانچہ دریائے نیل کے بیچ ان کو دفن کیا اور تابوت کو ایک رسی سے باندھ دیا۔

چار سو سال تک آپ مصر ہی میں مدفون رہے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے نکلنے کا حکم دیا تو ساتھ میں یہ بھی حکم دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کو یہاں سے لے جا کر شام میں دفن کر دیں؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کی جگہ معلوم نہیں تھی، چنانچہ ایک بڑھیا نے اس شرط پر جگہ بتلائی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جنت میں رہے گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

اس کو ضمانت دی، اور آپ کے تابوت کو مصر سے ملکِ شام منتقل کر دیا۔ (از حاشیہ جلالین)

بنی اسرائیل مصر میں

قرآن عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں بنی اسرائیل کا ذکر صرف اسی قدر کیا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کا خاندان حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے مصر میں آیا؛ مگر اس کے صدیوں بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں پھر ایک مرتبہ قرآنِ حکیم بنی اسرائیل کے واقعات تفصیل کے ساتھ سناتا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے زمانے میں مصر میں بس گئے تھے اور ان تمام پچھلی صدیوں میں ان کی تاریخ مصر ہی سے وابستہ رہی ہے، تورات کی تفصیلات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی مصر میں وفات پائی

تورات میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلا کر وصیت کی کہ: مجھے سرزمینِ مصر میں دفن نہ کیا جائے؛ بلکہ باپ دادا کے وطن فلسطین میں میری قبر بنائی جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے آپ کے جسدِ اطہر کو تابوت میں رکھا اور فلسطین لے جا کر دفن کر دیا۔ یعقوب علیہ السلام مصر میں چوبیس (۲۴) یا سترہ (۱۷) سال مقیم رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلی مرتبہ مصر سے نکلنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے تو نہایت طاقت ور اور بہادر نوجوان تھے،

چہرے سے رعب ٹپکتا، گفتگو سے ایک شان اور ایک وقار ظاہر ہوتا، ان کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اسرائیلی خاندان سے ہیں، آپ نے اسرائیلیوں کی نصرت کا سلسلہ شروع کیا، جس کی برکت سے اسرائیلیوں پر فرعونیوں کے مظالم میں کافی کمی آ گئی؛ چوں کہ آگے اللہ آپ کو بہت کچھ نوازنے والے تھے، ایک بغیر قصد کے قتل کے واقعہ کے پیشِ نظر مصر سے مدین جانے کی نوبت پیش آئی اور آپ پہلی مرتبہ مصر سے باہر تشریف لے گئے۔

قارون کے دھنسنے کا واقعہ مصر میں پیش آیا

قارون کو کون نہیں جانتا؟ إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: یقیناً قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم کا ایک شخص تھا، پھر وہ ان (بنی اسرائیل) پر زیادتی کرنے لگا۔ (القصص:۷۶)

مال داری کے گھمنڈ میں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ کی نافرمانی کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا تھا، وہ قصہ بھی مصر میں پیش آیا۔

مصر کی ایک اور شخصیت ''ہامان'' کا قرآنی تذکرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کے فرعون کا وزیرِ اعظم ''ہامان'' نام کا ایک شخص تھا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سخت دشمن اور فرعون کا بڑا معتمد تھا، فرعون کے حکم سے اس نے ایک اونچا مینارہ تیار کیا۔

کہتے ہیں کہ: سب سے اول اینٹ پکا کر لال کرنے کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہوا، اس سے پہلے تعمیرات میں پتھر استعمال ہوتے ہوں گے، یا کچی اینٹ۔

اس مینارہ کے لیے ہامان نے پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) معماروں کو جمع کیا اور

اس زمانے کی دنیا میں سب سے اونچی عمارت اس نے بنوائی، پھر فرعون کو اطلاع دی، فرعون اوپر چڑھا اور تیر وکمان ہاتھ میں لے کر آسمان کی طرف تیر پھینکا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے فیصلے کے مطابق وہ تیر خون آلود ہو کر واپس ہوا، فرعون نے یہ دیکھ کر غرور اور شیخی سے یوں کہا: لو! اب میں نے موسیٰ کے خدا کا قصہ بھی تمام کر دیا۔

فرعون نے عوام اور درباریوں کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنی شکست کو چھپانے کے لیے اگرچہ یہ طریقہ اختیار کیا؛ مگر وہ خود سب سمجھتا تھا کہ یہ ایک دھوکہ ہے اور بس! اس سے دلوں کو تسلی نہیں ہو سکتی اور بہت ممکن ہے کہ بہت سے مصری بھی اس کو سمجھتے ہوں؛ تاہم درباریوں اور خواص وعوام میں ایک بھی ہمت والا آدمی نہ تھا جو جرأت سے اس سازش کا پردہ فاش کرتا۔

تفسیری روایتوں میں ہے کہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پر مار کر اس عمارت کے تین ٹکڑے کر دیے، ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا تو تقریباً دس لاکھ سپاہی مارے گئے اور ایک بھی معمار یا مزدور باقی نہ رہا، دوسرا ٹکڑا دریا میں گرا، تیسرا ٹکڑا مغرب میں جا کر گرا۔

لفظِ فرعون کی ایک تحقیق

فرعون: اصل میں یہ لفظ ''فاراع، اوہ'' تھا، مصری زبان میں ''فاراع'' کے معنیٰ محل اور ''اوہ'' کے معنیٰ ''اونچا'' کے ہے، فرعون کا معنیٰ ہوا ''اونچا محل'' فرعون اونچے اونچے محل بناتا تھا۔

یا وہ اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اوتار بتاتا تھا اور مصری لوگ سورج، چاند اور

ستاروں کی پوجا کرتے تھے،اور فرعون لوگوں سے اپنی پرستش اور عبادت کرواتا تھا؛ اس لیے فرعون کے معنی ہوتے ہیں سورج دیوتا کا اوتار؛اس لیے کہ مصری دیوتاؤں میں سب سے بڑا ''آمن راع'' (سورج دیوتا) تھا اور بادشاہِ وقت اس کا اوتار اور فاراع کہلاتا تھا،یہی فاراع عبرانی میں ''فاراعون'' اور عربی میں ''فرعون'' کہلایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں فرعون کا نام ''ایوخس'' تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جس فرعون نے پرورش کی تھی اس کا نام ''رعمیس دوئم'' یا رعمیس تھا،ایک قول کے اعتبار سے اس کا نام ''ریادہ'' یا ''آیونی'' تھا،یونانی اس کو ''سوستربس'' کہتے تھے اور عبرانی ''فرعون التسخیر''۔

رعمیس کے بیٹے ''منفتاح'' کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی، اسی سے مقابلہ ہوا اور یہ ہی ۱۴۹۱ء قبل مسیح غرق ہوا،اور یہ فرعون کی نسل میں انیسویں خاندان میں سے تھا۔(لغات القرآن نعمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا واقعہ بھی مصر میں پیش آیا

یاد رکھیں کہ!مصر میں تقریباً اکتیس (۳۱) فرعونوں نے الگ الگ زمانے میں بادشاہت کی ہے۔

وہ میدان بھی مصر میں ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے مقابلہ کیا تھا،امام قرطبیؒ کے بقول:تقریباً نو لاکھ جادوگر اس میدان میں جمع ہوئے تھے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایمان کی نسبت پر مقابلہ کیا تھا تو نو لاکھ جادوگر ایمان لے

آئے تھے، وہ مبارک میدان بھی مصر میں ہے۔

جادوگر اور مصر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا زمانہ مصری تمدن کی جو تاریخ پیش کرتا ہے اس میں یہ بات نمایاں نظر آتی ہے کہ مصری علوم وفنون میں ''سحر'' کو ایک مستقل علم وفن کی حیثیت حاصل تھی اور اسی بنا پر ساحرین کا رتبہ مصریوں میں بہت بڑا سمجھا جاتا تھا، حتی کہ ان کو شاہی دربار میں بھی بڑا رسوخ حاصل تھا، اور جنگ وصلح، اور اہم سرکاری معاملات میں بھی انہیں کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، اور ان کے ساحرانہ نتائج کو بڑی وقعت دی جاتی تھی، حتی کہ مذہبی معاملات میں بھی ان کو اہم جگہ دی جاتی تھی۔

آج کل مصر میں جادوگر ہیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے جو جادوگر آئے تھے، فرعون نے ان کو لالچ دے کر نبی کے مقابلے کے لیے بلایا تھا؛ چوں کہ ہم تفسیر پڑھتے، پڑھاتے ہیں تو ہمارا دماغ بھی ان تاریخی واقعات کی طرف چلتا ہے، میں نے سفر کے دوران اپنے گائڈ سے سوال کیا:

هَلْ هُنَاكَ السَّاحِرُوْنَ كَمَا كَانَ فِيْ زَمَنِ مُوْسٰى عليه السلام؟

آج کل یہاں جادوگر لوگ ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے؟

انھوں نے کہا: ہاں ہیں اور بتایا جاتا ہے کہ: انھیں جادوگروں کی نسل کے جادوگر آج تک ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادوگر

جادوگر تقریباً تین سو اونٹ پر چمڑے کی رسیاں اور لاٹھیاں لاد کر لائے تھے اور اس پر انھوں نے جادو کیا، لوگوں کے تخیل میں تو یہ نظر بندی سے وہ سانپ کی طرح دوڑتے نظر آئے۔

ایک قول یہ ہے کہ ساحرینِ فرعون کی لاٹھیاں اور چمڑے کی رسیاں سانپ نہیں بن گئی تھیں بلکہ ان کے ندر پارہ بھر دیا گیا تھا اور جس زمین میں یہ مظاہرہ کیا گیا تھا اس کو کھوکھلا کر کے اس کے اندر آگ بھر دی گئی تھی، چنانچہ وقتِ معین پر نیچے کی گرمی سے پارہ میں حرکت پیدا ہوگئی اور وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ کی طرح دوڑتی نظر آنے لگیں۔ خیر یہ مقابلۂ حق و باطل بھی اسی مصر میں پیش آیا۔

قرآن میں ایک مصری مردِ مؤمن کی یادیں

فرعون کے خاندان میں ایک شخص ایمان لا چکے تھے؛ لیکن انھوں نے اپنے ایمان کو چھپایا تھا، البتہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف قتل کی بات ہونے لگی تب انھوں نے اپنی تقریر شروع کی جو سورۂ غافر میں بڑی تفصیل کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: فرعون کی بیوی آسیہ اور یہ مردِ مؤمن دونوں حضرت موسی علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔

کہتے ہیں کہ: یہ فرعون کے چچازاد بھائی تھے، ان کا نام ''حزقیل'' یا ''حبیب'' یا ''شمعان'' بتایا جاتا ہے، یہ مخلص خیر خواہ مردِ مؤمن بھی اسی مصر کے تھے۔ اللہ کرے آج کی مصری حکومت کو اس طرح کے کوئی مردِ مؤمن نصیب ہو جائے!!!

سامری اور مصر

پھر ایک اور شخص کا قرآن میں تذکرہ ہے: فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: پھر اسی طرح سامری نے (اس کے پاس جو کچھ تھا آگ میں) ڈال دیا۔

جس کا نام سامری ہے، جس نے وہاں کے لوگوں سے بچھڑے کی عبادت شروع کروائی تھی وہ واقعہ بھی اسی مصر کا ہے۔

سامری کی تحقیق

① بنی اسرائیل میں ایک خاندان تھا جس کا نام ''سامرہ'' تھا، اسی کی طرف نسبت کر کے اس کو ''سامری'' کہتے ہیں۔

② سامورہ یہود میں ایک قوم ہے جو عام یہودیوں سے بعض مذہبی چیزوں میں مخالف ہے، اس کی طرف نسبت کر کے اس کو ''سامری'' کہتے ہیں۔

③ یہ کرمان کا رہنے والا ایک دہقانی کافر تھا، اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا، یہ منافق تھا، اس کی قوم گائے کی پجاری تھی۔

④ سمیری قوم کا یہ فرد تھا، اس قوم کو پرانے زمانے میں سامری کہتے تھے، آج بھی عراق میں اس خاندان کے لوگوں کو اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔

⑤ یہ ''شامر'' کی جانب منسوب ہے، جو عبرانی لفظ ہے، یہ جب عربی میں منتقل ہوا تو ''ش'' ''س'' کے ساتھ تبدیل ہو گیا، چنانچہ یہ لفظ عبرانی میں ''شومیر'' بولا جاتا ہے، اور شومیر کے معنی حرس (حفاظت) کے ہیں، لہذا شومیر یا شامر یا سامر کے معنی ''حارس'' (محافظ) کے ہیں، اور اس کی نسبت سے ''سامری'' بولا جاتا ہے۔

یہاں قرآن میں جو اس کو ''سامری'' کہا گیا ہے یہ اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے؛ یعنی وہ شخص اسرائیلی نہیں تھا؛ سامری تھا۔ بیل اور بچھڑے کے مقدس ہونے کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی تھا۔

بنی اسرائیل ایک زمانے تک مصر میں رہے

بنی اسرائیل جو اپنے آپ کو بہت مقدس سمجھتے تھے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط (المائدة:١٨)

ترجمہ: اور یہود اور نصاریٰ کہنے لگے: ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

اس خاندانِ بنی اسرائیل کی لمبی چوڑی زندگی مصر میں گذری۔

حضرت لقمان علیہ السلام کا مزار بھی مصر میں ہے

اس کے بعد ایک اور اہم چیز! ہمارے برادرِ مکرم مفتی طاہر صاحب زید مجدہ نے بتایا تھا کہ: جب ان کا مصر جانا ہوا تھا تو انھوں نے اسکندریہ میں حضرت لقمان علیہ السلام کا مزار تلاش کیا؛ مگر وقت کی قلّت کی وجہ سے کامیابی نہیں ملی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم اسکندریہ گئے، وہاں حضرت لقمان علیہ السلام کے مزار پر حاضر ہوئے، ان کے نام پر قرآن میں مستقل ایک سورت ہے، آپ بڑے حکیم تھے، بعض مفسرین نے آپ کو نبی بھی لکھا ہے اور آپ کی حکمت کے کلمات اتنے زیادہ ہیں کہ توراة، انجیل، زبور، قرآن چاروں آسمانی کتابوں میں آپ کی باتیں موجود ہیں، وہ بھی مصر میں آرام فرما رہے ہیں۔

دنیا کی سب سے بڑی جنتی ندی: نیل بھی مصر میں ہے

اسی طرح جب ہمارے حضور حضرت محمد ﷺ سفرِ معراج پر تشریف لے گئے، جب آپ ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں سدرۃ المنتہیٰ پر آپ کو چار ندیاں نظر آئیں: دو ندیاں کھلی ہوئی تھیں اور دو ندیاں ڈھکی ہوئی؛ یعنی چھپی ہوئی تھیں۔

حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ: یہ کیسی ندیاں ہیں؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ: ان ندیوں میں ایک دریائے دجلہ، ایک دریائے فرات اور ایک دریائے نیل ہے۔

نیل ندی کا اکثر حصہ بھی اسی مصر میں بہتا ہے، یہ ندی چھ ہزار آٹھ سو پچھتر (6875) کلومیٹر لمبی ہے، دنیا کی سب سے بڑی لمبی ندی ہے، اس میں سے سترہ سو (1700) کلومیٹر لمبائی مصر میں ہے اور یہ جنتی نہر ہے۔

دریائے نیل جاری ہونے کا ایمان افروز واقعہ

ایک اور ایمان کو تازہ کرنے والا واقعہ سناتا ہوں:

جب مصر فتح ہوا تو وہاں کے لوگ کسی عجمی مہینے کے ایک مخصوص دن کی آمد پر ان کے امیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ: اے ہمارے امیر! یہ نیل ندی سوکھ جاتی ہے، اور ہماری اس ندی کی ایک رسم ہے، جسے ادا کیے بغیر وہ جاری نہیں ہوتا۔

آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟

انھوں بتایا کہ: جب اس مہینے کے گیارہ دن گذر جاتے ہیں تو ہم ایک ایسی

کنواری لڑکی کے پاس جاتے ہیں، جو اپنے والدین کے پاس پلی بڑھی ہو، پھر اس کے والدین کو راضی کر کے اسے حاصل کر لیتے ہیں اور عمدہ کپڑے اور زیورات پہنا کر اسے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں تب جا کر اس میں پانی آتا ہے۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یہ غلط کام تو اسلام میں ہو ہی نہیں سکتا، اور اسلام تو تمام جاہلانہ رسوم کو مٹا دیتا ہے۔

انھوں نے کہا کہ: پھر ندی میں پانی نہیں آئے گا، مصر کے لوگ پیاسے مریں گے، کھیتیاں سوکھ جائیں گی، جانوروں کو پانی نہیں ملے گا۔

پھر وہ لوگ چھ مہینے تک انتظار کرتے رہے؛ مگر دریائے نیل کم یا زیادہ کچھ بھی نہ ہوا، نتیجتاً انھوں نے جلاوطنی کا ارادہ کر لیا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ ارادہ دیکھا تو فرمایا کہ: میں اپنے امیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔

کیسے امیر کی اطاعت کرنے والے وہ لوگ تھے!!!

چنانچہ مصر سے مدینۂ منورہ خط لکھا، اس میں پوری تفصیل ذکر کی کہ: یہاں نیل ندی سوکھ جاتی ہے اور لڑکی بھینٹ چڑھائے بغیر وہ نہیں بہتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں ایک چھوٹی سی پرچی بھیجی اور فرمایا کہ: سوکھی ندی میں یہ خط ڈال دینا۔

جب وہ خط مصر پہنچا تو فاتحِ مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ شام کے وقت گئے اور اس سوکھی ندی میں وہ پرچی ڈال دی۔

اس پرچی میں کوئی تعویذ نہیں لکھا تھا؛ بلکہ ایمان بھرا جملہ لکھا تھا:

من عبدالله عمر بن الخطاب أميرالمؤ منين إلى نيل مصر فان كنت تجرين قبلك فلا تجر، و إن كان الله يجريك فأسئل الواحد القهار فى أن يجريك.

یہ خدا کے بندے عمر بن الخطاب امیر المؤمنین کی جانب سے مصر کے دریا کے نام ہے۔ امّا بعد! اگر تو اپنے اختیار سے بہتا تھا تو مت بہہ اور اگر تجھے اللہ بہاتا تھا تو میں اسی واحدِ قہار سے التجا کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔

صبح تک مصر کے لوگوں نے دیکھا کہ سولہ (16) ہاتھ پانی آ چکا تھا اور نیل ندی ایسی جاری ہوئی کہ ایک ہزار چار سو (1400) سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا؛ مگر اب تک اس کے پانی میں فرق نہیں پڑا اور وہ مسلسل بہہ رہی ہے، کبھی سوکھنے نہیں پائی۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایمانی طاقت تھی جس کی بدولت یہ کرشمہ ظاہر ہوا۔

بہر حال! ملکِ مصر سے یہ ہماری کچھ تاریخی و روحانی یادیں وابستہ تھیں۔

قاہرہ ہوائی اڈے پر

جنوری کی ۹ر تاریخ سنیچر کے دن بوقتِ ظہر ہم قاہرہ ائیر پورٹ پر اترے، آج کل اسے کیرو (Cairo) کہتے ہیں؛ لیکن اصل نام ''قاہرہ'' ہے، بہت پہلے سے سن رکھا تھا کہ: قاہرہ ائیر پورٹ پر یہ آیت لکھی ہوئی ہے:

﴿اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾

ترجمہ: تم سب مصر میں داخل ہو جاؤ، ان شاء اللہ! ہر طرح امن وامان (یعنی چین واطمینان) کے ساتھ رہوگے۔

جب ہم ائیر پورٹ پر اترے اور جہاز سے نکل کر ائیر پورٹ کی عمارت کے گیٹ پر پہنچے تو واقعتاً یہ آیت لکھی ہوئی تھی، میں نے اپنے ساتھیوں کو متوجہ کیا کہ یہ آیت دیکھو! اور پھر اس سے نیک فالی لو کہ: ان شاء اللہ! ہمارا مصر کا سفر بہت عمدہ اور پر امن رہے گا۔

ویسے گذشتہ دنوں کے حالات کے پیشِ نظر سفر میں روانگی کے وقت میں نے ہمارے حضرت شیخ مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم العالیہ سے دعا کی درخواست کی تھی، انھوں نے بہت ساری دعاؤں سے نوازا، اور ہمارے دوسرے بزرگ حضرت اقدس مولانا ابراہیم پانڈور صاحب دامت برکاتہم کو بھی دعا کی درخواست کی تھی، نیز ہم نے صلوۃ الحاجہ کا بھی اہتمام کیا اور سفر کی عافیت کی نیت سے صدقات کا بھی اہتمام کیا۔

بس ان سب چیزوں کی برکات سامنے نظر آئیں اور سفر خیریت سے مکمل ہوا۔

سفر کے موقع پر دعا کروانا حدیث سے ثابت ہے

بھائیو! سفر کے موقع سے دعا کروانا بھی حدیث سے ثابت ہے:

عَنْ أبي هريرة رضي الله عنه أَنَّ رَجلًا قالَ: يا رسولَ الله! إنّي أُريدُ أَنْ أُسافِرَ فَأَوْصِنِيْ، قَالَ: عَلَيْکَ بِتَقْوىٰ اللّٰهِ وَالتَّکْبِيْرِ عَلٰى کُلِّ شَرَفٍ، فَلَمّا وَلّى الرَّجُلُ، قال اللّٰهُمَّ اطْوِلَهُ البُعْدَ وهَوِّنْ عليه السفرَ. (رواه الترمذی وقال حديث حسن)

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے بنوائے ہوئے قلعے میں

ائیر پورٹ سے نکلنے کے بعد ہم سب سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے بنوائے ہوئے قلعہ کو دیکھنے گئے، یہ قلعہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے تعمیر کروایا تھا،

بڑا عالی شان قلعہ ہے، یوں سمجھو کہ ایک چھوٹا موٹا شہر اس میں آباد ہے، اس میں بہت ساری مسجدیں ہیں، جن میں ایک ''مسجدِ سلطان'' بھی ہے، اس میں مصری حکومت کی بہت ساری تاریخی یادگاریں محفوظ ہیں۔

بیرِ یوسف

اس قلعے میں ایک جگہ پر بیرِ یوسف لکھا ہوا تھا۔ میں نے گائڈ سے پوچھا کہ: یہ ''بیرِ یوسف'' کا کیا مطلب؟

وہ گائڈ۔ جو بڑے محتاط آدمی تھے۔ کہنے لگے کہ: ''بیر'' عربی میں کنویں کو بولتے ہیں، مصر کے تاریخ نگار لوگ لکھتے ہیں کہ: حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر میں تھے تو یہاں کی مختلف جگہوں پر آپ کا قیام رہا، ان مختلف جگہوں میں سے ایک یہ بھی ہے؛ چوں کہ اس جگہ آپ کا قیام رہا، اس لیے یہ جگہ ''بیرِ یوسف'' کہلاتی ہے۔ ایک دیوار سے اس جگہ کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

ایوبی قلعہ بہت لمبا چوڑا قلعہ ہے، اس میں ہم نے ظہر کی نماز بھی پڑھی، اس قلعے کو وہاں ''قلعۃ الجبل'' کہا جاتا ہے اور چوں کہ مصری لوگ جیم کو گاف سے بدل کر بولتے ہیں؛ اس لیے اس کو ''قلعۃ الگبل'' بولتے ہیں۔

مصریوں کے جیم کو گاف سے بدلنے پر ایک لطیفہ

ہمارے ایک بزرگ نے سنایا کہ: مصری لوگوں سے جیم کا تلفظ نہیں ہوتا، وہ ''جیم'' کو ''گاف'' ہی بولتے ہیں، اس پر ایک لطیفہ ایسا ہوا کہ حرمین کے سفر کے موقع پر مطاف میں دیکھا کہ: ایک مصری شخص دعا کر رہا ہے: اللّٰهم إني أَسْئَلُکَ الْگَنَّةَ۔

ہمارے یہاں اردو میں ''گنا'' جس کو کہتے ہیں ہم سب اس کو جانتے ہیں، تلفظ سے ناواقف ہمارا ایک بھائی کہنے لگا کہ: دیکھو! یہ لوگ یہاں بھی اللہ سے ''گنّا'' کا سوال کرتے ہیں؛ حالاں کہ وہ مصری ''جنّت'' مانگ رہا تھا؛ لیکن اپنے تلفظ میں گنة بول رہا تھا، اور اس کو ہمارا ہندستانی ''گنا'' سمجھا جس کے رس سے شکر بنتی ہے۔

جبلِ مُقَطَّم کی فضیلت

قلعے کے بالکل سامنے ایک بہت بڑا پہاڑ ہے، اس کے بارے میں دریافت کیا کہ: یہ کونسا پہاڑ ہے؟ بتایا گیا کہ: یہ ''جبلِ مقطم'' ہے۔

اس پہاڑ کی تاریخ یہ ہے کہ: جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا تو وہاں کے بادشاہ مقوقس نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: آپ یہ پورا پہاڑ مجھے فروخت کردو، میں اس کی قیمت میں ستر ہزار دینار یعنی سونے کے سکّے ادا کروں گا۔

اس زمانے کے حساب سے مارکیٹ کی جو قیمت ہوسکتی تھی یہ اس سے بہت زیادہ قیمت تھی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ اتنے مہنگے داموں کیوں خریدنا چاہتا ہے؟

ایک قابلِ توجہ بات

یہ بھی ایک اہم توجہ اور دھیان دینے کی بات ہے کہ آپ کو کوئی چیز بیچی جارہی ہو اور معروف متداول قیمت سے زیادہ بولی لگائی جائے تو اس کے پیچھے کے راز کو جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اور کوئی شخص اپنی کوئی چیز بیچ رہا ہے اور عام معروف متداول قیمت سے کافی کم میں بیچ رہا ہے تو اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اتنے کم میں کیوں بیچ رہا ہے؟

خیر! تو فاتحِ مصر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس سے وجہ پوچھی؟

اس نے کہا کہ: ہماری کتابوں میں اس پہاڑ کی بہت ساری فضیلتیں لکھی ہوئی ہیں، جس میں سے ایک یہ ہے کہ اس پہاڑ پر جنّت کے درخت اگیں گے؛ اس لیے میں اس کو خریدنا چاہتا ہوں۔

انھوں نے فرمایا کہ: میں ابھی سودا نہیں کروں گا، پہلے اپنے امیر المؤمنین سے مشورہ کروں گا۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا، وہاں سے جواب آیا کہ: اگر واقعتاً یہ پہاڑ اتنا مبارک اور برکت والا ہے تو پھر مسلمان اس کے زیادہ حق دار ہیں۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم نامہ بھی لکھا کہ: اس پہاڑ اور اس کے اطراف کی جگہ کو مسلمانوں کا قبرستان بنا دو؛ تا کہ اس پر اگنے والے جنتی درختوں سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔

یہ تھا جبل مَقطَم، اِس وقت بھی اس پورے پہاڑی علاقے کو قبرستان ہی رکھا گیا ہے؛ البتہ اس علاقے کو ''قرافہ'' کہتے ہیں، اس قبرستان میں ایسے ایسے اللہ کے جلیل القدر بندے آرام فرما ہیں کہ ان کی تاریخ بیان کرنے کے لیے کئی راتیں درکار ہیں۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ: اسی پہاڑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ الحمد للہ! ہم نے اس پہاڑ کی زیارت کی اور پھر پورے سفر کے دوران بار بار اس علاقے میں آنا جانا ہوا۔

اہلِ بیت کے مزارات پر

اُس دن دوسری زیارتوں میں اہلِ بیت یعنی حضور ﷺ کے خاندان کے لوگوں کے مزارات کی زیارت کی؛ اس لیے کہ واقعۂ کربلا کے بعد آپ ﷺ کے خاندان کے بہت سارے لوگ مصر منتقل ہو گئے تھے اور وہاں مقیم ہو گئے تھے، ان میں حضرت عائشہ بنت علی، حضرت سیدہ زینب، سیدہ رقیہ بنتِ علی رضی اللہ عنہن کے مزارات پر حاضری ہوئی۔

حضور ﷺ کے خاندان سے مصر والوں کو بڑا تعلّق ہے، ایسی ہر جگہ پر جہاں حضور ﷺ کے اہلِ بیت مدفون ہیں، وہاں شان دار عمارتیں بنائی گئی ہیں۔

ان سب زیارتوں میں رات ہوگئی، ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا تھا، ساتھیوں کا تقاضا ہوا کہ اب واپس قاہرہ قیام گاہ پر جانا چاہیے، چناچہ ہم واپس ہو گئے۔

جیزہ: یوسف علیہ السلام کے زمانے کا اصل مصر

یہاں ایک بات بتادوں کہ: حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو اصل مصر تھا وہ موجودہ قاہرہ کا علاقہ نہیں؛ بلکہ وہ نیل ندی کو پار کر کے ''جیزہ'' کا علاقہ ہے، اور یہی قدیم مصر کا علاقہ ہے۔

الحمدللہ! ہماری ہوٹل (قیام گاہ) بھی اسی ''جیزہ'' نامی علاقے میں تھی، جہاں تک پہنچنے کے لیے نیل ندی کو پار کرنا پڑتا تھا، میرے دل میں بھی نیل ندی کو دیکھنے کا شوق انگڑائی لے رہا تھا، قاہرہ سے گذر کر جب ہم ''جیزہ'' جا رہے تھے تو پہلی مرتبہ نیل ندی کی زیارت کی۔

فسطاط شہر بننے کا عجیب قصہ:

اسلام میں پرندوں کے حقوق کی رعایت

یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، اس کو ’’فسطاط‘‘ کہتے ہیں، فسطاط کے معنیٰ عربی میں ’’خیمہ‘‘ کے ہوتے ہیں۔

اس علاقے کو ’’فسطاط‘‘ کہنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ: جب حضرت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ یہاں تشریف لائے تو مقوقس بادشاہ نے نیل ندی کو پار کر کے ایک جزیرے میں پناہ لی اور نیل ندی پر بنے پل کو اس نے توڑ دیا؛ تاکہ مسلمان ندی پار کر کے آسانی کے ساتھ پہنچ نہ سکیں، اس طرح وہ وہاں پناہ گزیں ہوگیا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو ان کے لیے آپ کے رُفقا نے ایک خیمہ بنایا جس میں آپ مقیم ہوئے، پھر کچھ دنوں کے بعد جب وہاں سے اسکندریہ فتح کرنے کے لیے جانے کی تیاری ہوئی، جو وہاں سے کافی دور ایک بڑا شہر ہے، تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ: اب اس خیمے کو اٹھا لو، ہمیں اسکندریہ جانا ہے، جس ساتھی کو اس خیمے کے اکھاڑنے کے کام پر مقرر کیا تھا جب وہ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خیمے پر ایک کبوتری نے انڈا دیا ہے، وہ امیرِ لشکر کے پاس آئے اور کہا کہ: اتنے دنوں میں ایک کبوتری نے آپ کے خیمے پر انڈا رکھ دیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ: اگر ایسی بات ہے تو خیمہ مت کھولو، اس کو اسی حال پر رہنے دو، جب اس انڈے میں سے بچے باہر نکل آئیں گے اور وہ اڑنے کے قابل ہو جائیں گے تب ہم اس خیمہ کو کھول لیں گے، اس کو اسی طرح چھوڑ کر چلے گئے۔

اندازہ لگاؤ! ان حضرات کو جانوروں کے حقوق کا بھی کتنا خیال تھا؟

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس خیمے کو ویسا ہی چھوڑ کر اسکندریہ چلے گئے تھے تو اسی نسبت سے یہ علاقہ آج بھی ''فسطاط'' کہلاتا ہے۔

اہرامِ مصر کی زیارت

اتوار کے دن صبح سویرے ساتھیوں سے کہا کہ: جلدی جلدی تیار ہو جاؤ، آج سب سے پہلی زیارت مصر کے اہرام کی ہے، مصر کے پرامڈ (Pyramid) عربی میں جس کو ''اہرام'' کہتے ہیں ان اہراموں کی تعداد سو سے زیادہ بتائی جاتی ہے؛ لیکن سب سے زیادہ مشہور تین ہیں: ① ہرمِ اکبر ② ہرمِ اوسط ③ ہرمِ اسفل۔

اہرام کب بنے؟

یہ اہرام کعبہ کے بعد سب سے پرانی عمارت شمار کیے جاتے ہیں، یہ پورے مصر میں مختلف جگہوں پر پھیلے ہوئے ہیں، یہ کب بنے؟ اس کے بارے میں الگ الگ روایتیں ہیں:

ایک یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب طوفان آنے والا تھا تو مصر کے کاہنوں نے اس وقت کے بادشاہ۔ جس کا نام کتابوں میں ''سوريد'' لکھا ہے اس۔ کو بتایا کہ: ایک طوفان آنے والا ہے اور ہمارے پاس جو مختلف علوم وفنون کی کتابیں ہیں وہ سب غرق ہو کر ضائع ہو جائیں گی، ہمارے پاس جو علم ہے وہ سب ختم ہو جائے گا۔

اس علم کو بچانے اور اس کو باقی رکھنے کے لیے انھوں نے یہ اہرام تعمیر کیے۔

ان اہرام میں پتھروں پر انھوں نے ساری کتابوں کی عبارتیں نقش کر دی؛

تا کہ ان کے علوم محفوظ ہو جائیں؛ اس لیے کہ عام طور پر بڑے پتھر پانی میں بہتے نہیں، نیز کاغذ اور روشنائی سے لکھا ہوا تو مٹ جاتا ہے، پتھروں پر نقش کیا ہوا جلدی مٹتا نہیں، دیر تک باقی رہتا ہے۔

اہرام کی عجیب وغریب تفصیل: دو (۲) ٹن کا ایک پتھر

یہ اہرام کتنے عجیب وغریب ہیں ان کی تفصیل سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، اس میں جو پتھر استعمال ہوئے ہیں ان میں ہر ایک پتھر کا وزن کم سے کم دو ٹن کا ہے اور بڑا پتھر پندرہ ٹن کا، اس طرح کے بیس لاکھ پتھروں کے مجموعے سے بنا ہوا ایک ہرم ہے۔

سات سو پچپن (۷۵۵) فٹ اونچائی

اس کی اونچائی تقریباً سات سو پچپن (۷۵۵) فٹ ہے، اتنے پرانے زمانے میں جب کہ کرین (Crane) اور آج کی طرح کی مشینیں نہیں تھیں تو اتنے بھاری بھرکم پتھروں کو اٹھا کر اتنی اونچائی پر لے جا کر کیسے فٹ کیا ہوگا؟

اور جتنے رقبے پر یہ اہرام تعمیر ہوئے ہیں وہ ایک کروڑ بہتر لاکھ اسکوائر فٹ ہے اور جو سب سے بڑا پرامڈ "ہرمِ اکبر" ہے وہ تیرہ (۱۳) ایکڑ زمین پر تعمیر شدہ ہے۔

اسی لیے آج بھی مصر میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ: یہ اہرام انسانوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں؛ بلکہ ان کو جناتوں نے تعمیر کیا ہے۔

صدیاں گذر گئیں؛ لیکن معمولی شگاف تک نہیں پڑا

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے آج تک صدیاں

گذر گئیں، ہزاروں سال گذر گئے، اس میں نہ جانے کتنی بارش ہوئی، نہ جانے کتنے زلزلے آئے؛ لیکن کسی پرامڈ میں کوئی معمولی شگاف تک نہیں پڑا اور کسی پتھر سے ٹوٹنے کی کوئی علامت آپ کو نظر نہیں آئے گی۔

ابوالہول کا مجسمہ

اسی جگہ ابوالہول کا مجسمہ بھی ہے، یہ ابوالہول کا مجسمہ ''ہرمِ اوسط'' کے بانی بادشاہ جس کا نام ''خیفا'' یا ''خوفو'' تھا اس کی مورتی اور شکل ہے: یہ دوسو چالیس (۲۴۰) فٹ لمبا ہے۔ اکسٹھ (۶۱) فٹ اونچائی ہے۔ اس کے ہونٹ سات (۷) فٹ کے ہیں۔

اس کی ناک تقریباً چھ (۶) فٹ کی ہے۔

اسی عمارت کے ساتھ لگ کر چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جن کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ: فرعونوں کی رانیاں اور ان کی بیٹیاں ان میں رہتی تھیں۔

برِّ اعظم افریقہ میں قائم ہونے والی سب سے پہلی مسجد

ان اہرامِ مصر کو دیکھنے کے بعد ہم سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مسجد کی زیارت کے لیے گئے، اس مسجد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: برِاعظم افریقہ میں قائم ہونے والی یہ سب سے پہلی مسجد ہے۔

اس مسجد کی جب تعمیر ہوئی تو کتابوں میں لکھا ہے کہ: اسّی (۸۰) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مل کر اس مسجد کے قبلے کا رخ متعین کیا تھا؛ چونکہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس مسجد کو تعمیر کیا تو آپ ہی اس کے پہلے امام بنے، ایک دوسرے صحابی اس کے موذن بنے اور پوری زندگی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس مسجد میں امامت کرتے رہے۔

اس مسجد کی روحانیت و برکات کا حال

ظاہر ہے کہ جس مسجد کو حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مقدس ہاتھوں سے تعمیر کیا ہو اس کی روحانیت اور اس کے برکات کا کیا عالم ہوگا؟ خدائے پاک کی قسم! اس مسجد سے باہر نکلنے کا جی ہی نہیں چاہتا تھا۔

میں دیر تک مسجد میں بیٹھا اپنے ساتھیوں کو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے متعلق سناتا رہا کہ کس طرح انھوں نے مصر کو فتح کیا تھا۔ گائڈ بار بار ہمیں کہہ رہا تھا کہ: جلدی کرو، فرعون کو دیکھنے جانا ہے؛ ورنہ میوزیم بند ہو جائے گا، بالآخر نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں مسجد سے نکلنا پڑا۔

ہم نے ظہر کی نماز اسی مسجد میں پڑھی، دیکھا کہ: ایک کونے میں دو آدمی ایک دوسرے کو قرآن سنا رہے تھے۔

مصر میں الحمد للہ! قرآنِ کریم سے لوگوں کو بڑا تعلق اور لگاؤ ہے۔

مصر کا ایک گاؤں جہاں کا ہر بچہ حافظِ قرآن ہے

ویسے تو دنیا بھر کے مسلمان قرآنِ کریم سے والہانہ محبت کرتے ہیں اور الٰہی نظام کے تحت ہر دور میں قرآنِ کریم کو سینے میں محفوظ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد رہی ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ''انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون'' کا مظہر ہے؛ مگر کتابِ الٰہی کے حوالے سے مصری باشندوں کو انفرادیت حاصل ہے، مصر کے قرائے کرام پوری دنیا میں اپنا لوہا منوا چکے ہیں، یہاں پر ہم مصر کے ایسے گاؤں کے بارے میں بتا رہے ہیں، جس میں بسنے والے تمام افراد نہ صرف حافظ ہیں؛ بلکہ اس

گاؤں کا ہر شخص جید قاری بھی ہے۔

عربی جریدے ''البیان'' کی رپورٹ کے مطابق مصری گاؤں ''عرب القرآن'' دنیا کا واحد گاؤں ہے، جس میں رہنے والے تمام مرد، عورت، بچے، بوڑھے اور جوان حتیٰ کہ ذہنی معذور افراد بھی قرآنِ کریم کے حافظ ہیں، قرآنِ کریم سے ان لوگوں کی عقیدت ومحبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ چالیس ہزار کی آبادی پر مشتمل اس گاؤں میں حفظِ قرآن کے ۴۵/ بڑے مدارس اور ۳۵۰/ چھوٹے مکاتب ہیں۔

اس گاؤں میں بہت سے افراد ایسے بھی ہیں جو بچپن میں حفظِ قرآن کی سعادت حاصل نہ کرسکے تو انھوں نے بڑی عمر میں مدرسوں میں داخلہ لے کر حفظِ قرآن مکمل کیا، ان میں ستر برس کے بوڑھے اور بوڑھیاں بھی شامل ہیں۔

عرب القرآن کے باشندے صرف قرآن حفظ نہیں کرتے؛ بلکہ حفظ کے بعد تجوید کا کورس کرکے جید قاری بھی بن جاتے ہیں، بیشتر افراد حفظ کے بعد عالم بھی بنتے ہیں، اس لیے اس چھوٹے سے گاؤں میں بڑے بڑے نامور علمائے دین موجود ہیں۔ مصر کے نامور داعی اور جید عالمِ دین شیخ حسّان کا تعلق بھی اسی گاؤں سے ہے۔

گاؤں کے ۴۵/ مدارس اور ۳۵۰/ مکاتب میں سالانہ ایک ہزار سے زائد بچے حافظِ قرآن بن جاتے ہیں۔ ڈاکٹر مرسی کے دورِ صدارت (۲۰۱۲ء) میں اس گاؤں کا نام باقاعدہ سرکاری طور پر ''عرب الرمل'' سے تبدیل ہوکر ''عرب القرآن'' ہو گیا ہے۔ گاؤں کا نام تبدیل ہونے کے بعد اب اس گاؤں میں کوئی ایسا شخص باقی نہیں بچا ہے جو حافظِ قرآن نہ ہو۔ ان میں بعض بڑی عمر کے ایسے لوگ بھی ہیں، جو تعلیم حاصل

نہ کرنے کی وجہ سے ناظرہ قرآن نہیں پڑھ سکتے؛ مگر سن سن کر انھوں نے بھی پورا قرآن حفظ کرلیا ہے۔

رپورٹ کے مطابق یہاں لوگوں نے یہ طریقہ اپنایا ہے کہ جب کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے تو اس کو حمل کے چار ماہ گذرنے کے بعد رات دن تلاوتِ قرآن کا پابند بنایا جاتا ہے، وہ سوائے ضروری باتوں کے اِدھر اُدھر کی بات نہیں کرتی، صرف قرآنی آیات کی تلاوت کرتی رہتی ہے، اس سے پیدا ہونے والے بچے پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے، اور وہ بہت ہی کم وقت میں قرآن حفظ کرلیتا ہے۔ حفظِ قرآن کے جدید طریقوں پر تحقیق کرنے والے عرب ماہرین نے اس عمل کو حفظِ قرآن کے لیے بہت ہی مفید قرار دیا ہے۔ طبّی ماہرین کی جدید تحقیق سے یہ بات بھی ثابت ہوچکی ہے کہ پیٹ میں موجود بچہ باہر کی باتیں سن لیتا ہے۔

شیخ عصام اس گاؤں میں تیس سالوں سے حفظِ قرآن کی تعلیم دے رہے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ: ہم نے ''النورانية الربانية'' نام کا جدید طریقہ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعے ہم پانچ سال سے پہلے ہی بچوں کو حفظِ قرآن مکمل کرا دیتے ہیں، شیخ عصام کا یہ جدید طریقہ اس درجہ کامیاب اور مقبول ہے کہ اس کو اب سعودی عرب میں بھی شروع کیا گیا ہے۔ مسجدِ نبوی میں بھی اب اس طریقے سے حفظ کرایا جاتا ہے، اس طریقے سے ذہنی اعتبار سے کمزور بچے بھی بلکہ بسا اوقات ذہنی طور سے معذور بچے بھی قرآن حفظ کرلیتے ہیں۔

دنیا بھر سے مسلمان اپنے بچوں کو جلد از جلد اور پکا حافظ بنانے کے لیے ''عرب القرآن'' بھیجنے لگے ہیں، آپ کو ''عرب القرآن'' کے مدارس میں چین، جاپان،

امریکہ، وسطی ایشیا، یورپ اور عرب ممالک سمیت دنیا کے ہر خطے کے بچے قرآنِ کریم حفظ کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ان مہمان طلبہ کی کفالت کی ذمے داری گاؤں کے باشندے سعادت سمجھ کر اٹھاتے ہیں، قرآنِ کریم کے یہ عاشق اپنے مہمان طلبہ کی ایسی خدمت کرتے ہیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے، امتحانات میں پوزیشن لانے والے طلبہ کو گاؤں کے لوگ انعامات سے نوازتے ہیں۔ یہاں کے مکاتب اور مدارس میں آپ کو تین سال سے لے کر ۸۰ رسال کے بزرگ تک ساتھ میں حفظِ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے مل جائیں گے۔

شیخ محمد ذکی جو یہاں کئی مکاتب اور مدارس چلاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ابھی اس گاؤں میں تیئیس سو طلبہ وطالبات حفظِ قرآن میں مشغول ہیں، یہاں ناظرہ سے پہلے بچوں کو نورانی قاعدہ پڑھایا جاتا ہے۔ واضح رہے یہ قاعدہ ہندوستان کے نامور عالمِ دین قاری فتح محمد پانی پتی نے تحریر کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایسی مقبولیت سے نوازا ہے کہ حرمین شریفین سمیت تمام عرب ممالک میں یہ قاعدہ پڑھایا جاتا ہے۔

عرب القرآن کے مدارس میں حفظِ قرآن کے ساتھ بچوں کو انگلش سمیت مختلف زبانیں بھی سکھائی جاتی ہیں اور ان کی مکمل اسلامی تربیت کی جاتی ہے، اور خطابت کا فن بھی سکھایا جاتا ہے، یہاں کے قراء نے یورپ اور امریکہ سمیت کئی ممالک میں اسی طریقے سے قرآنِ کریم حفظ کرانے کی کلاسوں کا آغاز کردیا ہے۔

وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ

اس مسجد سے بالکل قریب؛ یعنی پیدل چلیں تو دس منٹ کا راستہ ہے، وہاں

ایک بڑا چرچ ہے، اس چرچ کو تو ہم دیکھنے نہیں گئے؛ لیکن وہ چرچ کیا ہے؟ قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٥٠﴾ (المؤمنون)

ترجمہ: اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی اماں کو (ہماری قدرت کی) ایک بڑی نشانی بنادی ہے اور ہم نے ان دونوں (ماں بیٹے) کو ایک اونچی جگہ پر ٹھکانہ دیا جو (پُرسکون) رہنے کے لائق تھی اور وہاں صاف ستھرا پانی بہتا تھا ﴿۵۰﴾

مفسرین اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو اس زمانے کا جو بادشاہ تھا اس کو کاہنوں نے بتایا کہ: ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے خاتمے کا سبب بنے گا، کاہن نے یہ بھی بتایا کہ: وہ بچہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا۔

آپ علیہ السلام کی پیدائش کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ "ہیردوس" بادشاہ ان کا دشمن بن گیا۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا اپنے اس بچے کی حفاظت کے لیے فلسطین سے نکل کر مصر آ گئیں اور جب تک وہ ہیردوس بادشاہ زندہ رہا حضرت مریم رضی اللہ عنہا مصر میں مقیم رہیں اور اس بادشاہ کے مرنے کے بعد آپ دوبارہ فلسطین تشریف لے آئیں۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا مصر میں جہاں کئی دنوں تک مقیم رہیں وہ جگہ مسجدِ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بالکل قریب میں ہے جہاں اس وقت ایک بڑا چرچ بنا ہوا ہے۔

اس میں ایک کنواں بھی ہے، بتایا جاتا ہے کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت

مریم رضی اللہ عنہا اس کنویں کو استعمال کرتے تھے۔

مصر کے میوزیم میں

بہر حال! ہم جلدی جلدی میوزیم پہنچے، وہیں ''میدان التحریر'' نامی مشہور جگہ بھی ہے جسے ''تحریر اسکوائر'' کہتے ہیں۔ میوزیم کی فیس تیس پاؤنڈ ادا کی، پورے میوزیم میں پرانے زمانے کی عجیب وغریب چیزیں ہیں، اسی طرح سونے چاندی کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، مجھے اس وقت سورۂ زخرف کی آیتِ مبارکہ یاد آرہی تھی جو فرعون نے اپنے لوگوں سے مخاطب ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہی تھی کہ:

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٥١﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿٥٢﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿٥٣﴾

ترجمہ: اور فرعون نے اپنی قوم میں پکار کر کہا: اے میری قوم! کیا (پورے) مصر کی حکومت میرے قبضے میں نہیں ہے؟ اور (دیکھو!) یہ نہریں میرے محل کے نیچے جاری ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ ﴿۵۱﴾ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ میں اس شخص (یعنی موسیٰ) سے (مال وعزت وحکومت میں) بہت زیادہ اچھا (بہتر) ہوں جس کی کوئی عزت نہیں ہے ﴿۵۲﴾ اور وہ اپنی بات صاف طور پر بول بھی نہیں سکتا، پھر (اگر یہ اللہ کا رسول ہے) تو اس پر (یعنی ہاتھ میں) سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا پھر اس کے ساتھ فرشتے جمع ہو کر کیوں نہیں آتے ﴿۵۳﴾

یعنی تم موسیٰ کی بات کیوں مانتے ہو؟ اس کے پاس تو سونا چاندی اور کنگن کچھ بھی نہیں ہے اور مجھے دیکھو! میرے پاس سونے چاندی کے کتنے زیورات ہیں!

فرعون کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مرد ہونے کے باوجود سونے کے کنگن پہنتا تھا اور اپنی ڈاڑھی میں ہیرے جواہرات اور سچے موتی لگواتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام پر اسے غصہ اسی لیے آیا تھا کہ جب بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ڈاڑھی کھینچی تھی تو اس کی ڈاڑھی کے ہیرے موتی سب گر گئے تھے۔

فرعون کے بہت سارے زیورات مصر کے میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں۔

میں نے کہا کہ: دیکھو! جن ہیرے جواہرات اور سونے چاندی پر گھمنڈ کر کے اس نے اللہ کے رسول کی بات نہیں مانی تھی آج وہ سارے کنگن یہاں رکھے ہوئے ہیں جن کا کوئی پُرسانِ حال نہیں۔

دوسری ایک بات کہ یہ بادشاہ جو پیرامڈ بنواتے تھے ان میں اپنے مرنے کے بعد کی زندگی کے لیے سارا سامان جمع کرواتے تھے، چنانچہ اس مرنے کے بعد والی زندگی کے لیے نوکر چاکر، برتن، کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھواتے تھے اور جو فرعون مرتا تھا اس کی لاش میں کوئی خاص قسم کا مسالہ لگا کر اسی پیرامڈ میں رکھ دیتے تھے اور ان لاشوں کو رکھنے کے لیے پتھر اور سونے کے صندوق بنواتے تھے، بہت ساری سونے کی پیٹیاں آج تک میوزیم میں موجود ہیں۔

فرعون اور اس کی لاش

اس میوزیم میں فرعون کی نعش بھی موجود ہے۔

گائڈ نے کہا کہ: وہ اوپر والے منزلے پر ہے۔

میں نے کہا کہ: کم بخت زندگی میں تو کہتا ہی تھا: ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾

ترجمہ: میں تمھارا سب سے بڑا رب ہوں۔ (النازعات: ۲۴)

اور ابھی بھی اوپر والے منزلے پر ہی سو رہا ہے۔

ہم اوپر گئے تو پتہ چلا کہ فرعون کو دیکھنے کے لیے الگ سے سو پاؤنڈ کا ٹکٹ لینا پڑے گا، میں نے کہا کہ: کم بخت دنیا میں بھی مہنگا تھا، مرنے کے بعد بھی مہنگا ہے اور وہاں اتنی سیکوریٹی ہے کہ فوٹو بھی نہیں لے سکتے، ہم نے نئی ٹکٹ لی اور گئے تو وہاں بہت سارے فرعونوں کی لاشیں ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا جو فرعون تھا اس کا نام ''رمسیس'' یا ''رعمسیس'' بتایا جاتا ہے، اس نام کے فرعون کی لاش پر گئے تو وہ بالکل بیچ میں رکھی ہوئی ہے، اسی طرح اس فرعون کا باپ، اس کی بیٹی بیوی وغیرہ کی لاشیں بھی ہیں۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ فرعون کی جسمانی ساخت اور سائز بھی عام انسانوں کی طرح ہے، کوئی بہت لمبا چوڑا نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں۔ اس کے سر پر بال بھی ہیں، اس کا چہرہ ڈراؤنا لگتا ہے۔

کانچ کے ان شیشوں کے پاس ٹمپریچر ناپنے کے آلے لگے ہوئے ہیں اور ہر وقت ایک بڑا اسٹاف ٹمپریچر کو ناپنے کے عمل میں لگا رہتا ہے۔

ہم نے ان ساری لاشوں کو اور فرعونِ اکبر کی لاش کو عبرت کی نگاہ سے دیکھا کہ جو لوگوں سے کہتا تھا کہ: میں خدا ہوں، میری پرستش کرو، آج اس کا کیا حال ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴿۹۲﴾ (یونس)

ترجمہ: سو آج ہم تیرے بدن کو بچالیں گے؛ تاکہ تیرے پیچھے آنے والوں کے لیے (عبرت کی) ایک نشانی بن جائے اور یقیناً بہت سارے لوگ ہماری نشانیوں کے بارے میں غفلت ہی میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۹۲﴾

جب فرعون پانی میں ڈُبایا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے مرنے کی خبر بنی اسرائیل کو سنائی تو ان لوگوں پر فرعون کا رعب اتنا زیادہ تھا کہ وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھے کہ وہ کیسے ڈوب گیا ہوگا؟

جب انھوں نے نہیں مانا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ: اس کی لاش کو نکال کر دریا کے کنارے ڈال دے۔

پھر جب بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے اس کو مرا ہوا دیکھا تب جا کر انھیں یقین آیا۔ اس بات کو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ وغیرہ بہت سارے مفسرین نے لکھا ہے۔

ایک حبشی عورت کا ایمانی جذبہ

وہاں دیگر ملکوں کے آئے ہوئے سیاح بھی موجود تھے، ان میں کچھ حبشی النسل لوگ بھی تھے، ایک سیاہ فام عورت فرعون کی لاش کے پاس آئی اور ہاتھ اونچا کر کے زور زور سے کہنے لگی: سبحان ربی الاعلی، سبحان ربی الاعلی۔

تو اپنے آپ کو ربِ اعلی کہتا تھا؛ لیکن میرے اللہ ربِ اعلیٰ ہیں، تو نہیں۔

یہ بات وہ فرعون کی لاش کو مخاطب کر کے پورے ایمانی جذبے کے ساتھ کہہ

رہی تھی۔

وہاں تصویر کھینچنے کی سخت ممانعت تھی، جیل کی بھی سزا ہو سکتی ہے؛ لیکن پھر بھی ہمارے کچھ ساتھی اپنی تدبیروں میں کامیاب ہو گئے، وقت ختم ہو رہا تھا؛ اس لیے ہم ہوٹل واپس ہوئے۔

جامعِ ازہر

اس کے بعد دوسرے دن یہ طے تھا کہ جامعِ ازہر کی زیارت کرنا ہے۔

جامعِ ازہر اور جامعہ ازہر دونوں الگ الگ چیز ہے، جامعِ ازہر ایک مبارک مسجد کا نام ہے اور اسی مسجد سے ایک مدرسہ شروع ہوا جو جامعہ ازہر یا ازہر یونیورسٹی سے معروف ہے، آج سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے ۳۶۱ھ میں یہ مبارک مسجد قائم ہوئی تھی اور یہ بات مشہور ہے کہ جب اس مسجد کی بنیاد رکھی گئی تو اس مسجد میں کوئی خاص قسم کا کیمیکل لگایا گیا، اسی وجہ سے اتنی عالی شان اور بڑی مسجد ہے پھر بھی اس میں کوئی کبوتر یا چڑیا یا کوئی پرندہ نہیں بیٹھتا ہے۔

میں نے سوچا کہ یہ تو بہت اچھی چیز ہے، کاش! ہمیں بھی دستیاب ہو جائے؛ اس لیے کہ ہم نماز میں مچھروں سے بہت پریشان رہتے ہیں۔

اسی جامعِ ازہر سے امّت کو بڑا فیض پہنچا، ہزاروں ائمہ، محدثین، مفسرین یہاں سے امّت کو ملے۔

جامعۃ الازہر: ازہر یونیورسیٹی

وہیں جامعۃ الازہر ہے جو بہت لمبا چوڑا وسیع رقبے میں پھیلا ہوا ہے، بہت

سارے شعبے ہیں: فتاویٰ ڈپارٹمنٹ الگ ہے، اسلامیات کا شعبہ الگ، غرض سارے شعبے الگ الگ ہیں۔

وکیل الازہر سے ملاقات

ہمارے گائڈ مجھ سے پوچھنے لگے کہ: شیخ الازہر سے ملاقات کرنی ہے؟

میں نے کہا کہ: شیخ الازہر سے ملاقات اتنی آسان ہے کیا؟

ہم نے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب میں پڑھا تھا کہ شیخ الازہر سے ملاقات کے لیے دو تین دن پہلے سے وقت لینا پڑتا ہے۔

دراصل ایک ہیں وکیل الازہر اور ایک ہیں شیخ الازہر، دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں اور حکومت میں مصر کے صدر (President) کے بعد انھیں دونوں کا مرتبہ ہوتا ہے۔

ہم نے کہا: بہت اچھا، ملاقات ممکن ہو تو ضرور کریں گے۔

بعض مرتبہ ہمارا شناختی کارڈ بہت بڑے بڑے کام کروا دیتا ہے، چنانچہ میرا تعارفی کارڈ جس میں میرے عہدے اور مناصب لکھے ہوئے ہیں، میں نے گائڈ کو دیتے ہوئے کہا کہ: پہلے یہ کارڈ اندر بھیجو، اللہ کرے کہ یہ کارڈ کچھ ذریعہ بن جائے۔

انھوں نے کارڈ بھیجا کہ ہندوستان کے بڑے عالم آئے ہوئے ہیں۔

فوراً جواب آیا کہ: ان کو اندر لے آؤ۔

ہم لوگ بڑی جانچ پڑتال اور سیکوریٹی کے مراحل سے گذر کر اندر گئے اور شیخ الازہر کے سکریٹری سے اور دیگر لوگوں سے ملاقات کی، وکیل الازہر سے طویل ملاقات

رہی اور پھر ہندوستان تشریف لانے کی دعوت دے کر ہم وہاں سے باہر نکلے، جامعہ ازہر کی زیارت کی، نماز بھی ادا کی، ہم نے دیکھا کہ بہت سے طلبہ وہاں پڑھ رہے ہیں اور محنت میں لگے ہوئے ہیں۔

جامع الحسین رضی اللہ عنہ

وہیں ایک ''مسجدِ حسین'' بھی ہے، کہتے ہیں کہ: نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں شہید کرنے کے بعد ان کا سر مبارک یہاں مصر لایا گیا تھا اور ایک روایت کے مطابق یہیں وہ سر دفن ہے، اس مسجد کا نام ''جامع الحسین'' ہے، ہم نے وہاں جا کر نماز ادا کی، ایک خاص جگہ کی نشان دِہی کی گئی ہے کہ یہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک مدفون ہے۔

مصحفِ عثمانی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامۂ مبارک

نیز اسی مسجد میں وہ قرآنِ کریم بھی ہے جس کو حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں تحریر کروا کر مختلف خطّوں میں بھیجا تھا، ان سات نسخوں میں سے ایک نسخہ مصر بھی بھیجا تھا وہ اسی مسجدِ حسین میں ہے جو چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔

اسی طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ایک عمامہ مبارک بھی ہے۔

علامہ بدرالدین عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے مزارات

اسی طرح وکیلِ احناف: علامہ بدرالدین عینیؒ جنھوں نے بخاری شریف کی شرح ''عمدۃ القاری'' لکھی ہے ان کا مزار مبارک بھی بالکل جامعہ ازہر سے متصل ہے،

ان کی مستقل مسجد بھی ہے۔

اسی طرح دوسرے شارحِ بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، ان کا محلہ، ان کی مسجد، جس مسجد میں وہ درس دیتے تھے اس میں بھی جانا ہوا، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی قبر دوسری جگہ ہے یعنی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قبر کے قریب ان کا مزار ہے، اللہ کے فضل وکرم سے وہاں بھی حاضری ہوئی۔

شرم الشیخ کی طرف

کافی دیر ان علاقوں کی زیارت رہی، پھر ہم جلدی جلدی ائیر پورٹ پہنچے؛ اس لیے کہ مصر کے ایک بہت اہم شہر ''شرم الشیخ'' جانا تھا، شام کو قاہرہ سے شرم الشیخ روانہ ہوئے، وہاں ٹھنڈی کچھ زیادہ تھی، ائیر پورٹ پر اترے تو ایک مصری شخص محمود الحنفی پہلے سے ہمارے انتظار میں کھڑے تھے جو عربی اور انگریزی بہت زوردار بولتے تھے، میں نے سوچا یہاں ہمارا کام ان کے ساتھ ان شا اللہ! زوردار چلے گا۔

ہم باہر نکلے تو پتہ چلا کہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں وادیٔ سینا اور طور پہاڑ ہے، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی، جہاں بنی اسرائیل رہے تھے۔

بحرِ قلزم جس میں فرعون غرق کیا گیا تھا

ائیر پورٹ سے نکلنے کے بعد تقریباً تین گھنٹے تک ہم نے بائی روڈ سفر کیا اور اس جگہ پہنچے، جس کو ''بحرِ قلزم'' یا ''ریڈ سی'' کہتے ہیں، یہ سرخ ہونے کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ وہاں بامبو جیسے درخت بہت ہیں، اس کی مناسبت سے اسے ''ریڈ سی'' کہتے ہیں۔

یہ وہی بحرِ قلزم ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ڈبویا تھا اور بنی اسرائیل

کے لیے بارہ راستے بنائے تھے۔

باری تعالیٰ کی عجیب حکمت

مصر سے فلسطین جانے کے اُس دور میں دو راستے تھے: ایک زمینی راستہ جو قریب تھا، دوسرا بحرِ احمر والا راستہ وہ دور تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے کمالِ مصلحت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی دور والے راستے سے جانے کا حکم فرمایا، اس وقت تقریباً چھ سے آٹھ لاکھ بنی اسرائیل تھے، اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا اس حکمت سے دور والا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔

واقعات رونما ہونے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ اس راستے کو حق تعالیٰ نے اس لیے ترجیح دی کہ خشکی کے راستے سے گذرنے میں فرعون اور اس کی فوج سے جنگ ضروری ہو جاتی؛ کیوں کہ انھوں نے بنی اسرائیل کو قریب ہی آلیا تھا، اور اگر دریا کا معجزہ پیش نہ آتا تو فرعون بنی اسرائیل کو واپس مصر لے جانے میں کامیاب ہو جاتا، اور چوں کہ صدیوں کی غلامی نے بنی اسرائیل کو بزدل اور پست ہمت بنا دیا تھا؛ اس لیے وہ خوف اور رعب کی وجہ سے کسی طرح فرعون کے ساتھ جنگ پر آمادہ نہ ہوتے۔

بہر حال بنی اسرائیل نے اشارۂ غیبی سے مختصر راستہ چھوڑ کر طویل راستہ اختیار کیا، اور بحرِ قلزم میں فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ پیش آیا۔

عجیب انداز کے راستے

امام ابن کثیرؒ نے عجیب بات لکھی ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر عصا مارا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حکم سے تو ہٹ جا، تو بارہ (۱۲) راستے بن گئے؛ چوں کہ بنی

اسرائیل کے بارہ خاندان تھے، آپس میں جھگڑا نہ ہو، بھیڑ بھاڑ نہ ہو اور ترتیب سے باطمینان پار ہو سکے۔ پانی بڑے پہاڑ کے مثل کھڑا ہو گیا اور شیشہ کی طرح راستے تھے کہ ہر قبیلہ والے گزرتے ہوئے دوسرے قبیلہ والوں کو دیکھ بھی رہے تھے اور آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے، اس سے دل میں کوئی خوف بھی نہیں رہا کہ دوسرے قبیلے والوں کا کیا حال ہے؟ اور تیز ہواؤں کے جھونکوں نے راستوں کو بالکل سوکھا کر کے عام سڑک کی طرح کر دیا تھا۔

یہ علاقہ بہت خوب صورت ہے، بڑی بات یہ ہوئی کہ ہم لوگ تھکے ہوئے تھے؛ لیکن بحرِ قلزم کے بالکل کنارے پانی سے لگ کر ہمارے شام کے کھانے کا انتظام تھا، تو اس پُر کیف منظر نے ہماری ساری تھکن دور کر دی۔

بحرِ قلزم کے کنارے ''سمکِ موسیٰ'' کی خواہش

وہاں ہم سے پوچھا گیا کہ: کھانے میں کیا پسند کرو گے؟

میں نے کہا کہ: بحرِ قلزم پر آئے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام والی مچھلی ضرور کھائیں گے، یعنی جس مچھلی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھایا تھا اور قرآن کی سورۂ کہف میں جس کا ذکر ہے، ہم تو وہی کھائیں گے۔

تھوڑی دیر بعد خادم نے آ کر اطلاع دی اور معذرت چاہی کہ: اس وقت ہمارے پاس ''سمکِ موسیٰ'' اسٹاک میں نہیں ہے، اگلی مرتبہ آپ کو ضرور کھلائیں گے۔

بہر حال! بحرِ قلزم کے کنارے رات کا کھانا کھایا، عشا کی نماز پڑھی، آگے بڑھے، تو بتایا گیا کہ: جس جگہ ہم نے بیٹھ کر کھانا کھایا یہی ''وادیٔ سینا'' کہلاتی ہے۔

میں نے کہا: یا اللہ! جس مقدّس وادی کا آپ نے بار بار قرآن میں ذکر کیا ہے، جس کی قسم کھائی اس جگہ ہمارے قدم پہنچائے، اب اس کی برکات سے ہم سب کو مالا مال بھی فرما دیجیے۔

''کوہِ طور'' کی طرف

جس رات ہم ''شرم الشیخ'' پہنچے تو بتایا گیا کہ: اسی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام والے پہاڑ پر جانا ہے۔

ہم سوچنے لگے کہ: آخر یہ راتوں رات کیوں پہاڑ پر لے جایا جاتا ہے؟

لیکن بہر حال! گئے، کچھ کلومیٹر گاڑی سے چلنے کے بعد ہمیں اتار دیا گیا اور بتایا گیا کہ: بس! سامنے ہی وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس (۴۰) دن اعتکاف وقیام فرمایا تھا اور یہیں وہ درخت بھی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تجلی کا نور دیکھا تھا اور یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے بات چیت کا موقع ملا تھا۔

رات کو تقریباً ایک بجے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا

سخت سردی کی رات میں تقریباً ایک بجے ہم نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا؛ بالکل سناٹا تھا، صرف گرم کپڑوں کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں، انھیں معلوم تھا کہ رات کو ٹورسٹ حضرات آتے ہیں؛ اس لیے دکانیں کھلی رکھی تھیں۔

ہم نے سردی کے کپڑے خریدے؛ کیوں کہ بتایا گیا کہ: جب یہاں اتنی سردی ہے تو اوپر مائنس ڈگری ہوگی، ہم گیارہ ساتھیوں میں سے دو کے علاوہ۔جن میں

ایک معذور تھے اور ایک عمر دراز تھے۔نو (۹) ساتھیوں نے رات کے وقت اوپر چڑھنا شروع کیا۔

رات کو پہاڑ پر چڑھنے کی حکمت

اب ہمیں حکمت سمجھ میں آئی کہ اگر دن میں ہمیں اوپر لے جایا جاتا تو اس کی دشواری کو دیکھ کر ہر کوئی ہمت ہار دیتا؛ چوں کہ بہت ہی بلند اور عجیب چڑھان ہے؛اس لیے رات کی تاریکی میں لے جایا جاتا ہے اور صرف ہم ہی نہیں؛ بلکہ دور دراز سے آئے ہوئے روزانہ ایک ہزار یہودی اور دیگر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یاد میں اوپر چڑھتے ہیں، مجھے یہاں عاشورہ والی وہ روایت یاد آ گئی جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ: نَحْنُ أَحَقُّ بِمُوْسیٰ.

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یاد میں ایک ہزار یہودی اوپر چڑھتے ہیں تو ہمیں بھی ہمت کر کے چڑھنا چاہیے۔

رات کی تاریکی میں پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کتنا اونچا جانا ہے، پھر معلوم ہوا کہ سات کلومیٹر اوپر چڑھیں گے تب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام والی جگہ آئے گی، وہاں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں؛اس لیے ڈر وغیرہ محسوس نہیں ہوتا۔

کوہِ طور پر چڑھتے ہوئے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کی لذت

میں نے اپنے ایک ساتھی مولانا صادق صاحب مانیکپوری زید مجدہم سے کہا کہ: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پہاڑی ہے؛اس لیے ان کی یاد میں سورۂ طٰہٰ کی تلاوت ہونی چاہیے۔ ہمارے ایک ساتھی نے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت شروع کی اور ہم ایک دم مست ہو کر

چلنے لگے۔

آپ اندازہ لگائیے کہ جس وادی اور مقام کا قرآن میں تذکرہ ہو اسی جگہ پر پہنچ کر اس کو سننے کا کیا مزہ آیا ہوگا اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا!!!

تلاوت سنتے سنتے ہم چار گھنٹے بیس منٹ تک پیدل چلے اور اس مقام پر پہنچے، چلتے چلتے ہم نے صبح صادق کا صاف صاف نظّارہ بھی کیا اور ساتھیوں کو بھی کروایا، اور ستارہ (Venus) بھی دیکھا، وہاں طلوعِ آفتاب کا وقت بالکل قریب تھا، ہمیں نماز کی فکر ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بالکل چوٹی پر ایک مسجد بھی ہے اور پڑوس میں ایک چرچ بھی بنا ہوا ہے۔

میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: جلدی جلدی وضو کرو؛ ورنہ فجر قضا ہو جائے گی، چنانچہ سردی کی شدت کی وجہ سے ہم وضو میں پانی کا استعمال ایسے کر رہے تھے جیسے جسم پر کریم لگا رہے ہوں، پھر فجر کی نماز پڑھی اور اشراق تک وہیں رہے، طلوعِ آفتاب کا نظارہ بھی بڑا عجیب تھا، دور دراز تک سلسلۂ جبالِ طور کا مشاہدہ کرتے رہے۔

اس درخت کی زیارت جس پر اللہ کی تجلی کا نور اترا تھا

پوری رات پہاڑ پر چڑھنے میں گذری، پھر دو گھنٹے تقریباً واپسی میں گذرے، ہم لوگ صبح کو نیچے اترے تو اس وقت تھکن ختم ہوگئی، جب بتایا گیا کہ: اب ہمیں بہت اہم چیز کا مشاہدہ کرنا ہے، یعنی وہ درخت جس پر اللہ کی تجلی کا نور اترا تھا، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا نور دیکھا تھا اور اللہ تعالیٰ سے بات چیت کی تھی۔

پہاڑ سے اتر کر آگے بڑھے تو ایک چھوٹا سا قلعہ نما احاطہ بنا ہوا ہے اس میں یہ

درخت ہے، بتایا جاتا ہے کہ: جس جگہ یہ درخت ہے اس سے تقریباً چار، پانچ میٹر کے فاصلے پر اصل وہ درخت تھا اور اسی اصل درخت کی جڑ میں سے یہ درخت نکلا ہوا ہے جو اس وقت موجود ہے اور یہ اس طرح ہوتا رہتا ہے کہ درخت کی شاخیں لمبے عرصے میں سوکھ جاتی ہیں، پھر جڑوں سے دوسری نئی ہری شاخ نکلتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کا واقعہ

واقعہ یہ ہوا تھا کہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی حضرت صفورا رضی اللہ عنہا کو مدین سے مصر لے کر آرہے تھے تو ان کو ''دردِ زِہ'' شروع ہوا، سخت ٹھنڈی رات تھی، آپ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا کہ:

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿٩﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾

ترجمہ: اور (اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تمھارے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کا واقعہ نہیں پہنچا؟ ﴿۹﴾ جب ان (موسیٰ علیہ السلام) کو (طور پہاڑ پر ایک) آگ نظر آئی تو اپنی بیوی سے کہا: تم یہیں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید کہ میں اس میں سے تمھارے پاس کوئی شعلہ لے آؤں یا آگ کے پاس راستے کا پتہ (بتانے والا کوئی) مل جائے ﴿۱۰﴾

بیوی کو جمع کے صیغے سے خطاب

مذکورہ آیت میں جمع کا صیغہ آیا ہے، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی کو جمع کے صیغے سے خطاب فرمایا کہ: تم یہاں رک جاؤ۔ اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ کبھی واحد کو جمع کے صیغے سے خطاب کرتے ہیں، اس کی تعظیم اور تکریم

کے طور پر؛ اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کو تعظیم اور تکریم کے صیغے سے خطاب کرنا یہ نبیوں کا طریقہ ہے۔

بہر حال! موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہاں ذرا رک جاؤ، مجھے اوپر آگ نظر آ رہی ہے، میں جاتا ہوں اور آگ لے کر آتا ہوں، اگر وہ آگ ہے تو کوئی آگ سلگانے والا بھی ہوگا تو ان سے پوچھوں گا کہ: مصر جانے کا راستہ کون سا ہے؟ یہ کہہ کر وہاں اپنی بیوی کو ٹھہرایا تھا اور خود آگ لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ ہم جس جگہ کھڑے تھے میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت صفورا رضی اللہ عنہا کہیں رُکی ہوں گی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے تو ایک لکڑی لی، یا گھاس کے تنکے جمع کیے؛ تاکہ اس کو جلا لیویں؛ لیکن جب آپ آگے بڑھتے تو آگ پیچھے ہٹ جاتی، جب آپ واپس ہوتے تو آگ آگے بڑھ کر ان کے سامنے آ جاتی، عجیب وغریب آگ تھی، آگ تو جلانے کا کام کرتی ہے؛ لیکن وہ ایسی آگ تھی کہ لکڑیاں تو کیا جلاتی، پتے بھی نہیں جلتے تھے اور جتنی وہ آگ بھڑکتی اتنے درخت کے پتے اور زیادہ روشن ہو جاتے، ہریالی، تازگی اور چمک میں اضافہ ہوتا، آپ علیہ السلام اس کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔

اسی وقت آواز آئی:

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: سو جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) اس (آگ) کے پاس پہنچے تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) آواز دی گئی کہ: اے موسیٰ! ﴿۱۱﴾ پورا یقین رکھو! میں تمھارا رب ہی ہوں،

تم اپنے دونوں جوتوں کو نکال دو، یقینی بات ہے کہ تم طُویٰ نامی مقدس میدان میں ہو ﴿۱۲﴾ اور میں نے (نبوت کے لیے) تم کو چن لیا ہے، سو جو بات وحی کے ذریعے کہی جائے وہ دھیان سے سنو ﴿۱۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ ہی ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، سو تم میری ہی بندگی کرو اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو ﴿۱۴﴾

آگ لینے کو جائیں اور پیمبری مل جائے	خدا کی عنایت کا پوچھیے موسیٰ سے کوئی حال

جب آپ علیہ السلام وہاں پہنچ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

موسیٰ! تم بہت بابرکت جگہ پر آئے ہو؛ اس لیے جوتے نکال لو۔ یہ ادب سکھلایا گیا۔

فاخلع نعلیک کی وجہ اور اس پر عمل کی سعادت

مجھے بھی یہ بات یاد تھی؛ اس لیے ہم نے سوچ رکھا تھا کہ ہم بھی اپنی جوتیاں وہاں نکال دیں گے، چنانچہ ہمارے ساتھی ''بلال بھائی کاریا'' نے توجہ دلائی کہ: ہم جوتیاں نکال دیں؟ میں نے کہا کہ: ہاں! سب نکال دو۔

حضراتِ مفسرین نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ: اس مبارک وادی کی مٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بدن سے لگے؛ اس لیے یہ جوتیاں نکلوائی گئی تھیں۔

وہاں کے پولس اور سیکوریٹی والے ہمیں حیرت کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔

ہم لوگ اندر داخل ہوئے، اس درخت کو کافی دیر تک دیکھتے رہے، تجلیاتِ الٰہیٰ کا تصور کر رہے تھے، ہم ایسے غرقاب و مست ہوئے کہ رات بھر کی تھکن کہاں

غائب ہوگئی پتہ ہی نہ چلا۔

زیتون کے درخت

پھر وہاں آس پاس بہت سارے زیتون کے درخت تھے، میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: یہ وہ زیتون کے درخت ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ۝۲۰

ترجمہ: اور ایسے (زیتون کے) درخت کو جو طور سینا سے نکلتا ہے وہ تیل اور کھانے والوں کے لیے سالن لے کر اگتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بات لکھی گئی کہ دنیا میں سب سے پہلے زیتون کا درخت اسی وادیٔ سینا میں اگا تھا؛ لگتا ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن میں فرمایا ہے۔

میں نے ساتھیوں سے کہا: اس کے پتے اور لکڑیاں لے لو، ہم اپنے وطن جا کر اس کو اگائیں گے، ان کی برکات میں کیا شک ہوسکتا ہے۔

مدین کا کنواں

ہمیں وہاں ایک کنواں دکھایا گیا، اس کے بارے میں بتایا گیا کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس کنویں کا پانی پیا ہے۔

دوسری بات یہ بتائی گئی کہ: مدین بستی کہاں تھی؟

اس میں مفسرین کی مختلف رائیں ہیں؛ لیکن ایک قول یہ ہے کہ مدین کے جس کنویں کا ذکر قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ.

ترجمہ: اور جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) مدین کے کنویں پر پہنچے تو لوگوں کے ایک مجمع کو دیکھا کہ (کنویں سے پانی کھینچ کر اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں۔

وہاں بتایا جاتا ہے کہ وہ کنواں یہی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

چنانچہ ہم نے اس کنویں کی زیارت کی اور باہر نکلے۔

جس زیتون کے تیل کا قرآن میں ذکر ہے اس کی خریداری کی سعادت

میں نے کہا کہ: ہم نے لکڑیاں تو توڑ لیں؛ لیکن زیتون کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝۲۰

ترجمہ: اور طور سینا سے جو (زیتون کا) درخت نکلتا ہے وہ تیل اور کھانے والوں کے لیے سالن لے کر اگتا ہے۔ (المؤمنون)

یعنی یہاں کے تیل کا بھی قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔

میں نے اپنے گائڈ سے عربی میں کہا: یہاں کے دیہاتی بدؤوں سے پوچھو کہ: یہاں کے زیتون کا تیل ہمیں مل سکے گا؟

اس نے جا کر دو چار لوگوں سے پوچھا تو ایک نے کہا کہ: میرے پاس ہے اور یہیں کے زیتون کا تیل ہے۔

میں نے کہا: بالکل پکی بات؟

اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہیں کا ہے۔

میں نے کہا: یہ مجھے لے جانا ہے۔

اس نے کہا: نوسو(۹۰۰) پاؤنڈ میں دوں گا۔

میں نے کہا کہ: جو قیمت تو مانگے گا، دوں گا؛ اس لیے کہ قرآن میں اس جگہ کے تیل کا ذکر ہے۔ الحمد اللہ! اس کو ساتھ لانے اور استعمال کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے برکات سے مالا مال فرمائے، آمین۔

سونے کا بچھڑا

پھر ہم وہاں سے آگے چلے، گائڈ نے کہا کہ: اب دوسری اہم اہم زیارتیں شروع ہورہی ہیں۔ آج منگل کا دن تھا، ایک جگہ انھوں نے گاڑی رکوائی، بڑا میدان تھا، ہم نیچے اترے، وہاں ایک بورڈ لگا ہے جس پر عربی میں لکھا ہوا تھا ''العجل الذهبي'' یعنی سونے کا بچھڑا (Golden cow)، یہ وہ جگہ تھی جہاں پر بنی اسرائیل نے سونے کا بچھڑا بنایا تھا، جس کا ذکر قرآن میں کئی جگہوں پر ہے۔

سامری اور اس کے بچھڑا بنانے کا قصہ

بنی اسرائیل جب مصر سے نکلے تھے تو ان کی عورتوں کے پاس فرعونیوں کے بہت سارے سونے چاندی کے زیورات تھے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر چالیس دن گزارنے کے لیے تشریف لے گئے تب سامری نے لوگوں کو ایک شیطانی بات کہی کہ: جو زیورات ہمارے پاس ہیں وہ ہمارے لیے حلال نہیں ہیں؛ اس لیے جلدی جلدی سب زیورات لاؤ اور ایک گڑھے میں جمع کرو۔

اس کے بعد اس نے ان زیورات میں آگ لگوادی اور ان کو پگھلا کر سونے کا ایک بچھڑا یعنی پتلا بنایا اور جب اس کو پگھلایا جا رہا تھا تو قرآن میں ہے کہ سامری نے ایک چھوٹی سی پڑیا اس میں ڈالی اور حضرت ہارون علیہ السلام جو وہاں کھڑے تھے ان سے کہا کہ: میرے لیے اللہ سے دعا کرو کہ: میں جو نیت کروں اللہ اس کو پورا فرمائے۔

اس پڑیا میں کونسی مٹی تھی؟

جب حضرت جبرئیل علیہ السلام فرعون کو ڈبونے کے لیے تشریف لائے تو ان کی گھوڑی یا گھوڑا جہاں جہاں قدم رکھتا تھا وہاں جنگل و بیابان میں ہری ہری گھاس اُگ جاتی تھی، سامری نے وہ منظر دیکھا، قرآن میں ہے:

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: اس نے کہا: میں نے ایک ایسی چیز دیکھ لی تھی جس کو ان (دوسروں) نے نہیں دیکھا تھا اور میں نے رسول (فرشتے) کے نشانِ قدم سے ایک (خاک کی) مٹھی اٹھالی تھی اور میں نے اس کو ڈال دیا (اس وقت) میرے دل نے ایسی ہی بات مجھے سمجھائی تھی ﴿۹۶﴾

سامری کی پرورش حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کی تھی

سامری جبرئیل امین کو پہچانتا تھا اور کیوں اور کیسے پہچانتا تھا وہ لمبا قصہ ہے، مختصر یہ کہ سامری کی ولادت کے وقت اس کی ماں نے فرعون کے ڈر سے ایک مٹکے میں اس کو چھپا دیا تھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام وہاں تشریف لاتے اور اس کی پرورش کرتے۔

بعض حضرات نے یہاں تک لکھا ہے کہ سامری ہندوستان کی گاؤ پرست قوم کا ایک فرد تھا جو ہجرت کر کے مصر گیا تھا۔

بہرحال! جہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سواری کا قدم پڑا تھا وہاں کی مٹی سامری نے اٹھا کر رکھ لی تھی، اور اس پگھلے ہوئے سونے چاندی میں اس نے مٹی ڈالی:

فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: پھر اسی طرح سامری نے (اس کے پاس جو کچھ تھا آگ میں) ڈال دیا۔

آواز والا بچھڑا

اس سے بچھڑا پیدا ہوا تو اس سے آواز نکلتی تھی:

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ۔

ترجمہ: سو اس (سامری) نے ان (لوگوں) کے سامنے ایک بچھڑا (زیور میں سے بنا کر) نکالا جو صرف ایک جسم تھا، جس میں سے (بچھڑے جیسی) ایک آواز نکلتی تھی۔

پھر سامری نے لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا، کہا:

فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۫ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: (یہ منظر دیکھ کر سامری کی بات ماننے والے، یعنی بچھڑے کی پوجا کرنے والے) کہنے لگے: یہ تمھارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے، سو وہ (موسیٰ) بھول گئے (اور طور پر خدا کی تلاش میں چلے گئے) ﴿۸۸﴾

یہ کہہ کر پوری قوم کو گمراہ کیا اور اس کی پوجا میں لگا دیا، جس جگہ یہ واقعہ پیش آیا تھا اس جگہ کو ہم نے دیکھا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے واپس آئے، تو آپ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا گیا، آپ نے اس بچھڑے کو جلا ڈالا، جن جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی ان سب کو قتل کر دیا۔

بچھڑے کی تصویر والا پتھر

ایک عجیب بات بتلاؤں: وہ یہ کہ گائڈ نے پہاڑ پر ایک پتھر بتایا جس کو غور سے دیکھنے سے بچھڑے کی تصویر نظر آتی ہے جو قدرتی ہے، کسی انسان کی تراشی ہوئی نہیں ہے، بتایا گیا کہ: یہاں کے بدوؤں میں یہ بات مشہور ہے کہ: یہ تصویر بطور معجزہ کے ہے کہ جہاں ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی وہاں اس کی تصویر قدرتی طور پر بن گئی، ہوسکتا ہے کہ کسی دور میں کسی نے واقعے کی یاد تازہ رکھنے کی نیت سے اس کو تراشا ہو، اور مرورِ زمانہ سے اس کے اثرات کم ہو گئے ہوں۔

مقامِ ہارون علیہ السلام کی زیارت

پھر ہم آگے چلے تو ایک جگہ چھوٹا سا گنبد بنا ہوا نظر آیا، وہاں لکھا تھا ”مقامِ ہارون“؛ یعنی یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے رہنے کی جگہ تھی، اس کی بھی زیارت کی۔

مقامِ صالح علیہ السلام کی زیارت

پھر وادیٔ طویٰ سے نکل کر آگے چلے تو مقامِ صالح نظر آیا؛ یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے کچھ وقت وہاں قیام کیا ہوگا۔

یہ پورا علاقہ جو میدان ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل

کے رہنے کی جگہیں تھیں؛ اس لیے وہاں یہودی لوگ آتے ہیں اور قیام کرتے ہیں کہ یہ ہمارے باپ دادا کے قیام کی جگہیں ہیں، وہاں بڑی عالیشان ہوٹلیں بنی ہوئی ہیں۔

ہم نے طورِ سینا سے واپس قاہرہ جانے کے لیے ہوائی جہاز کے بجائے کار سے سفر طے کیا تھا؛ تاکہ ''وادیٔ تیہ'' وغیرہ کی اچھی طرح زیارت ہو سکے اور بحرِ قلزم کے حسین مناظر سے بھی لطف اندوز ہو سکیں۔

بہر حال! طورِ سینا سے قاہرہ کا سفر بہت ہی پُر کیف رہا اور ہم زیارتوں کے ساتھ ساتھ تاریخ کے اوراق میں گم ہوتے ہوئے گذرے، نیز حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پیاری یادوں سے برابر ایمان کو تازگی ملتی رہی۔

آبارِ موسیٰ

وہاں سے نکل کر آگے بڑھے، ایک جگہ ہے ''آبارِ موسیٰ''، جس کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے، قرآن میں نہیں ہے، جب فرعون کے ڈوبنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر آگے بڑھے تو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے قدرتی کنویں بنادیے جن کی تعداد تقریباً دس ہیں، بحرِ قلزم کے بالکل قریب، جس میں آٹھ کنویں تو مرورِ زمانہ کی وجہ سے سوکھ گئے ہیں؛ لیکن دو کنوؤں میں پانی اب بھی موجود ہے۔

عیونِ موسیٰ

عبدالوہاب بن نجار نے قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ: پانی کے وہ چشمے جن کا ذکر بنی اسرائیل کے واقعات میں آیا ہے، بحرِ احمر کے مشرقی بیابان میں سوئیز سے زیادہ

دور نہیں ہیں اور اب بھی عیونِ موسیٰ (موسیٰ علیہ السلام کے چشمے) کے نام سے مشہور ہے، ان چشموں کا پانی اب بہت کچھ سوکھ گیا ہے، اور بعض کے تو آثار بھی قریب قریب معدوم ہو گئے ہیں، اور کہیں کہیں ان چشموں پر اب کھجور کے باغات نظر آتے ہیں۔

وادیٔ تیہ میں

وادیٔ سینا کو ''تیہ'' اس لیے کہتے ہیں کہ قرآنِ عزیز نے بنی اسرائیل کے لیے کہا ہے: یتیھون فی الارض (یہ اس زمین میں بھٹکتے پھریں گے) جب کوئی شخص راہ سے بھٹک جائے تو عربی میں کہتے ہیں ''تاہ فلان''؛ چنانچہ ہم وادیٔ تیہ میں پہنچے۔

بنی اسرائیل نے جب اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کی تو چالیس برس تک یہی میدان بنی اسرائیل کے لیے جیل خانہ بن گیا تھا، اس میں وہ لوگ چکر کاٹتے رہے اور اس دوران اللہ تعالیٰ نے ان پر قسم قسم کی نعمتیں بھی اتاریں جس میں سے ''من'' اور ''سلویٰ'' بھی ہے۔

میں نے گائڈ سے پوچھا کہ: من وسلویٰ ہے کہ نہیں؟

اس نے کہا: ''من'' تو نہیں ہے؛ لیکن ''سلویٰ'' کے بارے میں بہت سی تفسیروں میں لکھا ہے کہ: اس سے مراد ہے ''الطیر السمانی'' یعنی تیتر ہے، وہ اس علاقے میں بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔

اور ''من'' تو ایک قسم کا میٹھا گوند ہوتا تھا۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت تھی کہ اتنا بڑا میدان جس کے چاروں طرف کوئی دیوار اور احاطہ نہیں تقریباً چالیس سال تک بنی اسرائیل کے لیے جیل بن گیا۔

جیل میں بھی نوازشاتِ الٰہیہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کتنے رحم وکرم فرماتے ہیں!!!

بنی اسرائیل قید میں ہیں اس وقت بھی نوازشاتِ الٰہیہ برابر جاری ہیں، کھانے کے لیے من وسلوی کا انتظام، گرمی اور دھوپ سے حفاظت کے لیے بادل کا سایہ اس طرح کہ جہاں بنی اسرائیل جاویں بادل بھی ساتھ چلے، پانی کے لیے ایک ہی پتھر سے بارہ چشمے اور وہ بھی ہر خاندان کی تعداد کے اعتبار سے چشموں کے پانی میں کمی بیشی، رات کی تاریکی میں روشنی کے لیے بنی اسرائیل جہاں قیام فرماتے وہاں عمودی شکل میں روشنی ہو جاتی، بچوں کی عمر جیسے جیسے بڑی ہوتی کپڑے بھی ساتھ بڑے ہوتے جاتے، یہ سب نعمتیں باری تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل پر قید کے زمانے میں بھی جاری رہیں، اللہ تعالیٰ کیسے نوازنے والے ہیں!!!

نہرِ سوئیز (Suez Canal)

وادیٔ تیہ سے قاہرہ جاتے ہوئے نہر سوئیز سے گذرنا ہوا، سوئیز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: اس کی اتنی آمدنی ہے کہ پوری مصری قوم کوئی کام نہ کرے تو بھی محض اس نہرِ سوئیز کی آمدنی سے پورا مصر کھا پی کر گذارا کر سکتا ہے، اس نہرِ سوئیز کے نیچے سے راستہ نکلتا ہے، ہم گذرے؛ لیکن بہت دیر تک انتظار میں کھڑے رہنا پڑتا ہے؛ چونکہ گذرنے والی گاڑیاں اور ٹرک بہت بڑی تعداد میں ہوتے ہیں، پھر ہم دریا کے نیچے سے گذر کر قاہرہ پہنچے۔

اسکندریہ شہر

دوسرے دن بدھ کو ہمیں اسکندریہ جانا تھا، یہ بھی سکندرِ رومی کا بسایا ہوا مصر کا ایک مشہور شہر ہے، جو یونان (Greece) سے مصر آیا تھا اور یہاں قیام کیا تھا؛ اس لیے اس کا نام اسکندریہ ہے۔

اسکندریہ کا کتب خانہ

① حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے ۲۸۸ سال پہلے اسکندریہ کے کتب خانہ کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔

② حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے اڑتالیس (۴۸) سال پہلے اس کتب خانے میں آگ لگنے کی وجہ سے کتب خانہ جل کر خاک ہو گیا تھا۔

③ اس کتب خانے میں ایک سال میں ایک کروڑ لوگ آتے ہیں۔

④ اس کتب خانے کا احاطہ 40,200 میٹر ہے، اور اس کتب خانے میں گیارہ (۱۱) منزلے ہیں۔

⑤ اس کو ایک ساتھ دو ہزار لوگ استعمال کرتے ہیں۔

⑥ اس میں مطالعے کے لیے سو (۱۰۰) کمرے ہیں، اس میں سے تین (۳) کمرے نایاب کتابوں کے ہیں، اور پانچ (۵) کمرے طٰہٰ حسین نامی کتب خانے کے ہیں۔

⑦ یہ ایسا کتب خانہ ہے جس میں ایسی ٹیکنالوجی ہے جس کے سہارے سے نابینا لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

⑧ اسکندریہ کے کتب خانے میں فی الحال پانچ لاکھ اکتیس ہزار چیزیں ہیں،

جو کتابوں، نقشوں، اور رسالوں پر مشتمل ہیں، اس میں چھیالیس ہزار انیس جلدیں نایاب کتابوں کی ہیں۔

⑨ اس کے کانفرنس ہال میں ایک ہزار چھ سو اڑتیس سیٹیں ہیں۔

⑩ اس کو اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ اس میں آٹھ کروڑ کتابیں سما سکیں۔

صاحبِ قصیدہ بُردہ علامہ بوصیریؒ کے شیخ کے مزار پر

اس دن کی اہم زیارتوں میں سلسلۂ شاذلیہ کے بزرگ علامہ بوصیریؒ کے شیخ کا مزار تھا، جن کا نام شیخ ابوالعباس مرسیؒ ہے، وہاں ان کی مسجد بھی ہے اور خانقاہ بھی نیز مسجد میں ہی آپ کا مزار بھی ہے، مسجد ہی کے قریب علامہ بوصیریؒ کا بھی مزار ہے۔

میں نے ساتھیوں سے کہا: جانتے ہو یہ شیخ بوصیریؒ صاحبِ قصیدہ بردہ کون بزرگ ہیں؟ یہ بے مثال عاشقِ رسول تھے، ان کے مزار پر ہم نے دیر تک فاتحہ پڑھا، اور ایصالِ ثواب کیا۔

''سمکِ موسیٰ'' کھانے کی سعادت

وہاں سے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ''سمکِ موسیٰ'' کھانے کی تمنا بھی وہیں پوری فرمادی، اس دن دوپہر کا کھانا سمندر کے بالکل کنارے پر تھا، وہاں قسم قسم کی مچھلیاں رکھی تھیں جس میں ''سمکِ موسیٰ'' بھی تھی، یہ وہی مچھلی کی قسم ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھائی تھی اور حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی نشانی یہی بتائی گئی تھی کہ:

اے موسیٰ! اپنے ساتھ ایک مچھلی لے لو اور سفر میں نکلو، اس مچھلی کو کھاتے بھی رہو اور جہاں وہ زندہ ہو جائے بس وہیں آپ کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگی۔

تفسیروں میں لکھا ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو مچھلی کھائی تھی جو پھر زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی تھی آج تک دریا میں اس کی نسل موجود ہے۔

۲۰۰۰ء میں جب صدی بدلی تھی تب میرا سینٹرل امریکہ کا پہلا سفر ہوا تھا تو وہاں پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام والی مچھلی کھانے کا موقع ملا تھا اور عجیب اللہ کی قدرت کہ جیسا قرآن میں بتایا گیا ہے اسی انداز میں مچھلی کی نسل موجود ہے، یعنی تفسیروں میں لکھا ہوا ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک طرف کی پوری مچھلی کھا چکے تھے اور دوسری طرف گوشت باقی تھا تو اس کی نسل میں بھی ایک طرف گوشت نہیں ہوتا، کانٹا رہتا ہے اور صرف ایک طرف گوشت ہوتا ہے، فتبارک اللہ احسن الخالقین!!!

حضرت لقمان علیہ السلام اور حضرت دانیال علیہ السلام کے مزار پر

پھر ہمیں اسکندریہ میں حضرت لقمان علیہ السلام کے مزار کو بھی تلاش کرنا تھا، اسی لیے عصر کے وقت نکلے، ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک بہت پرانی مسجد میں پہنچ گئے، مسجد میں ایک تہہ خانہ ہے، اسی میں حضرت لقمان علیہ السلام کی قبر ہے اور اس قبر کو وہاں زیادہ لوگ جانتے بھی نہیں۔

اسی مسجد میں حضرت دانیال علیہ السلام کا بھی مزار ہے اور مسجد کا نام بھی مسجدِ دانیال علیہ السلام ہے، نماز کے بعد ہم نیچے تہہ خانے میں اترے تو دونوں بزرگوں کی قبر پر حاضری نصیب ہوئی۔

اسکندریہ سے فارغ ہو کر ہم قاہرہ آنے کے لیے تیار ہوئے، اس سفر کا آخری دن بدھ تھا اور ابھی بہت ساری زیارات باقی تھیں۔

قاہرہ میں: درخت سے کاغذ

اس دن اہم زیارتوں میں ایک یہ تھا کہ وہاں ایک خاص قسم کا درخت ہوتا ہے جس سے وہ لوگ کاغذ بناتے ہیں اور ہماری آنکھوں کے سامنے انھوں نے کاغذ بنایا، پوری کاروائی ہمارے سامنے کرتے ہیں، درخت کو کاٹا اور پھر اس کو مختلف مراحل سے گزار کر ہمارے سامنے کاغذ بنایا۔

اس پر قرآن کریم کی آیتیں بہت خوب صورت انداز میں لکھتے ہیں جس کو روشنی اور تاریکی دونوں میں پڑھا جا سکتا ہے، آیتیں چمکتی ہیں، وہ کافی مہنگی فروخت کرتے ہیں؛ لیکن اپنے گجراتی لوگ بھاؤ کرانے میں بڑے ماہر ہیں؛ اس لیے ہم گیارہ ساتھیوں نے مل کر اپنی اپنی پسندیدہ تختیوں کو اپنی اپنی پسندیدہ قیمتوں میں خریدا۔

مصر کی روئی (کاٹن) بھی بہت مشہور ہے، اس کی مارکیٹ بھی ہم نے دیکھی۔

جمعرات کا دن ہمارا پورا ہوا اور رات کو ہماری واپسی کی فلائٹ تھی۔

اب میں وہ فہرست شمار کروانا چاہتا ہوں کہ مصر کے اس سفر میں قاہرہ میں کن کن اولیاء اللہ کے مزارات پر ہم نے حاضری دی، بہت سے نام تو آچکے ہیں۔

سیدنا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا مزار

سیدنا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری ہوئی، ہم وہاں عشا کے وقت پہنچے تھے، ان کی بہت ساری روایتیں کتبِ حدیث میں منقول ہیں، جب ان کے مزار پر گئے تو میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: میرے پیر و مرشد حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ۔ جب چھتہ مسجد دیوبند میں ان کی خدمت میں رہتا تھا تو۔ بڑے اہتمام سے

یکم رمضان اور انیس رمضان کو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت پڑھ کر اس پر ضرور تقریر فرماتے تھے: عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ قال: سألت رسول اللّٰه:

ما النجاة یا رسول اللّٰه؟

قال: أَمْلِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَلْیَسَعْکَ بَیْتُکَ وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: نجات کیسے ملے گی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عقبہ! اپنی زبان کو قابو میں رکھو، تمھارا گھر تم کو سمو کر رکھے اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔

یہ حدیث میں نے ساتھیوں کو سنائی اور جب آپ کا نام آیا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ یا اللہ! آج اسی جگہ ہم کھڑے ہیں۔

نوٹ: اس حدیث پر تفصیلی بیان بندے کے خطبات کی پہلی جلد میں موجود ہے۔

فاتحِ مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک

جس مسجد میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا مزار ہے اس مسجد میں داخل ہوتے وقت دائیں طرف حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے جن کے مبارک ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مصر فتح فرمایا تھا۔

دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات

اور بھی بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات ہیں؛ لیکن جیسا کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ: ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات یا تو مٹ گئے یا دنیا

میں ان کے جاننے والے لوگ اب نہیں رہے۔

امام زیلعیؒ، عزالدین ابن عبدالسلامؒ اور علامہ سیوطیؒ کے مزارات

اس کے علاوہ صاحبِ نصب الرایہ امام زیلعیؒ اور علامہ عزالدین ابن عبدالسلامؒ کے مزار پر حاضری ہوئی، اور علامہ سیوطیؒ کے مزار پر بھی حاضری دی۔

سید احمد کبیر رفاعیؒ کے مزار پر

اسی طرح سید احمد کبیر رفاعیؒ کے مزار پر حاضری ہوئی، ہمارے یہاں گجرات میں بھی جو رفاعی خانقاہ ہے وہ انھیں کی طرف منسوب ہے۔

سید احمد کبیر رفاعیؒ کی کرامت

ان کی ایک کرامت مشہور ہے کہ جب وہ مدینۂ منورہ میں حضور ﷺ کے روضۂ اطہر پر سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو قبر مبارک سے آپ ﷺ کا دستِ مبارک باہر آیا تھا جس سے پوری مسجدِ نبوی جگمگا اٹھی تھی، اور سید احمد کبیرؒ نے اس ہاتھ کو بوسہ دیا تھا، ان کا مزار بھی قاہرہ میں ہے جس پر بڑی عالی شان مسجد بنی ہوئی ہے، ہم نے وہاں نمازِ ظہر بھی ادا کی۔

رفاعی سلسلے کے ایک بزرگ کی کتاب ''تذکار الانفع'' کو مولانا عبد العزیز صاحب بلساڑ سے تصحیح کرواکر شائع کروانے کی سعادت بندہ کو حاصل ہوئی ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ

اسی طرح علّامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کے مزار پر حاضری ہوئی، جو بہت ساری

کتابوں کے مصنف ہیں۔

جمعہ کے دن ہمارے یہاں نواپور میں ''گڑی'' کی مسجد کے افتتاح کے لیے حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی دامت برکاتہم تشریف لائے ہوئے تھے تو میں نے عرض کیا کہ: حضرت! جب میں علامہ شعرانیؒ کے مزار پر پہنچا تو بے اختیار آپ کی یاد بہت آئی۔

فرمانے لگے کہ: میری کتاب جس کا نام ''اقوالِ سلف'' ہے وہ علامہ شعرانیؒ ہی کا توفیض ہے؛ اسی لیے آپ کو میری یاد آئی ہوگی۔

جو میری قبر پر مصافحہ کرے اس کی بھی مغفرت

قاضی عبدالوہابؒ بغدادی کے مزار پر گئے، جن کے بارے میں میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ مصر کی تاریخ میں بڑے صاحبِ نسبت بزرگ تھے جو بغداد سے ہجرت کر کے مصر آئے تھے، ان کے انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ: کیا گذری؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کر دی اور مجھے یوں فرمایا کہ: تیری بھی مغفرت اور تیری قبر پر آ کر جو مصافحہ کرے اس کی بھی مغفرت۔

یہ واقعہ میں نے پہلے پڑھ رکھا تھا؛ اس لیے وہاں پہنچ کر میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: پہلے آپ مصافحہ کا مسنون طریقہ سیکھ لو، اس کی سنت کیا ہے؟ پھر ہم قاضی عبدالوہابؒ کے مزار پر جا کر ایصالِ ثواب کریں گے اور پھر ہم سب آپس میں مصافحہ کریں گے، ہم نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرمائے، آمین۔

دیگر ائمہ واصحابِ امام مالکؒ کے مزارات پر حاضری

اسی کے پڑوس میں علی نورالدین الشوکانیؒ کا بھی مزار ہے۔

اسی طرح ابن ہشام نحوی، امام لیث، امام شافعیؒ اور ہمارے احناف کے ایک بڑے امام ابوجعفر طحاویؒ کے مزار پر گئے۔

وہاں ہمارے ساتھی مولانا ناصر صاحب (نوساری والے) کی ایک کرامت سامنے آئی کہ وہاں مزار کا دروازہ بند تھا، کافی دیر تک انتظار رہا کہ چابی آرہی ہے، چابی آرہی ہے، ہمارے یہ ساتھی آگے بڑھے اور انھوں نے دروازے کو دھکا مارا تو دروازہ کھل گیا۔ ازراہِ مزاح میں نے ان سے کہا کہ: یہ تو آپ کی زندہ کرامت ہے۔

ایک جگہ پر سب مالکی حضرات آرام فرما ہیں وہاں بھی حاضری ہوئی۔

حضرت یحیٰ اندلسی مالکیؒ

جب ہم پہنچے تو حیرت میں رہ گئے؛ چوں کہ میں اللہ کے فضل سے جامعہ ڈابھیل میں مؤطا امام مالک پڑھاتا ہوں، امام مالکؒ کے جلیل القدر شاگرد جن کا لکھا ہوا نسخہ رائج الوقت ہے؛ یعنی امام یحیٰ اندلسیؒ، وہ بھی وہاں آرام فرما ہیں، ایک کونے میں غبار آلود قبر ہے، میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: ہیرا تو یہاں ہے۔

اسپین سے ہاتھی دیکھنے نہیں آیا، حدیث پڑھنے آیا ہوں

ساتھیوں کو میں نے بتایا کہ: یہ یحیٰ اندلسی کو جانتے ہو؟

اسپین سے سفر کر کے مدینہ علم حاصل کرنے کے لیے آئے، امام مالکؒ کی خدمت

میں تھے، ایک دن مدینۂ منورہ میں ہاتھی آیا، امام مالکؒ کے سارے شاگرد ہاتھی دیکھنے چلے گئے؛ چوں کہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا تو یہ ان کے لیے ایک نئی چیز تھی؛ مگر یہ یحییٰ درس میں بیٹھے رہے۔ استاد امام مالکؒ نے خود فرمایا کہ: یحیٰ! تمھارے سارے ساتھی ہاتھی دیکھنے گئے، تم کیوں نہیں گئے؟

فرمایا کہ: حضرت! اسپین سے مدینۂ منورہ ہاتھی دیکھنے نہیں آیا ہوں، حدیث پڑھنے کے لیے آیا ہوں۔

میں نے سوچا: ان کی اسی علم کی تعظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کا نقل کیا ہوا موٴطا کا نسخہ دنیا بھر میں عام فرمایا۔

دوسرے کئی ایک شاگردان امام اسہبؒ وغیرہ سب مالکی حضرات ہیں، ایسا لگتا ہے کہ سب نے آپس میں طے کر کے یہاں اپنی قبر بنوائی ہے، باہر بورڈ لگا ہوا تھا: ”اصحاب امام مالکؒ“۔

ذوالنّون مصریؒ کے مزار پر

اس کے بعد حضرت ذوالنّون مصریؒ کے مزار پر گئے۔

میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: ذوالنّون مصری کون ہیں، جانتے ہو؟

انھوں نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا کہ: فضائلِ اعمال کی تعلیم دھیان سے سنا کرو، حضرت شیخ زکریاؒ صاحب نے ان کے کتنے واقعات فضائلِ اعمال میں نقل کیے ہیں۔

اسی طرح حضرت رابعہ عدویہؒ اور حضرت علی کے بیٹے محمد بن حنفیہ کے مزارات پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔

ابنِ عطا اسکندریؒ کے مزار پر

حضرت ابن عطا اسکندریؒ جو سلسلۂ شاذلیہ کے اکابر میں سے ہیں وہیں آرام فرما ہیں، ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی حکمت کے کلمات اتنے عجیب ہوتے تھے کہ کہا جاتا ہے کہ نماز میں قرآن کے علاوہ کسی اور کے کلام کو پڑھنے کی اجازت ہوتی تو ابن عطا اسکندریؒ کے کلماتِ حکمت سے نماز جائز ہوتی۔

ابن عطاء الاسکندریؒ کے حالاتِ زندگی: نام ونسب

آپ کا اسمِ گرامی: احمد، لقب: تاج الدین، کنیت: ابوالفضل، والد کا نام: محمد، دادا کا نام: عبدالکریم اور پردادا کا نام: عطاءُ اللہ ہے۔

آپ کی نسبت ''الجَزافی'' اور ''الاسکندری'' ہے، آپ مشرباً ''شاذلی'' ہیں، آپ کے آباؤ اجداد ''اِسکندریہ'' کے تھے؛ لیکن آپ قاہرہ میں اقامت گزیں ہوئے۔

مذہب اور علمی مقام

علامہ تاج الدینؒ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ ابنِ عطاؒ شافعی المسلک تھے اور بعض علما فرماتے ہیں کہ: مذہبِ مالکی کے پیروکار تھے۔ ان کو ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے علوم ومعارف میں بہت بلند مقام حاصل تھا، فنِ تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول میں امامت کے درجے پر فائز تھے۔

مشائخ وتلامذہ

یوں تو آپ نے متعدد علما اور مشائخ سے کسبِ فیض کیا؛ لیکن اس سلسلے میں جن

مشائخ سے آپ بہت زیادہ قریب ہوئے وہ یہ ہیں: شیخ یاقوتؒ اور شیخ ابوالعباسؒ المرسی الشاذلیؒ۔

اسی طرح آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ملک کے اطراف واکناف کے طلبہ آتے اور آپ سے مستفیض ہوتے۔

آپ کے ممتاز شاگردوں میں علامہ تقی الدین سبکیؒ بھی ہیں۔

کرامات

① علامہ کمال الدین ابن ہمامؒ ایک مرتبہ آپؒ کی قبر کی زیارت کے لیے گئے اور وہاں سورۂ ہود کی تلاوت کی، آیتِ کریمہ "فمنهم شقي وسعيد" -ترجمہ: ان میں کوئی بدحال ہے اور کوئی خوش حال- پر پہنچے تو آپؒ کی قبر کے اندر سے آواز آئی:

یا کمال! ليس فينا شقي. اے کمال! ہم میں کوئی بھی بدحال نہیں ہے۔

یہ سن کر امام ہمامؒ نے وصیت فرمائی کہ: میری وفات کے بعد مجھے بھی اسی قبرستان میں دفن کرنا۔لہٰذا ابن ہمامؒ کی وصیت پوری کی گئی اور حضرتؒ کے قریب ان کو دفن کیا گیا۔

② آپؒ کے ایک شاگرد کو حج کی سعادت نصیب ہوئی تو اس نے آپ کو طواف اور سعی کرتے ہوئے اور مقامِ ابراہیم کے پاس دیکھا۔

جب وہ حج کر کے اپنے وطن لوٹا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ: میرے حج کے لیے روانہ ہونے کے بعد حضرتؒ شہر سے نکلے تھے؟ لوگوں نے نفی میں جواب دیا۔

پھر وہ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپؒ نے اس سے فرمایا: تم

نے سفرِ حج میں کتنے لوگوں کو دیکھا؟

جواب دیا کہ: حضرت آپ کو دیکھا تھا۔ تو آپ مسکرا دیے۔

وفات

تاریخ وفات میں دو قول ہیں: ایک قول کے مطابق ۷۰۹ھ اور علّامہ شعرانی کی ''طبقاتِ کبریٰ'' کی روایت کے مطابق ۷۰۷ھ میں وفات پائی۔

ابن الوفاء کے قریب مقامِ قرافہ میں مدفون ہوئے۔

سلسلۂ شاذلیہ کی ایک شاخ الوفائی ہے، اس سلسلے کے کئی مشائخ کے مزارات ابن عطاء الاسکندریؒ کے مزار کے قریب ہیں اور اسی وجہ سے صاحبِ نور الایضاح اپنے آپ کو ''الوفائی'' کہتے ہیں۔ ویسے تو قرافہ کا ہر ذرہ اپنے اندر اپنے زمانے کے آفتاب اور ماہتاب کو لیے ہوئے ہے۔

اسی مزار کے قریب جو مسجد ہے اس میں ہماری پوری جماعت کو نماز ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

احناف کے بیرسٹر ابن ہمامؒ کے مزار پر

اسی طرح احناف کے بیرسٹر جنھوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے ابنِ عطا اسکندریؒ کے پہلو میں دفنایا جائے، جب ہم نے شیخ ابنِ عطا کی مزار پر عشا کی نماز پڑھی تو ایک صاحب نے کہا کہ: امام ابن ہمامؒ کے مزار پر جانا ہے؟

میں نے کہا: وہ تو ہمارے بیرسٹر ہیں، ان کے مزار پر ضرور جائیں گے۔

مسجد سے نکل کر آگے گئے، نیچے تہہ خانے میں اترے تو وہاں علامہ کمال

الدین ابن ہمامؒ آرام فرمارہے ہیں، میں نے ساتھیوں سے کہا: یہ شارحِ ہدایہ ہیں جنھوں نے فتح القدیر لکھی اور انھوں نے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی عظیم الشان خدمت کی۔

پھر میں نے کہا کہ: میرے استاذِ محترم حضرت مولانا اسماعیل صاحب چاسوی دامت برکاتہم۔ جن سے میں نے ہدایہ کی دو جلدیں پڑھی۔ جب بھی ابن ہمام کا حوالہ دیتے تو فرماتے: یہ ہمارے احناف کے بیرسٹر ہیں۔

اسی جگہ علامہ تقی الدین ابن دقیق العیدؒ کا بھی مزار ہے۔

امام شاطبیؒ کے مزار پر

چوں کہ میں سبعہ قاری بھی ہوں تو امام شاطبیؒ کے مزار پر بھی بڑے شوق سے حاضر ہوا، جو اصلاً تو اندلس کے تھے، جب میں اسپین گیا تھا تو وہاں میں نے علامہ شاطبیؒ کے مزار کی تلاش کی تھی؛ لیکن کہیں نہیں ملی، میں نے اسپین سے لندن اپنے ایک ساتھی کو فون کیا کہ: امام شاطبی کی قبر کہاں ہے؟

انھوں نے بتایا کہ: آپ کا وطن شاطبہ گاؤں تو اسپین میں ہے؛ لیکن قبر ان کی مصر میں ہے۔

مجھے وہ بات یاد تھی، مسجدِ لیث بن سعد کے امام صاحب جو میرے ساتھ چل رہے تھے ان سے کہا: میں سبعہ قاری ہوں؛ اس لیے مجھے امام شاطبیؒ کے مزار پر جانا ہے، وہ ہم کو ان کے مزار پر لے گئے۔

یہ مزار ایسی جگہ پر ہے جو بالکل الگ تھلگ ہے، ریلوے کا ٹریک پار کرتے ہوئے ہم وہاں گئے، بخدا! اگر کوئی گائڈ نہ ہو تو اس جگہ تک پہنچنا بھی بہت مشکل ہے،

ایسی جگہ رات کو چلتے چلتے جب امام شاطبیؒ کے مزار پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک مسجد بنی ہوئی ہے، اس میں ایک طرف امام شاطبیؒ کا مزار ہے۔

کتّے سے بچنے کا مجرب وظیفہ

رات کا وقت تھا، مسجد بند تھی، کتے ہم کو دیکھ کر بھونکنے لگے، میں نے سورۂ کہف کی آیت کا وِرد شروع کیا جو مجرّب وظیفہ ہے: و کلبھم باسط ذراعیہ بالوصید۔

جلالین کے حاشیہ میں ہے کہ جو اس آیت کا وِرد کرے، یا اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے کتّا اس کے قریب نہیں آتا۔

کتے کو بھونکتا ہوا دیکھ کر مسجد کے امام صاحب کی چھوٹی لڑکی باہر نکل آئی اور ہم سے پوچھنے لگی کہ تم کون ہو؟

میں نے کہا: ہم ہندوستان سے زیارت کے لیے آئے ہیں، وہ گئی اور چابی لے آئی، مسجد کھولی تو دیکھا کہ اس کے ایک کنارے پر امام شاطبیؒ آرام فرمارہے ہیں، ان کو ایصالِ ثواب کیا اور باہر نکلے۔

امام شاطبیؒ کے مزار پر میرے فنِ تجوید وقرأت کے مؤقر استاد امام الفن حضرت قاری احمد اللہ صاحب مدظلہ العالی کی خوب یاد آئی، ایسا لگ رہا تھا کہ: حضرت الاستاذ کی معیّت میں یہاں پر حاضر ہوں۔

امام شاطبیؒ کے مختصر حالات: تعارف

حافظِ حدیث وقراءات ابو محمد قاسم یا ابوالقاسم بن فیرُّہ بن ابی القاسم خلف بن احمد الرعینی الشاطبی اندلسی الضریر شیخ القراء اندلس کے مشرقی قصبہ ”شاطبہ“ میں

۵۳۸ھ کے اواخر میں نابینا پیدا ہوئے، آپ نے کم عمری میں ہی اپنے وطن شاطبہ میں شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابوالعاص النفزی سے قراءتوں کی تعلیم حاصل کی۔

حصولِ علم اور تعلیمی اسفار

پھر فنِ قراءت میں گہرائی و گیرائی حاصل کرنے اور دیگر علوم وفنون سے آراستہ ہونے کے لیے شاطبہ سے ۵۶/کیلومیٹر دور شہر ''بلنسیہ'' کی جانب رختِ سفر باندھا، وہاں پہنچ کر شیخ ابوالحسن علی بن ہُذیل کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور علمِ قراءت میں مہارت پیدا کی، اور دیگر مشائخ سے فنِ تفسیر و حدیث کی متعدد کتابیں پڑھیں۔اس کے بعد شیخ نے اپنی علمی تشنگی کو بجھانے کے لیے اندلس وحجازِ مقدس کے دور دراز سفر کیے۔ چنانچہ وہاں کے مشائخ سے علمِ حدیث وفقہ کی تکمیل کی۔

تدریسی زندگی کے چند گوشے

تعلیمی سفر سے فارغ ہونے کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ مسندِ تدریس کو رونق بخشی، چنانچہ سب سے پہلے اپنے وطنِ عزیز شاطبہ ہی میں تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا، آپ کو کم عمری ہی میں جمعہ کا خطیب بھی بنا دیا گیا تھا، جس کی وجہ سے آپ نے ایک مدت تک شاطبہ والوں کو خوب فیض یاب کیا۔

بعد ازاں فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے براہِ اسکندریہ آپ نے حرمین شریفین کے سفر کا رادہ فرمایا، سفر کے دوران مقام اسکندریہ میں آپ کی حافظ ابوطاہر سلفی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے آپ سے قاہرہ تشریف لاکر تدریسی خدمات انجام دینے کی درخواست کی، آپ نے اس درخواست کو قبول فرمالیا اور آٹھ سال تک جامعِ عمرو ابن

العاص میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

ان ہی ایام میں بنی حِمیَر کی ایک خاتون سے نکاحِ مسنون فرمایا۔اس کے بعد قاضی عبدالرحیم بن علی کے اصرار پر قاہرہ کے مدرسہ فاضلیہ میں ''شیخ القراء'' مقرر ہوئے،اور تادمِ حیات قرآن کی نشرواشاعت میں جدجہد کرتے رہے۔

ایک عظیم الشان تالیف ''شاطبیہ''

قیامِ قاہرہ ہی کے زمانے میں آپ کی گراں قدر تالیف '' قصیدہ لامیہ (حرزالامانی)المعروف بہ الشاطبیہ'' وجود میں آئی جوکسی تعریف کی محتاج نہیں،اللہ تعالیٰ نے آپؒ کے اخلاص کی برکت سے اس کو اتنی مقبولیت عطافرمائی کہ تقریباً تمام ہی مدارسِ اسلامیہ میں داخل نصاب ہے۔

امام قرطبیؒ نے نقل کیا ہے کہ:جب امام شاطبیؒ اس قصیدہ کی تالیف سے فارغ ہوئے تو بیت اللہ کا سفر فرمایا اور کعبہ شریف کے بارہ ہزار طواف کیے اور ہر طواف کے بعد جب مقاماتِ دعا پر پہنچتے تو عرض کرتے کہ:اے زمین وآسمان کے خالق!اس عظیم الشان گھر کے مالک!جوکوئی میرے اس قصیدے کو پڑھے تو اس کو اس کتاب سے نفع پہنچا۔خود فرماتے ہیں کہ:جو اس قصیدے کو پڑھے گا ان شا اللہ!اللہ تعالیٰ اس کو نفع پہنچائے گا؛کیوں کہ میں نے اس کو لوجہ اللہ نظم کیا ہے۔

اوصاف وکمالات

اللہ تعالیٰ نے آپ کو غضب کا حافظہ اور بے انتہا ذہانت عطافرمائی تھی۔آپ قراءتِ سبعہ،مؤطا امام مالک اور بخاری شریف ومسلم شریف کے حافظ تھے۔لوگ

آپ کے حافظہ سے صحیحین کے نسخوں کی تصحیح کرتے تھے، عالمِ اسلام میں آپ کا شہرہ جا بجا پھیلا ہوا تھا، دور دراز سے سفر کر کے طلبہ آپ کے پاس تحصیلِ قراءت کے لیے آتے تھے۔ آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد کو شمار کرنا بظاہر مشکل ہے۔

قراءات، تفسیر، حدیث اور فقہ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ بڑے درجے کے عابد، زاہد، صابر، خاشع اور صاحبِ کشف وکرامات بزرگ تھے۔

آپ جب درس گاہ میں تشریف لاتے تو مسند پر جلوہ افروز ہو کر فرماتے: من جاء اولا فلیقرأ. (یعنی جو پہلے آیا ہے وہ پڑھے) مگر ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ آپؒ مسند نشین ہوئے تو خلافِ معمول فرمایا: من جاء ثانیا فلیقرأ. (یعنی جو دوسرا آیا ہے وہ پڑھے) اس پر وہ طالب علم جو درس گاہ میں پہلے آیا تھا وہ سوچ میں پڑ گیا کہ: آج شیخ نے خلافِ معمول کیوں فرمایا؟ اور میری محرومی کا سبب کیا ہے؟

پھر اس کو یاد آیا کہ: آج مجھے غسل کی حاجت ہوئی تھی؛ لیکن بھول گیا تھا اور شدتِ حرص کی وجہ سے جلدی حاضر ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ فوراً قریب کے حمّام خانے میں جا کر غسل کر کے آ گیا اور اپنی جگہ بیٹھ گیا، ابھی دوسرا طالبِ علم قرأت سے فارغ نہیں ہوا تھا؛ چونکہ آپ نابینا تھے؛ اس لیے طالبِ علم کی اس حالت سے بے خبر رہے، پھر جب دوسرا طالبِ علم قرأت سے فارغ ہوا تو شیخ نے فرمایا: من جاء اولاً فلیقرأ.

طالبِ علم کی یہ حالت ممدوح کو محض کشف کے ذریعہ معلوم ہوئی۔

آپ مادرزاد نابینا تھے؛ مگر بوجہ ذکاوت وفطانت کے آپ سے ایسی حرکات کا ظہور نہ ہوتا تھا جو دوسرے نابیناؤں سے ہوا کرتی ہیں۔

وفات

شیخ موصوف ۵۲ رسال کی عمر میں ۲۸ رجمادی الثانی ۵۹۰ھ بروز یک شنبہ بعد العصر مصر میں اللہ کو پیارے ہو گئے، رحمہ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

علامہ ابو اسحاق خطیب جامعِ مصر نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور دو شنبہ کو قرافۂ صغریٰ کے مقبرۂ قاضی فاضل میں مدفون ہوئے۔

جب ہم امام شافعیؒ کے مزار پر گئے تھے اور مغرب کی نماز پڑھی تھی تو وہاں کے امامِ مسجد سے میں نے پوچھا تھا کہ: یہاں اور کوئی قابلِ ذکر بزرگ کا مزار ہے؟

امام ورشؒ، وکیع ابن الجراحؒ، شیخ زکریا انصاریؒ کے مزار پر

انھوں نے بتایا تھا کہ: امام ورشؒ کی قبر یہاں ہے۔

قرائے سبعہ میں امام ورش بڑے قاری ہیں، ان کے مزار پر بھی حاضری ہوئی۔

اسی طرح اسی جگہ پر امام وکیع بن الجراحؒ جن کا مشہور شعر ہم لوگ پڑھتے رہتے ہیں:

شكوت الى وكيع سوء حفظي	فأوصاني الى ترک المعاصي
فان العلم نور من الهي	ونور اللّٰه لايعطىٰ لعاصي

یہ امام شافعیؒ کے استاذ ہیں، امام شافعیؒ نے اپنے استاذ وکیعؒ سے کہا کہ: میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے، باتیں یاد نہیں رہتی۔

انھوں نے فرمایا کہ: گناہ کرنا چھوڑ دو؛ اس لیے کہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور گناہوں کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

ان کی مزار پر حاضر ہوئے، ان کے مزار کے دروازہ پر یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں۔

اسی طرح شیخ زکریا انصاریؒ جن کا ذکر ہماری سندوں میں آتا ہے۔

ابن حجر عسقلانیؒ کا مزار

امام ابن حجر عسقلانیؒ کے مزار پر بھی حاضری ہوئی، ان کی مسجد اور مکان قاہرہ شہر میں ہیں اور مزار قرافہ میں ہے۔

ان سب جگہوں پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔

امام طاہر ابن غلبونؒ کے مزار پر

اسی جگہ ایک اہم مزار امام طاہر ابن غلبونؒ کا ہے، جو قراء میں سے ہیں، علامہ ابن الانباریؒ کا مزار بھی وہیں ہے۔

امام طاہر ابن غلبون کی بیٹی کا عبرت ناک واقعہ

علامہ طاہر ابن غلبونؒ کے بارے میں ایک بہت اہم قصہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا، جو مصر کی تاریخ پر لکھی گئی ہے، ان کی بیٹی کا یہ واقعہ بڑا عبرتناک ہے:

ان کی بیٹی نے زندگی بھر اپنے والد کے سوا کسی بھی مرد کو نہیں دیکھا تھا، جب بیٹی جوان ہوئی تو طاہر ابن غلبونؒ نے اس کا نکاح اپنے سگے بھتیجے سے کر دیا، رخصتی ہوئی اور وہ لڑکی جب اپنے شوہر کے پاس گئی جو کہ خود بھی بہت بڑے عالم تھے، تو اس سے پہلے دلہن نے دولہے کو اور دولہے نے دلہن کو کبھی نہیں دیکھا تھا، جب شوہر نے آکر

مسنون دعا پڑھنے کا اردہ کیا، تو اس لڑکی کو اتنی شرم آئی کہ مارے شرم کے اس کا پورا بدن پسینے سے شرابور ہو گیا؛ کیوں کہ زندگی میں اس نے والد کے سوا کسی مرد کا چہرہ کبھی دیکھا ہی نہیں تھا اور اسی شرم و غیرت کے مارے تھوڑی دیر میں اس لڑکی کا انتقال ہو گیا، اس کی تدفین بھی اس کے والد طاہر ابن غلبونؒ کے بازو میں کی گئی۔

اسی کتاب میں یہ بات بھی لکھی ہوئی ہے کہ: اس لڑکی کی زندہ کرامت یہ چلی آرہی ہے کہ اگر کوئی آدمی اس خاتون کی قبر پر جائے اور بڑی ندامت کے ساتھ اس کی قبر پر ہاتھ رکھے تو سخت ٹھنڈی کے موسم میں بھی اس آدمی کو پسینہ آجاتا ہے۔

ہمیں تو اسے آزمانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

مصر کو آج پھر سے ایک یوسف کی ضرورت ہے

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان علاقوں کے چھ روزہ دورے کی سعادت نصیب فرمائی۔ میں نے ساتھیوں سے کہا: آج پھر سے ضرورت ہے مصر کو ایک ایسے یوسف کی جو یہاں کے لوگوں کو وہ پیغام دے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اہلِ مصر کو دیا تھا، چنانچہ مفسرین نقل کرتے ہیں کہ: جس زمانے میں مصر میں قحط پڑا تھا اور مصر کے لوگ ایک وقت کا کھانا کھاتے تھے تو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام جو ملک مصر کے بادشاہ تھے انھوں نے بھی ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیا تھا اور دن بھر میں صرف ایک وقت ہی کھانا کھاتے تھے۔ آج مخلوق کی ہمدردی کرنے والے اسی یوسف کا انتظار ہے۔

اسی طرح ایک جگہ کا نام ''عزیزیہ'' ہے، اس جگہ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی جیل رہی تھی اور عزیزِ مصر نے آپ کو

وہاں بہ حیثیت قیدی کے رکھا تھا جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔

مصر کے اس سفر میں ہم نے اہلِ مصر کی بہت ساری خوبیاں بھی دیکھیں، ان میں سے کچھ یہ ہے کہ:

وہاں قرآن کریم کی تلاوت کا عام معمول ہے، چھوٹی چھوٹی دکانوں سے بھی قرآن کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔تعویذات کے چکر بھی بہت ہیں۔

بہر حال! مصر میں ابھی حسنِ زلیخا کا بھی نظارہ ہے، بس کسی مَعاَ ذَ اللہ کی آواز لگانے والے کی ضرورت ہے جو کہے: قال معاذ اللہ!

بقول حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے: اب جب کہ وہ ''دارالفاسقین'' کی بجائے ''دارالمتقین''اور ''دارالاشرار'' کی بجائے ''دار الاخیار''بن گیا؛ یعنی بنصِ حدیث ''دارالخیر'' ہو گیا تو اہلِ مصر پر یہ ایک واجبی حق عائد ہوتا ہے کہ وہ اسے وطنیت یا نسلیت اور قومیت کے جذبے سے دوبارہ فرعونی مصر نہ ہونے دیں؛ بلکہ یہ ضروری ہوگا کہ وہ آج کی مروّجہ وطنیت اور قومیت کے جذبے سے متاثر ہوئے بغیر فرعونیت اور فرعونی شعائر کو اونچا کرنے کی بجائے اپنی آخری نسبت یعقوبیت، یوسفیت، موسویت اور آخر میں محمدیت کے شعائر کو اونچا کرنے میں لگ جائیں؛ تاکہ دنیا ان کی خیر کو ڈھونڈنے اور اس ملک کے تقدس کی عظمت سے مستفید ہونے میں حق بجانب ثابت ہو جو خود اہلِ مصر کے لیے بھی دوگونہ خیر کا باعث ہوگا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

شام اور فلسطین

کی

کارگزاری

شام اور فلسطین کے سفر کے رفقا

(۱) مفتی محمود بارڈولی (استاذ تفسیر وحدیث: جامعہ ڈابھیل، گجرات)

(۲) مولانا ناصر صاحب نوساری۔ (نورانی مکاتب کے روحِ رواں)

(۳) مولانا صادق صاحب مانیکپوری۔ (یکے از بانیانِ نورانی مکاتب)

(۴) مولوی عمر صاحب، احمد آباد (فاضل جامعہ ڈابھیل)

(۵) مولوی اسامہ صاحب ابن غلام نبی قریشی (بلی موڑہ)

(۶) مولوی محمد علی ابن حاجی ناصر دادا (سورت)

(۷) حاجی عبد الصمد پالا والا (نواپور)۔

(۸) حاجی عبد الصمد گھونسلا (کروڈ)۔

(۹) حاجی خورشید صاحب مانجرا (دمن)۔

(۱۰) کامل بھائی (احمد آباد)۔

(۱۱) طلحہ بھائی (احمد آباد)۔

(۱۲) حاجی عارف صاحب آؤجی (نواپور)۔

(۱۳) حاجی شعیب ماندہ (نواپور)۔

(۱۴) عبد الحمید بھائی کچراوالا، عرف عبدل ماسٹر (سورت)

(۱۵) الیاس بھائی قلعے دار۔

(۱۶) شیخانی یوسف عبد الواحد بھائی (نوساری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ یَّھدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَاِمَامَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہ،صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَ اَھلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہ، وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً اَمَّا بَعْدُ!فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

ترجمہ:اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو رات کے وقت میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئے،جس کے اطراف میں ہم نے (ہر قسم کی) برکتیں رکھی ہیں (اس بندے محمد ﷺ کو وہاں لے جانے کا مقصد یہ تھا) تاکہ ہم ان کو ہماری (قدرت کی) کچھ نشانیاں دکھلائیں،یقینی بات ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہر بات سننے والے، ہر چیز دیکھنے والے ہیں ﴿۱﴾

محترم حضرات! تقریباً ایک سال کا عرصہ گذر گیا، آج ہم پھر سے سفر کی کارگزاری کی مجلس میں جمع ہوئے ہیں، گذشتہ سال انھیں تاریخوں میں بخارا، سمرقند، ترمذ، ازبکستان وغیرہ کے سفر کی کارگزاری سنائی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اِس سال شعبان میں بہت مبارک سرزمین کا سفر

نصیب ہوا، جس سرزمین کو خود اللہ تعالیٰ نے برکت والی سرزمین قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ جس زمین کو برکت والی فرمادے اس کے برکت والی ہونے پر ہم مسلمانوں کا ایمان ہے، میری مراد اس سے ملکِ شام کی سرزمین ہے، بس! مل جل کر، رو رو کر اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر سے اس سرزمین کو مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں دے کر اسے مسلمانوں کے سجدوں سے آباد کردے اور ظالموں کے شر سے اس کی مکمل حفاظت فرمائے، آمین۔

ملکِ شام

قرآن وحدیث میں ملکِ شام کو بڑی بابرکت جگہ سے تعبیر کیا گیا ہے، ملک شام درحقیقت بہت بڑا علاقہ تھا، جو پہلی عالمی جنگ بعد چار چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم کردیا گیا:

① سوریہ۔ موجودہ شام۔ جس کو آج کل ''سیریا'' کہتے ہیں۔

② اردن، جو آج کل ''جورڈن'' کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

③ لبنان، جو ''بیروت'' کے نام سے مشہور ہے۔

④ فلسطین جس کو ''Palestine'' کہا جاتا ہے۔

احادیث اور تاریخی روایات میں جہاں ''شام'' کا ذکر آتا ہے وہاں یہ پورا علاقہ مراد ہوتا ہے۔

ملکِ شام کے فضائل

قرآن وحدیث میں اس پورے خطے کے بہت سارے فضائل وارد ہوئے ہیں:

دینی ودنیوی برکات

① سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے آں حضرت ﷺ کو شبِ معراج میں جہاں راتوں رات مکہ مکرمہ کی مسجدِ حرام سے بیت المقدس کی مسجدِ اقصیٰ لے جانے کا ذکر کیا تو ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد کا علاقہ۔ جو شام ہے۔ برکتوں والا علاقہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو رات کے وقت مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئے، جس کے اطراف میں ہم نے (ہر قسم کی) برکتیں رکھی ہیں۔

اِس آیت کے تحت مفسرین فرماتے ہیں کہ: سرزمینِ شام کی دینی برکتیں تو یہ ہیں کہ بیت المقدس۔ جو شام ہی میں ہے۔ انبیائے سابقین کا قبلہ ہے، اور شام کا پورا علاقہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا مسکن رہا ہے اور یہیں وہ مدفون ہیں، اور دنیاوی برکات یہ ہیں کہ یہ علاقہ سرسبز وشاداب ہے، اس میں پانی کے چشمے، خوب صورت دریا، نہریں، کھیت اور باغات ہیں۔

اہلِ شام کی کفالت

② رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اے ملک شام! تو تمام شہروں میں سے میرا منتخب خطہ ہے اور میں تیری طرف اپنے منتخب بندوں کو بھیجوں گا، یقیناً اللہ تعالیٰ نے میرے خاطر شام اور اہلِ شام کی

کفالت فرمائی ہے۔

شام کے لیے برکت کی دعا اور اس میں معجزہ

③ آں حضرت ﷺ نے یہ دعا بار بار فرمائی ہے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِي شَامِنَا، اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِي یَمَنِنَا۔

اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے شام میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔

یہ دعا آپ ﷺ نے ملکِ شام کی فتح سے بہت پہلے فرمائی تھی؛ کیوں کہ شام کی فتوحات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں شروع ہوکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مکمل ہوئی ہیں۔

اِس دعا سے جہاں ملکِ شام اور یمن کا مبارک ہونا ثابت ہوا، وہیں ملکِ شام کو ''ہمارا شام'' فرمایا گیا؛ اس لیے کہ آپ ﷺ کو معجزانہ طور پر یقین تھا کہ ملکِ شام بھی مسلمانوں کے قبضہ وتسلّط میں آئے گا اور اس پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگی۔

شام کے لیے خوش خبری

④ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طُوْبیٰ لِلشَّامِ۔ قُلْنَا لِأَيِّ ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ۔قال: لِأَنَّ مَلَائِکَةَ الرَّحْمٰنِ بَاسِطَةٌ أَجْنِحَتِھَا عَلَیْھَا۔

شام کے لیے بڑی خوبی ہے۔ ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کس وجہ سے؟ فرمایا: اس لیے کہ رحمن کے فرشتے اس کے اوپر اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہیں۔

فتنوں کے زمانے میں ایمان شام میں

⑤ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلا! وَإِنَّ الْإِيْمَانَ - حِيْنَ تَقَعُ الْفِتَنُ - بالشام۔

یاد رکھو! جب فتنے آئیں گے تو ایمان شام میں ہوگا۔

⑥ حضرت سلمہ بن نفیل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عُقَرُ دَارِ الْإِسْلَامِ بِالشَّامِ۔ ترجمہ: دارالاسلام کا مرکز شام میں ہوگا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے سے صدیوں تک عالمِ اسلام کا دارالخلافہ دمشق رہا ہے۔

بیت المقدس اسلامی مملکت کا جز

بیت المقدس ہمیشہ اسلامی مملکت کا ایک جز رہا ہے، چاہے وہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمانہ ہو یا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا زمانہ، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا دورِ خلافت رہا ہو یا دوسرے انبیا کے سنہرے ادوار رہے ہوں۔

نیز متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خروجِ دجال کے زمانے میں مسلمانوں کی چھاؤنی دمشق کے مضافاتی حصے ''غوطہ'' میں ہوگی۔

بیت المقدس انبیاء علیہم السلام کا مسکن ومحشر کی سرزمین

سرزمینِ بیت المقدس اور اس کے گرد و پیش کے علاقے کی جانب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام نے ہجرت فرمائی تھی، اسی بابرکت سرزمین پر

بہت سے نبیوں اور رسولوں کی ولادت باسعادت ہوئی، جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحب زادگان: حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے پوتے و پرپوتے: حضرت یعقوب علیہ السلام و حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔

اِن سب فضائل وخصائص کے علاوہ بیت المقدس کی بابرکت سرزمین بعث و نشر کی سرزمین ہے، اسی پر محشر برپا ہوگا۔

اس لیے اس وقت بیت المقدس کے احاطے میں خاص کر قبۃ الصخر کے قریب کچھ علامتیں بنی ہوئی ہیں کہ اس جگہ حضراتِ انبیا کی روحیں جمع ہوں گی، فلاں جگہ مؤمنین صالحین کی ارواح جمع ہوں گی اور ان جگہوں پر چھوٹے چھوٹے میناروں کی شکل میں نشانیاں بنی ہوئی ہیں، پوچھنے پر گائڈ نے ہمیں یہ سب چیزیں بتلائی۔ اور قدس سے کافی دور ایک جگہ بورڈ لگا ہوا تھا یہاں کفار کی ارواح جمع کی جائے گی، پتہ نہیں کس بنیاد پر یہ سب علامات متعین کی گئی ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

دوسرے فضائل

اِس سرزمین کے باشندے اسلامی سرحدوں کی پاسبانی اور جہاد فی سبیل اللہ میں سرگرم رہیں گے۔

اِسی بابرکت سرزمین پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قربِ قیامت میں نزول ہوگا۔

یہی وہ متبرک زمین ہے جس کی خاک میں بہت سارے پاکیزہ اجسام محفوظ ہیں، ان ہی جسموں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جسدِ اطہر ہے، ان ہی مبارک و مطہر اجساد میں حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام و دیگر

جلیل القدر انبیا علیہم السلام کے جسدِ اطہر ہیں۔

اسی طرح نہ جانے کتنے صحابۂ کرام وتابعین وتبعِ تابعین نے دورانِ جہاد فی سبیل اللہ ان خطوں کو اپنے پاکیزہ لہو سے سیراب کیا ہے۔

ملکِ شام سے دل چسپی کا سبب اور سفر کی خواہش

① قرآنِ مجید میں بہت سارے واقعات وقصے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی نصیحت وعبرت کے لیے بیان فرمائے ہیں ان میں سے بہت سارے اسی سرزمینِ شام سے تعلق رکھتے ہیں، وہ واقعات اسی سرزمین میں پیش آئے ہیں۔

② یہ علاقہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے لے کر صدیوں تک مسلمانوں کے کارناموں کا مرکز رہا ہے۔ تفسیر کے اسباق کے دوران جب ان واقعات اور جگہوں کا ذکر آتا تھا تو دل میں خیال آتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جلدی سے اس سرزمین پر پہنچا دے جہاں یہ واقعات پیش آئے ہیں۔

وہ دریا، وہ شہر، وہ ندی، وہ جنگل جن کا ذکر قرآن کر رہا ہے، قرآن میں تذکرے کی وجہ سے ان اراضیٔ قرآن کو دیکھنے کا شوق بار بار دل میں منڈلاتا تھا۔

③ ملکِ شام کے فلسطین والے علاقے میں بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ ہے اور بیت المقدس کے مسائل سے دل چسپی رکھنا مسلمانوں کے عقیدہ وایمان کا حصہ ہے؛ کیوں کہ بیت المقدس اپنی تخلیق میں شام وفلسطین کا ایک حصہ ہے، یہ دونوں وہ پاکیزہ سرزمین ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کے لیے برکات وخیرات رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ (الانبیاء)

ترجمہ: اور ہم ان (ابراہیم علیہ السلام) کو اور لوط (علیہ السلام) کو بچا کر اس زمین (یعنی ملکِ شام) کی طرف لے گئے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت رکھی تھی۔

④ مسجدِ اقصیٰ ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن کی زیارت کی غرض سے سفر کرنے کی ترغیب واجازت رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو دی ہے، امام بخاریؒ نے " بابُ فضل الصلوة فی مكة والمدينة " کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

قال رسولُ اللّٰه ﷺ : لَا تَشُدُّالرِّحَالَ؛ إلَّا إلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: المسجد الحرام ومسجد رسول اللّٰه ﷺ والمسجد الاقصىٰ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کے لیے رختِ سفر نہیں باندھا جائے گا: ① مکہ مکرمہ کی مسجدِ حرام۔ ② مدینۂ منورہ کی مسجدِ رسول ﷺ۔ ③ بیت المقدس کی مسجدِ اقصیٰ۔

مسجدِ اقصیٰ کے چند فضائل قرآن وحدیث کی روشنی میں

① دنیا کی دوسری مسجد ہونے کا شرف اس کو حاصل ہے؛ اس لیے کہ ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کی تعمیر کرنے کے چالیس سال بعد مسجدِ اقصیٰ کی بنیاد رکھی تھی۔

② قبلۂ اول یہی ہے۔

③ حرمِ ثالث ہونے کا شرف بھی اسی کا مقدر ہے۔

④ اس میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

⑤ بیت المقدس اور مسجدِ اقصی میں آنے والوں کے لیے گناہوں سے پاکی کی، خطرہ سے حفاظت کی، بیماری سے شفا کی، فقر سے غنیٰ کی، اور اللہ کی نظرِ عنایت کی بشارت آئی ہے۔

⑥ یہ بھی وارد ہے کہ کمالِ اعتکاف تو اسی مسجد کا۔

⑦ جن تین مساجد کے لیے سفر کی اجازت دی گئی اس میں اس مسجد کا شمار۔

⑧ وہاں کے نمازیوں کے لیے ستر ہزار فرشتوں کا استغفار کرنا۔

⑨ وہاں دعا کا قبول ہونا۔

⑩ معراج کے وقت آپ ﷺ کا وہاں تشریف لے جانا اور سارے انبیاءؑ کا وہاں جمع ہونا۔

شنیدہ کے بُوَد مانندِ دیدہ

قرآنِ کریم اور احادیث میں تو اس علاقے کے بہت فضائل آئے ہیں، اب خود دیکھ کر جو لطف آتا ہے وہ ناقابلِ بیان ہے، اور قرآن وحدیث کی باتوں پر یقین میں مزید تازگی کا ذریعہ بنتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ملکِ شام کی ہر چیز میں برکات آج بھی نمایاں ہیں، وہاں کی فضاؤں میں انبیائے کرام اور صحابۂ کرامؓ کی برکتیں اور مہک آج بھی موجود ہے۔

بہر حال! اوپر ذکر کردہ وجوہات اور فضائل کے پیشِ نظر عرصے سے اس مبارک سرزمین کی زیارت کے لیے کوشش جاری تھی؛ لیکن:

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ③ (الطلاق)

ترجمہ: پکی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

ہمارا ملکِ شام کا سفر

مقدر میں تھا کہ شعبان ۱۴۳۵ھ میں وہاں کا سفر ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عافیت کے ساتھ اس مبارک سرزمین کا بھی سفر کروادیا، اللہ تعالیٰ اس سفر کو خیر اور ہدایت کا ذریعہ بنائے اور ہم سب کو بار بار وہاں لے جائے۔

ہمارا یہ سفر سولہ (16) ساتھیوں، پانچ دن اور بہت ساری زیارتوں پر مشتمل ہے۔

میری کوشش یہ ہوگی کہ دن اور تاریخ کی تعیین کے ساتھ بالترتیب آپ کے سامنے سفر کی کارگزاری مختصراً پیش کروں۔

''پناما'' اور ''ملاوی'' میں تفصیلی کارگزاری

مختصراس لیے کہ فلسطین، اسرائیل، اردن اور پھر وہاں سے ترکی ہوتے ہوئے شعبان کے اواخر میں سینٹرل امریکہ کے ملک ''پناما'' پہنچا تو وہاں احباب نے اصرار کیا کہ سفر کی کارگزاری بیان کروں، تو نو (9) دن میرا وہاں قیام رہا اور روزانہ سوا سے ڈیڑھ گھنٹہ میں نے کارگزاری سنائی، اسی طرح جمعہ میں بھی بیان کیا؛ لیکن پھر بھی کار گزاری مکمل نہ ہوسکی تھی، پھر رمضان کے اخیری عشرے میں افریقہ کے ملک ''ملاوی'' میں سفر کی باقی ماندہ باتیں تین مجلس میں مکمل ہوئیں۔

یہ سب تفصیلی بیانات نورانی مکاتب کی ویب سائٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔

سفر کی کارگزاری شروع کرنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ اس جیسے اسفار کے لیے کچھ رہنما اصول آپ کے سامنے ذکر کردوں۔

متبرک مقامات کی زیارت کے لیے رہنما اصول

(۱) سفر کے ساتھی مانوس اور معتدل المزاج ہونے چاہیے۔

(۲) آپسی مشورہ سے کسی ایک ساتھی کو۔ جو ذی علم اور تجربہ کار ہو۔ اپنا امیر منتخب کر دینا چاہیے۔

(۳) اگر منزل پر پہنچنے کے بعد ہمارا سفر کسی کی ماتحتی میں ہونے والا ہو تو اس کو اپنے اور ساتھیوں کے مزاج سے آگاہ کر دینا چاہیے۔

(۴) امیر کو چاہیے کہ وہ ساتھیوں سے گزارش کر دے کہ اپنے روز مرّہ کے مقامی مشغلوں (کھانے، پینے، سونے وغیرہ) امور میں کم سے کم اپنا وقت خرچ کریں؛ تاکہ مقصودِ اصلی میں زیادہ سے زیادہ وقت لگایا جاسکے۔

(۵) بیرون کے اسفار میں کوشش یہی کرنی چاہیے کہ آپسی گفتگو مادری زبان ہی میں ہو، اس کے بڑے فوائد ہیں۔

نوٹ: سفر کے آداب تفصیل کے ساتھ بندے کے سفرنامہ ''دیکھی ہوئی دنیا: اول'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک اہم کام

میں نے سفر سے پہلے یہاں سے ای میل (e-mail) کے ذریعے سیاحتی کمپنی والوں کو خاص تاکید کر دی تھی کہ ہم سب ماشاء اللہ! تندرست لوگ ہیں اور ہم زیادہ سے زیادہ تاریخی اور متبرک مقامات کی زیارت کریں گے؛ اس لیے ہمیں گاڑی اور رہبر دونوں اچھے ملنے چاہیے، ہم لوگ اِدھر اُدھر کی تفریحات میں اور مارکیٹوں میں

وقت ضائع نہیں کریں گے۔

اب میں آپ کے سامنے سفر کی کارگزاری سنانا شروع کرتا ہوں:

ترتیب وار سفر کی کارگزاری

حسبِ پروگرام ہمارا سفر بارہ (12) جون، ۲۰۱۴ء جمعرات کی شب سے شروع ہوا، بمبئی تک تو ہر ساتھی اپنی اپنی سہولت سے پہنچا، تقریباً صبح چار بجے بمبئی سے ہماری فلائٹ تھی، صبح سویرے وہاں کے چھ (6) بجے اردن ائیر پورٹ پر اترے۔

اللہ تعالیٰ آخرت کا امگریشن بھی آسانی سے پار فرمادے!

بحمد اللہ! امیگریشن (Immigration) کی کارروائی آسان رہی، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے آخرت کا امیگریشن بھی اس طرح بلا کسی حساب اور بلا کسی خوف کے پار فرمادیں، یہ تو عارضی کسٹم اور امتحانات ہیں، اصل امتحان ہر بندے کا آخرت کا امتحان ہے جو اس میں کامیاب ہوا وہ حقیقی کامیاب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ اس سفرِ آخرت میں بھی آسانی کا معاملہ فرمائیں گے۔

آج کے دن ہمارا پروگرام کیا رہے گا؟

وہاں جس کمپنی سے رابطہ تھا اس کے نمائندے استقبال کے لیے موجود تھے، ان سے ملتے ہی میں نے پہلا سوال کیا: مَاهُوَ بَرْنَامَجُنَا الْيَوْمَ؟

یعنی آج کے دن ہمارا پروگرام کیا رہے گا؟

وہ رہبر (Guide) مجھے کہنے لگے کہ:

بَرْ نَامَجُکُمُ الْیَوْمَ اَوَّلاً زِیَارَةُ غَارِ أَصْحَابِ الْکَهْفِ۔آج کے دن کی پہلی زیارت اصحابِ کہف کے مزار کی ہے۔

میں نے اپنے معمول کے مطابق تمام ساتھیوں کو بتلا دیا کہ: کھانے پینے آرام وغیرہ کاموں میں زیادہ وقت نہ لگاویں۔

الحمدللہ! ہوائی اڈے پر پانی سے استنجا ہوسکے ویسے بیت الخلا تھے جس کو غنیمت سمجھ کر یہ بھی کہہ دیا کہ: طبعی حاجت سے بھی یہیں فراغت حاصل کرلیں۔تمام ساتھیوں نے میری اس بات کا لحاظ کیا، اور ضروریات سے فراغت کے بعد ائیر پوٹ سے ہی اپنے مقصد کی طرف آگے بڑھنا شروع کردیا۔

پہلی زیارت: اصحابِ کہف کے غار کی طرف

کمپنی کی ترتیب کے مطابق ہمیں سب سے پہلے اصحابِ کہف کے مزار پر جانا تھا؛ چنانچہ ائیر پورٹ سے باہر نکل کر سب سے پہلے ہم اصحابِ کہف کے غار کی زیارت کے لیے پہنچے۔

اصحابِ کہف کون تھے؟ ان کا کیا واقعہ ہوا تھا؟ یہ غار کہاں واقع ہے؟ پہلے اس کا پس منظر ذکر کیا جاتا ہے۔

اصحابِ کہف اور ان کی غار کا پس منظر اور ان کا زمانہ

’’اصحابِ کہف‘‘ کا واقعہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، اور اسی واقعہ کی وجہ سے قرآنِ کریم کی ایک پوری سورت کا نام’’سورۃ الکھف‘‘ ہے۔ ’’کہف‘‘ عربی زبان میں غار کو کہتے ہیں جو اندر سے وسیع ہو چاہے دہانہ اس کا چھوٹا ہو۔

صاحبِ معارف القرآن نے نقل کیا ہے کہ اصحابِ کہف کا یہ واقعہ دوسو پچاس (۲۵۰) عیسوی کا ہے، پھر تین سو (۳۰۰) سال تک یہ حضرات سوتے رہے تو مجموعہ پانچ سو پچاس (۵۵۰) عیسوی ہوگیا، اور نبیِ کریم ﷺ کی ولادت باسعادت پانچ سو ستر (۵۷۰) عیسوی میں ہوئی اس لیے نبیِ کریم ﷺ کی ولادت سے بیس (۲۰) سال پہلے ان نوجوانوں کے بیدار ہونے کا واقعہ پیش آیا، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین رائج تھا اور جو لوگ اس دین پر صحیح طرح قائم تھے، وہی مسلم اور مؤمن تھے، یہ نوجوان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم تھے؛ لیکن ان کی بستی کا بادشاہ ''دقیانوس'' اور اس کی قوم بت پرست تھی، جبکہ یہ نوجوان بت پرستی اور شرک سے بیزار تھے، انھوں نے علی الاعلان اپنی توحید کا اعلان کیا، قرآنِ مجید میں اس کا تذکرہ اس طرح کیا گیا:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلَٰهًا ۖ لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ (الکہف)

ہم تم کو ان (غار میں سونے والوں) کا واقعہ صحیح (تحقیقی) سناتے ہیں، یقینی بات ہے کہ وہ (غار میں سونے والے) چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے، اور ہم نے ان کو ہدایت میں خوب ترقی دی تھی ﴿۱۳﴾ اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کردیا (یہ اس وقت ہوا) جس وقت وہ کھڑے ہوئے تو کہنے لگے: ہمارے رب تو آسمان وزمین کے رب ہیں، ہم تو ہرگز اس (اللہ تعالیٰ) کو چھوڑ کر کسی اور معبود کی عبادت نہیں کریں گے، اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم عقل سے دور کی (لغو) بات کہیں گے۔

نوجوانوں کا یہ اعلان کرنا تھا کہ بت پرست بادشاہ اور اس کے کارندے ان

کے دشمن بن گئے اور ان پر ظلم وستم توڑنے شروع کردیے؛ لہذا یہ لوگ بستی سے روانہ ہوکر ایک غار میں مقیم ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر گہری نیند مسلط فرمادی اور یہ سالوں تک سوتے رہے، کئی سال گذرنے کے بعد بت پرست بادشاہ کی حکومت ختم ہوگئی، اور اس کی جگہ ایک موحد اور صحیح العقیدہ نیک بادشاہ برسرِ اقتدار آگیا، اس کے زمانے میں یہ لوگ نیند سے بیدار ہوئے۔ بھوک لگی ہوئی تھی انھوں نے اپنے میں سے ایک ساتھی کو سکّے دے کر شہر بھیجا، اور یہ تاکید کی کہ خفیہ طریقے پر جاکر کوئی حلال کھانا خرید کر لائے، سونے والا کیا جانے کہ کتنا وقت گزر گیا ہے وہ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ ابھی تک اسی بت پرست بادشاہ کا زمانہ ہے؛ اس لیے انھوں نے خطرہ محسوس کیا کہ اگر ان ظالموں کو ہمارا پتہ لگ گیا تو پھر سے ظلم وستم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔

چنانچہ یہ صاحب چھپتے چھپاتے بستی میں پہنچے، اور ایک نان بائی کی دکان سے کھانا خریدنا چاہا؛ لیکن جب سکہ اس کے حوالے کیا تو وہ بہت پرانے زمانے کا تھا، جس سے سارا راز کھل گیا، اور ہوتے ہوتے بادشاہِ وقت کو بھی اطلاع پہنچ گئی۔

ادھر اس ساتھی نے بھی اپنے ساتھیوں کو حکومت بدل جانے اور نئے حالات کی اطلاع دے دی۔

ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہوا ہے؛ لیکن قرآنِ کریم نے جس انداز میں ان کا تذکرہ کیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ ان کی تعداد سات تھی، اور آٹھواں ان کا کتا تھا جو ان کے پیچھے پیچھے آکر غار کے دہانے پر بیٹھ گیا تھا۔

حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے کہ: جس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا اس وقت یہ غار شہر سے باہر جنگلوں کے اندر واقع تھا اور آج کی بات میں آپ سے عرض کروں کہ:

''عمان''شہر اتنا وسیع ہوگیا ہے کہ کسی زمانے میں وہ غار شہر کے باہر ہوگا اب تو شہر کے بالکل بیچ میں آچکا ہے۔

عقیدہ کی بات

دنیا کو وجود میں آئے برسوں بیت چکے ہیں، اسی وجہ سے جن تاریخی مقامات کی تعیین خود حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے کردی ہے اور وہ روایات ہم تک صحیح سند کے ساتھ پہنچ چکی ہیں، اس کے علاوہ کسی بھی تاریخی مقام کے بارے میں سوفی صد یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی مقام ہے جس کا تذکرہ قرآن واحادیث نے کیا ہے؛ گویا قرآن وحدیث میں ذکر کردہ غیر متعین مقامات کے بارے میں ہمیں اجمالی طور پر اتنا تو ماننا ہے کہ ان مقامات کا دنیا میں وجود ہے؛ مگر کہاں ہے؟ اس کا صحیح علم عالم الغیب والشہادۃ ذات کے سوا کسی کو نہیں۔

کیا یہی اصحابِ کہف کا غار ہے؟

اصحابِ کہف کی جس غار کو ہم نے دیکھا اس کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ: اس کے بارے میں سوفی صد یقین سے کہنا تو مشکل ہے کہ یہی وہ غار ہے جس کا ذکر قرآنِ مجید کی سورۂ کہف میں آیا ہے؛ مگر اس کے متعلق وارد روایات کا مجموعہ اور اصحابِ کہف کے غار کے سلسلے میں جدید ترین تحقیقات اور مقامی علما اور عوام میں شہرت اور اس غار کے محلِ وقوع کو دیکھ کر غالب گمان؛ بلکہ کسی درجے میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہی غار ہے جس کا ذکر قرآنِ مجید کی سورۂ کہف میں آیا ہے، قرآنِ مجید میں غار کی کیفیت ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ: اور تو سورج کو دیکھے گا کہ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو ان کی غار سے دائیں طرف ہٹ کر نکل جاتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو بائیں طرف (سے ہٹ کر) کترا کر چلا جاتا ہے اور وہ لوگ اس (غار) کے کشادہ حصے میں سوئے ہوئے تھے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیویں وہی ہدایت پاجاتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کریں تو تم کو کوئی اس کی مدد کرکے راستہ بتانے والا نہیں ملے گا ﴿۱۷﴾

میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: ہم میں علما اور حفاظ بھی ہیں، ایک آدمی سورۂ کہف کی آیتیں پڑھتا جائے اور میں اصحابِ کہف کا پورا واقعہ سناؤں گا اور بتاؤں گا کہ:

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ کیسے ہوتا ہے؟

وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ کیسے ہوتا ہے؟

وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ کیا ہے؟ کہاں ہے؟

ایک تفسیر وحدیث کے ماہر شامی عالم کی غار میں ملاقات

خوش نصیبی کی بات کہ جورڈن کے ایک جید عالمِ دین کی غار میں ملاقات ہوگئی، ماشاء اللہ! تفسیر وحدیث کے بڑے ماہر عالم تھے۔

میں نے ان سے عربی زبان میں مذاکرہ شروع کیا؛ چنانچہ انھوں نے بڑی اچھی رہبری فرمائی اور بعض اہم نکات پر روشنی ڈالی۔

اِن ساری چیزوں کو علی وجہ الاکمل تو مشاہدہ کی صورت میں سمجھا جا سکتا ہے، آپ یقین مانیے کہ قرآنِ مجید کی یہ آیات بیس سال سے میں پڑھتا ہوں اور اس سے پہلے الحمدللہ! پڑھ چکا ہوں؛ لیکن ان آیتوں کی صحیح تفسیر تو اسی جگہ پہنچ کر سمجھ میں آئی کہ: فجوۃ منہ کیا چیز ہے؟ اور سورج کیسے کترا کر نکلتا ہوگا؟

غار کی حالت

اللہ کی شان کہ سات نوجوان جس غار میں تین سونو (309) سال سوئے تھے جیسا قرآن میں ہے: وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا۝۲۵

ترجمہ: وہ (اصحابِ کہف) اپنے غار میں تین سو اور اس کے اوپر نو سال زیادہ (سوتے) رہے ﴿۲۵﴾

وہ غار ابھی تک اسی طرح موجود ہے اور ان نوجوانوں کے غار میں مزارات بھی بنے ہوئے ہیں، اور قبروں کے درمیان اور اس کے پڑوس میں ''وھم فی فجوۃ منہ'' ایک کھلی جگہ ہے۔

غار میں داخل ہونے کا ایک دروازہ موجود ہے، دروازہ ہے مگر؛ اتنا چھوٹا کہ ایک ایک آدمی باری باری اندر جا سکے۔

اور اندر چلے جاؤ تو غار بڑا وسیع اور کشادہ ہے اور ساتوں نوجوانوں کی اندر قبریں بنی ہوئی ہیں۔

اصحابِ کہف کے تبرکات

غار میں جو کھلی جگہ ہے وہاں پر ایک الماری ہے، جس میں کچھ پرانی چیزیں (پیالہ، کھانے کے برتن وغیرہ) رکھے ہوئے ہیں۔

میں نے اس کے متعلق جورڈن کے عالمِ دین سے پوچھا تو بتلایا کہ: یہ جتنی بھی چیزیں رکھی ہوئی ہیں ہم لوگوں کے یہاں مشہور ہے کہ سب ان سات نوجوانوں کے تبرکات ہیں۔

غار کا پیچھے کا دروازہ

میں نے ان سے مزید ایک سوال کیا کہ: قرآنِ مجید کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس غار کا ایک تو دروازہ تھا اور دوسری کھڑکی، تو وہ کھڑکی کہاں ہے؟

انھوں نے غار کے پیچھے والے حصے کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ: وہ جو چھوٹا سا سوراخ ہے وہی اس غار کی چھوٹی سی کھڑکی ہے۔

پورے پہاڑ میں غار، اور غار میں بالکل اوپر نکلتا ہوا ایک چھوٹا سا سوراخ ہے اور اسی دوسری طرف والے سوراخ سے دھوپ کے داخل ہونے اور روشنی پہنچانے کا نظام یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کتنی بڑی نشانی ہے!!!

ایمان کی خاطر قربانی دینے کا بدلہ:

نظامِ کائنات ان کے تابع کر دیا گیا

قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ: اور تو سورج کو دیکھے گا کہ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو ان کی غار سے دائیں طرف ہٹ کر نکل جاتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو بائیں طرف (سے ہٹ کر) کترا کر چلا جاتا ہے اور وہ لوگ اس (غار) کے کشادہ حصے میں سوئے ہوئے تھے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیویں وہی ہدایت پا جاتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کریں تو تم کو کوئی اس کی مدد کر کے راستہ بتانے والا نہیں ملے گا ﴿۱۷﴾

جورڈن کے عالمِ دین نے بتلایا کہ:

یہ وہ دروازہ ہے کہ اس کے قریب سے سورج کترا کر نکلتا ہے اور غروب کے وقت کی دھوپ کی چند کرنیں پیچھے جو سراخ ہے وہاں سے غار میں داخل ہوتی ہیں؛ گویا صبح وشام دھوپ سیدھی نوجوانوں کے قریب آتی ہیں؛ البتہ قریب سے گذرنے کی وجہ سے دھوپ کے منافع ان نوجوانوں کو حاصل ہوجاتے ہیں، لیکن دھوپ کی روشنی اور حدت کی وجہ سے ان کی نیند میں خلل نہیں ہوتا، دھوپ میں بڑے فوائد ہیں، جن ملکوں میں لوگوں کو دھوپ نہیں ملتی وہاں بڑے امراض ہوتے ہیں۔

کتے کے غار میں نہ جانے کا ایک عجیب تفسیری نکتہ

پھر انھوں نے مزید ایک بات ذکر کی کہ: قرآن میں ہے:

وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ ؕ لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّلَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا ﴿۱۸﴾

ترجمہ: اور تو ان کو (دیکھ کر) یہ سمجھے گا کہ وہ جاگتے ہیں؛ حالاں کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور ہم ان کو دائیں اور بائیں کروٹ بدل دیتے ہیں اور ان کا کُتا چوکھٹ پر اپنے دونوں ہاتھ (یعنی آگے والے پیر) پھیلائے ہوئے بیٹھا تھا، اگر تو ان (اصحابِ کہف) کو جھانک لیتا تو پیٹھ پھرا کر بھاگ لیتا اور تجھ میں ان کی دہشت بھر جاتی ﴿۱۸﴾

وہاں دروازے پر ایک چوکھٹ ہے، چوکھٹ کے پاس ایک بڑا پتھر ہے، اسی پتھر کے اوپر وہ کتا تین سو نو سال تک ان کی خدمت میں بیٹھا رہا۔

پھر انھوں نے مجھ سے ایک سوال کیا کہ: شیخ! کبھی آپ نے سوچا کہ یہ کتا غار میں کیوں نہیں گیا؟ غار کے باہر ہی کیوں بیٹھا رہا؟

میں نے کہا: بات تو صحیح ہے، میں نے کبھی نہیں سوچا۔

کہا: اس واسطے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''جس گھر میں کتا ہوتا ہے اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آیا کرتے'' اور یہ سات نوجوان اللہ تعالیٰ کے ولی تھے اور ان پر خدا کی رحمتیں برس رہی تھیں؛ اس لیے کہ یہ نوجوان جب غار میں آئے تو اس وقت دعا کر کے آئے تھے:

اِذۡ اَوَى الۡفِتۡيَةُ اِلَى الۡكَهۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾

ترجمہ: (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب چند نوجوانوں نے (پہاڑ کی) غار میں پناہ لی

تو انھوں نے (اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے یوں) کہا کہ: اے ہمارے رب! آپ ہم کو اپنے پاس سے (خاص) رحمت عطا کیجیے اور (ان حالات میں) ہمارے لیے بھلائی کا سامان مہیا کر دیجیے ﴿۱۰﴾

انھوں نے خدا سے رحمت کی دعائیں مانگی تھیں اور جس گھر میں کتا ہوتا ہے وہاں رحمت نہیں اترتی؛ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کتے کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ غار کے اندر نہ جائے، باہر بیٹھا رہے اور باہر بیٹھ کر خدمت کرے۔

اصحابِ کہف کی یادگار مسجد

جب تین سو نو سال کے بعد یہ نوجوان بیدار کیے گئے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ: ہم کتنی دیر سوئے؟ گویا ان کو پتہ ہی نہیں تھا کہ اتنی لمبی مدت تک سوئے، بعد میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے کہا کہ: ان کی کوئی یادگار قائم کرنی چاہیے؛ لیکن اس میں اختلاف ہوا کہ یادگار کے طور پر کیا چیز بنائی جائے، بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ مسجد بنائی جائے؛ چنانچہ وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی گئی۔

اس مسجد کی حالت اور بندے کی ایک خوش نصیبی

اس مسجد کے کھنڈرات آج بھی غار کے اوپر موجود ہیں، وہ پرانے زمانے کی مسجد ہے؛ اسی لیے اس کی چھت وغیرہ ٹوٹ گئی ہے، پتھر کی بنی ہوئی تقریباً چھ چھ فٹ اونچی اس کی دیواریں موجود ہیں، اس کے آٹھ ستون اور محراب والا حصہ بھی موجود ہے۔

اس مسجد کی پرانی دیواروں کے اردگرد تمام ساتھی بیٹھ گئے اور دو قاری تلاوت

کرتے گئے اور پورے واقعہ کی تفسیر سنانے کی بندہ کو سعادت حاصل ہوئی۔

اصحابِ کہف کے مقام پر نئی مسجد

اس وقت حکومتِ جورڈن نے غار کے اوپر ایک نئی عالی شان مسجد بنائی ہے اور اس مسجد کا نام ہے ''مسجدِ اصحابِ کہف'' یعنی غار والے نوجوانوں کی مسجد، یہ ایک دوسری نئی مسجد ہے، قرآنِ مجید میں جس مسجد کا ذکر ہے یہ بالکل ان کے غار کے فوراً اوپر آتی ہے۔

دین کے خاطر اپنے جذبات کو قربان کرنے والے نوجوانوں کی اللہ کے یہاں قدر ومنزلت

اس موقع پر اپنے نوجوان دوستوں سے ایک نکتہ ضرور کہوں گا کہ: تین سو نو سال یہ نوجوان اس طرح سے سوئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ۔

ترجمہ: اور ہم ان کو دائیں اور بائیں کروٹ بدل دیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جب نوجوان اللہ تعالیٰ کے دین کی فکر لے کر اٹھیں، اپنی زندگی کو دین داری والی بنائیں، اور برے ماحول سے اپنے آپ کو بچانے کا عزم کر لیں تو اللہ تعالیٰ خود ان کی کروٹوں کو دائیں اور بائیں پلٹا کرتے ہیں۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے مزار پر

اس کے بعد ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا اور آگے چلے، کئی کلومیٹر کا سفر کر کے عمان

شہر سے باہر ایک دوسرا چھوٹا شہر آیا اس سے بھی آگے نکلے اور ایک اور پہاڑی علاقے کی طرف ہماری گاڑی چڑھنا شروع ہوگئی اور ایک اونچے پہاڑ پر ہم لوگ پہنچے، وہاں جانے کے بعد پتا چلا کہ اس جگہ پر اللہ کے نبی حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کا مزار ہے۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا مختصر تعارف

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ان جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے خاطر مبعوث کیا تھا، نسلاً بنی اسرئیل کی اولاد میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پر پوتے ہوتے ہیں، مؤرخین نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے:

یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن ابراھیم خلیل اللّٰہ۔

زمانۂ بعثت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کے خادمِ خاص وہم دم رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کو نبوت عطا کی گئی۔

حضرت یوشع علیہ السلام کا قرآن میں دوجگہ ذکر

تفسیری روایات کے مطابق قرآنِ مجید میں حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر دوجگہ موجود ہے: ① قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ (المائدہ)

ترجمہ: (موسیٰ علیہ السلام کی تائید میں) دوآدمیوں نے (بھی) کہا: جوکہ (اللہ تعالیٰ

سے) ڈرنے والوں میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر اپنا (خاص) احسان کیا تھا کہ تم ان پر (حملہ کرکے شہر کے) دروازے میں گھس جاؤ، سو جب تم اس میں داخل ہوجاؤ گے تو یقین رکھو کہ (اسی وقت) تم ہی غالب آجاؤ گے اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم واقعی مومن ہو ﴿۲۳﴾

اِس آیت میں ''رجلان'' سے حضرت یوشع علیہ السلام اور کالب بن یوحنا مراد ہیں جنھوں نے قومِ عمالقہ کے خلاف بنی اسرائیل کو ہمت دلائی اور نصرت کا وعدہ یاد دلا کر جہاد پر اکسایا تھا۔

② دوسرا موقع: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے علم میں اضافے کے لیے سفر میں نکلے تو ایک نوجوان خادم ان کے ساتھ تھے، وہ نوجوان خادم حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام تھے، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے نوجوان خادم (حضرت یوشع علیہ السلام) سے کہا: میں اس وقت تک اپنا سفر برابر جاری رکھوں گا جب تک کہ دوسمندر کے ملنے کی جگہ (سنگم) پر نہ پہنچ جاؤں یا برسوں تک چلتا ہی رہوں گا ﴿۶۰﴾

یوشع علیہ السلام کے لیے سورج کا غروب ہونے سے رُک جانا

حضرت یوشع علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایسے مقبول بندے تھے کہ جن کی درخواست پر سورج اور چاند کو بھی روک دیا گیا، جس کا واقعہ یہ ہوا کہ: حضرت یوشع علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر بیت المقدس کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے اور ایک بستی کا

محاصرہ کرلیا اور اس بستی کا محاصرہ جمعہ کے دن عصر تک طویل ہوگیا، آگے ہفتہ کا دن شروع ہونے والا تھا اور اس دن آپ کو کوئی کام کرنے کی اجازت نہ تھی؛ کیوں کہ ہفتہ کا دن بنی اسرائیل کا چھٹی کا دن ہے، اس دن جہاد ان کے لیے ممنوع تھا، ادھر جنگ جاری تھی کہ سورج غروب ہونے لگا، آپ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی کہ: سورج کو روک دے، پھر سورج سے مخاطب ہوئے: إِنَّکَ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ وَأَنَا فِي طَاعَةِ اللّٰه۔

ترجمہ: اے سورج! تو بھی اللہ کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی اس کی فرماں برداری میں مصروف ہوں۔

پھر آپ نے چاند کو مخاطب کر کے فرمایا: ابھی طلوع نہ ہونا۔

چنانچہ فتح ہونے تک سورج اور چاند رُکے رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنَّ الشمسَ لم تجسس لبشر الا ليوشع ليالى سار الى بيت المقدس۔

آفتاب آج تک کسی کے لیے رفتار میں موقوف نہیں ہوا؛ سوائے یوشع بن نون ؑ کے لیے، یہ ان راتوں کی بات جب وہ بیت المقدس کی جانب (بغرض جہاد) گئے تھے۔

حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات

بیت المقدس کی فتح کے بعد جب بنی اسرائیل اس میں قیام پذیر ہوئے تو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے وحیٔ الٰہی کے مطابق ان کی اصلاح فرمائی اور ایک طویل عرصہ ان کے ساتھ گزارا؛ آخر کار ایک سو چھبیس سال کی ظاہری عمر میں آپ نے وصال فرمایا۔ (ابن کثیر)

حضرت یوشع علیہ السلام کے مزار کی تحقیق

پہاڑ کے ایک کنارے پر ایک مسجد بنی ہوئی تھی، حضرت یوشع علیہ السلام کا مزار اسی مسجد کے ایک کمرے میں واقع ہے، ایک نہایت طویل قبر بنی ہوئی ہے، اس کی لمبائی بارہ سے پندرہ گز کے درمیان ہوگی، آپ علیہ السلام کے مزار کے باہر تختی پر آپ علیہ السلام کا حسب ونسب بھی لکھا ہوا ہے۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

اب اس بات کی سو فی صد تحقیق تو تقریباً ناممکن ہے کہ یہ واقعتاً حضرت یوشع علیہ السلام کی قبر ہے یا نہیں؟ البتہ یہ تمام علاقہ اسی ارضِ مقدس کا حصہ ہے جسے حضرت یوشع علیہ السلام نے فتح فرمایا تھا؛ اس لیے یہ بات جو یہاں کے لوگوں میں مشہور چلی آتی ہے، کچھ بعید بھی نہیں۔

جناب یعقوب نظامی صاحب اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں:

بعض روایات کے مطابق حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قبر بیت المقدس کے قریب ایک غار میں واقع ہے۔

تورات کے مطابق ان کی قبر فلسطین کے موجودہ شہر ''نابلس'' کے کسی پہاڑی مقام پر ہے۔ اسرائیل میں دو جگہ حضرت یوشع علیہ السلام کا مزار بتایا جاتا ہے۔

اتنا لمبا مزار کیوں؟

ساتھیوں نے مجھ سے سوال کیا کہ: اتنا بڑا مزار ان کا کیسے؟

اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اس

مزار کی زیارت کے موقع سے دیا ہے، فرماتے ہیں: قبر کی غیر معمولی لمبائی ہمارے لیے حیران کن تھی؛ لیکن بعد میں اردن اور شام کے اندر جو دوسرے انبیاءؑ کے مزار دیکھے، وہاں بھی یہی صورت نظر آئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں کسی مقدس شخصیت کے تعظیم کے خیال سے اس کی قبر بہت لمبی بنائی جاتی تھی۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ: پچھلے زمانے میں لوگوں کے بدن کی سائزیں بہت لمبی ہوا کرتی تھیں، حضرت آدم علیہ السلام کا قد جو روایتوں میں آیا ہے وہ باسٹھ (۶۲) ہاتھ کا قد آیا ہے، یہ تو اس امّت کی خصوصیت ہے کہ: عمر بھی کم، قد بھی کم، یہ دونوں چیزیں اس امّت کے واسطے ہیں۔

بحمد اللہ! میری اس بات کی تائید حضرت مولانا ارسلان بن اختر میمن کی تحریر سے بھی ہوگئی، انھوں نے لکھا ہے کہ: مقامی لوگوں کے قول کے مطابق حضرت یوشع بن نونؑ اپنی وفات کے وقت چار سے پانچ میٹر لمبے تھے۔ (از جہانِ دیدہ)

تیسرا احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چند متعدد افراد کی قبریں طول میں ایک ساتھ بنائیں گئی ہوں، جیسا کہ ہمارے سورت ضلع میں کیم کوٹھوا میں موجود مشہور مزار کے بارے میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری (دامت برکاتہم) کی رائے گرامی ہے۔

بہر حال! حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کی قبر کی زیارت کی، وہاں ان کے نام کی مسجد ہے، وہاں پر ہم لوگوں نے ظہر کی نماز ادا کی۔

پہاڑ پر سے زیتون کے درخت کا پرکیف منظر

یہاں ایک پرلطف بات یہ ہے کہ جس پہاڑ پر حضرت یوشع علیہ السلام کا مزار ہے،

اس پہاڑ کے بالکل سامنے ایک بہت بڑا میدان ہے اور اس میدان میں ہزاروں کی تعداد میں زیتون کے درخت ہیں۔

ہم کو بتا گیا کہ: صرف فلسطین میں پچاس لاکھ زیتون کے درخت ہیں۔

''والتین والزیتون'' اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اس کی قسم کھائی ہے۔

اتنا پر کیف منظر ہے کہ میں اپنی زبان سے بیان نہیں کرسکتا، ٹھنڈی کا موسم اور وہ بھی پہاڑ پر، ٹھنڈی ہوا میں سب ساتھی ٹھٹھر رہے تھے؛ مگر منظر اتنا پر کیف تھا کہ نگاہیں اسی پر جم گئیں کہ بس اسی کو دیکھتے رہیں۔

سات عدد زیتون

ایک انگریز کی بات ہے کہ میں روزانہ سات عدد زیتون کے پھل کھاتا ہوں، اس سے میری صحت بہت عمدہ ہے۔ اس کو پوچھا گیا کہ: سات عدد کی تخصیص کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا: اس لیے کہ قرآنِ مجید میں سات مقامات پر زیتون کا تذکرہ آیا ہے۔

زیتون کے سات قرآنی مقامات

①وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ .(الأنعام:۹۹)

②وَهُوَالَّذِيْ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ .(الأنعام:۱۴۱)

③يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ .(النحل:۱۱)

④اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ .(النور:۳۵)

⑤وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ۝۲۰ (المؤمنون)

⑥وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا۝۲۹ (عبس)

⑦وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ۝۱ (التین)

مسجدِ اقصیٰ کے گنبد کا دل کش منظر

دوسری دل کش بات یہ تھی کہ جہاں وہ وادی ختم ہوتی ہے وہاں سامنے ’’جبل القدس‘‘ یعنی بیت المقدس کا پہاڑ ہے اور اس کے بالکل سامنے سے مسجدِ اقصیٰ کا گنبد نظر آتا ہے۔

گائڈ نے کہا کہ: تھوڑے بادل ہٹنے دو۔ اس دن بادل بہت تھے۔ بادل ہٹیں گے تو مسجدِ اقصیٰ کا گنبد صاف نظر آئے گا۔

میں نے کہا: اسی کو دیکھنے کی بے چینی اور تڑپ ہے، بہت دیر تک ہم لوگ انتظار میں کھڑے رہے؛ مگر مقدر کہ بادل نہ ہٹے اور بادلِ ناخواستہ ہمیں یہ جگہ چھوڑنی پڑی اور وہاں سے گنبدِ بیت المقدس کا دیدار نہ کر سکے۔

جورڈن کا جائے وقوع

جورڈن کا جائے وقوع کچھ اس طرح ہے کہ: اس کی مغربی سمت میں فلسطین اور بیت المقدس واقع ہے، جو آج کل ہماری بداعمالیوں کی نحوست سے یہودیوں کے

قبضے میں ہے اور اسرائیل کہا جاتا ہے اور دریائے اردن کے مغربی کنارے کے پیچھے تمام تر پہاڑی علاقہ ہے، دوسری طرف مشرق میں بھی پہاڑی علاقے ہیں، ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک علاقہ شمالاً اور جنوباً چلا گیا ہے جو دریائے اردن کے مشرقی کنارے پر واقع ہے اور بڑا زرخیز علاقہ ہے اس علاقے کو اغوار (یعنی نشیبی علاقہ) کہا جاتا ہے۔

عمواس کا جائے وقوع

جورڈن کے اس نشیبی علاقے میں ایک جگہ کا نام ''عمواس'' ہے، عمواس کا کچھ علاقہ جورڈن (Jordan) میں آتا ہے اور زیادہ تر حصہ فلسطین (موجودہ اسرائیل) میں آتا ہے؛ جیسا کہ پہلے بھی بتلایا گیا کہ خلافتِ راشدہ؛ بلکہ بہت بعد تک یہ پورا کا پورا علاقہ ایک شمار ہوتا تھا اور شام کہلاتا تھا، یہ تو ہماری بداعمالیوں اور مسلم حکمرانوں کی بے وفائیوں کے باعث شام کا کافی علاقہ ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا اور ابھی بھی نکلتا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیدھی راہ دکھلائیں اور ہمارے حکمرانوں کو اس کی بازیابی کی توفیق عطا فرمائیں۔

طاعونِ عمواس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس جگہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی اور طاعون (Plague) کی بیماری پھیلی اور اتنی خطرناک بیماری پھیلی کہ اس بیماری میں سینکڑوں صحابہ اور تابعین شہید ہوگیے۔ اس کو طاعونِ عمواس کہتے ہیں، یہ طاعون ۱۸ھ، مطابق ۶۳۹ء میں پھیلا تھا۔

عمواس کے دونوں حصوں کی زیارت کا شرف

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں عمواس کے جورڈن اور اسرائیل والے دونوں حصے کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، ابھی ہم جورڈن والے حصے کی زیارت کا تذکرہ کر رہے ہیں جو اسرائیل اور جورڈن کا سرحدی علاقہ ہے۔

پیارے صحابہ کے مزار کی طرف

دن ڈھل رہا تھا، اور حضرت یوشع علیہ السلام کے مزار سے عمواس والا علاقہ کچھ فاصلہ پر تھا؛ چنانچہ جلدی جلدی ہم پہاڑ سے اتر کر گاڑی میں بیٹھے اور اغوار کی طرف روانہ ہوئے۔ تقریباً ایک گھنٹے میں ہم اغوار پہنچے، اس جگہ دو مشہور صحابی کے مزار ہیں:

(۱) اَمِیْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ: حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ۔

(۲) حضرت ضِرار بن اَزْوَر رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف ومناقب

حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن کی ذاتِ گرامی اُس دور کے تمام اعلیٰ فضائل ومناقب کا مجموعہ تھی:

آپ رضی اللہ عنہ سابقینِ اولین میں سے ہیں اور اُس وقت اسلام لے آئے تھے جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔

آپ رضی اللہ عنہ ان دس خوش نصیب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے، جن کو سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں جنّتی ہونے کی بشارت دی تھی۔

آپ رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی ہے جنھیں دو مرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل ہوئی: پہلی بار آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور دوسری بار مدینۂ منورہ کی طرف۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں نہ صرف شامل رہے؛ بلکہ ہر موقع پر اپنی جاں بازی، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اطاعت واتباع کے اَن مٹ نقش قائم فرمائیں۔

ایمان کی کفر پر جیت: بیٹے کے ہاتھ باپ کا قتل

غزوۂ بدر کے موقع پر ان کے والد کفارِ مکہ کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آئے تھے اور جنگ کے دوران اپنے بیٹے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف تلاش کرتے تھے؛ بلکہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح ان سے آمنا سامنا ہو جائے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اگر چہ اپنے والد کے کفر سے بیزار تھے؛ لیکن یہ پسند نہ کرتے تھے کہ ان پر اپنے ہاتھ سے تلوار اٹھانی پڑے۔

اس لیے جب کبھی وہ سامنے آکر مقابلہ کرنا چاہتے تو یہ کترا جاتے؛ لیکن باپ نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور بالآخر انھیں مقابلہ کرنا ہی پڑا اور جب مقابلہ سر پر آ ہی گیا تو اللہ سے جو رشتہ قائم تھا اس کی راہ میں حائل ہونے والا ہر رشتہ ٹوٹ چکا تھا، باپ بیٹے کے درمیان تلوار چلی اور ایمان کفر پر غالب آگیا اور باپ بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا۔

اَمینُ ھذہ الامّۃ کا لقب

جب یمن کے لوگ مسلمان ہوئے اور انھوں نے اپنے درمیان کوئی معلّم بھیجنے

کی درخواست کی تو آں حضرت ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ: هذا أَمينُ هذه الأُمَّةِ۔ ترجمہ: یہ اس امت کے امین ہیں۔

آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد صحیحین میں مروی ہے کہ:

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمينٌ وَأَمينُ هذه الْأُمَّةِ أبو عبيده بن جرّاح.

ترجمہ: ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔

جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں آپ کا مقام

آں حضرت ﷺ کے وِصال کے بعد جب سقیفۂ بنی ساعدہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتماع ہوا اور خلافت کی بات چلی تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے دو نام پیش فرمائے:

ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اور دوسرے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نام صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش ہونا واضح کرتا ہے کہ جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں آپ کا مقام کیا تھا؟

ملکِ شام کی فوج کے امیر

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں شام کی مہمات حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد فرمائی تھیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں سارا شام آپ کی سرکردگی میں فتح ہوا اور آپ نے ملکِ شام کے گورنر کے فرائض انجام دیے۔

شام کا خطہ اپنی زرخیزی، آب و ہوا اور قدرتی مناظر کے لحاظ سے عرب کے صحرانشینوں کے لیے ایک جنتِ ارضی سے کم نہ تھا، دوسری طرف یہاں اس وقت کے لحاظ سے انتہائی متمدن تہذیب یعنی رومی تہذیب کا دور دورہ تھا؛ لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیضِ صحبت کا جو اَن مٹ رنگ اپنے قلب و دماغ پر چڑھا لیا تھا اس میں وہ اس قدر پختہ تھے کہ شام کی رنگینیاں ان کے زہد وقناعت، دنیا بیزاری اور آخرت کی ہمہ وقتی فکر پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہو سکیں، اس بات کا اندازہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ایک واقعے سے ہوگا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا دل دہلا دینے والا ایک واقعہ

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے، اسی زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر تشریف لائے، ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ: مجھے اپنے گھر لے چلیے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: آپ میرے گھر آ کر کیا کریں گے، وہاں آپ کو شاید میری حالت پر آنکھ نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو؟

لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے -چوں کہ ان کو ہمیشہ یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کہیں ان کے گورنر بیرونی تہذیبوں سے متأثر ہو کر زیادہ عیش وعشرت میں نہ پڑ گئے ہوں- اصرار فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر لے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی سامان ہی نظر نہ آیا، گھر ہر قسم کے سامان سے خالی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر پوچھا: آپ کا سامان کہاں ہے؟

یہ سن کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ایک طاق کی طرف بڑھے اور وہاں سے روٹی کے کچھ ٹکڑے اٹھالائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو رو پڑے؛ حالاں کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ: وہ بہت ہی سادہ زندگی گزارتے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''امیر المؤمنین! میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ میری حالت پر آنکھیں نچوڑیں گے، بات دراصل یہ ہے کہ انسان کے لیے اتنا اثاثہ کافی ہے جو اسے اپنی خواب گاہ یعنی قبر تک پہنچادے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابوعبیدہ! دنیا نے ہم سب کو بدل دیا؛ مگر تمھیں نہیں بدل سکی۔

اللہ اکبر! وہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جس کے نام سے قیصرِ روم کی عظیم طاقت لرزہ براندام تھی، جس کے ہاتھوں روم کے عظیم الشان قلعے فتح ہورہے تھے اور جس کے قدموں پر روزانہ رومی مال ودولت کے خزانے ڈھیر ہوتے تھے، وہ روٹی کے سوکھے ٹکڑوں پر زندگی بسر کررہے ہیں، دنیا کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر اسے اتنا ذلیل ورُسوا کسی نے کیا ہے تو وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی جاںنثار تھے۔

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی

طاعون سے بچانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط

جب اُردن اور شام میں وہ تاریخی طاعون پھیلا جس میں ہزاروں افراد لقمۂ اجل بنے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس کے

الفاظ یہ تھے:سَلَامٌ عَلَيْكَ،أَمَّابَعْدُ!فَاِنَّهُ قَدْ عَرَضْتُ لِيْ اِلَيْكَ حَاجَةٌ اُرِيْدُ أَنْ أُشَافِهكَ بِهَا،فَعَزَمْتُ بِهَا فَعَزَمْتُ عَلَيْكَ اِذَا نَظَرْتَ فِيْ كِتَابِيْ هٰذَا (اَنْ لَا تَضَعَهُ) مِنْ يَدِكَ حَتّٰى تُقْبِلَ اِلَيَّ .

ترجمہ: سلام کے بعد مجھے ایک ضرورت پیش آگئی ہے جس کے بارے میں آپ سے زبانی بات کرنا چاہتا ہوں، لہذا میں پوری تاکید کے ساتھ آپ کو کہتا ہوں کہ جیسے ہی آپ میرا یہ خط پڑھیں تو اسے اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے فوراً میری طرف روانہ ہوجائیں۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا جواب

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اطاعتِ امیر کے ساری زندگی پابند رہے؛ لیکن اِس خط کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ شدید ضرورت ۔جس کے لیے مجھے مدینہ منورہ بلایا ہے۔صرف یہ ہے کہ وہ مجھے اِس طاعون زدہ علاقے سے نکالنا چاہتے ہیں؛ چنانچہ یہ خط پڑھ کر انھوں نے ساتھیوں سے فرمایا: میں امیر المؤمنین کی ضرورت سمجھ گیا، وہ ایک ایسے شخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں۔

یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ جواب لکھا:

امیر المؤمنین! آپ نے مجھے جس ضرورت کے لیے بلایا ہے وہ مجھے معلوم ہے؛ لیکن میں مسلمانوں کے ایک لشکر کے درمیان ہوں جس کے لیے میں اپنے دل میں اعراض کا کوئی جذبہ نہیں پاتا؛ لہذا میں ان لوگوں کو چھوڑ کر اس وقت تک آنا نہیں چاہتا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارے میں اپنی تقدیر کا حتمی فیصلہ نہیں فرما دیتا؛ لہذا امیر المؤمنین! مجھے اپنے اس تاکیدی حکم سے معاف فرما دیجیے اور مجھے یہاں اپنے

لشکر ہی میں رہنے دیجیے۔

جواب پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط پڑھا تو آنکھوں میں آنسوں آ گئے، جو لوگ پاس بیٹھے تھے وہ جانتے تھے کہ شام سے خط آیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آب دیدہ دیکھ کر انھوں نے پوچھا: کیا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی؟۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہوئی تو نہیں؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہونے والی ہے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرا خط لکھا:

آپ نے لوگوں کو ایسی زمین میں رکھا ہوا ہے جو نشیب میں ہے، اب انھیں کسی بلند جگہ پر لے جایئے جس کی ہوا صاف ستھری ہو۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب یہ خط حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو انھوں نے مجھے بلا کر کہا کہ: امیر المؤمنین کا یہ خط آیا ہے، اب ایسی جگہ تلاش کیجیے جہاں لے جا کر لشکر کو ٹھہرایا جا سکے۔

میں جگہ کی تلاش میں نکلنے کے لیے پہلے گھر پہنچا تو دیکھا کہ میری اہلیہ طاعون مبتلا ہو چکی ہیں، میں نے واپس آ کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بتایا۔

اس پر انھوں نے خود تلاش میں جانے کا ارادہ کیا اور اپنے اونٹ پر کجاوہ کسوایا، ابھی آپ نے اس کے رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ آپ پر بھی طاعون کا حملہ ہو گیا اور اسی طاعون کے مرض میں آپ نے وفات پائی۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر

جب ہم حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر پہنچے تو بے اختیار رونا آیا، ایسا لگتا تھا کہ خدا کی رحمت کھلم کھلی برس رہی ہے، وہاں دیر تک کھڑے رہے، ایصالِ ثواب کیا، بہت پرسکون جگہ ہے، جی نہیں چاہتا تھا کہ وہاں سے ہٹیں؛ لیکن معلوم ہوا تھا کہ اندر دیہات میں ایک اور صحابی کا مزار ہے وہاں بھی جانا ہے، غروب کا وقت تھا؛ چنانچہ ہم جلدی جلدی چلے اور صحابیٔ رسول حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کے مزار پر پہنچے۔

حضرت ضرار بن ازُوَر رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت ضرار بن ازوَر رضی اللہ عنہ ان مجاہد صحابۂ کرام میں سے ہیں جن کی شجاعت و بہادری کی داستانوں سے شام کی فتوحات کی تاریخ بھری پڑی ہے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خاص ساتھی، ان کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ جنگ کے وقت نہ صرف یہ کہ وہ سینے پر زِرہ نہیں پہنتے تھے؛ بلکہ قمیص بھی اتار دیتے تھے اور کھلے بدن لڑا کرتے تھے۔

حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کی وفات کہاں ہوئی؟

ان کی وفات کہاں اور کس زمانے میں ہوئی، حافظ ابن حجرؒ نے اس بارے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں:

بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔

بعض سے پتہ چلتا ہے کہ جنگِ اجانید میں ان کی شہادت ہوئی۔

بعض کہتے ہیں کہ: وہ جنگِ یرموک میں شامل تھے اور اس کے بعد دمشق میں

ان کا انتقال ہوا۔ (جہانِ دیدہ: ۲۰۳)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ: یہ وہی صحابی ہیں جن کو حضور ﷺ نے اپنے اخیری زمانہ میں اپنے مقابل دعوۂ نبوت کرنے والے طلیحہ اسدی کی بیخ کنی کے لیے ایک لشکر لے کر روانہ فرمایا تھا جس کا مختصر واقعہ یہ ہے:

حضرت ضرار رضی اللہ عنہ تحفظِ ختمِ نبوت کے محاذ پر

طلیحہ بن خویلد اسدی نامی ایک شخص۔ جو قبیلۂ بنو اسد کی طرف منسوب ہے، جو نواحِ خیبر میں واقع ہے۔ نے حضور ﷺ کے زمانے ہی میں مرتد ہو کر ''سمیرا'' نامی ایک جگہ میں اقامت اختیار کی تھی اور وہیں دعوۂ نبوت کر کے مخلوقِ خدا کو گمراہ کرنے میں مصروف ہوا اور چوں کہ گناہ اور معصیت کے کاموں میں شیطان اور نفس کا بھی بڑا زور رہتا ہے بایں وجہ تھوڑے ہی عرصے میں ہزار ہا لوگ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے، اسی پر بس نہ کیا؛ بلکہ اس منحوس نے ۔نعوذ باللہ من ذٰلک۔ اپنے ایک چیلے کو جس کا نام ''حیال'' یا ''حبال'' تھا ہادیٔ اعظم حضرت محمد ﷺ کے پاس اپنی نبوت کی دعوت لے کر مدینۂ منورہ روانہ کیا۔

حیال بارگاہِ نبوت میں پہنچا اور صورتِ حال بیان کر کے حضرت سید الاولین والاخرین علیہ الصلاۃ والتسلیم کو طلیحی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

حیال نے اپنے اثباتِ دعویٰ میں کہا کہ: طلیحہ کے پاس ذو النون یعنی روح الامین آتا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں نے محض ذو النون کا نام کہیں سے سن لیا ہے۔

حیال اس کے جواب میں نہایت مغرورانہ لہجے میں کہنے لگا: واہ صاحب! کیا وہ شخص جھوٹا ہوسکتا ہے جس کو لاکھوں مخلوق اپنا ہادی اور نجات دِہندہ یقین کرتی ہے؟

آں حضرت ﷺ اس گستاخی پر ناخوش ہوئے اور فرمایا: خدا تمھیں ہلاک کرے اور تمھارا خاتمہ بخیر نہ ہو۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، حیال حالتِ ارتداد ہی میں قتل ہوکر واصلِ جہنم ہوا اور دنیا سے نامراد گیا۔

حیال کی واپسی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو اپنے عُمّال اور قبائل کے پاس تحریکِ جہاد کی غرض سے روانہ فرمایا جو طلیحہ سے قریب واقع تھے۔

حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے علی بن اسد سنان بن ابوسنان اور قبیلۂ قضاعہ اور قبیلۂ بنوقرطہ وغیرہ کے پاس پہنچ کر آں حضرت ﷺ کا پیغام سنایا۔

انھوں نے اس ارشاد پر لبیک کہا اور حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کے ماتحت مسلمانوں کی بڑی جمعیت کو جہاد کی غرض سے بھیج دیا، لشکرِ اسلامی ''واردات'' کے مقام پر خیمہ زن ہوا، ادھر کفار نے بھی لاؤلشکر جمع کیا اور دونوں طرف سے صف آرائی شروع ہوئی، توحید ورسالت پر مر مٹنے والے شیر کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑے اور جو سامنے آیا اس کو گاجر مولی کی طرح کاٹ گرایا، طلیحہ کے ماننے والوں نے مسلمانوں کے نرغے کو روکنے کی بہتیری کوشش کی؛ لیکن شجاعانِ اسلام کے سامنے کچھ کام نہ آئی اور سخت بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے، لشکرِ اسلام مظفر ومنصور واپس آیا؛ لیکن ضرار رضی اللہ عنہ ابھی تک مدینہ نہیں پہنچے تھے کہ فخرِ موجودات اس فانی دنیا کو چھوڑ کر ابدی راحت کے لیے رخصت ہوچکے تھے۔ (از ائمہ تلبیس)

عربوں کی ایک اچھی عادت

یہاں ایک اچھی بات یہ جاننے ملی کہ: عربوں کی عادت ہے کہ ان کے علاقے میں کسی نبی یا صحابی کا مزار ہو تو انھیں کے نام سے اس بستی یا گاؤں کا نام رکھتے ہیں:

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا جہاں مزار ہے اس کا نام ''قرية أبي عبيدة رضی اللہ عنہ'' ہے۔

حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کا جہاں مزار ہے اس بستی کا نام ''قرية ضرار'' ہے۔

بہر حال! ان زیارتوں سے فارغ ہو کر کافی رات کو ہم عمان شہر واپس لوٹے۔

یہ ہماری ایک دن کی کارگزاری مکمل ہوئی جس میں ہم نے تین زیارتیں کی: ① اصحابِ کہف ② حضرت یوشعؑ کا مزار ③ عمواس میں مدفون دو مشہور صحابی: حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت ضرار بن ازورؓ کے مزار کی زیارت۔

ہمارے سفر کا دوسرا دن تیرھویں تاریخ یومِ جمعہ تھا، اور گائڈ صاحب کی ترتیب آج ہمیں موتہ لے جانے کی تھی۔

موتہ کا تعارف

''مُوْتہ'' میم پر پیش اور واؤ کے سکون کے ساتھ ملکِ شام ہی میں عمان شہر سے کافی دور سعودی کی سرحد پر واقع ایک شہر کا نام ہے، موتہ مدینۂ منورہ سے بہت قریب ہے۔

موتہ کا نام سنتے ہی اس کی یادیں تازہ ہونے لگی، تاریخِ رسالت میں سب سے بڑی جنگ اسی سرزمین پر پیش آئی ہے، سن ہجری آٹھ (۸) میں وہاں غزوۂ موتہ پیش آیا تھا، جس میں حضور ﷺ نے تقریباً تین (3000) کا لشکر بھیجا تھا۔

غزوۂ موتہ کا سبب

آں حضرت ﷺ نے ایک صحابی حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو بُصریٰ (شام) کے بادشاہ کے پاس دعوتِ اسلام کے عنوان پر ایک قیمتی خط دے کر بھیجا تھا، ابھی وہ بصری پہنچے بھی نہ تھے کہ راستے میں شرحبیل بن عمرو غسانی نے انھیں گرفتار کر کے بصری کے حاکم کے پاس پیش کر دیا اور اس نے آپ کو قتل کر دیا، آں حضرت ﷺ کے ایلچیوں میں وہ تنہا ایلچی ہے جن کو اس طرح شہید کیا گیا۔

آں حضرت ﷺ کو اس غمناک حادثہ کی اطلاع ملی تو بہت صدمہ ہوا، اور ایلچی اور قاصد کا قتل اس دور میں بھی بین الاقوامی بڑا جرم سمجھا جاتا تھا؛ چنانچہ اس وقت کے مخالف حالات کے باوجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرما کر اس حادثے کی اطلاع دی اور اس وقت کی سپر پاور طاقت روم اور شام سے لڑنے کے لیے تین ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کا لشکر تیار فرمایا، جس کی سربراہی کے لیے اولاً اپنے لے پالک حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اور ان کے شہید ہو جانے کے بعد آپ کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اور ان کے شہید ہو جانے کے بعد حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا نام منتخب فرمایا اور فرمایا کہ: اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو مسلمان اپنے مشورے سے جس کو چاہے امیر منتخب کرلیں۔

اشارۂ شہادت

مؤرخین نے لکھا ہے کہ: خلافِ معمول آں حضرت ﷺ کا معرکہ کی امارت کے لیے یکے بعد دیگرے تین امیروں کو منتخب فرمانے میں اشارہ تھا کہ یہ تینوں حضرات اس معرکے میں شہادت سے سرفراز ہوں گے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، تینوں صحابی اس جنگ

میں شہید ہوئے اور اس کے بعد مسلمانوں کی جماعت نے باتفاقِ رائے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا اور پھر انھیں کی امارت میں مسلمانوں کا وہ لشکر مظفر و منصور واپس لوٹا۔

غزوۂ موتہ کے تینوں امیروں کا مختصر تعارف

① حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

نام: زید۔ والد کا نام: حارثہ۔ والدہ کا نام: سعدی بنت ثعلبہ۔ کنیت: ابو اسامہ۔ لقب: حبِ رسول۔

یمن کے ایک نہایت معزز قبیلہ بنو قضاعہ سے ان کا تعلق تھا، والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ جو قبیلہ ''بنوطی'' کی ایک شاخ ''بنو معن'' سے تعلق رکھتی تھی۔

ابتدائی حالات

حضرت زید رضی اللہ عنہ ابتدا میں زید بن محمد کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے، جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ: ان کی والدہ سعدیٰ بنت ثعلبہ ایک مرتبہ اپنے چھوٹے بچے زید کو لے کر اپنے میکے گئیں، ابھی وہ میکہ ہی میں تھی کہ: بنو قین کے سوار جو غارت گری سے واپس آرہے تھے اس نونہال کو خیمے کے سامنے سے اٹھا لائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں بیچنے کے لیے پیش کیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ دربارِ رسالت میں

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نصیب اچھا تھا، اللہ تعالیٰ نے غلامی میں بھی سرداری مقدر

کی تھی، حضرت حکیم بن حزام۔ جو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہوتے ہیں۔ نے چارسو (400) درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نذر کر دیا، اور پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وہ غلام سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے پیش کر دیا؛ گویا اس طرح ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وساطت سے حضرت زید کو سرکار کی غلامی کا شرف نصیب ہوگیا، جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شہنشاہیاں قربان ہیں، پھر کیا تھا حضرت زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں مزے کی زندگی بسر کرنے لگے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ اسلام کے سایہ میں

یہاں تک کہ: جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تاجِ نبوت سے سرفراز فرمایا گیا تو غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے یہی قرار پائے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ایک نرالی شادی

ویسے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے مختلف شادیاں کی؛ مگر ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی حضرت امِ ایمن رضی اللہ عنہا سے شادی کروائی اور انھیں کے بطن سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے ہیں، جو اپنے والد کے انتقال کے بعد ''حبِ رسول'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری

جیسا کہ پہلے بتلایا جاچکا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بچپن سے غائب تھے اور ان کے والدین اور دیگر رشتے داران کی تلاش ہی میں تھے، جب ان کے والد کو پتہ چلا تو اپنے

بھائی کعب بن شرحبیل کو ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر لجاجت کے ساتھ عرض کیا:

اے ابن عبد اللہ! اے ابن عبد المطلب! اے قوم کے رئیس زادہ! تم اہلِ حرم اور اس کے مجاور ہو، مصیبت زدوں کی دست گیری کرتے ہو، قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہو، غلاموں کو آزاد کرتے ہو، ہم تمھارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہینِ منت بنا دو، ان کو آزاد کرنے کے لیے جس قدر چاہو مال لے لو، ہم قرار سے بھی زیادہ معاوضہ دینے تیار ہیں۔

ارشاد ہوا: وہ کون ہے؟ وہ بولے: زید بن حارثہ۔

آں حضرت ﷺ نے جب یہ نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا: کیا اس کے سوا تمھاری اور کوئی حاجت نہیں؟ جواب دیا: نہیں۔

آپ ﷺ کا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اختیار دینا

فرمایا: بہتر ہے، میں زید کو بلا کر اختیار دوں گا، اگر وہ تمھیں پسند کرے تو وہ تمھارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم! میں ایسا نہیں ہوں کہ اپنے ترجیح دینے والوں پر کسی کو ترجیح دوں۔

حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضامندی ظاہر کی، چنانچہ حضرت زید بلائے گئے۔

آں حضرت ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟

عرض کیا کہ: ہاں! یہ میرے باپ اور چچا ہیں۔

آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ میں قرعۂ انتخاب دے کر فرمایا کہ: میں کون ہوں اس سے تم واقف ہو، میری ہم نشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے، اب تمھیں اختیار ہے، چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو۔

اس غلامی پر سینکڑوں آزادیاں قربان

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہنشاہِ کونین ﷺ کی غلامی میں جو لطف ملا تھا اس پر صدہا آزادیاں قربان تھیں۔

بولے: میں ایسا نہیں ہوں جو حضور ﷺ پر کسی کو ترجیح دوں، آپ ﷺ ہی میرے ماں باپ ہیں۔

ایک طرف سالوں سے بچھڑا ہوا باپ ہے اور دوسری طرف حضور ﷺ کی ذاتِ بابرکات، نیز ایک طرف بیٹے کی باپ سے محبت یہ ایک فطری تقاضہ ہے تو دوسری طرف حضور ﷺ کی محبت یہ ایک شرعی تقاضا۔

صرف دعوۂ محبت کافی نہیں

حضرت زید نے حضور ﷺ کی صحبت میں رہ کر اسی گُر کو سیکھا تھا کہ فطری اور شرعی محبت کے تقابل اور مقابلے کے وقت ترجیح شرعی محبت ہی کو ہوگی۔

آج امت نے اسی گر کو کھو دیا اور فقط دعوۂ محبت ہی میں پھنس کر رہ گئی، ضرورت ہے اس بات کی حضور ﷺ کی محبت کو شرعی محبت سمجھا جائے اور اس طرح کے مقابلے کے وقت شرعی محبت کو اپنایا جائے اور رسمی محبت کو ترک کیا جائے۔

خیر! حضرت زید نے اپنے والد اور چچا کو کہہ دیا کہ: میں حضور کو چھوڑ آپ کے

پاس نہیں آ سکتا، میں حضور کے مقابلے میں آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد کی حیرت

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس مخلصانہ و فاشعاری نے ان کے باپ اور چچا کو محوِ حیرت کردیا، تعجب سے بولے: زید! افسوس تم تو آزادی یعنی باپ اور چچا پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو۔

فرمایا: ہاں! مجھے اس ذات پاک میں وہ محاسن نظر آئے ہیں، میں اس پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

آزادی کا پروانہ اور زید ابن محمد بننے کی سعادت

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس غیر متزلزل محبت نے آقا کے دل میں چھپی محبت کی چنگاری کو بھڑکا دیا، چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ میں حجرِ اسود کے پاس لے جا کر اعلان فرمادیا کہ: آج سے زید میرا فرزند ہے، میں اس کا وارث ہوں گا اور وہ میرا وارث ہوگا۔

اس اعلان کے بعد ان کے باپ کا افسردہ دل گلِ شگفتہ کی طرح کھل گیا، اگرچہ والد کو بیٹے کی مفارقت گوارا نہ تھی؛ تاہم اپنے لختِ جگر کو ایک شفیق ومعزز باپ کے آغوشِ شفقت میں دیکھ کر اطمینان ہوگیا اور امتنان ومسرت کے ساتھ واپس گئے۔

پھر تو حضرت زید ''ابن حارثہ'' کے بجائے ''ابن محمد'' سے پکارے جانے لگے اور اسی نام سے تمام لوگوں میں مشہور ہوگئے، یہاں تک کہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝٤ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٥ (الأحزاب)

ترجمہ: اور تمھارے منہ بولے بیٹوں (لے پالک) کو (حقیقی، سچا) بیٹے نہیں بنایا، یہ تو تمھاری بات ہی بات ہے جو تم منہ سے کہتے ہو اور اللہ تو سچی بات کہتے ہیں اور وہی سیدھا راستہ بتلاتے ہیں ﴿۴﴾ تم ان کو ان کے (حقیقی) باپوں کے نام سے پکارا کرو، یہی طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پورے انصاف کا ہے، پھر اگر تم کو ان کے (اصلی) باپ معلوم نہیں ہے تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے دوست ہیں اور تم سے جو بھول چوک ہو جائے اس کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا؛ لیکن جو کام تم اپنے دلوں سے جان بوجھ کر کروگے (اس میں گناہ ہے) اور اللہ تعالیٰ تو بہت زیادہ معاف کرنے والے، سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں ﴿۵﴾

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝٤٠ (الأحزاب)

ترجمہ: محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے (نسبی) باپ نہیں ہیں؛ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جانتے ہیں ﴿۴۰﴾

اس میں بتلایا گیا کہ: منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹوں کے مانند نہیں ہے اور ان کی نسبت حقیقی باپ سے قطع کر کے غیرِ حقیقی باپ کی طرف کرنا یہ ناانصافی ہے، چنانچہ ابن

محمد والی نسبت شریعت کے حکم کی بنیاد پر بادل ناخواستہ چھوڑنی پڑی۔

صرف ایک صحابی حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام صراحتاً قرآن میں

مفسرین نے لکھا ہے کہ: جب نبیٔ کریم ﷺ کی طرف باپ والی نسبت جو مشہور تھی اس کو قانونِ الٰہی کی وجہ سے بدلنا پڑا تو آپ کی تسلی کا سامان قرآن میں آپ کے ذکرِ خیر کے ذریعہ سے کیا گیا: ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا﴾

ترجمہ: پھر جب زید نے اس (عورت) سے (اپنی) حاجت پوری کر لی۔

قرآنِ مجید میں صحابہ میں سے صراحتاً آپ ہی کا نام مذکور ہے۔

نوٹ: حضرت زینب کے ساتھ نکاح کا تفصیلی واقعہ خطباتِ محمود جلد (۸) میں ملاحظہ فرمائیں۔

گویا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو باپ، خاندان کے چھوڑنے پر حضور ﷺ کی طرف سے بطورِ انعام گھر کا ایک فرد ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا؛ مگر اب شرعی حکم کی بنیاد پر اس کو بھی بلا چون وچرا چھوڑ دیا؛ یعنی اللہ تعالیٰ کے منشا ومرضی پر اپنی مرضی کو قربان کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں یہ شرف حاصل ہوا کہ رہتی دنیا تک ان کا نام بطورِ تلاوت پڑھا جائے گا، اور جس طرح قرآنِ مجید کے دیگر حروف کی تلاوت پر دس دس نیکیوں کا وعدہ ہے اس نام کے پڑھنے پر بھی اللہ تعالیٰ وہ اپنا فضل فرمائیں گے، اور آخرت کا انعام تو الگ رہا۔

دوسرے امیرِ لشکر: حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا تعارف

نام: جعفر۔ والد کا نام: عبد المناف (ابو طالب)۔ والدہ کا نام: فاطمہ۔ کنیت:

ابوعبداللہ۔لقب: ابوالمساکین،طیار۔

شجرۂ نسب یہ ہے: جعفر بن ابي طالب بن عبدالمطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصی القرشي الهاشمي۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے جو عمر میں ان سے دس سال بڑے تھے، شکل وشباہت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے،ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَ خُلُقِي۔

ترجمہ: تم صورت اوراخلاق میں میرے مشابہ ہو۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غریبوں کی بہت خدمت اور امداد کرتے تھے،اسی وجہ ابوالمساکین کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کا شمار بھی ان خوش نصیب صحابہ میں ہوتا ہے جنھوں نے دین کی حفاظت کی خاطر دو مرتبہ ہجرت فرمائی: ایک مرتبہ ملکِ حبشہ کی طرف اور دوسری مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینۂ منورہ ہجرت فرما جانے کے بعد سن ہجری سات (۷) میں غزوۂ خیبر کے موقع پر ملکِ حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف۔

جب وہ مدینۂ منورہ پہنچے اس دن خیبر فتح ہو گیا تھا، جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سامنے آئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا کہ: ''میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے''۔

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی جان دار تقریر

مکہ کے کفار کے کہنے پر نجاشی نے جب مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا تو نجاشی نے پوچھا کہ: تمھارا دین کونسا ہے جس کے باعث تم نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا اور وہ جدید مذہب جو ہم سب لوگوں کے لیے نرالا ہے وہ کیا ہے؟

اس کے جواب کے لیے حضرت جعفرِ طیار رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور نجاشی شاہِ حبشہ کے سامنے ایک شان دار تقریر کی۔

اسلام کا عمدہ تعارف

فرمایا: شاہا! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، فواحش میں مبتلا تھے، قطع رحمی کرتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ بُرا برتاؤ رکھتے تھے، ہمارا طاقتور کمزوروں پر ظلم کرتا تھا۔

ہماری اس حالت میں خدا نے ایک ایسے پیغمبر کو مبعوث کیا جس کے صدق، عفاف، امانت و دیانت، حسب و نسب کو ہم پہلے سے جانتے تھے، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اسی کی پرستش کریں اور اپنے آبا کے مانند بتوں کی پرستش چھوڑ دیں۔

اس نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے، حرام باتوں اور خون ریزی سے دور رہنے کا حکم دیا اور فواحش سے، جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور خدائے واحد کی تنہا عبادت کا حکم دیا کہ اس میں کسی کو شریک نہ کریں

اور صوم وصلوۃ اور زکوۃ کا حکم دیا۔

ہم نے اس کو مانا اور اس پر ایمان لائے، اب جبکہ ہم نے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا اس پر ہماری قوم دشمن ہوگئی اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی؛ تاکہ ہم ایک خدا کی عبادت چھوڑ کر پھر سے بت پرستی شروع کردیں۔

نجاشی نے کہا: خدا کا کلام تم کو کچھ یاد ہے؟

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں!

نجاشی نے سننے کی خواہش ظاہر کی۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کا وہی ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا جو رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ وقتِ رخصت عنایت فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں وہ تاثیر رکھی ہے کہ بڑے بڑے دشمنوں نے بھی جب اس کو سنا تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

چنانچہ نجاشی اور اس کے درباری بھی اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہوگئیں اور کہا کہ: یہ اور عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں اور عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ سے کہا کہ: تم چلے جاؤ، یہ لوگ تمھارے حوالے کسی طرح نہیں کیے جاسکتے۔

تیسرے امیر لشکر: حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

نام: عبداللہ۔ والد: رواحہ۔ والدہ: کبشہ بنت واقد بن عمرو۔ کنیت: ابومحمد۔

لقب: شاعرِ رسول۔ **خاندان:** حارث بن خزرج۔

سلسلۂ نسب: عبد اللّٰہ بن رواحہ بن ثعلبہ بن عمرو بن امرأالقیس الاکبر۔

اخلاق و عادات

نہایت عابد وزاہد تھے، خود آں حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ: **عبداللہ بن رواحہ انہیں مجلسوں کو پسند کرتے ہیں جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں۔**

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جس میں میں ابن رواحہ کو یاد نہ کرتا ہوں اور وہ مجھ سے ملتے تو کہتے کہ: آؤ تھوڑی دیر کے لیے مسلمان بن جاویں، پھر بیٹھ کر ذکر کرتے اور کہتے کہ: یہ ایمان کی مجلس تھی۔

ان کی بیوی کا بیان ہے کہ: جب گھر سے نکلتے تو دو رکعت نماز پڑھتے اور واپس آتے اس وقت بھی ایسا ہی کرتے، اس میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

ایک سفر میں اتنی شدید گرمی تھی کہ آفتاب کی تمازت کی وجہ سے لوگ سروں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے؛ لیکن ایسی حالت میں بھی حضور ﷺ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے۔

جہاد کا بہت زیادہ شوق تھا، بدر سے لے کر موتہ تک ایک غزوہ بھی ترک نہ ہوا، اسماء الرجال کے مصنفین اس شوق و ذوق کا ان الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں؛ یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوے میں سب سے پہلے جاتے اور سب سے پیچھے واپس ہوتے تھے۔

فضل وکمال

کتابت اور شعر گوئی میں کمال حاصل تھا، دربارِ رسالت کے کاتبوں اور

شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ: دربارِ نبوی ﷺ کے شعراء: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ تو حسب ونسب پر چوٹ کرتے تھے اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا کام کافروں کو لڑائی سے ڈرانا تھا، رہ گئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تو وہ کفاروں کو کفر پر عار اور غیرت دلاتے تھے۔

ان کی شاعری کا واقعہ

ان کی شعر گوئی سے متعلق کتابوں میں ایک عجیب قصہ لکھا ہے: ایک مرتبہ ان کی بیوی کو ان کے متعلق کچھ بدگمانی سی ہوگئی، ہوا یہ کہ وہ ایک مرتبہ اپنی لونڈی سے ہم بستر تھے، بیوی نے کچھ اور ہی سمجھ لیا اور غصہ میں آگئی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان کی سمجھی ہوئی بات کو جھٹلا دیا، اس پر ان کی بیوی نے کہا: اگر تم پاک ہو تو قرآن پڑھو۔

اس وقت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو عجیب چال سوجھی اور بر وقت چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور کافروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور عرش پانی کے اوپر تھا اور عرش پر جہاں کا پروردگار اور اس عرش کو خدا کے مضبوط فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔

بیوی چوں کہ قرآن پڑھی ہوئی نہیں تھی، سمجھیں کہ آیتیں پڑھ رہے ہیں، بولیں: خدا سچا ہے اور میری نظر نے غلطی کی، میں نے ناحق تہمت لگائی۔

جامعِ موتہ میں جمعہ کی نماز کی سعادت

بہر حال! ہم سویرے سویرے عمان سے روانہ ہوئے اور لگاتار چلتے رہے؛ مگر اس کے باوجود ہماری گاڑی منزل پر اس وقت پہنچی جب کہ سورج ڈھل چکا تھا اور جمعہ کے دن کی وجہ سے گویا نمازِ جمعہ نے ہم کو پالیا تھا؛ چنانچہ اولاً ہم نے موتہ کی وسیع و عریض جامع مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کی جس میں بہت اونچا منبر ہے، اور طویل خطبہ ہوا، نمازِ جمعہ کی ادئیگی کے بعد سیدھے ہم غزوۂ موتہ کے تینوں امیرِ لشکر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات پر پہنچے۔

حضرت جعفر، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کے مزارات پر دلوں کی عجیب کیفیت

سب سے پہلے ہم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کی، موتہ کی جامع مسجد کے پڑوس میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جہانِ دیدہ میں لکھا ہے کہ: غزوۂ موتہ کے میدان اور تینوں بزرگوں کے مزارات پر حاضری اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی سکینت وطمانینت آج کے دن کا وہ عظیم سرمایہ تھی جو زندگی بھر یاد رہے گی۔

میں نے یہ جملہ پڑھ رکھا تھا؛ لیکن تجربات کی دنیا میں اس کا مطلب یہیں آکر سمجھ میں آیا، دل کی کیفیت عجیب ہوتی جارہی تھی، سارے ساتھیوں کی آنکھوں سے

برابر آنسو بہہ رہے تھے، ایک ساتھی نے دوسرے سے کہا کہ: مفتی صاحب سے کہو کہ: دعا کرائیں۔

ہم نے ہاتھ اٹھائے، تقریباً آدھے گھنٹے تک ساتھیوں نے چیخیں مار مار کر دعا کی کہ: یا اللہ! یہ تیرے محبوب نبی کے چچازاد بھائی ہیں، تیرے دین کی خاطر اپنے وطن سے اتنی دور آکر سو گئے، شہید ہو گئے، اے اللہ! تو ان کی قربانیوں کو قبول فرما اور انہی کے نقش قدم پر ہمیں بھی مرتے دم تک دین کی مقبول خدمات کے لیے چن لے۔

ایک نعمت غیر مترقبہ: اسلامی وضع قطع کی برکات

اللہ کی شان دیکھو! ہم باہر نکلے تو مسجد میں ہمیں دیکھ کر بہت سے عرب حضرات آئے اور بات کرنا چاہا، ساتھیوں نے میری طرف اشارہ کر دیا کہ: ان سے بات کرو؛ چوں کہ عربی زبان کا معاملہ تھا۔

وہ میرے پاس آکر کہنے لگے: آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟

میں نے بتایا کہ: بھارت سے آئے ہیں، قرآنی مقامات اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔

وہ کہنے لگے کہ: ہمارے گھر چلو اور کھانا کھالو، آپ کی دعوت ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ: کیسے؟ ہم سولہ (۱۶) اور دو (۲) ہمارے ڈرائیور، اس طرح اٹھارہ (۱۸) ساتھی ہیں۔

وہ کہنے لگے: کوئی بات نہیں، سب کی دعوت ہے، واللّٰہ! مافی مشکلة۔

بہت اصرار کیا؛ مگر چوں کہ ہمارے کھانے کا نظام آگے طے تھا اور دُبئ کے

ہمارے ایک دوست حافظ نعیم صاحب ویراولی وہیں ملنے والے تھے، جو مستقل اس سفر میں رفاقت کے لیے دُبئی سے عمان پہنچے تھے؛ اس لیے معذرت ہی کرنی پڑی۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے مزار سے فارغ ہو کر آگے بڑھے تو ایک چھوٹی سی پہاڑی پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے، اس کی زیارت کی۔

وہاں سے کچھ ہی قدم کے فاصلے پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے، وہاں بھی حاضری ہوئی۔

مدین کے قریب

ہمیں بتلایا گیا کہ: تقریباً پچیس (۲۵) کلومٹر کے فاصلے پر مدین کا علاقہ ہے، مدین سے بھی ہماری بہت ساری یادیں وابستہ ہیں، وادئ مدین کا ذکر قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے:

① وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ (القصص)

ترجمہ: اور جب ان (موسیٰ علیہ السلام) نے مدین کی جانب رخ کیا تو (دعا میں) کہا: امید ہے کہ میرے رب مجھے سیدھے راستے پر لے جاویں گے ﴿۲۲﴾

② وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ.

ترجمہ: اور جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) مدین کے کنویں پر پہنچے تو لوگوں کے ایک مجمع کو دیکھا کہ (کنویں سے پانی کھینچ کر اپنے جانوروں) کو پانی پلا رہے ہیں۔

مدین اور وادئ مدین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زندگی کے دس (۱۰) سال

گذارے ہیں۔

اس لیے میں نے گائڈ سے کہا کہ: ہم تو ہر حال میں مدین جائیں گے، ہمیں وہ جنگل دیکھنا ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے تھے اور وہ کنواں دیکھنا ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے، اور ایک تحقیق یہ ہے کہ ''مدین'' کا علاقہ اس وقت سعودیہ کا جورڈن کی طرف کا سرحدی علاقہ اور موتہ کے مابین واقع ہے۔

گائڈ نے کہا: شیخ! ابھی تو ہم کو موتہ کا میدانِ جنگ دیکھنا بھی باقی ہے۔

موتہ کا میدانِ جنگ اور قاصدِ رسول حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کا مزار

مزارات کی زیارت کے بعد ہم گاڑی سے واپس ہوئے اور پھر موتہ پہنچ کر جس جگہ غزوۂ موتہ پیش آیا تھا اس میدان کا مشاہدہ کیا، میدان کے درمیان میں حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ جو رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہنچانے آئے تھے اور شہید کردیے گئے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ''انبیا کی سرزمین میں چند روز'' میں لکھا ہے کہ: وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ جب تک یہاں پکی سڑکیں اور آبادی کی کثرت نہیں تھی اور بجلی بھی نہیں آئی تھی اس وقت تک جب ہم جمعہ کے دن صبح کو فجر کی نماز کے لیے جاتے تھے تو یہاں تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کے ٹاپوں اور ہنہنانے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، جیسے جنگ ہو رہی ہو؛ لیکن جب سے آبادی بڑھی اور عمارتیں پکی بن گئیں تو وہ آوازیں آنا بند ہوگئیں۔

بہر حال! ہم وہاں کافی دیر بیٹھے، ذکر، دعا، اور تسبیحات میں مشغول رہے، عجیب پرسکون جگہ ہے، بڑے بڑے پتھر وہاں ہیں، جمعہ کے بعد کا وقت تھا، دھوپ تھی پھر بھی منظر اچھا معلوم ہو رہا تھا، چاروں طرف دور دور نظر دوڑ رہی تھی اور موتہ کی یادوں میں ذہن گشت کر رہا تھا۔

بحرِ میت

دوپہر کے کھانے کا نظم گائڈ نے بحرِ میت پر کر رکھا تھا اور بحرِ میت وہاں سے کافی فاصلہ پر تھا، وقت بھی کافی ہو چکا تھا، گائڈ کو بھی جلدی تھی، اس نے کہا کہ: آپ حضرات کا کھانا ''بحرِ میت'' پر ہے۔

میں نے کہا: بحرِ میت کوئی کھانا کھانے کی جگہ ہے؟

انھوں نے کہا: نہیں! کھانا تو وہیں ہوگا۔ گویا ہم نے بتادیا کہ: بحرِ میت جا کر کھانا کھانا ہم کو پسند نہیں ہے، وہ عذاب کا مقام ہے۔

بحرِ میت کا تعارف

بحرِ میت (Dead sea) یہ ایک چھوٹا سا سمندر ہے، جو اپنی تاریخی اور جغرافیائی خصوصیت کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور ہے، یہ سمندر کل پچاس (50) میل لمبا اور گیارہ (11) میل چوڑا ہے، اس کی سطح کا کل رقبہ تقریباً تین سو اکیاون (351) مربع میل ہے، زیادہ سے زیادہ گہرائی تیرہ سو (1300) فٹ ہے۔

۱۹۶۷ء سے پہلے اس کا نصف شمالی حصہ مکمل طور پر اردن میں تھا اور باقی نصف حصہ اردن اور اسرائیل کے درمیان بٹا ہوا تھا، ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد اسرائیلی

فوجیں پورے مغربی ساحل پر قابض ہوگئی ہیں۔

یہ دنیا کا واحد سمندر ہے جو کسی دوسرے سمندر سے جڑا ہوا نہیں ہے، اس کے طول وعرض کے لحاظ سے اس کو جھیل کہنا زیادہ موزون ہے؛ لیکن چوں کہ اس کا پانی خالص سمندری پانی ہے؛ بلکہ اس کے پانی کی کڑواہٹ، تلخی اور شوریدہ پن عام سمندروں کے مقابلے میں کم از کم دس گنا زیادہ ہے، اسی وجہ سے اس کو ''بحر'' یا ''بحیرہ'' ہی کہا جاتا ہے۔

مزید اس کا پانی اتنا گاڑھا ہے جیسے شہد یا شکر کا شیرہ، اسی وجہ سے کوئی بھی آدمی اس پانی میں ڈوبتا نہیں، پانی وزن دار اور انسان کا وزن اندر جانے کے بعد کم ہو جاتا ہے۔

یہ دنیا کا سب سے نچلی سطحِ زمین والا حصہ ہے، اس طرح کہ یہ عام سطحِ سمندر سے تیرہ سو فٹ نیچے ہے، یہاں سے قریب ترین سمندر بحرِ متوسط (یا بحر روم) ہے؛ لیکن بحرِ میت اس کی سطح سے تیرہ سو فٹ نیچے واقع ہے اور اس طرح یہ کرۂ زمین کا سب سے نچلا حصہ ہے، اردن کا دریا اسی سمندر (بحرِ میت) میں آکر گرتا ہے اور آس پاس کی پہاڑی ندیاں بھی اسی میں آکر شامل ہوتی ہیں، مگر اس کا پانی کسی دوسرے سمندر یا ندیوں کو نہیں ملتا۔

جدید محققین کی رائے

بہت سے جدید محققین کا کہنا ہے کہ: یہ وہی جگہ ہے جس پر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم آباد تھی؛ بلکہ مصری محقق عبدالوہاب النجار نے اس سمندر کے وجود میں آنے کا سبب

ہی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر آنے والا عذاب قرار دیا ہے، جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

سدوم

اُردن کی وہ جانب جہاں آج بحرِ میت یا بحرِ لوط واقع ہے، یہی وہ جگہ ہے جس میں سدوم اور عامورا کی بستیاں آباد تھیں، اس کے قریب بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانے میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے، سدوم و عامورہ کی آبادیاں اسی مقام پر تھیں، یہ مقام شروع سے سمندر نہیں تھا؛ بلکہ جب قومِ لوط پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا؛ اسی لیے اس کا نام بحرِ میت اور بحرِ لوط ہے (بستانی ص: ۷۵۳، ج: ۹)

یہ صحیح ہو یا غلط بہر حال! یہ مسئلہ حقیقت رکھتا ہے کہ اسی بحرِ میت کے ساحل پر وہ حادثہ رونما ہوا جس میں قومِ لوط کی بستیوں کو ختم کر دیا گیا۔

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں، ان کے والد کا نام ''ہاران'' تھا، حضرت لوط علیہ السلام کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیرِ سایہ گزرا اور ان کی نشو نما حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی آغوشِ تربیت میں ہوئی؛ اسی لیے وہ اور حضرت سارہ ''ملتِ ابراہیمی'' کے پہلے مسلم اور السابقون الاولون میں داخل ہیں، ارشادِ خداوندی ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: پھر لوط ان (ابراہیم علیہ السلام) پر ایمان لائے اور انھوں نے کہا کہ: میں ہجرت کر کے میرے رب کی (بتائی ہوئی جگہ کی) طرف جا رہا ہوں، یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) بڑے زبردست ہیں، بڑے حکمت کے مالک ہیں ﴿۲۶﴾ (العنکبوت)

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرتوں میں ہمیشہ ساتھ رہے ہیں اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر میں تھے تو اس وقت بھی یہ ہم سفر تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام سے مشورہ کیا اور دونوں کی صلاح سے یہ طے پایا کہ حضرت لوط علیہ السلام ہجرت کر کے شرقِ اردن کے علاقہ ''سدوم'' اور ''عامورہ'' چلے جائیں اور وہاں رہ کر دینِ حنیف کی تبلیغ کرتے رہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کا پیغام سناتے رہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر واپس فلسطین چلے جائیں اور وہاں رہ کر اسلام کی تعلیم و تبلیغ کو سربلند کریں۔

اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی قومِ لوط کی کچھ بڑی برائیاں جن کو پڑھ کر ہم ان سے بچیں

حضرت لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آ کر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ الامان والحفیظ! دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو ان میں موجود نہ ہو اور کوئی خوبی ایسی نہیں تھی جو ان میں پائی جاتی ہو، دنیا کی سرکش، متمرد اور بداخلاق و بداطوار اقوام کے دوسرے عیوب و فواحش کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث عمل کی موجد تھی؛ یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے عورتوں کے بجائے امرد لڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے، دنیا کی قوموں میں اس عمل کا اس

وقت تک بالکل کوئی رواج نہ تھا، یہی بد بخت قوم ہے جس نے اس ناپاک عمل کی ایجاد کی، اس عمل کو اردو زبان میں ''لواطت'' کہا جاتا ہے۔

اِس سے بھی زیادہ شرارت اور خباثت اور بے حیائی یہ تھی کہ وہ اپنی اس بدکرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور علی الاعلان فخر ومباہات کے ساتھ اس کو کرتے رہتے تھے، قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡمَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ (العنکبوت)

ترجمہ: اور (ہم نے) لوط (علیہ السلام) کو (نبی بنا کر بھیجا) جب ان (لوط علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ: حقیقت میں تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے تمام دنیا والوں میں کسی نے نہیں کیا ﴿۲۸﴾ کیا تم مردوں کے پاس (خواہش پوری کرنے) جاتے ہو اور راستے میں ڈاکہ ڈالتے ہو اور تم تمھاری (بھری) مجلس میں برے کام کرتے ہو، سو ان (لوط علیہ السلام) کی قوم کا (آخری) جواب یہی تھا ''اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ'' ﴿۲۹﴾

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاۗءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ (النمل)

ترجمہ: اور (ہم نے) لوط (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر بھیجا) تب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ: کیا تم کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی بے حیائی کے کام کرتے ہو؟ ﴿۵۴﴾ کیا تم لوگ اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر (للچا کر) جاتے ہو؛ بلکہ (حقیقت یہ ہے) تم لوگ جاہل ہی ہو ﴿۵۵﴾ سو ان (لوط علیہ السلام) کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ وہ آپس میں یوں کہنے لگے: لوط کے (اور ایمان والے) لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو؛ کیوں کہ وہ بڑے پاک (صاف ستھرے) رہنا چاہتے ہیں ﴿۵۶﴾

مال لوٹنے کی عجیب چال بازی

عبدالوہاب نجار لکھتے ہیں کہ: میں نے عبرانی ادب کی ایک کتاب میں ان کی بعض بداعمالیوں کا حال پڑھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ سدوم کی یہ بھی عادت تھی کہ وہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں کے مال کو ایک نئے اور اچھوتے انداز سے لوٹ لیا کرتے تھے، چنانچہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی سوداگر باہر سے آکر سدوم میں مقیم ہوتا تو اس کے مال کو دیکھنے کے بہانے سے ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیزیں اٹھاتا اور لے کر چل دیتا اور تاجر بے چارہ حیران اور پریشان ہو کر رہ جاتا، اب اگر اس نے اپنے ضیاعِ مال کا شکوہ کیا اور رونے دھونے لگا تو ان لٹیروں میں سے ایک آتا اور لوٹی ہوئی دو ایک چیزیں دکھلا کر کہنے لگتا کہ: بھائی میں تو یہ لے گیا تھا، لو! تمھاری یہ چیز موجود ہے۔

وہ رنجیدہ آواز میں کہتا کہ: میں اس کو کیا کروں گا جہاں میرا سارا مال لوٹ گیا

وہاں یہ بھی سہی، جا تو ہی اپنے پاس رکھ لے۔

جب یہ معاملہ ختم ہو جاتا تو اب دوسرا آتا اور وہ بھی اسی طرح کوئی معمولی سی چیز دکھا کر وہی کہتا جو پہلے نے کہا تھا اور سوداگر رنج وغم اور غصہ میں اس سے بھی پہلی بات لوٹا کر کہہ دیتا، اسی طرح سب اس کا مال ہضم کر جاتے اور سوداگر کو لوٹ کھسوٹ کر بھگا دیتے۔

عجیب طرح کی ناانصافی

اسی کتاب میں یہ عجیب قصہ بھی نقل کیا ہے کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ نے ایک مرتبہ حضرت لوط علیہ السلام کی عافیت وخیر معلوم کرنے کے لیے اپنے خالہ زاد ''الیعرز دمشقی'' کو سدوم بھیجا، یہ جب بستی کے قریب پہنچا تو اجنبی سمجھ کر ایک سدومی نے اس کے سر پر پتھر مار دیا، الیعرز کے سر سے خون جاری ہو گیا، تب آگے بڑھ کر سدومی کہنے لگا کہ: میرے پتھر کی وجہ سے یہ تیرا سر سرخ ہوا ہے؛ لہٰذا مجھے اس کا معاوضہ ادا کر، اس مطالبے کے لیے کھینچتا ہوا سدوم کی عدالت میں لے گیا، حاکمِ سدوم نے مدعی کا بیان سن کر کہا کہ: بیشک ''الیعرز'' کو سدومی کے پتھر مارنے کی اجرت دینی چاہیے۔ الیعرز یہ سن کر غصے میں آ گیا اور ایک پتھر اٹھا کر حاکم کے سر پر دے مارا اور کہنے لگا کہ: میرے پتھر مارنے کی جو اجرت ہے وہ تو اس سدومی کو دے دینا اور یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ گیا۔

یہ واقعات صحیح ہوں یا غلط؛ لیکن ان سے یہ روشنی ضرور پڑتی ہے کہ اہلِ سدوم اس قدر ظلم، فحش، بے حیائی، بداخلاقی اور فسق وفجور میں مبتلا تھے کہ اس زمانے کی قوموں

میں ان کی جانب اس قسم کے واقعات عام طور پر منسوب کیے جاتے تھے۔ (قصص القرآن ص:۲۵۶)

قومِ لوط پر عذاب

جب قومِ لوط اپنے گناہوں میں حد پار کر چکی تو اللہ تعالیٰ نے ان نافرمانوں کو زمین سمیت اٹھایا اور آسمان تک لے جا کر الٹا کر دیا۔

تفسیری روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس پوری بستی کو۔ جو پانچ یا سات شہروں پر مشتمل تھی، جس کا مرکزی شہر ''سدوم'' تھا۔ اپنی انگلی کے ایک پوروے پر اٹھایا اور اتنا اونچا لے گئے کہ پہلی آسمان کے ملائکہ نے صبح کے وقت کے مرغوں کی آواز سنی، پھر وہاں سے الٹ دیا جس سے اس کی پوری آبادی زمین میں دب گئی اور اندر کا پانی اوپر آ گیا اور ایک سمندر کی شکل اختیار کر گیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ﴿۸۳﴾

ترجمہ: پھر جب ہمارے (عذاب کا) حکم آ گیا تو ہم نے اس (زمین کو پلٹ کر) اس کے اوپر والے حصے کو نیچے والا حصہ کر دیا اور ہم نے اس (بستی) پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر مسلسل برسائے ﴿۸۲﴾ تمھارے رب کی طرف سے اس پر (خاص) نشان لگے ہوئے تھے اور وہ (بستیاں مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں ہیں۔

بحرِ میت کی طرف

ہم وہاں سے روانہ ہوئے، کافی دیر چلنے کے بعد ہماری گاڑی نیچے کی طرف

اترنا شروع ہوئی، جوں جوں ہماری گاڑی نیچے اتر رہی تھی کان اسی طرح سن ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہوائی جہاز کے اترتے وقت کان کی حالت ہوتی ہے۔

خیر! گاڑی آہستہ آہستہ نیچے اتری اور اس طرح کافی لمبا سفر کر کے ہم بحرِ میت پہنچے؛ مگر چوں کہ راستہ بہت اچھا اور کشادہ تھا؛ اس لیے سفر جلدی طے ہو گیا۔

افسوس! عذاب کی جگہ تفریح گاہ

ہم وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں! سینکڑوں لوگ وہاں تفریح کے لیے آئے ہوئے ہیں، اور اس بحر میت میں نہا کر لطف اندوز ہوتے ہیں، افسوس کا مقام ہے کہ اس عذاب والی جگہ کو بھی لوگوں نے تفریح گاہ بنا رکھا ہے، لوگ بحرِ میت کے کیچڑ کو اپنے بدن پر مَل کر کافی دیر تک دھوپ میں بیٹھتے ہیں اور پھر بحرِ میت سے غسل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: بہت سی بیماریوں سے شفا کا ذریعہ ہے۔

وہاں عالی شان سیون اسٹار ہوٹل اور سوئمنگ پل بنے ہوئے ہیں اور اب تو بحرِ میت کے کیچڑ سے بنے ہوئے صابون، مختلف قسم کی کریمیں دنیا کے بہت سے ملکوں کی بڑی بڑی دکانوں میں امتیازی طور پر اونچی قیمتوں میں بکتی ہے۔

افسوس! عبرت کے سامان کو لوگوں نے سامانِ عیش بنالیا، جب کہ قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نزولِ عذاب والی جگہوں سے جب گزر و تو استغفار کی کثرت کے ساتھ جلدی سے گزر جاؤ۔

مجرموں کے نام لکھے ہوئے پتھر

ہم نے دیکھا کہ وہاں ساحل پر گول گول پتھر بہت ہیں، بتایا جاتا ہے کہ: یہ

وہی پتھر ہیں جن کا قرآن میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نافرمان قوم پر پتھروں کی بارش برسائی تھی:

وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ۙ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِىَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ بِبَعِيۡدٍ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور ہم نے اس (بستی) پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر مسلسل برسائے ﴿۸۲﴾ تمھارے رب کی طرف سے اس پر (خاص) نشان لگے ہوئے تھے اور وہ (بستیاں مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں ہیں ﴿۸۳﴾

اس پتھر پر نام بھی لکھا رہتا تھا کہ فلان پتھر فلاں ظالم کو اور فلاں پتھر فلاں نافرمان کو لگے گا، وہ پتھر بھی آج تک موجود ہے۔

آج بھی عذاب کے اثرات

خیر! بحرمیت کا منظر کچھ عجیب سا لگتا ہے، آس پاس کے پہاڑ بھی کافی ڈراونے لگتے ہیں، وہاں دل نہیں لگتا، یوں کہہ لیجیے کہ عذابِ خداوندی کے اثرات آج تک اس سرزمین پر محسوس ہوتے ہیں، نیز اس پانی میں مینڈک، مچھلی، کیڑے وغیرہ کچھ زندہ نہیں رہ سکتے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار کی طرف

بحرِ میت سے فراغت کے بعد اب ہماری اگلی منزل حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار تھی، اور وہ مزار "ایکہ" (مدین) کی وادی میں ہے جس کا ذکر قرآن مین ہے:

وَاِنۡ كَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ لَظٰلِمِيۡنَ ﴿۷۸﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ ۘ وَاِنَّهُمَا

لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴿۷۹﴾

ترجمہ:اور پکی بات یہ ہے کہ ''اَیْکَۃ'' والے بھی بڑے ظالم تھے ﴿۷۸﴾ ہم نے ان سے بھی انتقام لیا، یہ دونوں (حضرت لوطؑ اور ایکہ والوں کی) بستیاں کھلے عام راستے پر ہیں ﴿۷۹﴾

''ایکہ'' کہتے ہیں گھنے جنگلوں کو، اردو میں ''بن'' کہتے ہیں۔ وہ پورا علاقہ آج تک جوں کا توں موجود ہے اور ایکہ کے جنگل میں ایک مسجد میں حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار بتایا جاتا ہے۔

مدین اور اصحابِ ایکہ ایک ہیں یا الگ الگ؟

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ''مدین'' اور ''اصحابِ ایکہ'' ایک ہی قبیلے کے دو نام ہیں یا دو جدا جدا قبیلے ہیں؟

بعض کا خیال ہے کہ دونوں جدا جدا قبیلے ہیں، مدین متمدن اور شہری قبیلہ تھا اور ''اصحابِ ایکہ'' دیہاتی اور بدوی قبیلہ جو جنگل اور بن میں آباد تھا؛ اس لیے اس کو ''بن والا'' یا ''جنگل والا'' کہا گیا اور آیت ''انھما لبامام مبین'' میں ''ھما'' ضمیر تثنیہ سے یہی دونوں مراد ہیں۔

بعض مفسرین دونوں کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: آب و ہوا کی لطافت، نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس مقام کو اس قدر شاداب اور پر فضا بنا دیا تھا اور یہاں میووں، پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے اس قدر باغات اور چمن تھے کہ اگر ایک شخص آبادی سے باہر کھڑے ہو کر نظارہ کرتا تھا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ نہایت

خوب صورت اور شاداب گھنے درختوں کا ایک جھنڈ ہے، اسی وجہ سے قرآنِ عزیز نے اس کو ''ایکہ'' کہہ کر تعارف کرایا۔

ان مفسرین میں سے حافظ عماد الدین ابن کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہاں ''ایکہ'' نامی ایک درخت تھا، اہلِ قبیلہ چوں کہ اس کی پرستش کرتے تھے؛ لہذا اس کی نسبت سے مدین کو ''اصحابِ ایکہ'' کہا گیا۔

نیز چوں کہ یہ نسبت نسبی نہ تھی؛ بلکہ مذہبی تھی؛ اس لیے جن آیات میں ان کو اس لقب سے یاد کیا گیا ہے ان میں حضرت شعیب علیہ السلام کو "اخوھم" ان کا بھائی یا اسی قسم کے نسبی علاقے سے یاد نہیں کیا۔

البتہ جن آیات میں قومِ شعیب کو مدین کہہ کر یاد کیا گیا ہے، ان میں حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی ان کے نسبی رشتے میں منسلک ظاہر کیا ہے۔

بہر حال! راجح یہی ہے کہ مدین اور اصحابِ ایکہ ایک ہی قبیلہ ہے جو باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور زمین کی طبعی اور جغرافی حیثیت سے ''اصحابِ ایکہ'' کے لقب سے مشہور ہوا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر

میں نے ابھی اوپر یہ بات ذکر کی کہ ایکہ کی ایک مسجد میں حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار بتایا جاتا ہے۔ جس کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔

اس لیے کہ اس سلسلے میں دوسری رائے یہ ہے کہ: ''حضر موت'' میں ایک قبر ہے جو زیارت گاہِ عوام وخواص ہے، وہاں کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ شعیب علیہ السلام

کی قبر ہے، حضرت شعیب علیہ السلام مدین والوں کی ہلاکت کے بعد یہاں بس گئے تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔

''حضر موت'' کے مشہور شہر ''شیون'' کے مغربی جانب میں ایک مقام ہے جس کو ''شبام'' کہتے ہیں، اس جگہ اگر کوئی مسافر وادی ابن علی کی راہ ہوتا ہوا شمال کی جانب چلے تو وادی کے بعد وہ جگہ آتی ہے جہاں یہ قبر ہے، یہاں مطلق کوئی آبادی نہیں ہے اور جو شخص بھی یہاں آتا ہے صرف زیارت ہی کے لیے آتا ہے۔

عبدالوہاب نجار کہتے ہیں کہ: مجھے اس قبر کے متعلق شک ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر ہے؛ لیکن انھوں نے اس شک کے لیے کوئی وجہ نہیں بیان فرمائی۔

مدین

اسی ایکہ کے ایک طرف مدین ہے۔

ہم وہاں پہنچے تو میں نے ساتھیوں سے بتایا کہ: دیکھو! بعض تفسیری روایتوں کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام وہ ہیں جن کی بیٹی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا تھا؛ اگرچہ بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کوئی اور شیخِ مدین ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کون ہیں؟

قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مدین کے شیخ کے بارے میں جو واقعات بیان کیے ہیں ان میں کسی ایک جگہ بھی اس شیخ کا نام نہیں بتایا؛ اس لیے تاریخی حیثیت سے شیخِ مدین کے نام میں مؤرخین ومفسرین کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، جو مندرجۂ ذیل ہیں:

① مفسرین، اصحابِ سیر اور ادبائے عرب کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔

یہ قول بہت مشہور اور شائع ذائع ہے، مشہور مفسر امام جریر طبریؒ نے حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مدین کے شیخ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ابن ابی حاتم نے سلسلۂ سند کے ساتھ حضرت مالک بن انسؒ سے روایت نقل کی ہے کہ: ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ صاحبِ موسیٰ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ (ابن کثیر ص: ۲۴۸، ج:۷)

② ایک جماعت کہتی ہے: شیخ کا نام ''یثرون'' تھا اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔

طبری نے سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجیر بنایا وہ شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ یثرون تھا۔ (ابن جریر ج:۱، ص:۲۰۶)

③ بعض کہتے ہیں کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کا نام ''یثری'' تھا۔

طبری نے سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجیر رکھنے والا مدین کا شیخ ''یثری'' نامی تھا اور اسی روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں ''عورت کے والد کا نام ''یثری'' تھا''؛ مگر یثری والی روایت میں یہ نہیں کہا گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ تھا (تفسیر ابن کثیر جلد ۷ ص ۲۴۸)

④ بعض علما یہ فرماتے ہیں کہ: یہ ''شیخ'' حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ایک مردِ مؤمن تھا۔

⑤ ایک جماعت کا گمان ہے کہ: حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے کا زمانہ ہے جس کے درمیان صدیاں ہیں، قرآن کہتا ہے کہ: حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: اور اے میری قوم! میرے ساتھ جو تم کو مخالفت (ضد) ہے وہ تم کو ایسے (برے کاموں کی طرف نہ لے جاوے) جس کے نتیجے میں تم پر بھی اسی طرح کی مصیبت آ پڑے جیسی نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر آ پڑی تھی اور لوط کی قوم (کا زمانہ اور علاقہ) تم سے زیادہ دور (بھی) نہیں ہے ﴿۸۹﴾

ظاہر ہے کہ قومِ لوط کی ہلاکت کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ہے اور ان کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے درمیانی مدت چار سو (400) سال سے بھی زیادہ ہے اور جن لوگوں نے اس مدت کو قریب کر دینے کے لیے کہا کہ: حضرت شعیب علیہ السلام کی عمر غیر معمولی طور پر طویل ہوئی تو یہ دعوی بلا دلیل ہے۔ (ابن کثیر: ۷/ ۲۴۸)

اس قول کی تائید کے لیے یہ دلیل بھی قوت رکھتی ہے کہ: اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر حضرت شعیب علیہ السلام ہوتے تو قرآن ضرور ان کے نام کی تصریح کرتا اور اس طرح مجمل اور مبہم نہ چھوڑتا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۷/ ۲۴۸)

اِن مختلف پانچ اقوال کے نقل کے بعد ہمارے نزدیک راجح اور صحیح مسلک وہی معلوم ہوتا ہے جو ابن جریر اور ابن کثیر جیسے جلیل القدر محدثین و مفسرین نے اختیار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: نام کی تصریح کے بارے میں کوئی روایت صحت کو نہیں پہنچتی

اور جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ قابلِ احتجاج نہیں ہیں؛ اس لیے جس طرح تصریح کیے بغیر قرآن نے ان کا ذکر کیا ہے اسی طرح ہم بھی ان کے نام کی تصریح کو خدا کے علم کے حوالے کر دیں۔

مدین جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال گذارے

بہر حال: یہی وہ مدین ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام دس سال گزارے، یہ جگہ اس وقت سعودی عرب کے شہر تبوک کے مغرب میں واقع ہے۔ جس جگہ بنی مدیان (قوم شعیب) آباد تھے وہ جگہ آج کل ''البدع'' کے نام سے مشہور ہے؛ اگر چہ ''مدین'' کی تعیین میں اور بھی اقوال ہیں۔

قرآن میں مدین کا ذکر

قرآن میں مدین کا ذکر دو سبب سے آتا ہے: اول حضرت شعیب علیہ السلام اور دوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق کی حسبِ ذیل آیتیں ہیں:

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۥ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝۴۰ (طه)

ترجمہ: پھر تم (کئی) سال مدین والوں میں رہے، پھر تم اے موسیٰ! مقدر سے (یعنی تقدیر کے فیصلے کے مطابق یہاں) آئے ﴿۴۰﴾

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاۗءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝۲۲ وَلَمَّا وَرَدَ مَاۗءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ. (القصص: ۲۳)

ترجمہ: اور جب ان (موسیٰ) نے مدین کی جانب رخ کیا تو (موسیٰ علیہ السلام نے

دعا میں) کہا: امید ہے کہ میرے رب مجھے سیدھے راستے پر لے جاویں گے ﴿۲۲﴾ اور جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) مدین کے کنویں پر پہنچے تو لوگوں کے ایک مجمع کو دیکھا کہ (کنویں سے پانی کھینچ کر اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں۔

چنانچہ یہ پورا علاقہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال قیام فرمایا تھا جس کا کچھ حصہ ہم نے دیکھا، جس جگہ وہ کنواں ہے وہ اسرائیل کے قبضے والے علاقے میں بتایا جاتا ہے اور نشیبی جگہ میں ہے، اس وقت تو اُتر کر جانے میں بھی ڈر لگتا ہے، جب ہم نے یہ سنا تو ہم سوچنے لگے: کیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہاں پہنچ کر لڑکیوں کو پانی پلایا ہوگا؟ اس سلسلے میں مفصل واقعے کے لیے بندے کی کتاب خطباتِ محمود: حصہ اول ملاحظہ فرمائیے۔

بہر حال! حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار اور اطراف کی زیارت سے فارغ ہوئے تو رات ہوچکی تھی، آرام کا شدید تقاضہ تھا اور آئندہ کل فلسطین جانا تھا جو اس سفر کا اہم مقصد تھا، چنانچہ ہم اپنی قیام گاہ پر پہنچے، اس طرح دوسرے دن کی زیارت کا سلسلہ بھی اللہ کے فضل سے عافیت کے ساتھ پورا ہوا۔

فلسطین

اب میں سفر کے تیسرے دن کی کارگزاری شروع کرتا ہوں؛ مگر اس سے پہلے فلسطین اور اس کے ساتھ وابستہ ہماری داستان کا تذکرہ مناسب سمجھتا ہوں۔

فلسطین کا علاقہ وہ ہے جس کو قرآنِ کریم میں ارضِ مقدسہ، ارضِ مبارکہ وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔

فلسطین کا قضیہ

فلسطین روئے زمین کا وہ ٹکڑا ہے جو تاریخی، جغرافیائی اور مذہبی ہر اعتبار سے تاریخ ساز اہمیت کا حامل ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے مادّی اور روحانی برکات سے مالا مال فرمایا ہے، کئی جلیل القدر انبیا علیہم السلام اس سرزمین میں مبعوث ہوئے، اپنی جغرافیائی اہمیت کے پیشِ نظر تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف فاتحین کی جنگ آزمائی کا میدان بھی رہا۔

یہاں کی سرزمین نے زمانے کے اتنے اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں جو کم ہی کہیں اور دیکھنے میں آئے ہوں گے۔

مشہور ہے کہ یہ قدیم دور سے انسانی تہذیب کا مرکز ہے۔ جب یہاں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی تو یہ بنی اسرائیل کے عروج کا زمانہ تھا، ان برگزیدہ انبیا علیہم السلام کے بعد یہودیوں کی نافرمانیوں کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف فاتحین کو مسلط کیا جنھوں نے ان کو عبرتناک طریقے سے قتل کیا، غلام بنایا اور باقی ماندہ کو یہاں سے جلاوطن کر دیا، کسی قوم کی ایسی اجتماعی رسوائی اور وطن سے محرومی کم ہی دیکھنے میں آئی ہے۔

قرآنِ مجید کے مطابق یہ درحقیقت عذابِ الٰہی تھا جو اس کم فطرت قوم کی شرارتوں پر ان پر بھیجا گیا تھا۔

عراق، فارس اور روم کے بادشاہ یہودیوں کی بداعمالی کی سزا کے طور پر ان کو تاراج کرتے رہے؛ مگر زیادہ مشہور بخت نصر کے حملے ہیں۔ (اقصیٰ کے آنسو، ص: ۴۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت یہودیوں کے لیے آخری تنبیہ اور آسمانی حجت تھی؛

مگر یہودی قوم نے ان کے ساتھ کافی بدسلوکی کی جس کی وجہ سے طویل رسوائی اور بربادی ان کا مقدر بن گئی اور ان پر ذلت کی مہر ثبت ہوگئی۔

اُس وقت سے آج تک یہ دنیا میں مارے مارے پھرتے تھے، زمین کا کوئی ٹکڑا ان کو پناہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا، ان کے مختلف قبائل دنیا کے مختلف حصوں میں بکھر گئے؛ لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے پھٹکار کے باعث انھیں کوئی جگہ راس نہ آتی تھی اور یہ اپنی بدفطرتی کے سبب دنیا کی مختلف قوموں سے مار کھاتے، ذلت اٹھاتے اور عبرت کا نشان بنتے رہے؛ تا آں کہ گذشتہ صدی میں یہ سانحہ پیش آیا کہ: یہ مغضوب علیہم قوم کئی صدیوں بعد اپنے لیے ایک مملکت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

مسلمانوں کے لیے اس میں رنج اور غصہ کی بات یہ ہے کہ یہودی ریاست کے لیے مسلم ممالک کی سرزمین چنی گئی اور ہنستے بستے مسلمانوں کو بے دخل کرکے وہاں دنیا بھر کے یہودیوں کو لا بسایا گیا، اس غرض کے لیے عالمی طاقتوں کے تعاون سے بدنیتی، بددیانتی اور دھوکہ، فریب پر مشتمل ایسی چالیں چلی گئیں جن کے تذکرے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ (ایضاص: ۴۷)

فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ کس طرح ہوا؟

ارضِ مقدس "فلسطین" یہودیوں کے تسلط میں کس طرح چلی گئی؟

اس دردناک داستان کی تفصیل کچھ یوں ہے: مسلمانوں نے جب ۱۶ھ مطابق ۶۳۶ء میں انجیل کی پیش گوئی کے مطابق فلسطین فتح کرلیا تو اس کے بعد یہ طویل عرصے تک مسلمانوں کے پاس رہا اور انھوں نے یہاں شان دار علمی وتہذیبی ورثہ چھوڑا۔

بارھویں صدی عیسوی میں اہلِ یورپ نے اسے مسلمانوں سے چھیننے کے لیے مشہور صلیبی جنگیں لڑیں اور ایک مرتبہ وہ کامیاب بھی ہو گئے؛ مگر فرزندِ اسلام سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے انھیں زبردست معرکہ آرائی کے بعد یہاں سے نکال باہر کیا اور انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کی یہ وراثت مسلمانوں کے پاس رہی۔

فلسطین ترکوں کی عمل داری میں

۱۲۲۲ھ مطابق ۱۵۱۶ء میں فلسطین ترکوں کی عمل داری میں آ گیا اور پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے تک سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ رہا، سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے دنوں میں صہیونی لیڈروں کا ایک اجلاس ہوا، آخری عثمانی خلیفہ سلطان عبدالمجید خان تھے، یہودیوں نے فلسطین پر ان کی کمزور پڑتی گرفت کے سبب مذکورہ بالا اجلاس میں طے کر لیا تھا کہ فلسطین میں صہیونی ریاست تشکیل دینی ہے؛ اس لیے انھوں پہلے مال و دولت کے ذریعے اپنا کام نکالنے کی کوشش کی۔

سلطنتِ عثمانیہ غیر ضروری اخراجات کے سبب مقروض ہو چکی تھی، یہودیوں نے سلطان کو پیش کش کی کہ اگر وہ فلسطین کا علاقہ ان کے حوالے کر دیں تو وہ نہ صرف یہ کہ سلطنت پر چڑھا ہوا سارا قرض چکا دیں گے؛ بلکہ اس کے علاوہ بھی کثیر مقدار میں سونا پیش کریں گے۔

سلطنتِ عثمانیہ کی حمیت و غیرتِ ایمانی: تاریخی جواب

عثمانی سلطان کیسے ہی سہی؛ مگر ان کی رگوں میں فاتحین کا خون دوڑ رہا تھا، انھوں نے اپنے پاؤں کے ناخن سے مٹی کھرچی اور یہودیوں کو جواب دیتے ہوئے یہ

تاریخی الفاظ کہے:

اگر تم اپنا سارا مال و دولت لاکر میرے قدموں میں ڈھیر کردو تب بھی میں فلسطین کی اتنی مٹی بھی نہ دوں گا۔ یعنی ایک کلومیٹر کا رقبہ تو کیا ایک ایک مٹھی مٹی بھی نہ دوں گا۔

یہودیوں کا انگریزوں سے معاہدہ

یہودیوں نے مایوس ہوکر کسی عالمی طاقت کو اپنا ہمنوا بناکر اس کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش شروع کی، قرآنِ کریم کی پیش گوئی ہے کہ یہودی کسی طاقت کا سہارا ضرور ڈھونڈتے ہیں، محض اپنے زورِ بازو پر کچھ کرنے کے قابل نہیں۔

اس زمانے میں پہلی جنگ عظیم جاری تھی، امریکہ اور برطانیہ اتحادی طاقتوں کے سربراہ تھے، برطانیہ کو مختلف محاذوں پر جنگ کا سامنا ہونے کی وجہ سے سرمائے کی شدید ضرورت تھی، یہودیوں نے برطانیہ کی مدد کے لیے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیے اور اس کے عوض انگریزوں سے وعدہ لیا کہ جنگ میں کامیابی کے بعد فلسطین کی حدود میں یہودی ریاست کے قیام میں مدد دی جائے گی۔

انگریز کی طرف سے یہودی ریاست کی تشکیل کا اعلان

جنگ کے اختتام پر جب انگریزوں کو فتح ہوئی تو یہودیوں کی دیرینہ مراد بر آئی۔ ۲ر نومبر ۱۹۱۷ء کو برطانیہ کے وزیرِ خارجہ مسٹر بالفور (balfor) نے برطانیہ میں مقیم یہودیوں کی فیڈریشن کے چیئرمین لارڈ شیلڈ کے نام ایک خط روانہ کیا جس میں صہیونی ریاست کی تشکیل کا ذمہ لیتے ہوئے کہا گیا تھا:

ہر میجسٹی حکومت فلسطین میں یہودی عوام کے لیے ایک قومی وطن کے قیام کو

پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اس مقصد کو آسان بنانے کے لیے اپنی بہترین کوششیں صرف کرے گی۔

قصہ مختصر! جنگِ عظیم میں اتحادیوں کی کامیابی کے بعد انگریز ۱۹۱۷ء میں ''جنرل ایلن بی'' کی قیادت میں فلسطین میں داخل ہوگئے اور ۹ ردسمبر ۱۹۱۷ء کو انھوں نے فلسطین پر قبضہ کرلیا، ترکی اور جرمن فوجیں شام کی طرف ہٹ گئیں اور اس دن سے فلسطین کی حکومت انگریزوں کے پاس آگئی۔ (ایضاص:۷۶)

انگریز نے صرف اس وعدہ خلافی اور دغابازی پر بس نہیں کی؛ بلکہ اپنی نگرانی میں صہیونی مقاصد کی تکمیل کا عمل زور وشور سے جاری رکھا، اس کے لیے اس نے دو باتوں پر زور دیا:

① ایک تو یہ کہ اسرائیل کو آبادی اور وسائل کے لحاظ سے مضبوط کیا جائے۔

مسلمانوں سے زمینیں خریدنے میں پانی کی طرح پیسہ بہانا

② یہودی چوں کہ فلسطین میں نہایت قلیل تعداد میں تھے؛ اس لیے غیر محسوس طور پر منصوبہ شروع کیا گیا کہ فلسطینی مسلمانوں کے مکانات اور جائدادیں خریدی جائیں اور دنیا بھر سے یہودیوں کو لاکر یہاں بسایا جائے، اس غرض کے لیے یہودیوں کی تنظیمیں اور سرمایہ دار یہودی سرگرم ہوگئے اور فلسطینی مسلمانوں کی جائدادیں خریدنے کے لیے پانی کی طرح پیسہ بہایا گیا۔

مقامی علما کی مخالفت اور دیگر ممالک کے علما سے فتویٰ طلب کرنا

مقامی علمائے کرام نے اس کی سختی سے مخالفت کی اور مسلم عوام کو منع کیا کہ:

یہودیوں کے ہاتھوں مکانات اور زمینیں ہرگز فروخت نہ کریں، اس غرض کے لیے انھوں نے ساری دنیا کے سربرآوردہ علمائے کرام ومفتیان حضرات سے فتاویٰ طلب کیے، ان سب حضرات نے اس امر کو ناجائز اور حرام بتلایا۔

اس سلسلے کا ایک فتویٰ برِ صغیر کی مشہور علمی اور روحانی شخصیت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے بھی لیا گیا، آپؒ نے بھی عدمِ جواز کا فتوی دیا، اصل فتویٰ عربی میں ہے جس کا اردو ترجمہ امداد الفتاویٰ میں موجود ہے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عالمِ اسلام میں علمائے دیوبند کا کیا مقام تھا کہ حضرت تھانویؒ سے بھی فتویٰ طلب کیا گیا۔

مگر افسوس اس وقت کچھ تو عوام کی غفلت تھی، کچھ مسلمانوں کا غربت وافلاس اور کچھ یہودیوں کی مکاری کہ علمائے کرام کے سختی سے منع کرنے کے باوجود مقامی آبادی سے زمینیں خرید خرید کر یہود اپنے پاؤں جماتے گئے اور دھیرے دھیرے انبیا علیہم السلام کی اس مقدس سرزمین میں روس، یورپ اور افریقہ سے آئے ہوئے یہودی آباد ہوتے گئے۔

خیر! تیسرے دن یعنی ۱۴ تاریخ سنیچر کو ہمیں فلسطین جانا تھا اور فلسطین جانے کے لیے اسرائیل کے بارڈر کو پار کرنا تھا؛ چنانچہ آج پھر ہم صبح سویرے نکل پڑے۔

جورڈن کی موجودہ دینی حالت اور اس تبدیلی کی اہم وجہ

ہمارے گائڈ بہت دین دار آدمی تھے اور اس دن وہ ۱۵؍شعبان کا روزہ رکھے ہوئے تھے، راستے میں میں نے ان سے ایک سوال کیا کہ:

ہمارے اس سفر سے ٹھیک دس سال پہلے حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب مدظلہ یہاں تشریف لائے تھے، انھوں نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ جورڈن کے مسلمانوں میں بہت دین داری ہے، مردوں میں ڈاڑھی کا عام رواج ہے، عورتوں میں برقعے اور پردے کا عام چلن ہے، مسجدیں مصلیوں سے بھری رہتی ہیں؛ لیکن ہمیں تو کچھ نظر نہیں آرہا ہے، کیا بات ہے؟

یہاں نہ تو پردہ ہے، نہ ڈاڑھی؛ بلکہ مغربی تہذیب (Western Culture) ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

گائڈ صاحب نے تھوڑا سوچا، پھر فرمایا: شیخ! مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے صحیح لکھا ہے، پہلے یہ سب تھا؛ مگر جس دن سے ہمارے ملک میں موبائل اور انٹرنیٹ آیا ان دونوں چیزوں نے ہمارے ملک سے دین داری کو ختم کر دیا، غرض یہ کہ انٹرنیٹ اور موبائل کے غلط استعمال نے ہمارے یہاں کی دین داری کو مجروح کر دیا ہے، یہ دو بڑے فتنے ہیں جنھوں نے آکر ہماری عورتوں کو بے پردہ اور ہمارے مردوں کو بے نمازی کر دیا ہے۔

ایک دردبھری اپیل: خدارا موبائل اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال سے اپنے آپ کو بچایئے!

موقع کی مناسبت سے ایک بار پھر میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے عموماً اور میرے نوجوان دوستوں اور ساتھیوں سے خصوصاً عرض کروں گا کہ ماحول اور معاشرے کو خراب کرنے اور بے حیائی کو عام کرنے میں موبائل اور انٹرنیٹ نے جو کردار اور

رول ادا کیا اور کررہے ہیں اس سے بڑا کردار کسی کا نہیں ہے، اچھے اچھے لوگ بڑے متقی پرہیز گار تھے، پکے نمازی تھے؛لیکن جب ان کے ہاتھ میں موبائل آیا تو شروع شروع میں تو ان کی نیتوں میں کسی قسم کی خرابی نہ تھی، اس کا استعمال بھی صحیح نہج پر ہورہا تھا؛ مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا موبائل نے ان کے دلوں پر قبضہ جمانا شروع کیا اور فکری غفلت میں مبتلا ہونا شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ تلاوتِ قرآن، نماز وغیرہ سب ہی چھوٹ گئے۔

ہر وقت فلمی گانوں، بلیو فلم، اور فاحش تصویریں اور کچھ نہیں تو گیم کھیلنے میں گھنٹوں اپنا قیمتی وقت ضائع اور برباد کردیتے ہیں، یہ برا کام تو تھا ہی، باطل نے اس میں بھی ملمع سازی کر کے گیم بھی جوئے والی بنا کر کریلا اور نیم چڑھا کا مصداق بنا دیا اور ان چیزوں میں ہمارا جوان اتنا مشغول ہوا کہ یہی چیزیں ہر وقت دماغ میں گردش کرتی رہتی ہیں اور دین کی کوئی بات دل و دماغ میں اترتی ہی نہیں۔

بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ العیاذ باللہ! آدمی ایمان جیسی قیمتی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے؛ اس لیے سب مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ خدارا موبائل کے غلط استعمال سے بچو اور ہر وقت اپنا محاسبہ بھی کرتے رہو کہ کہیں ان چیزوں میں مشغول ہو کر ہم اپنا دین تو برباد نہیں کررہے ہیں، ساتھ میں ہر وقت اللہ سے دعا کرتے رہو کہ اللہ موبائل اور انٹرنیٹ کے فتنے سے ہماری حفاظت فرمائیں۔

بہر حال! ہم اردن سے نکل کر فلسطین کی سرحد میں داخل ہورہے تھے، درمیان میں ایک پل ہے جو اردن اور فلسطین کے لیے حدِ فاصل ہے اور نہر اردن پر بندھا ہوا ہے، نہر کو اردو میں دریا بھی کہہ دیتے ہیں۔

نہرِ اُردن

نہرِ اردن ۱۰ یا ۱۲ فٹ چوڑی اور لمبائی میں ۳۱۹ کلومیٹر کی علاقے میں پھیلی ہوئی ہے، اس کا کچھ حصہ کنعان اور کچھ حصہ فلسطین اور سوریا میں ہے، یہ وہی مبارک نہر ہے جس کا ذکر قرآنِ مجید میں تین جگہ آیا ہے:

① سورۂ آلِ عمران میں جہاں حضرت طالوت کے عمالقہ کے ساتھ جہاد کا واقعہ بیان ہوا ہے:

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ ۚ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ (البقرۃ)

ترجمہ: پھر جب طالوت لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے تو اس (طالوت) نے (لشکر والوں سے) کہا کہ: یقیناً اللہ تعالیٰ ایک دریا کے ذریعے تمھارا امتحان لینے والے ہیں، سو جو شخص بھی اس (دریا) سے (پانی) پیے گا تو وہ میرے (ساتھیوں) میں سے نہیں ہے اور جو اس (پانی) کو چکھے گا بھی نہیں تو وہ میرا (یعنی میری جماعت کا آدمی) ہے، ہاں! جو اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر کے پی لیوے (تو اتنی اجازت ہے) پھر (ایسا ہوا کہ) ان میں کے چند آدمیوں کے سوا باقی سب نے اس (دریا) سے (خوب) پانی پیا۔

اس میں جس ندی کا ذکر ہے وہ بہت سارے مفسرین کے نزدیک نہرِ اردن ہی ہے، جسے ہم عبور کر رہے تھے۔

② دوسری جگہ قرآن میں اس ندی کا ذکر سورۂ روم میں ہے:

الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ③ (الروم)

ترجمہ: الم ﴿۱﴾ (حجاز کے) قریب کے ملک میں رومی لوگ ہار گئے ﴿۲﴾ اور وہ (اس) ہار جانے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے ﴿۳﴾

اس جگہ بھی بعض مفسرین حضرات نے صراحت کی ہے کہ ”أدْنَى الأَرض“ سے مراد یہی نہرِ اردن کا کنارہ ہے۔

تفسیر پڑھاتے وقت جب اس آیت کا ذکر آتا تو ہم سمجھتے تھے یہ کوئی بہت بڑی ندی ہوگی جس کا ذکر قرآن میں ہے؛ لیکن آج معلوم ہوا کہ یہ تو بہت چھوٹی ہے؛ مگر کتنی متبرک ہے!

③ اس ندی کا تیسرا تذکرہ قرآن میں اس جگہ ہے جہاں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ ذکر ہے کہ ان کی پرورش کے بارے میں مسجدِ اقصیٰ اور بیت المقدس کے علما کا آپس میں اختلاف ہوا کہ کون مریم کی پرورش کرے؟

انھوں نے اپنا قلم ندی میں ڈال کر قرعہ اندازی کی کہ جس کا قلم ندی میں الٹی سمت میں بہے گا یا پانی پر تیرتا رہے نہ ڈوبے وہی پرورش کا ذمے دار بنے گا، چنانچہ انھوں نے اسی ندی میں اپنے قلم۔ جو تانبے کے تھے اور اس سے وہ تورات لکھتے تھے۔ ڈال کر قرعہ اندازی کی تھی:

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۞ (آل عمران)

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کے پاس (اس وقت) موجود نہیں تھے جب وہ (بیت المقدس کے اس دور کے علما) اپنے قلموں کو (دریا میں) ڈال رہے تھے، (اپنی اس بات کو طے کرنے کے لیے) کہ ان سب میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا اور تم اس وقت بھی ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ (اس پرورش کے معاملے میں) آپس میں (قلم کے ذریعہ قرعہ ڈالنے سے پہلے) بحث کر رہے تھے ﴿۴۴﴾

میں نے گائڈ سے کہا کہ: ہمیں اس ندی کا پانی پینا ہے، اس کا ذکر تو قرآنِ مجید میں آیا ہے۔

اس نے کہا: اسرائیل کے سیکوریٹی والے آپ کو نیچے اترنے نہیں دیں گے، البتہ! میں گاڑی رُکوا دیتا ہوں، آپ اندر بیٹھے بیٹھے اس کی زیارت کرلیں، ہاں! آگے ایک موقع آئے گا جہاں آپ اس ندی کو اطمینان سے دیکھ بھی سکیں گے اور اس کا پانی بھی پی سکیں گے۔

بہرحال! ہم اس مبارک ندی کی زیارت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔

دریائے اُردن کی وادی مختلف اقوام اور تہذیبوں کا گہوارہ رہی ہے، اسی کے کنارے پر سینکڑوں انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے، اس کے مغربی کنارے سے فلسطین کا علاقہ شروع ہوتا ہے جسے قرآنِ کریم نے ارضِ مقدسہ، ارضِ مبارکہ وغیرہ ناموں سے تعبیر فرمایا ہے۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

جہاں سے فلسطین شروع ہوتا ہے وہیں اسرائیل کی حکومت کی جانب سے

بارڈر سیکوریٹی فورس اور آرمی متعین ہے اور وہی لوگ کسٹم امیگریشن بھی کرتے ہیں، چیکنگ بھی وہی لوگ کرتے ہیں، ہمیں ساتھیوں نے بتایا تھا کہ: بہت سخت چیکنگ ہوتی ہے اور بہت مشکل امیگریشن ہوتا ہے؛ لیکن خدا کے فضل سے ایسی مدد آئی کہ ساتھی حیران رہ گئے، بہت آسانی سے ساری کارروائی مکمل ہوگئی، الحمدللہ! اس وقت ہمارے ترانۂ ہندی کا مصرعہ ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' بھی خوب یاد آیا۔

بات یہ ہوئی کہ جب امیگریشن کرنے والی یہودی لڑکی نے میرے پاسپورٹ کو دیکھا کہ یہ انڈیا کا ہے تو وہ ہمیں مانوس کرنے کے لیے کہنے لگی: نمستے نمستے، انڈیا انڈیا؟

میں نے بھی کہا: YES I AM FROM INDIA، اس نے خوشی خوشی ہماری کارروائی پوری کی اور ایک بیگ بھی نہیں کھلوائی۔

جب ہم بارڈر پار کر کے حدودِ فلسطین میں داخل ہوئے تو ٹور آپریٹر کی جو گاڑی ہمیں لینے آئی ہوئی تھی اس کا گائڈ۔ جو عربی شخص تھا۔ بہت خوش ہو کر ہم سے ملا اور پہلے تو اس نے عربی میں ہمیں مبارک بادی دی کہ: آپ لوگ خوش قسمت ہیں جو اتنی جلد یہاں کی کارروائیوں سے فارغ ہو گئے؛ ورنہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں آنے والے مہمانوں کے انتظار میں صبح سے شام تک بیٹھا رہتا ہوں اور کارروائی پوری نہیں ہوتی۔

بہر حال! ہم عافیت کے ساتھ آگے نکل گئے، اللہ تعالیٰ آخرت کے امیگریشن کی سختی سے بھی نجات عطا فرماویں، آمین۔

آگے نئے گائڈ صاحب آ گئے، میں نے ان سے پوچھا: پہلے کہاں جانا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ: ہمیں پہلے ''شہر اریحہ'' جانا ہے۔

میں نے کہا: واہ واہ! اریحہ کا نام سن کر ایمان تازہ ہوگیا۔

شہر اریحہ کا تعارف

اریحہ کا معنیٰ ہے ''خوشبو''، انگریزی میں اس کو ''جیریکو'' کہتے ہیں، اریحہ یہ دنیا کے قدیم شہروں میں سے ایک ہے، ۶۰۰۰ سال قبل مسیح وجود میں آیا اور پچھلے ۱۰،۰۰۰ سال سے آباد ہے۔

تاریخ کی بہت ساری باتیں اس اریحہ شہر سے وابستہ ہیں:

بعض تفسیری روایت کے مطابق حضرت الیاس علیہ السلام آسمان پر اٹھائے جانے سے قبل یہاں آئے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک چلہ یعنی چالیس دن اریحہ شہر کے ایک پہاڑ کے غار میں گذارے تھے، وہ غار ابھی بھی موجود ہے۔

حال میں جیریکو کے قریب ''سلمان کی پہاڑی'' نامی بستی دریافت ہوئی ہے، جس کے بارے میں ماہرینِ آثارِ قدیمہ کا کہنا ہے کہ: یہ دو ہزار سال پرانی بستی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بستی کو بھی ضرور دیکھا ہوگا۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے نابینا کو خدا کے حکم سے بینائی بخشی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اندھوں اور برص والوں کو تندرست اور مُردوں کو زندگی بخشنے کا ذکر قرآنِ حکیم میں موجود ہے، اللہ رب العزت قرآنِ حکیم میں فرماتے ہیں:

وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ.

ترجمہ: اور ماں کے پیٹ سے جو اندھا اور کوڑھ والا ہو اس کو تو میرے حکم سے

اچھا کردیتا تھا اور جب تو میرے حکم سے مُردوں کو (زندہ) نکالتا تھا۔(المائدۃ)

آپ ﷺ کا لعابِ دہن ہر بیماری کے لیے شفا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تین مرضوں کے ازالے کی قوت دی گئی تھی؛ مگر حضور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کا لعابِ دہن ہر مرض اور ہر بیماری کے لیے فوری شفا ہے۔

ملکِ شام کی برکت کا نظارہ

بہر حال! ہم اریحہ پہنچے، ایک فلسطینی بھائی کی دکان سے ڈھیر سارے فروٹ خریدے، یہاں پہنچ کر ملکِ شام کی برکتوں کا نظارہ شروع ہوگیا، تازہ پھل فروٹ اور خشک میوے بہت ہی بڑی مقدار میں اس دکان میں بک رہے تھے جس سے بے اختیار ذہن بار بار ''الذی بارکنا حولہ'' کی طرف منتقل ہو رہا تھا۔

میں نے ساتھیوں سے کہا: جلدی چلو! مجھے تو مسجدِ اقصیٰ پہنچنے کی بے چینی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزار

گائڈ نے کہا: پہلے ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزار کی زیارت کرنا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقریباً پانچ سو پینسٹھ (۵۶۵) سال کا فاصلہ ہے۔ (از سیرتِ خاتم الانبیا)

تقریباً ۴۰۰۰ سال قبل مصر کے شہر ''طیبہ'' میں۔ جس کا قدیم نام ''تھپس''

ہے، جسے آج کل ''الاقصر'' کہا جاتا ہے۔ پیدا ہوئے۔

آپ کا نسب یوں ہے: موسیٰ بن عمران بن قامت بن لاوی بن یعقوب بن اسحق بن ابراھیم علیہ السلام۔

چوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب حضرت یعقوب علیہ السلام سے بھی جا ملتا ہے اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے اسی لیے آپ کا شمار بنی اسرائیل میں ہوتا ہے۔

توراۃ اور تاریخی روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر پائی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام مبارک قرآن میں ایک سو چھتیس (۱۳۶) مرتبہ آیا ہے۔

مقامِ موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ شبِ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ آپ علیہ السلام لال رنگ کے ٹیلے کے پاس قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وصال سے پہلے اللہ سے دعا کی تھی کہ: مجھے بیت المقدس سے قریب کردے اگرچہ پھینکے ہوئے پتھر کے بقدر ہو۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ: اگر میں بیت المقدس کے قریب ہوتا تو تمھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا (نشان) دکھا دیتا جو ایک راستے کے کنارے پر سرخ ٹیلے کے قریب ہے۔(بخاری ، باب من احب الدفن فی

الارض المقدسة او نحوها، رقم الحديث:۱۳۳۹)

ضیاء مقدسی کہتے ہیں کہ: اریحہ میں سرخ ٹیلہ کے قریب ایک قبر ہے جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بتایا جاتا ہے، دوسرے تاریخی اقوال کے مقابلے میں یہ قول صحیح ہے؛ اس لیے کہ تیہ کے سب سے قریب وادی مقدس کا علاقہ اریحہ کی بستی ہے اور اسی جگہ وہ کثیبِ احمر (سرخ ٹیلہ) واقع ہے جس کا ذکر حدیث میں ہے (قصص:۱/۵۴۹)

واقعتاً یہاں پہنچ کر حدیث شریف کی یہ دونوں نشانیاں دیکھنے کو ملی، اور آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان مزید تازہ ہوگیا، لال لال رنگ کے ٹیلے اور راستے کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد جو سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بنوائی تھی، اسی مسجد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک ہے۔

عداوت کی وجہ سے اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا انکار

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہودیوں کی یہاں کثرت ہو؛ مگر وہ لوگ اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزار تسلیم نہیں کرتے۔

پوچھنے پر بتلایا گیا کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کی علامات بتلائی ہیں اور وہ یہاں بوجہ اتم پائی جارہی ہیں؛ مگر یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پرانی عداوت میں اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا ہی انکار کردیا، اسی وجہ سے وہ یہاں نہیں آتے۔

یہاں پہنچ کر میں نے ساتھیوں کو یاد دلایا کہ: تمھیں معلوم ہے تم کہاں ہو؟ ایسے جلیل القدر پیغمبر کے مزار پر ہو جن کا ذکر قرآنِ کریم کے ۲۸ پاروں میں آیا ہوا

ہے، پارہ چودہ (۱۴) اور انتیس (۲۹) کے علاوہ پورے قرآن میں جا بجا آپ کا تذکرہ پھیلا ہوا ہے۔

گجراتی میں بات کرنے کا فائدہ

قبر کے چاروں طرف جالیاں لگی ہوئی ہیں اور جالی کے باہر سے قبر کی زیارت بآسانی ہوسکتی ہے، عام زائرین کے لیے تو یہی دستور ہے؛ مگر یہاں بھی اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال رہا، ہوا یہ کہ انگلینڈ سے وی آئی پی (V.I.P) حضرات کا ایک گروپ زیارت کے لیے پہنچا ہوا تھا اور ان حضرات کے لیے جالی کا تالا کھولا جانا تھا، ہم لوگ آپس میں گجراتی زبان میں باتیں کر رہے تھے، میں نے اپنے تمام ساتھیوں سے پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ: ہر جگہ گجراتی زبان میں باتیں کیا کریں؛ کیوں کہ دوسری زبانوں کو سمجھنے والا ممکن ہے ہر جگہ پر کوئی نہ کوئی موجود ہو؛ لیکن گجراتی زبان ہم گجراتیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں سمجھ سکے گا۔

ہوا یہ کہ ہمیں گجراتی میں باتیں کرتا ہوا دیکھ کر انگلینڈ کے گروپ کا ایک آدمی ہمارے قریب آ کر گجراتی میں یوں گویا ہوا: તમે કઈ ના (یعنی تم کہاں کے ہو؟)۔

ہم نے ان سے پوچھا: તમે કઈ ના (یعنی تم کہاں کے ہو؟)۔

پتہ چلا کہ وہ اصلاً گجراتی تھے، ہمارا آپس میں تعارف ہو گیا تو ان حضرات نے وہاں کے ذمے داروں سے سفارش کی کہ یہ بھی ہمارے بڑے عالمِ دین ہیں اور ہم ان کو بھی اپنے ساتھ جالی کے اندر لے جائیں گے، اس طرح الحمدللہ! ہم بھی اندر گئے اور قبر مبارک سے متصل کھڑے ہو کر ایصالِ ثواب کیا، دعائیں مانگیں اور وہیں میں نے

تمام ساتھیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ قصے سنائے۔

جب اس زیارت سے فارغ ہوئے تو میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: ظہر اگرچہ کچھ تاخیر سے ہو؛ لیکن مسجدِ اقصیٰ جا کر ہی پڑھیں گے۔

”مادب“ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی تھی

یہاں سے بیت المقدس کے راستے میں ایک اور پہاڑ ہے جس کا نام ”نیبوں“ ہے، اس پہاڑ کے پاس ”مادب نامی“ گاؤں ہے، اسی گاؤں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ: مجھے بیت المقدس کے قریب دفن کرنا؛ چنانچہ لوگ ان کا جنازہ لے کر چلے اور اس مقام تک لے آئے جہاں آج وہ آرام فرما ہیں۔

ہم نے اس ”نیبوں“ پہاڑ اور ”مادب گاؤں“ کی بھی زیارت کی، پھر بیت المقدس کے لیے روانہ ہوئے۔

بیت المقدس کا تعارف

بَیْتُ الْمَقْدِسْ یا بَیْتُ الْمُقَدَّس کو ”اَلْقُدْس“ بھی کہتے ہیں، بیت المقدس“ سے مراد ”مبارک گھر“ یا ایسا گھر ہے جس کے ذریعے گناہوں سے پاک ہوا جاتا ہے۔ یہاں مسلمانوں کا قبلہ اول مسجدِ اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ واقع ہیں، اسے یورپی زبان میں یروشلم (jerusalem) اور عبرانی میں ”شلیم“ کہتے ہیں۔ یروشلم وہ شہر ہے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی۔ بیت المقدس کے احاطے میں ایک کمرہ ہے اس کے متعلق بتاتے ہیں کہ: وہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا کرتا تھا۔

مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً تیرہ سو (۱۳۰۰) کلومیٹر ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کی عجیب وغریب تعمیر

سب سے پہلے مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کا کام حضرت داوٗد علیہ السلام نے شروع کیا تھا؛ مگر صرف قدِ آدم تک اس کی بنیادیں اٹھنے پائی تھی کہ آپ کی وفات ہوگئی، آپ کے بعد آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے جانشین ہوئے تو ان کو اس کی تعمیر کی تکمیل کی فکر ہوئی؛ چنانچہ آپ علیہ السلام نے جنات کو جمع کیا اور ان کو کام تقسیم کردیے، ہر جماعت کو اس کام کے لیے خاص کیا گیا جس کو وہ اچھی طرح کرسکتے تھے۔

جنات کو سنگِ رخام اور سنگِ مرمر جمع کرنے کے لیے متعین کردیا، شہر کے بارے میں حکم دیا کہ: شہر کو سنگِ رخام اور بڑے (چوکور) پتھروں سے تعمیر کیا جائے اور اس میں بارہ آبادیاں رکھی جائیں، ہر آبادی میں ایک خاندان رہے۔

جنات کی بعض جماعتوں کو کانوں سے سونا، چاندی اور یاقوت نکالنے کے لیے متعین کیا، ایک جماعت کو سمندر سے موتی نکالنے پر مقرر کیا، اور ایک جماعت کو سنگِ مرمر نکالنے کا حکم دیا، ایک جماعت کو مشک وعنبر ودیگر خوشبوؤں کی تمام اشیا کے حصول کے لیے روانہ کیا۔

جب یہ تمام چیزیں اس قدر جمع ہوگئیں کہ ان کی تعداد صرف اللہ ہی جانتا ہے تو اس کے بعد کاریگروں کو طلب کیا گیا اور ان کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ بلند پتھروں کو تراش کر تختیاں بنائیں، یاقوت اور موتیوں میں سوراخ کریں اور جواہرات درست کریں، جب یہ کام بھی مکمل ہوگیا تو مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔

اس کی دیواریں سفید، زرد اور سبز سنگِ مرمر سے بنائی گئیں اور اس کے ستون بلور کے رکھے گئے، اس کی چھت قیمتی جواہرات کی تختیوں سے پاٹ دی گئی۔ چھتوں، دیواروں اور ستونوں میں مروارید، یاقوت اور دیگر قسم کے یاقوت جڑ دیے گئے۔

مسجد کے افتتاح کی تقریب اور دعا

جب یہ مسجد مکمل ہوگئی تو دنیا کی کوئی عمارت اس کی خوب صورتی اور چمک دمک کو نہیں پہنچتی تھی، رات کو وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتی تھی، اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے علمائے بنی اسرائیل کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا: میں نے یہ مسجد خالص اللہ کے لیے تعمیر کرائی ہے اور وہ دن یومِ عید منایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں جو مقبول ہوئیں، ان میں سے ایک دعا یہ ہے کہ: جو شخص اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے داخل ہو (اور کوئی دنیوی غرض نہ ہو) اس مسجد سے نکلنے سے پہلے اس کو تمام گناہوں سے ایسا پاک کردے جیسا کہ اس وقت پاک تھا جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

مسجد کے افتتاح کی خوشی میں دعوت

اور سدی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہونے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بطور شکرانہ کے بارہ ہزار گائے بیل اور بیس ہزار بکریوں کی قربانی کرکے لوگوں کو دعوتِ عام دی اور اس دن خوشی منائی، اور صخرۂ بیت المقدس پر

کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگیں کہ:

یا اللہ! آپ ہی نے مجھے قوت اور وسائل عطا فرمائے جن سے تعمیرِ بیت المقدس مکمل ہوئی تو یا اللہ! مجھے اس کی بھی توفیق دیجیے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں اور مجھے اپنے دین پر وفات دیجیے اور ہدایت کے بعد میرے قلب میں کوئی زیغ اور کجی نہ ڈالیے۔

مسجدِ اقصیٰ میں داخل ہونے والے کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کی پانچ دعائیں

اور عرض کیا کہ: اے میرے پروردگار! جو شخص اس مسجد میں داخل ہو میں اس کے لیے آپ سے پانچ چیزیں مانگتا ہوں:

① جو گنہ گار توبہ کرنے کے لیے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کی توبہ قبول فرمالیں اور اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں۔

② جو آدمی کسی خوف اور خطرے سے بچنے کے لیے داخل ہو آپ اس کو امن دے دیں۔

③ جو بیمار آدمی اس میں داخل ہو اس کو شفا عطا فرمادیں۔

④ جو فقیر آدمی اس میں داخل ہو اس کو غنی کر دیں۔

⑤ جو اس میں داخل ہو وہ جب تک اس میں رہے آپ اپنی خصوصی نظرِ عنایت و رحمت اس پر رکھیں؛ سوائے اس شخص کے جو کسی ظلم یا بے دینی کے کام میں مشغول ہو۔ (از معارف القرآن شفیعی)

مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے متعلق

دوسری روایت

اس سلسلے میں دوسری روایت یہ ہے کہ: جب آپ علیہ السلام کی موت کا وقت قریب معلوم ہوا تو سوچا کہ: مسجدِ اقصی کی تعمیر نامکمل رہ جائے گی؛ کیوں کہ جنات آپ کے بعد تعمیر کا کام نہ کریں گے، تو آپ نے ایک نقشہ بنا کر جنات کے سپرد کر دیا کہ: اس کے مطابق تعمیر کا کام ہوتا رہے، اور خود ایک شیشے کے مکان میں بند ہو کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

جنات آپ کو دیکھتے رہتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام شیشے کے مکان میں سے ہمیں دیکھ رہے ہیں، آپ عبادت میں مصروف تھے کہ اسی دوران ملک الموت نے آپ کی روح قبض کر لی، وفات کے بعد لکڑی کے سہارے کھڑے رہے، جنات کو پتہ بھی نہ چلا کہ آپ وفات پا گئے، جنات اسی دھوکے میں بدستور تعمیر کے کام میں لگے رہے، لکڑی کو دیمک لگ گئی اور آپ کا مجسمہ زمین پر گر گیا، اس سے جنات کو معلوم ہوا کہ آپ کا تو وصال ہو گیا، آپ کا وصال حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً پندرہ سو چھیالیس (۱۵۴۶) سال قبل ہوا، چالیس سال آپ بڑے رعب اور شاہی دبدبے کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔

جناتوں پر دیمک کا احسان

جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انتقال کی مدت کو معلوم کرنے کے لیے لکڑی

کو دیمک کے سامنے ڈالا، ایک دن رات تک جس قدر دیمک نے اسے کھایا، اسے دیکھ کر اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے انتقال کو پورا سال گذر چکا ہے، اس وقت سے جنات گھن کے کیڑے کو مٹی اور پانی لا دیا کرتے ہیں؛ گویا اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ میں فرق

یہاں بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ کے فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے، بیت المقدس بہت بڑا شہر ہے، اس کے چاروں طرف دیواریں بنی ہوئی ہیں، اس کے بیچ میں مسجدِ اقصیٰ اور دیگر انبیا کی یادگاریں موجود ہیں۔

برکت کا ایک نمونہ

سب سے پہلے ہم ایک دروازے سے اندر داخل ہوئے تو گیٹ پر ہی بہت سارے فروٹ رکھے ہوئے تھے، جو کسی بھی آنے جانے والے زائرین کے لیے دعوتِ نظارہ تھے، طرح طرح کے پھلوں اور ان کی سائز دیکھ کر ساتھی حیران رہ گئے، بلا مبالغہ فلسطین کے سنترے ہمارے یہاں کے چھوٹے تربوز کی سائز کے برابر تھے اور تربوز تو ایسے کہ دس آدمی مل کر بھی ایک تربوز نہ کھا سکیں، اسی طرح انجیر، زیتون اور طرح طرح کے پھلوں کی بھر مار تھی۔

میں نے ساتھیوں سے کہا: دیکھو! یہ بھی اس خطے کی برکت کا ایک نمونہ ہے۔

مسجدِ اقصیٰ میں ظہر کی نماز کی سعادت

ہم مسجد میں داخل ہوئے تو پہلے نماز ظہر کی ادائیگی کی فکر تھی؛ اس لیے احاطۂ

قدس میں داخل ہونے کے بعد جلدی جلدی قدم بڑھا رہے تھے، چلتے چلتے اپنی نااہلی اور اللہ تعالیٰ کے احسانات میں محو تھے، سوچتے تھے کہ: ہم کیسی مقدس جگہ میں آئے ہیں جہاں معراج کے موقع پر سارے انبیا جمع ہوئے اور حضور ﷺ تشریف لائے، پھر وہ جگہ آئی جہاں معراج کی رات حضور ﷺ نے براق باندھا تھا، پھر صخرۂ مقدس آیا؛ مگر ہم سب چیزوں کو پار کرتے ہوئے مسجد پہنچے اور نمازِ ظہر ادا کی۔

اصل مسجدِ اقصیٰ

نماز سے فارغ ہوئے تو گائڈ نے کہا: جلدی کرو، دروازہ بند ہونے والا ہے۔
ہم نے پوچھا: کون سا دروازہ؟

بتایا کہ: دراصل مسجدِ اقصیٰ کے تین حصہ ہیں، اصل مسجدِ اقصیٰ پہنچنا ہے۔

ہم جو فوٹو میں سرمگیں رنگ کا گنبد دیکھتے ہیں وہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی بنوائی ہوئی مسجد ہے جو انھوں نے فتح بیت المقدس کے موقع پر بنوائی تھی، یہ سطحِ زمین کے اوپر ہے اور ہمیں نظر آتی ہے۔

البتہ! حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے انتقال کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو مسجد جناتوں کے ذریعہ بنوائی تھی جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ نیچے والے حصے میں ہے، خلیفہ مروان نے اپنے دورِ حکومت میں اس کی توسیع بھی کی تھی اور یہی اصل مسجد ہے جس میں حضور ﷺ نے معراج کی شب تمام انبیا کی امامت فرمائی تھی۔

مسجدِ اقصیٰ اتنی بڑی ہے کہ بیک وقت اس میں سات ہزار (۷۰۰۰) مصلیوں کی گنجائش ہے، رمضان المبارک میں مجمع زیادہ ہوتا ہے اور شبِ قدر میں تقریباً بیس

ہزار کا مجمع ہوجاتا ہے، جو صحنِ مسجد اور قبۃ الصخراء وغیرہ میں عشا اور تراویح ادا کرتا ہے۔

نور کا دریا

ظہر پڑھ کر ہم نے نیچے اترنا شروع کیا، بخدا! جیسے جیسے ہم نیچے اتر رہے تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے نور کے دریا میں اتر رہے ہوں، عجیب سکون اور نورانیت والا پر کیف منظر تھا، ہم نے اس کے ستون دیکھے جو بہت بڑے بڑے اور ایک ہی پتھر کے تھے، واقعی ان پتھروں کو دیکھ کر عین الیقین حاصل ہوتا ہے کہ اس قدر بڑے اور بھاری پتھر کون اٹھا سکتا ہے، جنات کے علاوہ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ انہیں اٹھائے اور تعمیر کے لیے اوپر تک نصب کرے۔

جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بطورِ معجزہ جناتوں کو تابع کیا تھا، اسی کی برکت ہے کہ اس قدر مضبوط پتھروں سے مسجدِ اقصی کی تعمیر کی گئی۔

بعض علما کا قول ہے کہ: اللہ نے جنوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع بنا دیا تھا اور ان کو اطاعت کا حکم دیا تھا اور ان کو احکام کا پابند رکھنے کے لیے ان پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا تھا، جس کے ہاتھ میں آگ کا ایک کوڑا رہتا تھا؛ لہذا جنوں میں سے جو کوئی بھی آپ علیہ السلام کی نافرمانی کرتا وہ فرشتہ اس کو کوڑے مارتا جس سے وہ جن جل جاتا۔

تانبے کا چشمہ

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ: اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کا

ایک چشمہ پیدا کر دیا تھا، جو تین دن اور تین رات برابر پانی کی طرح بہتا رہا تھا اور یہ چشمہ ملکِ یمن میں تھا؛ چنانچہ اس چشمہ سے جتنا تانبا اللہ نے اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے نکالا تھا اسی کی بدولت ہم آج تک تانبے سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

وہاں عجیب عجیب چیزیں دیکھنے کو ملیں، بنائے سلیمانی کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔ گائڈ صاحب نے ہمیں خلیفہ مروان کا توسیع والا حصہ بھی دکھایا۔

تیل کا کنواں اور مسجدِ اقصیٰ کے لیے تیل بھیجنے کی فضیلت

مسجد کی دائیں جانب ایک کونے میں تیل کی جگہ ہے، جہاں عالم سے مسجدِ اقصیٰ کے لیے تیل بھیجا جاتا تھا، اور وہ اس کنویں میں جمع ہوتا تھا اور دورِ قدیم میں وہیں سے پوری مسجدِ اقصیٰ میں روشنی کا انتظام ہوتا تھا؛ چوں کہ حدیث شریف میں مسجدِ اقصیٰ کے لیے تیل بھیجنے کا حکم اور فضیلت آئی ہے:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں بیت المقدس جانے کی استطاعت نہ پاؤں (تو کیا کروں)؟

فرمایا: وہاں کے لیے تیل بھیج دو جس سے روشنی کا انتظام ہو، جو ایسا کرے وہ بھی وہاں جانے والے کی مانند ہے۔ (ابن ماجہ، باب ما جاء فی الصلوۃ فی مسجد بیت المقدس)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بیت المقدس نہ جا سکے کہ اس میں نماز پڑھے تو وہ تیل بھیج دے جس کے ذریعہ اس میں چراغ جلایا جائے (کنز العمال)

مسجدِ مروان بن عبد الملک اور مسجدِ براق

وہیں پر عبد الملک بن مروان کی مسجد ہے، عیسائیوں نے جب بیت المقدس کو

فتح کیا تو اس مسجد کے ایک حصے کو اصطبل بنا دیا تھا، اس میں گھوڑوں کے باندھنے کے نشانات اب تک ظاہر ہیں۔

زیارت کا ایک مقام مسجدِ براق ہے، دیوار کی بائیں جانب دیوار میں ایک دروازہ تھا جو اب بند ہے، یہ وہی دروازہ ہے جہاں سے براق اندر آیا تھا، اور وہیں باندھا گیا تھا۔

گائڈ نے کہا: آگے ایک اور اہم چیز دیکھنا ہے جلدی چلو، یہ کہہ کر ہمیں کافی نیچے تہہ خانے میں لے گئے، پھر مسجد کے حی علی الفلاح والی جانب میں ایک سیڑھی چڑھے، وہاں کھڑکی سے جھانکا تو عجیب چیز نظر آئی۔

گائڈ نے کہا: پہلے باری باری سب لوگ یہ چیز دیکھو، پھر میں بتاتا ہوں کہ یہ کیا ہے؟

اس گھوارے کی زیارت جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے کلام کیا تھا

ہم نے دیکھا کہ بچوں کے جھولے کی طرح ایک پتھر کا گھوارہ ہے اور اس پر چھت بنی ہوئی ہے، جب سب نے باری باری دیکھ لیا تو گائڈ نے بتایا: یہ وہ گھوارہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے کلام کیا تھا اس جگہ اب اس طرح گھوارہ وغیرہ نشانی کے طور پر بنا ہوا ہے، پیدائش کے بعد جب حضرت مریم رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر مسجدِ اقصیٰ آئیں تو ساری قوم جمع ہوگئی اور انھوں نے پوچھا:

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾

یٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝۲۸

ترجمہ: وہ (مریم) اس (لڑکے) کو (گود میں) اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی، وہ (قوم کے لوگ) کہنے لگے: اے مریم! تو نے تو بڑا غضب ہی کا کام کیا ﴿۲۷﴾ اے ہارون کی بہن! تیرا باپ کوئی برا آدمی نہیں تھا اور تیری ماں بھی کوئی بدکار عورت نہیں تھی ﴿۲۸﴾

ان کے جواب میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے اسی بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس بچے سے پوچھو: ﴿فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ﴾

ترجمہ: سو اس (مریم) نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔

انھوں نے کہا کہ: ہم اس بچے سے کیسے دریافت کریں:

قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا ۝۲۹

ترجمہ: قوم کے لوگ کہنے لگے: جو بچہ گود میں ہے اس کے ساتھ ہم کس طرح بات کریں گے؟ ﴿۲۹﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ابھی صرف تین دن کے تھے انھوں نے ماں کی چھاتی سے منہ ہٹایا اور ان سے کلام کرتے ہوئے کہا:

قَالَ اِنِّىۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِىَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِىۡ نَبِيًّا ۝۳۰

ترجمہ: (اس پر) وہ (بچہ) بولا کہ: میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس (اللہ تعالیٰ) نے مجھ کو کتاب دی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے ﴿۳۰﴾

یہ سارا سوال وجواب اسی جگہ ہوا تھا جس کی ہم لوگ زیارت کر رہے تھے۔

اس کی زیارت کے بعد ہم وہاں سے نکل گئے، پوری مسجدِ اقصیٰ کی زیارت کی،

جس میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے بنوائے ہوئے منبر، محراب وغیرہ بھی دیکھے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے محراب (کمرہ) کی زیارت

مسجد ہی میں حی علی الفلاح والی جانب ایک اور مقدس جگہ بھی دیکھی، جس کو محرابِ مریم کہا جاتا ہے۔

محرابِ مریم وہی محراب ہے جسے حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے نام قرعۂ فال نکلنے کے بعد بیت المقدس کے اوپری حصہ میں بنایا تھا۔

ہم اس میں داخل ہوئے، میں نے ساتھیوں سے کہا: یہ وہ کمرہ ہے جہاں حضرت مریم رضی اللہ عنہا رہتی تھیں اور اسی جگہ ان کے پاس غیبی پھل آتے تھے جس کو دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کی دعا مانگی تھی اور اللہ نے دعا کو قبول بھی کیا تھا:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: جب کبھی زکریا (علیہ السلام) اس (مریم) کے پاس مسجد میں (یعنی عبادت اور رہنے کے حجرے میں) آتے تو اس کے پاس کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز پاتے، اس (زکریا علیہ السلام) نے پوچھا: اے مریم! یہ چیزیں تیرے پاس کہاں سے آئیں؟ تو اس (مریم) نے جواب دیا کہ: وہ (کھانے کی چیزیں) اللہ تعالیٰ کے یہاں سے (آئی) ہیں، یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق دیتے ہیں ﴿۳۷﴾

اس موقع پر (اسی جگہ) زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی (زکریا علیہ السلام نے دعا میں) عرض کیا: اے میرے رب! آپ مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمایئے، یقینی بات ہے کہ آپ دعا کو بہت سنتے ہیں ﴿۳۸﴾

اس لیے ساتھی خاص طور سے اگر بے اولاد ہوں تو اولاد کی دعا مانگیں، ہم نے نمازِ عصر، مغرب اور عشا وہیں مسجدِ اقصیٰ میں پڑھی، اور اس محراب میں بھی دعا، ذکر اور تلاوت کی سعادت حاصل ہوئی۔

نوٹ: حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے تفصیلی حالات خطباتِ محمود جلد دو (۲) میں اور حضرت زکریا کے تفصیلی حالات جلد آٹھ (۸) میں ملاحظہ فرمائیں۔

قبۃ الصخرہ

پھر ہم ''قبۃ الصخرۃ'' دیکھنے گئے۔

قبۃ اور صخری عربی زبان کے الفاظ ہیں، قبہ کے معنی گنبد اور صخرہ کے معنی چٹان کے ہے، یہ قبہ مسجدِ اقصیٰ کی شمالی جانب صحنِ حرم میں قدرے اونچی جگہ موجود ایک قدرتی چٹان پر تعمیر کیا گیا ہے؛ اس لیے اسے ''قبۃ الصخرۃ'' (چٹان والا گنبد) کہتے ہیں۔ (مقامات: ۳۴۳)

قدرتی چٹان

یہ قبہ جس قدرتی چٹان پر قائم ہے وہ انسان کے سینے کے برابر اونچی، ۵۶ فٹ لمبی، ۴۲ فٹ چوڑی اور تقریباً نیم دائرے کی غیر منظم شکل میں ہے، اس کا مشرقی پہلو ڈھلوان والا اور مغربی پہلو اونچا اور بلند تر ہے۔

یہ چٹان دراصل یروشلم میں پائی جانے والی سرمئی رنگ کی چٹانوں کے سلسلے کا حصہ ہے۔

دنیا پرست پادریوں کے مذموم کردار کی ایک جھلک

گیارھوی صدی عیسوی میں بدقسمتی اور نااتفاقی کی وجہ سے القدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا تو دنیا پرست عیسائی پادریوں کے کردار کی ایک مذموم جھلک دیکھنے میں آئی، یہاں متعین بڑے پادریوں نے انجیل کو بیچ کھانے کی طرح یہ کاروبار شروع کردیا کہ یہاں آنے والے عیسائی زائرین کو چٹان کے ٹکڑے ہم وزن سونے کے عوض فروخت کرنا شروع کردیے، صلیبی حکمرانوں کو اس کی اطلاع ملی تو انھیں اس بدعنوانی کو روکنے کا سوائے اس کے کوئی اور راستہ نظر نہ آیا کہ اس چٹان کو سنگِ مرمر سے ڈھانک دیں؛ کیوں کہ متعصب و دنیا پرست پادریوں کی حرام خوری کو روکنا ان کے بس میں نہیں تھا۔

اسّی (۸۰) سال کے وقفے کے بعد جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بیت المقدس فتح کیا تو قبے کے گنبد سے صلیب اتارنے اور عیسائیت کے دیگر نشانات مٹانے کے ساتھ ان سنگِ مرمر کی سلوں کو بھی ہٹا دیا۔

قبۃ الصخرہ کی تعمیر

اس کی تعمیر کا آغاز ۶۶ ہجری مطابق ۶۸۵ء میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کیا، اس کی تکمیل اس کے بیٹے ولید بن عبدلملک کے ہاتھوں ۷۲ھ مطابق ۶۹۱ء میں ہوئی اور مامون الرشید اور معتصم باللہ کے زمانے میں اس کی تجدید ہوئی۔

اسے دو ماہرِ فن معمار: رجاء بن حیوۃ اور یزید بن سلام کی نگرانی میں تعمیر کیا گیا،

اول الذکر فلسطین کے ایک مقام بیسان اور موخر الذکر القدس کے رہنے والے تھے۔

مشہور ہے کہ خلیفہ نے اس کی تعمیر پر مصر کے خراج سے حاصل ہونے والی سات سال کی آمدنی خرچ کی۔

موجودہ عمارت ترک سلاطین: عبد الحمید (۱۸۵۳ء) اور سلطان عبد العزیز (۱۸۷۴ء) کے عہد کی مرمت کردہ ہے، عمارت کے باہر چاروں طرف خوب صورت پتھروں پر سورۂ بنی اسرائیل اور سورہ یاسین کی آیات خوب صورت اور دل فریب انداز میں تحریر کی گئی ہیں، یہ آیات سلطان عبد الحمید ثانی نے تحریر کروائی تھیں۔

قبۃ الصخرہ کی کیفیت اور خوب صورتی

یہ عمارت آٹھ پہلوؤں والی ہے، اس کا ہر پہلو ۶۶ فٹ طویل ہے۔ یہ ننانوے (۹۹) فٹ بلند اور لکڑی کا بنا ہوا ہے جس پر باہر کی طرف سونے کا رنگ چڑھا ہوا پیتل اور سیسہ لگایا گیا ہے اور اندر کی طرف کانچ کا استر کیا گیا ہے، جس میں خوب صورت سنہری کام اور پر تکلف آرائش وزیبائش کی گئی ہے۔

مشہور مسلمان جغرافیہ نگار مقدسی یروشلم میں ۹۴۵ء میں پیدا ہوا تھا، وہ قبۃ الصخرہ کے بارے میں لکھتا ہے:

یہ ایک ہشت پہلو عمارت ہے، اس کے چار دروازے ہیں، جن تک سیڑھیوں کے ذریعے پہنچا جاتا ہے، اندرونی حصہ تین دالانوں میں منقسم ہے جن کے ستون سنگِ مرمر کے ہیں، اس کے وسط میں صخرہ ہے اور اس کے نیچے غار ہے جس میں ۷۰ آدمی سما سکتے ہیں۔

صخرہ کے گرد ستونوں کا حلقہ اسے باقی حصوں سے جدا کرتا ہے، گنبد کی چھت تک بلندی ۱۰۰ باع (سوا سو گز) ہے۔گنبد لکڑی کے تین چوکھٹوں کا بنا ہوا ہے، نیچے والی پر سنہری تانبا چڑھا ہوا ہے، دوسرا لوہے کی سلاخوں کا ہے اور تیسرا لکڑی کا جس پر دھات کے پترے چڑھے ہوئے ہیں۔

صلیبیوں نے اپنے دور میں گنبد کی چوٹی پر سونے کی صلیب لگادی تھی اور صخرہ کو سنگِ مرمر کی سلوں سے ڈھانپ دیا تھا اور اس کے اوپر ایک قربان گاہ تعمیر کی گئی تھی، بعد میں صلاح الدین ایوبیؒ نے صلیب اتار کر وہاں ہلال نصب کیا اور صخرہ کے گرد کی دیوار مع قربان گاہ ہٹادی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۶/۱، حوالہ اٹلس سیرت النبی ﷺ)

مسجدِ قبۃ الصخرہ

آج کل دروازے کے ساتھ متصل حصے میں سبز اور درمیان والے حصے میں سرخ قالین بچھی ہوئی ہے، مسلمان یہاں بیٹھ کر تلاوت کرتے ہیں اور (قبلہ کی طرف منہ کرکے) نماز پڑھتے ہیں، اس اعتبار سے بعض کتبِ تاریخ میں اس کو ''مسجدِ قبۃ الصخرہ'' بھی کہا گیا ہے؛ اور وہاں مشہور بھی اسی طرح ہے، لیکن درحقیقت یہ باقاعدہ مسجد نہیں، ایک طرح کی جائے نماز ہے جسے مسلمان یہاں آنے کے بعد لہو ولعب میں مشغول ہونے کے بجائے نماز و تلاوت سے آباد رکھتے ہیں۔

قبۃ الصخرہ نامی اس چٹان کے بارے میں مشہور ہے کہ یہی وہ چٹان ہے جہاں حضرت داؤد علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں سے حضورِ اکرم ﷺ نے معراج کی رات آسمان کا سفر فرمایا تھا۔

مجاہدِ اعظم مولانا محمد علی جوہرؒ کا مزار

مسجد صخرہ کے بالمقابل جانبِ مغرب میں مجاہدِ اعظم مولانا محمد علی جوہرؒ کی قبر ہے، انھوں نے پندرہ شعبان کو لندن میں وفات پائی، آپ نے انگریز کی حکومت میں دفن ہونے تک کو گوارہ نہ کیا اور پانچ رمضان 1349ھ کو قدس میں دفن کیے گئے۔

اس سے اندازہ لگاؤ کہ کیسے تھے یہ محبِ وطن!!!

حضرت سلیمان علیہ السلام کا مزار اور جیل خانہ

بیت المقدس میں مسجدِ صخرہ کی جانب تین سو قدم کے فاصلے پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر مبارک بتائی جاتی ہے۔

اس کے متصل ہی ''حبسِ سلیمان'' (جیل خانہ) ہے جہاں شریر جنات کو قید رکھا جاتا تھا۔

اس کے ساتھ ہی دیوارِ براق ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں شبِ معراج میں براق باندھا گیا تھا۔

چٹان کے نیچے ایک قدرتی غار

اس چٹان کے نیچے ایک قدرتی غار ہے جس میں تقریباً ستر آدمی سما سکتے ہیں، یہ غار مربع شکل کا ہے جس کا ہر ضلع تقریباً ساڑھے چار میٹر اور چھت تین میٹر اونچی ہے۔ چھت میں تقریباً ایک میٹر چوڑا ایک شگاف ہے، اس غار میں گیارہ سیڑھیاں اترنے کے بعد ایک محرابی دروازے کے ذریعہ داخل ہوا جاتا ہے، یہ محرابی دروازہ سنگِ مرمر کا

بنا ہوا ہے، غار کے فرش پر بھی سنگِ مرمر بچھا ہوا ہے، اس غار میں دو محراب ہیں، دائیں طرف والے محراب کے سامنے ایک چبوترہ ہے جسے عوام ''مقامِ خضر'' کہتے ہیں اور شمال کے چبوترے کو ''باب الخلیل'' کہا جاتا ہے۔

قبۃ الصخرہ کے فضائل

اس وقت دنیا میں تین جنتی پتھر ہیں:

① حجرِ اسود۔ ② مقامِ ابراہیم۔ ③ صخرۂ بیت المقدس۔

خانۂ کعبہ اور گنبدِ خضراء کے بعد روئے زمین پر ''قبۃ الصخرہ'' مسلمانوں کے لیے مقدس ترین مقام ہے، اس چٹان کے متعلق بہت سی روایات ہیں، یہاں چند ذکر کی جاتی ہیں: ① سارے پتھروں کا سردار بیت المقدس کا صخرہ ہے۔

② صخرہ جنت سے ہے۔

③ مشہور نہریں چار ہیں: سیحون، جیحون، نیل اور فرات، اور وہ صخرہ سے نکلتی ہیں۔

④ سارے بادل اور سارے سمندر اور ہوا صخرہ کے نیچے سے چلتی ہیں۔

⑤ معراج کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صخرہ سے عروج الی السماء کرایا گیا۔

⑥ سارے انبیاء نے اس چٹان پر عبادت کی ہے۔

⑦ صخرہ میں دائیں یا بائیں ایک ہزار رکعتیں پڑھے تو موت سے پہلے جنت میں داخل ہوگا (یعنی موت سے پہلے ہی جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا)۔

⑧ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے صخرہ سے فرمایا: تو میرا قریبی عرش ہے، تیرے ذریعہ میں آسمان پر مستوی ہوا، اور تجھ ہی میں میری جنت اور جہنم ہے، اور تجھ ہی

میں میری جزا اور سزا ہے، سو بشارت ہو اس کے لیے جو تیری زیارت کرے، پھر بشارت ہو اس کے لیے جو تیری زیارت کرے، پھر بشارت ہو اس کے لیے جو تیری زیارت کرے۔

⑨ صخرہ پر سے حضرت اسرافیلؑ صور پھونکیں گے اور پورے روئے زمین میں آسمان سے قریب ترین یہ جگہ ہے، ایک قول میں بارہ میل اور دوسرے قول میں اٹھارہ میل اور ایک قول میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ پوری دنیا کی زمین میں وسط ہے۔

وھوصخرۃ بیت المقدس اقرب موضع من الارض الی السماء یقول (اسرافیل عند نفخ الصور) أیتھاالعظام البالیۃوالاوصال المتقطعۃواللحوم المتمزقۃ والشعور المتفرقۃ إنَّ اللّٰہ یامرکن أن تجمعن لفصل القضاء۔

قولہ أقرب موضع أی بإثنی عشر میلاً و ھی وسط الارض اہ خطیب وعبارۃالخازن أقرب الارض الی السماء ثمانیۃ عشر میلاً و قیل ھی وسط الارض. (سورۃ ق: حاشیۂ جلالین)

⑩ اللہ تعالیٰ صخرہ پر سے قیامت کے دن اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے، اور اسی سے وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

⑪ ممکن ہو تو صخرہ کے نیچے (غار) میں اتریں؛ اس لیے کہ وہ معبد الانبیا ہے اور وہاں دعا میں خوب کوشش کریں؛ اس لیے کہ اس جگہ دعا ان شاء اللہ! قبول ہوگی۔

ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ

آپ نے بیت المقدس کی تصویریں دیکھی ہوگی، فوٹو میں جو سنہرا گنبد نظر آتا

ہے وہ اسی چٹان پر بنا ہوا ہے، اس کے گنبد پر تقریباً چھیاسی (۸۶) کلو سونا لگایا گیا ہے؛ اسی لیے وہ پیلا پیلا چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

بعض لوگ تو اسی کو اصل مسجدِ اقصی کہہ دیتے ہیں، یہ ان کی غلطی ہے؛ حالاں کہ اس گنبد کے نیچے یہ مبارک صخرہ ہے اور یہ مسجدِ اقصی کے صحن میں ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا محراب وتخت

وہ محراب جس میں کھڑے ہو کر جنات سے حضرت سلیمان علیہ السلام کام کروایا کرتے تھے وہ ساری جگہیں ہم نے دیکھی۔

مسجدِ صخرہ سے ایک جانب بیرونی عمارت ہے جس کے اندر ایک چبوترا سا ہے جس پر سبز غلاف رہتا ہے، یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہے، جہاں آپ جلوہ افروز ہوتے تھے، یہیں قریب میں شیشے کا صحن تھا جسے پانی سمجھ کر ملکہ بلقیس اپنی پنڈلیاں کھولنے لگی تھی، اسی جگہ حضرت سلیمانؑ بوقتِ وفات نماز میں کھڑے ہو گئے تھے، یہیں پر آپ کی قبر مبارک ہے۔ (مقامات:۲۲۵)

چرچ اور مسجدِ عمر رضی اللہ عنہ

پھر ایک اور خاص جگہ ''مسجدِ عمر'' پر گئے، یہ مسجدِ اقصی کے قریب ہی ہے، یہ مسجد پرانے زمانے کی تاریخی عمارت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح بیت المقدس کے بعد تعمیر کروائی تھی، اس کے سامنے ایک چرچ ہے جہاں پوری دنیا کے عیسائی آتے ہیں۔

خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فتح بیت المقدس کے موقع پر عیسائیوں کے اسی گرجا میں گئے تھے اور وہاں کی ہر چیز کا معائنہ کیا تھا، اور جب نماز کا

وقت آیا تو پوپ نے کہا کہ: آپ یہیں نماز ادا کرلیں؛ مگر آپ نے قبول نہیں فرمایا اور فرمایا: اگر آج میں تمھارے چرچ میں نماز پڑھ لیتا تو (ہوسکتا ہے کہ) کل مسلمان اس پر یہ کہہ کر قبضہ جمالیں کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز ادا کی ہے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چرچ کے باہر نماز ادا فرمائی، وہاں نیچے والا حصہ جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز ادا فرمائی تھی عجیب انوار محسوس ہوتے ہیں، چنانچہ مسلمانوں نے اسی کی یاد میں وہاں ایک مسجد تعمیر کروادی جسے آج مسجدِ عمر کے نام سے جانا جاتا ہے۔

چرچ کی چیزوں کے متعلق عیسائیوں کے عقیدے

اس گرجا کی عمارت ایسی مضبوط اور عجیب ہے جس کا بیان نہیں ہوسکتا، یہ دو منزلہ عمارت ہے۔

یہاں سامنے ایک لمبا پتھر کا تختہ ہے جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی کے بعد اس پر غسل دیا گیا۔

اس کے شرقی جانب ایک اندھیرے والی تہہ خانہ نما عمارت ہے جہاں موم بتی کی روشنی ہے، جاتے ہی وہاں برآمدے میں ایک اونچا پتھر ہے جس پر شیشہ چڑھا ہے اور چاروں طرف موم بتیاں جلتی ہیں، عیسائی بڑے احترام سے اس کی زیارت کرتے ہیں، اس پتھر کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ: اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی۔

اس کے متصل چھوٹا سا دروازہ ہے، اس کے اندر چھوٹی سی محراب ہے جس میں سخت اندھیرا ہے، محراب کے دروازے پر زیتون کے چراغ جل رہے ہیں جن کی روشنی بہت ہلکی ہے، اس محراب کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوبی فوٹو ہے۔

میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس چرچ میں تشریف لے گئے ہیں تو ہمیں جانے میں کیا حرج ہے؟ چنانچہ ہم وہاں گئے۔

بیت المقدس آج کسی عمرِ ثالث کے انتظار میں!!!

آج ہم اسی مسجدِ عمر کی زیارت کررہے تھے اور دل ہی دل میں سوچ رہے تھے ایک وقت تھا کہ: مسلمان اس جگہ کے فاتح تھے اور ان کی شان وشوکت کا ڈنکا بجتا تھا، خود عیسائیوں نے سامنے سے بلاکر بیت المقدس حوالہ کیا تھا؛ مگر آج وہی بیت المقدس اسرئیل کے ناجائز تصرف میں ہیں، اور بیت المقدس کی زمین کسی عمرِ ثالث اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا منہ تک رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ: پھر سے عافیت کے ساتھ جلد از جلد وہ سرزمین مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ وتصرف میں عطا فرمادیں، آمین۔

اصل مسجد نیچے ہے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز ادا فرمائی تھی۔

مسجد کے صحن میں ایک کتبہ لگا ہوا ہے، یہ وہی کتبہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ کے ساتھ ہونے والے معاہدہ کے وقت لکھا تھا، یہ معاہدہ ۱۵ھ میں لکھا گیا تھا، اصل مضمون عربی میں ہے جس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نصاریٰ کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کا مضمون

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمر نے ایلیاء کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے، اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے، نہ وہ ڈھائے

جائیں گے، نہ ان کو یا ان کے احاطے کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں میں اور نہ ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا، اور نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔

ایلیاء میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے، ایلیاء والوں پر یہ فرض ہے کہ: اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں، ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کو امن ہے؛ تا آں کہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے، اور جو ایلیاء ہی میں رہنا اختیار کرے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا، اور ایلیاء والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔ جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا عہد ہے، رسولِ خدا کا، خلفا کا، مسلمانوں کا ذمہ ہے، بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔

اس تحریر پر گواہ ہیں: خالد بن الولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمن بن عوف، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم۔ (الفاروق: ۳۰۴)

اس مسجد میں آج تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انوار و برکات محسوس ہوتے ہیں۔

اس کے بعد ہم نے فاتحِ بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی خانقاہ کی زیارت کی۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا مختصر تعارف

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے، وہ نور الدین

زنگی کے قابل ترین جرنیلوں میں سے تھے، نورالدین نے انہیں ان کے چچا شیرکوہ کے ساتھ ایک جنگی مہم پر مصر روانہ کیا تھا، وہاں انھوں نے اپنی بہترین جنگی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، فرنگیوں کے متعدد حملے انھوں نے پسپا کیے، اور وہ نورالدین زنگی کی طرف سے مصر کے حکمران بن گئے، اور انہیں کی کوششوں کے نتیجے میں مصر سے فاطمی حکومت کا خاتمہ کیا۔

نورالدین زنگی ۔جن کا پایۂ تخت شام تھا۔ کی وفات کے بعد اہلِ شام نے انہیں شام کی حکومت سنبھالنے کی دعوت دی اور اس طرح وہ بیک وقت مصر اور شام دونوں کے حکمران بن گئے۔

اپنے عہدِ حکومت کے دوران انھوں نے ایک طرف بے شمار تعمیری خدمات انجام دیں اور دوسری طرف یہی وہ دور تھا جب عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کی پے در پے مہمات شروع کر رکھی تھیں، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے ان جنگوں میں یورپ کی طاقتوں کے دانت کھٹے کیے، اسی زمانے میں بیت المقدس پر عیسائی قابض تھے، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے ۵۸۳ھ میں مسلمانوں کا قبلۂ اول ان کے قبضے سے چھڑا کر وہاں اسلام کا پرچم لہرایا، اور شام کے جتنے علاقوں پر اہلِ صلیب قابض ہو گئے تھے، وہ سب ان سے آزاد کرائے۔

ان کی بھی ساری زندگی میدانِ جہاد میں گزری، وہ بھی عدل و انصاف اور صلاح و تقویٰ میں نورالدین زنگیؒ کے جانشین تھے، انھوں نے مصر میں چوبیس (۲۴) سال اور شام میں انیس (۱۹) سال حکومت کی؛ لیکن جب ۵۸۹ھ میں ان کی وفات ہوئی تو ان کے ترکے میں نہ کوئی زمین جائداد تھی، نہ کوئی نقدی یا سونا۔

آہ! اے صلاح الدین ایوبی!!!

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کو دنیا سے رخصت ہوئے آٹھ سو سال سے زائد ہو چکے ہیں، آج پھر مسلمانوں کا قبلۂ اول ان سے چھین لیا گیا ہے، آج پھر امتِ مسلمہ کسی صلاح الدین کے انتظار میں ہے، اور پورا عالمِ اسلام زبانِ حال سے پکار رہا ہے کہ:

اے فروغِ دیدۂ امکاں! بیا	اے سوارِ شہبِ دوراں! بیا

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی خانقاہ کی طرف

چنانچہ ہم خانقاہِ صلاح الدین ایوبیؒ میں آئے تو مسجد کھلی تھی، گائڈ کے ساتھ ان کا کمرہ بھی دیکھا، اس کمرے سے مسجد میں جانے کا ایک راستہ ہے، صلاح الدین ایوبیؒ یہیں سے مسجد میں نماز کے لیے آتے جاتے تھے، مسجد کے نیچے دو چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے ہیں، گائڈ نے بتایا کہ: یہ ان کی اعتکاف کی جگہ ہے، یہیں آپ اعتکاف کرتے تھے، اس مسجد میں بڑے بڑے اکابر نے اعتکاف کیا ہے۔ بادشاہ کی رہائش گاہ کے اوپر سے مسجدِ اقصیٰ اور بیت المقدس کی بستی بڑی خوب صورت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کے مزار پر

وہاں قبرستان بھی ہے، جس میں نہ جانے کتنے اولیا اور کتنے شہدا کے مزارات ہوں گے، خاص طور پر دو قبروں کی زیارت ضرور کرنی چاہیے: ایک سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ اور دوسری سیدنا حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا تعارف

آپ جوانی ہی میں اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے، انصار کے وفود تین سال تک مدینۂ منورہ سے مکہ معظّمہ آئے ان سب میں آپ شامل تھے، پہلے یا دوسرے وفد کی آمد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ بابرکت پر بیعت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خاندان اور قافلوں کا نقیب بھی مقرر فرمایا، مسلمان ہوکر والدہ کو بھی اسلام کی دعوت دی اور وہ بھی اسلام قبول کرنے والوں میں شامل ہوئیں۔

غزوۂ بدر، بیعتِ رضوان اور خلافتِ صدیقی کی بعض لڑائیوں میں بھی شریک رہے، سن ۲ ھ میں بنوقینقاع عبداللہ بن ابی کے اشارہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت پر آمدہ ہوئے تو بنوقینقاع نے جلاوطنی کی سزا پائی، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے ان کا پرانا تعلق تھا؛ مگر سارے تعلقات قطع کردیے اور جلاوطن کرنے کا کام ان کے حوالے کیا گیا تو بڑی خوشی سے اسے انجام دیا۔ آپ فضلائے صحابہ میں سے تھے، حافظِ قرآن تھے۔

خلافتِ فاروقی میں ایک کمک کی فوج پر افسر بھی بنائے گئے، صدقات کی افسری، فلسطین کی قضا اور حمص کی امارت کی ذمہ داری بھی نبھائی۔

ایک مرتبہ فلسطین سے ناراض ہوکر مدینہ منورہ آگئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واپس بھیجا کہ: آپ ہی جیسے لوگوں سے دنیا قائم ہے، جہاں آپ جیسے لوگ نہ ہوں گے خدا اس زمین کو خراب کردے گا۔ پھر تادمِ حیات فلسطین میں رہے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کا تعارف

آپ حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ

کے بھتیجے تھے، تقریباً سارا خاندان مسلمان ہو چکا تھا، عہدِ نبوت کے بعد شام، حمص اور فلسطین میں قیام پذیر رہے۔

نہایت عابد اور پرہیز گار تھے، خوفِ خدا ہر وقت غالب رہتا تھا، بسا اوقات رات کو آرام فرمانے کے لیے لیٹتے پھر اٹھ جاتے اور ساری رات نماز پڑھتے، کبھی کبھی زبان سے نکلتا: خدایا! جہنم میرے اور میری نیند کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔

بات فرماتے تو دل آویز اور شیریں ہوتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: دو خصلتوں میں حضرت شداد رضی اللہ عنہ ہم سے بڑھ گئے: بولتے وقت وضاحت بیان میں، اور غصہ کے وقت عفو و درگذر میں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ: ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع تشریف لے جارہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت شداد کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چہرہ پر اداسی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ دریافت فرمائی، تو عرض کیا کہ: مجھ پر دنیا تنگ ہے، فرمایا: تم پر دنیا تنگ نہ ہوگی، شام اور بیت المقدس فتح ہوگا اور وہاں تمھاری اولاد امام ہوگی۔

یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، وہ اپنی اولاد کے ساتھ بیت المقدس میں مقیم ہوگئے اور پورے علاقے کے علم و فضل میں مرجع بنے۔ آپ نے ۵۸ھ میں ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

دونوں صحابہ کی قبریں مسجدِ اقصیٰ کے صحن کی مشرقی دیوار سے متصل ہیں، پہلے ایک کونے پر حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی قبر ہے، اس سے ذرا سے فاصلے پر حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک ہے۔

حضرت شمویل علیہ السلام کا مزار

قدس میں حضرت شمویل علیہ السلام کا مزار بھی ہے اور انہی کے نام پر قصطل (Castal) میں منطقۂ ابوغوث کے علاقے میں ''قریۂ شمویل'' بھی ہے۔

بہرحال! اسی کے ساتھ ہماری آج کی زیارتوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے؛ کیوں کہ رات ہوچکی تھی، دن بھر کی زیارتوں سے کافی تھک چکے تھے اور آرام کا شدید تقاضا تھا، چنانچہ اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹے اور آرام کیا۔

۱۵/تاریخ اتوار کا دن: مدینۃ الخلیل کی طرف

آج کی اہم ترین زیارت میں بتایا گیا کہ: ''مدینۃ الخلیل'' جانا ہے۔

مدینۃ الخلیل اس وقت اسرئیل کے حصار میں ہے، اور وہ بابرکت مقام ہے جہاں حضراتِ انبیاء علیہم السلام میں سے چار حضرات اور ان میں سے دو حضرات کی اہلیہ محترمات آرام فرما ہیں۔ یہ حرمِ خلیل کہلاتا ہے۔

اسی جگہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک طویل زمانہ گذرا، اور یہیں پر آپ کی قبر مبارک بنی، اور نہ جانے کتنے حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیائے عظام رحمہم اللہ کے قدم مبارک کے برکات یہاں ثبت ہیں۔

حالات خراب ہونے کے باجود وہاں جانے کا شوق

وہاں کے عرب حضرات نے بتایا کہ: ابھی وہاں جانے جیسا ماحول نہیں ہے؛

کیوں کہ غزہ، اسرائیل جنگ کے خطرات منڈلانا شروع ہو چکے تھے؛ لیکن میں نے کہا: نہیں! جس سرزمین کے اتنے عظیم فضائل ہو، اور اسلام کی بڑی یادیں وابستہ ہوں؛ اس کی زیارت کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے، ہمیں تو ہر حال میں شہر الخلیل جانا ہی ہے، ورنہ ہمارے سفر کی ایک اہم آرزو ادھوری رہ جائے گی۔

ہمارا گائڈ بھی بڑا ہمتی آدمی تھا، اس نے کہا: شیخ! آپ اگر ہمت فرمائیں تو میں آپ کو لے چلنے کے لیے تیار ہوں۔

میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: حفاظت کے جتنے اوراد و وظائف آپ کو یاد ہوں سب پڑھ لو، ہمیں الخلیل شہر چلنا ہے، اور اس طرح اللہ سے مدد کی دعا کے ساتھ صبح سویرے روانہ ہوئے۔

کرفیو جیسے ماحول میں اطمینان سے مدینۃ الخلیل میں داخلہ

جب ہم آگے بڑھے تو واقعتاً کرفیو جیسا ماحول، جا بجا اسرائیلی فوجی چیکنگ کر رہے تھے، الخلیل کے دروازے پر پہنچے تو آرمی والوں نے روک کر پوچھا: تم کون ہو؟

ہم نے کہا: ٹورسٹ گروپ ہے۔

پوچھا: کہاں سے آئے ہیں؟

ہم نے کہا: انڈیا سے۔

کہنے لگے: ٹھیک ہے جاؤ۔ اجازت دے دی۔

سناٹے میں کرفیو جیسے ماحول میں ہم اطمینان سے اندر داخل ہوئے، وہاں پہنچے تو فلسطینی چھوٹے بچے دوڑ دوڑ کر آ گئے۔

مسجدِ ابراہیمی میں بابرکت ہال

ایک اونچے ٹیلے پر نہایت خوب صورت اور عظیم الشان جامع مسجدِ ابراہیمی ہے، اس میں ایک بہت بڑا ہال ہے جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی نگرانی میں جناتوں سے تعمیر کرایا تھا، اسی عظیم ہال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کی قبورِ مبارکہ ہیں، اسی طرح حضرت اسحاق علیہ السلام کی بیوی رفقہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی حضرت سارہ وغیرہ کی قبریں ہیں، یہاں عجیب نورانیت محسوس ہوتی ہے۔

اسی ہال میں وہ بابرکت غار بھی ہے جہاں دوسرے انبیاء کے مزارات بتائے جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر شریف کی زیارت کے آداب

علمانے لکھا ہے کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے آداب میں سے کچھ یہ ہیں: (۱) نیت کو خالص کرے۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے توفیق اور مدد طلب کرے۔

(۳) جانے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

(۴) کوئی بے ادبی کا کام نہ کرے؛ اس لیے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

(۵) قبر کا قصد کرے اور پورے وقار اور سکون کے ساتھ حاضر ہو۔

(۶) ذکر اور استغفار زبان پر جاری ہو۔

⑦ مسجد میں ادب کے ساتھ داخل ہو۔

⑧ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔

⑨ پھر قبر مبارک پر حاضر ہو کر آپ پر سلام پیش کرے۔

⑩ کثرت سے دعا کرے کہ یہ قبولیتِ دعا کی جگہ ہے، اور آپ کا وسیلہ چاہے اور شفاعت کی درخواست کرے، جن لوگوں نے آپ کے توسل سے دعا کی، ان کی دعا قبول ہوئی۔

انہیں آداب کے ساتھ اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام مثلاً: حضرت اسحق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام پر بھی سلام پیش کرے، پھر حضرت سارہ، اور حضرت رفقہ رضی اللہ عنہما پر۔

سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انبیائے کرام کی جماعت میں ایک خاص مقام ہے، آپ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا سارے انبیائے کرام سے افضل ہیں۔

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد ہونے کی بنا پر ابو محمد اور ابو الانبیاء کے لقب سے بھی موسوم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت مشابہ تھے۔

شبِ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ مہمان نوازی میں آپ علیہ السلام بے مثل تھے؛ اسی لیے آپ کی کنیت بھی ''ابو الضیفان'' ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقریباً تین ہزار

نوے (۳۰۹۰) سال کا فاصلہ ہے۔

پچہتر (۷۵) سال کی عمر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر بنفسِ نفیس فرمائی۔

قرآنِ مجید کی پچیس (۲۵) سورتوں میں تریسٹھ (۶۳) جگہ آپ کا تذکرہ آیا ہے، کہتے ہیں کہ: آپ کی پیدائش ایک نجومی کی پیشین گوئی کی بنا پر ایک غار میں ہوئی اور اسی میں آپ پانچ (۵) سال تک رہے۔

زندگی کے لمحات بڑے امتحانات سے گذرے، کبھی تو باپ نے گھر سے نکال دیا تو کبھی نمرود کی طرف سے آگ میں ڈالنے کا حکم ہوا تو کبھی بیٹے کو ذبح کرنے کا حکمِ ربّانی ملا۔ الغرض! بہت سے امتحانات سے دوچار ہونا پڑا۔

نوٹ: تفصیل کے لیے خطباتِ محمود جلد: چار (۴) اور سات (۷) اور دیکھی ہوئی دنیا جلد دوم (۲) ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام

آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے اور چھوٹے صاحب زادے ہیں، جب والد کی عمر سو (۱۰۰) سال کی اور والدہ کی عمر نوے (۹۰) یا پچانوے (۹۵) سال کی تھی اس وقت بیت اللہ کی تعمیر کے سال پیدا ہوئے۔

والدِ ماجد کے بھتیجے کی لڑکی حضرت رفقہ سے چالیس (۴۰) سال کی عمر میں شادی ہوئی، انہیں سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ بنی اسرائیل کے تقریباً ساڑھے تین ہزار انبیائے کرام علیہم السلام آپ ہی کی نسل سے پیدا ہوئے۔

وہ خوش نصیب عورت جو ایک نبی کی بیوی، ایک نبی کی بہو اور ایک نبی کی والدہ ہے

اس طرح حضرت اسحاق علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ حضرت رفقہ علیہا السلام کو نبی کی اہلیہ، نبی کی بہو، نبی کی والدہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مزار مبارک کے پچھلے حصے میں ہم مسلمانوں کا داخلہ ممنوع ہے، معلوم ہوا کہ چند سال پہلے نمازِ فجر کی جماعت کے دوران ایک یہودی نے یہاں آکر عین حالتِ نماز میں مصلیوں پر گولیوں کی بارش برسادی تھی، جس میں ستائیس (۲۷) افراد شہید ہوئے، حکومت نے فوراً احاطے کو قبضے میں لے کر مسجد کو بند کر دیا، تفتیشی مراحل کے بعد دوبارہ مسجد کو کھولا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مزار مبارک کے پچھلے والے حصے کو اپنے قبضے میں رکھ کر مسلمانوں کا داخلہ بند کر دیا۔

اس ممنوع احاطے میں سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے صاحب زادے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی والدہ اور سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ حضرت لیا رضی اللہ عنہا کے مزارات واقع ہیں۔

سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام

آپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والدِ ماجد ہیں۔

عبرانی زبان میں آپ کا نام ''اسرائیل'' ہے، ''اسرا'' کے معنی ''عبد'' کے اور

’’ایل‘‘ کے معنیٰ ’’اللہ‘‘ کے ہوتے ہیں۔

آپ کی پیدائش کی بشارت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ ہی دی تھی۔

آپ کی یہ خصوصی شان ہے کہ تمام انبیائے بنی اسرائیل آپ ہی کی نسل سے ہوئے، آپ کے بعد کسی نبی کی نسل سے اتنے انبیاء نہیں ہوئے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی وفات کے بعد والدہ ماجدہ کے حکم سے اور مشورے سے عراق تشریف لے گئے اور اپنے ماموں کے پاس بیس سال سے زائد رہے، اور ان کی دو لڑکیوں: لیا اور راحیل کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا۔ لگتا ہے کہ ان کی شریعت میں بیک وقت دو بہنوں کے ساتھ نکاح جائز ہوگا۔

آپ کی بارہ اولاد ہوئیں، جن سے پھیلتے پھیلتے بارہ قبیلے بن گئے اور وہی بنی اسرائیل کہلائے۔

ماموں کے یہاں مقیم تھے وہیں سے اللہ نے آپ کو کنعان کے باشندوں کے لیے نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔

دادا کی طرح یہ بھی بڑے امتحانات سے گذرے، دو دو بیٹوں کی جدائی اور اس پر غم سے بینائی زائل ہوگئی۔

تقریباً ایک سو چوہتر (۱۷۴) سال کی عمر میں مصر میں وفات پائی، آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ: مجھے میرے والد اور دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کرنا، حضرت یوسف علیہ السلام نے حسبِ وصیت جنازہ کو شاہی اعزاز کے ساتھ ارضِ فلسطین میں دونوں بزرگوں کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرے پر قرآن میں ایک پوری سورت آپ ہی کے نام سے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔

کریم بن کریم بن کریم بن کریم، کی شانِ امتیازی کے مالک تھے۔

آپ علیہ السلام نے بچپن میں عجیب خواب دیکھا کہ: گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کررہے ہیں۔ والدِ ماجد نے ارشاد فرمایا: اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔ بھائیوں کو والد کی ان پر نظرِ عنایت اور کثرتِ محبت کی بنا پر حسد پیدا ہو گیا تھا، اور وہ حسد یہاں تک پہنچا کہ جان لینے کو تیار ہو گئے اور مشورے سے کنویں میں ڈال دیا، پھر مسافروں کے ہاتھ مصر پہنچائے گئے اور بازارِ مصر میں نیلام ہوئے اور تقدیرِ الٰہی سے بادشاہ کے مکان ہی پر رہنے اور پلنے کا موقع ملا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا ہمارے لیے عبرت

حضرت یوسف علیہ السلام نے وفات سے قبل جو دعا مانگی ہے وہ ہم سب کے لیے عبرت کی دعا ہے، اللہ کے ایک برگزیدہ بندے اور نبی نے کس چیز کی تمنا ظاہر کی کہ:

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠١﴾

ترجمہ: اے میرے رب! آپ نے مجھے حکومت کا بڑا حصہ عطا فرمایا اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بھی عطا فرمایا، اے آسمانوں اور زمین کو بنانے والے (اللہ تعالیٰ!)

آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرا کام بنانے والے ہیں، آپ مجھ کو اسلام (یعنی آپ کی فرماں برداری) کے ساتھ (دنیا سے) اٹھانا اور (مرنے کے بعد اپنے) نیک بندوں کے ساتھ مجھے ملا دینا ﴿۱۰۱﴾

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی آخرت کا شوق بڑھ گیا اور آپ نے دعا مانگی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس نبوت (اعلیٰ ترین مقام ہے) بھی ہے اور دنیوی بادشاہت (جو دنیا میں ترقی کا اعلیٰ مقام ہے) بھی ہے، ان دونوں نعمتوں کے ہوتے ہوئے حسنِ خاتمہ اور آخرت میں صالحین کی معیت کی دعا مانگنا یہ حسنِ خاتمہ کی اہمیت کو بتلاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نعمت سے نوازے، اِس قرآنی دعا کو مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے (از تیسیر القرآن)۔

نوٹ: تفصیل کے لیے فوائدِ سورۂ یوسف اور حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ خطباتِ محمود جلد آٹھ (۸) میں ملاحظہ فرمائیں۔

وفات کے بعد پہلے مصر میں دفن کیے گئے، پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور آیا اور بنی اسرائیل نے مصر سے ہجرت کی تب حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کے تابوت کو مصر سے فلسطین ساتھ لے گئے، حسبِ وصیت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان کی قبر کو کھول کر نعش کو فلسطین پہنچایا اور اپنے والد اور دادا کے ساتھ مدینۃ الخلیل میں دفن کیے گئے۔

ہم نے اولاً حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کی، بعد میں ممنوع احاطے کے باہر ہی سے اس میں مدفون حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور ان کے اہلِ خانہ کی زیارت کی اور پھر مسجد میں نمازِ ظہر پڑھی، قرآنِ کریم کی تلاوت کی، اور ایصالِ ثواب کر کے یہاں سے روانہ ہوئے۔

حضرت شمعون علیہ السلام کا مزار

الخلیل سے قدس جاتے ہوئے راستے میں حضرت شمعون علیہ السلام کا مزار بھی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ کی زیارت

واپسی میں ایک جگہ پہاڑ پر گئے، بتایا گیا کہ: یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی، آپ کی والدہ حضرت مریم مسجدِ اقصیٰ کے مشرقی جانب چلی گئی تھیں جس کا ذکر قرآن میں ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾

ترجمہ: اور (اے نبی!) تم اس کتاب (قرآن کے خاص حصے) میں مریم کا بھی تذکرہ کرو، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہوکر ایک ایسے مکان (جگہ) میں چلی گئی جو مشرق میں تھا (بیت المقدس کا شرقی حصہ مراد ہے) (از تیسیر القرآن)۔

نوٹ: حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا تفصیلی واقعہ خطباتِ محمود جلد دوم (۲) میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہم نے اس مقام کی زیارت کی، لوگ اس کو ''بیت اللحم'' نام سے جانتے پہچانتے ہیں، یہاں بہت بڑا چرچ ہے، وہاں قریب میں ہی ایک مسجد جس کا نام بھی مسجدِ عمر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گذرتے ہوئے یہاں نماز ادا فرمائی تھی، اس لیے اس جگہ یادگیری میں مسجدِ عمر بنادی گئی ہے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی قبر اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھائے جانے کی جگہ

قریب میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی قبر بھی ہے، اس کی زیارت کی، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جہاں سے آسمانوں پر اٹھایا گیا تھا اس جگہ کو دیکھا، وہاں ایک پتھر ہے جس پر پیروں کے نشانات بنے ہوئے ہیں، کہتے ہیں کہ: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نامِ نامی کے ساتھ قرآنِ مجید میں پچیس (۲۵) مرتبہ، لقب ''مسیح'' کے ساتھ گیارہ (۱۱) مرتبہ اور ''ابن مریم'' کی کنیت کے ساتھ تیئیس (۲۳) مرتبہ مذکور ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں، آپ کی پیدائش معجزانہ انداز میں بغیر باپ کے ہوئی۔

جب یہودیوں نے آپ کی والدہ پر الزام لگایا تو آپ نے گود میں معجزانہ انداز میں کلام کر کے اپنی والدہ کی پاک دامنی کی گواہی دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش کوہِ ساعرہ کے دامن میں ہے، یہ جگہ بیت اللحم کے نام سے مشہور ہے، بعضوں نے جائے پیدائش ''ناصرہ'' کو قرار دیا ہے۔

پیدائش کے بعد سے لے کر نبوت تک عیسیٰ علیہ السلام کہاں رہے، یہ ایک مختلف

فیہ مسئلہ ہے، قرآن و حدیث میں اس مسئلے پر سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ (البدایہ:۲/۷۰)

نزولِ وحی اور دعوت و تبلیغ کا آغاز

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک قول کے مطابق تیس (۳۰) سال کی ہوئی تو ان پر نزولِ وحی کا آغاز ہوا، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پورے زور و شور سے دعوت و تبلیغ کا آغاز کر دیا، آپ کی تبلیغ میں حکمت و دانائی کے ساتھ ساتھ احکامِ الٰہی پر شدت سے عمل کرنے اور کرانے کا جذبہ بھی پایا جاتا تھا، آپ نے اپنے مواعظ میں ان مذہبی لوگوں کو خاص طور پر ہدف بنایا جنھوں نے مذہب کے نام پر دکان داریاں قائم کر رکھی تھیں۔

خطبۂ کوہ

آپ نے اعلانِ نبوت کے چند دن بعد ایک پہاڑی پر وعظ کیا، جسے خطبۂ کوہ (sermon on the mount) کہا جاتا ہے، اس وعظ میں آپ کی تمام تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے، پھر جیسے جیسے عوام ان سے متاثر ہوتے گئے، خواص؛ یعنی مذہبی لوگ، کاہن اور فریسی (pharisees) اتنے ہی ان کے مخالف ہوتے گئے؛ کیوں کہ انھیں اپنی مذہبی سیادت ختم ہوتی نظر آرہی تھی۔ (اردو دائرہ معارف الاسلامیہ:۲/۱۴)

آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر

جب آپ تینتیس (۳۳) سال کے ہوئے تو ماہِ رمضان میں شبِ قدر میں بیت المقدس سے آسمان پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھا لیا؛ گویا اٹھنے کے وقت آپ کی

نبوت کو تین سال گذرے تھے، آپ کے بعد حضرت مریم چھ سال زندہ رہیں۔

بنی اسرائیل کی شرارت، آپ علیہ السلام کی بد دعا سے خنزیر بن جانا

روح المعانی میں ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: بنی اسرائیل کو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ فرمائی تو وہ ایمان نہ لائے اور آپ سے مقابلہ تو نہ کر سکے؛ البتہ آپ کی شان میں گستاخی شروع کردی اور آپ کی والدہ محترمہ پر عیب لگانے شروع کردیے اور آپ کو طرح طرح کی تکالیف دینی شروع کردیں۔

ایک دن آپ شہر میں گشت لگا رہے تھے کہ شہر کے لوگوں نے آپ کو بہت پریشان کیا، تب آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اے مولائے کائنات! میں کہاں تک صبر کروں، اب بہتر یہی ہے کہ تو ان کو خنزیر بنا دے۔

آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ وہ سب خنزیر بن گئے، اس واقعے سے لوگوں پر ایک خوف طاری ہوگیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا مزار

جس پتھر پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدم کے نشانات بتلائے جاتے ہیں اور جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ: یہیں سے رفع الی السما ہوا تھا وہاں قریب میں حضرت زکریا علیہ السلام کا مزار مبارک بھی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے مزار کی زیارت

اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کی، آپ کے مزار پر

یہودی لوگوں کی بڑی بھیڑ رہتی ہے، درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے؛ لیکن جب ہم پہنچے تو یہودی بھی آ کر مزار پر کھڑے ہو گئے اور کچھ پڑھنے لگے، شاید وہ بالقصد ایسا کر رہے تھے؛ تاکہ ہماری تلاوت میں خلل ہو۔

آپ کے مزارِ مبارک کے پاس جانے کے لیے مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ راستے ہیں؛ گویا مرد وعورت کا اختلاط نہ ہو اس کا یہودی بھی اہتمام کرتے ہیں۔

سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کا مختصر تعارف

آپ بنی اسرائیل کے مشہور نبی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً پانچ سو سال بعد آپ کی ولادت ہوئی، بیت اللحم سے قریب ''بیت جلا'' نامی بستی میں بچپن گذرا۔

آپ کی بہادری بھی مشہور تھی، باوجود کم سنی کے جالوت کو۔ جو کہ چھ ہاتھ اور ایک بالشت قد کا طاقتور تھا، پیتل کی زرہ اور موزے پہنے ہوئے تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو قتل کر دیا۔

طالوت بادشاہ نے اسی پر اپنی آدھی بادشاہت دے دی اور ان سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت بھی عطا ہوئی۔ قرآن میں آپ کا تذکرہ نو (۹) سورتوں میں سولہ (۱٦) جگہ آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف اوّاب؛ یعنی رجوع کرنے والے تھے۔

آپ ایک بڑے علاقے کے بادشاہ بھی تھے، آپ کو زبور کتاب عطا ہوئی، آواز بھی مثالی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر مبارک اور مختصر تعارف

وہیں قریب میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر مبارک بھی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند اور آپ کی نبوت اور بادشاہت دونوں کے وارث ہوئے۔

قرآنِ کریم کی سات (۷) سورتوں میں سولہ (۱٦) جگہوں پر آپ کا تذکرہ آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی سلطنت عطا فرمائی تھی کہ ان کے بعد ایسی سلطنت کسی کو نہیں عطا کی گئی۔

جنتی دسترخوان اترنے کی جگہ

ایک جگہ بلندی پر چڑھے تو وہاں لکھا ہوا تھا: ﴿رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾

حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر کے بالکل بازو میں یہ جگہ ہے، اس جگہ سے متعلق واقعہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے ان سے عرض کیا تھا کہ:

اِذۡ قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ هَلۡ يَسۡتَطِيۡعُ رَبُّكَ اَنۡ يُّنَزِّلَ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ (المائدة)

ترجمہ: (وہ واقعہ بھی دھیان میں رکھنے جیسا ہے) جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! کیا آپ کے رب ایسا کرسکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے (کھانے کا بھرا) خوان اتاریں؟

آپ علیہ السلام نے منع فرمایا:﴿قَالَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴾

ترجمہ: عیسیٰ نے کہا کہ: اگر تم حقیقت میں ایمان والے ہو تو تم اللہ سے ڈرو (یعنی روزی حاصل کرنے کے جو عام ذرائع ہیں وہ اختیار کرو)

حواریین نے کہا:

قَالُوۡا نُرِیۡدُ اَنۡ نَّاۡکُلَ مِنۡہَا وَ تَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُنَا وَ نَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ صَدَقۡتَنَا وَ نَکُوۡنَ عَلَیۡہَا مِنَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: وہ (حواری لوگ) کہنے لگے: ہم چاہتے ہیں کہ اس (خوان) میں سے کھاویں اور ہمارے دلوں کو (پورا) اطمینان ہو اور ہم (پہلے سے بھی زیادہ یقین سے) جان لیویں کہ آپ نے ہم سے (اپنے رسول ہونے کے بارے میں جو بھی کہا تھا وہ) سچ کہا تھا اور اس (معجزہ) پر ہم گواہی دینے والوں میں شامل ہو جاویں ﴿۱۱۳﴾

جب ان کا اصرار دیکھا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی جس کا ذکر قرآن میں ہے:

قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ اللّٰہُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰیَۃً مِّنۡکَ ۚ وَ ارۡزُقۡنَا وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: مریم کے بیٹے عیسیٰ نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے رب! آپ ہم پر آسمان سے (کھانے کا بھرا ہوا) خوان اتار دیجیے جو ہمارے لیے یعنی ہمارے پہلے اور بعد (کے زمانے میں آنے) والے سب لوگوں کے لیے عید کا دن رہے اور وہ (خوان) آپ کی (قدرت کی) نشانی ہو جاوے اور آپ ہم کو روزی دیجیے اور آپ تو روزی دینے والوں میں سب سے اچھے ہیں۔ (از تیسیر القرآن)

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی اور دستر خوان اترا۔اسی جگہ ایک عمارت بنی ہوئی ہے اس میں چاروں طرف دیوار پر یہ آیات لکھی گئی ہیں۔

چنانچہ ساتھیوں کے پاس توشے میں جو کچھ کھانا تھا میں نے کہا: چلو! یہاں بیٹھ کر کھاتے ہیں، ہمارے پاس ہندوستانی چوڑا، بسکٹ وغیرہ تھا وہی ہم نے کھالیا۔ پھر جبلِ صیہون بھی دیکھا۔

۱۶/تاریخ پیر کا دن: دعوت وتبلیغ سے جڑے ہوئے ایک ساتھی کی ملاقات

آگے ۱۶ تاریخ کو دعوت وتبلیغ سے جڑے ہوئے ایک ساتھی سے ملاقات ہوئی جو ہمارے حضرت شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم سے عقیدت وتعلق رکھتے ہیں، وہ مدینہ منورہ میں ملے تھے،ہم ان کے مہمان بنے، انھوں نے کہا کہ: آج میں آپ لوگوں کو زیارت کرواؤں گا۔

یہ شیخ ریاض العجو تھے، وہاں ان کی ''فلافل العجو'' کے نام سے ایک شاندار ریسٹورنٹ ہے، وہاں لے جاکر ہم سے دعا بھی کروائی۔

اسرائیل کا پایۂ تخت: تل ابیب کی طرف

وہ ہمیں لے کر اسرائیل کی راجدھانی تل ابیب گئے۔

یہ ۱۴/مئی ۱۹۴۸ء کو عمل میں آنے والی حکومت اسرائیل کا یہ ایک شہر ہے، یہ شہر سمندر کے کنارے پر واقع ہے، اس شہر کا کشادہ اور عالی شان ائیر پوٹ ہے۔

تل ابیب میں دعوت وتبلیغ کا مرکز

ہم سب سے پہلے تل ابیب میں دعوت وتبلیغ کے مرکز پر پہنچے۔

الحمدللہ! تل ابیب میں دعوت وتبلیغ کا مرکز قائم ہو چکا ہے، بالکل ہندوستانی انداز کا سیدھا سادہ مرکز ہے، بستر لگے ہوئے ہیں، مطبخ بھی ہے، اور یہاں سے تل ابیب کا ایئرپورٹ بالکل قریب ہے، تل ابیب میں اس طرح کا مرکز دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے حفاظت میں رکھے۔

جب وہاں گئے تو بتایا گیا کہ چند دن پہلے یہاں بہت بڑا اجتماع ہوا تھا جس میں دنیا بھر سے چھ ہزار لوگوں نے شرکت کی تھی اور تقریباً چھیاسی (۸۶) جماعتیں چلہ اور چار مہینے کی روانہ ہوئیں۔

ہم نے شیخ ریاض سے پوچھا کہ: آپ نے تل ابیب جیسی جگہ سے اتنی جماعتیں روانہ کی، کوئی روکنے والا نہیں؟

فرمایا: اللّٰہُ ھو المانعُ، روکنے والا تو اللہ ہے، جب اس نے نہیں روکا تو اب کون روکے گا؟ اس مرکز پر ہم نے ظہر وعصر پڑھی۔

''لد'' شہر

مرکز سے پہلے ہم ''لد'' شہر گئے، لد فلسطین کا پائے تخت تھا، الرملہ کی بنا کے بعد ویران ہو گیا، اس پرانے شہر کے اردگرد کا علاقہ بھی ''لد'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

حدیث میں آپ ﷺ نے قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی تفصیلات ارشاد فرمائی ہیں، اعلیٰ درجہ کی صحیح سندوں کے ساتھ یہ حدیث آئی

ہے، اسے تین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ایک ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

فَيَطْلُبُهُ حَتّٰى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهُ.

ترجمہ: سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ اسے لد کے دروازے پر جا کر قتل کر دیں گے۔

بابِ لد پر لکھا ہوا جملہ: هُنا يَخْرُجُ مَلِكُ السَّلَامِ

باب لد پر اسرائیلی انتظامیہ نے لکھا ہوا ہے کہ: هُنا يَخْرُجُ مَلِكُ السَّلَامِ.

ترجمہ: سلامتی کا بادشاہ (دجال) یہاں ظاہر ہوگا۔

دجال کا تعارف

دجال قومِ یہود میں سے ہوگا، عوام میں اس کا لقب ''مسیح'' ہوگا، دائیں آنکھ میں پھلی ہوگی، گھونگر دار بال ہوں گے، اس کی پیشانی پر ''ک، ف، ر'' لکھا ہوا ہوگا، جس کو ایمان والے پڑھ لیں گے، سواری میں ایک بہت بڑا گدھا اس کے ساتھ ہوگا، اس کی آمد قیامت کی سب سے بڑی نشانیوں میں سے ہے۔

دجال صرف چالیس دن دنیا میں رہے گا

دجال کا صرف چالیس دن دنیا میں قیام رہے گا، جن میں سے پہلا دن ایک سال کے دنوں کے برابر بڑا ہوگا، دوسرا ایک مہینے کے دنوں کے برابر، تیسرا دن ایک ہفتے کے دنوں کے برابر، باقی سینتیس (۳۷) دن عام دنوں کے برابر ہوں گے۔

نبوت وخدائی کا دعویٰ

عراق وشام کے درمیان ظاہر ہوکر نبوت ورسالت کا دعوی کرے گا، پھر وہاں سے اصفہان چلا جائے گا، یہاں اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے، یہیں سے خدائی کا دعویٰ کرکے چاروں طرف فساد برپا کرے گا اور زمین کے اکثر مقامات پر گشت کرکے اپنے آپ کو خدا کہلوائے گا۔

لوگوں کی آزمائش کے لیے خرقِ عادت چیزوں کا ظہور

لوگوں کی آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ اس سے خرقِ عادات باتیں ظاہر کرائے گا، اس کے ساتھ ایک آگ ہوگی جس کو دوزخ سے تعبیر کرے گا اور ایک باغ ہوگا جو جنت سے موسوم ہوگا، مخالفین کو آگ میں اور موافقین کو جنت میں ڈالے گا؛ مگر وہ آگ در حقیقت باغ کے مانند ہوگی اور باغ آگ کی خاصیت رکھتا ہوگا، نیز اس کے پاس کھانے پینے کے سامان کا بڑا ذخیرہ ہوگا، جس کو چاہے گا دے گا۔

جو فرقہ اس کی خدائی کو تسلیم کرلے گا تو اس کے لیے اس کے حکم سے بارش ہوگی، اناج پیدا ہوگا، درخت پھل دار، مویشی موٹے تازے اور دودھ والے ہوجائیں گے، اور جو فرقہ اس کی مخالفت کرے گا تو اس سے اشیائے مذکورہ بند کردے گا اور اسی قسم کی بہت سی ایذائیں مسلمانوں کو پہنچائے گا؛ مگر خدا کے فضل سے مسلمانوں کو تسبیح وتہلیل کھانے پینے کا کام دے گی۔

اس کے خروج سے دو سال پیشتر قحط پڑ چکا ہوگا، تیسرے سال دورانِ قحط ہی میں اس کا ظہور ہوگا، زمین کے مدفون خزانے اس کے حکم سے اس ساتھ ہوجائیں گے۔

بعض آدمیوں سے کہے گا کہ: میں تمھارے مردہ باپوں کو زندہ کردوں؛ تا کہ تم میری اس قدرت کو دیکھ کر میری خدائی کا یقین کرلو، اس کے بعد شیاطین کو حکم دے گا کہ زمین میں سے ان کے ماں باپوں کے ہم شکل ہو کر نکلو؛ چنانچہ وہ ایسا ہی کریں گے۔

مکہ اور مدینہ میں داخلہ سے روک دیا جائے گا

اسی طرح بہت سے ممالک پر اس کا گزر ہوگا؛ یہاں تک کہ جب وہ یمن کی سرحد پر پہنچے گا اور بددین لوگ بکثرت اس کے ساتھ ہو جائیں گے تو وہاں سے لوٹ کر مکہ معظّمہ کے قریب مقیم ہو جائے گا؛ مگر فرشتوں کی حفاظت کی وجہ سے مکہ معظّمہ میں داخل نہ ہو سکے گا، پھر وہاں سے مدینہ منورہ کا قصد کرے گا، اس وقت مدینہ منورہ کے سات دروازے ہوں گے، ہر دروازے کی محافظت کے لیے خداوندِ کریم دو فرشتے متعین فرمادے گا، جن کے ڈر سے دجال کی فوج شہر میں داخل نہ ہو سکے گی، نیز مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے بدعقیدہ منافق جیسے لوگ ڈر کی وجہ سے بھاگ کر دجال کے جال میں پھنس جائیں گے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے بندے کی کتاب ''ظہورِ مہدی کب، کہاں، کس طرح؟'' ملاحظہ فرمائیں۔

ایک بزرگ کا دجال سے مناظرہ

اس وقت مدینہ منورہ میں ایک بزرگ ہوں گے، جو دجال سے مناظرہ کرنے کے لیے نکلیں گے، دجال کی فوج کے قریب پہنچ کر پوچھیں گے کہ: دجال کہاں ہے؟ وہ ان کی گفتگو خلافِ ادب سمجھ کر ان کے قتل کا ارادہ کریں گے؛ مگر بعض لوگ قتل سے منع

کریں گے اور کہیں گے: کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہمارے تمھارے خدا (دجال) نے منع کیا ہے کہ بغیر میری اجازت کے کسی کو قتل نہ کرنا۔

پھر وہ دجال کے سامنے جا کر بیان کریں گے کہ: ایک گستاخ شخص آیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔

دجال ان کو اپنے پاس بلائے گا، جب وہ بزرگ دجال کو دیکھیں گے تو فرمائیں گے: میں نے تجھے پہچان لیا ہے، تو وہی ملعون دجال ہے جس کی پیغمبرِ خدا حضرت محمد ﷺ نے خبر دی تھی اور تیری گمراہی کی حقیقت بیان فرمادی تھی۔

دجال غصے میں آ کر کہے گا کہ: اس گستاخ کو آرے سے چیر دو۔

حکم ملتے ہی ان بزرگ کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں گے، پھر دجال ان دو ٹکڑوں کے درمیان سے نکل کر لوگوں سے کہے گا کہ: اگر اب میں اس مردے کو زندہ کر دوں تو تم میری خدائی پر یقین کرو گے؟

لوگ کہیں گے کہ: ہم تو پہلے ہی سے آپ کی خدائی پر یقین کیے ہوئے ہیں اور کسی قسم کا شک وشبہ دل میں نہیں رکھتے ہیں، ہاں! اگر ایسا ہو جائے تو ہم کو مزید اطمینان ہو جائے گا۔ پس وہ دونوں ٹکڑوں کو جمع کر کے زندہ ہونے کا حکم دے گا؛ چنانچہ وہ خداوندِ قدوس کی حکمت وارادے سے زندہ ہو کر کہیں گے: اب تو مجھ کو پورا یقین ہو گیا کہ تو وہی مردود دجال ہے جس کی خبر مخبرِ صادق پیغمبرِ خدا حضرت محمد ﷺ نے دی تھی۔

دجال جھنجھلا کر اپنے معتقدین کو حکم دے گا کہ: اس کو ابھی ذبح کر دو۔ پس وہ لوگ ان کی گردن پر چھری پھیریں گے؛ مگر اس سے ان کو ذرہ برابر بھی تکلیف نہ ہوگی، جس سے دجال کو شرمندگی ہوگی، اور شرمندگی کی حالت میں وہ ان کو اپنی اس آگ میں

ڈال دے گا جس کا بیان ابھی ہو چکا ہے، وہ آگ خدا کی قدرت سے ان کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی۔

اس کے بعد دجال کسی مردے کے زندہ کرنے پر قدرت نہ پائے گا اور یہاں سے ملکِ شام کی جانب روانہ ہو جائے گا۔

یہودیوں کے غرقد نامی درخت کے اگانے کی مہم کی وجہ

ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب یہودیوں کے لیے زمین تنگ ہو گی اور وہ درختوں اور پتھروں سے پناہ مانگنے پر مجبور ہو جائیں گے؛ لیکن ان درختوں اور پتھروں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے گویائی عطا ہو گی اور وہ یہودیوں کا پیچھا کرنے والے مسلمانوں سے کہیں گے کہ: ان کی اوٹ میں یہودیوں نے پناہ لی ہے؛ جب کہ غرقد نام کی واحد خاردار جھاڑی ہی ایک ایسا درخت ہوگا جو اس گویائی کی قوت سے محروم ہوگا اور یہودی ان کی اوٹ میں پناہ لینے کی کوشش کریں گے۔

یہودیوں کو اس حدیث پر اتنا اعتبار ہے کہ انھوں نے پورے اسرائیل میں بڑے پیمانے پر غرقد نام کے یہ درخت اگائے ہیں اور اسرائیل کی یہ کوشش ہے کہ وہ دنیا میں اپنے حلیف ممالک میں ان درختوں کی وسیع پیمانے پر شجر کاری کرے۔

دجال کے قتل ہونے کی جگہ کی زیارت

یہ ساری چیزیں پڑھ سن رکھی تھی؛ اس لیے اسے دیکھنے کی بڑی تڑپ تھی، میں نے شیخ ریاض سے کہا: میں تو دجال کے قتل ہونے کی جگہ دیکھنا چاہتا ہوں۔

چنانچہ وہ ہمیں بابِ لد پر لے گئے، وہاں ایک عجیب ڈراؤنا درخت ہے، کہتے

ہیں کہ: دجال اسی درخت کے پیچھے چھپے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کریں گے۔

وہ کنواں جس میں قتل کے بعد دجال کو ڈالا جائے گا

باب ”لد“ ہی کے مقام پر ایک کنواں ہے، کہتے ہیں کہ جس میں دجال کو قتل کرنے کے بعد ڈالا جائے گا، یہودی شہری انتظامیہ نے وہاں سے ایک سڑک گزارنے کے لیے اس کنویں کو ختم کرنا چاہا؛ مگر بلڈوزروں اور طرح طرح کی مشینوں سے بھی اس کنویں کو راستے سے ہٹایا نہ جاسکا، مجبوراً سڑک وہاں سے ہٹ کر گزارنی پڑی، لگتا ایسا ہے کہ یہ قدرتی نظام ہے۔

وہاں اب یہ لکھا ہوا ہے: هذا مكانٌ تاريخيٌ. یعنی یہ ایک تاریخی مقام ہے۔

عمواس شہر کی زیارت

اغوار کا علاقہ دو حصوں میں بٹا ہوا ہے، کچھ حصہ اردن میں ہے، جب کہ زیادہ تر حصہ فلسطین میں، فلسطین والے اغوار کے علاقے میں کئی جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات ہیں، جو ”طاعونِ عمواس“ میں شہید ہوئے ہیں، عمواس یہاں ایک بستی کا نام ہے جو بیت المقدس کے قریب ہے، حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ مشہور طاعون اسی بستی سے شروع ہوا تھا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی بہت بڑی تعداد اس میں شہید ہوگئی تھیں۔

چنانچہ ہم اصل عمواس شہر-جہاں حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت شہید ہوئی تھی اس-کو دیکھنے کے لیے پہاڑ پر چڑھے، یہ پورا جنگل کا علاقہ ہے جو اسرائیل کے قبضے میں ہے، وہاں پہاڑی پر ایک چھوٹی سی عمارت بنی ہے جس پر

انگریزی اور عبرانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ: نبیٔ کریم ﷺ کے صحابہ یہاں آئے تھے اور تقریباً پچیس (۲۵) ہزار صحابہ وتابعین اسی جگہ انتقال فرما گئے تھے۔

طاعونِ عمواس میں شہید ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات پر

شیخ ریاض نے کہا: ذرا جھاڑیوں میں چلو، پھر میں تمھیں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات دکھاتا ہوں۔

چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے چالیس بیٹے جو یہاں طاعون میں انتقال کر گئے تھے ان کے مزارات ہیں۔ اور ان کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت یہاں مدفون ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزار پر دعا کا عجیب منظر

سخت دھوپ میں کھڑے کھڑے ہم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو نہ دھوپ محسوس ہوئی نہ پیاس، عجیب سکون اور رحمت کی بارش محسوس ہوتی ہے، تمام ساتھیوں کو بہت رونا آرہا تھا کہ اے اللہ! یہ صحابۂ کرام تیرے دین کے لیے یہاں آکر سو گئے ہیں، قیامت تک ابدی آرام میں میٹھی نیند میں سو گئے۔

''لد، عمواس'' وغیرہ کی زیارت کرنے کے بعد ''شیخ ریاض'' کے یہاں دوپہر کا کھانا کھایا۔

عربوں کے یہاں تو دو تین بیویوں کا عام رواج ہے، تو انھوں نے اس دن اپنی دوسری بیوی کے یہاں ہماری شان دار دعوت کروائی، اس کے بعد کہنے لگے کہ: میں آپ کو واپسی سے پہلے ایک اور جگہ لے جانا چاہتا ہوں۔

حضرت صالح علیہ السلام کے مزار مبارک کی زیارت

پھر اس شہر کے باہر ایک جگہ ہے وہاں ہم کو لے گئے، وہاں پر ایک اونچا مینارہ ہے اور ایک میدان ہے، سمجھو کہ ٹاور کی طرح ہے، وہاں جا کر پتا چلا کہ اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کا مزار بتایا جاتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب آیا وہ علاقہ تو اس وقت سعودی کی سرحد میں آتا ہے؛ لیکن عذاب کے بعد ایک قول کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام ہجرت کر کے یہاں پر تشریف لائے تھے اور زندگی کے آخری ایام یہاں پر گزارے تھے اور یہیں پر ان کی وفات ہوئی تھی۔

امام الحدیث ''امام نسائیؒ'' کے مزار کی زیارت

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قبر سے چند قدم چلتے ہیں تو مشہور امام الحدیث ''امام نسائیؒ'' کا مزار آتا ہے، آپ بھی وہیں پر آرام فرما رہے ہیں، ہم ان مقدس ہستیوں کے مزارات کی زیارت کرنے کے بعد ہماری عارضی قیام گاہ ہوٹل آگئے۔

شیخ ریاض ابھی (۲۰۱۷ء) بھارت دو ماہ جماعت میں تشریف لائے تھے، انھوں نے بتایا کہ: آپ کی جماعت میرے گھر آئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے یہاں ایک بیٹا عطا فرمایا تو میں نے دل میں سوچا: یہ آپ کی جماعت کی آمد کی برکت ہے۔

۱۷/ تاریخ اس سفر کا آخری دن

۱۷/ تاریخ کو ہمارے فلسطین کے سفر کا آخری دن تھا، ہم نے اس دن کے

سفر کے بارے میں پوچھا تو ہم کو بتایا گیا کہ: یروشلم سے بہت دور جہاں اسرئیل بھی پورا ہو جاتا ہے بالکل آخری کنارے پر جہاں سے شام کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں وہاں جانا ہے۔ حسبِ معمول یہاں بھی ہم نے ہوٹل کو صبح سویرے الوداع کہہ دیا۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا گاؤں ''ناصرہ''

درمیان میں ''قریۂ ناصرہ'' نامی ایک جگہ آئی، اس کی آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے، ایک قول کے مطابق حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا تعلق ناصرہ ہی سے تھا، ناصرہ کی نسبت ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار نصاریٰ کہلاتے ہیں، بیت المقدس سے ناصرہ کا فاصلہ تقریباً سو (۱۰۰) کلومیٹر شمال کی طرف ہے۔

پورے گاؤں میں بس چرچ ہی چرچ ہیں، ہم ''قریۂ ناصرہ'' کے قریب سے (یعنی بائے پاس سے) گزرے، میں نے کہا کہ: اندر تو جانا نہیں ہیں؛ کیوں کہ اور بھی بہت سے پروگرام ہیں۔

یافہ اور حضرت یونس علیہ السلام

راستے میں ایک جگہ یافہ ہے، یہ فلسطین کا ایک ساحلی شہر ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت یونس علیہ السلام ترتیش (تیونس) جانے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے، اور سمندر میں ڈالے جانے کا واقعہ پیش آیا، پھر آپ علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس (۴۰) دن استغفار کرتے رہے جس کی برکت سے آپ کو مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔

ساحلِ سمندر پر ہماری حاضری ہوئی، نیچے ایک مسجد بھی ہے، کہتے ہیں کہ: وہاں سے حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں روانہ ہوئے تھے۔

مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو کون سے دریا کے کنارے اگلا اس بارے میں دو قول ملتے ہیں: ① دجلہ کے کنارے ② دریائے یافہ کے کنارے۔

جن ایام میں حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہے تو مچھلی انھیں لے کر مختلف سمندروں میں گھومی، پھر دریا کے کنارے انھیں اُگل دیا۔

روایت میں آتا ہے کہ: جس مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو پیٹ میں رکھا تھا اسے نجم کہتے ہیں۔

یافہ کا وہ غار جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یافہ کے اس سمندر کے کنارے جب مچھلی نے ۴۰ دن کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کو اگل دیا تو اس غار میں حضرت یونس علیہ السلام نے کمزوری کی وجہ سے قیام فرمایا تھا، اس غار کو ''گوا'' کہتے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کا مزار

حضرت یونس علیہ السلام کی قبر کے بارے میں بھی مختلف روایات ہیں:

① فلسطین کے شہر الخلیل سے چار میل کے فاصلہ پر قریہ ''حلحول'' میں آپ کا مزارِ مقدس بتایا جاتا ہے۔ ② دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کی قبر عراق میں موصل (سابقہ نینوا) کے مقام پر دریائے دجلہ کے کنارے ہے۔

محققین اسی علاقے کو حضرت یونس علیہ السلام کا علاقہ قرار دیتے ہیں اور مچھلی کے پیٹ میں چلے جانے والا واقعہ بھی وہیں پیش آیا تھا، جب کہ حَبرون کے علاقے میں نہ تو کوئی دریا ہے اور نہ کوئی سمندر، بحیرۂ مردار بھی وہاں سے کوئی تیس میل دور ہے؛ لیکن اس سمندر میں مچھلیاں کیا کوئی بھی زندہ چیز موجود نہیں۔

ان دونوں جگہوں میں سے حضرت یونس علیہ السلام کہاں مدفون ہیں؟ اس کی حقیقت صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کے مزار مبارک کی زیارت

راستے میں حضرت الیاس علیہ السلام کا مزار مبارک آیا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا مزار کہاں ہے اس بارے میں تین قول ملتے ہیں:

① پہلا قول تو یہ ہے کہ آپ کہیں بھی مدفون نہیں؛ بلکہ آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا ہے۔ یہ قول ضعیف ہے۔ ② آپ بعلبک میں مدفون ہیں۔

③ تیسرا قول بیت المقدس کے قریب الخلیل جانے والے راستے میں سڑک کے کنارے آپ مدفون ہیں۔

دوسرے قول کی تائید میں مورخین کے اقوال ملتے ہیں، چنانچہ بلادِ شام و فلسطین کے مصنف لکھتے ہیں کہ: بعلبک حمص و دمشق کے درمیان ایک چوڑا میدان ہے جس میں بہت سے دیہات آباد ہیں اور جابجا پانی کے چشمے موجود ہیں، اس جگہ میں حضرت الیاس علیہ السلام کی قبر ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

اسلام کے بہت بڑے جرنیل سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی یادگار میدانِ جنگ

قدس اور تل ابیب سے جب طبریہ جاتے ہیں تو قریۂ ناصرہ کے بعد وہ یادگار

تاریخی میدان سے گزرنا ہوتا ہے جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی مرحوم کی عیسائیوں سے بڑی جنگ ہوئی تھی اور اسی جنگ کے نتیجے میں آپ نے قدس کو فتح کیا تھا، راستے کی بائیں جانب چھوٹے ٹیلے اور کھلے میدان پر مشتمل یہ پورا علاقہ ہے، جو ''حطین'' کے نام سے موسوم ہے،

جب گاڑی میں سے اس کی زیارت ہوتی ہے تو انسان ماضی کی یادوں میں کھوئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اس وقت پھر قدسِ مقدس پر کسی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور کسی صلاح الدین ایوبیؒ کا انتظار ہے۔

بحیرۂ طبریہ کی طرف

اس کے بعد ہم یہاں سے روانہ ہوئے اور کافی دیر کے بعد ہم آج کی اصل زیارت ''بحیرۂ طبریہ'' پہنچے، ''بحیرۂ طبریہ'' کیا چیز ہے؟

طبریہ شہر

فلسطین کا یہ شہر بحیرۂ طبریہ کے مغربی کنارے واقع ہے، اس کی آبادی پچیس تیس ہزار ہے، اسے ۱۳ھ میں حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا، بیت المقدس سے طبریہ تیز رفتار گاڑی میں تقریباً ڈھائی سے تین گھنٹے لگ جاتے ہیں۔

بحیرہ طبریہ: جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سے معجزات دکھائے

بحیرۂ طبریہ کی لمبائی طول تیرہ میل (۲۱ ؍کلومیٹر) اور چوڑائی آٹھ میل (۱۳ ؍کلو میٹر) کے قریب ہے، یہ ایک وسیع تالاب سے مشابہ ہے جس کے چاروں طرف پہاڑ

کھڑے ہیں، بہت سی ندیاں اس میں گرتی ہیں۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کے ساتھ بہت سا وقت درس وتدریس میں گذارا اور اس دریا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پانی پر چلنے کا معجزہ بھی روایات میں نظر آتا ہے۔

یاجوج ماجوج بحیرۂ طبریہ کا پورا پانی پی جائیں گے

احادیثِ مبارکہ میں دو جگہ اس بحیرۂ طبریہ کا ذکر ملتا ہے:

① یاجوج ماجوج۔ جو کھانے پینے والی ایک بہت بڑی جماعت ہے۔ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ: قربِ قیامت میں جب یاجوج ماجوج نکلیں گے اور بحیرۂ طبریہ پر پہنچیں گے تو ان کے لشکر کا اگلا حصہ اس کا سارا پانی پی جائے گا، جب آخری حصہ وہاں پہنچے گا تو انھیں وہاں پانی نہیں ملے گا۔

بحیرۂ طبریہ کا خشک ہوجانا دجال کے نکلنے کی ایک علامت

② مسلم شریف میں کہ جب حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی دجال سے ملاقات ہوئی تھی۔ جس کا پورا واقعہ حدیث میں موجود ہے۔ تو اس وقت دجال نے خود پوچھا تھا کہ: ’طبریہ‘‘ میں پانی ہے یا خشک ہوگیا؟

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ: ہاں! ابھی موجود ہے۔

دجال نے کہا کہ: ایک وقت آئے گا کہ اس کا پانی سوکھ جائے گا اور جب اس کا پانی خشک ہوجائے گا تو میرے ظہور کا وقت قریب آجائے گا۔

اس وقت بحیرۂ طبریہ کی حالت: پانی سوکھ رہا ہے

اِس وقت اس کا پانی سوکھ رہا ہے اور بہت سوکھ گیا ہے اور اب حکومت دوسری طرف سے پانی لا لا کر پائپوں کے ذریعہ اس جھیل میں ڈال رہی ہے؛ تاکہ وہ سوکھ نہ جائے؛ لیکن تب بھی وہ قدرتی طور پر سوکھتا ہی چلا جا رہا ہے۔

بحیرۂ طبریہ سے مزید بائیں طرف ہٹ کر فلسطین کی پہاڑیاں ہیں، ان پر بھی ہماری شامتِ اعمال سے اسرائیل کا قبضہ ہے۔

بہر حال! ہم نے اس کے کنارے پر ظہر اور عصر کی نماز پڑھیں اور میں نے ساتھیوں کو پوری حدیث بھی سنائی، اور بحیرۂ طبریہ کی شاندار مچھلیاں وہاں ریسٹورنٹ میں کھائی اور آرام کیا۔

بیسان کا نخلستان

اس کے بعد ہم لوگ وہاں سے نکلے؛ کیوں کہ آج رات تک میں ہم کو جورڈن (Jordan) پہنچنا تھا، میں نے ان کو کہا کہ: مجھ کو تو ''بیسان کا نخلستان'' دیکھنا ہے اور ''عینِ زغر'' بھی دیکھنا ہے؛ کیوں کہ ان دونوں کا ذکر حدیث میں آیا ہیں۔

طبریہ کے علاقے سے واپسی پر جنوب کی طرف جاتے ہوئے راستے میں دائیں جانب اسرائیل کا مقبوضہ علاقہ آتا ہے، وہاں بہت سے باغات بھی ہیں، وہیں ایک نخلستان (کھجوروں کے باغ) ہے، جس کا نام ''بیسان'' ہے، یہ بھی اسرائیل کے قبضے میں ہے۔

اس باغ کے بارے میں مشہور صحابی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی توثیق سے معلوم ہوتا ہے کہ قربِ قیامت میں اس کا پھل آنا بند ہوجائے گا، اس باغ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: یہ تقریباً ختم ہو چکا تھا، یہودیوں نے اسے دوبارہ تیار کیا ہے۔

میں نے گائڈ سے اصرار کیا تو اس نے کہا کہ: میں تم کو جلدی جلدی لے تو جاتا ہوں؛ لیکن اگر بورڈر (Border) بند ہوگئی تو تم جانو۔

میں نے کہا کہ: ان شاء اللہ! کچھ نہیں ہوگا۔

بیسان کے متعلق حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے دجال کا سوال

ہم چلے اور ''بیسان'' پہنچے اور یہ پورا ''بیسان'' کھجوروں کی باڑیوں سے بھرا ہوا ہے، اس کے بارے میں مسلم شریف میں ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو خود دجال نے سوال کیا تھا کہ: بیسان کے کھجور کے درخت پر کھجور لگ رہے ہیں یا نہیں؟

آپ نے فرمایا تھا کہ: ہاں! کھجور آرہے ہیں۔

اس وقت دجال نے کہا تھا کہ: ایک وقت آئے گا کہ اس پر پھل اور کھجور آنا بند ہوجائے گا اور جب اس پر کھجور آنا بند ہوجائے گا تو میرے ظہور کا وقت قریب آجائے گا۔

اس وقت بیسان کا حال: کہیں پر کھجور نظر نہیں آئے

سنا تھا کہ اندر جانے کی تو اجازت نہیں دیتے؛ اس لیے ہم ''بیسان'' کے پاس سے گذرے تو صحیح؛ لیکن اندر جو ''نخلستان'' ہے اس میں جانے کی اجازت نہ ہونے کے

بنا پر ہم دور ہی سے بس میں بیٹھے بیٹھے کھجور کے درخت دیکھتے رہے؛ لیکن کہیں پر بھی کھجور نظر آئے نہیں، تو اب ایسا لگتا ہے کہ دجال کے ظاہر ہونے کا وقت قریب ہے۔ وہاں ایک دکان تھی وہاں رک کر ساتھی لوگ فارغ بھی ہوئے اور کچھ چیزیں خریدی اور اتنی دیر میں دکان کے مالک سے بیسان کے متعلق باتیں پوچھتے رہے۔

عینِ زغر

''زغر'' یہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیٹی کا نام ہے اور اسی کے نام سے پانی کا چشمہ جاری ہوا ہے اور اس چشمے کے بارے میں بھی دجال نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ: زغر کے چشمے میں پانی ہے یا نہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ: ہاں! ہے۔

دجال نے کہا تھا کہ: لوگ اس سے کھیتی کرتے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔

دجال نے کہا کہ: ایک وقت آئے گا کہ اس چشمے کا پانی سوکھ جائے گا اور اس وقت میرے نکلنے کا وقت قریب آ جائے گا۔

یہیں پر آ کر وہ اردن ندی ''بحیرۂ طبریہ'' سے ملتی ہے۔

طالوت اور جالوت کے جنگ کا میدان اور امام طبرانیؒ کا وطن

یہیں پر طالوت اور جالوت کے جنگ کا میدان بھی موجود ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے: فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ. (البقرۃ)

ترجمہ: پھر انھوں نے (یعنی طالوت اور ان کے ساتھیوں نے) ان (جالوت اور اس کی فوج) کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہرا دیا اور داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر دیا۔

آپ کو ایک عجیب بات بتاؤ: جہاں پر طبریہ کا سمندر ہے وہیں قریب ہی میں امام طبرانی بھی پیدا ہوئے، جن کی مشہور کتاب ''المعجم'' ہے۔

جنگِ یرموک کا میدان

یہیں آ کر دریائے اردن بحیرۂ طبریہ میں ملتا ہے، اور اسی علاقے میں دریائے اردن کے کنارے میدانِ یرموک ہے، یہ وہ میدان ہے جہاں جنگِ یرموک کا عظیم الشان معرکہ ہوا ہے۔

سن تیرہ ہجری ربیع الاول کے مہینے میں صحابہ کی جماعت یرموک پہنچی تھی ، دشمنوں کی پوزیشن تعداد کے اعتبار سے بھی بہت بہتر تھی اور جائے وقوع کے اعتبار سے بھی انھوں نے بہت اچھی جگہ پر قبضہ کیا تھا، پشت کی طرف جولان کی پہاڑیاں تھیں اور ایک طرف دریائے اردن تھا، بہر حال! اللہ تعالیٰ نے چالیس ہزار اہلِ ایمان کو کامیاب فرمایا اور دو لاکھ چالیس ہزار رومیوں کو شکستِ فاش ہوئی۔

اس تاریخی میدان کا کچھ حصہ دیکھتے ہوئے گزرے، جولان کی پہاڑیوں پر شام کی سرحدی فوج کی چوکیاں بنی ہوئی ہیں اور شام کے جھنڈے لہراتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

بہر حال! ان تمام جگہوں کی زیارت کرنے کے بعد ہم شام کو بورڈر پر پہنچ گئے اور ہماری جورڈن واپسی ہوگئی، یہ پانچ دن کا فلسطین اور جورڈن کا سفر میں نے آپ کے سامنے مختصر عرض کر دیا، اللہ تعالیٰ اس مبارک سرزمین کے سفر کو قبول فرمائے اور امت کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے، آمین۔

مجموعی تأثرات

اس سفر میں جہاں جانے کا اتفاق ہوا تو محسوس ہوا کہ عامۃً مسلمان مالی اعتبار سے افلاس کا شکار ہیں، کم لوگ مال دار نظر آئے، ایک طبقہ درمیانی حالت رکھنے والا بھی ملا۔ دینی ماحول بھی قابلِ فکر ہے۔

قدس کے احاطے میں مسجدِ اقصیٰ کے قریب مقدس مقامات پر چند نوجوان کھیل میں بھی مشغول نظر آئے جس سے ہمارے ساتھیوں کو بڑا تعجب ہوا چوں کہ ہمارے یہاں مقدس مقامات کے بارے میں کچھ اور ہی تصور ہے۔

یہ بھی محسوس ہوا کہ کاش ہمارے طرز کے چند دارالعلوم اور محلہ محلہ مکاتب کا نظام شروع ہو جائے اور دعوت کی محنت ہو تو ماحول میں بڑی تبدیلی ہو سکتی ہے۔

حالات سے خوف و ہراس اور ناامیدی ان فسطینی بھائیوں میں کم ہی محسوس ہوئی، کوئی اللہ کا بندہ وہاں پورے توجہ اور داعیانہ صفات سے متصف ہو کر دعوت الی اللہ کی خدمت انجام دے اور تبلیغ کے ساتھ مکاتب و مدارس کی بنا یا ڈالے تو بڑی حد تک فضا بدل سکتی ہے۔

اللہ کرے چند ایسے صاحبِ دل، فکر مند اور دلی درد رکھنے والے چند افراد پیدا ہو جائیں اور اپنا مقصدِ حیات ہی ان کی اصلاح و ہدایت کو بنا لیں تو اس بابرکت سرزمین کے انوارات سے بہت جلد اچھے نتائج کی امید کی جا سکتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی کوئی صورت پیدا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

بلقان ریاستوں کے
سفر کی
کارگزاری

بلقان کے رفقائے سفر

①حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیۃ (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

②حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم العالیۃ (شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی) مع اہلیہ محترمہ۔

③حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم العالیۃ (خلیفہ: حضرت شیخ زکریاؒ)

④بندہ: محمود بارڈولی (استاذِ تفسیر وحدیث: جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)۔

⑤ قاری عبد الحنان صاحب سورتی (مصاحبِ خاص: حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیۃ)

⑥حضرت شیخ مفتی شبیر صاحب (استاذِ حدیث: جامعة العلم و الهدی، بلیک برن، برطانیہ)

⑦مفتی عبد الصمد صاحب منوبری (مہتمم: جامعة العلم و الهدی، بلیک برن، برطانیہ)

⑧ مفتی محمد علی فلاحی صاحب (استاذِ حدیث: جامعة العلم و الهدی، بلیک برن، برطانیہ)

⑨مولانا ڈاکٹر محمود چانڈیا صاحب (استاذِ حدیث وتفسیر: جامعہ اسلامیہ دارالعلوم بولٹن ولیکچرر: یوکلن (Uclan) یونیورسٹی، پرسٹن)

⑩ مولانا محمد سیدات صاحب (ڈائرکٹر: الامہ ٹرسٹ)

⑪ مفتی محمد ابن آدم (استاذ: جامعہ علوم القرآن لیسٹر)

⑫ مفتی ابراہیم راجہ صاحب (استاذ: دارالعلوم بری)

⑬ مفتی یوسف ابن شبیر صاحب (استاذِ حدیث: جامعۃ العلم و الھدی، بلیک برن، برطانیہ)

⑭ حضرت مولانا حنیف صاحب دودھ والا (تنظیم کے روحِ رواں اور ناظمِ سفر)

⑮ مولانا سلیم عیسٰی صاحب (استاذ: مسجدِ زکریا ڈیوز بری)

⑯ مولانا فاروق پانڈور صاحب (سرپرست: مدرسہ بنات مانچسٹر)

⑰ مولانا یوسف حجات صاحب (یکے از ذمے دار: مسلم ویلفئر انسٹی ٹیوٹ)

⑱ مولانا رفیق صاحب صوفی (استاذ: جامعۃ العلم و الھدی، بلیک برن، برطانیہ وچیئر مین آف LCM) مع اہلیہ محترمہ۔

⑲ حافظ حمدان ابن مولانا رفیق صاحب صوفی۔

⑳ مولانا عرفان صاحب سانگے، کوکنی (تاجر، یکے از ذمہ دار تنظیم)

㉑ مولانا حسن پٹیل صاحب (یکے از ذمہ دار تنظیم)۔

㉒ مولانا محمد علی نغدی، مانچسٹر (یکے از ذمہ دار تنظیم)

㉓ مولانا حسن سیدات صاحب (سرپرست وامیر: مسلم ویلفئر انسٹی ٹیوٹ)

㉔ مولانا عثمان غنی صاحب (فاضل: دارالعلوم بری و یکے از ذمہ دار تنظیم)

㉕ مولانا شفیق عبدالرحمن (یکے از ذمہ دار تنظیم)۔

(۲۶) حافظ زبیر صاحب (mwi کے عملہ میں سے)۔

(۲۷) مولانا اسماعیل پٹیل صاحب (مہتمم: دارالعلوم لیسٹر)

(۲۸) مولانا ثوبان احمد (استاذ: جامعۃ العلم والھدی، بلیک برن، برطانیہ)

(۲۹) حاجی اقبال صاحب (اسٹام فورڈ ہل، لندن)۔

(۳۰) مولوی عبد الحلیم صاحب (فاضل: جامعۃ العلم و الھدی بلیک برن، برطانیہ)، تنظیم کی طرف سے دو سال سے البانیا میں مقیم۔

(۳۱) مفتی اسمر اسکاٹ لینڈ (فاضل: دارالعلوم بری، دانتوں کے ڈاکٹر)

(۳۲) مولانا ابوبکر سیدات (فاضل: دارالعلوم بری و استاذ: مرکز العلوم بلیک برن)

(۳۳) مولانا محمد واعظ (فاضل و مدرس: دارالعلوم بری)

(۳۴) حاجی افضل صاحب میمن (بانی: سارو جنک ویلفئر ٹرسٹ احمد آباد) مع اہلیہ۔

(۳۵) حاجی یوسف صاحب زبو (پرسٹن)

(۳۶) عبدالعزیز راجہ صاحب (لندن)

(۳۷) مولانا سراج بھانا صاحب بارباڈوس (فاضل: دارالعلوم بری)، ہمارے بارباڈوس کے میزبان مولانا جنید صاحب کے بھائی۔

(۳۸) عبدالحمید قریشی (Ceo Of Lcm)۔

(۳۹) مولانا فاروق سیدات صاحب (ٹیچر: دارالعلوم بولٹن)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ وَ أَكْمَلَ لَنَا دِيْنَنَا وَ أَتَمَّ عَلَيْنَا نِعمَهُ وَ رَضِيَ لَنَا الْإِسْلَامَ دِيْناً، أَشْهدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه لَا شَرِيْكَ لَه ، وَ أَشْهدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ شَفِيْعَنَا وَحَبِيْبَنَا وَإِمَامَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُه وَرَسُوْلُه ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيْه وَ عَلٰى اٰلِه وَاَصْحَابِه وَذُرِّيَّاتِه وَ اَهلِ بَيْتِه وَاَهلِ طَاعَتِه، وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ.

ترجمہ: پکی بات یہ ہے کہ ان کے واقعات میں عقل والوں کے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے۔

تمہید

الحمد للہ! اس سے پہلے بخارا، سمرقند، ترمذ کے تاریخی سفر کی کارگزاری، پھر اس کے بعد اسپین اور ترکی کے سفر کی کارگزاری، پھر مصر اور مسجدِ اقصیٰ کے سفر کی کارگزاری کے بیان کی مجلسیں اسی مسجد میں ہوئیں، جو الحمد للہ! بعد میں اردو اور گجراتی زبان میں کتابی شکل میں تین حصوں میں چھپ چکی ہے، اس وقت بلقان اور دیگر مما لک کی کار گزاری آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کارگزاریوں کو عبرت ونصیحت کا ذریعہ بناوے اور اس کو

میرے اور آپ کے لیے دنیا و آخرت میں اپنی رضا کا ذریعہ بناوے، آمین۔

''بلقان'' ایسا علاقہ کہ ہمارے یہاں بہت سارے لوگ اس کا نام بھی نہیں جانتے ہیں، ہم بھی پہلے تفصیل سے نہیں جانتے تھے، کچھ کچھ جانکاری اور واقفیت تھی، ایک لمبے زمانے سے دل بھی چاہتا تھا اور مشورے بھی ہو رہے تھے کہ ان علاقوں میں دینی نسبت سے حاضری دینی چاہیے؛ مگر ''قد جعل اللہ لکل شئ قدرا'' ہر چیز کا اللہ کے یہاں ایک وقت طے ہوتا ہے اور اسی وقت وہ کام وجود میں آتا ہے۔

ابھی کچھ عرصے سے رمضان کے فوراً بعد میرے استاذ و مرشد شیخ الحدیث حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ انگلینڈ وغیرہ ممالک کے اسفار کا ایک سلسلہ ہے، حضرت مفتی عبدالحمید صاحب، مفتی یوسف بن مفتی شبیر صاحب اور قاری ذاکر صاحب (بلیک برن، برطانیہ) کی وساطت سے یہ اسفار ہوتے ہیں، اِس سال رمضان ۱۴۳۹ھ میں برطانیہ سے اِن دوسرے ملکوں کا سفر بھی ہوا۔

مقصدِ سفر

اِس سفر کا مقصد: اس علاقے کے مسلمانوں کی دینی نسبت سے ملاقات اور دینی نسبت سے ان کی کیا ضروریات ہیں اور دینی اعتبار سے ہم ان کے بارے میں کیا فکریں کر سکتے ہیں ان اہم مقاصد کو سامنے رکھ کر یہ سفر کیا تھا۔

بلقان (Balkans) کا تعارف

جو لوگ تاریخ اور جغرافیہ سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ

یہ مما لک مشرقی یورپ کا ایک حصہ ہے، بوسنیا، البانیا یہ دونوں مما لک تو پہلے تھے ہی؛ لیکن یہ مما لک ایک اتحاد کے ماتحت آتے تھے، ''یوگوسلاویہ'' نامی ایک بڑا وسیع ملک تھا اس میں یہ مما لک آتے تھے، اس پورے علاقے کو ''بلقان'' بھی کہتے ہیں۔

اس علاقے کا رقبہ 5 لاکھ 50 ہزار مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 55 ملین ہے، اسے اکثر جزیرہ نما بلقان بھی کہتے ہیں؛ کیوں کہ اس کے تین جانب سمندر ہے، بلقان کے اکثر علاقوں کے کنارے ''ایڈریاٹک'' یا ''بحرِ ایجین'' یا ''بحرِ اسود'' سے ملتے ہیں۔

۱۴۶۳ء سے لے کر ۱۸۷۶ء تک بلقان کا علاقہ خلافتِ عثمانیہ کے ماتحت آتا تھا؛ گویا بلقان خلافتِ عثمانیہ کا ایک ڈویژن تھا، پہلی جنگِ عظیم کے بعد بلقان کے جو حصے خلافت کے ماتحت تھے ان میں سے بہت سارے علاقے آہستہ آہستہ خلافت کے قبضے سے نکلتے گئے، البانیہ نے ایک مستقل ریاست کی شکل اختیار کر لی، اور کچھ عرصے کے بعد ''بلغراد، مقدونیہ، مونٹی نیگرو، اور بوسنیا'' پر آسٹریا کا قبضہ رہا، پھر کمیونسٹ انقلاب کے بعد اس کے بہت سارے حصے یوگوسلاویہ کا حصہ بن گئے تھے، یوگوسلاویہ کے ٹکڑے ہونے کے بعد اب یہ چند مستقل مما لک ہیں۔

خوب صورتی

اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو بہت ہی ظاہری خوب صورتی عطا فرمائی ہے، وہاں پانی کی بڑی بڑی جھلیں اور آبشاریں ہیں، پھل، فروٹ اور سبزیاں بھی اس علاقے میں بہت ہوتی ہیں، اونچے اونچے بلند خوب صورت پہاڑ بھی بہت ہیں، زیتون اس علاقے میں بہت ہی بڑی تعداد میں ہوتے ہیں؛ بلکہ وہاں ہم کو لوگوں نے بتلایا گیا کہ:

یہاں زیتون کے بعض درخت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ہیں۔خاص کر البانیہ کے زیتون اور زیتون کا تیل پورے علاقے میں بہت مشہور ہے۔

وجہ تسمیہ

بلقان کے معنی: ''پہاڑ'' یا'' پہاڑی سلسلہ'' ہے؛ چوں کہ ان علاقوں میں پہاڑی سلسلے ہیں اس لیے اس کا نام ''بلقان'' رکھ دیا گیا؛ بلکہ بلقان اور یوگوسلاویہ کے ان ملکوں میں ستّر (70) فی صد پہاڑ ہی پہاڑ ہیں اور صرف تیس (30) فی صد ہی کھلی ہوئی زمین، جنگل، پانی، ندی کے علاقے ہیں۔

قرآن کی تفسیر میں بلقان کے رہنے والوں کا ذکر

تفسیر اور حدیث کے ساتھ بلقان کے ملکوں کا تھوڑا تھوڑا تعلق ہے، بلقان کے ملکوں میں ایک ملک ''مقدونیا'' ہے، جس کو آج کل میسیڈونیا (Macedonia) کہا جاتا ہے۔

اسکندر مقدونی

تفسیر میں ایک نام ''اسکندر مقدونی (Alexander Macedonia)'' آتا ہے، اس اسکندر بادشاہ کا۔اسی مقدونیا اور اس کے پڑوس میں واقع گریش (Greish) سے جس کو یونان کہا جاتا ہے۔تعلق رہا ہے، قاضی ابوسعود فرماتے ہیں کہ:

''مقدونی'' روم کے شہروں میں سے ایک شہر کی طرف نسبت ہے، جو عظیم الشان دار السلطنت قسطنطنیہ کی مغربی جانب میں واقع ہے، یونانی زبان میں اس کا نام

مقدونیا ہے، آج وہ ویران ہے؛ لیکن اس میں ایسی قدیم علامتیں ہیں جو اس کی اس عظمت پر دلالت کرتی ہیں جو اس کے آباد ہونے کے زمانے میں تھی اور اس کے بادشاہ کی بہت زیادہ طاقت پر دلالت کرتی تھی، وہاں ایسے قدیم آثار ہیں جن میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے۔

ارسطاطالیس کو۔جس کی کی ولادت بھی مقدونیا کی ایک بستی ''تاجرہ'' میں ہوئی۔اسکندر کے باپ نے اسکندر کی تعلیم کے لیے اپنے پاس بلوایا تھا، اور یہ اسکندر حضرت ذوالقرنین کے دو ہزار سے زیادہ سال بعد ہوا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو (300) سال قبل، رومی لوگ اس سے اپنی تاریخ لکھتے ہیں، اسی نے مصر میں ایک شہر آباد کیا جس کو آج بھی ''اسکندریہ'' کہا جاتا ہے، الیگزینڈر ہی کے نام سے ''الیگزینڈریہ'' بھی کہتے ہیں، یہ اِس وقت مصر کا ایک شہر ہے۔

اسی اسکندر نے ''دارا'' کو قتل کر کے اس کے ملک پر قبضہ کیا تھا اور فارس کے بادشاہوں سے بھی جنگ کی اور ان کی زمین کو روندکر اسکندر نام سے دنیا میں مشہور ہونے والا یہ آخری شخص تھا اور اسی کے قصے دنیا میں مشہور ہیں۔

سکندر ذوالقرنین کے متعلق ایک غلط فہمی

جن لوگوں کی حکومت پوری دنیا میں رہی یا دنیا کے بہت سے ملکوں میں رہی ان میں ایک نام ''اسکندر مقدونی'' کا بھی ملتا ہے، ہماری تفسیروں میں یہ نام اس لیے آتا ہے کہ: بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ سورۂ کہف میں ذوالقرنین کا جو تذکرہ ہے ان سے یہی اسکندر مقدونی مراد ہے؛ حالاں کہ قرآن میں جس ذوالقرنین کا تذکرہ

ہے وہ تو اللہ کے ایک بہت نیک وصالح بندے تھے اور یہ اسکندر مقدونی تو مشرک اور بڑا ظالم بادشاہ تھا، لوگوں سے اپنی عبادت کرواتا تھا، آگ پرست، مغرور اور متکبر تھا۔

ہندوستان کے اکابرین کی بلقان کے تئیں غیرتِ ایمانی

بلقان کے علاقے سے ہمارے ہندوستان کے اکابرین اور بزرگوں کی ایک بہت بڑی نسبت رہی ہے؛ اس لیے کہ ہمارے اکابرین اور بزرگوں نے بلقان کے علاقے کے سلسلے میں بہت زیادہ محنت اور فکریں کی ہیں۔

جس وقت ہمارے ملک میں انگریزوں کا قبضہ تھا اس زمانے میں روس (Russia) نے بلقان کے علاقے پر حملے شروع کیے اور بلقان کا علاقہ اپنے قبضے میں لینے کی کوشش شروع کی؛ حالاں کہ اس پورے علاقے میں ۱۴۶۳ء سے ۱۸۷۸ء تک خلافتِ عثمانیہ قائم رہی۔

اس زمانے میں ہمارے ہندوستان کے چوٹی کے اکابرین اور بزرگانِ دین۔ جن کا نام لینا بھی ہمارے لیے دنیا اور آخرت میں عزت کا باعث ہے اور اللہ رب العزت کے یہاں ان کی نسبت ہمارے لیے ان شاء اللہ! نجات کا ذریعہ ہے، قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ، حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ۔ انھوں نے اس زمانے میں بلقان کے علاقے کی جنگ کے لیے بہت زیادہ فکریں بھی کی، مدد بھی کی، محنت اور کوششیں کی، اس سلسلے میں مستقل بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ بھارت کے اس دور کے ہندو رہنما مثلاً مہاتما گاندھی

جی وغیرہ نے بھی تحریکِ خلافت کے عنوان سے کچھ کارروائی کی تھی۔

ترکی کے لیے بارہ لاکھ روپے کا چندہ

۱۸۷۴ء میں جب یہ بلقان کا علاقہ روس کے حملوں کی وجہ سے ترکی کے ہاتھ سے نکل رہا تھا اور وہاں ہزاروں مسلمان عورتیں بیوہ اور ہزاروں مسلمان بچے یتیم ہوئے تو ہمارے ان بزرگوں نے پورے ملک سے تقریباً بارہ لاکھ روپے کا چندہ جمع کیا، اس وقت کے بارہ لاکھ روپے آج کتنے بنتے ہیں ہم اس کا حساب نہیں لگا سکتے، اور وہ بارہ لاکھ روپے ترکی خلافتِ عثمانیہ کو پہنچائے گئے، اس کی ساری رسیدیں آج بھی موجود ہیں۔

ترکی کی طرف سے مبارک تحفہ

اُس تحریک کو پورے ملک سے جو تعاون ملا وہ غالباً ہندوستان کی اس وقت تک کی ملّی تاریخ کا سب سے پہلا اور عظیم ترین تعاون تھا، جب یہ رقم ترکی پہنچی تو اس وقت کے ترکی خلیفہ نے خوش ہو کر ایک بہت مبارک کپڑا جس میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا جبہ مبارک کئی سالوں تک لپیٹ کر رکھا گیا تھا وہ کپڑا دارالعلوم دیوبند کے لیے ہدیہ میں بھیجا تھا، وہ کپڑا آج تک دارالعلوم دیوبند میں موجود ہے، جو ہمارے لیے ایک بہت بڑی تاریخی یادگار ہے۔

ترکی میں حجۃ الاسلام سیمینار

آج بھی ہمیں اس بات پر خوشی ہوتی ہے کہ: ۱۸۷۴ء کی یہ تاریخ ترکی

حکومت بھولی نہیں ہے، ابھی ماضی قریب میں انھوں نے استنبول (Istanbul) میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے بارے میں ایک بہت بڑا سیمینار منعقد کیا تھا، جس میں پوری دنیا سے بڑے بڑے علما کو بلایا گیا تھا۔

اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت کی ترکی حکومت کے دل میں بھی حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی کتنی عزت وعظمت اور کتنا احترام ہوگا! اور یہ ان کی قدرشناسی اوراحسان کی یاد کی بات ہے، اچھے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کی اہلیہ کی قربانی کا قابلِ رشک واقعہ

ہم جب اس چندے کے واقعات پڑھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں، حضرت مولانا گیلانیؒ نے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے حوالے سے اپنی سگی دادی یعنی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی اہلیہ کا ایک عجیب قصہ نقل کیا ہے کہ: دیوبند میں ایک بڑے مال دار آدمی شیخ کرامت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کی بیٹی سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح ہوا، نکاح کے بعد جب بیٹی کو والد صاحب نے رخصت کیا تو بہت بڑا عظیم الشان جہیز دیا، جس میں قیمتی زیورات، کپڑے، اور تانبے کے برتنوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔

رخصتی کی رات جب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اہلیہ کی ملاقات ہوئی، تو سب سے پہلے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ رخصتی والے کمرے میں آکر نفل نمازیں پڑھنے میں مشغول ہوگئے، نفل نمازوں سے فارغ ہوکر اپنی اہلیہ محترمہ کے پاس تشریف لائے، بہت سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی اہلیہ سے بات چیت شروع کی کہ:

جب تم کو اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کردیا ہے تو اب ہم دونوں میں مناسبت ضروری ہے؛ مگر ابھی جو صورتِ حال ہے اس میں مناسبت نہیں ہے؛ اس لیے کہ تم مال دار ہو اور میں غریب آدمی ہوں، اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو میں بھی مال دار بن جاؤں یا تم میری طرح غریب بن جاؤ۔

پھر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے آہستہ سے فرمایا کہ: میرا مال دار بننا تو مشکل ہے، آسان بات یہی ہے کہ تم میری طرح غریب بن جاؤ۔

پھر آگے یہ بات ارشاد فرمائی کہ: اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ میرا جو تعلق قائم فرمایا ہے، اس میں مجھے تربیت کا مقام دیا ہے اور تم کو اطاعت کا مقام دیا ہے۔

اِس تمہیدی بات کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہم بات ارشاد فرمائی کہ: اگر تم کو میں کسی بات کا حکم دوں، جس میں تمھارا ہی فائدہ ہو تو کیا تم مجھ پر بھروسہ اور اعتماد کروگی؟

جب حضرت نانوتویؒ کی طرف سے یہ سوال ہوا تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ نے جواب میں کہا: مجھے آپ پر پورا اعتماد اور بھروسہ ہے۔

جب یہ جواب ملا تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ایک عجیب بات آئی جس کو سوچتے ہیں تو دل کانپ جاتا ہے؛ اس لیے کہ عورتوں کو زیورات کے ساتھ بہت ہی زیادہ محبت ہوتی ہے،، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ (زخرف)

ترجمہ: کیا وہ بچی جو پرورش پاتی ہے زیور میں اور آپس کے جھگڑے میں وہ

صاف بول نہیں سکتی۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اچھا اب یہ تمام زیورات اتار کر مجھے دے دو، اسی طرح جتنے کپڑے اور برتن تمھارے پاس ہیں ان پر بھی مجھے اختیار دے دو۔

اتنے بڑے مطالبے پر نئی نویلی دلہن نے بغیر ہچکچائے ہوئے فوراً عرض کیا: آپ کو پورا اختیار ہے۔

اس وقت خود حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تقریباً ۲۱/ ۲۲ سال کی تھی، جب صبح ہوئی تو تمام زیورات اور تمام کپڑوں کے جوڑے اور تمام برتن جو اس زمانے میں ہزاروں روپیہ کا سامان تھا، اور آج کے دور میں تو اس کا حساب ہی نہیں لگا سکتے، وہ سب کا سب حضرت نانوتویؒ نے ترکی کے چندے میں جمع کرا دیا۔

میرے دینی بھائیو! قصہ ابھی یہاں پورا نہیں ہوا، جب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی نانوتہ اپنے سسرال سے دیوبند اپنے والد کے گھر رخصتی کے بعد پہلی مرتبہ آئی تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ خود فرماتی ہیں کہ: ابا جان نے میرے ہاتھ، پاؤں، کان، ناک خالی دیکھے اور بدن پر قیمتی کپڑے بھی نہیں تھے، تو والد صاحب نے پوچھا کہ: بیٹی! زیورات کا کیا ہوا؟

بیٹی نے پورا واقعہ صحیح صحیح سنا دیا، تو اس پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خسر زبان سے کچھ نہیں بولے، دل میں خیال آیا ہوا ہوگا کہ میری بیٹی رشتے داروں کے سامنے زیورات کے بغیر کب تک رہے گی، اللہ تعالیٰ کے فضل سے لڑکی کے والد کے پاس کسی قسم کی تنگی بھی نہیں تھی، لڑکی کے والد شیخ کرامت علی صاحب نے پھر سے زیورات،

برتن، کپڑے تیار کروائے اور جب دوسری مرتبہ والد صاحب کے مکان سے دلہن سسرال جانے کے لیے روانہ ہوئی، تو اس موقع پر خود حضرت نانوتویؒ کی اہلیہ کے الفاظ ہے کہ:

میں بن سنور کر دوبارہ سسرال پہنچی، دن تو کسی طرح گزر گیا، جب رات ہوئی اور حضرت نانوتویؒ اپنی اہلیہ کے پاس تشریف لائے تو آخرت کی ترغیب دینا شروع کر دی اور کل کی تیاری کے لیے آج کا اختیار اپنے ہاتھ میں لینے کی چاہت ظاہر کی، اہلیہ محترمہ پہلے ہی حضرت کو اختیار دے چکی تھی، اس کو واپس لینے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہوتا تھا، پھر سے اہلیہ نے کہا: آپ پورے پورے مختار ہو۔

جب صبح ہوئی تو زیورات، برتن، کپڑے، پورا سامان پھر سے دوسری مرتبہ، اسلامی خلافت کے لیے ترکیوں کے چندے میں جمع کروادیا۔

خود حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ فرماتی ہیں کہ: اس دوسری مرتبہ جو آپ نے سارا سامان چندے میں دلوادیا، تو اس کی برکت سے روپیہ، پیسہ، زیورات کی محبت میرے دل سے قطعاً نکل گئی؛ بلکہ ان چیزوں کی نفرت میرے دل میں پیدا ہوگئی، پھر زندگی بھر کبھی میں نے زیور نہیں بنوایا، اور کبھی بھی قیمتی لباس پہننے کی دل میں ہوس اور آرزو پیدا نہیں ہوئی۔

حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ جب اپنی دادی کا یہ واقعہ سناتے تھے تو آنکھوں سے آنسو نکلتے تھے۔ (از سوانحِ قاسمی، ج:۱، ص:۵۱۱)

اِس واقعہ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کی کتنی عجیب قربانی ہمارے سامنے

آتی ہے کہ عورت کو زیورات اور عمدہ کپڑوں سے کتنی محبت ہوتی ہے؛ لیکن اسلامی خلافت کی حفاظت کی خاطر آپ نے ان تمام چیزوں کی قربانی دے دی!

بہر حال! حضرت مولانا اور ان کے رفقا نے اس مہم میں خود بھی بھرپور حصہ لیا اور اپنے سب جاننے والوں، رشتے داروں اور متعلقین کو بھی اس کی طرف متوجہ فرمایا اور سب نے حسبِ حیثیت دامے، دِرمے، قدمے، سخنے اس تحریک کو کامیاب بنانے کی انتہائی کوشش کی۔

یہ جنگِ بلقان کے ساتھ ہمارے بزرگوں کا ایک روحانی رشتہ ہے۔

شہادت کی تلاش میں!

جب کبھی عالمِ اسلام پر کوئی حادثہ رونما ہوتا تھا تو ہمارے بزرگانِ کرام کس طرح تڑپ جاتے تھے اور مظلوم و ستم رسیدہ مسلمانوں کی مدد کے لیے کس عزم و حوصلہ اور بلند جذبات کے ساتھ آگے بڑھتے تھے اور اس موقع پر مسلمانوں کو امداد و تعاون کی ترغیب دینے کے لیے کیسی جدو جہد اور کوشش فرمایا کرتے تھے!

جنگِ بلقان کے لیے عملی شرکت

پھر یہ کوشش صرف زبانی جمع خرچ یا چندہ کی رقمیں بھجوانے تک محدود نہیں تھی؛ بلکہ خود بھی جہاد میں شریک ہونا چاہتے تھے، چنانچہ ۱۸۷۷ء میں باقاعدہ ایک قافلہ بلقان میں روسیوں کے ساتھ عملاً جنگ کے لیے تیار ہوا، اس کو "سفرِ حج" کا عنوان دیا گیا کہ ہندوستان سے یہ حج میں جائیں گے اور حج سے بلقان کے علاقے میں جائیں گے،

اس قافلے میں قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ جیسے جلیل القدر ہمارے اکابرین شریک ہوئے، اِس سے اندازہ لگاؤ کہ ہمارے بزرگوں کے دل میں جنگِ بلقان کی کتنی اہمیت اور عظمت ہوگی!

مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب دیوبندیؒ نے حیاتِ شیخ الہند میں لکھا ہے کہ:

شوال ۱۲۹۴ھ میں بزرگانِ ہندوستان کے قافلے نے بیت اللہ کا قصد کیا، حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ جیسے مقبول حضرات قافلے کے سردار ہوں تو قافلے کی کیفیت کا کیا پوچھنا! بہت سارے دین دار غریب و مال دار مسلمان ساتھ ہوگئے۔

اور اسی کتاب میں لکھا ہے کہ:

ہندوستان سے ایسا مقدس مجمع اور مشہور و معروف قافلہ روانہ ہوا کہ اس کی نظیر نہ گذشتہ زمانہ میں مل سکتی ہے اور نہ آئندہ امید ہے۔

سو (100) سے زائد اصحاب شروع سفر سے ساتھ تھے، یہ قافلہ ۷/شوال ۱۲۹۴ھ مطابق: ۱۵/اکتوبر ۱۸۷۷ء کو سہارنپور سے ممبئی کے لیے روانہ ہوا، ایسے ممتاز ترین علما کا ایک بڑے قافلے کے ساتھ جہاد میں شرکت کے باقاعدہ اعلان کے ساتھ سفر کرنا آسان نہیں تھا۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے اس سفر کی شہرت اور شرکا کی کثرت کا ذکر کرتے ہوئے جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

جب عام مسلمانوں نے دیکھا کہ اچانک ہندوستان کے چوٹی کے علما کا ایک

قافلہ حرمین شریفین جارہا ہے، تو جس سے بھی ہوسکا ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگیا؛ اس لیے بطورِ خود لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ یہ حضرات دینی مدد کے لیے حرمین کے سفر کے بہانے ملکِ روم کا سفر کررہے ہیں، اور ترکی سلطنت کی طرف سے والنٹیر جماعت میں شامل ہوکر جہاد میں شریک ہوں گے اور جس کے نصیب میں شہادت مقدر ہے تو وہ جامِ شہادت پی کر حیاتِ ابدی حاصل کرے گا۔

ایک قائد کی فراست (چندے کی اپیل کے عجیب وغریب الفاظ)

اس زمانے میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ جو چندے کی اپیل شائع کرتے تھے اس کے الفاظ بھی اگر ہم پڑھیں تو دنگ رہ جاتے ہیں، ایک دو باتیں ہم یہاں ذکر کردیتے ہیں، حضرتؒ نے اس زمانے میں لوگوں کو اپیل کرتے ہوئے جو کہا اس کا خلاصہ یہ ہے:

① اگر خدانخواستہ روس کامیاب ہوگیا تو پھر حرمین شریفین (مکہ اور مدینہ) بھی بظاہر اس کے قبضے میں آجائے گا،

اِس صورت میں کیا کسی عقل مند کے خیال میں یہ بات آسکتی ہے کہ (چندہ کے لیے) اور کوئی مصرف اس مصرف سے زیادہ بہتر ہے؟

تعمیرِ مساجد نہ ہوگی تو کیا ہوگا؟ مسجدوں کی کون سی کمی ہے جو اور ضرورت ہے؟ پہلے ہی ہزاروں ویران پڑی ہیں، اور اگر مسجد کی ضرورت ہو بھی تو کہیں اس ضرورت کے برابر ہوسکتی ہے، کہ حرمین شریفین کے پامال ہونے کا اندیشہ سر پر آلگا ہے؟

سو دو سو مسکین اگر نہ کھلائے گئے تو کیا ہوگا؟

ایک وقت نہ کھائے تو کیا کسی کو موت کھائے جاتی ہے؟

اور اگر ضرورت ہو بھی تو کیا اس سے زیادہ سخت مذکورہ اندیشہ نہیں ہے؟

اگر بالفرض بھوک و پیاس کی وجہ سے کسی کی جان چلی بھی گئی تو ایک مسلمان ختم ہوا، یا دس، بیس، سو، پچاس ختم ہوئے؛ لیکن خدانخواستہ اگر روس غالب آ گیا تو یوں کہو کہ: چند روز میں اسلام روئے زمین سے اٹھ گیا۔

اگر یہ باتیں محض خالی معلوم ہوتی ہیں اور اس وجہ سے قابلِ اعتبار نہیں تو خود قرآن کو دیکھ لیجیے:

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ ﴿٢١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٢﴾ (التوبة)

ترجمہ: (مکہ کے اے مشرکو!) کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے کو اور مسجدِ حرام کو آباد رکھنے کو اس شخص (کے اعمال) کے برابر سمجھ رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا ہے؟ یہ (دونوں قسم کے) لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں برابر نہیں ہو سکتے اور ظلم کرنے والی قوم کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیا کرتے ﴿۱۹﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا درجہ ہے

اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں﴿۲۰﴾ ان کے رب ان کو اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی اور ایسے باغات کی جن میں ان کے لیے ہمیشہ کی نعمتیں ہیں خوش خبری دیتے ہیں﴿۲۱﴾ ان (باغوں) میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یقین رکھو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا بدلہ ہے۔

اِن آیات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تعمیرِ مساجد اور حجاج کو پانی پلانا جہاد کے برابر نہیں ہوسکتا ہے؛ بلکہ جہاد مالی ہو یا جانی اس سے بڑھ کر ہے۔

اس لیے یہ گزارش ہے کہ: اگر خدا کی مغفرت کے امیدوار اور اس کے حبیب ﷺ کی شفاعت کے خواستگار ہو تو حرمین شریفین کی حفاظت میں جان نہیں، مال ہی سے مدد کرو۔ بالکل بے حیا نہ بنو، کچھ تو شرم کرو، اوروں سے نہیں شرماتے تو خدا اور رسول ﷺ ہی سے شرماؤ، یوں ہاتھ سے مال جو ہاتھ کا میل ہے نہیں چھوٹتا تو ان ننھے ننھے بچوں کی آہ وزاری پر رحم کرو جن کے باپ خدا کی راہ میں خاک وخون میں تڑپ تڑپ کر مر گئے، ان بیویوں کی بے کسی پر ہی رحم کرو جن کے خاوند ان کو تنہا چھوڑ کر خدا کی راہ میں اپنا جان ومال نثار کر گئے۔

② مکہ معظّمہ میں خانۂ کعبہ اور مدینہ منورہ میں روضۂ مطہرہ جو اِس عزت و شرف کے ساتھ آج تک موجود ہے تو وہ ترکی کے بادشاہ ہی کی بدولت یہ حفاظت ہے، اگر خدانخواستہ ترکی کے بادشاہ کو اس جنگ میں شکست ہوئی تو تم ہی بتاؤ کہ پھر ان بابرکت مقامات کا کیا حال ہوگا؟ تمھارے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ مقابلہ کرو، مقدس مقامات کی حرمت پامال ہوئی تو خود مسلمانوں کی کیا حقیقت باقی رہے گی، پورے عالمِ

اسلام کا نظام مؤثر ہوگا؛ اس لیے ترکی کے خلیفہ کی مدد بنیادی اسلامی ضرورت اور فرضِ عین ہے۔

③ایک موقع پر یہ فرمایا کہ: اس جنگ کو صرف بلقان کی جنگ مت سمجھو، اس میں مسلمان ہار گئے تو پورے عالمِ اسلام کا اسلامی نظام متأثر ہوگا۔ اتنی زیادہ تاکید کے ساتھ حضرتؒ نے لوگوں کو اپیل کی۔ (ملخص از: قاسم العلوم حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، احوال وآثار و باقیات ومتعلقات، از: مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی)

بہرحال! یہ ہمارے ہندوستان کے اکابرین کی بلقان کے علاقے سے ایک تاریخی ایمانی ودینی رشتے کی مختصر روداد ہے۔

البانیا کا مختصر تعارف

البانیا جنوب مشرقی یورپ کا ایک ملک ہے جس کے شمالِ مغرب میں مونٹی نیگرو، مشرق میں مقدونیہ، شمالِ مشرق میں ''کوسووہ'' اور جنوب میں یونان واقع ہیں۔ اس کے مغرب میں بحیرہ ''ایڈریاٹک'' اور جنوبِ مغرب میں بحر ''الایونی'' واقع ہیں۔

اس کے ستر فی صد سے زیادہ لوگ مسلمان ہیں؛ مگر یہ یورپ کا واحد ملک ہے جہاں اشتراکیت (کمیونزم) قائم ہے، نام کی جمہوریت ہے اور یورپی اقوام کو یہاں سے اشتراکیت کو ختم کرنے میں بھی کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ البانیا یورپی اتحاد کا رکن بننے کا امیدوار ہے؛ مگر ترکی کی طرح ابھی تک اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

البانیا کی نوے فی صد آبادی البانوی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ آخری مردم شماری (1930ء) کے مطابق آبادی کا ستر فی صد سے زیادہ مسلمان ہیں جس کے بعد

سے مردم شماری نہیں ہونے دی گئی۔

البانیا سلطنتِ عثمانیہ کے عہد میں

قدیم تاریخ بتاتی ہے کہ البانیا پر ایک کے بعد ایک مختلف اقوام کے لوگ حملہ کرتے رہے، یہاں تک کہ 1460ء میں ان کو اس وقت امن نصیب ہوا جب وہ سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ بنا۔

یہی وہ خطہ ہے جس نے اسلام کا سب سے زیادہ اثر قبول کیا اور آج یہ بوسنیا کی طرح یورپ کا مسلم اکثریتی ملک ہے۔

البانیا کے لوگوں کو ترکوں نے بڑی خوش دلی سے اپنے بھائیوں کے طور پر قبول کیا اور ترکی کے اہم ترین عہدوں پر البانوی فائز رہے، یہاں تک کہ سلطنتِ عثمانیہ کی طرف سے مصر کے پہلے پاشا ''محمد علی پاشا'' بھی نسلاً البانوی تھے۔

جدید البانیا

1912ء میں استعماری سازشوں کے نتیجے میں سلطنتِ عثمانیہ کے ٹکرے ہو گئے تو پانچ سو سال کے بعد 28 نومبر 1912ء کو البانیا ایک آزاد ملک بن گیا۔

استعمار نے 1912ء میں البانیا کی حدود کو اس طرح سے قائم کیا کہ بہت بڑی تعداد میں البانوی لوگ البانیا کے پڑوسی ممالک بشمول مونٹی نیگرو اور سربیا و بوسنیا کا حصہ بنے۔

1914ء میں بعض طاقتور مغربی اقوام کی مدد سے البانیا کے یونانی نسل کے

مسیحی لوگوں نے البانیا کے ایک چھوٹے علاقے میں ایک خودمختار حکومت بھی قائم کی؛ مگر یہ سازش پہلی جنگِ عظیم کی تباہ کاریوں کی وجہ سے پنپ نہ سکی اور 1920ء میں البانیا نے خودکو ایک جمہوری ملک قرار دے دیا۔ یہ ملک زیادہ دیر تک مغربی ممالک سے برداشت نہ ہوا اور اطالیہ (اٹلی) نے اپنا اثر و رسوخ البانیا میں البانیا کے بادشاہ ''زوگ'' کی مدد سے قائم کرنا شروع کیا اور یہ سلسلہ 1939ء میں اطالیہ کے البانیا پر قبضہ کی صورت میں منتج ہوا۔

اطالیا نے البانیا میں نہایت غیر انسانی سلوک کا مظاہر کیا جس میں ایسے قوانین بھی تھے جن کے مطابق البانیا کی زبان کو مدرسوں اور اسکولوں سے ختم کر دیا گیا اور تمام آبادی کو اطالیایا (اٹالیانائیز) کیا گیا۔

1940ء میں اطالیا کے فاشسٹ رہنما ''مسولینی'' نے البانیا کی سرزمین سے یونان پر حملہ کیا جو ناکام ہوا اور البانیا کے ایک حصہ پر یونان نے قبضہ کرلیا اور اسے اپنا حصہ قرار دے دیا۔

روس بھی پیچھے نہ رہا اور اپنا اثر قائم کرنے کی کوشش کی۔

اطالیا کے اقتدار کے کمزور پڑنے پر جرمنی نے 1943ء میں البانیا پر قبضہ کر لیا اور پیش کش کی کہ وہ البانیا کو ایک آزاد مگر غیر جانب دار ملک قرار دینے پر تیار رہے۔

28 نومبر 1944ء تک البانوی گوریلا افواج نے البانیا کے بیشتر حصوں کو جرمنی سے آزاد کروالیا۔

یہ یورپ کا واحد ملک تھا جس میں یہودیوں کی آبادی دوسری جنگِ عظیم کے

بعد کم ہونے کی بجائے بڑھ گئی تھی۔

اشتراکیت کا غلبہ

روس کے بڑھتے ہوئے اثر کی وجہ سے البانیا ایک اشتراکی ملک بن گیا اور اس کا بڑا جھکاؤ روس کی طرف رہا؛ مگر 1960ء سے البانیا نے چین کے ساتھ بھی تعلقات بڑھانا شروع کیے۔

1990ء کی دہائی تک مشرقی یورپ اشتراکی رہا۔ جب تقریباً تمام مشرقی یورپی اقوام اشتراکیت کے غلبہ سے آزاد ہوئے تب بھی مغربی ممالک کو البانیا کو اشتراکیت کے اثر سے آزاد کرنے میں کوئی دل چسپی نہیں تھی؛ کیوں کہ وہاں کے بیشتر لوگ مسلمان تھے اور اشتراکیت سے آزاد ہونے کے بعد مذہب کی ترویج کا خطرہ موجود تھا؛ مگر البانیا کے لوگوں نے اشتراکیوں کو 1992ء کے انتخابات میں شکست دے دی؛ جس کے نتیجے میں جو خون خرابا ہوا اس میں ہزاروں البانوی لوگ ہلاک ہو گئے۔

اس خون خرابا کا بہانہ بنا کر یورپی اتحاد نے اپنی افواج البانیا میں داخل کیں تو اطالیا کو ہی زیادہ موقع دیا؛ کیوں کہ البانیا اطالیا کی سابق نو آبادی تھی اور وہ اب بھی اس پر اپنا حق جتاتا تھا۔

نظامِ حکومت

1998ء کے آئین کے تحت البانیا ایک جمہوری ملک ہے، اس میں ہر چار سال کے بعد الیکشن ہوتے ہیں، ملک کا سربراہ صدر ہوتا ہے جو کہ پانچ سال کی مدت

تک اسمبلی کی جانب سے چنا جاتا ہے۔2009ء سے البانیا ''نیٹو'' کا رکن ملک بھی بن چکا ہے۔(ملخص از: آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا)

البانیا کا ایک ستارہ

ابھی قریب کے زمانے میں البانیہ کے ایک بہت بڑے عالم ''شیخ ناصر الدین البانیؒ'' جن کا نام پوری دنیائے اسلام میں چمکا؛ اگرچہ ہم ان کی تمام باتوں سے متفق نہیں ہیں، اِس قت سعودی عرب اور عرب ملکوں میں ان کے نام اور ان کی کتابوں کا ایک بہت ہی بڑا وزن ہے، وہ اسی البانیا کے رہنے والے تھے۔

البانیا میں ''ترانا'' سے ایک سو بیس (۱۲۰) کلومٹر دور ''شکودرہ'' نام کا ایک شہر ہے، شیخ ناصر الدین البانیؒ اسی شہر میں پیدا ہوئے۔

یہ تو بلقان اور البانیا کے متعلق کچھ تاریخی یادوں کا تذکرہ ہوا، اب کمیونزم کے زمانے میں مسلمانوں پر کیا حالات آئے اور مسلمانوں نے اپنے ایمان واعمال کی خاطر کیسی عجیب وغریب قربانیاں دیں اس کی کچھ جھلکیاں پیش کررہا ہوں۔

البانیا میں کمیونزم کے مظالم

البانیا میں خلافتِ عثمانیہ کے ختم ہونے پر روسیوں کی کمیونزم والی حکومت آئی، کمیونزم کے زمانے میں سب سے زیادہ مظالم البانیا کے مسلمانوں پر کیے گئے تھے، اس پورے علاقے میں البانیہ، مقدونیہ، بوسنیا، اور مونٹی نیگرو کئی مما لک آتے ہیں، ان ملکوں میں پہلے بہت سارے مدرسے تھے، بڑے بڑے دار العلوم تھے، بڑی بڑی

مسجدیں تھیں اور بعض ملکوں میں تو اکثریت مسلمانوں کی تھی؛ لیکن ۷۰ یا ۷۵ سال تک کمیونسٹوں کی جو حکومت رہی اس زمانے میں کمیونسٹوں نے ایسے ایسے مظالم ڈھائے کہ ان کو سن کر دل کانپ جاتا ہے اور وہ ساری داستانیں لکھنے کی ہمت بھی نہیں ہوتی۔

البانیا میں کمیونزم کے زمانے میں پانچ سو (۵۰۰) سے زیادہ مسجدیں بند تھیں، بہت سی مسجدوں کو میوزیم بنادیا گیا، بعض مسجدوں کو سینما گھر بنادیا گیا، اسلامی شعائر پر پابندی لگا گئی، داڑھی پر پابندی لگادی گئی، اور ایسے سخت قانون نافذ کر دیے گئے کہ مسلمانوں کی اسلامی پہچان ختم کر دی گئی۔

اسی طرح علمائے کرام کو سالہا سال جیلوں میں بند کیا گیا۔

کتابوں کی عجیب وغریب طریقے پر حفاظت

بڑی بڑی کتابوں کی لائبریریوں کو انھوں نے آگ لگادی، بوسنیا میں آج بھی ایک لائبریری موجود ہے، اس پر باقاعدہ تاریخ بھی لکھی ہوئی ہے کہ ۱۹۹۲ء سے لیکر ۱۹۹۵ء کے بیچ میں جو کمیونسٹوں نے وہاں ظلم کیے تو اس میں ایک رات ایسی خطرناک آئی تھی کہ بوسنیا کے اس کتب خانہ میں ۲۰ لاکھ کتابوں کو جلا کر راکھ بنادیا گیا تھا، آج بھی وہاں بہت افسوس سے یہ تاریخ لکھی ہوئی ہے۔

ہاتھ سے لکھی ہوئی قیمتی کتابیں، قرآنِ مجید بھی بڑی مقدار میں جلائے گئے، یہ تو ایک لائبریری میں ۲۰ لاکھ کتابیں جلائی گئیں، اس کے علاوہ پورے علاقے میں جو کتابیں جلائی گئیں اس کی داستان بہت لمبی چوڑی ہے۔

لیکن وہاں کے مسلمان بھی واقعتاً ہمارے لیے قابلِ نصیحت اور قابلِ عبرت

ہے، ہمارے لیے بہت بڑا ایک نمونہ ہے، اللہ ہمیں ہمارے ملکوں میں عزت اور عافیت کے ساتھ رکھے، آمین۔ انھوں نے کتابوں اور قرآن کی حفاظت کے لیے بے انتہا کوششیں کی، کتابوں کی حفاظت کے واسطے مکان میں دیواروں میں چھپی ہوئی الماریاں بنائی، زمین کے اندر تہ خانے بنائے۔

پرانے بوڑھے لوگ کہتے ہیں کہ: ہمیں اپنی دولت سے زیادہ اپنی کتابیں پیاری تھیں، خاص کر کے ہاتھ سے لکھی ہوئی قلمی کتابیں اور قرآنِ مجید کا ہم نے اپنی جان اور اپنی دولت سے زیادہ حفاظت کا اہتمام کیا؛ حالاں کہ اگر کسی کے گھر سے قرآن کا ایک نسخہ مل جاتا تو پورے گھر کو ختم کر دیا جاتا تھا۔

تہ خانوں میں چھپائی ہوئی کتابیں دیکھنے کی سعادت

ماشاءاللہ! جب حالات ٹھیک ہوئے تو لوگوں نے تہ خانوں میں سے کتابیں نکالیں، کئی جگہوں پر ایسی کتابوں کے دیکھنے کی ہم کو سعادت حاصل ہوئی۔

جو کتابیں لوگوں نے تہ خانوں میں محفوظ کی تھیں ان کے بارے میں حضرت مفتی شبیر صاحب نے بیان فرمایا کہ: ایک نیشنل لائبریری بنی چاہیے اور اس میں ایسی کتابوں کو رکھنا چاہیے؛ تا کہ آنے والی نسل دیکھیں کہ لوگوں نے کتابوں کی حفاظت کس طریقہ سے کی اور یہ وہ کتابیں ہیں کہ کمیونسٹوں کے ظلم کے زمانے میں ۷۰، ۷۵ سال تک ان کتابوں کو تہ خانوں میں حفاظت سے رکھا گیا۔

جب بڑی عمر کے لوگ ملتے ہیں جن پر ایمان کی خاطر ایسے ایسے ظلم کیے گئے تو دل چاہتا ہے کہ ہم ان میں سے ہر ایک کی پیشانی اور ہاتھ کو بوسہ دیویں؛ اس لیے کہ

اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایمان اور اعمال اور دین کی لائن سے بہت بڑی آزادی عطا فرمائی ہے، ان ملکوں میں مسلمانوں نے اپنے ایمان کی کیسی حفاظت کی، ہمیں تو ایمان کے لیے کوئی قربانی نہیں دینی پڑی۔

البسان (Elbasan) شہر جہاں آٹھ سو (۸۰۰) سے زیادہ مسجدیں تھیں

البانیا میں ایک شہر ہے جس کا نام ''البسان'' ہے، اس میں قدیم زمانے میں ۸۰۰ مسجدیں تھیں، کمیونسٹوں نے ان تمام مسجدوں کو ختم کر دیا، کسی میں گودام بنایا گیا، کسی میں جانوروں کو باندھنے کے لیے اصطبل بنائے گئے، جب روس کمزور ہوا تو کمیونزم بھی کمزور ہوا اور آہستہ آہستہ ان ممالک میں آزادی کی شکلیں بنی اور اب ان ملکوں میں جمہوریت کی شکلوں کی حکومتیں بنی ہوئی ہے، تو پھر سے مسجدیں آباد ہو رہی ہیں، اب الحمد للہ! ان پرانی مسجدوں میں سے بعض مسجدوں کو پھر سے بنانے اور آباد کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔

البسان شہر میں حافظ پٹیلؒ کے نام پر مسجد

البسان شہر میں ہم شام کے وقت پہنچے تو عصر کی نماز ایک مسجد میں ادا کی، بہت خوب صورت اور بہت شاندار مسجد تھی اور ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ مسجد اتنی شان دار اور عالی شان جو تیار ہوئی وہ ہمارے ایک بزرگ حضرت حافظ محمد پٹیلؒ کے نام پر تیار ہوئی، آگے اور بھی ان کا تذکرہ آرہا ہے۔

اسلامی لباس سے آج بھی نفرت

کمیونزم کے دور میں عجیب حالات تھے کہ اسلامی لباس تک سے لوگوں میں عداوت اور دشمنی پیدا کر دی گئی تھی اور وہ اثرات تو آج تک باقی ہے کہ کوئی اسلامی لباس میں جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے دشمن ہیں؛ اس لیے وہاں کے لوگ ابھی بھی اسلامی لباس پہننے کی زیادہ ہمت نہیں کرتے؛ اس لیے جو مدرسین وہاں خدمت انجام دیتے ہیں وہ بھی شرٹ پینٹ میں ملبوس رہتے ہیں۔

ان میں سے بعض مدرسین کو ہم نے دیکھا کہ جب تک ہمارا قیام تھا ہمارے ساتھ وہ مدرسین اسلامی لباس میں رہے، پھر جب وہ جا رہے تھے تو انھوں نے فوراً ہوٹل سے ہی شرٹ پینٹ پہن لیا۔

اسلامی لباس کے متعلق عوام کا خیال اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم کا عجیب جواب

بہت سے مسلمان جو ابھی تک اسلامی لباس اختیار نہیں کرتے جب مقامی علما سے ان کے متعلق مذاکرہ ہوا تو انھوں نے بتلایا کہ: یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ: ہمارا دل صاف ہے اور یہ بس کافی ہے، تو ہمارے حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم العالیہ نے مجھے یہ کہا کہ:

ان کو ایک مثال سے سمجھاؤ! کہ دیوار پر لگی ہوئی ایک گھڑی ہے، اس کا ایک ظاہر ہے اور اس کا ایک باطن ہے، اس کا ظاہر ڈائل والا حصہ ہے، اس پر ایک سے

لے کر بارہ نمبر ہے اور اس میں تین کانٹیں ہیں اور اس کا باطن مشین والا حصہ ہے۔

اب ظاہر میں صرف یہ ڈائل ہو جس میں کانٹے اور نمبر ہو اور اندر مشین نہ ہو تو کیا یہ صحیح وقت بتائے گی؟ ظاہر ہے کہ صحیح وقت نہیں بتلائے گی۔

اور اگر صرف اس کا باطن یعنی مشین بہتر ہو؛ لیکن اس کا ظاہر نہ ہو تو کیا یہ صحیح وقت بتلائے گی؟ ہرگز نہیں۔

بلکہ یہ گھڑی اسی وقت صحیح وقت بتلائے گی جب اس کا ظاہر اور باطن دونوں ٹھیک ٹھاک ہو، بس! اسی طریقے سے ہمارے ظاہر میں اسلامی اعمال، اسلامی وضع قطع اور اسلامی لباس ہو اور دل کے اندر مضبوط ایمان ہو تب جا کر یہ ایمان و اسلام فائدہ مند ہوتا ہے۔

روزوں پر پابندی، اور مسلمانوں کا روزہ رکھنے کے لیے مجاہدہ

کمیونسٹوں کے زمانے میں روزے رکھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، صبح صادق کے وقت محلوں میں پولس آتی تھی اور جس کے گھر میں لائٹ چل رہی ہو یا چراغ جل رہا ہو تو وہ یوں سمجھتے تھے کہ یہ سحری کھانے کے لیے اٹھے ہیں، اس کو نوٹ کر لیتے تھے اور پھر دن میں نو دس بجے آکر ان کو زبردستی شراب پلاتے تھے۔

ان مسلمانوں کو ہزار سلام! انھوں نے ایسے حالات میں بھی اسلامی اعمال پر اپنے آپ کو جما کر رکھا، رات کے شروع حصے میں سحری کھا لیتے تھے اور پھر پورا دن اس طرح گھریلو اور کاروباری کام کرتے تھے کہ جیسے روزہ ہی نہیں رکھا ہے، اس طرح محنت کے کام کرتے تھے کہ کسی کو شک تک نہیں ہونے دیتے تھے کہ ہمارا روزہ ہے۔

تہہ خانوں میں قرآنی تعلیم کا عجیب وغریب نظام

ان لوگوں نے قرآنی تعلیم کی غرض بڑے بڑے تہہ خانے بنائے تھے؛ چونکہ گھر میں قرآن نہیں رکھ سکتے تھے تو قرآن کی تعلیم کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ اس لیے جب شہر میں لوگ سوجاتے، سناٹا ہوجاتا تو چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر ان تہہ خانوں میں چلے جاتے اور چپکے سے معلم آجاتے اور وہاں بیٹھ کر رات کی اندھریوں میں چھوٹے چھوٹے چراغ جلا کر بچوں کو قرآن پڑھایا جاتا تھا، کیسی قربانی ان لوگوں نے دی! صحیح بات ہے کہ اللہ نے جو فرمایا:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾ (الحجر)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی نے ذکر (یعنی قرآن) اتارا اور ہم ہی اس (قرآن) کی پوری حفاظت کریں گے۔

وہاں یہ سمجھ میں آتا ہے، ایسے مظالم کے درمیان اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآنِ مجید اور قرآن کی تعلیم کی کیسے حفاظت فرماتے ہیں!

اور وہ مسلمان بھی قابلِ مبارک باد ہیں جو راتوں میں قربانیاں دے کر کیسے اپنے بچوں کو قرآن سکھاتے تھے!

کتابیں پڑھنے پڑھانے کا بے مثال طریقہ

کمیونزم کے زمانے میں کتاب پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ بھی عجیب ہوتا تھا کہ بڑے بڑے عالموں کو کمیونسٹوں نے جیلوں میں بند کردیا تھا، کچھ عالم لوگوں کو زبردستی

کام میں لگا دیا تھا، کسی کو کھیتی میں لگا دیا تو کسی کو صفائی کے کام میں لگا دیا، ایسے حالات میں علمانے یہ ترتیب اپنائی کہ کھیتی میں کام کر رہے ہیں تو پڑھنے والے بچوں کو کہتے تھے کہ: تم میرے ساتھ مزدوری کرنے کے نام پر یا میری مدد کے نام پر کھیت میں آجایا کرو، میں بھی کھیت میں کام کروں گا، تم بھی میرے ساتھ کھیت میں کام کرو اور تہہ خانوں میں سے روزانہ درسی کتاب کا ایک ایک صفحہ نکال کر لایا کرو، پوری کتاب لانے میں خطرہ تھا؛ چنانچہ طلبہ روزانہ ایک ایک صفحہ لے کر آیا کرتے، اور کھیتی کا کام کرتے کرتے علما بچوں کو مسئلے مسائل سکھاتے اور کتابوں کا درس دیتے تھے۔

واقعہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی کیسے حفاظت فرمائی! اور ان لوگوں میں دین کے سیکھنے اور سکھانے کی طلب کیسی ہوگی!

ہمارے ملک میں دینی آزادی پر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے

میرے مسلمان دینی بھائیو! یہ ہمارے لیے بڑی عبرت کا مقام ہے، اس وقت ہم جس ملک میں زندگی گزار رہے ہیں الحمدللہ! دین کی تعلیم اور دین پر عمل کے سلسلے میں ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے، اللہ کے واسطے اس آزادی کی قدر کرو، اس آزادی کو غنیمت سمجھو، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتیں ہیں:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ (ابراھیم)

ترجمہ: اگر تم واقعی (میرا) شکر کرو گے تو میں تم کو زیادہ (نعمت) دوں گا اور اگر تم نے (میری نعمت پر) ناشکری کی تو اچھی طرح سمجھ لینا کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔

یعنی اللہ کے شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے، شکر کیا ہے؟ یہ مسجد، مدرسے، یہ

مکتب، دار العلوم، جامعات، خانقاہ، مرکز، علما ان سب سے خوب دینی فائدہ اٹھاؤ، ان سے صحیح علم وعمل حاصل کرو، دلوں کی اصلاح کراؤ۔

ان بے چاروں نے ستّر ستّر سال کمیونشٹوں کے ظلم میں رہ کر کس طرح بچوں کی تعلیم اور قرآن کی تعلیم کی فکر کی! اور آج اللہ نے ہمارے لیے کتنی آسانیاں کردی ہے۔

تین سال کے عرصے میں تقریباً ایک لاکھ مسلمان شہید کیے گئے

۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ء تک بوسنیا میں شدید جنگ ہوئی، اس تین سال کے عرصے میں سربیوں نے ایک لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا، اس کے بعد ۱۹۹۶ء میں ایک مصالحت ہوئی اور مصالحت کے بعد یہاں جمہوریت جیسی حکومت قائم ہوئی۔

آزادی کے بعد جب پہلی مرتبہ برطانیہ کے احباب گئے تو مسلمانوں کی دینی حالت

۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ء کے عرصے میں انگلینڈ سے احباب نے وہاں جاکر مسلمانوں کی ملاقاتیں شروع کی، ۱۹۹۳ء میں جب مولانا حسن سیدات صاحب اور ان کے رفقا کا پہلا سفر ہوا تو چھوٹے چھوٹے بچے صلیب ہاتھ میں لے کر سامنے آتے تھے، ان بچوں کے پاس مسلمان ہونے کی علامت کے طور پر تسبیح تھی، ٹوپی تھی۔

شربت کی جگہ شراب

اسی طرح برطانیہ کے ان علما اور دینی فکر رکھنے والے بھائیوں نے البانیا میں ہمیں وہ جگہیں بھی بتلائی کہ ہم جب یہاں آئے تو یہاں کے عام مسلمانوں میں دین کی

سمجھ اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ جب ہم ان کے گھر ملاقات کے لیے جاتے تھے تو ہم کو استقبال میں شربت کی جگہ شراب پیش کرتے تھے، تمیز ہی باقی نہیں رہی تھی۔

چونکہ ۷۰، ۷۵ سال تک جب دین کی تعلیم عام نہ ہو، مسجدیں ویران ہو گئی ہوں، مدرسے مٹا دیے گئے ہوں، مکاتب ختم کر دیے گئے ہوں تو پھر مسلمانوں میں تعلیم کا سلسلہ کہاں پر باقی رہے گا؟

یہ تو چند اللہ کے بندے ایسی ہمت والے تھے جنھوں نے ایسی قربانیوں کے ساتھ چھپ چھپ کر قرآن اور دین کی تعلیم کا سلسلہ باقی رکھا۔

ایسے فتنے کے زمانے میں تین اسلامی علامتیں باقی تھیں

اتنے فتنے کے زمانے میں بھی اسلامی علامت کی تین چیزیں انھوں نے باقی رکھی تھیں:

① ختنہ کا عام رواج تھا، اتنے فتنے کے زمانے میں بھی ختنہ ہوتی تھی۔

② ٹوٹے پھوٹے، بگڑے ہوئے ہی صحیح؛ لیکن اسلامی نام بچوں کے رکھے تھے۔ ③ خنزیر اور سور سے لوگ بچتے تھے۔

یہ تین چیز ایمانی علامت کے طور پر باقی تھیں۔

انگلینڈ کے احباب کی محنت اور دینی فکریں

اب تو اس وقت ماشاء اللہ! انگلینڈ کی تنظیمیں مکاتب کے نظام کی فکریں کر رہی ہیں، ہمارے میزبان مولانا حنیف صاحب دودھ والا اور ان کی تنظیم بھی ماشاء اللہ!

مقدونیا میں بھی مکاتب کے قیام کی فکریں کررہی ہے اور بوسنیا، البانیا میں بھی ان کے کئی مکاتب الحمدللہ! قائم ہوئے ہیں اور دعوت وتبلیغ کا کام بھی ماشاءاللہ! ہورہا ہے۔

مولانا رفیق صاحب صوفی نے اپنی بیوی کے ساتھ ۱۹۹۵ء میں چار مہینے البانیا میں لگائے تھے اور خدمتِ خلق کے کاموں کو آپ نے بنیاد بنایا تھا اور مسلمانوں کی دینی فکریں فرمائی تھی۔

علم حاصل کرنے کے لیے بامشقت اسفار

مقدونیا سے کچھ حضرات نے پاکستان جاکر تعلیم حاصل کی اور عالم اور حافظ بنے ہیں، ان لوگوں کا حصولِ علم کا جذبہ بھی سننے کے قابل ہے، ان کے والدین غریب تھے، ان کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ ہوائی جہاز کے ذریعے ان کو پاکستان تک پڑھنے کے لیے بھیجے تو یہ لوگ زمینی راستوں سے سفر کرتے تھے، مقدونیہ سے نکل کر ترکی، ترکی سے ایران، ایران سے افغانستان، اس طرح کئی ملکوں کی سرحدیں پار کر کے وہ گیارہ گیارہ دن کے مسلسل سفر کے بعد پاکستان پہنچتے تھے، اور اس سفر کے درمیان سخت سردی، وقت پر کھانا نہ ملنا، ٹرکوں، بسوں اور ٹینکروں میں سفر، اس طریقے سے مشقت بھرے اسفار سے ان لوگوں نے تعلیم حاصل کی اور ماشاءاللہ! وہ عالم بن کر آئے اور اِس وقت وہ وہاں دین کی فکریں کررہے ہیں۔

نیز ان ملکوں میں جس انداز کا کھانا کھایا جاتا ہے ان کو اس انداز کا کھانا پاکستان کے مدرسوں میں میسر نہ ہوسکا، جس کی وجہ سے ان کی طبیعت بھی خراب رہتی تھی؛ لیکن ان تمام مجاہدوں کے باوجود وہاں کے لوگوں نے علم حاصل کیا۔

ترکی خلافتِ عثمانیہ کے آثار

یہ علاقہ طویل عرصے تک خلافتِ عثمانیہ کے زیرِ اثر رہا؛ اس لیے ترکی اور خلافتِ عثمانیہ کے بہت سارے آثار یہاں پائے جاتے ہیں، مسجد کے امام صاحب کو ''حوجہ'' کا معزز لقب دیا جاتا ہے، مساجد بھی ترکی انداز کی بنی ہوئی ہیں، کم از کم ۳۰، ۳۵ میٹر اونچے اونچے وہاں مینارے ہوا کرتے ہیں، یہ اِس بات کی نشانی ہوتی ہے کہ یہاں مسلمان ہیں، نماز کے بعد اوراد و وظائف اور قرأت پڑھنے کا وہاں معمول ہے، جیسا کہ بندے نے ترکی کے سفرنامے میں لکھا ہے، اسی طرح سنن ونوافل کے بعد تسبیحِ فاطمی اجتماعی طور پر پڑھی جاتی ہیں اور اجتماعی طور پر دعا ہوتی ہے۔

الحمد للہ! اب کہیں کہیں برقعے بھی نظر آنا شروع ہوئے ہیں، اسلامی علامتی چیزیں؛ مثلاً کعبۃ اللہ کے فوٹو، مدینہ منورہ کے گنبدِ خضریٰ کے فوٹو، قرآنِ مجید، تسبیحات، کچھ دینی کتابیں، مصلے، عربی جبّے وغیرہ کی دکانیں بھی اب الحمد للہ! شروع ہو رہی ہیں۔

وہاں کا ایک اہم مسئلہ: مسلمان کی شناخت کیسے کریں؟

بندے نے قیامِ مکاتب کی نسبت سے مقامی حضرات سے مذاکرہ کیا کہ: بے طلب بھائیوں کے پاس محض دینی فکروں کے ساتھ ہم سامنے سے ملاقات کریں، کلمہ ونماز کی دعوت دیں، کسی طرح بستیوں میں مکاتب کا قیام ہو جائے تو جواب یہ ملا کہ:

یہاں ایک مشکل مسئلہ یہ ہے کہ یہاں آدھے سے زیادہ؛ بلکہ بعض ملک جیسے البانیا وغیرہ میں اکثریت مسلمانوں کی تھی؛ لیکن ان میں سے بہت بڑی تعداد جن کو

۔نعوذ باللہ۔مرتد بنادیا گیا تھا،اب ان کی پہچان کیسے کریں؟اور ہم کیسے ان تک پہنچیں کہ یہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں؟ کیوں کہ ظاہر کے اعتبار سے ان کو پہچاننا بہت مشکل ہے؛اس لیے کہ ان کا رنگ،ان کی شکل وصورت وہاں کے مقامی عیسائیوں جیسی ہے۔

ہاں!اگر وہ خود سامنے سے سلام کریں یا اپنی پہچان کرائیں کہ میں مسلمان ہوں تب پہچاننا ممکن ہوتا ہے۔

وہاں کے مسلمانوں کی ایک خوبی

ایک طویل عرصے تک کمیونزم کی وجہ سے اگرچہ ظاہر میں مسلمانوں سے اسلامی علامتیں مٹادی گئیں اس کے باوجود وہاں کے مسلمانوں میں ہم نے ایک خوبی یہ دیکھی کہ:ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق بے انتہا محبت کے جذبات ہیں اوران کا باطن بہت ہی صاف ستھرا ہوتا ہے۔

ہمیں دیکھ کران لوگوں کی بے انتہا خوشی

وہاں کے نوجوان،چھوٹے بچے اور معمّر سب لوگ اتنے خوش تھے کہ ہمارے وفد کو دیکھ کر اصرار کر رہے تھے کہ ہم آپ کے ساتھ فوٹو (Selfie) لینا چاہتے ہیں، اس دن ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی،اور جہاں جہاں بھی ہمارے بیانات ہوتے تو اسلامی لباس دیکھ کر اتنے خوش ہوتے اتنے خوش ہوتے کہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے، نوجوان لڑکے،بڑی عمر کے لوگ سب موبائل لے کر آتے کہ ہمارے بازو میں کھڑے رہو؛تاکہ ہم یادگار کے طور پر فوٹو لیں۔اوران کو سمجھانا مشکل ہوجاتا۔

بعض حکومتوں کی عجیب تضاد بیانی

ایک بہت ہی تعجب کی متضاد بات ان ملکوں میں بھی ہے اور ہمارے ملکوں میں بھی ہے، وہ یہ ہے کہ حکومتیں مسلمانوں کی واقعی تعداد کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں جیسا کہ مقدونیا میں حقیقت میں تقریباً ۴۰، ۴۵ فی صد مسلمان ہیں؛ لیکن حکومت کم ہی فی صد مسلمانوں کو تسلیم کرتی ہے۔

یہی حال ہمارے بھارت کا بھی ہے کہ تقریباً ۲۰ سے زائد فی صد مسلمان اس ملک میں الحمدللہ! ہیں اور حکومت اس کو تسلیم نہیں کرتی ہے اور دوسری طرف تضاد بیانی یہ بھی ہے کہ ہر چند دنوں میں یہ شور ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، یہ ایک عجیب متضاد بات ہے کہ حکومت مسلمانوں کی حقیقی تعداد کو تسلیم بھی نہیں کرتی اور دوسری طرف اس طرح دوسرے مذہب والوں کو بے حقیقت چیزوں سے ڈرایا جاتا ہے۔

شور اور فتنہ برپا کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اتنے سالوں میں ان کی اکثریت ہو جائے گی یہ عجیب وغریب تضاد بیانی ہے۔

بہرحال! اب آپ کے سامنے سفر کی تازہ کارگزاری پیش کی جاتی ہے۔

ایک اہم میزبان: مولانا حنیف صاحب دودھ والا

ہمارے اِس سفر کے اہم میزبانوں میں سے ’’مولانا حنیف صاحب دودھ والا‘‘ تھے، جو انگلینڈ میں ایک تنظیم چلاتے ہیں، مولانا حنیف صاحب ماشاءاللہ! بہت ہی فکرمند، ہمیشہ ہنسنے ہنسانے والے، کھانے پینے اور کھلانے پلانے کے باذوق عالمِ دین

ہیں، کھانے کے شوقین ہونے کے باوجود انھوں نے اپنی ایک ذاتی بات بتائی کہ: فجر کے وضو سے الحمدللہ! عشا کی نماز پڑھتا ہوں۔

حالاں کہ عام طور پر اس طرح کھانے پینے کے ذوق والا آدمی جو بے تحاشا ہر طرح کا کھاتا ہو اس کا پیٹ خراب رہتا ہے۔

تخفیف ہوئی، ازالہ نہیں ہوا

ماشاءاللہ! لطائف ان کو نوکِ زبان ہیں، انھوں نے اپنے ایک استاذِ محترم کا واقعہ بتایا کہ: طالبِ علمی کے زمانے میں میرے ایک استاذ مجھ سے ناراض ہو گئے، میرے ایک ساتھی ان کے پاس مجھے معافی مانگنے کے لیے لے گئے، رات میں تقریباً ۴ بجے تک میں ان کی خدمت میں بیٹھا، وہ اپنے کسی اور کام میں مشغول رہے، کسی اور عالم کے ساتھ مذاکرہ میں مشغول رہے، چار بجے مجھے فرمانے لگے کہ: جایئے! جا کر سو جایئے، آپ کے اس آنے سے اور آپ کے اتنی دیر بیٹھنے سے آپ کی طرف سے جو تکلیف پہنچی تھی اور اس سے میرے دل میں جو رنج تھا اس میں اور ناراضگی میں تخفیف ہوئی، ازالہ نہیں ہوا، یہ جملہ بہت پسند آیا "تخفیف ہوئی ہے، ازالہ نہیں ہوا ہے"۔

خوش رہنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے

مولانا حنیف صاحب دودھ والا نے ایک لطیفہ سنایا کہ: ہمارے ایک ساتھی مولانا عثمان صاحب ہمیشہ ہنستے رہتے ہیں، خوش ہوتے رہتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ بیوی جو کہتی ہے وہ کرتے ہیں اور مانتے ہیں، اس پر وہ ہمیشہ خوش اور ہنستے رہتے ہیں۔

ہمارے سفر کی ابتدا

اور ہوائی جہاز میں ایک عورت کے اسلام لانے کا واقعہ

الحمد للہ! ۲۰ جون ۲۰۱۸ء ہمارا تقریباً چالیس (۴۰) آدمیوں کا قافلہ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب، حضرت مولانا ابراہیم پانڈور صاحب کی معیت میں لندن ائیر پورٹ سے روانہ ہوا، میں ہوائی جہاز میں بیچ میں تھا اور قاری عبد الحنان صاحب ایک طرف تھے اور حضرت مفتی صاحب بالکل پیچھے تھے؛ کیوں کہ ویل چیئر سے تشریف لائے تھے اور مفتی یوسف بن شیخ شبیر صاحب حضرت کے پڑوس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہی مفتی یوسف صاحب اور مفتی عبد الحمید صاحب ہمارے انگلینڈ کے سفر کے میزبان ہیں۔

دورانِ سفر ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان نعمت بھی ہے اور رحمت بھی ہے، وہ یہ کہ ہوائی جہاز میں میسیڈونیا کی ایک نوجوان نہایت خوب صورت خاتون بیٹھی ہوئی تھی، بالکل ماڈرن اسٹائل کے کپڑے پہنے ہوئے تھی، جو یوکے (U.K) اپنی بہن کے یہاں ملنے گئی تھی، مولانا حنیف صاحب دودھ والا ان کے بازو میں تھے۔

مولانا حنیف صاحب کہتے ہیں کہ: میرا یہ معمول ہے کہ اڑوس پڑوس والوں کے ساتھ کچھ بات چیت کر لیتا ہوں تو انھوں نے اس کے ساتھ کچھ علیک سلیک کیا، اس لڑکی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں سے کچھ اور ہی فیصلہ تھا۔

انھوں نے آپس میں باتیں کرنا شروع کی، درمیانِ گفتگو اس نے یہ کہا کہ: تم سب کو دیکھ کر مجھے مکہ یاد آ گیا۔

ہمارے ساتھی نے اس سے سوال کیا کہ: آپ مسلمان ہو؟

اس نے جواب دیا کہ: میں مسلمان نہیں ہوں۔

ساتھی نے پوچھا کہ: پھر مکہ کیسے یاد آ گیا؟

اس نے کہا کہ: جب میں مکہ کی تصویریں دیکھتی ہوں تو وہاں ایسے ہی سب دین دار لوگ نظر آتے ہیں۔

پھر اس سے یہ سوال کیا کہ: مذہب کے اعتبار سے آپ کیا کرتی ہو؟ کونسے مذہب کے مطابق زندگی گزارتی ہو؟

الحمدللہ! بہت کھل کر اس نے بات کی کہ: میرے دل میں کئی سالوں سے مسلمان ہونے کی تمنا ہے، نہ میں نماز پڑھتی ہوں اور نہ روزہ رکھتی ہوں اور مجھے کچھ لوگوں نے کہا کہ: اگر تم روزہ نہ رکھو، نماز نہ پڑھو تو تم مسلمان نہیں بن سکتی۔

ہمارے ساتھی نے ان کو اطمینان سے سمجھایا کہ: اصل اسلام اور ایمان عقیدہ کی بات ہے، اگر آپ نے اللہ رب العزت پر یقین کر لیا اور حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی مان لیا تو اسلام میں داخل ہو گئی اور اس کے ساتھ ساتھ پانچ ارکان پر یقین لانا، باقی عمل کرنا یہ آہستہ آہستہ آپ کی زندگی میں آ جائے گا، پہلے تو آپ اس پر ایمان لاؤ، پھر عملی زندگی آپ کی بن جائے گی۔

پتہ چلا کہ یہ خاتون ایک زمانے میں افغانستان میں نیٹو کی ملٹری کے لیے کام

بھی کرتی تھی، اس وقت سے اس کو مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادہ ہمدردی تھی، وہ ان مظالم سے متفق بھی نہیں تھی اور اس نے مسلمانوں کی بہت زیادہ مدد بھی کی تھی، اس نے اسلام پر کافی ریسرچ بھی کیا ہوا تھا اور اس کے بہت سارے دوست مسلمان بھی تھے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اسلام قبول کریں۔

دورانِ گفتگو اس کو سفر کا مقصد بتایا گیا اور یہ بھی کہ ہم لوگ حضرت مفتی احمد صاحب کے ساتھ ہیں۔

ساتھیوں نے اس کو ایک واقعہ بتایا جس کا تذکرہ بندہ محمود بارڈولی نے اپنی کتاب ''دیکھی ہوئے دنیا'' میں کیا ہے کہ:

ایک مرتبہ جنوبی افریقہ کا سفر ہو رہا تھا، حضرت مفتی صاحب کا نورانی چہرہ دیکھ کر ایک ائیر ہوسٹس نے سوال کیا کہ: یہ کون سا میک اپ لگاتے ہیں۔

اس کو جواب دیا گیا کہ: یہ کوئی میک اپ نہیں لگاتے ہیں؛ بلکہ یہ تو ایمان اور اعمال کا نور ہے۔ اس پر گفتگو آگے بڑھی اور اس نے ایمان قبول کیا اور بحمد اللہ! اب بھی مسلمان ہے، اللہ تعالیٰ زندگی آخری لمحے تک ایمان پر قائم فرماوے، آمین۔

نوٹ: تفصیلی واقعہ دیکھی ہوئی دنیا جلد تین: ص: ۱۴ پر ملاحظہ فرمالیں۔

یہ واقعہ اس خاتون کو سنایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے اس کے دل میں یہ بات آئی کہ وہ بھی حضرت مفتی صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیں، حضرت مفتی صاحب جہاز میں پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے ساتھی مولانا رفیق صاحب اور مولانا یوسف صاحب اس کو پیچھے لائے، اس کے کچھ سوالات تھے تو حضرت مفتی صاحب نے

اس کے جوابات دیے۔

ان سوالات میں سے ایک سوال یہ تھا کہ: اس کو کسی نے بتایا تھا کہ اسلام قبول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مسجد میں جائے۔

مفتی صاحب نے اس کو سمجھایا کہ: یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔

اس کو ایمان کا مفہوم سمجھایا کہ ایمان ماننے کو کہتے ہیں، حضرت مفتی صاحب نے یہ بھی بتایا کہ: جاننا الگ ہے، ماننا الگ ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی اس کے کچھ سوالات تھے، اس نے سجدہ میں قرآنِ کریم کی تلاوت کی ہوگی تو کسی نے اس کو بتایا ہوگا کہ یہ گناہ ہے، حضرت مفتی صاحب نے اس کو سمجھایا کہ: یہ گناہ نہیں ہے، یہ ایسی چیز ہے کہ نہ کیا جائے تو بہتر ہے؛ اس لیے کہ سجود میں دعا اور استغفار اور تسبیح ہونا چاہیے، اور قرآنِ کریم یہ کلام اللہ ہے، اس کی شان یہ ہے کہ قیام کی حالت میں اس کی تلاوت کی جائے۔

حضرت مفتی صاحب نے اس کو ایمانِ مجمل اور ایمانِ مفصل سمجھایا، ہر ایک کی مختصر تشریح کر کے اردو میں سمجھایا اور مفتی یوسف اور مولانا رفیق صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا اور مفتی صاحب نے اس کو مبارک بادی بھی پیش کی۔

اس کو یہ بھی کہا کہ: حدیث میں ہے کہ جو شخص اسلام قبول کر لے تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے اس کو خوش آمدید کہا، اس کو خوش خبری دی اور اس نے بھی بہت ہی شکریہ کا اظہار کیا اور الحمد للہ! جہاز ہوا میں تھا، اور اس نے وہاں اسلام قبول کیا اور اللہ کے فضل و کرم سے وہ عورت ایمان لے آئی۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو استقامت عطا فرمائے، آمین۔

حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ایک شخص کو تمھارے ذریعے ہدایت مل جائے تو لال اونٹوں سے زیادہ تمھارے لیے بہتر ہے۔

الحمد للہ! ہمارے اس سفر کے شروع ہوتے ہی ایک لڑکی نے ایمان قبول کیا، اس سے ہم نے نیک فالی لی کہ ان شاء اللہ! ہمارا یہ پورا سفر اللہ کے یہاں مقبول ہوگا اور بہت سارے لوگوں کی زندگی میں اسلام اور ایمان کی تازگی کا ذریعہ بنے گا۔

بدھ کے دن مقدونیا کے شہر اوہرد (ohird) میں

بہر حال! ہم ۶ / شوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰ / جون ۲۰۱۸ء بروز بدھ صبح برطانیہ سے چلے تھے اور بدھ ہی کے دن شام کے وقت ہم مقدونیا پہنچے اور مقدونیا کے شہر ''اہرید (Ohird)'' میں اترے تھے، یہ بہت خوب صورت شہر ہے، وہاں کے ایک عمدہ جھیل کے کنارے ایک ہوٹل میں ہمارا قیام رہا۔

کہتے ہیں کہ: مقدونیا میں ساڑھے بائیس لاکھ کے قریب آبادی ہے اور اس میں آدھی آبادی مسلمانوں کی ہے، اس ملک کے تین حصے مکمل پہاڑی ہیں۔

دوسرے دن جمعرات کو تبلیغی مرکز ''تیتووا (Tetovo)'' میں

۷ / شوال المکرم ۱۴۳۹ھ، مطابق ۲۱ / جون ۲۰۱۸ء جمعرات کی دو پہر اس وقت ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی جب یہ بتایا گیا کہ آج دو پہر کا پروگرام یہاں کے بہت بڑے تبلیغی مرکز پر ہے، ہم لوگ ''تیتووا'' مرکز گئے۔

حافظ پٹیلؒ کی دینی فکروں سے پورے یورپ میں ایمانی بہار

اللہ سبحانہ وتعالیٰ مرحوم حافظ پٹیل صاحب کی قبر کو نور سے منور فرمائے، آمین، بھارت گجرات کے ایک چھوٹے سے دیہات مانیک پورٹکولی کے رہنے والے وہ آدمی، ڈابھیل میں پڑھے اور پورے یورپ کو انھوں نے اپنی فکروں سے ہلا دیا۔

ڈین مارک، فین لینڈ وغیرہ یورپی ممالک میں آپ کی فکروں کی برکت سے تبلیغی مراکز قائم ہوئے، تو ساتھ ہی انگلینڈ، پناما، امریکا وغیرہ ملکوں میں آپ کی فکروں سے دارالعلوم بھی قائم ہوئے۔

وہاں پر پتہ چلا کہ یہ پورا مرکز مرحوم حافظ پٹیل صاحبؒ کی فکروں سے قائم ہوا ہے اور اب آئندہ یہاں پر دارالعلوم قائم کرنے کا بھی پلان ہے، حافظ پٹیل صاحبؒ نے اپنی حیات مین ایک زمین خرید کر ایک چھوٹا سا حجرہ بنایا تھا، ان کی وفات کے بعد ان کے لائق فرزند ہمارے جامعہ ڈابھیل کے فاضل: مولانا سعید صاحب کی کوششوں اور حضرت حافظ صاحب کی آرزو اور دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے شاندار مرکز بنوادیا۔

وہاں کے لوگوں نے بتلایا کہ: اگر مسجد، مکتب اور ہسپتال تین ایک ساتھ ہوں تو حکومت کی طرف سے اجازت لینا آسان ہوجاتا ہے۔

’’تیتووا‘‘ مرکز پر شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی صاحب کی موجودگی میں بندے کو دینی بات بیان کرنے کی سعادت

یہیں مرکز پر ظہر سے پہلے حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم بھی

تشریف لائے، حافظ پٹیل صاحبؒ کے صاحب زادے مولانا سعید صاحب پٹیل نے چند افراد کو لنڈن سے ہمارے قافلے کی خدمت کے لیے بھیجا تھا، اس قافلے میں: اقبال بھائی (لندن)، ماشاء اللہ! ان کے ایک بیٹے کی البانیا میں شادی بھی ہوئی ہے اور عطاء اللہ بھائی (لندن)، بابر وسیم خان (لندن)، نوید بھائی (لندن) یہ سب تھے۔

ظہر کے بعد سب سے پہلے بندہ محمود کا خطاب ہوا، پھر حضرت مفتی محمد تقی صاحب کا اور پھر مفتی شبیر احمد صاحب نے بیان کیا اور یہ بندے کے لیے بہت بڑی سعادت تھی کہ تیتو وا مرکز پر حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ بیان کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی اور مفتی صاحب نے اپنے بیان میں بندے کے بیان کی ایک دو باتوں کا حوالا بھی دیا۔

مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کے بیانات کا خلاصہ

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے بیانات میں ان باتوں پر زور دیا کہ:

ان ممالک میں سلفی، وہابی اس طرح کے اختلاف سے بالاتر ہو کر امتِ مسلمہ "ھو سماکم المسلمین" کے طرز پر مسلمانوں کو متحد ہو کر رہنا چاہیے۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام پر پیدا فرمایا، تو ہماری چاہت یہ ہے کہ موت بھی اسلام پر آوے اور درمیانی زندگی بھی ہماری اسلام کے مطابق گزرنی چاہیے؛ اس لیے مسلکی تعصّبات سے اوپر ہو کر ہمیں امتِ مسلمہ ہو کر ان ممالک کے اندر کام کرنا ہے۔

مکاتب، مدارس وغیرہ کے قیام کی فکریں کرنی چاہیے، بچوں میں اسلامی تعلیم عام ہواس کی کوششیں کرنی چاہیے۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم نے ۲۰۰۶ء میں حضرت مولانا رفیق صاحب دودھ والا ہی کی تنظیم کی دعوت پر سب سے پہلے البانیا کا سفر کیا تھااور اس کی کارگزاری بھی آپ نے لکھی تھی، حضرت مفتی صاحب نے اپنے بیان میں بتلایا کہ:

میں ۲۰۰۶ء میں آیا تھا، اس وقت اور اب بہت فرق معلوم ہورہا ہے، اُس وقت لوگ بہت مشکل سے بہت کم تعداد میں مسجد میں نظر آتے تھے، اب مسجدوں میں ماشاء اللہ! نمازیوں کی تعداد بھی بہت بڑی ہے، اُس وقت بیانات میں لوگ بیٹھنے کے لیے تیار نہیں تھے، لوگوں کی انفرادی ملاقاتیں کرکے بٹھا کر بات سنانی ہوتی تھی، اب بیانات میں ایک اچھا خاصا مجمع ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر برکت کے طور پر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا بیان بعینہ نقل کروں۔

تیتیو امرکز پر شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الخ... اما بعد!

میرے محترم بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

یہ میری بڑی خوش نصیبی ہے کہ آج آپ کے ملک میں اور اس ملک کے تبلیغی مرکز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حاضری کی توفیق عطا فرمائی، میرا بنیادی طور پر خطاب ان حضرات سے ہے جو اس ملک میں آزاد ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو عافیت کے ساتھ آزاد رکھے، آمین۔

میں سب سے پہلے تو آپ حضرات کو رسمی طور پر نہیں؛ بلکہ دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اِس ملک میں دین کے کام کے لیے منتخب فرمایا اور بہ حیثیت ایک مسلمان کے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو ایمان کی حلاوت عطا فرمائی وہ شاید ہم جیسے لوگوں کے اندر موجود نہیں ہے؛ اس لیے آپ افضل ہیں۔

(ان کلمات کو ارشاد فرماتے ہوئے حضرت آب دیدہ ہو گئے)

اس کی وجہ یہ کہ الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے ماحول میں پیدا فرمایا جو چاروں طرف سے ایمان کا ماحول تھا اور ایمان کے حاصل کرنے کے لیے یا اس کو محفوظ کرنے کے لیے ہمیں کوئی پاؤں میں کانٹا بھی نہیں چبھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی اور اس میں ہمیں نہ کوئی جان کی قربانی دینی پڑی اور نہ تکلیف اٹھانی پڑی، اس کے برخلاف آپ حضرات پر ایک طویل زمانہ ایسا گزرا ہے کہ جس میں ایمان کو بچانا ہاتھ میں انگارہ رکھنے کے برابر تھا۔

ایمان کی حلاوت

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب مکی زندگی میں ایمان لائے اور انھوں نے اس

کے لیے جو قربانیاں دیں، اس کے لیے جو تکلیفیں اٹھائیں اور جو اذیتیں برداشت کیں، ایمان کی جو حلاوت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے لیے آپ کو اس دور میں منتخب کیا، ایک حدیث میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ: آنے والے زمانے میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ ایمان کو محفوظ رکھنا ہاتھ پر انگارہ رکھنے کے برابر ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اس دور سے گزارا تو اس حدیث پاک کا مصداق بنایا۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ایک طویل مدت کے بعد آپ کو ایک طرح سے کسی قدر آزادی عطا فرمائی اور اپنے دین پر عمل کرنے کے راستے آسان فرمادیے جس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

ایک اہم ذمے داری

اب آپ کے اوپر ایک اور آزمائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس آزمائش میں پورا اترنے کے لیے اور اس کی ذمے داریاں ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ! آپ ہی کو منتخب فرمائیں گے۔

اور وہ ذمے داری یہ ہے کہ اولاً تو جو اس ملک کے اندر یا اس کے قرب وجوار میں جو مسلمان آباد ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ابھی تک وہ کلمہ ''لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' کی بنیاد پر اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں؛ لیکن اس طویل عرصے میں جو ان پر جبر واستبداد کا زمانہ گذرا اس میں ان پر تمام طریقے کی کوششیں کی گئیں کہ ان کے ذہن، ان کی فکر، ان کے اعمال کو اسلام سے دور

کردیا جائے؛ لہذا ایک بڑی اکثریت باوجود مسلمان ہونے کے اسلام کے بنیادی احکام اور بنیادی عقائد سے بھی ناواقف اور دور نظر آتی ہے۔

اب ان مسلمان بھائیوں کو حکمت کے ساتھ، محبت کے ساتھ، پیار کے ساتھ ایمان کے اعمال کی طرف متوجہ کرنا یہ بہت بڑی ذمے داری ہے جو آپ حضرات کے اوپر عائد ہوتی ہے، ان کو اس بات کا احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ ایمان کا واضح مطلب یہ ہے **جیسا کہ اس سے پہلے مولانا محمود صاحب نے فرمایا کہ:** انسان کی آخرت درست ہو اور دنیا میں جتنا بھی کچھ کام کیا جاتا ہے وہ قبر میں جا کر ختم ہو جاتا ہے، قبر کے بعد جو آنے والی ابدی زندگی ہے، ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے اس کو ہم کیسے بہتر بنائیں، دنیا کے اندر رہتے ہوئے اس آخرت کے لیے کس طرح کام کریں اس کی طرف لوگوں کو پیار اور محبت سے متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

دعوت وتبلیغ

جو لوگ مسلمان ہونے کے باوجود عملی طور پر اسلام سے دور ہیں ان کو اسلام اور اسلام کے اعمال کی طرف قریب لانے کے لیے الحمد للہ! اس دور میں سب سے زیادہ مؤثر محنت اور مؤثر کام تبلیغی جماعت کا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس جماعت کے ساتھ منسلک ہو کر اس کام کو چلانے اور بڑھانے کے لیے جو بزرگوں نے طریقے مقرر کیے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت دی ہے اور اس کے حیرت انگیز اور بڑے مؤثر نتائج ہمیشہ ہر جگہ ہر ملک میں سامنے آئے ہیں۔

تو اس کام کے لیے اور اس طریقے کے مطابق کام کرنے کے لیے جو میں نے

آپ سے عرض کیا تھا کہ ایک بہت بڑی ذمے داری ہے اور وہ ذمے داری یہ کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو اس طرف جوڑیں اور جتنا زیادہ سے زیادہ اس طرف لا سکے اس کے لیے کوئی کوشش میں کوتاہی نہ کریں۔

میں ابھی الحمد للہ! دیکھ کر آیا ہوں، اسکوپیا (Scopie) سے لے کر یہاں تک جگہ جگہ مسجدیں ہیں، مسجدوں کے مینار نظر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ ہمارے بزرگوں کے قائم کیے ہوئے ادارے ہیں، ان میں سے ہر مسجد میں آنے والوں کی تعداد کم ہیں؛ لیکن ہر مسجد میں وہاں پر اگر تعلیم اور گشت کا سلسلہ شروع ہو، کوئی مسجد اس سے خالی نہ رہے تو ان شاء اللہ! بہت جلدی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس صورتِ حال میں تبدیلی آئے گی۔

ایک تو اس نہج پر اپنی طاقت، اپنا وقت اور مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔

تعلیمی اداروں کا قیام

دوسری ایک بہت بڑی ذمے داری جو ہم سب مسلمانوں کی ذمے داری ہے وہ یہ کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کی ایمان کا تحفظ کریں، قرآنِ کریم میں فرمایا:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا . (التحریم)

کہ اے ایمان والو! اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ، اپنے اہل وعیال کو بھی آگ سے بچاؤ۔

اگر ہم نے اپنے بچوں کی اس وقت فکر نہ کی اور ان کو زمانے کے عام حالات کے بہاؤ میں چھوڑ دیا تو اللہ نہ کرے کہ آگے چل کر وہ ایمان کی دولت سے بھی محروم ہو

جائے، اس واسطے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان بچوں کے ایمان کے تحفظ کے لیے کچھ اقدامات کیے جائیں۔

اور علم کے تحفظ کا واحد طریقہ موجودہ دور میں یہ ہے کہ مسلمان اپنے تعلیمی ادارے قائم کریں اور کم از کم اپنا ایک تعلیمی ادارہ نمونہ اور مثالی ہو اس طریقہ سے تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے کہ ہمارے بچے ہمارے نو جوان غیروں کی تعلیم گاہوں میں جانے کے محتاج نہ رہیں؛ بلکہ خود مسلمانوں کی تعلیم گاہوں میں اور مسلمانوں کے ماحول میں رہ کر، مسلمانوں کی تربیت میں رہ کر وہ مسلمان بنیں، ان شاء اللہ! کچھ عرصے کے بعد بڑی واضح تبدیلی آئے گی جیسا کہ اس کا تجربہ بہت سے ایسے ملکوں میں ہو چکا ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، یہاں تو ماشاء اللہ! ایک بہت بڑی اکثریت مسلمانوں کی ہے، بعض جگہوں پر اکثریت ہے اور بعض جگہ پر اقلیت ہے وہ بہت کم تعداد ہیں؛ لیکن جہاں مسلمان بہت اقلیت میں ہیں جیسے انگلینڈ کے حضرات یہاں موجود ہیں، جنوبی افریقہ کے لوگ موجود ہیں، وہاں پر ان حضرات نے کوشش کر کر کے ایسے ادارے قائم کیے کہ اس ادارے کے نتیجے میں الحمد للہ! بعض علاقوں میں جا کر ایسا لگتا ہے کہ یہاں الحمد للہ! خالص مسلمان ہیں اور اس کی وجہ سے مسلمان بچوں نے تعلیم بھی حاصل کی اور اپنے ایمان کی بھی حفاظت کی۔

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے یہاں پر یہ تبلیغی مرکز قائم کرا دیا، جن جن لوگوں نے اس میں محنت کی، جان سے، مال سے اور اپنی محنت سے اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو بہترین جزا عطا فرمائے، یہ ایک مرکز اللہ نے بنوا دیا، اب اس مرکز کو آگے بڑھانا

اور اس کو مؤثر بنانا یہ ہم سب مسلمانوں کی ذمے داری ہے۔

اور میں نے آج نماز میں دعا کی اور ابھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس مرکز کو ایک نور کا مینار بنائے، اس کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ ایمان کا نور پورے ملک کے اندر پھیلائے اور ان شاء اللہ! ایسا ہوگا، ان شاء اللہ! ضرور ہوگا۔

ایمان کی محنت اور کام ایک آدمی سے بھی شروع ہوتی ہے اور ثانی اثنین جو ہوتے ہیں جو غار میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کی نصرت فرماتے ہیں۔

نصرتِ الٰہی کی شرط

شرطیں دو ہیں: ایک یہ کہ اخلاص ہو، اللہ کے لیے ہو اور دوسرا یہ کہ طریقہ صحیح ہو اور ہر چیز میں رجوع الی اللہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگنے کی عادت ڈالی جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ایک آدمی کے کام میں بھی برکت دے دیتے ہیں، دو آدمیوں کے کام میں بھی برکت دے دیتے ہیں۔

اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ ایک منارۂ نور بنا دیوے جس طرح یہ ایک مرکز بنا اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ایک تعلیمی مرکز بھی بنا دیوے، اس میں مسلمانوں کی نسلیں ایمان سے منور ہو سکیں، اپنے دینی مستقبل کو محفوظ کر سکیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ، میں آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہاں تشریف لا کر ہمیں اپنی زیارت کروائی، اللہ تعالیٰ آپ کے ہر عمل میں برکت عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نوٹ: اس بیان میں ملک کے دینی اعتبار سے نامور ذمے دار حضرات موجود تھے۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب کے ساتھ ایک دستر خوان پر

مقدونیا میں تیتو وا مرکز پر دوپہر کے بیان کے بعد پہلی مرتبہ ایک ساتھ بیٹھ کر حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ کھانے کی سعادت حاصل ہوئی، مفتی صاحب صرف پھل کھانا چاہتے تھے، آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے تو فوراً سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور یہ حدیث پڑھی: لا اکل متکأ۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب کے کچھ اوصاف واقوال

آپ کا سفر میں کھانے کے سلسلے میں معمول اور ذوق

فرمانے لگے: جب آگے سفر کا پروگرام ہو تو میں کھاتا نہیں ہوں، صرف پھل پر اکتفا کرتا ہوں؛ ورنہ کھانے کے بعد میں بے بس ہو جاتا ہوں، آرام کا تقاضا ہوتا ہے۔

چوں کہ میزبان ایک باپ بیٹے تھے، باپ نے بڑی محبت سے اپنا ایک پالا ہوا دنبہ ذبح کیا ہوا تھا اور بیٹے نے ایک بکرا ذبح کیا ہوا تھا اور اس کو بھون کر اور شوربے والا بنا کر مختلف انداز کا پکا کر لائے تھے؛ اس لیے پھر حضرت مفتی محمد تقی صاحب نے ان کی محبت اور اصرار پر چند لقمے تناول فرمائے۔

کھانے کا عمدہ ذوق

کھانے پینے کے معاملے میں حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کا بہت ہی عمدہ ذوق ہے؛ لیکن سادگی بھی بے انتہا ہے، تکلف بھی بالکل نہیں، بندے کو

بریڈ اور نان سے مناسبت نہیں ہے؛ اس لیے اقبال بھائی برطانیہ سے کئی روٹیاں ساتھ لائے تھے، وہ باسی ہونے کے باوجود مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم اس طرح کھا رہے تھے کہ پتہ بھی نہیں چل رہا تھا کہ وہ باسی روٹی کھا رہے ہیں۔

کھانے سے پہلے پانی

کسی ساتھی نے کھانے سے پہلے پانی پینے کی بات چھیڑ دی تو ارشاد فرمانے لگے کہ: یہ طبی معاملہ ہے، میری بھی عادت ہے کہ کھانے کے ایک گھنٹے کے بعد پانی پیتا ہوں؛ البتہ کھانا شروع کرنے سے پہلے گلا تر کرنے کے لیے تھوڑا سا پانی پی لیتا ہوں۔

چربی والا گوشت

تیتووا مرکز پر چربی والا گوشت ڈھونڈ کر دو چار لقمے کھائے، اور فرما رہے تھے کہ: مجھے یہ گوشت بہت پسند ہے، پھر اس کے بعد کراچی کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر کے لکھے ہوئے مضمون کا حوالہ دے کر فرمایا کہ:

یہودیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حرام فرمائی اُس میں بطورِ عذاب کے چربی کو حرام کرنے کا تذکرہ آیا ہوا ہے، معلوم ہوا کہ لذیذ اور عمدہ نعمت عذاب کے طور پر ان کے لیے حرام کی گئی تھی، انھوں نے استدلال کے طور پر یہ آیت پیش کی ہے:

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۱۴۶ (الانعام)

ترجمہ: اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کردیے تھے، اور گائے اور بکری میں سے ان کی چربیاں ہم نے ان (یہودیوں) پر حرام کردی تھی؛ مگر جو (چربی) ان دونوں (گائے، بکری) کی پیٹھ یا آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا جو (چربی) ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو (اس کا استعمال حلال تھا)، یہ ان کی شرارت کی وجہ سے ہم نے ان کو سزا دی اور یقیناً ہم تو سچے ہی ہیں۔

نتیجہ نکلا کہ چربی والا گوشت عمدہ ہوتا ہے اس کو کھانا چاہیے۔

قدرتی مناظر دیکھ کر اللہ کی یاد

آپ کو قدرتی نظارے دیکھنے کا بھی خوب شوق ہے، خود اپنے موبائل میں اس کا فوٹو بھی لیتے ہیں، ۲۰۰۷ء میں جب مشفقی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب کے ساتھ مسجد کے افتتاح کی نسبت سے ہمارا نیوزی لینڈ کا پہلا سفر ہوا تھا تو چند ہی عرصے پہلے حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کا بھی وہاں کا سفر ہوا تھا تو اس وقت مولوی امتیاز خیر گام والے جو اس وقت نیوزی لینڈ میں مقیم تھے، وہ بتانے لگے کہ: حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم جب خوب صورت مناظر دیکھتے ہیں تو بے اختیار ان کی زبان سے یہ آیت نکلتی ہے:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: سو بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ کی جو سب بنانے والوں میں سب سے اچھے بنانے والے ہیں۔

یہ ہے اللہ والوں سے سیکھنے کی بات کہ قدرتی مناظر دیکھ کر اللہ کو یاد کریں۔

بعض دیگر متفرقات اوصافِ حمیدہ

آپ نمازوں کے بعداوراد اور دعاؤں کے بڑے پابند ہیں اور سنن کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔

لباس اتنا سادہ کہ کوئی دیکھ کر پہچان بھی نہیں سکتا کہ یہ اتنے بڑے عالمِ دین ہوں گے، ہمارے اکابرین میں سے حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ وغیرہم کے بارے میں جوسن رکھا ہے اس طرح کی عجیب وغریب آپ کی سادگی بھری زندگی ہے۔

نظام الاوقات کے بڑے پابند ہیں۔

بیان کا انداز بھی بڑا نرالا ہے، شروع میں مثبت انداز سے بیان فرماتے ہیں اور بعد میں ضروری منکرات پر تنبیہ بھی فرماتے ہیں اور جس ملک میں جاتے ہیں وہاں کی حکومت اور لوگوں کی خوبیوں کا بھی علی الاعلان تذکرہ فرماتے ہیں۔

آپ کی چھوٹوں کی حوصلہ افزائی بہت عجیب ہے، بڑے شوق سے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔

مقدونیا تیتو وا مرکز پر اگر چہ دعوت وتبلیغ کے ذمے دار اور علما کا مجمع ہونے کی وجہ سے کیفیت کے اعتبار سے وہ مجمع بڑا تھا؛ لیکن کمیت کے اعتبار سے بہت چھوٹا مجمع تھا، پھر بھی آپ نے وہاں پر بھی بہت پُر مغز اور بہت ہی قیمتی بیان فرمایا، جیسے کہ ہمارے عام لوگوں کی عادت یہ ہے کہ مجمع بڑا ہو تو شان دار بیان اور چھوٹا مجمع ہو تو ہلکی پھلکی باتیں، ایسا نہیں دیکھا گیا؛ گویا کہ ایک آدمی ہو تو بھی اللہ کی رضا کے لیے بیان اور مجمع بڑا ہو تو بھی ایک اللہ کی رضا کے لیے بیان کرنا۔

''پوگرادیس'' میں

بہر حال! جمعرات کی صبح سے دو جماعتیں بن گئی تھیں: ہمارے حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کی معیت میں ایک قافلہ مقدونیا میں مولانا حنیف صاحب دودھ والا کی تنظیم کی طرف سے جو مکاتب ہیں ان کو دیکھنے کے لیے روانہ ہوا، اور دوسرا قافلہ لندن سے اقبال بھائی آئے تھے، بندے کا ان کے ساتھ جانا ہوا، مفتی شبیر صاحب دامت برکاتہم بھی اسی قافلے میں تھے۔

۷ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۱ رجون ۲۰۱۸ء شبِ جمعہ ہمارا قیام ''پوگرادیس'' میں رہا، جھیل کے کنارے ایک شان دار ہوٹل تھا، اس کی دوسری طرف مقدونیا اور قریب میں ہی گریش یونان ہے، وہاں مغرب کی نماز مسجدِ ابوبکر میں پڑھی جو یہاں کی ایک مرکزی مسجد سمجھی جاتی ہے، اس سے پہلے ہم عصر کی نماز بھی وہاں پڑھ چکے تھے، کہتے ہیں کہ: کمیونزم کے زمانے میں اس کو سینما گھر بنا دیا گیا تھا۔

یہ مسجدِ ابوبکر پہلے ایک چھوٹے سے کمرے کی شکل میں باقی رہ گئی تھی، اب ماشاءاللہ! عالی شان مسجد بن چکی ہے۔

''ترانا (Tirana)'' شہر میں

۸ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۲ رجون ۲۰۱۸ء بروز جمعہ ''ترانا'' کے مرکز پر جب ہمارا قافلہ پہنچا تو وہاں کے مقامی لوگ کہنے لگے کہ: اتنے سارے علما کو دیکھ کر ہمیں لگ رہا ہے کہ اللہ کی رحمت ہم پر آ گئی ہے۔

جب ہمارا قافلہ ’’ترانا‘‘ کے مرکز پر پہنچا تو وہاں کے مقامی ذمے دار لوگ خوشی کے مارے رو رہے تھے، کہنے لگے کہ: جب کوئی بڑا اجتماع ہوتا ہے تو ایسے موقع پر بھی اتنا بڑا مجمع اکٹھا کرنا مشکل ہوتا ہے، آج ماشاء اللہ! علمائے کرام کی آمد کی برکت سے اتنی ساری گاڑیاں اور اتنا بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا۔

جمعہ سے پہلے بیان اور نماز پڑھانے کی سعادت

قافلے میں موجود علمائے کرام کا ترانا کی مختلف مساجد میں جمعہ کا بیان طے تھا، بندے کا بیان بھی ایک مسجد میں طے تھا، میں نے وہاں مختصر سا بیان کیا، پھر امام صاحب نے مجھ سے درخواست کی کہ: جمعہ کی نماز بھی آپ ہی پڑھائیں گے۔

البانیا کے مفتیٔ اعظم سے ملاقات

اتفاقاً البانیا کے مفتیٔ اعظم ۔جو کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ جمعہ کی نماز میں شریک ہو گئے، امام صاحب نے ان کو نماز پڑھانے کی درخوست کی؛ لیکن مفتیٔ اعظم نے از راہِ تواضع اور از راہِ اکرامِ ضیف بندے کی طرف اشارہ کیا کہ: آنے والے مہمان ہی سے نماز پڑھوائی جائے، انھوں نے خطبے سے پہلے چند منٹ بندے کا خطاب بھی سنا تھا، وہ جلدی میں تھے، پھر بھی نماز کے بعد وہ میرے انتظار میں رہے، میں سنت سے فارغ ہوا تو انھوں نے مجھ سے بڑی محبت سے ملاقات کی اور نماز سے بھی بہت خوش ہوئے اور مجمع بھی خوش ہوا، لوگوں نے بھی بڑی تعداد میں ملاقات کی۔

مولانا حنیف صاحب دودھ والا کی تنظیم نے البانیا کے سابق مفتیٔ اعظم مفتی

صابری کوچی کو برطانیہ کی دعوت دی تھی، وہ ستائیس سال جیل میں رہے تھے اور پھر برطانیہ کا انھوں نے دورہ کیا تھا۔

مسجد کے امام کی درسِ حدیث کی درخواست

اس مسجد کے امام صاحب کا اتوار کے دن ہفتہ واری درسِ حدیث بھی ہوتا ہے، انھوں نے بہت لجاجت سے بندے سے درخواست کی کہ: اِس اتوار کا درسِ حدیث آپ ہی دیں گے؛ لیکن اتوار کے دن ہمارا ''بوسنیا'' کی طرف سفر تھا؛ اس لیے ہم نے ان کی دعوت قبول کرنے سے معذرت کی۔

یہ اس دور میں نہایت ہی اہم اور ضروری ہے کہ ہر مسجد میں کم از کم ہفتے میں ایک روز درسِ قرآن اور درسِ حدیث کا سلسلہ قائم ہو۔

ترانا کے تبلیغی مرکز پر ایک جامع بیان

۹ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۳ رجون ۲۰۱۸ء بروز سنیچر ترانا شہر کے تبلیغی مرکز پر ایک بہت ہی جامع بیان ہوا جس کا عنوان تھا ''دین کی دعوت''۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب مدظلہ نے یہ باتیں ارشاد فرمائی:

دین کی دعوت کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں:

[۱] اخلاص ہو [۲] دل میں درد ہو [۳] محبت ہو۔

اگر یہ تین چیزیں ہوں تو دعوت میں ضرور اثر ہوگا۔

اخلاص کی برکت سے ''کہاں کس طرح دعوت کا کام کرنا ہے'' اللہ تعالیٰ اس

کے طریقے بھی ذہن میں القا فرمائیں گے۔

کسی بھی چیز کا نتیجہ برآمد کرنے کے لیے جہدِ مسلسل ضروری ہے۔

حافظ محمد پٹیل روڈ

ایک عجیب بات یہ ہے کہ: اس ترانا شہر میں ایک پورے روڈ کا نام سرکاری طور پر ''حافظ محمد پٹیل روڈ'' رکھا گیا ہے، خود میں نے اپنی آنکھوں سے وہ روڈ دیکھا اور اس نام کا بورڈ بھی پڑھا اور وہاں سے کئی بار گزرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی، اور حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم نے کراچی میں جو کارگزاری بیان کی اس میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے، اللہ ہمیں اپنے اکابر کی قدر کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ترانا کی ہوٹل میں ایک کانفرنس

۹ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۳ رجون ۲۰۱۸ء بروز سنیچر دوپہر کے وقت ترانا انٹرنیشنل ہوٹل میں ایک کانفرنس رکھی گئی تھی جس میں البانیا کے بڑے بڑے مؤقر علما اور عوام کو دعوت دی گئی تھی، ترانا مرکز سے ہم لوگوں کو جس بس کے ذریعے سے جانا تھا اس بس کے ڈرائیور کو ترانا مرکز لانے میں کافی تاخیر ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے کانفرنس کافی تاخیر سے شروع ہوئی اور یہاں ہوٹلوں میں اوقات متعین ہوتے ہیں؛ اسی لیے جو وقت تھا اس میں کافی کٹوتی ہوئی اور تمام حضرات اپنا بیان کما حقہ نہیں کرسکے۔

بہت سے حضرات جنھوں نے باقاعدہ تیاری کی تھی وہ اس کانفرنس میں خطاب نہیں کرسکے۔

ہم مسلمانوں میں سے بہت سوں کا نظم بڑا غیر مرتب ہوتا ہے یہ اس کی بین دلیل تھی، اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو نظام میں صحیح چلنے کی توفیق عطا فرمائے؛ تاکہ ایسے بڑے نقصانات سے حفاظت ہو سکے۔

کانفرنس کے لیے بڑی رقم خرچ کی گئی تھی، بڑی مہنگی ہوٹل کرایہ پر لی گئی تھی اور ہم کما حقہ پیغام نہیں پہنچا سکیں اس کا بہت دکھ ہو۔

شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کا ایثار

اس موقع پر ہمارے شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے خود اپنا وقت حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کے لیے ایثار کر دیا، خود اُٹھ کر تشریف لے گئے اور حضرت محمد تقی صاحب کو درخواست کی۔

حضرت کے لیے وقیع کلمات

حضرت مفتی محمد تقی صاحب نے اپنے کئی بیانوں میں یہ تذکرہ کیا کہ: حضرت مفتی احمد صاحب کے ساتھ سفر کرنے کا موقع مل رہا ہے، یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت مندی ہے اور یہ میرے سفر کی ایک انفرادی خوبی بھی ہے۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب نے اپنے سفر نامے میں بھی یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:

یہاں اس سفر میں پہلی بار حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جن سے مل کر مجھے ہمیشہ ایک روحانی سرور محسوس ہوتا ہے اور ان کی شفقت ومحبت کی مٹھاس رگ وپے میں محسوس ہوتی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی

ہمارے حضرت مفتی احمد صاحب مدظلہ عام طور پر ایکونومک کلاس (عام درجہ) ہی میں سفر کرتے ہیں؛ حالاکہ کئی ملکوں میں لوگوں نے بار بار فرسٹ کلاس کی پیش کش کی؛ لیکن اس کے باوجود حضرت نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور ہمیشہ عام درجہ ہی میں آپ نے سفر کرنا پسند فرمایا۔

حضرت فقیہ الامتؒ کے تصرف کا عجیب واقعہ

اسی طرح ہمارے حضرت دامت برکاتہم کو تفریحات سے بھی زیادہ دل چسپی نہیں ہے، اس سلسلے میں حضرت فقیہ الامتؒ کے تصرف کا عجیب وغریب واقعہ ہے، اس واقعے کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے، فرماتے ہیں:

زمانۂ طالبِ علمی میں حضرتؒ کے ساتھ کلکتہ کا سفر ہوا، ایک دن وہاں کے حضرات نے مجھ سے اصرار کیا کہ: آج آپ کو ہاوڑہ کا پُل دکھلانے کے لیے لے چلتے ہیں۔

میں نے کہا کہ: حضرت سے اجازت لیے بغیر نہ آؤں گا۔

چانچہ جب حضرت سے اس کا تذکرہ کیا اور اجازت کا خواہاں ہوا تو حضرتؒ نے خاص ظرافت کے ساتھ فرمایا کہ: ہاں! دیکھ لو، کل قیامت کے دن سوال ہوگا کہ ہاوڑہ کا پل دیکھا تھا تو کیا جواب دوگے؟

اگرچہ حضرتؒ نے یہ بات بطورِ ظرافت فرمائی تھی اور اجازت بھی دے دی؛ لیکن مجھ پر عجیب سنّاٹا سا چھا گیا اور میں پل دیکھنے نہ گیا اور اس کے بعد تو ایسا ہوا کہ

کہیں کا بھی سفر ہو، کسی جگہ یا چیز کے دیکھنے کی دل میں طلب یا خواہش نہیں ہوتی؛ گویا یہ حضرتؒ کا ایک تصرف تھا۔ (انتھی بلفظہ، از مکتوباتِ فقیہ الامت جلد: ۴، ص: ۳۸)

اللہ کے یہاں یہ سوال نہیں ہوگا!!!

جب ہم پہلی مرتبہ ”ٹرینیدا“ گئے تو وہاں تارکول (ڈامر) کا تالاب ہے، وہاں سے دنیا بھر میں تارکول کی سپلائی ہوتی ہے، مقامی لوگوں کے اصرار پر ہم لوگ اسے دیکھنے گئے، تو حضرت مفتی صاحب فرمانے لگے کہ: اللہ تعالیٰ کے یہاں تو یہ سوال نہیں ہوگا کہ ٹرینیدا جا کر تارکول کا تالاب دیکھا تھا یا نہیں؟ ہاں دنیا میں لوگ سوال کریں گے کہ ڈامر کا تالاب دیکھا تھا کہ نہیں؟

حضرت مفتی صاحب نے البانیا سے بوسنیا کا پورا سفر عمومی کوچ میں کیا

البانیا سے بوسنیا کا ہمارا پورا سفر کوچ میں ہوا، بعض ساتھیوں کے لیے ان کی فیملی کی سہولت کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی گاڑیاں بھی رکھی گئی تھیں؛ لیکن حضرت مفتی صاحب نے بڑے کوچ ہی میں سفر کرنا گوارا فرمایا؛ یعنی تمام ساتھیوں کے لیے جو کوچ تھا اسی میں سفر فرمایا۔

اپنے چھوٹوں کے ساتھ عجیب معاملہ

لمبے سفر میں پیروں کے درد کی وجہ سے جب آپ سے سیٹ کے اوپر پیر رکھنے

کی درخواست کی گئی کہ: حضرت! آپ سیٹ پر پیر لمبے کر دیجیے؛ تاکہ آپ کو راحت رہے تو اس وقت جو جملہ ارشاد فرمایا اس سے ہمارا دل ہل گیا، فرمانے لگے کہ:

بے ادبی معاف کرنا، تمھاری طرف تو میں پیر نہیں کر سکتا اور کرنا بھی نہیں چاہیے؛ لیکن مجبوری اور درد کی وجہ سے مجھے یہ کرنا پڑ رہا ہے۔

یہ ہے اپنے چھوٹوں کے ساتھ اعلی درجہ اکرام کی بات!

حالاں کہ جس سے یہ بات ارشاد فرما رہے ہیں وہ تو ایک کمزور بندہ، جو آپ کا بہت چھوٹا شاگرد اور مسترشد، جس پر حضرت کے بہت سارے دینی، دنیوی، روحانی، ظاہری و باطنی احسانات ہیں، جس کی ہر طرح کی ترقی اور نیک نامی اور علمی و عملی جد و جہد میں حضرت کی توجہاتِ عالی کا بڑا حصہ ہے، اس کے ساتھ حضرت کا یہ معاملہ، واقعی یہ بڑوں کا بڑا پن ہے!!!

دوسری طرف ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اپنے شاگردوں اور مریدوں کو پتہ نہیں کیا کچھ سمجھتے ہیں!!!

مکاتب کا جوڑ

۹؍شوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۳؍جون ۲۰۱۸ء بروز سنیچر کی رات کوالبانیا مرکز پر مکاتب کا بھی ماشاءاللہ! اچھا خاصا جوڑ ہوا، اب ماشاءاللہ! ان ممالک میں مولانا حنیف صاحب کی تنظیم کافی اچھی خدمات انجام دے رہی ہے، نیز وہاں جمعیۃ الاسلام کے نام سے ایک بہت بڑی تنظیم قائم ہے اور اس وقت رئیس العلما ”رجب سلیمانی“ نام کے ایک مشہور عالم ہیں۔

رحمۃ فاؤنڈیشن لیسٹر کی طرف سے قائم کردہ اسکول

اسلامی اخلاق سے عیسائی متأثر

لیسٹر میں ''رحمہ فاؤنڈیشن'' ہے، لیسٹر کی مسجدِ بخاری کے امام صاحب مولانا خلیل پٹیل صاحب اس کے روحِ رواں ہیں، ان کی تنظیم کی بنائی ہوئی اسکول کی بھی ہم نے البانیا میں ملاقات لی، بہت ہی معیاری اسکول بنی ہوئی ہے، اس میں اسلامیات کا گھنٹہ بھی رکھا گیا ہے۔

اس میں مقامی عیسائی بچے بھی بہت بڑی تعداد میں آتے ہیں، ان عیسائی بچوں کے لیے اسلامیات کے گھنٹے کی شرکت لازم نہیں ہے؛ لیکن اسلامی اخلاق سے بچے اتنے متأثر ہوتے ہیں کہ گھر جاکر والدین کے سامنے اس طرز سے پیش آتے ہیں کہ ان کے والدین کو اسلامی اخلاق سے بہت خوشی ہوئی اور ان کے والدین نے آکر زبردستی سفارش کی کہ ہمارے بچوں کو بھی اسلامی گھنٹے میں شرکت کا موقع دیا جائے۔

گویا کچھ ہی وقت بچے اسلامی ماحول میں رہے تو اس کی وجہ سے ان میں خوشگوار تبدیلی نظر آئی؛ کاش کہ ہم خود مسلمان اسلامی اخلاق کو اپنانے والے بن جائیں!

اسکول کے معتمد شیخ جمال سے ملاقات

اس اسکول کے معتمد شیخ جمال سے ہماری ملاقات ہوئی، ان کا گھر ایک باغ میں ہے، انھوں نے بہترین انجیر اور تازے تازے پھل کے ذریعے ہماری ضیافت کی، ان کے والد بڑے عالم دین تھے، انھوں نے کمیونزم کے دور میں دینی کتابیں محفوظ

کرلی تھی، اس میں سے بہت ساری کتابیں انھوں نے ہمیں دکھلائیں، جو تصوف اور فقہِ اسلامی، فقہِ حنفیہ کے موضوع پر تھیں۔

ان ممالک میں حنفی مسلک عام ہے

ان ممالک میں حنفی مسلک عام ہے؛ البتہ اب کچھ بچے جو عرب ملکوں میں تعلیم حاصل کرنے جارہے ہیں تو ان کی وجہ سے سلفیت آہستہ آہستہ آرہی ہے۔

کتب خانے سے مزاج شناسی

جب ہم کسی انسان کے کتب خانے میں جاتے ہیں تو کتابیں دیکھ کر اس انسان کے مزاج کا پتہ لگتا ہے کہ یہ کیسے مزاج کا ہے؟ مثلاً اس کے کتب خانے میں تصوف کی کتابیں زیادہ ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا تصوف سے بڑا گہرا تعلق ہے، اسی طرح احادیث کی کتابوں کے ذخائر دیکھ کر ان کا علمِ حدیث شریف سے شغف معلوم ہوتا ہے۔

مسجدِ سلطان احمد کے طرز کی مسجد

استنبول میں جو سلطان احمد مسجد ہے جس کو بلیوموسک بھی کہا جاتا ہے اس انداز کی عالی شان مسجد کا کام ترکی حکومت نے البانیا میں جاری کررکھا ہے، کافی حد تک اس کا کام ہوچکا ہے، عنقریب اس کی تعمیر مکمل ہوجائے گی۔

البانیا کی ایک مسجد میں خطاب اور اس کی اہم بات

البانیا میں ایک نہایت خوب صورت، عالی شان مسجد میں مغرب کے بعد بیان

ہوا، پہلے بندے کا طویل خطاب ہوا، پھر حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا خطاب ہوا، اس بیان میں ہم نے وہاں کے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے ایک بات کہی کہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں نہایت خوب صورت چہرے عطا فرمائے ہیں اور آپ کے چہروں کو دیکھ کر یہ آیتِ کریمہ سامنے آجاتی ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ (عبس)

ترجمہ: اس دن کتنے چہرے چمکتے ہوں گے؟ ہنستے خوشی مناتے ہوں گے۔

اب ایک سوال یہ ہے کہ آخرت میں یہ چہرے کیسے حسین، چمکتے، ہنستے، کھلتے رہیں؟ تو اس کے لیے ہمیں اعمالِ اسلام کو انجام دینا ہوگا، اسلام پر کامل عمل کرنا ہوگا، اس کی برکت سے قیامت کے دن بھی تمھارے یہ چہرے سفید اور چمک دار رہیں۔

اسی طرح تمھارے جسمانی رنگ سفید ہیں، اور دودھ کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے، اور معراج والی حدیث میں دودھ کو علم سے تشبیہ دی گئی ہے؛ گویا کہ زیورِ علم سے آراستہ ہوکر اپنے عمل کو اسلامی طرز کا بناؤ، ان شاء اللہ! تمھارے یہ چہرے آخرت میں بھی دودھ سے زیادہ سفید ہوں گے اور ماشاء اللہ! آپ کی دینی فکریں کرنے والی تنظیم کے سربراہ وہ بھی شیخ حنیف دودھ والا ہے، کتنی چیزیں ایک وقت میں جمع ہوگئی ہیں!

البانیا سے بوسنیا کی طرف

۱۰ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ، ۲۴ رجون ۲۰۱۸ء بروز اتوار ہم البانیا سے بوسنیا کی طرف روانہ ہوئے، وہاں ''بوسناکس'' نام کی قوم کی وجہ سے اس ملک کا نام بوسنیا ہے۔

مونٹی نیگرو میں

راستے میں ایک ملک ''مونٹی نیگرو'' سے ہم لوگوں کا گزر ہوا، عربی میں اس کا ترجمہ ''جبل الاسود'' ہوتا ہے؛ یعنی کالا پہاڑ۔

اس ملک میں ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، دوپہر کا کھانا بھی وہاں کھایا، وہاں ایک نئی طرح کی مچھلی کھانے کو ملی، یہاں لوگ مچھلی کی ایک خاص چیز (آئٹم) بناتے ہیں اور وہ ٹھنڈی ہی کھائی جاتی ہے، سوکھی مچھلی کو خاص انداز سے پکا کر اس کو ٹھنڈا کر کے پیش کیا جاتا ہے، بڑی عمدہ اور لذیذ ہوتی ہے۔

بوسنیا کی سرحد پر امگریشن آفسر کو ایمان کی دعوت

اس کے بعد ہم مونٹی نیگرو سے بوسنیا کی طرف آگے بڑھے، یہ اتوار کا دن تھا، بوسنیا کی سرحد پر جب ہم نے قانونی کارروائی کے لیے پاسپورٹ پیش کیا تو سات بجنے میں دس منٹ باقی تھی، وہاں کے ذمے دار امگریشن آفسر نے بتلایا کہ: دس ہی منٹ باقی ہیں؛ اس لیے دوسرا آفسر جو میری جگہ آئے گا وہ آپ کی کارروائی کرے گا۔

صرف دس منٹ باقی تھی پھر بھی وہ سب امگریشن آفسر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے رہے، ٹھیک سات بجنے پر نکلے، اس درمیان مولانا حنیف صاحب نے امگریشن آفسر کو ایمان کی دعوت دی، اس کی بات چیت سے پتہ چلا کہ وہ کسی مسلمان کی بیٹی ہے۔

سربیوں کے شہر میں

جب ہم بوسنیا میں داخل ہوئے تو سرحد پر ''سربی'' لوگوں کی آبادی والا ایک

چھوٹا سا شہر آیا، وہاں ہم نے مغرب کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا، وہاں ایک سربی کی دکان تھی، اس کے پاس جا کر بات کی تو اس کی آنکھوں سے غصہ ٹپک رہا تھا اور وہ کوئی صحیح جواب دینے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔

سربی لوگوں کے ہاتھ اور چہروں سے درندگی ٹپکتی ہے، ان کی آنکھ سے خمار اور غصہ ٹپکتا ہے، ان ہی سربیوں نے ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ء تک کے زمانے میں بوسنیا کے مسلمانوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے تھے۔

مغرب کی نماز اور ٹھنڈا پانی

بہر حال! ہم نے وہاں مغرب کی نماز پڑھنا موقوف کر دیا اور وہاں سے آگے بڑھے تو ایک شہر آیا، سڑک کے کنارے پر ایک مسجد تھی، مسجد ترکی انداز کی بہت عمدہ بنی ہوئی تھی، اس میں جا کر ہم نے مغرب کی نماز ادا کی، جب ہم وضو کرنے گئے تو نہایت ٹھنڈا پانی تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ برف سے پگھل کر پانی آ رہا ہے۔

وہاں بالکل سناٹا تھا، میں مسجد کے اردگرد والے محلے میں گھومنے بھی گیا؛ لیکن وہاں کوئی انسان نظر نہیں آیا، ہم نے وہاں مغرب کی نماز بہت ہی اطمینان کے ساتھ جماعت کی شکل میں ادا کی اور پھر ہم لوگ وہاں سے آگے بڑھے اور رات دیر بوسنیا کے دار السلطنت پہنچ گئے۔

بوسنیا میں ظہر کی نماز

۱۱/شوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۵/جون ۲۰۱۸ء بروز پیر ہم نے بوسنیا کی

ایک مقامی مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی، ایک نہایت خوب صورت امام صاحب نے آکر ظہر کی نماز پڑھائی، ماشاء اللہ! تندرست، لمبا چوڑا جسم، نہایت خوب صورت چہرا، نماز کے بعد ان کے ساتھ بہت اچھا مذاکرہ ہوا، انھوں بتلایا کہ: یہاں ایک مدرسہ بھی ہے، مسجد بھی قدیم ترکی طرز پر بنی ہوئی تھی، اس کے ساتھ بہترین باغیچہ بھی تھا۔

ایک عجیب لطیفہ

واٹس ایپ وہ رکھے جس کی معشوقہ (Girl Freind) ہو

وہاں ایک عجیب لطیفہ ہو گیا، ہم نے امام صاحب سے کہا کہ: آپ اپنا فون نمبر دیجیے۔ انھوں نے خوشی سے دیا۔

پھر ہم نے کہا کہ: واٹس ایپ نمبر دیجیے۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ: میں واٹس ایپ نہیں رکھتا ہوں۔

ہم نے پوچھا کہ: آپ واٹس ایپ کیوں نہیں رکھتے ہیں؟

انھوں نے کہا: ہمارے یہاں یہ بات مشہور ہے کہ جس کی گرل فرینڈ ہو وہی واٹس ایپ رکھتا ہے۔

مسجد میں ریکاڈر سے اذان کا افسوسناک واقعہ

اس مسجد میں بہت پیاری اذان ہو رہی تھی، سب ساتھی موبائل میں اذان ریکارڈ کرنے لگے، آدھی اذان ہوئی تو ساتھیوں کو شوق ہوا کہ دیکھیں کہ کون صاحب اتنی پیاری اذان دے رہے ہیں، جب اذان والی جگہ دیکھنے گئے تو حیرت کی انتہا نہ رہی

کہ ریکاڈر سے اذان ہورہی تھی۔

دشمنوں نے حالات ایسے کھڑے کر دیے تھے کہ اِس وقت جو مسجدیں پھر سے آباد ہورہی ہیں وہاں ابھی سب جگہ صحیح اذان دینے والے میسر نہیں ہورہے ہیں۔

بوسنیا کے بازاروں میں عمدہ قلمی کتابیں

ہم نے بوسنیا کے بازاروں میں قلمی کتابوں کے نسخے دیکھے، قلمی قرآنِ مجید بہت عمدہ لکھے ہوئے ملتے ہیں، تصوف، فقہِ حنفی اور حدیث کی بہت ساری کتابیں وہاں کے بازاروں میں مل جاتی ہیں، ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا ایسی دکانیں، جہاں پر گھر میں لگانے کے طغرے، تختے، برقع، ٹوپی وغیرہ کی دکانیں ہوتی ہیں، وہاں جا کر ہم کہتے ہیں تو اس طرح کی قلمی کتابیں لاکر ہم کو دکھاتے ہیں۔

بوسنیا میں سربیوں کے مقابلے میں فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی کھلم کھلی مدد

وہاں کے مسلمانوں نے بتلایا کہ: سربیوں کے مظالم کے دور میں ہمارے پاس اسباب کی بہت کمی تھی؛ لیکن اس کے باوجود ہم نے اللہ تعالیٰ سے لَو لگانے میں کمی نہیں کی، اس کے نتیجے میں ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کھلی مدد آئی اور ہم لوگ سربیوں کے مقابلے میں کامیاب ہوئے۔

ان سے پوچھا کہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا مدد آئی؟

بتلایا کہ: یہاں بہت سے سربی عیسائیوں کا بیان ہے اور کچھ ہمارے لوگوں

نے بھی یہ مناظر دیکھیں کہ بڑی بڑی داڑھی والے لوگ میدان میں مقابلے کے لیے آتے تھے اور دشمنوں سے جنگ کرتے تھے؛ حالاں کہ وہاں داڑھی پر پابندی تھی؛ گویا کہ اللہ کی طرف سے فرشتوں نے آکر مقابلہ کیا، یہ ابھی ۱۹۹۵ء کی بات ہے۔

ابھی بھی بوسنیا میں جنگ کے آثار جا بجا دیکھنے کو ملے، بہت سی جگہوں پر ٹوٹی ہوئی عمارتیں دیکھنے کو ملی۔

بہت سی جگہ ہم کو بنکر (مورچے) دیکھنے کو ملے، بتلایا گیا کہ: یہ اس لیے بنائے گئے تھے؛ تاکہ لوگ چھپ کر اپنی جان بچا سکیں۔

بہت سی جگہوں پر "الصلوۃ والسلام علیك یارسول اللہ" وغیرہ کے طُغرے بنے ہوئے یا ماربل گرینائٹ کے پتھر میں منقش یہ جملے دیکھے، پوسٹروں میں بھی دیکھے۔

اور جو اذان دینے کی جگہ ہوتی ہے وہاں "یا بلال حبشیؓ" ایسے بورڈ بھی لگے ہوئے دیکھے۔

ہمارے ملک میں دین پر عمل کی آزادی یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

واقعہ یہ ہے کہ ہمیں ہمارے ملک میں مدارس، مکاتب، مساجد، دعوت کا کام، خانقاہ ان سب چیزوں کی جو آزادی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور ہمارے بزرگوں کی قربانی کی برکت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اعمال جب تک اچھے رہیں گے، اللہ تعالیٰ سے تعلقات اچھے رہیں گے اس وقت تک ہم پر حکام بھی اچھے رہیں گے، جہاں ہمارے اعمال بگڑیں تو اللہ تعالیٰ حکمرانوں کو بطورِ عذاب مسلط فرماتے ہیں۔

لہذا ہم لوگ اپنے اعمال کو اچھے بنا کر رکھیں اور یہ جتنے بھی دینی مبارک سلسلے ہیں ان مبارک سلسلوں کی قدر کریں، ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ ہماری آنے والی نسلوں کی ایمان کی حفاظت فرمائیں گے اور دنیا کے ان ممالک میں رہنے والے مسلمان بھائیوں کے لیے دعائیں کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کارگزاریوں کو ہمارے لیے عبرت اور نصیحت کا سامان بنائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کارگزاری کا دوسرا حصہ

البانیا سے مونٹی نیگرو ہوتے ہوئے بوسنیا پہنچنے تک

ہمارا یہ لمبا چوڑا سفر۔ جو کئی کئی گھنٹوں پر مشتمل تھا۔ مولانا حنیف صاحب دودھ والا، مولانا ڈاکٹر محمود چانڈیا صاحب وغیرہ کے ساتھ بہت سارے علمی، دینی و تاریخی مختلف مذاکروں میں الحمد للہ! گزرا، جس میں بہت سارے سوالات و جوابات بھی ہوئے، اور مولانا حنیف صاحب کی تنظیم کی کارگزاری اور کچھ ملک کی تاریخ کے سلسلے میں اچھی خاصی باتیں سامنے آئیں، اس کا خلاصہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

ابتدائیہ

اس وقت ہمارا سفر جاری ہے، علمائے کرام اور دیگر مہمانانِ عظام کا وفد بوسنیا کی طرف جا رہا ہیں، ابھی ہم نے سرحد (بارڈر) عبور کیا ہے اور الحمد للہ! ہم بوسنیا کی سرزمین پر پہونچنے والے ہیں۔

بلقان کا جو علاقہ ہے اس کی عجیب وغریب تاریخ ہے، اس کا جائے وقوع بھی بہت عجیب وغریب ہے، ہر ایک کی نظر اس پر رہتی ہے؛ چونکہ کسی زمانے میں یہاں سے ایک تجارتی راستہ ہوا کرتا تھا، اسی طرح دوسرے مفادات کے لیے بھی یہ علاقہ بہت اہم سمجھا گیا؛ اس لیے ہر استعماری طاقت کی نظر اس علاقے پر رہتی تھی۔

بوسنیا میں داخلہ

مغرب کا وقت ہو چکا ہے، ہم لوگ بوسنیا میں داخل ہو رہے ہیں، ایک ہرا بھرا

اورخوب صورت ملک نظر آرہا ہے، کمیونزم کے بعد ماضی قریب کا پچیس (۲۵) سال کا یہ جدید ملک ہے، اس سے پہلے یہاں ظلم وستم کا دور تھا، اللہ رب العالمین نے یہاں سے ظلم وستم کا دور ختم کیا، اس ملک میں آزادی ہوئی، ایک مستحکم نظام قائم ہوا۔ ظاہری بات ہے کہ پچیس (۲۵) سال کی مدت ایسی مدت نہیں ہے جس میں ملک کا تعلیمی نظام، اقتصادی نظام، طبّی نظام، ملک کی تہذیب وتمدّن، ملک کا کلچر، ایک ساتھ بیک وقت صحیح اسلوب پر آجائے، کسی بھی ملک کو ظلم وستم، زوال، انسانوں کی انسانیت کی پستی کے بعد اپنے پُرانے اسلوب اور ترقی پر آنے میں کافی وقت لگتا ہے۔

بوسنیا اور مسلمان

بوسنیا کی لڑائی میں بہت سارے مسلمانوں کو؛ خاص کر مرد اور نوجوانوں کو شہید کر دیا گیا تھا، عورتوں کی عزت لوٹی گئی تھی، گھروں سے بے گھر کر دیے گئے تھے، سربیوں نے عورتوں کے حمل پر قمار اور جوئے کھیلے، زندہ عورت کے حمل کو چاک کیا جاتا تھا، فوجیوں نے اجتماعی عصمت دری کی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسا اس لیے ہوا کہ ان میں بے دینی بہت عام ہو گئی تھی؛ گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعمال واخلاق سنوارنے کے لیے ایک تنبیہ بھی تھی۔

پھر یہاں سب نے مل کر سمجھوتا کیا کہ ہم آپس میں مل کر رہیں گے، آپس میں لڑائیاں نہیں کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا یہاں بہت سے مسلمان باقی رہے اور کچھ لوگ دوسری جگہ چلے گئے، اس طرح بوسنیا اور دیگر ممالک وجود میں آئے، کمیونزم ختم ہو گیا۔

ہمیں تو یہ سبق لینا ہے کہ انھوں نے کمیونزم کے دور میں کیسے اپنے ایمان کی

اور دینی کتابوں کی اور کلامِ الٰہی کی حفاظت کی، اپنے سینوں میں ایمان کا ولولہ اور جذبہ باقی رکھا اور اپنے بچوں اور نسلوں میں یہ ولولہ بچایا، ان شاء اللہ! چند ہی سالوں کے اندر حالات سازگار نظر آئیں گے۔

بڑوں سے تعلق رکھنے کی برکت

بلیک برن اور اطراف کے ہم دارالعلوم بری کے فضلاء دورۂ حدیث شریف کے بعد اپنے اپنے کام میں مشغول ہو گئے تھے، کوئی ۱۹۸۹ء میں فارغ ہوا تھا، کوئی ۱۹۹۰ء میں، کوئی ۱۹۹۱ء میں، کوئی ۱۹۹۲ء میں فارغ ہوا تھا۔

کوئی مکتب پڑھاتا تھا، کوئی مدرسے میں خدمت انجام دیتا تھا تو کوئی تجارت اور کاروبار میں مشغول تھا؛ لیکن وقتاً فوقتاً ہمارے حضرت الاستاذ مولانا یوسف متالا صاحب، حضرت مفتی شبیر صاحب اور حضرت مفتی عبدالصمد دامت برکاتہم کے پاس آنا جانا رہتا تھا، ایک موقع پر حضرت الاستاذ مولانا یوسف متالا صاحب دامت برکاتہم نے پوچھا کہ: دارالعلوم سے فارغ ہو کر آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟

ہم نے حضرت کو بتایا کہ: ہم میں سے کوئی مکتب پڑھاتا ہے، کوئی مدرسہ پڑھاتا ہے، کوئی تجارت وکاروبار میں مشغول ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ: یہ سب کام ٹھیک ہیں؛ لیکن اجتماعی شکل میں کوئی ایسا کام کرو جس سے قوم اور امت کو زیادہ فائدہ ہو۔

تنظیم کی بنیاد

ہم فضلائے دارالعلوم بری کا معمول تھا کہ ہر اتوار کو فٹ بال کھیلنے کے لیے جمع

ہوتے تھے، ایک مرتبہ فٹ بال کھیلتے کھیلتے دوتین ساتھیوں نے تذکرہ کیا کہ ہم لوگ دار العلوم بری گئے تھے تو حضرت الاستاذ مولانا یوسف متالا صاحب دامت برکاتہم نے اجتماعی طور پر کام کرنے کی بات فرمائی تھی، ایک اور ساتھی نے کہا کہ: حضرت نے مجھے بھی یہ فرمایا تھا؛ چنانچہ کھیل کے درمیان ہی ہم نے مشورہ کیا کہ: ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں، تنظیم کے تعلق سے یہ پہلا مشورہ تھا، اس کے تھوڑے عرصے کے بعد دوسرا مشورہ ہوا، پھر تیسری مرتبہ مشورہ ہوا، ۱۹۹۲ء جولائی، اگست میں ہمارا آخری مرتبہ مشورہ ہوا جس میں نو (۹) ساتھیوں نے شرکت کی، تب سے لے کر آج مئی ۲۰۱۸ء تک چھبیس (۲۶) سال سے یہ نو (۹) ساتھی اللہ کے فضل وکرم سے مل کر اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے کام کررہے ہیں۔

تنظیم کا سب سے پہلا کام

۱۹۹۲ء میں ہم نے سب سے پہلے تنظیم کی طرف سے ایک رسالہ ''یونٹی'' کے نام سے انگریزی زبان میں شائع کیا جو چار (۴) صفحات پر مشتمل ہوتا تھا، اس میں دینی مضامین ہوتے تھے، جب کہ حضرت مولانا یوسف صاحب متالا دامت برکاتہم کی خواہش یہ تھی کہ کوئی بڑا رسالہ نکلے؛ لیکن اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے چھوٹے پیمانے سے کام شروع کیا۔ تقریباً ایک سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

البانیا کے حالات سے واقفیت

ایک سال کے بعد ہمارے سامنے بلیک برن کے ایک عالمِ دین حضرت مولانا یعقوب صاحب مفتاحی (حزب العلماء (uk) کے جنرل سیکریٹری) کے وساطت

سے البانیا کی کارگزاری آئی کہ: یہ وہ ملک ہے جہاں پر اسلامی حکومت پانچ سو(۵۰۰) سال سے زیادہ رہی تھی، اسلامی حکومت کے زوال کے بعد چالیس سال کمیونزم کا دور آیا اور کمیونزم کے دور کے بعد اس ملک میں چالیس یا پچاس مسجدیں باقی رہی تھیں۔

یہ مختصر کارگزاری سامنے آنے کی وجہ سے تنظیم کے ذمے داروں کے دل میں یہ بات آئی کہ ہم کو البانیا جانا چاہیے، اتفاق سے اسی عرصے میں مجھے حضرت الاستاذ مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کا ایک رسالہ ''اندلس میں چندروز'' دیا تھا، ساتھیوں نے اس کا مطالعہ کیا اور اندلس کے حالات پڑھے۔

البانیا جانے کا پروگرام

۱۹۹۳ء میں البانیا ملک میں آمدورفت کا نظام معلوم نہیں تھا؛ لہٰذا ہم نے ایک تنظیم ۔جس کا نام ''اسلامک ریلیف (Islamic Relief)'' ہے، جو بڑی اور مشہور تنظیم ہے اور پہلے ہی سے وہاں کام کر رہی تھی، ان ۔سے رابطہ کیا، اس تنظیم کے ذمے دار: ڈاکٹر ہانی البنا (یوکے) کی وساطت سے البانیا کی تیاری کی، انھوں نے فلائٹس وغیرہ کا نظام بتلایا اور اس تنظیم کے البانیا کے ذمے دار: اسامہ نے البانیا میں ہمارا انتظام کیا۔

۱۹۹۳ء اگست کے مہینے میں مولانا شفیق، مولانا رفیق اور مولانا حسن سیدات یو۔کے سے البانیہ تشریف لائے اور ماشاء اللہ! ان تینوں حضرات نے دو تین ہفتے قیام کیا، تینوں حضرات نے شمال سے لے کر جنوب تک کا دورہ کیا، مسلمانوں کے حالات کیسے ہیں اور ملک کے اندر کیا ضروریات ہیں وغیرہ وغیرہ باتوں کا جائزہ لیا، الحمد للہ!

اسلامک ریلیف کے ذمے داروں نے قیام وطعام اور سفر وغیرہ میں بہت تعاون کیا۔

البسان (Elbasan) میں قاری شبیر کا مدرسہ

البانیا ملک کا ایک علاقہ جس کا نام ’’البسان‘‘ ہے وہاں جانا ہوا تو دیکھا کہ ایک چھوٹا سا مدرسہ اور دار العلوم ہے جس کے مہتمم پڑوسی ملک کے حافظ شبیر صاحب تھے اور بالکل ہمارے ہندوپاک کے طرز پر وہ دار العلوم اور مدرسہ چلا رہے تھے۔

ہماری معلومات کے مطابق ماضی قریب میں البانیہ میں تعلیمی فکروں کو لے کر ہندوپاک سے سب سے پہلے آنے والے یہ حافظ شبیر تھے اور یہ حافظ شبیر صاحب پیر غلام حبیب صاحب نقشبندی کے ایک خلیفہ شیخ وجیہ الدین کے مرید تھے اور یہی شیخ وجیہ الدین ان کے یہاں البانیا آنے کے سبب بنے تھے۔

دراصل شیخ وجیہ الدین کے کوئی پہچان والے تاجر صاحب تھے۔جن کا البانیا آنا جانا رہتا تھا۔ان تاجر صاحب نے شیخ وجیہ الدین صاحب کو البانیہ کے حالات سنائے تو شیخ صاحب خود حافظ شبیر صاحب کو یہاں لے کر تشریف لائے اور البانیہ کے مفتئ اعظم کے ساتھ ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ: اگر اجازت ہو تو ان حافظ شبیر صاحب کو یہاں چھوڑ کر جاؤں۔

وہ مفتی صاحب یہ سوچ رہے تھے کہ ہندوپاک والوں کیا آتا ہوگا؟ چنانچہ ان مفتی صاحب نے شیخ صاحب سے پوچھا کہ: کیا یہ حافظِ قرآن ہے؟ شیخ وجیہ الدین نے کہا: ہاں۔ان مفتی صاحب نے قرآن سنانے کی درخواست کی۔

حافظ شبیر صاحب بہت شان دار قرآن کریم پڑھتے تھے، قاری شبیر کے نام

سے لوگ ان کو جانتے تھے، جیسے ہی انھوں نے قرآنِ کریم کی تلاوت کی تو وہ مفتی صاحب کہنے لگے کہ: ان کو یہاں چھوڑ دو، اور ان کو مسجد میں امام رکھ لیا، پھر حافظ شبیر صاحب نے ادارے کی شکل میں کام شروع کیا، اور وہ اتنے مقبول ہوئے کہ لوگوں نے ان کو مفتی کا لقب دے دیا۔

واقعی انھوں نے بڑی عجیب قربانیاں دی ہیں، حافظ شبیر صاحب نے بھی ابتدا میں ہمارا بہت تعاون کیا اور تعاون کا حق ادا کر دیا۔

بھارت کے متعلق دنیا کے مختلف ممالک میں ایک تلخ تجربہ (از مرتب)

دنیا کے مختلف ممالک کے سفر کے موقع پر بعض مرتبہ ایک بڑا تلخ تجربہ یہ ہوا کہ جب دوسرے ملک کے مسلمانوں سے ملاقات ہوئی اور ان سے بھارت میں مدارس، مکاتب، مساجد، خانقاہیں وغیرہ دینی کاموں کا تذکرہ ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ جاتے ہیں، وہ بے چارے اسی خیال میں تھے کہ بھارت میں مسلمان نہ ہونے کے برابر ہیں، یا دینی اعتبار سے بالکل پس ماندہ ہیں، جب مذاکرہ ہوا تو ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔

الحمد للہ! ہمارے ملک میں جو دینی کام ہو رہے ہیں وہ بہت سارے مسلم ممالک کہلانے والے ملکوں سے بھی زیادہ ہیں۔

بھارت کے سابق وزیرِ اعظم ''اٹل بہاری واجپائی'' کے سامنے ایک عالم کی حقیقت گوئی

ایک موقع پر بھارت کے سابق وزیرِ اعظم ''اٹل بہاری واجپائی'' کے سامنے

مسلمانوں کی ملکی ایک نمائندہ جماعت کے ایک اہم رکن نے کہا تھا کہ: آپ خوش نصیب ہو؛اس لیے کہ آپ اس ملک کے وزیرِ اعظم ہو جہاں کے علما اور مفتیانِ کرام کو اسلامی قوانین کی تشریح کسی دوسرے ملک سے حاصل کرنے (ان پورٹ) کی ضرورت نہیں ہے، الحمدللہ! آپ کے ملک میں مذہبِ اسلام کی تمام چیزوں کو گہرائی سے جاننے والے علما اور مفتیانِ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت موجود ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑی نعمت اور اس کا احسان ہے۔ (انتہی)

لوگوں کو کیسے قریب کریں؟ اور کیسے دعوت دیں؟

البانیا ملک کے حالات ایسے تھے کہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ: لوگوں کو کیسے قریب کریں؟ اور کیسے دعوت دیں؟

چنانچہ اس تعلق سے ساتھیوں سے مشورہ ہوا، کچھ اصحاب نے سنایا کہ: حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرمایا کرتے ہیں کہ: جس ملک کے طلبہ کسی ملک میں جا کر نہ پڑھتے ہوں یا نہ پڑھ سکتے ہوں تو اس کا واحد علاج یہ ہے کہ ان ملکوں میں علما کو لایا جائے اور ان کے ذریعہ تعلیم دی جائے۔

بیرون ممالک میں مقیم ہونے والے مسلمانوں کا ایک اچھا طریقہ

الحمدللہ! بہت سے مسلمان جو تجارت اور دوسرے مقاصد سے اپنے وطن سے دور جا کر آباد ہوئے ان میں سے بہت سارے حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ توفیق حاصل ہے کہ رمضان اور دوسرے مواقع پر بھارت اور دوسرے ممالک سے علمائے ربانیین کو دعوت دے کر بلاتے ہیں، اور درسِ قرآن، درسِ حدیث اور دینی

مجالس کا انعقاد ہوتا ہے، جس کی برکت سے دینی ماحول قائم رہنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اس سلسلے میں ہمارے گجراتی مسلمان بھائی بھی پیش پیش ہیں کہ وہ دنیا میں جہاں بھی جا کر آباد ہوتے ہیں بحمد اللہ! رمضان وغیر رمضان میں بھارت اور دوسرے ملکوں سے علمائے ربانیین کو دعوت دیتے ہیں، جس کی برکت سے دینی فائدہ تو ہوتا ہی، ساتھ میں اپنے وطن اور اپنی تہذیب سے بھی جڑے رہتے ہیں۔

بہت سے ممالک کے رہنے والے مسلمان جب مختلف مقاصد سے اپنے وطن سے دور چلے گئے اور انھوں نے علمائے ربانیین سے ربط نہیں رکھا تو دینی اعتبار سے بھی بہت کمزوری آئی اور بہت سی جگہوں پر ارتداد جیسے حالات بھی ہو گئے اور اپنے وطن، اپنی اصلی تہذیب اور اپنی مادری زبان سے بالکل دور ہو گئے، اور جس ملک میں جا کر آباد ہوئے ہر اعتبار سے اسی کے ہو گئے، اللہ تعالیٰ ان مسلمان بھائیوں کو دوبارہ ایمان و ہدایت نوازے۔ (از مرتب)

وطن سے دور ہجرت کر کے دوسرے ملکوں میں آباد ہونے والے مسلمان بھائیوں سے دردمندانہ اپیل

جو مسلمان بھائی اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر دنیا کے دوسرے ممالک میں جا کر آباد ہوئے ان میں ایک بہت بڑا طبقہ وہ ہے جو اپنے وطن اور دوسرے ممالک میں خیرات اور مالی تعاون کا سلسلہ قائم رکھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو قبول فرمائے، ان کو مزید ہمت عطا فرمائے؛ لیکن ساتھ میں اپنے تجربات کی روشنی میں چند گزارشات عرض کرتا ہوں:

① جن ممالک میں آپ جائیں وہاں آپ کا گھر مسجد اور مدرسے سے قریب ہونا چاہیے؛ تاکہ آپ اور آپ کی اولاد ان دونوں سے جڑے رہے ہیں۔

اور اگر وہاں پہلے سے کوئی مسجد، مدرسہ یا مکتب قائم نہیں ہے تو تلاش پہلے سے مقیم مسلمانوں کے مکانات کہاں ہیں وہ تلاش کیجیے اور ان مسلمانوں کے قریب ہی آپ اپنے لیے مکان کا انتظام کیجیے، پھر ان مسلمانوں سے مل کر جلد از جلد نماز کی جگہ، بچوں کی تعلیم اور دفن کے لیے قبرستان کی فکر فرمالیں۔

② اپنی اولاد اور خود کی اسلامی تعلیم اور تربیت کے لیے مکتب، مدرسہ، خانقاہ، مسجد، دعوت وتبلیغ اور علمائے ربانیین سے مربوط رہیں۔

③ جس ملک میں آپ آباد ہیں وہاں کے زکوۃ کے مستحق مسلمان اور وہ غیر مسلم جو غریب ہیں شرعی مسئلہ کے مطابق ان پر بھی خیرات ہونی چاہیے، بر اعظم افریقہ کے تمام ہی ممالک میں اور برِ اعظم امریکہ کے بہت سارے ممالک میں اور یورپی ممالک میں اور ایشیا، آسٹر لیا؛ حتی کہ انگلینڈ، کینیڈا اور پناما جیسے ظاہراً متمول کہے جانے والے ملکوں میں شرعی مسئلے کے لحاظ سے زکوۃ وصدقہ کے مستحق مسلمان بھائی اچھی خاصی مقدار میں ملے ہیں؛ لہذا ان کی طرف بھی خصوصی توجہ ہونی چاہیے۔

④ اسلامی ماحول میں اپنے بچوں کے لیے اسلامی اسکول کا نظم کیجیے۔

⑤ مُردوں کو دفن کرنے کے لیے مسلمانوں کا الگ قبرستان ہو اس کی فکر کیجیے۔

⑥ اسلامی ضابطوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جس ملک میں آپ آباد ہیں اس ملک کے قوانین کی خوب پابندی کیجیے۔

⑦ نبوی اخلاق کے ذریعے غیر مسلموں کے دل جیتنے کی کوشش کیجیے، اور آپ ایک امن پسند شہری ہیں یہ آپ کے اقوال وافعال سے ان کے سامنے ظاہر ہونا چاہیے۔

⑧ رفاہِ عامہ کے کام خوب کیجیے، اور پورے اخلاص کے ساتھ بعض مواقع پر مقامی اخبار اور میڈیا میں بھی اس کو شائع کروائیے؛ تاکہ وہاں کی حکومت اور وہاں کے اصل باشندوں کے سامنے یہ بات رہے کہ دوسرے ملک سے آنے والے لوگ ہمارے ملک میں آکر ملک اور ملک کے عوام کی بھی خدمت کر رہے ہیں۔ کبھی کبھی غیر مسلموں کو دعوت دے کر مسجد اور مدرسہ بھی دکھانا چاہیے؛ تاکہ ان کے ذہن میں غلط فہمی نہ رہے۔

⑨ اپنی اصلی زبان، اصلی وطنی کھانا، اور اپنی اصلی دینی تہذیب بھی باقی رکھیے۔

⑩ اپنے اصلی آبائی وطن موقع بہ موقع آتے جاتے رہنا چاہیے، اور اپنے رشتے دار، اہلِ خاندان اور اہلِ بستی سے تعلق باقی رکھنا چاہیے، اس کی برکت سے جانبین کو دینی ودنیوی بہت سارے فوائد ان شاء اللہ! حاصل ہوں گے۔ (از مرتب)

بیرون سے تبلیغی جوڑ میں آنے والوں کو داعیٔ کبیر حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولہ دامت برکاتہم کی آبائی وطن کے متعلق خصوصی ہدایت

عالمِ اسلامی کے داعیٔ کبیر حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولہ دامت برکاتہم کے متعلق بعض احباب نے بتلایا کہ: دعوت وتبلیغ کی عالمی ترتیب میں جب ہر دو سال میں بیرونی ممالک کا جوڑ ہمارے بھارت میں ہوتا ہے تو اس وقت جو احباب بیرونی ممالک سے تشریف لاتے ہیں اور وہ اصلاً بھارت کے ہوتے ہیں تو جوڑ کے بعد ان

لوگوں کو حضرت مولانا خصوصی ترغیب دیتے ہیں کہ آپ آبائی وطن ضرور جائیے، اور اپنے وطن میں قریبی اور دور کے رشتے داروں اور بستی والوں سے ملاقات کیجیے۔

اس لیے کہ بہت سے لوگ ۱۵۰ یا ۲۰۰ سال سے بیرون منتقل ہو چکے ہیں، ان میں سے بعض کا یہاں سے کوئی ربط بھی باقی نہیں رہا ہے۔

ہمارے ملاوی کے بعض حضرات نے اس سلسلے میں عجیب بات بتلائی کہ جب دو سالہ جوڑ میں حاضر ہوئے اور حضرت مولانا نے جب یہ ترغیب دی تو وہ احباب کہنے لگے کہ: حضرت! ہم کبھی وطن گئے ہی نہیں اور نہ ہمارا وہاں کسی سے تعارف ہے۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ: پھر بھی جاؤ! اور مسجد میں جا کر قیام کرو اور دینی مذاکرہ کرلو اور مقامی لوگوں کو بتلاؤ کہ: فلاں فلاں اتنے سال پہلے یہاں رہتے تھے میں ان کا پوتا ہوں۔ (از مرتب، انتہی)

البانیا میں کام کے لیے علما کیسے تلاش کیے؟ اس کی کارگزاری مفتی محمد علی فلاحی صاحب کی زبانی

میں ۲۰۰۱ء رمضان المبارک کے مہینے میں بلیک برن کی مسجدِ ''ساجدین'' میں بیان کے مقصد سے آیا ہوا تھا، مولانا حنیف دودھ والا سے میری ملاقات ہوئی اور بعد میں تنظیم کے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی اور تنظیم کے ساتھیوں نے یہ درخواست کی کہ: ہم کو دو تین ایسے علما چاہیے جو البانیا جا کر خدمت انجام دیں۔

میں نے کہا: ٹھیک ہے، انڈیا جا کر اس سلسلے میں بات کروں گا؛ چنانچہ دار

العلوم فلاحِ دارین ترکیسر میں حضرت مولانا یوسف صاحب ٹنکاروی اور قاری صدیق صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے سامنے عرض کیا اور اس تعلق سے مشورہ کیا۔

مشورہ میں یہ طے ہوا کہ: مولانا مقصود صاحب مناسب رہیں گے؛ کیوں کہ وہ دعوت کے کام سے اچھی طرح منسلک ہیں اور تبلیغی جماعت میں ہمارے امیر صاحب بھی رہ چکے ہیں؛ چنانچہ ان سے رابطہ کیا اور درخواست کی گئی تو الحمد للہ! مولانا مقصود صاحب راضی ہو گئے،اس کے بعد مولانا نذیر موسالی۔جو کھروڈ اور فلاحِ دارین دونوں جگہ میرے شاگرد رہ چکے تھے۔ان سے بات کی، الحمد للہ! وہ بھی تیار ہو گئے، یہ دونوں حضرات البانیا تشریف لے گئے اور کام شروع کیا، پھر تقاضا ہوا کہ ایک اور ساتھی مل جائے تو بہتر ؛لہذا مولانا سراج صاحب۔جو اس وقت فلاحِ دارین میں زیرِ تعلیم تھے،اور دعوت وتبلیغ سے کافی جڑے ہوئے تھے۔ان سے بات کی، الحمد للہ! وہ بھی تیار ہو گئے۔

میں خود سوچتا تھا کہ یہ تینوں حضرات کس طرح کام کریں گے؟ لیکن الحمد للہ! انھوں نے ہمت کی، قربانیاں دیں، حالات کا مقابلہ کیا، جمے رہے، اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور آج اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی قربانیوں کا پھل ہم سب دیکھ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ان کو خوب استقامت نصیب فرمائے، ان کے گھر والوں کو بہترین اجر نصیب فرمائے؛ اس لیے کہ ان سے بڑی قربانی ان کے گھر والوں کی ہے، ان کے بچوں کی ہے کہ وہ ایسے حالات میں ان کے ساتھ رہے اور ہمیشہ

ساتھ دیتے رہے اور ان شاء اللہ! ساتھ دیتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے اور ان کے ذریعہ پورے البانیا میں؛ بلکہ پورے عالم میں فیض پہنچائے، آمین۔

مولانا مقصود اور مولانا نذیر صاحب کی البانیا میں آمد: مولانا حنیف صاحب کی زبانی

کسی اجنبی زبان کو سیکھنے کا عجیب طریقہ

میں اور مولانا عثمان اور مولانا شفیق یوکے سے مولانا مقصود اور مولانا نذیر صاحب کے انتظام کے لیے البانیا آئے، پوگرادیس میں ہمارا قیام رہا، چار دن ان کے ساتھ رہے، پھر ان کو الوداع کہہ کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

مجھے ابھی تک یاد ہے کہ میں نے مولانا نذیر صاحب کو ایک مرتبہ پوچھا کہ: آپ کو البانیا زبان کا ایک لفظ بھی نہیں آتا تھا، پھر آپ نے البانیا کی زبان کیسے سیکھی؟

مولانا نذیر صاحب نے کہا کہ: ہم جہاں ٹھہرے تھے وہاں قریب میں ایک چھوٹی سی دکان تھی، ہم لوگ وہاں جاتے تھے اور ہر ایک چیز کی طرف اشارہ کر کے اس کا البانی نام نوٹ کرتے تھے، رات کو آ کر پھر اس کی مشق کرتے تھے، اسی طرح یہاں کے کچھ طلبہ عربی جانتے تھے، ان سے عربی سے البانی زبان میں الفاظ لکھواتا تھا اور ان الفاظ کو میں یاد کرتا تھا، اسی طرح البانی زبان میں جو کتابیں تھیں ان سے کچھ الفاظ یاد کیے، اس طرح البانیا کی زبان سیکھ لی۔

اجنبی زبان کے سلسلے میں کچھ سچے لطیفے (از مرتب)

اس سلسلے میں بندے کو پناما میں مقیم ہمارے بعض بھائیوں نے دل چسپ اور سچے لطیفے سنائے کہ جب لوگ بھارت سے یہاں آتے ہیں اور زبان سے واقفیت نہیں ہوتی تو کس انداز میں کام ہوتا ہے؟

(۱) ایک صاحب دکان پر برف لینے گئے، برف کو اسپانی زبان میں کیا کہتے ہیں وہ جانتے نہیں تھے، تو دکان دار کو سمجھانے کے لیے ایک گلاس میں پانی بھرا، زمین سے پتھر کا چھوٹا ٹکڑا اٹھا کر اندر ڈالا اور ہلاتے ہوئے کہا کہ: یہ چیز چاہیے۔

دکان دار نے برف بھی دیا اور برف کو اسپانی زبان میں ''Hielo'' کہتے ہیں وہ بھی بتلایا۔

(۲) جب ہمارے لوگ شروع میں پناما گئے تو گھوم پھر کر چیزوں کو بیچنے کا کاروبار رہا، جس کو پھیری کہتے ہیں، پھیری کے متعلق مشہور ہے کہ جب تک کتّا نہ کاٹے پھیری پھیری نہیں کہلاتی ہے؛ اس لیے کہ پناما میں اسپین سے آئے ہوئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے، اور عیسائی لوگ گھروں میں کتا پالتے ہیں، اب جب پھیری کرنے جاتے ہیں تو کتے کاٹ لیتے ہیں۔

بھارت کے رہنے والے دو تین ساتھی کسی دیہات میں پھیری میں گئے ہوئے تھے، ایک ساتھی کو کتے نے کاٹ لیا، دوسرا ساتھی اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا؛ لیکن دونوں اسپانی زبان سے ناواقف تھے تو ڈاکٹر کو سمجھائے کیسے؟

جو ساتھی لے کر گئے تھے انھوں نے ڈاکٹر کے سامنے کتے کی آواز نکالی اور

ہلکے سے ڈاکٹر صاحب کو کاٹ لیا، ڈاکٹر صاحب سمجھ گئے، انھوں نے علاج کیا اور بتلایا کہ: کتا کاٹنے کو اسپانی زبان میں ’’Perro Mordio‘‘ کہتے ہیں۔

بعض مشترک لفظوں کی وجہ سے عجیب اشتباہ

اسپانی زبان میں بریڈ (روٹی) کو ’’پان (Bread)‘‘ کہا جاتا ہے، اور ہمارے ملک میں پان جس کو کہتے ہیں وہ سب جانتے ہیں، ایک گھر میں بھارت سے آئے ہوئے چند ساتھی رہتے تھے، سالن تیار ہوگیا، مکان مالک نے - جو اسپانی زبان جانتے تھے- بھارت سے گئے ہوئے ایک نو وارد سے کہا کہ: ڈالر لو اور دکان پر جا کر کہو کہ: پان چاہیے۔

بھارت سے گئے ہوئے ساتھی - جو اسپانی زبان میں پان کا مفہوم نہیں جانتے تھے- وہ ہماری زبان کے اعتبار سے پان کا مفہوم سمجھے اور ان میں سے ایک ساتھی بولا: میرا دیسی تمباکو والا لانا- دوسرا بولا: میرا میٹھے مسالے والا لانا- پھر ان کو سمجھایا گیا۔

ابتدا میں کام کیسے کیا گیا اس کی کارگزاری مولانا مقصود صاحب کی زبانی

جب ہم البانیا پہنچے تو کافی ٹھنڈی تھی؛ کیوں کہ تنظیم کے ساتھیوں کی رائے یہ تھی آپ لوگ ایسے وقت پر یہاں پہنچیں کہ آپ لوگ ٹھنڈی کا مقابلہ کرسکیں اور موسم بھی دیکھ سکیں، ابتدائی دور میں کافی برف باری ہوا کرتی تھی، الحمد للہ! ہم پوگرادیس میں چار مہینے رہے، تقریباً دو کلومیٹر اوپر سے ہم نیچے مسجد میں نماز ادا کرنے آتے تھے، پوگرا

دیس کی جس مسجد میں ہم نے نماز پڑھی اس مسجد میں ہمارے پاس بچے آتے تھے، ابتدائی درجے کی تعلیم ان کو دیتے تھے، کلمہ، نماز، وضو وغیرہ کی تعلیم دیتے تھے۔

تقریباً چار مہینے البانیا رہ کر ہم اپنے وطن بھارت لوٹے، پھر دوبارہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ واپس آئے، اس مرتبہ ہمارا قیام ''کورچا'' میں رہا، یہ علاقہ سمندر سے پانچ سو میٹر اونچائی پر ہے، نیز یہ علاقہ گریس کی سرحد پر ہے، تین کلومیٹر پر یونان کی سرحد (بورڈر) لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے کورچا میں گریس والوں کی محنت زیادہ تھی، بہت کم لوگ تھے جو دینِ اسلام کی طرف مائل تھے، کچھ لوگ مدینہ اور جورڈن تعلیم حاصل کرنے گئے تھے؛ لیکن ابھی تک وہ آئے نہیں تھے، ایسے حالات کے باوجود الحمد للہ! ہم نے وہاں کام شروع کیا۔

اس کے بعد دیہاتوں میں کام شروع کیا، میں اور مولانا نذیر دو دو تین تین دیہاتوں میں جاتے تھے، کافی ٹھنڈی ہونے کے باوجود لڑکے اور لڑکیاں ہمارے پاس پڑھنے آتے تھے، تقریباً دو سو یا تین سو لڑکوں نے ہم سے کلمہ، وضو کا طریقہ، نماز کا طریقہ سیکھا اور ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس طرح آہستہ آہستہ کام کرتے رہتے۔

مجھے یاد ہے کہ ۲۰۰۶ء میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ تشریف لائے تھے، جب انھوں نے مغرب کی نماز ادا کی تھی تو اس وقت مغرب کی نماز میں صرف چار یا پانچ آدمی تھے۔

الحمد للہ! ابھی یہ کیفیت یہ ہے کہ اسی مسجد میں مغرب، عشا اور فجر کی نماز میں جماعت خانے میں جگہ نہیں ملتی، اسی طرح ابھی ترکیوں نے ایک مسجد بنائی ہے اس میں

بھی دو تین صفیں ہو جاتی ہیں۔

جن طلبہ نے ابتدائی زمانے میں ہم سے تعلیم حاصل کی ماشاء اللہ! وہ نماز کے پابند اور اللہ کے راستے میں نکلنے والے بن گئے، ابتدائی دور میں دعوت وتبلیغ کے اعتبار سے کورچا کا علاقہ بہت کمزور سمجھا جاتا تھا، جماعت کی آمد ورفت نہیں تھی، گریش کے عیسائیوں کی زیادہ محنت تھی، میں نے تقاضا رکھا، الحمد للہ! جماعت کی آمد ورفت شروع ہوئی اور دعوت کا کام بھی شروع ہوا اور دو تین ساتھی چار مہینے کے لیے بھی نکلے، اور الحمد للہ! ابھی تک کام جاری ہے۔

تنظیم کے ماتحت چلنے والے مکاتب

تنظیم کے ماتحت پوگرادیس اور کورچا کے علاقوں میں بیس (۲۰) کلاسیں مکتب کی شکل میں چلتی ہیں، الحمد للہ! تمام مکاتب میں تقریباً دوسو ڈھائی سو طلبہ پڑھنے آتے ہیں، بچوں کو قریب کرنے کے لیے اور ان کی ہمت افزائی کے لیے ہر مہینے کچھ نہ کچھ انعام بھی دیتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب اور بندہ محمود کی طرف سے کام کے متعلق کچھ اہم سوالات اور ذمے داروں کے جوابات

سوال: آپ مستقل کوئی مکتب پڑھاتے ہیں؟

جواب: جی! میں تقریباً تین دیہاتوں میں جاتا ہوں، میری اہلیہ بھی میرے ساتھ آتی ہے۔

سوال: طریقۂ تعلیم کیا ہے؟

جواب: مولانا نذیر موسالی، مولانا مقصود اور مولانا سراج وغیرہ نے ایک کتاب تیار کی ہے، جس میں ابتدائی طلبہ کے لیے ایک خاص نصاب بنایا گیا ہے، ارکانِ اسلام، وضو اور نماز کا طریقہ، دس سورتیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کتاب کو ''الامہ ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ (U.W.T) تنظیم'' کی جانب سے شائع کیا گیا ہے۔

اور بھی کافی کتابیں خاص خاص موضوع سے، جیسے وضو کے مسائل، نماز کے مسائل، حج کے مسائل وغیرہ لکھی گئی ہیں۔

دوسالہ کورس

ایک دوسالہ کورس مرتب کیا گیا ہے جس میں اسلام کے ارکان، بنیادی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت کے کچھ مسائل، تصحیحِ قرآن، میت کو غسل، جنازہ اور کفن دفن کے مسائل یہ کچھ بنیادی چیزیں پڑھائی جاتی ہیں، اس سے تیار ہونے والے حضرات کو مختلف علاقوں میں امامت اور مکتب پڑھانے کی خدمت پر لگا دیا جاتا ہے۔

نوٹ: اس طرح کے کورس کم وبیش مدت کے دنیا کے مختلف ممالک میں علاقائی حالات کو سامنے رکھ کر پڑھانے چاہیے؛ تاکہ بنجر بستیوں میں امامت ومکتب پڑھانے کے لیے مدرسین آسانی سے مل سکیں (از: مرتب)۔

دین کی ابتدائی بنیادی معلومات (از: مرتب)

① مکاتب کے بچوں کو صحیح قرآنِ مجید ناظرہ پڑھایا جائے۔

②اسلام کے بنیادی عقائد سکھائے جائیں، عام طور پر جو بچے مکتب میں آتے ہیں ان کو دین کے اعتبار سے کوئی معلومات نہیں ہوتی؛ اس لیے پہلے سوالات و جوابات ذہن نشین کرائے جائیں:

[۱] سوال: ہمارے رب کون ہیں؟ جواب: اللہ۔

[۲] سوال: ہم کو کس کی عبادت کرنی ہے؟ جواب: اللہ کی۔

[۳] سوال: ہمارا پیدا کرنے والا کون ہے؟ جواب: اللہ۔

[۴] سوال: ہمارا دین اور مذہب کونسا ہے؟ جواب: اسلام۔

[۵] ہم کو مذہب کی کونسی کتاب پڑھنی ہے؟ جواب: قرآن۔

[۶] ہم کس نبی کو مانتے ہیں؟ جواب: حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

[۷] سوال: ہمیں عبادت کے لیے کہاں جانا ہے؟ جواب: مسجد میں۔

کلمۂ طیبہ وشہادت عربی میں اور اس کا علاقائی زبان میں ترجمہ یاد کروانا بھی بہت اہم اور ضروری ہے۔

تبلیغی جماعتیں جو آتی ہیں ہم ان کو بھی یہ کہتے ہیں کہ جوانوں پر اور بڑوں پر شروع میں انھیں چیزوں پر محنت کی جائے؛ اس لیے کہ بہت سی جگہوں پر حالات یہ ہے کہ بچوں کو جب پوچھا جاتا ہے کہ:

عبادت کے لیے کہاں جانا چاہتے ہو؟ تو جواب ہوتا ہے: چرچ میں۔

کونسی کتاب پڑھنا چاہتے ہو؟ تو جواب ملتا ہے: بائبل۔

یہ سب عیسائیت کی محنت کے اثرات ہیں؛ اس لیے سب سے پہلے ان بنیادی چیزوں پر خوب محنت کرنی چاہیے۔ (انتہی)

مولانا مقصود صاحب سے مزید سوالات و جوابات

سوال: مسلم اور غیر مسلم کا فرق کیسے کرتے ہیں؟

جواب: نام کے ذریعہ فرق کرتے ہیں، کبھی کبھی وہ سامنے سے سلام کرتے ہیں تب پتہ چلتا ہے، بعض مرتبہ ہماری اسلامی شکل دیکھ کر لوگ قریب آتے ہیں۔

سوال: آپ کے ساتھ یہاں کے لوگوں کا کیا رویہ رہا؟

جواب: الحمدللہ! مقامی لوگوں کا اچھا ساتھ اور تعاون رہا، ہم بھی ان کے ساتھ اچھے رہے اور ابھی تک الحمدللہ! سب ٹھیک ہے۔

سوال: آپ لوگوں کو کام کرنے میں کیا کیا رُکاوٹیں اور مشکلات پیش آئیں؟

جواب: ابتدائی دور میں کافی وقت تک ایسا رہا کہ ہمارے پاس کوئی بچہ پڑھنے نہیں آتا تھا؛ لیکن اس کے باوجود مسلسل جاتے رہتے تھے اور مسجد کھول کر اس میں بیٹھے رہتے تھے، پھر اس کے بعد الحمدللہ! بچے آنا شروع ہوئے۔

سوال: اب تک کتنے لوگوں نے آپ کے اندازے کے مطابق ناظرہ قرآنِ کریم مکمل کیا ہوگا؟

جواب: صحیح تعداد کا ریکارڈ نہیں ہے؛ البتہ سو (۱۰۰) کے قریب بچوں نے مکمل کیا ہوگا۔

تجوید کے اعتبار سے یہاں کے طلبہ کا معیار

الحمدللہ! یہاں کے طلبہ قرآنِ کریم کو تجوید کے ساتھ پڑھتے ہیں، شیخ احمد کلایا

جو یہاں کے بڑے عالم اور ایک مسجد کے امام ہیں اور کئی سال سعودی پڑھے ہوئے ہیں، یہاں حفظِ قرآن کا مسابقہ ہوتا رہتا ہے، ایک مرتبہ وہ مسابقہ میں حاضر تھے، الحمد للہ! ہمارے یہاں کے طلبہ اول اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

تو وہ فرمانے لگے کہ: دیہات والے (یعنی ہمارے طلبہ) شہر والوں پر غالب آ گئے۔

سوال: یہاں کے وہ مسلم جو آپ کے خیالات کے؛ یعنی حنفی نہیں ہیں ان کی طرف سے آپ کے کام کی کوئی مخالفت یا آپ کے خلاف کوئی پڑو پیگنڈا ہوا؟

جواب: جہاں پر ہمارا مدرسہ قائم ہے اس کے قریب ایک دیہات ہے، وہاں کٹر سلفی حضرات رہتے ہیں، پہلے وہاں ان کی ایک مسجد تھی، پھر ان میں ٹکراؤ ہوا تو دو مسجدیں ہو گئیں، پھر اور ٹکراؤ ہوا تو تین مسجدیں ہو گئیں اور یہ ٹکراؤ اس حد تک ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے۔

جب ہم نے وہاں مدرسہ قائم کیا تو یہ سب مل کر آپس میں کہنے لگے کہ: یہ حنفی حضرات یہاں آ رہے ہیں، اپنی بدعت لے کر آئیں گے؛ لہٰذا ان کو یہاں مدرسہ قائم کرنے نہیں دیں گے؛ لیکن ان میں سے ایک دو ساتھی معتدل مزاج کے تھے انھوں نے ذہن سازی کی کہ: یہ اگرچہ حنفی ہیں؛ لیکن کام تو وہ اسلام ہی کا کریں گے، چنانچہ اجازت مل گئی، وہ لوگ ہمارے پاس آئے، ہمارے پڑھانے کا طریقہ دکھا، ہمارا مزاج دیکھا تو الحمد للہ! متأثر ہوئے اور اپنے بچوں کو ہمارے پاس پڑھنے کے لیے بھیج رہے ہیں، ہر سال جب اسکول کی چھٹیاں ہوتی ہیں تو وہاں سے تقریباً آٹھ دس بچے

پڑھنے آتے ہیں، بس! ایک بات ہے کہ مسلکی اعتبار سے ہم سے اختلاف رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ہم ایمانیات سے آگے کی تعلیم نہیں دے سکتے۔

عیسائیوں کا طریقۂ کار

سوال: یہاں پہلے ترکی حکومت تھی، تقریباً اس وقت پورا ملک مسلمان رہا ہوگا، پھر کمیونزم کا دور آیا، کمیونزم تو کسی مذہب کو نہیں مانتا؟ تو پھر یہ عیسائیت کہاں سے آئی؟

جواب: کمیونزم سے پہلے پچانویں (۹۵) فی صد مسلمان تھے، پھر کمیونزم کا دور آیا، کمیونزم کے چلے جانے کے بعد جیسے اسلامی تنظیمیں یہاں کام کرنے کے لیے آئیں اسی طرح عیسائی تنظیمیں بھی آئیں؛ بلکہ اسلامی تنظیموں کے مقابلے میں عیسائی تنظیمیں زیادہ آئی اور فی الحال بھی یہ تنظیمیں اسلامی تنظیموں کے مقابلے میں زیادہ ہیں، اور ان کی محنت بھی زیادہ ہیں، ان کے نوجوان لڑکے لڑکیاں اچھے لباس پہن کر راستے میں ٹیبل لگا کر ایک طرف بیٹھ جاتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے رسالے تقسیم کرتے ہیں اور آنے جانے والوں کو اپنے پاس بلا کر عیسائیت کی دعوت دیتے ہیں، الگ الگ انداز میں الگ الگ طریقوں سے عیسائیت کی دعوت دیتے ہیں، اسکولوں میں جاتے ہیں، قلم، کاپی، کتابیں وغیرہ تقسیم کرتے ہیں جس سے وہ عیسائیت کی طرف مائل ہوں، نتیجہ یہ ہے کہ اب مسلمان تقریباً ۷۵ فی صد رہ گئے ہیں۔

سوال: حکومت میں اکثریت کس کی ہے؟ مسلمانوں کی یا عیسائیوں کی؟

جواب: موجودہ حکومت کے اکثر افراد کی ذہنیت کمیونزم والی ہی ہے؛ البتہ اس سے پہلے جو حکومت تھی اس کا میلان مسلمانوں کی طرف زیادہ تھا، بعض لوگوں کا کہنا

ہے کہ: ابھی جو حکومت ہے اس کا تعلق کچھ متشدد یہودیوں کے ساتھ ہے، ابھی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان کچھ مسائل میں بحث کروا کر ٹکراؤ پیدا کرنا شروع کیا ہے۔

سوال: دیگر اسلامی تنظیموں کے ساتھ آپ کے روابط کیسے ہیں؟

جواب: الحمدللہ! اپنے ہم خیال جو تنظیمیں ہیں ان سے اچھے روابط ہیں، خاص کر کے مسلم کمیونٹی آف البانیا نام کی تنظیم والے جب کوئی پروگرام رکھتے ہیں اور کسی عالم کو مدعو کرتے ہیں تو ہمیں بھی دعوت دیتے ہیں، ہماری طرف سے کوئی پروگرام ہوتا ہے تو ہم کو ان کو دعوت دیتے ہیں۔

سوال: تعلیمی نظام کیا ہے؟ روزانہ کتنے گھنٹے تعلیم ہوتی ہے؟

جواب: جو طلبہ دار الاقامۃ والے مدرسے میں قیام و طعام کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کا تعلیمی نظام یہ ہے کہ فجر کے بعد فوراً تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پڑھائی ہوتی ہے، پھر ناشتے کے لیے ایک گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے، اس کے بعد ظہر تک پڑھائی ہوتی ہے؛ یعنی صبح کی تعلیم تقریباً ساڑھے چار یا پانچ گھنٹے ہوتی ہے، پھر مغرب سے عشا تک تعلیم ہوتی ہے، گرمی کے موسم میں عصر سے پہلے بھی ایک گھنٹہ تعلیم ہوتی ہے، ٹھنڈی کے موسم میں وقت کی کمی کی وجہ سے عصر سے پہلے تعلیم نہیں ہوتی۔

جو طلبہ اسکول والے ہیں ان کی تعلیم فجر کے بعد فوراً ہوتی ہے، آٹھ بجے ان کی اسکول ہوتی ہے اس وقت وہ چلے جاتے ہیں، پھر مغرب سے عشا تک ان کی تعلیم ہوتی ہے، اور گرمی کے موسم میں عشا کے بعد بھی ان کی تعلیم ہوتی ہے۔

سوال: قیام وطعام والے طلبہ کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: قیام و طعام والے طلبہ کی تعداد بارہ (۱۲) ہیں، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہوتی، گرمی کے موسم میں غیر اقامتی طلبہ کے لیے والدین کا اصرار ہوتا ہے کہ ہمارے بچوں کو پڑھاؤ تو مسجد وغیرہ میں رہنے کا عارضی نظم کرتے ہیں، ان دو مہینے میں ۲۵، ۳۰ طلبہ تک تعداد ہو جاتی ہے، تعداد بڑھانے کے لیے تنظیم نے نئ عمارت بنانے کا پلان کیا تھا؛ لیکن حکومت کی طرف سے تعمیر کی اجازت نہیں ملی۔

اس کے علاوہ گاؤں کے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مسجد میں آنے سے کتراتے ہیں، مسجد کا نام سن کر بھاگ جاتے ہیں، الحمدللہ! یہاں عام لوگ تھوڑے اسلام سے مانوس ہونے کی وجہ سے سلام، کلام کرتے ہیں، اگر آپ ہوٹل میں جا کر دین کی بات کریں گے، ایک گھنٹہ کریں گے تب بھی وہ سنیں گے؛ لیکن جب مسجد کی بات کرتے ہیں تو وہ مسجد میں نہیں آتے، ایسے لوگوں کے لیے گاؤں میں کرایہ کے مکان میں ایک مکتب شروع کیا ہے، الحمدللہ! ۱۰، ۱۵ بچے پڑھنے آتے ہیں۔

سوال: کیا آپ کو دارالعلوم میں اسکول کی تعلیم دینے کی اجازت ہے؟

جواب: حکومت تو یہی چاہتی ہے کہ دارالعلوم میں اسکول ہی کے موضوعات کی تعلیم ہو، ہم لوگ قرآن کی تعلیم اور دیگر دوسری عربی کتابوں کی تعلیم عربی کورس کے نام سے دیتے ہیں۔

سوال: اِس وقت البانیا کی سرزمین پر کتنی مسجدیں ہیں؟

جواب: تقریباً سات سو (۷۰۰) مسجدیں ہیں، کمیونزم کے دور سے پہلے سولہ

سو (۱۶۰۰) مسجدیں تھیں، اکثر مسجدوں کو شہید کر دیا گیا تھا، میوزیم کے طور پر کچھ مسجدیں باقی تھیں، الحمد للہ! ابھی مسجدیں تعمیر ہو رہی ہیں؛ لیکن اکثر مسجدیں ایسی ہیں جو صرف جمعہ کے دن کھلتی ہیں؛ کیوں کہ وہاں نماز پڑھنے والا کوئی نہیں ہے، جب ماحول ایسا ہے تو امام وہاں جا کر کیا کرے گا، بعض جگہ امام جانے کے لیے تیار تو ہوتے ہیں؛ لیکن تنخواہ کم ہوتی ہے تو دو دو، تین تین دن کے بعد مسجد میں جاتے ہیں، باقی دنوں میں مسجدیں بند رہتی ہیں۔

تنظیم نے اساتذہ کو پیش کش بھی کی تھی کہ آپ پورا وقت دیں ہم آپ کو پوری تنخواہ دیں گے؛ لیکن بچے آنے کو تیار نہیں ہوتے، ان کے والدین یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ مکتب میں پڑھنے گئے تو ان کی اسکول کی تعلیم کمزور ہو جائے گی۔

سوال: لڑکیوں اور عورتوں کی تعلیم کا بھی کوئی نظام ہے؟

جواب: الحمد للہ! میری اہلیہ کے پاس تو تقریباً ۲۵، ۳۰ لڑکیاں دینیات اور ناظرہ قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں، اسی طرح ۲۵، ۳۰ عورتیں جمعہ کی نماز میں آتی ہیں، جمعہ کی نماز کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ درس ہوتا ہے، جس میں مسائل سکھائے جاتے ہیں، اطراف کے دیہاتوں میں بھی اہلیہ پڑھانے جاتی ہے۔

اسی طرح یتیموں کی بھی ایک کلاس چلتی ہے، سب جگہ کے کل ملا کر تقریباً ۷۰ ۳ بچے ہمارے پاس پڑھنے آتے ہیں، جب وہ آتے ہیں تو اپنی اپنی والدہ کے ساتھ آتے ہیں، ان کے لیے بھی مستقل معلمہ ہے۔

اسی طرح بعض عورتیں دور ہونے کی وجہ سے یہاں نہیں آسکتیں اور اہلیہ بھی

وہاں نہیں جاسکتی ہے تو ان کو موبائل کے ذریعہ قرآن پڑھانا شروع کیا، الحمدللہ! روزانہ تھوڑا تھوڑا کر کے پورا قرآنِ کریم سنایا، اسی طرح پانچ منٹ کا مدرسہ کتاب بھی پوری پڑھائی، الحمدللہ! کچھ عورتیں جو اہلیہ کے پاس پڑھی ہوئی ہیں ابھی معلمہ ہیں۔

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کی طرف سے ایک اہم مشورہ

فرمایا: جس طرح آپ کے پاس اسکول کے بچے گرمی کے زمانے میں پڑھنے آتے ہیں اور ان کے لیے عارضی قیام وطعام کے ساتھ تعلیم وتربیت کا نظم ہوتا ہے اسی طرح عورتوں کا بھی مستقل دو تین دن یا اس سے کم زیادہ کا پروگرام عارضی قیام وطعام کے ساتھ ہونا چاہیے جس میں ان کو بنیادی باتیں سکھائی جائے، جیسے کلمہ، وضو کا طریقہ، نماز وغیرہ۔

اس مشورے کے جواب میں مقامی ذمے داروں نے عرض کیا: یہاں سے تین (۳) کلومیٹر قریب ایک دیہات ہے وہاں ہفتے میں ایک دن عورتیں جمع ہوتی ہیں؛ لیکن اس طرح تین دن کا پروگرام سوچا جائے، بہت اچھا مشورہ ہے، ان شاء اللہ! اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

مقامی باشندوں کی کمزوری اور ''الامہ'' تنظیم کا اہم کارنامہ

دولت کی لالچ اور چرچ

کمیونزم کے دور میں یہاں کے لوگ بہت غربت میں رہ چکے ہیں، ابھی بھی

ان کے ذہن میں یہی ہے کہ ہم غریب ہیں، دنیا کی محبت بھی انسان کے دل میں ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگ پیسوں کی طرف بہت جلدی مائل ہو جاتے ہیں، اگر کوئی عیسائی آ گیا اور اس نے تھوڑی بہت مدد کر دی تو اس کے ساتھ چرچ میں جانا شروع کر دیتے ہیں اور اگر کوئی مسلمان آ گیا اور اس نے مدد کر دی تو اس کے ساتھ مسجد جانا شروع کر دیتے ہیں، الحمدللہ! الامہ تنظیم نے ان حالات کو دیکھ کر یہاں کے لوگوں کو مختلف ناموں سے تحفہ (گیفٹ) دینا شروع کیا؛ جیسے عید گیفٹ، افطار گیفٹ وغیرہ وغیرہ، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ مسجد میں آئے، چالیس (۴۰) دن جماعت میں گئے، خود نماز کے پابند ہو گئے اور اپنے گھر والوں کو نماز کا پابند بنایا۔

بظاہر تو یہ لگتا ہے کہ یہ لوگ گیفٹ کی وجہ سے مسجد میں آتے ہیں؛ لیکن الحمدللہ! رفتہ رفتہ ان کے دلوں میں اسلام و ایمان کی اہمیت آ ہی جاتی ہے اور خود بخود پابند ہو جاتے ہیں، ہم ''الامہ'' تنظیم کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے کام کو آگے بڑھانے میں بہت مدد کی، اللہ تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

الامہ تنظیم

(UMMAH Welfare Trust Bolton)

الامہ تنظیم ۲۰۰۱ء میں قائم ہوئی، اس تنظیم سے اللہ تعالیٰ نے عالمی پیمانے پر امتِ مسلمہ کی عجیب وغریب خدمات لی ہیں، اجڑے ہوئے مصیبت زدہ انسانوں کی بے مثال خدمات یہ تنظیم والے دے رہے ہیں، مدارس، مکاتب، بیوہ، یتاما، فساد زدہ، تعمیر، بورنگ، حفظ فنڈ، ٹیچر فنڈ، میڈیکل فنڈ، افطار کیٹ، پرانے کپڑے ضرورت

مندوں کو پہنچانا وغیرہ بہت ساری خدمات میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں اور ہر کام قانونی دائرے میں رہ کر کرتے ہیں۔

یہ تنظیم دنیا کے تقریباً چھبیس (۲۶) رملکوں میں اس طرح کے رفاہی کام کر رہی ہے، اس کا سالانہ خرچ تقریباً تیس ملین پاؤنڈ ہے۔

اس وقت اس کے روحِ رواں حضرت مولانا محمد سیدات صاحب ہے جن کی نظرِ کرم ''نورانی مکاتب'' کے مدرسین کے ساتھ بھی ہے۔

ہمارے ہندی طرز کے دارالعلوم کے قیام کی سخت ضرورت

کمیونزم کے بعد کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہاں بہت سی تنظیمیں کام کرنے آئی، خاص کر عرب ملکوں سے، انھوں نے اپنے مسلک سلفیت کی طرف لوگوں کو مائل کیا؛ چونکہ یہاں پہلے سے حنفی حضرات بڑی تعداد میں موجود تھے جس کی وجہ سے عوام میں کافی انتشار اور ٹکراؤ ہوا، عرب یہاں کے لوگوں کی اچھی خاصی امداد کرتے تھے جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ یہاں کے لوگ سلفیت سے مانوس ہو گئے، یہاں تک کہ وہ اپنے بچوں کو ان کے حوالے کر دیتے تھے، وہ ان کو سعودیہ میں پڑھانے کے لیے لے جاتے، اور وہاں جا کر سلفیت سے مانوس ہو جاتے تھے، پھر وہاں سے وہ سلفیت لے کر آتے تھے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اکثر نوجوان حضرات سلفیت کا ذہن رکھتے ہیں۔

ایسے ماحول میں ایک حنفی ادارہ قائم ہو جائے تو بہت بڑی نعمت ہے، یہاں کے طلبہ بھی چاہتے ہیں کہ کوئی بڑا حنفی دارالعلوم اور ادارہ قائم ہو جس میں باقاعدہ بڑی کتابوں کا درس ہو، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کوئی ایسی شکل یہاں پیدا فرما دے۔

مولانا حنیف صاحب کی تنظیم کے کام کا اجمالی خاکہ

تنظیم کے ماتحت چلنے والے کل مکاتب:

البانیا: ساٹھ (۶۰)۔ مقدونیا: چودہ (۱۴)۔ کل: چہتر (۷۴)۔

البسان کے قریب بیلش (Belesh) میں قیام و طعام والا مدرسہ بھی قائم ہوا، طلبہ کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی ہے، اسکول کی چھٹیوں میں زیادہ، باقی دنوں میں کم طلبہ ہوتے ہیں، یومیہ بارہ پندرہ رہتے ہیں، اساتذہ بھی ضرورت کے مطابق دو، تین، چار ہوتے ہیں۔

کل تین سو (۳۰۰) یتیم کو ہر ماہ پچیس پاؤنڈ وظیفہ دیا جاتا ہے، ہر یتیم کے لیے کم از کم ہفتے میں ایک مرتبہ مکتب میں حاضری ضروری ہے اور مہینے کے آخر میں مکتب میں بلا کر وظیفہ دیا جاتا ہے اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دین کی بات ان کو سنانے کا موقع مل جاتا ہے۔

دنیا کے مختلف علاقوں میں دینی کام کرنے والوں سے چند گزارشات

نوٹ: حضرت مولانا حنیف دودھ والا اور ان کی تنظیم کے ذمے داروں نے ہمارے حضرت شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ، حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور مدظلہ اور بندہ محمود سے باقاعدہ درخواست کی تھی کہ آپ کی طرف سے چند مفید مشورے ہم کو دیے جائیں؛ تاکہ ہمارے لیے کام کرنے میں مدد مل سکے، ان

کی درخواست پر ان کی اور دیگر تنظیموں کے فائدے کے لیے یہ چند گزارشات پیش کی جاتی ہے، الحمدللہ! یہ تمام چیزیں تجربات اور اس سے حاصل شدہ مفید نتائج کی روشنی میں پیش کی جارہی ہے، اور بحمد اللہ! نورانی مکاتب میں تقریباً ان ہی ہدایات پر عمل ہوتا ہے اور ان شاء اللہ! اس پر عمل کرنے سے بین فائدہ نظر آئے گا۔

① ایسی بستیاں تلاش کی جائیں جہاں مسلمان موجو ہیں اور اب تک وہاں عبادت گاہ، مسجد، مکتب کسی بھی چیز کا نظم نہیں ہے، اور اس کے قیام کی اولِ مرحلے میں فکر کی جائے، اس سلسلے میں صوبۂ گجرات اور اس کے اطراف میں اللہ کے فضل و کرم سے جن امور کی رعایت سے کامیابی ہوئی اس کو بھی عرض کر دیتے ہیں:

[۱] اولاً کسی درخت کے نیچے یا کسی چبوترے پر نماز اور تعلیم کی شروعات کی جاسکتی ہے۔

[۲] کسی جگہ کنٹینر رکھ کر نماز اور مکتب کا کام کیا جاسکتا ہے، خدانہ کرے آئندہ کسی مسئلے کی وجہ سے منتقل کرنا ہو تو آسان ہو جائے۔

[۳] کسی بڑی عمارت کا پارکنگ یا چھت مل جائے تو اس میں بھی یہ مبارک سلسلے جاری ہو سکتے ہیں۔

[۴] کرایہ یا عاریت کی جگہ یا مکان یا کمرے میں بھی کام شروع ہوسکتا ہے۔

[۵] پترے، ٹین وغیرہ کا سیڈ بنا کر یا ایسی چیز کا جو آسانی سے کھولا جاسکتا ہو، اور دوبارہ استعمال کیا جاسکتا ہو ایسے سامان کی عارضی عبادت گاہ اور مکتب میں بھی کام ہوسکتا ہے۔

[٦] پھر جب جماؤ نظر آئے تو مستقل زمین خرید کر یا وقف زمین مل جائے تو اس پر تعمیر ہوسکتی ہے اور الحمدللہ! مسلمانوں میں مکتب، مسجد کی تعمیر کے لیے معاونین بہت آسانی سے مل جاتے ہیں، البتہ تعمیر میں یہ ملحوظ رہے کہ ضرورت کے مطابق اور سادہ تعمیر زیادہ بہتر ہے؛ تاکہ نظرِ بد سے بھی حفاظت ہو اور مصارف بھی آسان ہو۔

② نوجوان، بوڑھے، مردوں اور عورتوں میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا جائے، چاہے روزانہ کچھ وقت ہو یا ہفتے میں ایک دو دن ہو۔

③ مکتب پڑھانے والے مدرسین سے درخواست کی جائے کہ آپ جہاں مکتب پڑھا رہے ہیں وہاں سے سال میں کم از کم ایک دو بچے حفظ اور عالمیت یا امامت وتدریس کے مختصر کورس کے لیے ترغیب دے کر لائیں اور اس طرح کا کام کرنے والے مدرسین کو ہر ایک طالبِ علم پر سالانہ خصوصی انعام دیا جائے اور تنخواہ میں ترقی کی جائے۔ جب بستی میں علما، حفاظ اور ائمہ تیار ہو جائیں گے تو بڑی سہولت ہو جائے گی۔

اسی طرح بنجر بستی میں جو طلبہ حفظ یا عالم یا مختصر کورس کے لیے آئیں ان کی نگرانی کی بھی فکر کی جائے، اور ان آنے والے طلبہ کے گھریلو مسائل پر بھی توجہ دی جائے؛ تاکہ وہ عافیت سے تکمیل کرلیں اور تکمیل کے بعد حتی الامکان کوشش یہ رہے کہ ہم ان کو کسی نہ کسی مناسب جگہ پر تدریس وامامت کے لیے متعین کردیں۔

④ جب بچہ ناظرہ کی تکمیل کرلے تو محلوں یا بستیوں میں چھوٹا پروگرام کرکے مقامی لوگوں کو ناشتے یا طعام پر مدعو کیا جائے، تکمیل کرنے والوں کو علی الاعلان مبارک بادی دی جائے، اور ایسے موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں میں قرآن اور دینی تعلیم کی

اہمیت پر مجلس ہو جائے۔

⑤اسکول کی تعطیلات کے موقع پر تین روز کا یا ایک روز کا یا آدھے روز کا یا اس سے کم یا زیادہ ایک تربیتی کیمپ رکھا جائے، جس میں قیام و طعام کا نظم بھی ہو تو بہت بہتر ہے اور اس میں قرآن کی تصحیح، طہارت و نماز، دین کی بنیادی معلومات اور میڈیا کے ذریعہ پیش آنے والے دین کے متعلق شکوک و شبہات کا ازالہ، نوجوانوں کے مسائل، ان کی الجھنیں، اس پر مذاکرے اور بیانات رکھے جائے۔

نوجوانوں کے ساتھ وہ سمجھ سکیں ایسی زبان میں بات کی جائے اور وہ علما سے مانوس ہوں ایسا انداز اختیار کیا جائے، ان کو دل چسپی ہو اس کے لیے سوال و جواب کا سلسلہ بھی رکھا جائے۔

اس سلسلے میں ہمارے جن اکابر علما کو مہارت اور تجربہ ہیں ان میں سے بعض حضرات کسی قدر کھیل اور تفریح کو بھی ایسے پروگرام میں شامل کرتے ہیں۔

ایسی مجالس میں جو واقعی شرعاً حرام چیزیں ہیں اس کا تعارف ضرور کرایا جائے؛ تاکہ نوجوان اس سے بچ سکیں۔

ایسی مجالس بغیر قیام و طعام کے بھی منعقد کر سکتے ہیں۔

⑥نوجوانوں کو اور بڑی عمر کے لوگوں کو جو زیادہ وقت نہیں دے سکتے ہیں ان کو نہایت اہم چیزوں سے کم وقت میں واقف کرایا جائے:

[۱] کلمۂ شہادت، ایمانِ مجمل و مفصل کا خلاصہ۔

[۲] سورۂ عصر، کوثر، اخلاص، اور سورۂ فاتحہ زبانی یاد کرانا۔

[۳] وقت میں تھوڑی سی بھی گنجائش ہو تو سورۂ فیل سے سورۂ ناس مع سورۂ فاتحہ یاد کرانا۔

[۴] وضو، غسل، نماز کے صرف فرائض، ارکان و واجبات سمجھا دینا۔

⑦ مقامی زبان میں پمفلٹ یا چھوٹے رسالے عقائد، اخلاق اور دینی معلومات پر شائع کیے جائیں۔

⑧ واٹس ایپ پر گروپ بنا کر چھوٹی چھوٹی کلپ بنا کر روزانہ یا ہفتے میں ایک دو مرتبہ دینی ضروری باتیں شائع کی جائیں۔

⑨ بیوہ، یتامیٰ کو جب تعاون کیا جاتا ہے یا کوئی اور اس طرح کی تعاون کی مجلس ہو تو اس میں چند منٹ ضرور دینی باتوں کا مذاکرہ کر لیا جائے اور ضروریات کی چیزوں کے دینے کے ساتھ کوئی دینی رسالہ یا پمفلٹ دیا جائے۔

⑩ ذکر و اذکار اور خانقاہ کی ترغیب دینے والے بزرگان کا دورہ کروایا جائے۔

⑪ دوسری جو تنظیمیں یا افراد کام کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی کبھی کبھی رابطہ و ملاقات کا سلسلہ رہے اور مشورے سے علاقے یا کام کو تقسیم کیا جا سکتا ہے اور ہر تنظیم والے ایک دوسرے کے متعلق اچھے الفاظ ہی کہے، مخالفت یا تنقیص نہ کرے، حلیف بن کر کام کریں، حریف بن کر کام نہ کریں اور اللہ کے دربار میں قبولیت کی دعا کا اہتمام کریں اور کرواتے رہیں۔

⑫ سالانہ یا اس سے کم مدت میں اپنی تنظیم یا ان سے منسلک افراد کے ساتھ کھلے دل سے مل کر مذاکرہ ہو کہ: کیا کمیاں اور کوتاہیاں ہیں اور سب مل کر اس کے ازالے کی کوشش کریں، کمی و کوتاہی پر نظر رکھنا اور تلافی کی کوشش کرنا یہ ترقی کا بہترین

ذریعہ ہے اور دوسرے اس لائن کے ماہرین سے بھی پوچھا جائے کہ ہماری کمی وکوتاہی پر آپ نشان دہی فرمائیں اور صحیح رہنمائی کو کھلے دل سے قبول بھی کرلیا جائے۔

⑫ اسلامی ماحول کی اسکولیں قائم کی جائیں، اس سلسلے میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں حسنی ندویؒ کے بیان کا ایک فکرانگیز اقتباس بعینہ نقل کیا جاتا ہے:

نئی نسلوں کو اسلام پر باقی رکھنے کے لیے معیاری اسکولوں کی ضرورت

مونٹیسری اسکول، نرسری اسکول، کنڈرگارڈن وغیرہ قسم کے مدارس اب نہایت ضروری ہوگئے ہیں، ہم مسلمانوں کو توجہ دلائیں گے کہ اب صرف کنویں بنانا اور صرف مسجد کے مقابلے میں مسجد بنانا صرف یہی ایک نیکی کا کام نہیں ہے؛ بلکہ بڑی نیکی کا کام یہ ہے کہ آپ اس نئی نسل کو بچائیں اور ایسے معیاری سکول قائم کریں جن کا انتظام، جن کے اساتذہ کی سطح؛ یعنی ایلیفکیشن، ان کا تجربہ کسی طرح دوسرے اسکولوں سے کم نہ ہو جس کو دوسرے فرقوں نے قائم کیے ہیں؛ بلکہ بہتر ہونا چاہیے۔

مسلمانوں کو ہر میدان میں سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے، اور پھر اس کا ڈسپلن، رکھ رکھاؤ، اس کی صفائی اور اس کا نظم ونسق وہ ہر طرح سے ایسا ہو کہ کھاتے پیتے لوگ اور جن کا معیارِ زندگی بلند ہے وہ اپنے بچوں کو وہاں بھیجنے میں ذرا بھی تامل نہ کریں۔

آپ سب جانتے ہیں کہ میں مدرسہ کا آدمی ہوں، اب بھی مدرسہ ہی کا خادم ہوں اور عربی مدارس کی دعوت دیتا ہوں؛ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ: اب آپ زمانے کو سمجھیے، زمانے کے تیور کو سمجھیے، اور آپ ہر جگہ ایسے اسکول

قائم کیجیے جہاں اچھے، خوش حال اور تعلیم یافتہ لوگ اپنے بچوں کو بے تکلف بھیجیں۔

آپ یہ امید نہ رکھیں کہ سب عربی مدارس میں آجائیں گے، یہ ہوجاتا تو بڑا اچھا ہوتا؛ لیکن ہر تمنا پوری نہیں ہوتی ہے، اس کا ہمیں لحاظ رکھنا چاہیے کہ ایسا نہیں ہوسکے گا، ان کے لیے ایسے اسکولوں کو قائم کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے کہ جہاں بقدرِ ضرورت دینیات سے واقفیت ہوجائے، نماز اور روزے کے پابند ہوجائیں، اردو پڑھ لکھ سکیں اور اسلام کی خوبی کا نقش ان کے دل پر قائم ہوجائے، وہ اپنے مسلمان ہونے پر فخر کریں اور اس کی کوشش کریں کہ مسلمان رہیں۔

اور دوسرے یہ بھی کہ جو بچے غیر مسلم اسکولوں میں پڑھتے ہیں آپ کا تعلیمی نتیجہ ان سے بہتر ہونا چاہیے، آپ کے بچے جب وہاں جائیں تو وہ ان کے مقابلے میں بہتر ہوں، اگر آپ اس میں کامیاب ہوئے تو بڑی خدمت انجام دیں گے۔

اور کبھی یہ نہ سمجھیے گا کہ آپ کوئی غلط کام کر رہے ہیں، کوئی صاحب اگر آپ کو اس میں وسوسہ پیدا کردیں کہ میاں! کہاں کس جھنجھٹ میں پڑے ہو؟ سیدھے سیدھے ایک سرائے بناؤ جہاں مسافر ٹھہریں یا کسی لنگر کا انتظام کرو یا مسجد میں ایک اور مینارہ بنادو، دو مینارے ہیں اس میں ایک اور مینارہ بن جائے، تو آپ کبھی ایسے آدمیوں کی بات میں نہ آیئے گا، ہم لوگ بھی دین کا تھوڑا بہت علم رکھتے ہیں اور خدا کے فضل سے دینی مدارس ہی کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں؛ لیکن آپ جو کام کر رہے ہیں اس کو ہم سراہتے ہیں، ہم اس کی قدر کرتے ہیں اور ہم خود اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔

(اقتباس از خطاب ۲۴؍۱۹۷۰ء اُجین، مدھیہ پردیش، تحفۂ انسانیت ص:۸۶)

بلقان ریاستوں کا سفر

از: شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بلقان ریاستوں کا سفر

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین وعلیٰ کل من تبعھم بإحسان إلیٰ یوم الدین، أما بعد!

آج سے بارہ سال پہلے میں نے مشرقی یورپ کے ملک البانیہ کا سفر کیا تھا، اور دینی لحاظ سے اس کی حالتِ زار کا مفصل تذکرہ اپنے سفرنامے میں کیا تھا جو میری کتاب ''سفر در سفر'' میں چھپ چکا ہے۔ یہ سفر میں نے برطانیہ کی تنظیم ''مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ'' کی دعوت پر کیا تھا۔

اس رمضان ۱۴۲۹ھ میں مجھے اسی تنظیم کے سربراہ مولانا حنیف صاحب نے بتایا کہ: وہ برطانیہ کے متعدد علما کے ساتھ بلقان ریاستوں کا دورہ کر رہے ہیں، جن میں البانیہ کے علاوہ مقدونیہ، مونٹی نیگرو اور بوسنیا بھی شامل ہیں، ان کا کہنا تھا کہ: پچھلے بارہ سال کے دوران ان ملکوں میں دعوتی اور تبلیغی کام خاصا آگے بڑھا ہے، اور اب ضرورت ہے کہ اس کو مزید آگے بڑھانے کے لیے علما کا ایک دورہ ہو جس سے کام کرنے والوں کی ہمت افزائی بھی ہوگی، اور مزید کام کے لیے بنیادیں بھی ڈالی جاسکیں گی۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ: ڈابھیل کے مفتیٔ اعظم حضرت مولانا احمد خانپوری صاحب مدظلہم نے بھی اس سفر میں ساتھ رہنے کا وعدہ فرما لیا ہے، ان کی خواہش تھی کہ عید کے بعد فوراً میں بھی ان کے قافلے میں شامل ہو جاؤں، تو ان شاء اللہ! دورے کے مفید اثرات میں اضافہ ہوگا۔

اگرچہ عمر کے اس حصے میں اس قسم کی طوفانی دورے میرے لیے مشکل ہوتے ہیں؛ لیکن البانیہ کے پچھلے سفر میں میں نے جو حالات دیکھے تھے ان کی وجہ سے میں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر یہ دعوت قبول کرلی، اور ۴/شوال ۱۴۳۹ھ کا دن گذار کر رات کے ساڑھے چار بجے ''دوحا'' کے راستے مقدونیہ (Macedonia) کے دار الحکومت اسکوپیا (Scopia) کے لیے روانہ ہوا، اور مقدونیہ کے وقت کے مطابق (جو ہم سے تین گھنٹے آگے ہے) صبح کے سوا گیارہ بجے اسکوپیا کے ہوائی اڈے پر اترا، جہاں مولانا حنیف صاحب کے نمائندے مولانا رجب صاحب نے استقبال کیا جو رائے ونڈ کے مدرسے کے پڑھے ہوئے ہیں، اور اردو اچھی طرح بولتے اور سمجھتے ہیں۔ طویل سفر اور رات کی بے خوابی کی بنا پر وہ دن کچھ آرام اور اسکوپیا کے قریبی تاریخی مقامات دیکھنے میں گذرا۔

یہ سارا علاقہ جزیرہ نمائے بلقان کا ایک حصہ تھا، جزیرہ نمائے بلقان یورپ کا ایک مثلث نما جزیرہ ہے جو شمال میں وسطیٰ یورپ اور جنوب میں بحرِ ابیض کے مشرقی حصے سے ملتا ہے۔ بلقان کے بیشتر علاقوں کے کنارے ایڈریاٹک یا بحرِ ایجین یا بحرِ اسود سے ملتے ہیں، کسی زمانے میں بلقان کا بیشتر حصہ خلافتِ عثمانیہ کا ایک ڈویژن تھا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد بلقان کے جو حصے خلافت کے ماتحت تھے، ان میں سے اکثر رفتہ رفتہ خلافت کے تسلط سے نکلتے گئے۔ البانیہ نے ایک مستقل ریاست کی حیثیت اختیار کرلی، اور کچھ عرصہ کے بعد بلغراد، مقدونیہ، مونٹی نیگرو اور بوسنیا پر آسٹریا کا تسلط رہا، پھر کمیونسٹ انقلاب کے بعد اس کے بیشتر حصے یوگوسلاویہ کا حصہ بن گئے تھے، یوگوسلاویہ کی تحلیل کے بعد ۱۹۹۱ھ سے اب یہ ایک مستقل ملک ہے۔

کمیونسٹ حکومت کے دور میں یہاں مسلمانوں پر اتنے مظالم تو نہیں ہوئے جتنے البانیہ میں ہوئے؛ لیکن پھر بھی کمیونسٹ حکومت کے تحت مسلمانوں کو زندگی بسر کرنا مشکل ہو گیا، اس کے صرف ایک مشرقی شہر بتولا (Bitula) میں جو درحقیقت بیت اللہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے، بہتّر مسجدیں تھیں جن میں مدارس بھی تھے، کمیونسٹ انقلاب کے بعد ان کی اکثریت کو شہید کر دیا گیا، اور صرف دس مسجدیں باقی رہ گئیں جن میں سے صرف چار استعمال میں ہیں، اور ایک کو عجائب گھر بنا دیا گیا ہے: اس لیے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد مختلف ملکوں میں جا بسی، چناں چہ اب یہاں مسلمانوں کا تناسب تقریباً چالیس فی صد رہ گیا، اسکوپیا ایک خوب صورت شہر ہے جو دریائے واردار کے دونوں طرف آباد ہے۔ مولانا رجب نے بتایا کہ: اس کے ایک طرف زیادہ تر عیسائیوں کی آبادی ہے اور دوسری طرف زیادہ تر مسلمانوں کی۔

الحمد للہ! یہاں خلافتِ عثمانی کے زمانے کی خوب صورت مسجدیں اب بھی موجود ہیں، اور ہماری قیام گاہ ہوٹل بوشی کے بالکل ساتھ سلطان سلیم کے ایک وزیر مصطفیٰ پاشا کی بنائی ہوئی شاندار مسجد تھی جو ۱۴۹۲ء میں تعمیر ہوئی تھی، یعنی وہ تقریباً پونے چھ سو سال پرانی ہے: لیکن اس کا شکوہ اب بھی برقرار ہے، ہم نے ظہر کی نماز اسی مسجد میں پڑھی؛ لیکن نمازیوں کی ایک صف بھی پوری نہیں تھی، کچھ مسجدوں میں بچوں کے لیے مکتب بھی قائم ہیں۔

ہمارا پہلے سے نظم یہ تھا کہ بدھ کی صبح تبلیغی مرکز میں حاضری دیں گے، اور وہاں خطاب بھی ہوگا، اب برطانیہ سے حضرت مفتی شبیر صاحب مدظلہم اور ان کے ہونہار صاحبزادے مولانا یوسف صاحب (جو آخر وقت تک میری کار میں میرے بہترین

رفیق رہے، اوران کے علمی ذوق کا مجھے پہلے سے بڑا خوشگوار تجربہ تھا) اور میرے عزیز دوست مولانا ابراہیم راجہ صاحب بھی بندہ کی رفاقت کے لیے ہمارے ساتھ شامل ہوگئے تھے، اور مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ کے ٹرسٹی بلیک برن کے استاذ مولانا رفیق صاحب اپنی اہلیہ اور صاحبزادے حماد سلمہ کے ساتھ اور احمد آباد انڈیا کے افضل میمن صاحب بھی اپنی اہلیہ کے ساتھ لندن سے اوہرد (Ohird) ایئرپورٹ پر اتر کر تقریباً چار گھنٹے کا سفر کر کے میرے پاس اسکوپیا پہنچ گئے تھے، اور قافلے کے منتظم حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم اور دوسرے رفقا کے ساتھ اوہرد شہر میں ٹھہر گئے تھے، چناں چہ مولانا رجب صاحب اوہرد سے آنے والوں کے ساتھ تین گاڑیوں میں ہمیں وہاں لے جانے کے لیے اسکوپیا سے روانہ ہوئے۔ میری گاڑی میں مولانا ابراہیم راجہ اگلی سیٹ پر تھے۔

مولانا رجب صاحب پہلے مقدونیہ کے جنوبی شہر تیتووا (Tetovo) لے گئے جس میں تقریباً نوے فی صد مسلمانوں کی آبادی ہے، اوراس کے بعد مضافاتی دیہات میں سو فی صد مسلمان ہیں، یہاں بھی شرینہ مسجد کے نام سے ایک ۱۴۹۵ء میں بنی ہوئی تقریباً پونے چھ سو سال پرانی نہایت خوب صورت مسجد ہے جس کی آب وتاب الحمدللہ! اب تک برقرار ہے، یہ مسجد دو بہنوں نے تعمیر کروائی تھی، ان دونوں بہنوں کا مزار بھی مسجد کے احاطے میں ہے۔ نیز اس مسجد میں بچوں کی دینی تعلیم کے لیے ایک مکتب بھی سالہا سال سے قائم تھا، ترکی کے صدر رجب طیب اردگان صاحب نے یہاں کا دورہ کیا تو اس مکتب کے لیے ایک اچھی عمارت بھی تعمیر کرادی۔

ہم اس مدرسے میں گئے تو وہاں ایک چھیاسی سالہ بزرگ شیخ محمود سے

ملاقات ہوئی جنھوں نے بتایا کہ: وہ پچاس سال سے یہاں قرآنِ کریم اور ابتدائی دینی تعلیم کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور اب تک ایک سو اسّی بچوں کو حافظ بنا چکے ہیں، کمیونسٹ دور میں یہ کام قدرے چھپ چھپ کر کیا گیا، البتہ آزادی کے بعد اب کوئی روک ٹوک نہیں ہے، ان کی تپائی پر ایک کتاب رکھی تھی، دیکھا تو وہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''احیاء علوم الدین'' تھی۔ ہم نے ان سے مولانا رجب صاحب کی ترجمانی کے ذریعے پوچھا کہ: انھوں تعلیم کیسے حاصل کی؟ تو انھوں نے یہ مختصر جواب دیا کہ: ''کچھ مشائخ سے''۔ بظاہر دوسرے کمیونسٹ علاقوں کی طرح انھوں نے بھی چھپ چھپ کر ہی پڑھا ہوگا۔

اس چھوٹے سے خوب صورت شہر میں جگہ جگہ خواتین باپردہ نظر آئیں، اور شہر پر عمومی طور سے مسلمانوں کا شہر ہونے کا تاثر ملا، یہ جمعرات کا دن تھا، اور یہاں بڑے سلیقے کے ساتھ جمعرات بازار لگا ہوا تھا جس کے خاتمے پر تیتو واشہر کے عثمانی حاکم کی رہائش گاہ تھی جو وسیع تو بہت تھی؛ لیکن عمارتیں سادگی کا نمونہ۔

اسی شہر کے مضافات میں تبلیغی مرکز الحمد للہ تعالیٰ قائم ہو چکا ہے، شروع میں کچھ اللہ کے بندوں نے ایک گھر میں کام شروع کیا تھا، اب اس کے لیے ایک خاصی وسیع عمارت تعمیر ہوگئی ہے، یہاں ہم نے نمازِ ظہر ادا کی، اس کے بعد بندے نے حاضرین سے خطاب کیا جس میں یہاں کے مسلمانوں کو مبارک باد دے کر یہاں کی دینی ضروریات کی تکمیل کے لیے تبلیغی کام اور تعلیم کی اہمیت پر زور دیا، بیان کا مقامی زبان میں ترجمہ مولانا رجب صاحب نے کیا، حضرت مولانا مفتی شبیر صاحب نے بھی خطاب فرمایا۔

ان حضرات نے کھانے کا پر تکلف انتظام کیا ہوا تھا جس میں خود ذبح کیے ہوئے بکرے کا نہایت لذیذ گوشت بھی شامل تھا؛ لیکن چوں کہ ہمیں یہاں سے البانیہ کے ایک شہر پوگرادیس جانا تھا، جہاں مولانا حنیف صاحب اور ان کے رفقا اوہر د شہر کا دورہ کر کے پہنچنے والے تھے، اور مغرب کے بعد ایک اجتماع بھی تھا، اور دوپہر کے کھانے کے بعد میرے لیے سفر بہت تعب کا باعث ہوتا ہے؛ اس لیے میں نے کھانا کھانے کے بجائے یہاں کے نہایت شیریں تربوز اور خربوزے پر اکتفا کیا۔

البانی مسلمانوں کی ایک تنظیم "منتدى الشباب الإسلامي" کا ایک مرکز مقدونیہ میں بھی ہے، اس کے سربراہ شیخ احمد میمیتی ازہر کے فارغ التحصیل بڑے فاضل اور فعال نوجوان ہیں، اور آج کل سوئٹزرلینڈ میں مقیم ہیں، انھوں نے ہی مجھے اس سے پہلے سوئٹزرلینڈ میں اپنی تنظیم کے کنونشن میں مدعو کیا تھا جس کی تفصیل میرے داماد مولانا عبداللہ نجیب سلمہ نے لکھ کر البلاغ میں شائع بھی کی تھی، اس کے بعد ایک مرتبہ میں ان کی دعوت پر آسٹریلیا کے دارالحکومت "ویانا" بھی گیا تھا، انھیں جب معلوم ہوا کہ میں مقدونیہ آرہا ہوں، تو انھوں نے کوشش کی کہ وہ اس موقع پر میری رفاقت کے لیے یہاں آجائیں؛ لیکن انھیں چھٹی نہ مل سکی؛ البتہ ان کی خواہش تھی کہ میں ان کے مرکز میں بھی حاضری دے کر نوجوانوں کو کچھ نصیحت کروں۔ یہ مرکز مزید جنوب میں کچھ فاصلے پر ایک شہر گوستی وار (Gostivar) میں ہے، جو وادی پولاک میں واقع ہے، اور اس کی آبادی تقریباً اسّی ہزار ہے، چناں چہ تبلیغی مرکز سے روانہ ہو کر اس شہر میں پہنچے جہاں بیس بیس کیلوں کے تربوز دکانوں میں رکھے نظر آئے۔

اسی شہر کے درمیان ایک خوب صورت قدیم مسجد کے سامنے کا "منتدى

الشباب الإسلامي" مرکز ہے، جہاں ان کے نوجوان نمائندے شیخ معمر (فاضل ازہر) نے ہمارا استقبال کیا، اور اپنی لائبریری دکھائی، جو عربی اور مقامی زبانوں میں اسلامی علوم پر وقیع کتابوں سے بھری ہوئی تھی، یہاں ہم نے ایک ایسی کتاب بھی دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ "لوامع القول شرح راموز الأحاديث" تھی، یہ مرکز اسلامی علوم کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے ایک مفید دار المطالعہ کا کام کرتا ہے، نیز اس میں بعض درس بھی ہوتے ہیں، شیخ احمد سے جو سوئٹزرلینڈ میں تھے، ساتھیوں نے اسکائپ پر رابطہ کرایا، وہ ہماری آمد پر انتہائی مسرور تھے اور بار بار شکریہ ادا کر رہے تھے۔

اب تقریباً چار بجے سہ پہر کا وقت ہوگا جب ہم یہاں سے البانیہ کے لیے روانہ ہوئے، تقریباً دو گھنٹے کا یہ سفر نہایت خوب صورت سرسبز پہاڑوں اور زرخیز زمینوں پر مشتمل تھا، اس کے بعد ہم مقدونیہ اور البانیہ کی سرحد پر پہنچے جہاں ساتھیوں کی امیگریشن میں بہت دیر لگ گئی، مقدونیہ اور البانیہ کو مشرقی یورپ کی مشہور جھیل "اوہرد لیک" (Ohrid Lake) تقسیم کرتی ہے جس کے ایک طرف مقدونیہ کے پہاڑ ہیں اور دوسری طرف البانیہ کے، سرحد سے نکل کر ہم مسلسل اس جھیل کے کنارے سفر کرتے رہے، پوگرادیس ابھی کچھ دور تھا، اور خطرہ تھا کہ وہاں پہنچنے تک نمازِ عصر کا وقت نہ نکل جائے؛ اس لیے راستے کی ایک مسجد میں ہمارا تین گاڑیوں کا قافلہ رُکا، قریب میں ایک بستی تھی، ہمیں دیکھ کر پورے محلّے کے مرد، عورتیں اور بچے جمع ہو گئے، نہ وہ ہماری زبان سمجھتے تھے اور نہ ہم ان کی؛ لیکن ان کے چہروں سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی، وہ آگے بڑھ کر ہماری کچھ نہ کچھ مدد کرنے کی فکر میں تھے، ہمارے قافلے میں تین خواتین بھی تھیں، مقامی خواتین انھیں اصرار کر کے اپنے گھروں میں لے گئیں، ایک خاتون مسلسل

میری اہلیہ کا ہاتھ پکڑے رہیں، اور وضو سے لے کر نماز تک ہر کام بڑی محبت سے کراتی رہیں، نماز کے بعد وہ اور دوسری خواتین اپنے بچوں پر مجھ سے دَم کرانے کے لیے لے آئیں، بعض بچوں سے سورۂ فاتحہ سنوائی، اور جو خاتون میری اہلیہ کے ساتھ تھیں وہ اپنے گھر سے بڑی لذیذ چیریاں ایک تھیلے میں لائیں، اور میری اہلیہ کے ہاتھ میں دیدیں، اور بار بار ''السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ'' کہتی رہیں، سلام کے علاوہ ہم ان کی اور وہ ہماری کوئی بات نہیں سمجھ سکتے تھے؛ لیکن ان کے چہروں سے ایمانی رشتے کی محبت اور اس کی چمک دل ودماغ کو شاداب کر رہی تھی۔

پوگرادیس اوہرد جھیل کے کنارے ایک خوش منظر شہر ہے، پروگرام یہ تھا کہ مغرب کے بعد وہاں ایک مسجد میں اجتماع سے خطاب کرنا ہوگا؛ لیکن ہمیں راستہ تلاش کرنے میں دیر ہوگئی، یہاں برطانیہ سے مولانا حنیف صاحب، حضرت مولانا مفتی احمد صاحب مدظلہم اور اپنے دوسرے رفقا کے ساتھ پہلے سے پہنچے ہوئے تھے: اس لیے اس اجتماع میں ان حضرات نے شرکت کی، اور ہم جھیل کے کنارے براہِ راست ہوٹل ملینیم پہنچ گئے، یہاں اس سفر میں پہلی بار حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جن سے مل کر مجھے ہمیشہ ایک روحانی سرور محسوس ہوتا ہے، اور ان کی شفقت ومحبت کی مٹھاس رگ وپے میں محسوس ہوتی ہے۔

عشا سے پہلے اسی ہوٹل میں مسلم ویلفئیر انسٹی ٹیوٹ سے تعلق رکھنے والے ملک بھر کے کارکنوں کا اجتماع تھا اور بہت سے البانی مسلمان نیز میری یہاں آمد کو سن کر لندن، مانچسٹر، لیسٹر، اسکاٹ لینڈ اور برطانیہ کے مختلف علاقوں سے دسیوں علما اور دوسرے احباب بھی یہاں پہنچے ہوئے تھے، اور اسی ہوٹل میں کمرے بک کرائے

ہوئے تھے، ہوٹل کے وسیع ہال میں ان کا اجتماع ہوا، اس اجتماع سے میں نے خطاب کیا، اور کارکنوں کو مبارک باد دیتے ہوئے عرض کیا کہ: بارہ سال بعد اس مرتبہ البانیہ آ کر مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہوئی کہ اس عرصے میں یہاں کی فضا میں نمایاں تبدیلی محسوس ہو رہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ آپ حضرات کی مخلصانہ جدوجہد کا نتیجہ ہے، پھر مجھے اس علاقے میں جن مزید کاموں کی ضرورت محسوس ہوئی ان کا ذکر کرتے ہوئے اخلاص للہ اور رجوع الی اللہ کرنے اور کرتے رہنے کی تلقین کی۔

مولانا حنیف صاحب نے تنظیم کے کاموں کا مختصر تعارف کرایا، پھر قریبی جھیل کی مچھلی سے سب کی تواضع کی، بعد میں جھیل کے کنارے ہوٹل کے صحن میں ہم نے نہایت خوشگوار اور روح پرور ہواؤں کے درمیان نمازِ عشا ادا کی جس کا وقت ان دنوں ساڑھے دس بجے ہو رہا تھا، اور ہم نے گیارہ بجے نماز پڑھی۔

دن بھر کے اس طویل سفر کے بعد رات ہم نے پوگرادیس میں گذاری۔

اگلے دن جمعہ تھا، اور ہمیں البانیہ کے دارالحکومت ''ترانا'' میں دو دن قیام کرنا تھا؛ اس لیے صبح نو بجے ہم ترانا کے لیے روانہ ہوگئے، اور تقریباً تین گھنٹے کا فاصلہ پہاڑوں اور سبزہ زاروں کے درمیان طے کرتے ہوئے ترانا پہنچے۔

جب میں بارہ سال پہلے ترانا آیا تھا تو یہاں اِکّا دکّا مسجدیں تھیں، باقی سب کمیونسٹ دور میں یا شہید کردی گئی تھیں یا ان کو کسی عمارت میں تبدیل کر دیا گیا تھا؛ لیکن اب بفضلہٖ تعالیٰ بہت سی مسجدیں دوبارہ تعمیر ہوگئی ہیں، جن کے منارے دور سے نظر آتے ہیں، اُس وقت تبلیغی مرکز بھی ایک جھونپڑی میں تھا، اور اس میں کام کرنے والے بھی اکادکا تھے؛ لیکن اب ماشاء اللہ! شہر کے مضافاتی علاقے میں ایک بڑی جگہ لے کر

اس میں مرکز تعمیر کیا گیا ہے، ڈیوزبری کے حافظ پٹیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں دعوت کا کام بڑھانے کی بڑی فکر تھی، اورانہی کی کوششوں سے یہ مرکز بنا، اورانھوں نے ہی اس کا سنگِ بنیاد رکھا تھا، اوراللہ تعالیٰ انھیں اپنی خاص رحمتوں سے نوازیں کہ الحمدللہ! اس کی عمارت اب اتنی وسیع بن گئی ہے کہ اس میں اچھا اجتماع ہوسکتا ہے، اورالحمدللہ! اس مرکز کے سامنے والی سڑک بھی انہی کے نام سے سرکاری طور پر حافظ پٹیل روڈ کہلاتی ہے۔

یہاں جمعہ سے پہلے میرا بیان ہوا، بارہ سال پہلے کسی دینی بیان میں اتنے اجتماع کا تصور مشکل تھا؛ لیکن آج بفضلہٖ تعالیٰ ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا جس میں عام البانوی مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی، میں نے اپنے بیان میں البانی حضرات سے کہا کہ: انھوں نے اسلام کے خاطر جو قربانیاں دی ہیں ان کی وجہ سے انھیں ایمان کی وہ حلاوت نصیب ہے جو ہم جیسوں کے لیے قابلِ رشک ہے جنھیں ایمان بیٹھے بٹھائے مل گیا۔ پھر میں نے عام مسلمانوں کو تبلیغی جماعت سے وابستہ رہنے اوراپنے بچوں کی دینی تعلیم پر توجہ دینے پر زوردیا، بیان کے ساتھ ساتھ البانوی زبان میں ترجمہ مولانا رجب صاحب نے کیا جو اسکوپیا سے آخر تک سفر میں ہمارے ساتھ رہے، حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری اورمفتی شبیر صاحب مدظلہما نے الگ الگ دو دوسری مسجدوں میں بیان فرمایا۔

اسی دن شام چار بجے سے تبلیغی مرکز میں ایک اور بڑا اجتماع تھا جس سے مذکورہ دو بزرگوں نے خطاب فرمایا، اورمغرب سے عشا تک خطاب میرا رکھا گیا تھا، چناں چہ میں نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بیان کیا جس میں دعوتِ دین کے بنیادی اصول تفصیل کے ساتھ ذکر کیے اوراس بات پر زوردیا کہ اس ملک میں مسلمانوں کی جو

مختلف جماعتیں یا تنظیمیں قائم ہیں، ان کے درمیان باہمی تعاون اور ربط کی ضرورت ہے جس میں فروعی یا تنظیمی اختلافات رکاوٹ نہیں بننے چاہییں۔ جو شخص بھی کسی دوسرے شخص کو جس طرح بھی دین سے قریب لا رہا ہے ہر ایک کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اس کا اپنا کام کر رہا ہے، اور اس کی قدر پہچاننی چاہیے، الحمدللہ! اس کا اچھا اثر محسوس ہوا۔

اسی شام مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ کے تحت خواتین کا ایک اجتماع رکھا گیا تھا جس میں بہت سی معلمات بھی موجود تھیں، اور شہر کی دوسری خواتین بھی، اس اجتماع کے بارے میں مولانا حنیف صاحب نے مجھے پہلے سے بتایا ہوا تھا کہ اس سے میری اہلیہ کو خطاب کرنا ہے؛ چناں چہ وہاں میری اہلیہ نے خطاب کیا جس کا البانی ترجمہ ایک مقامی خاتون نے البانی زبان میں کیا، بعد میں معلوم ہوا کہ الحمدللہ! اس خطاب کا بھی خواتین نے بہت اچھا اثر لیا، اور بعد میں میری اہلیہ سے رابطہ بھی کرتی رہیں۔

اگلے دن مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ترانا کے مرکزی علاقے میں ترانا انٹرنیشنل ہوٹل میں ایک کانفرنس کا اہتمام کیا تھا جس میں البانیہ کے مشیخۃ اسلامیہ کے رئیس اور مختلف شہروں کے مفتی حضرات اور عرب ملکوں کے سفارتی نمائندوں کو جمع کیا گیا تھا، مشیخۃ اسلامیہ کے رئیس بذاتِ خود کسی سفر کی وجہ سے نہ آسکے؛ لیکن اپنے نائب رئیس کو بھیجا۔

البانیہ میں غالباً صدیوں سے یہ نظام چلا آتا ہے کہ مشیخۃ اسلامیہ ایک پرائیویٹ تنظیم ہوتی ہے جس کے عہدہ داروں کو تقرر حکومت نہیں کرتی؛ بلکہ خود علما کرتے ہیں، اور اس کی آمدنی بھی عوامی چندوں کے ذریعے ہوتی ہے، یہی ادارہ مختلف شہروں میں مفتیوں کا تقرر کرتا ہے، ان علاقوں میں مشیخۃ اور اس کے مقرر کردہ مفتی

حضرات وہی فرائض انجام دیتے ہیں جو عام طور پر وزارت مذہبی امور انجام دیا کرتی ہے، اور حکومت اس ادارے کو اسی حیثیت میں تسلیم بھی کرتی ہے، ملک پر جو حالات گذرے ہیں ان کی وجہ سے ان حضرات کی علمی حیثیت عموماً کمزور ہوتی ہے؛ لیکن جو کام وہ کرتے ہیں انھیں غیر جانب دار علما کی تنقید کے باوجود گئے گذرے حالات میں غنیمت ہی سمجھنا چاہیے۔

کانفرنس کا آغاز تلاوتِ قرآنِ کریم کے بعد مشیخہ کے نائب رئیس کی تقریر سے ہوا جس کا انگریزی ترجمہ ساتھ ساتھ کیا گیا، انھوں نے زیادہ تر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان پُر امن بقائے باہمی پر بات کی، اور دہشت گرد گروپ اسلام کی جو غلط نمائندگی کر رہے ہیں ان کی تردید پر زور دیا، ان کے بعد البانیہ کے ایک سابق مفتی مصطفی نے بڑی پُر اثر تقریر کرتے ہوئے بڑے پُر درد انداز میں کمیونزم دور کے واقعات سنائے کہ کس طرح مسجدوں کو شہید کیا گیا، نماز روزے پر پابندیاں لگائی گئیں، اور جس شخص کے گھر میں کوئی دینی کتاب پائی جاتی اسے کس درندگی کے ساتھ سزائیں دی جاتی تھیں، انھوں نے خود اپنے بارے میں بتایا کہ: انھوں نے اپنی دینی کتابیں اپنے گھر کے صحن میں گڑھا کھود کر اس میں دفن کی تھیں، ان کی اثر انگیز تقریر کا انگریزی ترجمہ مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ کے ایک ذمے دار نے کیا، اور حاضرین پر اس کا بڑا اثر ہوا۔

اس کے بعد حضرت مولانا مفتی شبیر صاحب مدظلہم کو یہ فریضہ سونپا گیا تھا کہ وہ بتائیں کہ انگلینڈ میں مسلمانوں نے اپنی نسلوں کی حفاظت کے کس طرح انتظامات کیے ہیں؛ چناں چہ انھوں نے اپنی مختصر تقریر میں اپنے تجربات کی روشنی میں دو پیغام دیے،

ایک ایمان کی حفاظت اور نئی نسلوں کے تحفظ کے لیے تعلیم وتربیت کا مناسب انتظام، اور دوسرے باہمی تعاون کے ساتھ یہاں کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش۔ انھوں نے سابق مفتی صاحب کی تقریر کے بارے میں کہا کہ: میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کی پیشانی اور ہاتھوں کو بوسہ دوں، اور ان سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ کتابیں جو زمین میں دفن کر کے محفوظ کی گئیں ان کو ایک میوزیم میں یادگار کے طور پر رکھا جائے۔

جنوبی افریقہ سے مولانا ابراہیم صاحب منگیرا بھی کانفرنس میں مدعو تھے، اور انھوں نے بتایا کہ: جنوبی افریقہ میں مسلم اقلیت کے دینی تحفظ کے لیے کس طرح اقدامات کیے گئے، اور انھیں کیا کامیابی نصیب ہوئی، اس کے بعد پروگرام کے مطابق حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم کو خطاب کرنا تھا جو اسٹیج پر تشریف فرما تھے، اور میری بڑی خواہش تھی کہ میں ان کا بیان سنوں؛ لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے حضرت مدظلہم نے مجھے حکم دیا کہ: میرے حصے کا وقت بھی تم لے لو، اور کھل کر ضروری باتیں کرلو۔

رفقا نے یہ بھی مشورہ دیا کہ میرا خطاب عربی میں ہو؛ تاکہ کم از کم مشیخہ اور مفتی حضرات، نیز عرب ملکوں کے نمائندے تمھاری بات کسی مترجم کے واسطے کے بغیر سن سکیں؛ چناں چہ میں نے عربی میں خطاب کیا، اور مسجد دینا ہوسگا (Dina Hoxha) کے امام شیخ احمد کلایا نے جو مدینہ یونیورسٹی کے فاضل اور ملک کے مقبول ترین علما میں سے ہیں، البانی زبان میں اس کا ترجمہ کیا، میں نے عرض کیا کہ: یوں تو الحمد للہ! بچپن ہی سے تمام مسلمانوں کی محبت دل میں پیوست ہے؛ لیکن جو مما لک ستر سال سے زیادہ کمیونزم کے تسلط میں رہے ان کے مسلمانوں سے سب سے زیادہ محبت ہے؛ کیوں کہ انھوں نے

ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹنے کے باوجود جس غیرت وحمیت کے ساتھ اپنے دین کا تحفظ کیا، اس کی وجہ سے انھیں ایمان کی جو قدر و قیمت اور اس کی جو حلاوت نصیب ہوئی، ہم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے، انہی کی جد وجہد سے بفضلہٖ تعالیٰ اب انھیں آزادی نصیب ہوئی، اور اس کے بعد انھوں نے جس طرح نئی مسجدیں تعمیر کیں اور ادارے بنائے، اس پر مبارک باد دینے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اور حضرت مفتی شبیر صاحب کی تجویز میں پہلے ہی سابق مفتی صاحب کی پیشانی چومنے کا شرف حاصل کر چکا ہوں۔

میں بارہ سال پہلے یہاں آیا تھا تو اس وقت حالات بڑے افسوس ناک تھے؛ لیکن بارہ سال بعد یہاں کا دورہ کرتے ہوئے الحمدللہ! نمایاں تبدیلیاں محسوس ہوتی ہیں، ان تبدیلیوں میں مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ کا بھی قابلِ قدر حصہ ہے؛ لیکن اب یہاں کے علما اور اہلِ دین کو ایک دوسرے بڑے چیلنج کا سامنا ہے، اور وہ یہ کہ ستر سال میں الحمدللہ! آپ اپنے ایمان کے تحفظ میں کامیاب ہوئے؛ لیکن کمیونسٹ استعمار کی تاریک رات نے اپنے بہت سے برے اثرات نئی نسلوں پر چھوڑ دیے ہیں، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کی طرف بھرپور توجہ دی جائے، اور انھیں اسلامی احکام اور اسلامی ثقافت سے روشناس کرایا جائے، الحمدللہ! مسجدیں بن رہی ہیں، اور ان میں مکاتب بھی قائم ہو رہے ہیں، اب انھیں آباد کرنے کی ضرورت ہے، اور اس عظیم کام کے لیے جو خدمت بھی ہمارے لائق ہو، ہم اس کے لیے حاضر ہیں، اور مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ اس کے لیے عملی طور پر سرگرم ہے، اس کے ذریعے ہم بھی کوئی خدمت انجام دینے کو اپنی سعادت سمجھیں گے۔

کانفرنس کا اختتام ظہرانے پر ہوا، اور اس میں بہت سے معززین سے مفید

گفتگو کا موقع ملا۔

اس کانفرنس کے ساتھ ساتھ دوسری طرف مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ نے البانی بیواؤں اور یتیموں کا ایک اجتماع دوسری جگہ منعقد کیا ہوا تھا، اصل میں تو یہ بیواؤں اور یتیموں کا اجتماع تھا جن کی سرپرستی یہ تنظیم کر رہی ہے؛ لیکن اس میں دوسری خواتین اور بچیاں بھی شریک ہوئیں، اور انھوں نے عربی تلاوت اور البانی نظمیں پیش کیں، اور آخر میں میری اہلیہ نے ان سے خطاب کیا جس کا ترجمہ بھی پچھلے دن کی طرح البانی خاتون نے کیا۔

اس کے بعد اصل پروگرام یہ تھا کہ ہم یہاں سے دِرّوس شہر جا کر وہاں ایک مسجد میں نمازِ مغرب ادا کریں اور وہاں بھی کچھ بیانات ہوجائیں؛ لیکن وہ شیخ احمد صاحب کلایا جنھوں نے میری تقریر کا عربی سے ترجمہ کیا تھا، ان کا اصرار ہوا کہ آج شام میں ان کی مسجد میں حاضر ہوکر وہاں کے لوگوں سے خطاب کروں۔

مولانا حنیف صاحب نے مجھے بتایا کہ: یہ مسجد سلفی حضرات کی ہے، اور یہ زیادہ مفید ہوگا کہ آپ کا خطاب وہاں ہو، اور آپ جو دعوت تبلیغی مرکز میں دے کر آئے ہیں کہ یہاں سلفی اور غیر سلفی کے اختلافات کو نہ چھیڑا جائے، اس بات کو وہاں بھی پہنچانے کی ضرورت ہے، اور یہ ایک اچھی بات ہے کہ انھوں نے آپ کو خود دعوت دی ہے؛ اس لیے آپ کا وہاں جانا ان شاء اللہ تعالیٰ زیادہ فائدہ مند ہوگا، جہاں تک دِرّوس کا تعلق ہے وہاں ہم حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری اور مفتی شبیر صاحب کو پہلے لے جائیں گے، اور ان سے مستفید ہوں گے، آپ مغرب کے بعد وہاں خطاب کر کے دِرّوس پہنچ جائیں، چناں چہ یہ حضرات دِرّوس کے لیے روانہ ہوگئے، اور میں مغرب

سے پہلے دینا ہوگسا کی مسجد میں پہنچ گیا۔ یہ مسجد ترانا شہر کے بالکل وسط میں واقع ہے۔

شیخ احمد کالا یا صاحب اور ان کے کچھ رفقا پہلے سے انتظار میں کھڑے تھے۔ مغرب کی اذان میں چند منٹ باقی تھے، انھوں نے اس دوران مسجد اور اس کی کارکردگی کا تعارف کرایا، مسجد کے دروازے پر ایک چھوٹا سا اسٹال لگا ہوا تھا جس پر البانی زبان میں چھوٹے چھوٹے کتابچے رکھے تھے جو دلچسپ انداز میں اسلام اور اس کے مبادی اور انبیاء اور صحابہ کے واقعات پر مشتمل تھے۔

امام صاحب نے بتایا کہ: مسجد کے سامنے ایک چلتا ہوا بارونق اور ماڈرن بازار ہے، بعض لوگ چلتے چلتے اچانک مسجد دیکھنے کے لیے رُک جاتے ہیں، یہ کتابچے انھیں دے دیے جاتے ہیں، اور ان کی وجہ سے نوجوانوں کو مسجد میں آنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، چوں کہ مسجد میں الحمدللہ! دین کی ہلکی پھلکی باتیں بھی سکھائی جاتی ہیں؛ اس لیے بفضلہٖ تعالیٰ نوجوانوں میں مسجد آنے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔

امام صاحب نے اصرار کیا کہ مغرب کی نماز میں پڑھاؤں، چناں چہ ایسا ہی ہوا، مغرب کے بعد انھوں نے البانی زبان میں میرا مختصر تعارف کرایا، پھر مجھے عربی میں خطاب کرنے کی دعوت دی، اگر چہ یہ خطاب بہت مختصر نوٹس پر ہوا تھا؛ لیکن مجمع یہاں کے لحاظ سے کافی بڑا تھا، اور بڑی توجہ سے سننے کے لیے بیٹھا تھا۔

امام صاحب کا کہنا تھا کہ: انھیں اور ان کے رفقا کو حدیث کی اجازت بھی دوں؛ اس لیے میں نے اپنے خطاب کا آغاز حدیثِ مسلسل بالاولیۃ سے کیا؛ یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث:

”الراحمون يرحمهم الرحمٰن تبارك وتعالىٰ، ارحموا من في الأرض

یرحمکم من في السماء“۔

یعنی رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

پھر میں نے اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے عرض کیا کہ: محدثین نے اپنے شاگردوں کو حدیث کی تعلیم دینے کے لیے سب سے پہلے اس حدیث کو منتخب فرمایا جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کے طالبِ علم کو سب سے پہلے رحم کرنے کا درس دینا مقصود ہے، جو اسلام کی ایک بنیادی تعلیم ہے، پھر رحم کرنے کے لیے صرف مسلمانوں کا لفظ استعمال نہیں فرمایا گیا؛ بلکہ تمام ”زمین والوں“ کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسانوں پر رحم کھانے کی تاکید فرمائی گئی ہے؛ البتہ رحم کے عنوانات مختلف ہوتے ہیں، غیر مسلموں پر سب سے بڑا رحم یہ ہے کہ انھیں دوزخ کی آگ سے بچایا جائے، اور اگر کوئی پُرامن غیر مسلم کسی مصیبت یا تکلیف میں ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے، غیر مسلموں کی ذات سے نفرت نہیں؛ بلکہ ان کے کفر سے نفرت ہونی چاہیے، جیسے ایک بیمار سے نہیں اس کی بیماری سے نفرت کی جاتی ہے، اور اس کا علاج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، دعوت وتبلیغ اسی قسم کے رحم کھانے کا ایک طریقہ ہے جسے پیغمبرانہ اسلوب میں انجام دینا چاہیے۔

اسی بات کو مختلف مثالوں سے واضح کرنے کے بعد میں نے عرض کیا کہ: آج ہمارا حال یہ ہو گیا ہے کہ غیر مسلم تو درکنار ہم اپنے سے کوئی فروعی اختلاف رکھنے والوں کو بھی اجنبی سمجھتے اور اسے برا بھلا کہنے میں مصروف رہتے ہیں، جو شخص حنفی ہے وہ سلفیوں سے اور جو سلفی ہے وہ حنفیوں سے نہ صرف مغایرت برتتا ہے؛ بلکہ بعض اوقات اسے

مطلقاً گمراہ؛ بلکہ کافر اور مشرک قرار دینے سے بھی نہیں چوکتا۔

میں نے عرض کیا کہ: آپ ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں مسلمانوں پر کمیونزم کی انتہائی پُرتشدد اندھیری رات گذری ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ یہ رات گذر گئی، اور مسلمانوں نے کم از کم نام اور عقیدے کی حد تک اپنا ایمان محفوظ رکھا؛ لیکن اس تاریک رات میں جو نسلیں پروان چڑھی ہیں، وہ دن کے مبادی تک سے بے خبر ہیں، الحمد للہ! آپ حضرات کی کوششوں سے اب صورتِ حال میں خاصی تبدیلی آرہی ہے؛ لیکن اگر ایسے موقع پر حنفی، سلفی کے جھگڑے کیے گئے تو خطرہ ہے کہ نوجوان اصل دین سے برگشتہ نہ ہوجائیں، ہمارے درمیان بیشک فروعی اختلافات موجود ہیں؛ لیکن ان باتوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے جن پر ہم متفق ہیں، اپنے اپنے دائروں میں بیشک اپنے طریقوں پر عمل کریں؛ لیکن کسی دوسرے کے طریقے پر طعن و تشنیع سے باز رہیں۔

اجتہادی امور میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی؛ اس لیے ان پر نکیر بھی جائز نہیں، نیز نوجوان جس کسی کی کوشش سے اسلامی زندگی کی طرف آجائے اسے غنیمت سمجھیں اور اپنی کوششوں کو دین کے مبادی پر مرکوز رکھیں۔

امام صاحب ساتھ ساتھ میرے بیان کا البانی ترجمہ کررہے تھے، اور پورا مجمع ہمہ تن گوش تھا، یہاں تک کہ عشا کا وقت ہوگیا۔

اس موضوع کی میری نظر میں اہمیت اس لیے تھی کہ بلقانی ریاستوں میں مسلمان حنفی ہیں؛ لیکن جو لوگ سعودی یونیورسٹیوں میں پڑھ کر لوٹے ہیں، بفضلہ تعالیٰ وہ کام تو اچھا کررہے ہیں؛ لیکن بعض جوشیلے نوجوان سلفیت کے جوش میں غیر ضروری مسائل چھیڑ کر بحث و مباحثہ کی فضا پیدا کردیتے ہیں، ان کے مقابلے میں حنفی علما ان کی

تردید کرتے ہیں، اس طرح یہاں کے عام مسلمان جو دین کے مبادی سے ناآشنا ہیں وہ دین کے بارے میں سخت کشمکش کا شکار ہوجاتے ہیں، خدا کرے کہ میری یہ کمزور؛ مگر دردمندانہ آواز کوئی اثر پیدا کر سکے۔ امام صاحب بذاتِ خود سعودی عرب سے تعلیم حاصل کر کے آئے تھے؛ لیکن انھوں نے میری عاجزانہ گذارشات کی تائید کی، اور بتایا کہ: الحمدللہ! ہم اسی نہج پر کام کی کوشش کر رہے ہیں، آپ کی باتیں بالکل درست ہیں، اور ہم سب کو اسی طرح مل کر کام کرنا چاہیے۔

تمام حاضرین بہت محبت سے ملے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بیان کا بہت اچھا اثر نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ یہ بیان انٹرنیٹ پر براہِ راست نشر ہو رہا تھا؛ اس لیے الحمدللہ! بڑے پیمانے پر سنا گیا اور لوگوں نے بتایا کہ: اس پر مثبت تبصرے ریکارڈ کیے گئے۔

نمازِ مغرب یہاں ساڑھے آٹھ بجے اور عشا ساڑھے دس بجے ہو رہی تھی؛ اس لیے مسجد سے گیارہ بجے کے بعد نکلے، یہاں سے ہمیں دِرّوس جانا تھا، جہاں ہمارے بہت سے رفقا پہلے ہی پہنچ چکے تھے، رات ہمیں وہیں گذارنی تھی۔

دِرّوس بحیرۂ ایڈریاٹک کے کنارے ایک شہر ہے جس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ: ترانا شہر سے ۴۵ / منٹ کے فاصلے پر واقع ہے؛ لیکن چند در چند غلط فہمیوں کی بنا پر ہمارا راستہ بہت طویل ہوگیا، اور ہم جب دِرّوس کے ہوٹل پہنچے تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا، ہمارے ساتھیوں نے کچھ کھانا ہمارے لیے بچا کر رکھا ہوا تھا، غرض! بستر پر جاتے جاتے دو بج گئے۔

میرے لحاظ سے دِرّوس آنے کا مقصد صرف یہاں رات گذارنا تھا؛ کیوں کہ یہاں حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم خطاب کر چکے تھے، اور مجھے

مغرب کے بعد ترانا ہی کی مسجد میں بیان کرنا تھا، اگلی صبح ہمیں دراصل بوسنیا جانا تھا؛ لیکن یہاں سے بوسنیا کے قریب ترین شہر کا فاصلہ کم سے کم بارہ گھنٹے کا تھا، اور مولانا حنیف صاحب کو معلوم تھا کہ سڑک کے راستے میرے لیے اتنا لمبا سفر نا قابلِ تحمل ہے، اس لیے انھوں نے درمیان میں مونٹی نیگرو کے ایک شہر ''اُلسن'' میں ہمارے رفقا کے لیے بکنگ کرائی ہوئی تھی؛ تاکہ ایک رات بیچ میں آرام کی مل جائے؛ البتہ حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم کو کل صبح ہی بوسنیا سے انڈیا روانہ ہونا تھا؛ اس لیے انھوں نے مولانا حنیف صاحب اور ان کے رفقا کے ساتھ بارہ گھنٹے مسلسل سفر کی مشقت گوارا فرمالی، اور وہ ہم سے پہلے بوسنیا کے لیے روانہ ہوگئے، اور ہم رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے صبح روانگی کے لیے تیار ہوئے۔

دِرّوس شہر میں نے اپنے پہلے دورۂ البانیا میں دیکھا تھا، یہ بحیرۂ ایڈریاٹک کے ساحل پر واقع ہے، اور صبح کے وقت ہوٹل سے اس کا منظر بڑا دل فریب تھا، یہاں سے ہم روانہ ہوئے تو تقریباً دو ڈھائی گھنٹے البانیہ ہی میں چلتے رہے، البانیہ کا آخری شہر ''شکودرہ'' تھا جس میں میں پہلے بھی جا چکا ہوں، یہ بڑے بڑے علما کا شہر رہا ہے، اور شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے، اس شہر کے باہر گذرتے ہوئے ہم دو بجے مونٹی نیگرو کی سرحد پر پہنچ گئے۔

مونٹی نیگرو کے معنیٰ ہیں ''سیاہ پہاڑ''؛ اسی لیے اس کا عربی نام ''الجبل الأسود'' ہے، اور اس کے پہاڑوں کو دیکھ کر یہ نام بالکل درست معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے کہ یہاں کے پہاڑ اگرچہ نہایت سرسبز اور بہت خوش منظر ہیں؛ لیکن ان کی تہہ میں پہاڑوں کی سیاہی محسوس کی جاسکتی ہے، مونٹی نیگرو 13810 کیلومیٹر کے رقبے میں

پھیلا ہوا ہے، یہاں سے تقریباً تین گھنٹے کا سفر اس طرح طے ہوا کہ ہمارے دائیں طرف اونچے اونچے سرسبز وشاداب پہاڑ تھے، جو قدرتی طور پر انجیر، زیتون اور خوبانی کے درختوں سے مالا مال نظر آرہے تھے، اور بائیں طرف بحرِ ایڈریاٹک اور اس کے حسین جزیرے تھے، ایڈریاٹک کے دوسری طرف اٹلی کا علاقہ تھا، موسم بھی بہت خوشگوار ٹھنڈا تھا، اور پورے سفر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور صناعی کے کرشموں سے آنکھیں ٹھنڈی ہورہی تھیں، بھائی جان مرحوم کا شعر یاد آیا:

اس آئینہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے
اس آئینہ خانے میں تُو یکتا ہی رہے گا

مونٹی نیگرو کا دارالحکومت پوڈگوریکا (Podgorica) ہے؛ لیکن بوسنیا جاتے ہوئے وہ راستے میں نہیں پڑتا؛ اس لیے ہم اس کے ایک اور شہر اُلسنج (Ulcinj) جانا تھا جو بوسنیا سے نسبۃً قریب تھا، وہاں ایک ہوٹل میں عصر کے بعد قیام کیا، نزدیک ہی ایک مسلمانوں کا ریسٹورنٹ تھا، اور معلوم ہوا کہ یہاں مسلمان اچھی خاصی تعداد میں آباد ہیں، اور یہاں بھی حلال کھانا آسانی سے میسر آجاتا ہے، رات ہم نے یہاں گذاری، اور اگلی صبح ہم دس بجے کے بعد یہاں سے بوسنیا کے لیے روانہ ہوگئے، یہ پورا راستہ بحرِ ایڈریاٹک کے کنارے کنارے اتنا حسین راستہ تھا کہ نگاہیں اس سے ہٹتی نہیں تھیں۔ سمندر، پہاڑ اور اس پر آسمان کو چھوتے ہوئے قدرتی درخت بوسنیا کی سرحد تک دعوتِ نظارہ دیتے رہے، پونے دو بجے کے قریب ہم بوسنیا کی سرحد پر پہنچے، یہاں ایڈریاٹک ہم سے جدا ہوگیا، اور سرسبز میدانی اور پہاڑی علاقے شروع ہوگئے جن کے بیچ میں بہتی ہوئی ندیاں اور جھیلیں بار بار نظروں کو تازگی بخشتی تھیں۔

بوسنیا کے علمی شہر موستار میں

بوسنیا کا دار الحکومت سرائیوو (Sarajevo) ہے، اور ہماری منزل وہی تھی، بوسنیا ہرزیگونیا ۵۱۱۸۰ کیلومیٹر رقبے پر پھیلا ہوا ہے، سرائیوو شہر کافی دور تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری سہولت کا یہ غیبی انتظام فرمایا کہ سرائیوو سے تقریباً دو گھنٹے کی مسافت پہلے ایک تاریخی شہر موستار (Mostar) آتا ہے۔

یہاں دمشق کے پڑھے ہوئے ایک نوجوان عالم شیخ جواد کو میری یہاں آمد کا پتہ چلا، تو انھوں نے امریکہ میں اپنے کسی دوست کو فون کر کے ان سے میرا یا میرے کسی ساتھی کا نمبر لینا چاہا، تو انھوں نے مفتی شبیر صاحب کے صاحبزادے مولانا یوسف شبیر کا نمبر دے دیا جو اس سفر میں ہر وقت میرے ساتھ تھے، ان سے بات کر کے انھوں نے کہا کہ: سرائیوو سے پہلے ان کا شہر موستار آتا ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے قافلے کی وہ مہمانی کریں، چناں چہ ہم نے موستار میں ان کے گھر پر قیام کیا، انھوں نے ہم گیارہ افراد کے لیے بہترین کھانے کا انتظام کر رکھا تھا جو مقامی انداز کا کھانا تھا؛ لیکن سب نے اس کا بہت لطف اٹھایا، ان کے ڈرائنگ روم کو دیکھا، تو وہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا، اور ان میں میری بھی کئی کتابیں موجود تھیں جن پر انھوں نے میرے دستخط لیے، انھوں نے بتایا کہ شہر موستار علما کا شہر رہا ہے جہاں سے بڑے بڑے علما اور مصنفین پیدا ہوئے ہیں۔ انھوں نے یہاں کے علما کی تالیفات کے مخطوطے دکھائے اور ساتھ ہی یہ لرزہ خیز حقیقت بھی کہ ان مصنفین کے وارث اب مسلمان بھی نہیں رہے، انا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

ایک اہم مخطوطہ اصولِ فقہ حنفی پر شیخ مصطفی ایوبی زادہ معروف بہ شیخ یویو کی شرح "المنتخب" کا تھا، "المنتخب في أصول المذهب" درحقیقت اس کتاب کا نام ہے جو ہمارے درسِ نظامی میں "حسامی" کے نام سے مشہور ہے، اور اپنے مؤلف شیخ حسام الدین محمد بن محمد بن عمر الاخسیکثی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مناسبت سے اسے حسامی کہا جاتا ہے، شیخ مصطفی ایوبی رحمۃ اللہ علیہ جو موستار ہی کے باشندے تھے، انھوں نے حسامی کی یہ مبسوط شرح لکھی تھی۔

شیخ جواد نے ایک مطبوعہ کتاب "الجوهر الأسنى في تراجم علماء وشعراء بوسنه" بھی دکھائی جس میں بوسنیا کے علما کے حالات ذکر کیے گئے ہیں، شیخ جواد خود بھی نہایت علم دوست اور وسیع المطالعہ نوجوان ہیں، اور ہمارے ساتھ رہنے کے دوران مسلسل علمی سوالات کرتے رہے، انھوں نے میرے قیلولہ کے لیے ایک کمرہ تیار کر رکھا تھا جہاں کچھ آرام کرنے کے بعد وہ شہر موستار دکھانے لے گئے، اس شہر میں پچاس فیصد آبادی مسلمانوں کی اور پچاس فیصد سرب عیسائیوں کی ہے، شہر میں پندرہ مسجدیں ہیں، اور یہاں بھی مسلمانوں کو قید و بند اور خونریزی کا نشانہ بنایا گیا تھا، شیخ جواد نے بتایا کہ: ان کے والد کو قید کیا گیا، اور ان کے چچازاد بھائی شہید ہوئے۔

یہ شہر دریائے نیریتوا (Neretva River) کے دونوں طرف آباد ہے، یہاں پہاڑ کی بلندی پر ایک پرانا پُل ہے جو اس دریا پر بنا ہوا ہے، اور سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہے، اس پُل سے دریا ایک آبشار کی صورت میں گرتا نظر آتا ہے، یہیں سے سیڑھیاں کوسکی محمد پاشا (Koski Mehmed Pasha) مسجد تک پہنچاتی ہیں جس کے میناروں سے شہر کا طائرانہ منظر نظر آتا ہے۔

موستار کے مضافات میں ایک قدیم خانقاہ بھی ہے جو درویش خانقاہ کہلاتی ہے، خلاصہ یہ کہ اس علما اور اولیا کے شہر میں آج ہم دین کے نام لیوا بطورِ خاص اپنے لباس میں بالکل اجنبی محسوس ہوتے تھے۔

عزیزم مولانا یوسف نے کہا کہ: بعض جگہ سیاح ہمیں اس طرح دیکھتے ہیں جیسے ہم بھی سیاحوں کی دلچسپی کی چیز (tourist attraction) ہوں۔

مغرب یہاں تقریباً دس بجے ہورہی تھی، ہم نے ایک ایسی مسجد میں نماز ادا کی جو 894 سال پہلے سلطان سلیمان کی بنائی ہوئی تھی، مغرب کے بعد شیخ جواد نے تمام ساتھیوں کے لیے عشائیہ کا انتظام کیا، اور ان کا اصرار تھا کہ ہم رات میں انہی کے یہاں قیام کریں، اور صبح کو سرائیوو روانہ ہوں، اگرچہ سرائیوو یہاں سے دو ڈھائی گھنٹے کی مسافت پر تھا، اور طویل سفر کے بعد یہ مزید سفر شاق معلوم ہورہا تھا؛ لیکن رائے یہی بنی کہ یہ مشقت اسی وقت اٹھائی جائے؛ تاکہ سرائیوو پہنچ کر اطمینان ہو کہ اب سڑک کا کوئی اور سفر نہیں ہے، چناں چہ ہم شیخ جواد سے معذرت کر کے روانہ ہوگئے، رات کے وقت سڑک بالکل صاف تھی؛ اس لیے بفضلہٖ تعالیٰ ہم دو گھنٹے میں سرائیوو کے ہوٹل میں پہنچ گئے، اس وقت رات کے تقریباً دو بج رہے تھے، ان علاقوں میں یہ ایام ایسے تھے کہ جن میں یہاں رات کو شفق غروب نہیں ہوتی؛ اس لیے نمازِ فجر اس وقت پڑھی جاسکتی تھی، چناں چہ نمازِ فجر ادا کر کے ہم سو گئے اور دل مطمئن ہوگیا کہ اب چار دن تک سڑک کا کوئی لمبا سفر نہیں ہے۔

بوسنیا کی مختصر تاریخ:

آگے بڑھنے سے پہلے بوسنیا کا مختصر تعارف کرا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے،

بوسنیا یورپ کے جنوب مشرق میں جزیرہ نمائے بلقان کی ایک انتہائی سرسبز وشاداب ریاست ہے۔ خلافتِ عثمانیہ کے دور میں یہ علما، فقہا اور ادبا کا ایک اہم مرکز تھی، یہاں خلافتِ عثمانیہ کی حکومت ۱۴۶۳ء میں قائم ہوئی، اور چار سو سال تک شان وشوکت اور خوش حالی کے ساتھ جاری رہی، جب خلافتِ عثمانیہ کمزور پڑنی شروع ہوئی تو یورپ کی بڑی طاقتوں، خاص طور پر برطانیہ، فرانس اور آسٹریا کی نگاہیں اس خطے پر مرکوز تھیں، یہاں بار بار یہ آوازیں اٹھائی جاتیں کہ یہاں کی عیسائی آبادی کو اس کے حقوق نہیں دیے جارہے ہیں، اس بہانے کو تقویت دینے کے لیے بعض اوقات ایسے انتہا پسندوں کو بھی تیار کیا گیا جو واقعۃً عیسائیوں کے خلاف پُرتشدد کارروائیاں کرتے، اور مذکورہ بالا یوروپی حکومتیں خلافتِ عثمانیہ کے پاس شکایتیں لے کر پہنچ جاتیں، اور اسے مجبور کرتیں کہ بلقان کی ان ریاستوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری دی جائے۔

اس سازش کی پوری تفصیلات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خود نوشت سوانح یات ''نقشِ حیات'' میں بیان فرمائی ہیں۔ خلافتِ عثمانیہ چوں کہ اس وقت کمزور پڑ چکی تھی اس لیے وہ رفتہ رفتہ انھیں خود مختاری دینے پر مجبور ہوئی، اور اگر چہ اب بھی انھیں خلافتِ عثمانیہ کے ایک اہم صوبے کی حیثیت حاصل تھی؛ لیکن اس پر مرکز کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی اور آخر کار ۱۸۷۸ء میں معاہدۂ برلن کے نتیجے میں یہ علاقہ آسٹریا، ہنگری کے کنٹرول میں آگیا۔

اس حکومت کے خلاف سرب عیسائیوں نے ایک خفیہ مہم شروع کی جس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ جب آسٹریا کے ایک ولی عہد آرچ ڈیوک فرینز فرڈی نینڈ نے بوسنیا کے شہر سرائیوو کا دورہ کیا تو ۲۸ / جون ۱۹۱۴ء کو سرب عیسائیوں کے اس گروپ نے اسے

اور اس کی بیوی کو قتل کردیا، یہ قتل ہی پہلی جنگِ عظیم کا نقطۂ آغاز بنا، اور آسٹریا، ہنگری نے سلطنتِ سربیا کو جنگ کا الٹی میٹم دے دیا، اور بڑی بڑی طاقتیں اس جنگ میں شریک ہوگئیں جس کی وجہ سے جنگِ عظیم جولائی ۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۱/ نومبر ۱۹۱۸ء تک جاری رہی، اور اس کے نتیجہ میں بوسنیا سلطنت سربیا کے تحت آ گیا، جس کا نام بعد میں یوگوسلاویہ رکھ دیا گیا۔

۱۹۲۹ء میں سلطنتِ یوگوسلاویہ قائم ہوگئی، اور بلقان کی تمام ریاستیں اس کے زیرِ نگیں آ گئیں، اس زمانے میں بھی علاقے کے لوگوں، بالخصوص مسلمانوں پر جبر وتشدد کا بدترین دور گذرا۔ دوسری جنگِ عظیم میں ہٹلر نے حملہ کرکے ۱۹۴۱ء میں یوگوسلاویہ پر قبضہ کرلیا، یہ قبضہ ۱۹۴۵ء تک جاری رہا، اور ہٹلر کی شکست کے بعد یہاں کمیونسٹوں نے ''سوشلسٹ ری پبلک آف یوگوسلاویہ'' کے نام سے اپنی حکومت قائم کرلی۔ کمیونزم کا یہ دور ۱۹۴۵ء سے ۱۹۹۲ء تک جاری رہا، اس دور میں کمیونسٹوں نے مذہب کو فنا کرنے کے لیے مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں پر بدترین مظالم ڈھائے، مسجدوں پر پابندی عائد کی گئی، دینی تعلیم ممنوع قرار پائی، دینی کتابیں گھروں میں رکھنے پر بدترین سزائیں جاری کی گئیں۔ البتہ یہاں کا حال البانیہ سے اس لیے بہتر تھا کہ یہاں تمام مسجدیں شہید نہیں کی گئیں، اور دکھانے کے لیے کچھ دینی ادارے بھی برقرار رہنے دیے گئے۔

۱۹۹۰ء تک کمیونسٹ یوگوسلاویہ کی حکومت جاری رہی، اور جب کمیونسٹ ریاستیں ناکام ہوکر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئیں تو یوگوسلاویہ کی ریاستیں بھی خودمختار بننے لگیں، بوسنیا میں اکثریت مسلمانوں کی تھی، اور اسے آزاد ریاست قرار دینے میں بہت سی رکاوٹیں ڈالی گئیں، آخرکار بوسنیا کے سربراہ علیجا عزت بیگ نے اس کی آزادی کا

اعلان کر دیا، سربیا اور کروشیا وغیرہ نے اس کی مخالفت میں سابق یوگوسلاویہ کی فوج کے ساتھ مل کر بوسنیا کے دار الحکومت سرائیوو پر حملہ کر دیا۔ ایک طرف حملہ آور سربوں کے پاس اسلحہ کا بڑا ذخیرہ تھا اور بوسنیا کے مسلمانوں کے پاس ساز وسامان کی کمی تھی، اس غیر متوازن صورتِ حال میں بوسنیا پر ایک مصیبت اقوامِ متحدہ نے یہ ڈال دی کہ اس علاقے میں اسلحہ کی سپلائی پر مکمل پابندی عائد کر دی، اس پابندی کے بارے میں بوسنیا کے ایک لیڈر حارث سلیازک (Haris Silajdzic) نے یہ جملہ کہا تھا کہ:

''اس پابندی نے صرف مظلوم کو سزا دی ہے، اور جارحیت کے اس مرتکب کی حمایت کی جس کے پاس اتنا اسلحہ تھا جسے وہ سنبھال بھی نہیں سکتا تھا''۔

اس مشکل صورتِ حال میں بوسنیا کے مسلمانوں نے بڑے صبر واستقامت کے ساتھ یہ جنگ لڑی، اور اس جنگ میں بوسنیا کے مسلمانوں کی مدد کے لیے بہت سے مسلم ممالک کے رضا کار مجاہدین اطرافِ عالم سے وہاں پہنچ گئے، ان میں مشرقِ اوسط، شمالی افریقہ، افغانستان، پاکستان، ترکی، اسپین، جرمنی وغیرہ کے مسلمان شامل تھے، جو شروع میں امدادی کارروائیوں کے لیے وہاں رہے، اور بعد میں انھوں نے بوسنیا کی فوج کے ساتھ شانہ بشانہ جنگ میں حصہ لیا، اس تین سالہ جنگ کے دوران بوسنیا کے سربراہ عزت بیگ کو امن کی کئی تجویزیں پیش کی گئیں جن میں ایک تجویز یہ تھی کہ بوسنیا کو تقسیم کر کے مسلمانوں کو دو علاقوں کے بیچ میں ایک غیر مسلم حکومت قائم کی جائے، اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے عزت بیگ مرحوم کا یہ جملہ تاریخ کا حصہ بن گیا ہے کہ:

We choose the certainty of war over the uncertainty of prace, and we will fight.

یعنی: ”ہم غیر یقینی امن کے مقابلے میں جنگ کی یقینی حالت کو اختیار کرتے ہیں، ہم لڑتے رہیں گے“۔

اور آخرکار بوسنیا ہرزگونیا کے نام سے ایک آزاد ریاست وجود میں آگئی، جب یہ لڑائی جاری تھی تو الحمدللہ! پاکستان اور اس کے عوام کی طرف سے اس میں بوسنیا کے مسلمانوں کے لیے ممکنہ امداد بھیجی گئی تھی، جس کا ذکر آگے ان شاء اللہ تعالیٰ! آئے گا؛ لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس جنگ کی تفصیلات اور اس کی نوعیت اب اس دورے میں سمجھ میں آئی۔

سرائیوو کا دورہ

سرائیوو پہنچنے کے بعد حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم اور ان کے دوساتھیوں کے علاوہ جو علی الصبح یہاں سے ہندوستان روانہ ہوگئے، اب ہمارے قافلے کے دوسرے تمام ارکان یکجا ہوچکے تھے، اس دورے کے محرک مولانا محمد حنیف صاحب نے آج کے دن (منگل ۲۶ / جون ۲۰۱۸ءکو) یہ پروگرام بنایا ہوا تھا کہ سرائیوو شہر کا دورہ کیا جائے جس میں بعض ملاقاتیں بھی شامل تھیں۔

سرائیوو (Sarajevo) بوسنیا ہرزگونیا کا دارالحکومت ہے جس کے درمیان دریائے ملجیکا (Milkeca) بہتا ہے، اور تین طرف سے الپ کے فلک بوس پہاڑ سے گھیرے ہوئے ہیں، سربوں کی فوجیں ان پہاڑوں پر قابض تھیں، اور پورا شہر ان کے نشانے پر تھا جہاں سے وہ مسلسل شہر پر گولہ باری اور فائرنگ کا سلسلہ جاری کیے ہوئے تھے، شہر کی بہت سی عمارتیں اور بے شمار انسان اس گولہ باری کی نذر ہوئے۔ دوسری طرف بوسنیا کے مسلمانوں کی فوج کم بھی تھی، اور ان کے پاس اسلحہ بھی بہت تھوڑا

تھا، اس اسلحہ کے ذریعے پہاڑوں پر بیٹھی ہوئی فوج کا مقابلہ کرنا انتہائی مشکل تھا۔ دوسری طرف ان کو باہر سے اسلحہ ہی نہیں، کھانے پینے کی چیزوں کی سپلائی بھی اس لیے بند تھی کہ سپلائی کے راستوں پر یا تو دشمن کا قبضہ تھا، یا اقوامِ متحدہ کی فوجیں حائل تھیں، یہاں آکر ہی صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ جنگ کے دوران بوسنیا کے مسلمان کن صبر آزما حالات سے گذرے ہیں۔

ہم سب سے پہلے شہر کی قدیم ترین مسجد میں گئے جو سلطان محمد فاتح ثانی نے ۱۴۶۲ء میں بنائی تھی، اوراب ''شاہی مسجد'' (Emperors Mosque) کہلاتی ہے۔ یہاں شیخ صدر الدین نے ہمارا استقبال کیا جو اس مسجد کے امام اور اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے فارغ التحصیل ہیں، انھوں نے ہمیں بوسنیا کی جنگ کی تفصیلات بتائیں، اور ساتھ یہ کہا کہ: اگرچہ اس جنگ میں دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے؛ لیکن آخر کار اس لحاظ سے مسلمانوں کے لیے ایک رحمت ثابت ہوئی کہ مسلمانوں پر دین کی جو گرفت پچھلے دور میں کمزور پڑ چکی تھی، اس جنگ نے ان کے اندر ایک نئی روح پھونک دی، اوراب رفتہ رفتہ یہاں کے دینی حالات بہت بہتر ہو رہے ہیں۔

سرائیوو کے قدیم شہر میں ایک یونیورسٹی ہے جس میں اسلامی علوم کا ایک مضبوط شعبہ ہے، اس کے سربراہ پروفیسر احمد ہیں جنھوں نے میری انگریزی کتاب ''انٹروڈکشن ٹو اسلامک فائنانس'' کا بوسنیا کی زبان میں ترجمہ شائع کیا ہے، انھوں نے دعوت دی تھی کہ ہم ان کی یونیورسٹی کا دورہ کریں، چناں چہ اس یونیورسٹی میں انھوں نے ہماری بڑی محبت سے استقبال کیا، اور میری کتاب کے بوسنین ترجمے کے متعدد نسخے ہمیں تحفے میں دیے، اور کہا کہ: الحمدللہ! یہ کتاب یہاں کافی مقبول ہوئی ہے۔

پھر انھوں نے بتایا کہ: صرف پرانے شہر میں اسّی مساجد ہیں جو خلافتِ عثمانیہ کے وقت سے چلی آتی ہیں، اسلامی علوم کا یہ شعبہ ۱۸۸۴ء میں قائم ہوا تھا جب یہاں آسٹریا کی حکومت تھی اور اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ یہاں مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے قاضیوں کی تربیت کی جائے۔ یہ تربیت ۱۹۴۵ء تک جاری رہی، اور یہاں سے نکلنے والے قاضی شرعی عدالتوں میں شرعی فیصلے کرتے رہے؛ لیکن ۱۹۴۶ء سے ۱۹۷۱ء تک کمیونسٹ دور میں اس کو بند کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۷۱ء میں دین پر پابندیوں میں کچھ کمی آئی، جس کے بعد اس فیکلٹی نے دوبارہ کام کرنا شروع کیا۔ اب اس کے تحت چھ مدرسے چل رہے ہیں جن میں دو ہزار طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان میں سے ۱۵۰۰ حضرات مساجد میں امام مقرر ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ: ہماری فیکلٹی اب یونیورسٹی آف سرائیوو کا ایک حصہ ہے، اور الحمد للہ! اب یہاں کے حالات بہت بہتر ہیں، ملک میں تمام دینی کام ایک تنظیم کے تحت انجام پاتے ہیں جو مشیخہ کہلاتی ہے اور مختلف مقامات پر مفتیوں کا تقرر بھی یہی تنظیم کرتی ہے۔

پروفیسر احمد نے کہا کہ: بوسنیا کی زبان میں دینی کتابوں کی کمی ہے اور ہم سے مشورہ کیا کہ: مزید کن کتابوں کا ترجمہ یہاں کے لیے مفید ہوگا؟ میں نے انھیں چند کتابوں کے نام بتائے، اور انھوں نے شروع میں میری کتاب ’’آسان نیکیاں‘‘ کا ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔

یونیورسٹی سے نکلنے کے بعد ہم نے نمازِ مغرب یہاں کی ایک اور قدیم مسجد غازی خسرو بیگ میں ادا کی جو ۱۵۳۱ء میں تعمیر ہوئی تھی، غازی خسرو بیگ خلافتِ عثمانیہ

کی طرف سے یہاں گورنر بن کر آئے تھے، اور انھوں نے یہاں ایک عالی شان مسجد، مدرسہ، کتب خانہ اور مہمان خانہ قائم کیا تھا، اس مسجد کے اطراف میں پرانے طرز کا ایک بارونق بازار ہے جس میں پچاس دکانیں ہیں، یہ ساری دکانیں غازی خسرو بیگ رحمۃ اللہ علیہ نے وقف کر کے ان کے کرائے کی آمدنی اسلامی مقاصد کے لیے مختص کر دی تھی، کمیونسٹ دور میں یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا تھا، اب ایک قانون کے ذریعے ان اوقاف کو بحال کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

بوسنیا کی جنگ کے دوران اس عالی شان مسجد پر مختلف اوقات میں تقریباً سو گولے داغے گئے جس سے مسجد کو بہت نقصان پہنچا تھا، ۲۰۰۰ء میں اس کی بڑی پیمانے پر مرمت اور بحالی کا کام ہوا جس کے نتیجے میں اب وہ اپنے پرانے شکوہ کے ساتھ نمایاں نظر آتی ہے، غازی خسرو بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مزار بھی مسجد کے متصل واقع ہے، ہم نے اس عظیم مجاہد کی قبر پر سلام عرض کیا اور ان کے لیے ایصالِ ثواب کیا۔

اگلے دن مولانا حنیف صاحب نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ ہم سب بوسنیا کے ایک قصبے سرے برینکا (Srebrenica) جائیں، یہ قصبہ اس لحاظ سے ایک منفرد قصبہ ہے کہ اس میں بوسنیا کی جنگ کے دوران آٹھ ہزار مسلمانوں کا اس بری طرح قتلِ عام ہوا تھا کہ وہاں اب تمام تر بیواؤں اور یتیموں کی آبادی ہے، یہاں کے دورے کا مقصد ان کی ضروریات جاننا اور ان کو مدد پہنچانا تھا؛ لیکن لوگوں نے بتایا کہ: یہ قصبہ یہاں سے کم از کم چار گھنٹے کی مسافت پر ہے، اور سڑک بھی خراب ہے۔ میں پہلے ہی لمبے سفر سے بہت تھکا ہوا تھا؛ اس لیے رفقا نے مشورہ دیا کہ میں وہاں نہ جاؤں، اور جو حضرات جارہے ہیں انہی سے وہاں کے حالات معلوم ہوجائیں گے اور ان ہی

کے ذریعے کچھ امدادی رقم بھی بھیجی جاسکے گی۔

چناں چہ میں اور میرے رفقا جو مقدونیہ سے میرے ساتھ تھے، وہاں خود نہیں گئے، اور مولانا حنیف صاحب کی قیادت میں ایک بس وہاں کے لیے روانہ ہوگئی، جو حضرات وہاں گئے انھوں نے رات کو واپس آکر بڑے دردناک حالات بیان کیے، ان کی ملاقات ایک ایسے نوجوان سے ہوئی جو اس قتلِ عام کے زمانے میں کسی طرح پہاڑوں پر جابسا تھا، اور دو مہینے اس نے پہاڑوں کے اُگے ہوئے پودوں پر گذارا کیا، وہاں کی آبادی کے بیشتر مرد سربوں کی اس سفاکی کا شکار ہوئے جسے اقوامِ متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے تاریخ کا بدترین قتلِ عام قرار دیا تھا، وہاں چوں کہ بڑی تعداد بیواؤں اور یتیموں کی ہے؛ اس لیے مولانا حنیف صاحب اور ان کے رفقا نے وہاں منظم امداد فراہم کرنے کے لیے کچھ مقامی حضرات کو اعتماد میں لیا، اور ان سے مستقل رابطہ رکھنے کا انتظام کیا۔

امید کی سرنگ

جب یہ حضرات سرے برنیکا (Srebrenica) روانہ ہوگئے، تو ہم اور ہمارے رفقا بوسنیا کی جنگ میں مسلمانوں کا ایک عجوبۂ روزگار کارنامہ دیکھنے کے لیے گئے، یہ ایک سرنگ ہے جسے اب ''امید کی سرنگ'' (Tunnel of Hope) کہا جاتا ہے، جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، سرائیوو شہر اونچے اونچے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے جن پر سرب فوج قابض ہوکر مسلسل گولہ باری کر رہی تھی، دوسری طرف ائیر پورٹ پر اقوامِ متحدہ کی فوج تعینات تھی جس نے اس علاقے میں اسلحہ کی سپلائی پر وہ پابندی لگائی ہوئی تھی جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے؛ لہٰذا سرائیوو میں اسلحہ تو درکنار، کھانے پینے کی

چیزیں بھی باہر سے آنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، لوگ فاقہ کشی کا شکار تھے، ہسپتالوں میں دوائیں اور علاج کے آلات ختم ہو چکے تھے، مجھے ایک بزرگ نے بتایا کہ: ایک مرتبہ جنگ کے دوران میری ٹانگ میں گولی لگی جس سے خون بری طرح بہ رہا تھا، میں ہسپتال پہنچا تو وہاں متعلقہ آلات نہیں تھے جن سے علاج کیا جاتا، میں نے ان سے کہا کہ: اس جگہ عام قسم کی پٹی باندھ دو، پھر میں وہ پٹی بندھوا کر پھر جنگ میں شریک ہو گیا۔

ان مشکل حالات میں بوسنیا کے مسلمانوں نے سپلائی بحال کرنے کے لیے ایک خفیہ سرنگ کھودی جو آٹھ سو میٹر لمبی، ایک میٹر چوڑی اور ایک اعشاریہ چھ میٹر اونچی تھی، اور ایسے علاقے میں نکلتی تھی جہاں سے سپلائی ممکن تھی، اس سرنگ کا کچھ حصہ یادگار کے طور پر اب بھی محفوظ رکھا گیا ہے جس میں ہم نے داخل ہو کر دیکھا، تو یہ اتنی تنگ سرنگ ہے کہ اس میں انسان جھک جھک کر چل سکتا ہے، پوری قوم اس سرنگ کے کھودنے میں شریک تھی، اور بہت سے مرد اور خواتین ہمیں وہ ملے جو اس کی کھدائی میں شریک تھے، یہ سرنگ چار مہینے (مارچ تا جون ۱۹۹۳ء) میں مکمل ہوئی جس کے نتیجے میں سپلائی بھی بحال ہوئی، اور اس راستے سے افرادی قوت بھی مہیا ہوئی۔

یہاں کے تمام لوگوں کو ہم نے پاکستان کا شکر گزار پایا، ان کا کہنا تھا کہ ان صبر آزما حالات میں ہمیں سب سے بڑی مدد پاکستان سے ملی جس نے ہمیں اسلحہ اور دوسری ضروریات فراہم کیں، ہمارے گائیڈ ہارون ہوجا، جو سرنگ کی کھدائی میں شریک تھے، انھوں نے ہمیں بتایا کہ: سربوں نے سرائیوو کا محاصرہ تین سال جاری رکھا، اور اس دوران روزانہ کی بنیاد پر تقریباً تین سو گولے شہر پر برسائے جاتے تھے، شہر کی کوئی کھڑکی ایسی نہ تھی جو سلامت رہی ہو، ساڑھے گیارہ ہزار افراد اس جنگ میں شہید

ہوئے، اور تقریباً چھپن ہزار افراد زخمی ہوئے؛ لیکن اس سرنگ کے ذریعے ہم نے اسلحہ اور گولہ بارود ہی نہیں، گیس اور بجلی فراہم کرنے کا بھی انتظام کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سرنگ بوسنیا کے مسلمانوں کے صبر و استقلال، ہمت وشجاعت اور پامردی کا ایک شاہکار ہے جس کی نظیر کہیں اور ملنا مشکل ہے۔

یہاں سے ہم سرائیوو شہر کے باہر پہاڑوں اور جھیلوں کا ایک ایسا منظر دیکھنے گئے جو قدرتی نظاروں میں اپنی مثال آپ ہے، اگمان نامی پہاڑ کے دامن میں پانچ جھیلیں الگ الگ نکل رہی ہیں جو کہیں ملتی اور کہیں جدا ہو جاتی ہیں، اور ان کے درمیان چھوٹے چھوٹے آبشار گرتے نظر آتے ہیں، اس علاقے کو ایک وسیع وعریض پارک کی شکل دے دی گئی ہے جس میں ہر قدم پر ایک نیا منظر دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔

بوسنیا چوں کہ سالہا سال علم وفضل کا مرکز رہا ہے؛ اس لیے یہاں ایک نہایت قیمتی کتب خانہ مشہور ہے جس میں مطبوعات اور مخطوطات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ مذکورہ بالا پارک کی سیر کے بعد ہم اس کتب خانے میں پہنچے جو غازی خسرو بیگ لائبریری کے نام سے موسوم ہے۔ لائبریری کے سربراہ ڈاکٹر مصطفی نے ہمیں بتایا کہ: اس میں عربی، فارسی، ترکی اور بوسنین زبان کے دس ہزار مخطوطات موجود ہیں، اور کل کتابوں کی تعداد بیس ہزار ہے، اس کتب خانے کی فہرست اٹھارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اس میں بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو بروکلمان کی فہرستوں میں بھی موجود نہیں ہے۔ انھوں نے اس فہرست کی سی ڈی ہمیں دی، اور کہا کہ: ان میں سے جس مخطوطے کو آپ چاہیں ای میل کے ذریعے منگوا سکتے ہیں؛ کیوں کہ تمام مخطوطات کو اسکین کر لیا گیا ہے، انھوں نے ہمیں بتایا کہ: جنگ کے دوران ان کاتبوں کی حفاظت ہمارا سب سے

بڑا مسئلہ تھا، ہم نے تمام کتابوں اور مخطوطات کو کیلے کے چھلکوں میں چھپا کر صندوق بنا لیے تھے، اور جنگ کے دوران آٹھ مختلف جگہوں پر انھیں زمین دوز تہ خانوں میں منتقل کرتے رہے، اگرچہ سٹی ہال کے کتب خانے میں تقریباً بیس لاکھ کتابیں جل گئیں؛ لیکن غازی خسرو بیگ لائبریری کی کتابیں اس طرح محفوظ رہ گئیں۔

مغرب کی نماز ہم نے شاہ فہد مسجد میں ادا کی جو سعودی عرب نے ۲۰۰۰ء میں تعمیر کرائی ہے، اور اس وقت سرائیوو کی سب سے بڑی مسجد ہے۔

ہم واپس ہوٹل پہنچے تو وہاں بوسنیا کے ایک معروف اسکالر ڈاکٹر صفوت ہمارے منتظر تھے، یہ ازہر کے فارغ التحصیل ہیں، اور متعدد کتابوں کے مصنف اور اس علاقے میں ''**الاتحاد العالمي لعلماء المسلمين**'' کے سربراہ ہیں، انھوں نے کہا کہ: بوسنیا کو سلطان محمد فاتح نے استنبول کی فتح کے صرف آٹھ سال بعد فتح کیا تھا، اور یہاں صدیوں علم وفضل کا چرچا رہا، اور ۱۹۹۲ء کی جنگ اس علاقے میں اسلام کی بقا کی جنگ تھی جس کے نتیجے میں الحمد للہ تعالیٰ! یہاں سے اسلام اور مسلمانوں کو فنا کرنے کا منصوبہ ناکام ہوا، انھوں نے بتایا کہ: آزادی کے بعد ہمیں یہاں دو بڑے مسئلوں کا سامنا ہے، ایک تو برطانوی سفارت خانے کی مدد سے یہاں قادیانیوں نے اپنی تبلیغ کا کام شروع کیا ہوا ہے، اور جو مسلمان ان کی حقیقت سے ناواقف ہیں وہ انھیں بے ضرر سمجھ کر ان کے ساتھ لگ رہے ہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان سالہا سال سے حنفی مذہب کے پیرو ہیں، اس وقت سب سے بڑا مسئلہ نوجوانوں کو دین کی بنیادوں سے باخبر کرنا ہے؛ لیکن کچھ لوگ سلفیت کے نام پر یہاں ایسی بحثیں شروع کر دیتے ہیں جنھوں نے نوجوانوں کو سخت ذہنی کشمکش کا شکار بنایا ہوا ہے۔

اگلے دن صبح ہم پہلے بوسنیا کے قومی عجائب گھر (میوزیم) دیکھنے گئے جو ۱۹۱۴ء میں قائم ہوا تھا، اور اس میں پتھر کے زمانے سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے اختتام تک کی یادگاریں جمع ہیں، اس میوزیم کے معائنے میں ہماری رہنمائی دو صاحبان نے کی، ایک جناب سیاد جو بوسنیا کے باشندے ہیں، اور انھوں نے برطانیہ میں تعلیم حاصل کی ہے، اور دوسرے ایک قومی ہیرو جناب فؤاد جو بوسنیا کے صدر جناب علیجا عزت بیگ مرحوم کے دوست رہے ہیں اور جنھوں نے بڑی بہادری اور جاں نثاری کے ساتھ بوسنیا کی جنگ میں حصہ لیا تھا، انھوں نے بار بار ذکر کیا کہ: پاکستان اور اس کے عوام نے اس جنگ میں ہماری کتنی مدد کی۔ خلافتِ عثمانیہ کے دور کی زندگی اور ثقافت کے مظاہرے کے لیے کئی ہال مخصوص ہیں جن میں دکھایا گیا ہے کہ خلافت کے دور میں کونسی شاندار ایجادات ہوئیں ان کا طرزِ معاشرت کیسا تھا، خواتین کس طرح پردے میں رہتی تھیں، اور شادی بیاہ کے طور طریقے کیا تھے۔

اسی دن ظہر کے بعد ہمیں بوسنیا کے سابق مفتیٔ اعظم جناب مصطفیٰ سیرک نے اپنے گھر پر دعوت دی تھی، چناں چہ ان کے مکان پر پہنچے، اور انھوں نے مجھے یاد دلایا کہ مختلف مقامات پر ان سے میری ملاقات ہوتی رہی ہے، ان کے ساتھ کافی دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، اور انھوں نے پہلی بار یہ انکشاف کیا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب مرحوم جو ایوب خان صاحب کے دور میں پاکستان کے ادارۂ تحقیقات کے ڈائرکٹر تھے، اور ان کے تحریف آمیز نظریات کی بنا پر علمائے پاکستان نے ان کی مخالفت کی، اور ان کے خلاف مہم چلائی، انھوں نے اپنی عمر کے آخری دور میں اپنے ان نظریات سے رجوع کرلیا تھا، خدا کرے کہ یہ بات صحیح ہو۔

میرے بوسنیا آنے کی خبر معلوم کر کے سرائیوو کے مختلف اداروں کی طرف سے دعوتیں ملی تھیں کہ اپنے رفقا کے ساتھ ان کے یہاں جاؤں؛ لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے سب کی دعوت قبول کرنا مشکل تھا؛ اس لیے مولانا حنیف صاحب نے آج مغرب کے بعد ایک عمومی اجتماع ہمارے ہوٹل ہی میں رکھ لیا تھا؛ تاکہ ان سب سے یکجا ملاقات بھی ہوجائے، چناں چہ مغرب کے بعد یہ اجتماع ہوا جس میں بوسنیا اور سربیا کے معززین نے بڑی تعداد میں شرکت کی جس میں مساجد کے ائمہ، تاجر حضرات، سرکاری اداروں کے نمائندے اور یونیورسٹی کے طلبہ اور اساتذہ شامل تھے، بعض حضرات سربیا سے پانچ گھنٹے کا سفر طے کر کے یہاں پہنچے تھے۔

اس کانفرنس میں تلاوتِ کلام پاک کے بعد مولانا حنیف صاحب نے اپنی تنظیم مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ کا تعارف کراتے ہوئے انگریزی میں بڑی اثر انگیز تقریر کی اور بتایا کہ: کس طرح انھیں بلقان کی ریاستوں میں کام کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، اور بوسنیا کے مہاجرین کس حالت میں بلیک برن آئے تھے، اور صدر بوسنیا جناب علیجا عزت بیگ صاحب مرحوم سے ان کی کس طرح ملاقات ہوئی تھی، انھوں نے بتایا کہ: ان کی تنظیم نے پہلے البانیہ میں کام کا آغاز کیا، پھر اسے مقدونیہ تک وسیع کیا گیا، اور اب ہم اس کام کو بوسنیا میں آگے بڑھانے اور ضروریات کا جائزہ لینے کے لیے یہاں آئے ہیں۔

ان کے بعد مجھ سے عربی میں خطاب کی فرمائش کی گئی، میں نے شروع میں بتایا کہ: بلقان کے ساتھ ہمارے اکابرِ دیوبند کا کتنا گہرا اور جذباتی تعلق تھا، پہلی جنگِ عظیم کے موقع پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح جنگِ بلقان کو مدد پہنچانے کی کوشش کی، یہاں تک کہ ہندوستان کی مسلمان خواتین نے اپنے اپنے زیور بلقان کی

جنگ میں تعاون کے لیے نچھاور کیے، اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان سے امدادی دستے بلقان روانہ فرمائے جس کے واقعات ہم نے اپنے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے سنے؛ اس لیے ہم اپنے بچپن ہی سے بلقان کے نام سے نہ صرف آشنا تھے؛ بلکہ اس کی محبت دل میں پیوست تھی۔

آج الحمد للہ تعالیٰ! ہمیں یہاں براہِ راست آنے کا موقع ایسے وقت ملا ہے جب بوسنیا کے مسلمان ایک خونریز جنگ میں فتحیاب ہوکر یہاں اپنی حکومت قائم کر چکے ہیں، اس کے بعد میں نے اس بات پر اہلِ بوسنیا کو مبارک باد دی کہ انھوں نے جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد یہاں اسلام کے احیا کا کام شروع کیا ہوا ہے، اور ان کی حکومت قائم ہونے کے بعد یہاں بڑی تعداد میں مسجدیں قائم ہوئی ہیں؛ لیکن چوں کہ اس علاقے پر جبر واستبداد کا ایک لمبا عرصہ گذرا ہے؛ اس لیے نوجوان نسلوں کے دین کی حفاظت اور ان کی دینی تربیت اب بھی ایک بڑا اہم مسئلہ ہے جسے بڑی حکمت، تدبر اور علما اور دانش وروں کے باہمی اتحاد کے ذریعے ہی حل کیا جا سکتا ہے۔

میں نے یہاں کی مساجد میں دیکھا کہ تقریباً ہر مسجد میں داخلے کی جگہ پر نماز کا مفصل طریقہ، یہاں تک کہ سورۂ فاتحہ وغیرہ بھی عربی کے علاوہ بوسنین رسم الخط میں لکھی ہوئی ہوتی ہے؛ تاکہ نوجوان اسے دیکھ کر نماز پڑھ سکیں۔

میں نے تجویز پیش کی کہ ہر مسجد میں عام مسلمانوں کی آگاہی کے لیے ایسے دروس کا سلسلہ باقاعدگی کے ساتھ شروع کرنے کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کو بنیادی دینی احکام سے روشناس کرا سکیں۔ نیز عام مسلمانوں کے لیے بوسنیا کی زبان میں ایسے عام فہم کتابچے تیار کیے جائیں جو مسلمان اپنے گھروں میں پورے خاندان کے ساتھ

رات کو سونے سے پہلے پڑھا کریں۔

تقریر کے بعد سوال وجواب کی ایک طویل نشست ہوئی جس میں حاضرین نے عربی یا انگریزی میں مختلف مسائل کے بارے میں سوالات کیے، اور میں نے ان کے مفصل جوابات دینے کی کوشش کی، کانفرنس کے بعد سب عشائیہ میں شریک ہوئے، اور اس کے دوران بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، رات گئے اس نشست کا اختتام ہوا۔

اگلا دن جمعہ تھا جو ہماری واپسی کا دن تھا، سرائیوو سے قطر ایرلائنز کے ذریعہ دوحہ، اور وہاں سے بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت کراچی واپسی ہوئی۔

پانچ دن بوسنیا میں شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ

از: فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد ابن شیخ الحدیث آدم مانیکپوری دامت برکاتہم العالیہ (جامع مسجد لیسٹر)

بوسنیا جانے کی دو وجہیں:

① بوسنیا جانے کی پہلے سے بہت دلی خواہش تھی، خاص طور پر جب بوسنین کی جنگ (war) ہوئی تو اور شوق بڑھا کہ وہاں سفر کیا جائے اور اس کی تاریخ معلوم کی جائے۔

② مجھے معلوم ہوا کہ مولانا حنیف صاحب اپنی جماعت (MWI) کے ساتھ بوسنیا کا سفر کر رہے ہیں اور ان میں حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ بھی ہیں تو اور زیادہ اشتیاق ہوا کہ بوسنیا کا سفر کیا جائے؛ تاکہ حضرت شیخ الاسلام کے صحبت اور معیت میں کچھ وقت گزرے۔

بوسنیا کی مختصر تاریخ

بوسنیا ساؤتھ ایسٹ یورپ میں واقع ہے، سرائیوو (Sarajevo) اس کا کیپیٹل ہے جو سب سے بڑا شہر بھی ہے۔ اس کے حدود پر کروشیا (Croatia)، سربیا (Serbia) ہے، مونٹی نیگرو (Montenegro) ہے۔ یہ ملک پہلے رومن امپائر کے تحت تھے، پھر خلافتِ عثمانیہ کا دور آیا، تقریباً چار صدی تک خلافتِ عثمانیہ کی حکومت

رہی ، خلافتِ عثمانیہ ہی کی بدولت یہاں اسلام آیا، خلافتِ عثمانیہ میں بہت ترقی ہوئی ، بہت سارے شہر آباد ہوئے، جیسے موسٹار (Mostar) وغیرہ وغیرہ، پھر کمیونزم کا دور آیا، اس دور میں مسلمانوں پر بہت سے مظالم ڈھائے گئے، نماز وغیرہ پر پابندی لگ گئی، اسلام پر عمل کرنا ایک جرم بن گیا، پھر کمیونزم کا دور ختم ہوا، ۱۹۹۲ء میں بوسنیا میں آزادی کا اعلان کر دیا گیا، پھر بوسنین مسلمان اور سربیوں کے درمیان لڑائی ہوئی ، بوسنیا کے مسلمانوں پر سربیوں نے بہت سے مظالم ڈھائے، عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا، تقریباً آٹھ ہزار مسلمان شہید ہو گئے، جولائی ۱۹۹۵ء میں یہ لڑائی ختم ہوئی، پھر سے یہ ملک ازسرِ نو تعمیر ہو رہا ہے۔

پہلا دن ۲۵/جون ۲۰۱۸ء بروز پیر

استنبول ہوتے ہوئے فلائٹ سے تقریباً صبح ۱۰ بجے سرائیوو پہونچا، استنبول کے ائیر پورٹ پر دیکھا کہ بہت سے غلف (Gulf) کے حضرات بوسنیا جا رہے تھے؛ گویا کہ بوسنیا سیر وتفریح کی جگہ بن چکی ہے، MWI کے کچھ ساتھی ائیر پورٹ پر لینے آئے ہوئے تھے، ان کے ساتھ ہوٹل پہنچا، دوپہر کھانے کے وقت حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر علمائے کرام سے ملاقات ہوئی، کھانے کے بعد موسٹار جانا طے ہوا؛ چوں کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ہمارے ساتھ نہیں تھے، وہ مونٹی نیگرو سے آ رہے تھے تو یہ طے ہوا کہ ہم موسٹار چلے جائیں وہاں ان کی ملاقات بھی ہو جائے گی اور موسٹار کی زیارت بھی ہو جائے گی؛ لہذا ہمارا پورا گروپ موسٹار کے لیے روانہ ہوا، راستے میں سرسبز وشاداب اور خوب صورت مناظر

دیکھے، اسی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام سے بہت سی مرتبہ سنا کہ: بوسنیا دنیا کی جنت ہے۔

موستار کی زیارت

موستار ایک بہت پرانا شہر ہے، جو نریٹیوا ندی (Neretva River) کے پاس واقع ہے، اس شہر میں پچاس فی صد مسلمان آباد ہیں، اور پچاس فی صد عیسائی آباد ہیں، موسٹار میں شیخ جواد بہت ذی علم اور بہت ذی استعداد عالم ہیں، اور شام میں میرے رفیقِ درس رہ چکے تھے، ان سے ملاقات کی؛ چوں کہ ان کو وہاں کی کافی معلومات تھی، لہذا ان کی معیت میں ہمارا پورا گروپ موسٹار دیکھنے کو نکلا۔

ایک پرانی خانقاہ کی زیارت

سب سے پہلے ہم نے ایک پرانی خانقاہ کی زیارت کی، جو موستار کے بالکل باہر ایک گاؤں میں واقع ہے، جس کا نام بلاگاج ولیج (Blagaj Village) ہے، یہ خانقاہ تقریباً ۶۰۰ سال پرانی ہے، عثمانیوں نے یہ خانقاہ بنائی تھی؛ تاکہ ذکر کے ذریعے سکون حاصل ہو، اور جگہ جگہ بورڈ پر ''ھو، ھو، ھو'' لکھا ہوا تھا جس سے وہ ذکر کرتے تھے، اس کے پاس بونا ندی (Buna River) کا بڑا چشمہ ہے، جس کی وجہ سے ایک خوب صورت منظر معلوم ہوتا ہے۔

پرانا برج (Stari Most) کی زیارت

سولھویں (۱۶) صدی میں عثمانیوں نے اس پرانے پل (Old Brigde) کو بنایا تھا، ۴۲۷ سال تک یہ پل رہا، ۱۹۹۳ء میں بوسنین وور میں (War) یہ پل

ٹوٹ گیا تھا، ۲۰۰۴ء میں اس کی دوبارہ تعمیر کی گئی۔

محمد پاشا مسجد کی زیارت

اس مسجد کو بھی عثمانیوں نے بنایا تھا، یہاں کے مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ: جنگ کے زمانے میں دوسربیوں نے بم کے ذریعہ اس مسجد کو شہید کردیا تھا، اس کے بعد دوبارہ تعمیر کی گئی، اس کے بعد ہم نے سلطان سلیمان مسجد میں نماز پڑھی، یہ مسجد بھی خلافتِ عثمانیہ کے دور کی ہے، مغرب کی نماز پڑھ کر تقریباً دوڈھائی گھنٹے کا سفر کرکے اپنے مقام پر واپس آئے۔

دوسرا دن ۲۶/جون ۲۰۱۸ء بروز منگل

سرائیوو (Sarajevo) کی زیارت

سرائیوواصل میں ''سرے'' سے بنا ہے، ترکی زبان میں اس کا مطلب پیلیس (Palace) ہوتا ہے، خلافتِ عثمانیہ میں سرائیوو کا نام ''سرائے بوسنہ'' تھا، ۱۵ صدی میں عثمانیوں نے اس کو آباد کیا تھا، یہ شہران کے لیے ایک خاص جگہ کی حیثیت رکھتا تھا، اس کا پہلا گورنر ''عیسا بیگ'' تھا، اس نے چھوٹے چھوٹے گاؤں ملاکر ایک بڑا شہر بنادیا، بہت سی چیزیں تعمیر کرائیں، جیسے مساجد، مدارس، مارکیٹ پیلیس، ہاسٹل وغیرہ وغیرہ۔

اس کا دوسرا گورنر ''غازی خسرو بیگ'' تھا، اس کے زمانے میں بہت ترقی ہوئی، مساجد، مدارس کافی تعمیر ہوئی، ۱۶ صدی تک تقریبا ۱۰۰ مساجد بن چکی تھیں، خلافتِ عثمانیہ کے دور میں استنبول کے بعد ''سرائیوو'' دوسرا بڑا شہر سمجھا جاتا تھا؛ لیکن پہلی

عالمی جنگ کے بعد تنزلی شروع ہوئی، بوسنین وور (War) میں بہت ساری عمارتیں ٹوٹ گئیں، اب اس کی تعمیر ہو رہی ہے، نئی تعمیر کے بعد بیسٹ سٹی (Best City) کہا جاتا ہے، اور ٹوپ ٹین ویزٹ (Top Ten Visit) کی فہرست میں اس کا نام بھی آچکا ہے۔

سرائیو مقبرہ کی زیارت

پہلے ہم ایک پہاڑ پر گئے، جہاں سے پورا قبرستان؛ بلکہ پورا شہر نظر آتا ہے، پھر ہم قبرستان میں آئے تو قبروں کے پتھر پر جو لکھا ہوا تھا اس سے معلوم ہوا کہ اکثر قبریں ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۴ء کی ہیں، یعنی اکثر قبریں بوسنین وور میں جو لوگ شہید ہوئے تھے ان کی تھیں، قبروں کے پتھر پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت لکھی ہوئی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل (یعنی شہید) کیے جائیں ان کو تم (عام مُردوں کی طرح) مرے ہوئے مت کہو؛ بلکہ وہ تو سب زندہ ہیں؛ لیکن تم کو (ان کی زندگی کا) احساس نہیں ہے۔

آج یہ قبرستان جنگی یادگار ہے، ایصالِ ثواب کر کے ہم لوگ وہاں سے ہوٹل آ گئے۔

سرائیو کے پرانے علاقے کی زیارت

یہ پرانہ علاقہ دمشق، قاہرہ، مراکش کی طرح لگتا ہے، یہاں ہم نے سب سے پہلے ایک مسجد کی زیارت کی، جس کا نام ''سلطان محمد فاتح مسجد'' ہیں، ۱۴۶۰ء میں یہ مسجد

بنائی گئی تھی، عثمانی حکومت کے پہلے گورنر نے اس کی تعمیر کروائی تھی؛ چونکہ سلطان محمد فاتح اس کی زیارت کے لیے آئے تھے؛ اس لیے اس کا نام ''سلطان محمد فاتح'' رکھا۔

اس کے بعد ہم نے امام صدرالدین صاحب سے ملاقات کی جو اسلام آباد یونیورسٹی سے پڑھے ہوئے تھے۔

پھر ہم ان کے ساتھ ''كلية دراسة علوم الاسلامية'' گئے، جو وہاں سے بالکل قریب تھی، ہم نے وہاں ''ڈاکٹر احمد البسیج'' جو اس کے پرنسپل تھے ان سے ملاقات کی، ماشاءاللہ! انھوں نے خوشی ظاہر کی، انھوں نے اس کالیج کی تاریخ بتلاتے ہوئے کہا کہ: بہت پہلے سے قائم ہے؛ مگر ۱۹۹۷ء میں اس کا دوبارہ افتتاح ہوا، یہاں بوسنین زبان میں ایم۔اے۔ (M.A.) اور بی۔اے۔ (B.A.) کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہ کالیج حکومت کے تحت چلتی ہے۔

غازی خسرو بیگ مسجد کی زیارت

اس کے بعد ہم غازی خسرو بیگ مسجد میں گئے، یہ مسجد ۱۶ صدی میں بنائی گئی تھی، بہت خوب صورت مسجد ہے، خاص طور پر اس کا وضوخانہ، بوسنین وور میں اس مسجد پر بہت سے بم گرائے گئے تھے، اس کے بعد اس کی دوبارہ تعمیر کی گئی، ہم نے اس میں مغرب کی نماز پڑھی، نماز کے بعد غازی خسرو بیگ کی قبر پر گئے، جو وہاں سے قریب پر واقع تھی، فاتحہ خوانی کر کے ہم اپنے مقام پر واپس آ گئے۔

تیسرا دن ۲۷ جون ۲۰۱۸ء بدھ

پھر تیسرے دن ہم تین جگہوں پر گئے: پہلی جگہ Tunnel Of Hope

یعنی امید کی سرنگ، یہ ایک عجیب وغریب دیکھنے کے لائق سرنگ ہے، یہ سرنگ بوسنین آرمی نے ایئر پورٹ کے نیچے بنائی تھی، اور اس کے ذریعے سربیوں کے علاقے کو پورا الگ کردیا تھا، اس سے لوگ آتے تھے اور دوسرے ملکوں سے کھانا، ہتھیار وغیرہ چیزیں آتی تھیں، یہ بالکل ایک عجوبہ ہے، خود مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم بہت حیرت میں پڑ گئے تھے۔

دوسری جگہ جو ہم نے دیکھی وہ تھی ''Spring of River Bosna''، اس میں بہت خوب صورت چشمے ہیں، جس میں ماشاء اللہ! صاف شفاف پانی بھی ہے، نیچے کا حصہ صاف نظر آرہا تھا، ہم نے وہ پانی بھی پیا۔

اس کے بعد تیسری جگہ ہم نے دیکھی ''غازی خسرو بیگ لائبریری''، لائبریری کے ایک ذمے دار نے اس کی تفصیل بتائی، اور ایک سی ڈی بھی دی جس میں لائبریری میں موجود بہت سارے نادر مخطوطات کی فہرست بھی تھی، خاص طور پر بوسنین مؤلفین کے مخطوطات، اور اسی طرح اردو، عربی، فارسی اور ترکی وغیرہ کے بھی مخطوطات تھے، ان میں سب سے پرانا جو مخطوطہ تھا وہ امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کا تھا۔

اس کے بعد ہم نے مغرب کی نماز ایک نئی مسجد میں پڑھی جس کا نام ''کنگ فہد مسجد'' تھا۔

پھر ہم ہوٹل پر آگئے اور حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کی بعض مقامی علما کے ساتھ ایک علمی مجلس ہوئی جس میں ڈاکٹر صفوت اظہری اور شیخ جواد بھی شامل تھے۔

آخری دن ۲۸ / جون ۲۰۱۸ء جمعرات

جمعرات کو سب سے پہلے ہم نے وہاں کا نیشنل میوزیم دیکھا، یہ میوزیم بہت پرانا ہے، اور اس میں مختلف شعبے ہیں، اس میں سے بہت ساری چیزوں کو تو ہم نے نہیں دیکھا، ہاں البتہ! جو چیزیں عہدِ عثمانی کی تھیں وہ ہم نے دیکھی۔

اس کے بعد بوسنیا کے سابق مفتی ڈاکٹر مصطفیٰ سے ملاقات ہوئی، ان کے گھر چائے پی اور بہت ساری چیزوں پر تبادلۂ خیال فرمایا۔

اس کے بعد آخر میں ''MWI'' نے ایک کانفرنس منعقد کی تھی جس میں بوسنیا اور باہر سے علمائے کرام اور طلبۂ عظام کو بھی دعوت دی گئی تھی۔

سب سے پہلے ''MWI'' کے روحِ رواں مولانا حنیف دودھ والا نے انگلش میں اس سفر کا مقصد اور اپنی تنظیم کے کاموں پر روشنی ڈالی اور اس کے بعد شیخ الاسلام مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے عربی میں بیان کیا، حضرت مفتی صاحب نے تین نصیحتیں خاص طور پر بیان کی:

① آپ لوگ اپنی تمام مساجد میں دروس کے حلقے قائم کرو۔

② اپنے گھروں میں روزانہ سیرت وغیرہ کتابوں کی تعلیم کا رواج عام کرو۔

③ اختلافی باتوں کو بالکل مت چھیڑو؛ بلکہ سب اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہو۔

اس کے بعد سوال وجواب کی نشست ہوئی، مختلف حضرات نے مختلف سوالات کیے اور حضرت مفتی صاحب نے اس کے جوابات دیے اور اس طرح یہ آخری دن ختم ہو گیا۔

خلاصہ

اس ملک کی زیارت ضرور کرنی چاہیے، کیوں؟

① اس ملک کی معیشت کو بھی مدد مل سکے۔

② یہ ایک بہترین قدرتی جگہ ہے۔

③ اس ملک کی تاریخ سے واقفیت ہو۔

نیز ہم اپنی زبان میں بڑی آسانی کے ساتھ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو مسلمان ہونے کے باوجود اسلامی احکامات پر عمل نہیں کرتے ہیں؛ لیکن ہم یہ نہیں دیکھتے کہ وہاں جو کمیونسٹ قوانین تھے وہ اتنے سخت تھے کہ آدمی اسلام پر برقرار نہیں رہ سکتا، اس کے باوجود وہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہے یہی ان کے لیے بڑی غنیمت کی بات ہے، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور وہاں دعوت وغیرہ کا کام شروع کرنا چاہیے اور وہاں کے لوگوں کو دین کے قریب کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

”نورانی مکاتب“ کے مقاصد

(۱) چھوٹے چھوٹے دیہات جہاں مسلمانوں کے چند ہی مکانات ہوں اور نماز تعلیم کا کوئی نظم نہ ہو، وہاں نماز اور تعلیم کا نظم کرنا۔

(۲) شہروں کی کالونیوں اور جھونپڑوں میں بسنے والے غریب مسلمانوں اور ان کی اولاد میں دینی تعلیم اور نماز کی فکر کرنا۔

(۳) مرتد یا مرتد جیسے دین سے دور مسلمانوں میں دین اور ایمان بچانے کی فکر کرنا۔

(۴) جہاں کہیں مکتب، مسجد یا عبادت خانہ نہیں ہے، وہاں اُس کے قیام کی فکر کرنا۔

(۵) پہلے سے جاری مکاتب میں تعلیم و تربیت کی ترقی کے لیے کوشش کرنا۔

(۶) مکتب کے معلمین کی تربیت کے لیے قیام وطعام کا نظم کرنا۔

(۷) انوکھا، آسان عام فہم، قابلِ دید وقابلِ ترویج طریقۂ تعلیم و تربیت کو امت کی خدمت میں پیش کرنا۔

(۸) یتامیٰ، بیوگان کی خدمات اور غریب علما اور مسلمانوں کی طبی خدمات اور غریب لڑکے لڑکیوں کی شادی میں معاونت۔

(۹) شعبۂ نشر واشاعت کے ماتحت اردو، ہندی، گجراتی، انگریزی زبانوں میں چھوٹی بڑی کتابیں، رسائل اور پمفلٹ شائع کروانا۔

اِس وقت اکابر کے مشورہ سے پورے گجرات میں یہ خدمات کا سلسلہ جاری ہے، آپ بھی اِس مبارک سلسلے میں شامل ہو سکتے ہیں۔ مزید تفاصیل ہماری ویب سائٹ (www.nooranimakatib.com) پر ملاحظہ فرمائیں۔

آں حضرت ﷺ کا سفرِ طائف

اور طائف کی کارگزاری

اقتباس

طائف کا سفر حیاتِ طیبہ کا ایک بہت بڑا موڑ ہے، اب تک اللہ کا آخری نبی دشمنوں کے حوالے تھا کہ جس طرح چاہیں پرکھ لیں، سیرت و کردار کی کسوٹی پر، صداقت و امانت کے معیار پر، چاہے طنز و استہزا کے تیر چلائیں، دشنام و زبان درازی کے تازیانے برسائیں، معاشی ناکہ بندی کا ہتھیار آزمائیں، معاشرتی بندھنوں کی زنجیریں کاٹ دیں، سرِ بازار رسوا کریں، سنگ باری سے جسمِ اطہر لہولہان کریں...

اب نبی تمام آزمائشوں سے گزر کر کامیاب ہوتا ہے، دنیوی نقطۂ نظر سے سنگ باری اذیت کی انتہا ہے اور روحانی اعتبار سے سرخ روئی۔

بندہ آزمایا گیا، دبایا گیا، پست کیا گیا اور امتحان میں کامیاب ہو گیا تو اٹھایا گیا، بلند کیا گیا، معراج نصیب ہوئی۔

شعبِ ابی طالب کی نظر بندی اور طائف کے بازاروں میں رسوائی کا انعام: افلاک کی نظر نوازی اور عرشِ بریں پر عزت افزائی ہے (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

۞۞۞

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا کَمَا اَمَرَ، وَ أشْھدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہ لَاشَرِیْکَ لَه فِي الْخَلْقِ وَ الْأمْرِ ، وَأشْهدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُه وَرَسُوْلُه،اَلْمَبْعُوْثُ اِلٰی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ لِتَتْمِیْمِ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ،لَا یُخْلَقُ نَبِيٌّ وَ لَا رَسُوْلٌ بَعْدَہُ وَلَا اُمَّۃَ بَعْدَ اُمَّتِہٖ وَ لا کِتابَ بعدَ کتابِہ وَلَا شَرِیْعَۃَ بَعْدَ شَرِیْعَتِہٖ، صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَبارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہ وَ عَلٰی اٰلِہ وَاَصْحَابِہ ، اَلَّذِیْنَ ھُمْ مَفَاتِیْحُ الرَّحْمَۃِ وَ مَصَابِیْحُ الْغُرَرِ،اَلَّذِیْنَ ھُمْ کَالنُّجُوْمِ لِلْإِقْتِدَاءِ وَالْإِھْتِدَاءِ، وَھُمْ اَفْضَلُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ، أما بعد !

اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴿۵۶﴾ (الاحزاب)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰی وَصَامَ ، وَ صَلِّ کَذٰلِکَ عَلٰی جَمِیعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی الْمَلَائِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ.

تمہیدی بات

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بڑا فضل وکرم ہے کہ تقریباً سال ۲۰۰۵ء میں سفرِ حج کے ساتھ ساتھ ایک مبارک سفر نصیب ہوا، جس جگہ کو ہم ایک مدت سے کتابوں میں پڑھتے تھے، بیانوں میں سنتے تھے، میری مراد اس سے طائف کا سفر ہے، اس کی کارگزاری

آپ کے سامنے ذکر کرتا ہوں۔

آقائے نام دار، تاج دارِ مدینہ، سرکارِ دو عالم ﷺ کس طرح طائف تشریف لے گئے تھے اور طائف میں آج تک آپ ﷺ کی یادگار کونسی جگہیں ہیں اس کی بھی تھوڑی سی کارگزاری آپ حضرات کے سامنے پیش کرنا مقصود ہے۔

قرآن میں طائف کا ذکر

قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور وہ (کافر لوگ) کہنے لگے کہ: یہ قرآن (ان) دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) کے کسی (بڑے) آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا؟ (الزخرف)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا.

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تم پر قرآن عربی زبان میں وحی کے ذریعہ اتارا؛ تاکہ تم مرکزی بستی (یعنی مکہ والوں) کو اور اس کے آس پاس والوں کو ڈراؤ۔ (شوریٰ)

اور مکہ کے اطراف میں طائف واقع ہے۔

طائف کا جائے وقوع

طائف مکہ سے تقریباً پینسٹھ (۶۵) کلومیٹر کے فاصلے پر مشرق کی طرف ایک پہاڑی علاقہ ہے، نہایت سرسبز وشاداب اور زرخیز مقام ہے، جگہ جگہ قدرتی چشمے جاری

ہیں، مختلف قسم کے میوہ جات کے باغات بکثرت ہیں، اہلِ حجاز کے لیے ایک صحت افزا مقام کی حیثیت رکھتا ہے، پرانے زمانے میں مکہ کے سرداروں کے یہاں باغات تھے، زمین کی زرخیزی اور شادابی نے اہلِ طائف کو بڑا مغرور، متکبر اور سخت مزاج بنا دیا تھا۔

عامُ الْحُزْن؛ یعنی غم کا سال

آپ ﷺ کو نبوت ملنے کے دسویں سال کو سیرت لکھنے والے ''عام الحزن'' یعنی غم کے سال سے یاد کرتے ہیں؛ کیوں کہ اسی سال آپ ﷺ کے دو بڑے سہارے آپ کو چھوڑ کر اِس دنیا سے چلے گئے تھے: ایک ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جنھوں نے ہر موقع پر آپ ﷺ کا ساتھ دیا، ان کی یاد آپ ﷺ کے دل سے کبھی ختم نہیں ہوئی، اکثر یاد کرتے اور ان کی بڑی تعریف فرماتے، ارشاد فرمایا کرتے جس کا خلاصہ یہ ہے:

جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو خدیجہ نے میری تصدیق کی۔

جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائی۔

جب میرا کوئی مددگار نہیں تھا انھوں نے میری مدد کی۔

جب میری کمائی نہیں تھی تو انھوں نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا: خدیجہ اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے سب سے بہتر تھیں۔

پچیس سال تک وہی آپ کی مشیر اور وزیر تھیں، مکہ کی پریشانی اور کش مکش کے دنوں میں وہی تسکین کا سامان تھیں، حضور ﷺ کی تمام اولاد ان ہی سے ہوئی ہیں، سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

جب تک وہ زندہ رہیں آپ ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا، نبوت ملنے کے دسویں سال رمضان المبارک میں پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، ان کی قبر میں خود آپ ﷺ اترے، اور ''حَجُوْن'' میں دفن فرمایا۔ (از سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

آج کل یہ جگہ قبرستان ''معلیٰ'' کے نام سے مشہور ہے، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر اس میں معروف ہے۔

دوسرے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب تھے، جب مکہ کے کافر، مشرک آپ ﷺ کو ستاتے تھے تو چچا ابو طالب آپ ﷺ اور مکہ کے مشرکوں کے درمیان دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے تھے، چچا ابو طالب ایمان تو نہیں لائے تھے؛ لیکن ہمیشہ آپ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے، وہ بھی انتقال کر گئے۔

اب تو مکہ والوں کو موقع مل گیا کہ حضور ﷺ کو خوب ستائے، چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیے، بالآخر ایک وقت وہ آیا کہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ مکہ والوں سے ناامید ہو گئے تو اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لیے طائف کے سفر کا ارادہ فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی بیوی اور بچے کو مکہ میں چھوڑ دیا اور واپس ملکِ شام روانہ ہوئے تو ثنیہ نامی جگہ پر کعبہ کی طرف منہ کیا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ (البقرۃ)

ترجمہ: اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! آپ اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دیجیے اور اس (مکہ) کے رہنے والوں میں سے (بھی) جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاوے ان کو (قسم قسم کے) پھلوں سے رزق (کھانے کے لیے) عطا فرمائیے، (اللہ تعالیٰ نے دعا کے جواب میں) ارشاد فرمایا: جس نے کفر کیا اس کو بھی میں تھوڑی مدت کے لیے فائدہ اٹھانے کا موقع دوں گا، پھر میں اس (کافر) کو (زبردستی) دوزخ کے عذاب کی طرف (کھینچ کر) لے جاؤں گا اور وہ (جہنم) رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اس طرح قبول فرمائی کہ پورا ملکِ شام۔ جو بہت برکت والا ہے، وہاں پھل بھی بہت ہوتے ہیں، پانی بھی بہت ہوتا ہے، کھیتی بھی بہت ہوتی ہے وہاں۔ سے ایک پورا شہر اٹھا کر مکہ کے پاس پہنچا دیا، اسی کا نام طائف ہے۔

الحمد للہ! جس جگہ کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی وہ جگہ ۱۹۹۸ء پہلے سفرِ حج کے موقع پر دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔

طائف کا مطلب

طائف کا مطلب: طواف کرنے والا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ملکِ شام سے ایک شہر اٹھایا اور کعبہ کا طواف کروایا اور طواف کروا کے مکہ کے پاس لا کر رکھ دیا؛ اس

لیے اس کو طائف کہا جاتا ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ عرب کے صحرا میں طائف ایک ایسا شہر ہے جس کی زمین اور آب و ہوا بالکل ملکِ شام کی طرح ہے، مکہ میں کتنی بھی گرمی ہو؛ لیکن طائف میں ٹھنڈا اور معتدل موسم ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کا طائف کا با مشقت سفر

بہر حال! اللہ کے رسول ﷺ چھبیس (۲۶) یا ستائیس (۲۷) شوال سن دس نبوی، مطابق ۶۱۹ء کو مکہ سے چل کر طائف کے لیے روانہ ہوئے، آپ ﷺ کے ساتھ صرف آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے، وہاں دس دن قیام فرمایا، بعض نے بیس دن اور بعض نے ایک مہینہ مدتِ قیام لکھی ہے۔

دینی بھائیو! یقین مانیے! طائف کا سفر اتنا مشکل تھا کہ ساڑھے چودہ سو برس گزرنے کے بعد جب اِس سال سفرِ حج سے میں طائف گیا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے کہ آپ ﷺ نے یہ سفر کیسے کیا ہوگا؟

پہاڑ پر چڑھنے کے لیے کیبل کار

ہم مکہ سے گاڑی کے ذریعہ کافی دور ایک پہاڑ تک چلے، وہاں پہنچ کر ہماری گاڑی کو روک دیا گیا؛ کیوں کہ وہاں سے آگے پہاڑ کا سفر تھا، اللہ کی مہربانی ہے کہ آج کل وہاں کیبل کار بنی ہوئی ہے، جیسے یہ تار لٹک رہے ہیں ویسے بڑے بڑے تار لٹک رہے تھے اور اس تار کے اوپر چھوٹے چھوٹے ڈبے جیسی گاڑیاں چلتی ہیں، جس کو روپ

کار(Rope Car) کہتے ہیں۔

سخت ٹھنڈی ہوا میں تقریباً ساڑھے بارہ ہزار فٹ کی اونچائی میں یہ گاڑیاں چلتی ہیں اور وہاں کے لوگوں کا کہنا تھا کہ: بعض مرتبہ اتنے بادل آجاتے ہیں کہ ان تار والی گاڑیوں کا چلنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔

بہرحال! ہم ان گاڑیوں میں سوار ہوئے، نیچے دیکھیں تو دل دھڑکتا ہے کہ اگر یہ تار ٹوٹ گئے تو ہم سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے۔

پہاڑ پر پتھروں کا راستہ

گاڑیوں میں بیٹھ کر کانچ سے نیچے پتھروں کا راستہ دیکھ رہے تھے، دسویں صدی ہجری؛ یعنی آج سے چار سو برس پہلے سلطان مراد جو ایک بڑے بادشاہ گزرے ہیں انھوں نے اونٹوں کے آنے جانے کے لیے یہ پتھروں کا راستہ بنایا تھا۔

ہم دل ہی دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ اے اللہ! آج سے ساڑھے چودہ سو برس پہلے ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اس راستے سے طائف کیسے تشریف لے گئے ہوں گے؟

اس وقت تو نہ یہ کیبل گاڑیاں تھیں اور نہ یہ پتھروں کا راستہ، صرف بڑے بڑے پتھر، بڑی بڑی چٹانیں اور بڑے بڑے پہاڑ تھے، نہ پانی کا کوئی کنواں، نہ سایہ کے لیے کوئی درخت، سخت گرمی کا موسم، ہمارے نبی ﷺ کیسے تشریف لے گئے ہوں گے؟

دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ: اے اللہ! اگر میرے حضور ﷺ زندگی میں دوسری

کوئی تکلیف اور مصیبت نہ اُٹھاتے تو یہی ایک طائف کا سفر اتنا خطرناک تھا کہ کسی دوسری تکلیف اور مصیبت کی ضرورت نہیں تھی!

نوٹ: کار اور بس چلنے کے لیے بھی اب پختہ سڑک بن چکی ہے۔

ہرا بھرا شہر

تقریباً ساڑھے بارہ ہزار فٹ اونچائی پر چڑھنے کے بعد طائف شہر شروع ہوتا ہے، ایک ہرا بھرا شہر، بہترین انگور اور کھجور کی باڑیاں ہیں، قسم قسم کے پھل فروٹ اور میوے ہیں، اس زمانے میں بھی ہرا بھرا شہر تھا اور آج بھی ہرا بھرا شہر ہے، موسم کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اُدھر مکہ میں سخت گرمی اور اِدھر طائف میں سخت ٹھنڈی پورا موسم بدلا ہوا ہے، جو موسم ملکِ شام میں ہوتا ہے وہی موسم طائف میں ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کا طائف میں داخلہ

آگے چلتے ہوئے حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کا سفر مبارک یاد آرہا تھا۔

اس زمانے میں طائف میں ایک خاندان رہتا تھا جس کا نا ’’بنوثقیف‘‘ تھا، یہ قبیلہ بہت طاقتور، بہادر اور مال دار تھا، آج تک طائف کی پہاڑیوں میں اس خاندان کے لوگوں کے ٹوٹے پھوٹے پتھروں کے گھر موجود ہیں، یہ ہم کو بتلایا گیا۔

جب رسول اللہ ﷺ طائف پہونچے تو اس وقت وہاں تین آدمی سردار تھے:

① عبد یالیل۔ ② مسعود۔ ③ حبیب۔

چونکہ یہ تینوں طائف کے بڑے سردار تھے؛ اس لیے آپ ﷺ نے سوچا کہ

پہلے ان تینوں کو دعوت دی جائے؛ کیوں کہ اگر یہ مان گئے اور اسلام قبول کرلیا تو میرا کام آسان ہوجائے گا۔

طائف کے سرداروں کو دعوتِ اسلام اور ان کا گستاخانہ جواب

رسول اکرم ﷺ ان تینوں کی خدمت میں پہونچے اور ان کو اسلام کی دعوت دی؛ لیکن ان لوگوں نے اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ مکہ کے اتنے بڑے لمبے سفر سے آئے ہیں، پہاڑوں اور پتھروں پر چل کر آئے ہیں، آپ کی مہمان نوازی کریں اور آپ کو بٹھا کر آپ کی بات سنیں؛ بلکہ آپ کا مذاق اُڑانے لگے۔

چنانچہ ایک سردار نے کہا: اے محمد! بیت اللہ کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہوگی کہ تم جیسے آدمی کو نبی بنایا گیا۔

دوسرے نے کہا: اللہ کو پیغمبر اور نبی بنانا تھا تو تم ہی ملے، تمھارے سوا کوئی دوسرا نہیں ملا؟

طائف کے سردار یہ سمجھتے تھے کہ: رسول اور پیغمبر تو ہمارے جیسا سردار بننا چاہیے، ایسا آدمی کیسے رسول ہوسکتا ہے جس کا کوئی سہارا نہیں، نہ ماں باپ ہیں، مکان کا کوئی ٹھکانہ نہیں، سواری کا انتظام نہیں، آگے پیچھے دوڑنے والا کوئی خادم نہیں۔

تیسرے سردار نے کہا: میں تو تمھارے ساتھ بات ہی نہیں کروں گا؛ کیوں کہ اگر تم سچے نبی ہو تو نبی کی بات کو ٹھکرانا اور رد کرنا بہت خطرناک بات ہے اور اگر تم نبی نہیں ہو تو تم سے بات کرنا میری شان کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان تینوں سرداروں نے صرف آپ کی بات کا انکار ہی نہیں کیا؛

بلکہ آپ کا مذاق بھی اُڑایا۔

اوباشوں کا آپ ﷺ کے پیچھے لگانا

آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ: میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ ان خیالات کو اپنے ہی تک محدود رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسروں کے لیے ایمان سے رکاوٹ کا سبب بن جائے؛ مگر ان کافروں نے حضور ﷺ کی اس نصیحت کو بھی نہ مانا، انھیں یہ ڈر تھا کہ کہیں تبلیغ (ان کے غلط خیال کے مطابق) ان کی رعایا کو بگاڑ نہ دے، جیسے ان کے خیال میں مکہ میں ہوا؛ لہذا انھوں نے آپ ﷺ سے سختی کے ساتھ نمٹنے کا فیصلہ کیا اور آوارہ اور بازاری لڑکوں کو آپ ﷺ کے خلاف ابھارا، اور حکم دیا کہ: جہاں آپ ﷺ وعظ فرمائیں وہاں ہنسی اڑائیں، جہاں سے گزریں ادھر پتھر پھینکیں۔

سلام اس پر کہ جو زخمی ہوا طائف کی گلیوں میں (صلی اللّٰہ علیہ وسلم الف الف مرۃ بعدد کل ذرۃ)

چنانچہ طائف کے نوجوانوں نے آپ کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا، تالیاں بجانے لگے،، سیٹیاں مارنے لگے؛ بلکہ ان ظالموں نے تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ کو پتھر مارنا شروع کر دیا، وہ ظالم اپنے ہاتھوں میں پتھر لے کر لائن میں کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ قدم اٹھاتے اور زمین پر رکھتے تو وہ بد بخت آپ ﷺ کو پتھر مارتے۔

اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ صرف حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا

فرمائے، آمین۔

جب پتھر آتے تو وہ کھڑے ہو جاتے؛ تاکہ آپ ﷺ کو پتھر نہ لگے، یہاں تک کہ پتھر کھاتے کھاتے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا پورا سر زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ حضور اکرم ﷺ کے بدن مبارک پر چوٹیں لگی، ہاتھ پاؤں اور جسمِ اطہر لہولہان ہو گیا، ظالموں نے تاک تاک کر ٹخنوں کو نشانہ بنایا، خون بہنے سے جوتے تر بہ تر ہو گئے، ظالم دو تین میل تک پتھر برساتے رہے، اتنے پتھر لگے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے لیے پتھر کی مار کی وجہ سے کھڑا رہنا مشکل ہو گیا، جب حضورِ اکرم ﷺ بیٹھ جاتے تو وہ ظالم بازو پکڑ کر دوبارہ چلنے پر مجبور کرتے، یہاں تک کہ پتھروں کی بارش سے اتنی چوٹین آئیں کہ آپ ﷺ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

لمحۂ فکریہ

دینی بھائیو! اگر کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے ہم سے پوچھ لیا کہ:

اے میرے بندو! میرے نبی کے پیر سے میرے دین کی خاطر خون نکلا تھا۔

میرے نبی کا اتنا مذاق اُڑایا گیا تھا اور اتنا ستایا گیا تھا۔

کبھی تمھارے پیر سے میرے دین کی خاطر پسینہ نکلا؟

میرے دین کی خاطر کبھی تم لوگوں نے کڑوی کسیلی سنی؟

تو بتاؤ! ہم اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟

زندگی میں ایسے مواقع تو بہت آئے ہوں گے کہ کھیتی باڑی میں ہمارے پیر سے پسینہ نکلا ہوگا۔ کھیتی باڑی میں پیر پر کیچڑ لگا ہوگا، ملازمت کے واسطہ کڑوی کسیلی بھی

سنی ہوگی اور اللہ معاف کرے! کرکٹ کے میدان میں کتنے تھکے ہوں گے۔

اگر ہم سے پوچھ لیا گیا کہ: اللہ کے لیے، اللہ کے دین کے لیے، نماز کے لیے کتنا تھکے؟ کتنا پسینہ بہایا؟ تو ہم کیا جواب دیں گے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی خوش قسمتی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیٹھ پر اٹھانے والے خوش نصیب صحابہ

حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر طائف شہر سے باہر لے آئے، یہ سعادت سب سے پہلے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔

بعد میں سفرِ ہجرت کے دوران ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ پر سوار کیا۔

غزوۂ احد میں زخمی ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ایک چٹان پر چڑھ جائیں؛ لیکن ضعف اور کمزوری کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جھک گئے اور ان کی پیٹھ پر قدم رکھ کر چٹان پر چڑھے۔ (ملخص از سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

پتھر کی چٹان پر ٹیک لگا کر آرام

حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیہوشی کی حالت میں شہر سے دور ایک بڑے پتھر کے پاس لے آئے جو کہ ایک پہاڑ کے پاس تھا اور اس پتھر پر ٹیک لگا کر بٹھا دیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے زخموں کو دھویا، منہ پر پانی چھڑکا، جب ہوش آیا تو زبانِ اقدس سے درد بھری دعا نکلی۔

اس جگہ نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کی سعادت

آج تک وہ پتھر اور وہ جگہ موجود ہے۔اس اللہ کی مہربانی ہوئی اس گنہگار بندے محمود پر کہ جس جگہ اللہ کے نبی ﷺ زخمی ہوکر بیٹھے تھے اس جگہ کو دیکھنے کا موقع عطا فرمایا، حکومت نے اس پتھر والی جگہ پر ایک مسجد بنا رکھی ہے، اور کوئی اندر نہ جاسکے اس کے لیے چاروں طرف جالیاں لگادی ہیں۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: میں تو اندر جانا چاہتا ہوں، جہاں میرے حضور ﷺ کے قدم مبارک پہنچے ہیں، دل چاہتا ہے کہ وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھوں؛ چنانچہ ایک ساتھی نے ایک کونے میں جالی کا ذرا سا ہٹا ہوا حصہ دیکھ لیا، ہم نے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی حکومت کا آدمی دیکھ تو نہیں رہا ہے، ایک ساتھی بسم اللہ پڑھ کر اندر گھس گیا، پھر سب کو ہمت ہوئی اور سب ساتھی بسم اللہ پڑھ کر اندر داخل ہو گئے اور جس جگہ آقائے نام دار، تاج دارِ مدینہ، سرکارِ دو عالم ﷺ پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے اس جگہ پر اللہ کے بارگاہ میں دعا کی:

اے میرے مالک! اِس جگہ تیرے نبی کا مبارک خون لگا تھا۔

اے اللہ! آج تیرے نبی کی امت بہت پریشان حال ہے۔

اے اللہ! تیرے نبی کے مبارک خون کی جگہ کی برکت سے امت کی پریشانیوں کو ختم فرمادے۔

ساتھیوں کی آنکھوں میں آنسو تھے، اور اس جگہ عجیب وغریب سکون کی کیفیت رہی۔

لہولہان حالت میں درد بھری دعا

تھوڑی دیر بعد وہاں سے ہم نکلے، سیرتِ پاک سامنے آ رہی تھی کہ یہ وہی مبارک جگہ ہے جہاں حضور ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا تھا:

اَللّٰـهُمَّ إِلَيْكَ أَشْـكُوْ ضَعْفَ قُـوَّتِيْ، وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ، وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِـيْنَ، إِلٰى مَـنْ تَكِـلُنِيْ، إِلٰى عَدُوٍّ يَّتَجَهَّمُنِيْ أَمْ إِلٰى قَرِيْبٍ مَّلَّكْتَه أَمْـرِيْ، إِنْ لَّمْ تَكُنْ سَاخِطاً عَلَيَّ فَلَا أُبَالِيْ، غَيْرَ أَنَّ عَافِيَتَكَ أَوْسَعُ لِيْ، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْـكَرِيْمِ الَّذِيْ أَضَاءَتْ لَهُ السَّمٰـوَاتُ، وَأَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ، وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَـا وَالْاٰخِـرَةِ أَنْ تُحِلَّ عَلَيَّ غَضَبَكَ، وَتُنْزِلَ عَلَيَّ سَخَطَكَ؛ وَلَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى، وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ. (الحزب الأعظم: يوم الثلاثاء)

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے اپنی کمزوری اور تدبیر کی کوتاہی اور لوگوں کی نظر میں اپنی بے چارگی کی شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے، کسی غضبناک ترش رو دشمن یا کسی قریبی رشتے دار کے جو میرے امور کا مالک ہو، اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو پھر مجھے کوئی فکر نہیں ہے، البتہ تیری طرف سے دی جانے والی تندرستی میرے لیے وسیع تر ہے، میں تیرے اس مبارک چہرے کے نور کے وسیلے سے جس نے آسمانوں کو منور کر رکھا ہے اور تاریکیوں کو دور کر رکھا ہے اور جس کے سہارے دنیا و آخرت کے تمام امور سنورتے ہیں، اس بات سے تیری پناہ و حفاظت

میں آتا ہوں کہ تو مجھ پر اپنا غصہ اتارے اور مجھ پر اپنی ناراضگی نازل کرے اور تیرے راضی ہونے تک میں تجھے مناتا رہوں گا، گناہوں سے حفاظت اور نیکیوں کی طاقت صرف تو ہی دینے والا ہے۔

اس دعا میں آپ نے ایک عجیب جملہ ارشاد فرمایا ''إِنْ لَّمْ تَكُنْ سَاخِطاً عَلَيَّ فَلَا أُبَالِيْ ''یعنی اے میرے مالک! اے میرے اللہ! اگر تو ناراض نہیں ہے تو ساری دنیا مخالف ہوجائے، ناراض ہوجائے مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اللہ کرے کہ یہ جذبہ میرا اور آپ کا اور پوری امت مسلمہ کا بن جائے، آمین۔

مسافر اور مظلوم کی دعا

حضورِ اکرم ﷺ ایک تو مسافر تھے، مکہ سے سفر کر کے طائف گئے تھے، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مسافر کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔اسی طرح آپ ﷺ مظلوم تھے، ان ظالموں نے آپ کا مذاق اڑایا تھا، آپ پر پتھر برسائے تھے، آپ کو لہولہان کیا تھا، مظلوم کے دل سے جو آہ نکلتی ہے وہ ساتوں آسمانوں کے اوپر جاتی ہے، ایسی دعا قبول ہونے میں کوئی شک ہوسکتا ہے؟

سفر میں دعا کا اہتمام کرنا چاہیے اور مظلوم کی آہ سے بچنا چاہیے

ہم جب بھی سفر کریں تو نماز پڑھ کر دعا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے؛ کیوں کہ مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے اور مظلوم کی بددعا سے بچنا چاہیے؛ کیوں کہ مظلوم کی بددعا سیدھے اللہ کے پاس جاتی ہے، کبھی کبھی انسان اپنے عہدے، ڈگری، مال وغیرہ کے

نشے میں دوسروں پر ظلم کرتا ہے، وہ یہ سوچتا ہے کہ میری تو بڑے بڑے افسروں تک پہنچ ہے، میں اگر کسی پر ظلم کروں گا تو کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا؛ لیکن یاد رکھو! مظلوم کے دل کی آہ سے انسان تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔

عتبہ و شیبہ کا انگور بھیجنا

بہر حال! وہ پتھر جس پر آپ ﷺ نے ٹیک لگایا تھا اس سے چند قدم پر ایک انگور کی باڑی تھی جو مکہ کے دو کافر سردار: عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کی تھی، یہ دونوں حقیقی بھائی تھے، ان دونوں نے آپ ﷺ کو ایسی حالت میں دیکھ لیا، وہ دونوں کافر تھے؛ لیکن خاندان کے اعتبار سے قریشی تھے، خاندانی غیرت جوش میں آئی اور انھوں نے ایک انگور کا خوشہ اپنے نوکر عداس کو دیا اور کہا کہ: وہ آدمی جو زخمی ہوکر درخت کے نیچے بیٹھا ہے اس کو دے دو۔ چنانچہ وہ نوکر حضور ﷺ کی خدمت میں آیا۔

حضور ﷺ نے اس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کیا۔

عداس سے گفتگو

آپ ﷺ نے جیسے بسم اللہ پڑھی تو عداس نے حیرت سے کہا کہ: یہاں پورے عرب میں کوئی بسم اللہ نہیں جانتا، آپ کیسے جانتے ہیں؟

آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور کونسے مذہب کے ماننے والے ہو؟

اس نے کہا کہ: میں عیسائی مذہب کا ماننے والا ہوں، اور ''نینویٰ'' شہر کا باشندہ

ہوں، یہ نینویٰ شہر عراق ہے۔

جب آپ ﷺ نے نینویٰ کا نام سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اچھا! وہی نینویٰ جہاں اللہ کے نیک بندے ''یونس بن متیٰ'' رہا کرتے تھے؟

جب اس نے حضرت یونس علیہ السلام کا نام سنا تو وہ اور چونک گیا اور اس نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ: آپ یونس علیہ السلام کو کیسے پہچانتے ہیں؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: وہ یونس تو میرے بھائی اور اللہ کے نبی ہیں اور میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔

عداس نے یہ سن کر آپ کا نام دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: احمد۔

عداس نے کہا کہ: میں نے تورات میں آپ کا اسمِ گرامی دیکھا ہے اور اس میں آپ کے اوصاف بھی پڑھے ہیں، اس سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نبی بنا کر بھیجیں گے، اور لوگ آپ کی اطاعت و فرماں برداری سے انکار کریں گے؛ لیکن آخر کار فتح آپ ہی کی ہوگی اور یہ دین تمام دنیا میں پھیل جائے گا۔ (از سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

شانِ رسالت

اتنی مصیبتوں اور تکلیفوں کے باوجود عداس سے یہ فرمانا کہ ''یونس بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں'' اس جملے سے اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد اور جذبۂ تبلیغ کا اظہار ہوتا ہے جس سے آپ ﷺ کا ایک لمحہ بھی خالی نہیں رہا، یہی شانِ رسالت ہے۔

خدا کی دَین کا موسیٰ سے پوچھیے حال

اس نے کہا کہ: میں مدت سے یہاں آپ کے انتظار میں ہوں، مجھے اسلام کی

تعلیم دیجیے۔

آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا اور وہ غلام عداس دل و جان سے مسلمان ہوگیا اور اس نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پیر کو بوسہ دیا۔

بہر حال اس کی قسمت بدل گئی، ایک پردیسی مسافر کو انگور کھلانے گیا اور اس نے جنت کمالی۔

جب عداس واپس آیا تو عتبہ اور شیبہ نے پوچھا کہ تجھے کیا ہوگیا تھا جو تو عجیب عجیب حرکتیں کر رہا تھا؟

اس نے کہا کہ: میرے آقا! وہ اللہ کے رسول ہیں۔

ان دونوں نے کہا کہ: اس نے تجھے دھوکا دیا۔

عداس نے کہا کہ: ایسا نہ کہو، اس وقت روئے زمین پر ان سے بہتر کوئی ہستی موجود نہیں ہے، انھوں نے مجھے وہ خبر دی ہے جو نبی کے علاوہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔

عتبہ نے کہا کہ: عداس! اپنے دین سے مت پھر، تیرا دین اس کے دین سے بہت اچھا ہے۔

مسجدِ عداس رضی اللہ عنہ، سب سے پہلا مینارہ

جس جگہ عداس نے حضورِ اکرم ﷺ کو انگور کھلائے تھے آج اس جگہ پر ایک چھوٹی مسجد بنی ہوئی ہے جس کا نام ''مسجدِ عداس'' ہے، اس کے چاروں طرف جالی لگا دی گئی ہے، اس کے اوپر ایک مینارہ ہے، وہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ: دنیا میں سب سے پہلا مینارہ یہی ہے، اس سے پہلے کسی مسجد میں مینارہ نہیں تھا۔

اللہ کا فضل وکرم ہوا کہ اس نے ہمیں وہ مسجد کو دیکھنے کا موقع دیا، ہم نے اس میں ظہر کی نماز پڑھی۔

اُحد سے زیادہ سخت دن

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سوال کیا کہ: اے اللہ کے نبی! اُحد کی لڑائی سے زیادہ خطرناک دن آپ کی زندگی میں کوئی دن آیا ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! تیری قوم سے جو تکلیفیں پہنچیں سو پہنچیں؛ لیکن سب سے زیادہ سخت دن وہ گزرا جب میں نے اپنے آپ کو عبد یا لیل کے بیٹوں کے سامنے پیش کیا؛ یعنی طائف کا دن میری زندگی کا سب سے زیادہ خطرناک دن تھا۔

پہاڑوں کے فرشتے کی حاضری

حضورِ اکرم ﷺ اس کے بعد اس باغ سے نکلے اور آگے چلے، طائف سے باہر ایک جگہ جس کا نام ''قرن الثعالب'' ہے وہاں پہنچے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: میں وہاں بیٹھا ہوا تھا، کچھ ہوش تھا، میں نے دیکھا کہ میرے اوپر ایک بادل سایہ کیے ہوئے ہے، اس میں سے حضرت جبریل علیہ السلام مجھے آواز دی کہ: طائف والوں نے آپ کے ساتھ جو برتاؤ کیا اللہ نے وہ سب دیکھ لیا اور سن لیا، آج اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ مَلَکُ الجِبال؛ یعنی پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں۔

اتنے میں پہاڑ کے فرشتے نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ: اگر آپ چاہیں

تو ’’اخشبین ‘‘نامی پہاڑوں میں انھیں کچل دوں؟

رحمۃ للعالمین ﷺ کا رحمت بھرا جواب

اللہ اکبر! اگر ہم ہوتے تو اس فرشتے کو کہتے: جلدی کرو، دیر مت کرو؛لیکن میرے دوستو! پتھر کھا کر دعائیں دینا یہ کملی والے کی شان ہے پتھر کھا کر پھول برسانا یہ آمینہ کے لعل کا کام ہے،شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وہ جس کو گالیاں سن کر دعا دینے کی عادت تھی
جسے مخلوق سے اللہ کی خاطر محبت تھی
سلام اس پر کہ جو زخمی ہوا طائف کی گلیوں میں
سلام اس پر کہ جس کا حسن ہے پھولوں میں کلیوں میں

(از: رسولِ عربی)

یہی تعلیم حضور ﷺ نے ہم کو دی ہے،فرمایا:

صِلْ مَنْ قَطَعَکَ ، وَاعْطِ مَنْ حَرَمَکَ ، وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ . (بیھقی عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ)

یعنی جو تمھارے ساتھ تعلقات ختم کرے تم اس کے ساتھ تعلقات باقی رکھو، تعلقات جوڑو،اور جو تم کو محروم کرے اس کو دو،اور جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کرو۔

اللہ کے رسول ﷺ نے جو تمام جہاں والوں کے لیے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے اس فرشتے کو جواب دیا:

نہیں! اگر یہ طائف والے ایمان نہیں لاتے تو مجھے امید ہے کہ ان کی نسل میں

اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کریں گے جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

یہ جملہ اسی انسان کی زبان سے ادا ہوسکتا ہے جس کے دل میں مخلوق کی ہدایت کی بہت زیادہ امید ہو، وہی خیر البشر تو رحمۃ للعالمین ہوتا ہے۔

وہ جس کو گالیاں سن کر دعا دینے کی عادت تھی

اتنا ہی نہیں؛ بلکہ آپ ﷺ نے اہلِ طائف کے لیے دعا بھی فرمائی:

اے اللہ! تیرے نبی کے پیر زخمی دیکھ کر، خون کے فوارے دیکھ کر غصہ اور ناراض مت ہونا، ان کو اور ان کی اولاد کو ہدایت عطا فرما۔

طائف کی دعا کی برکت سے ہندوستان میں اسلام

چنانچہ حضور ﷺ کی وہ دعا رنگ لائی، اِس وقت پورے ہندوستان میں اسلام و ایمان کے چرچے ہیں، ہزاروں مساجد، مدارس، دار العلوم، مکاتب، خانقاہیں، مراکز آباد ہیں، یہاں سے پوری دنیا میں دین پھیل رہا ہے۔

اسی طرح پڑوسی ملک، بنگلہ دیش، نیپال، چین، بھوٹان؛ بلکہ پورے ایشیا میں جو ایمان کی بہار اور ایمان کی ہوائیں ہیں وہ ہمارے حضور ﷺ کی طائف والی دعاؤں کی برکت ہے۔

طائف کے اسی قبیلۂ بنو ثقیف جنھوں نے رسولِ اکرم ﷺ پر پتھر برسائے تھے ان کی نسل میں ایک نوجوان پیدا ہوا جس کا نام ''محمد بن قاسم الثقفیؒ'' ہے، حجاج بن

یوسف کے دور میں ہندوستان میں جو جماعت دین واسلام لے کر آئی اس جماعت کے امیر یہی سولہ (۱۶) سالہ نوجوان محمد بن قاسم الثقفیؒ تھے، اس نوجوان نے ہندوستان کی زمین میں آ کر ایمان کا پیغام سنایا اور آج تک الحمدللہ! ہمارے ہندوستان میں ایمان کی بہار ہے، اللہ تعالیٰ اس کو صبحِ قیامت تک قائم ودائم فرمائے، آمین۔

جنات وشیاطین کی پریشانی

آپ ﷺ کے نبی بننے سے پہلے جنات آسمان کے قریب جاتے تھے اور وہاں سے آسمانی خبریں سنتے تھے، پھر نجومی اور جوتش کے پاس آ کر سناتے تھے، وہ نجومی اس ایک بات میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے؛ لیکن جس دن سے قرآنِ کریم اترنا شروع ہوا اس دن سے آسمان پر اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ پہرے لگا دیے، جس کی وجہ سے کوئی جنات کوئی بھی بات نہیں سن سکتا تھا، اور جو سننے جاتا اس پر شہابِ ثاقب کے گولے پھینکے جانے لگے، قرآنِ کریم میں سورۂ جن میں ہے:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹

ترجمہ: اور یہ کہ ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہی تو اسے بڑے سخت چوکیداروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا ﴿۸﴾ اور یہ کہ (پہلے) ہم تو اس (آسمان) کی کچھ جگہوں پر سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے (ملائکہ آسمان سے نیچے اتر کر بادل کے قریب جاری کیے جانے والے فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہیں شیاطین ان باتوں کو سننے کی کوشش کرتے تھے) لیکن اب جو کوئی سننا چاہے تو وہ ایک شعلہ کو (انتظار میں) تیار

پاتا ہے۔(از: تیسیر القرآن)

اب سارے جنات وشیاطین پریشان ہو گئے کہ: ایسا کیوں ہوا؟ اس پر غور و فکر کے لیے جناتوں نے تمام جناتوں کی ایک میٹنگ بلائی، اور سب نے اس کی شکایت ابلیس سے کی۔ اس نے کہا کہ: کوئی بڑا واقعہ پیش آیا ہے۔

چنانچہ تحقیق کے لیے مختلف علاقے کے لیے مختلف جماعتیں بنائی، جن کا مشن یہ تھا کہ پوری دنیا میں گھوم کر اس کی تحقیق کرے۔

جناتوں کی آمد اور قرآن سننا

چنانچہ طائف سے واپسی میں رسولِ اکرم ﷺ نے مکہ کے باہر ایک جگہ ''بطنِ نخلہ'' میں چند دن گزارے، ایک مرتبہ رات کو نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ رحمن اور دوسری رکعت میں سورۂ جنّ کی تلاوت فرمائی (ملخص از سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

اتفاقاً جناتوں کی ایک جماعت کا وہاں سے گزر ہوا، وہ آپ ﷺ کی قرأت سن کر رک گئے اور غور سے سننے لگے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس واقعے کی پوری منظر کشی کی ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اور (اے نبی! وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو تمھاری طرف متوجہ کیا (اور) وہ قرآن سننے لگے، پھر جب وہ (جنات) وہاں (یعنی قرآن سننے کی جگہ) پہنچ گئے تو انھوں نے (آپس میں ایک دوسرے سے) کہا کہ:

خاموش ہوجاؤ، پھر جب (قرآن کی) تلاوت ہوچکی تو وہ اپنی قوم کے پاس ڈرانے کی غرض سے واپس گئے ﴿۲۹﴾

پھر جب آپ کے پاس سے قرآنِ کریم سن کر اپنی قوم کے پاس گئے تو اپنی قوم میں اس کی تبلیغ شروع کی:

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۳۰ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۱ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۲

ترجمہ: (وہاں جا کر) انھوں نے کہا اے ہماری قوم کے لوگو! یقین جانو! ہم نے ایک ایسی (عجیب) کتاب (یعنی قرآن) سنی جو موسیٰ علیہ السلام (کی کتاب) کے بعد اتاری گئی ہے، وہ (کتاب) اپنے سے پہلے کی (تمام آسمانی) کتابوں کو سچا بتاتی ہے، وہ (کتاب) حق (یعنی سچا دین) اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے ﴿۳۰﴾ اے ہماری قوم کے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے داعی (یعنی محمد ﷺ) کی بات مان لو اور اُس پر ایمان لے آؤ (اگر ایسا کروگے تو) وہ (اللہ تعالیٰ) تمھارے گناہوں کو معاف کردیں گے اور تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالیں گے ﴿۳۱﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے (داعی) کی بات نہ مانے تو وہ (ساری) زمین میں (کہیں بھی بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کرسکتا اور اُس کے لیے اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا مدد کرنے والے

نہیں ہوں گے، وہی لوگ کھلم کھلی گمراہی میں پڑے ہیں۔

حضور ﷺ کو ان جناتوں کے آنے کا علم نہیں تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیاتِ کریمہ کے نزول کے ذریعہ آپ کو مطلع فرمایا، پھر اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ تقریباً چھ مرتبہ جناتوں کے بڑے بڑے اجتماع میں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے ہیں اور ہزاروں لاکھوں جنات حضور ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔

نوٹ: جنات کے اس واقعے سے اللہ تعالیٰ نے اہلِ دنیا کو یہ بتلا دیا کہ: اگر بنی نوعِ انسان اسلام کی دعوت کو قبول نہیں کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق موجود ہے جو حق کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

جنات کی یہ جماعت ''نصیبین'' کی تھی، اور وہ سات افراد تھے۔ کہتے ہیں کہ: جنات کی یہ قوم یہودی مذہب پر تھی، اس بات کا پتہ ان کے اس جملے سے چلتا ہے: يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى (اے ہماری قوم کے لوگو! یقین جانو! ہم نے ایک ایسی (عجیب) کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتاری گئی ہے)۔

مکہ واپسی

جب حضرت نبیٔ کریم ﷺ مقامِ نخلہ سے چل کر جبلِ نور پر پہنچے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اب ہم مکہ کیسے داخل ہوں گے؟

کیوں کہ طائف کی خبر مکہ پہنچ گئی ہوگی، عتبہ وشیبہ نے خود زخموں سے چور باغ میں پناہ لیتے دیکھا تھا، اب تو مکہ والے بہت ہی دلیری سے ظلم پر آمادہ ہوجائیں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ضرور کوئی صورت پیدا فرمادیں گے۔

اتنے میں مکہ سے چند مسلمان ملاقات کے لیے آئے اور انھوں نے کہا کہ: مکہ والوں نے طائف کے حالات سن کر اپنے غنڈوں کو بھی آمادہ کرلیا ہے اس لیے آپ مکہ تشریف نہ لائیں۔

آپ ﷺ نے غارِ حرا میں قیام فرمایا اور اخنس بن شریق کو ذمے داری لینے کے لیے کہلوایا کہ: میں تمھاری پناہ میں مکہ آنا چاہتا ہوں۔ اس نے منع کر دیا۔

پھر آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو کہلوایا تو اس نے بھی منع کر دیا۔

اس کے بعد جب مطعم بن عدی کو کہلوایا تو اس نے کہا کہ: ٹھیک ہے، میں آپ کی ذمے داری لیتا ہوں۔

مطعم بن عدی نے اپنے بیٹوں اور قبیلے کے لوگوں کو حکم دیا کہ: ہتھیار لگا کر حرم کے دروازے پر کھڑے رہیں، میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دی ہے، خود بھی اونٹ پر سوار ہو کر حرم کے پاس پکارنے لگا کہ: قریش کی جماعت! میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دی ہے۔

ابوجہل نے کہا کہ: صرف پناہ دے رہے ہو یا پیروی اختیار کرلی ہے؟

مطعم نے کہا کہ: صرف پناہ دی ہے۔

ابوجہل نے کہا کہ: جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے قبول کرلیا۔

چنانچہ نبئ کریم ﷺ وہاں سے مکہ مکرمہ پہونچے، آپ ﷺ حرم میں تشریف لے گئے، کعبہ کا طواف کیا، حجرِ اسود کو بوسہ دیا، دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد اطمینان کے ساتھ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

کچھ مدت کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو معراج کا سفر کروایا، حقیقی

بات یہ ہے کہ جو آدمی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی خاطر جھکاتا ہے اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اونچے درجات سے مالا مال کرتے ہیں۔

تکبر کا انجام

آج کے زمانے میں پتہ نہیں انسان کیسے کیسے گھمنڈ اور تکبر میں پڑا رہتا ہے، کسی کو مال اور دولت کا نشہ سوار ہوتا ہے، کسی کو اپنی طاقت، اپنی کرسی اور اپنے عہدے کا نشہ ہوتا ہے، کیسے کیسے نشے اور تکبر انسانوں کے دماغ پر سوار ہوتے ہیں؛ حالاں کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ كِبْرٍ. (ابو داؤد عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

یعنی جس انسان کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا، اللہ تعالیٰ اس انسان کو جنت میں داخلہ نصیب نہیں فرمائیں گے۔

تواضع کا انعام

لیکن جو آدمی اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے اپنے آپ کو جھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی اونچے درجات سے مالا مال فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی اونچے درجات سے مالا مال فرمائیں گے۔ خود حدیثِ پاک میں اعلان ہے:

من تواضع للہ رفعه اللّٰه.

یعنی جو آدمی اللہ کے لیے اپنے آپ کو جھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اونچا مقام عطا فرماتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے	کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے

یعنی اگر تو اپنا نام اونچا رکھنا چاہتا ہے تو تو اپنے آپ کو نیچا رکھنا سیکھ لے:
کیوں کہ ایک دانہ اور بیج جب مٹی میں جاتا ہے، اپنے آپ کو خاک میں ملاتا ہے تو اس سے بہترین درخت نکلتا ہے، پھل پھول اُگتے ہیں۔

معراج کا سفر تواضع کا انعام

طائف کے شہر میں اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر جھکایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اونچے اونچے درجات سے مالامال فرمایا۔

حضراتِ محدثین لکھتے ہیں:

معراج کا سفر جس میں حضور ﷺ ساتوں آسمان پر تشریف لے گئے، یہ اونچا مقام طائف کے سفر کی برکت اور انعام کے طور پر نصیب ہوا، طائف کے میدان میں اللہ کے دین کی خاطر پتھر کھائے، تکلیفیں برداشت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے معراج نصیب فرمائی۔

طائف کا تبلیغی سفر رسول اللہ ﷺ کے لیے ذاتی اعتبار سے آزمائش اور امتحان کا نقطۂ عروج تھا؛ اسی لیے آپ ﷺ نے اسے اُحد کی لڑائی سے زیادہ سخت دن قرار دیا ہے، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے سفرِ طائف کا عجیب منظر کھینچا ہے (اگرچہ اس کی اردو تھوڑی مشکل ہے؛ لیکن) اس کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے) فرماتے ہیں:

یہ حیاتِ طیبہ کا ایک بہت بڑا موڑ ہے، اب تک اللہ کا آخری نبی دشمنوں کے حوالے تھا کہ جس طرح چاہیں پرکھ لیں، سیرت و کردار کی کسوٹی پر، صداقت و امانت

کے معیار پر، چاہے طنز و استہزا کے تیر چلائیں، دشنام و زبان درازی کے تازیانے برسائیں، معاشی ناکہ بندی کا ہتھیار آزمائیں، معاشرتی بندھنوں کی زنجیریں کاٹ دیں، سرِ بازار رسوا کریں، سنگ باری سے جسمِ اطہر لہولہان کریں...

اب نبی تمام آزمائشوں سے گزر کر کامیاب ہوتا ہے، دنیوی نقطۂ نظر سے سنگ باری اذیت کی انتہا ہے اور روحانی اعتبار سے سرخ روئی۔

بندہ آزمایا گیا، دبایا گیا، پست کیا گیا اور امتحان میں کامیاب ہو گیا تو اٹھایا گیا، بلند کیا گیا، معراج نصیب ہوئی۔

شعبِ ابی طالب کی نظر بندی اور طائف کے بازاروں میں رسوائی کا انعام: افلاک کی نظر نوازی اور عرشِ بریں پر عزت افزائی ہے (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

اللہ کی خاطر اٹھائی جانے والی تکلیف کا دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ

محدثین لکھتے ہیں کہ انسان اللہ کے واسطے جو تکلیف برداشت کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں اور دنیا و آخرت میں اس پر بہترین بدلہ عنایت فرماتے ہیں؛ چنانچہ طائف میں آپ ﷺ نے اللہ کے واسطے بڑی عجیب عجیب تکلیف اٹھائی تو اس پر دو نقد انعام اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائے:

① طائف سے واپسی میں جناتوں کی ایک جماعت کا حاضر ہو کر قرآن سننا اور اس کے بعد ان کا اسلام قبول کرنا۔

(۲) طائف سے واپسی کے چند روز بعد ہی معراج کا نصیب ہونا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید کی دعوت کی بنیاد پر نمرود نے برہنہ کیا، آپ کے کپڑے اتارے گئے تو حدیث پاک میں آتا ہے:

اول من یکسی یوم القیامۃ ابراھیم علیہ السلام. (النسائی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے پہلے جنتی لباس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنائے جائیں گے۔

اسی طرح ایک جنگل بیابان میں ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چھوٹے بچے اسماعیل کے ساتھ قربانی دی تو انسانیت کو زمزم جیسی عظیم نعمت نصیب ہوئی۔

جب دنیا میں ایک انسان دوسرے انسان کی خاطر کوئی تکلیف اٹھاتا ہے تو انسانیت کے پیشِ نظر ایک غیرت مند انسان اس کو یاد رکھتا ہے تو یہ تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے جو ارحم الراحمین ہیں، جب بندہ اللہ کے لیے تکلیف اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو دنیا و آخرت میں بدلہ عنایت فرمائیں گے۔

سفرِ طائف ایک انقلابی موڑ

طائف کا سفر حیاتِ طیبہ کا ایک اہم واقعہ ہی نہیں؛ بلکہ ایک انقلابی موڑ بھی ہے، مکہ اور طائف کی بستیوں نے پیغامِ نبوت کے لیے کان بہرے کر لیے تو اللہ تعالیٰ نے یثرب پر رحمت کے دروازے کھول دیے اور اسے مدینۃ النبی بنا دیا۔

اس سفر میں انسانی سلوک کے تین الگ الگ تجربے ہوئے: ایک نے ایمان کی دعوت قبول نہیں کی؛ بلکہ الٹے پتھر برسائے۔ دوسرے نے روایتی مہمانی اقدار سے

مجبور ہوکر انگور سے ضیافت کی۔ تیسرے باہر سے آئے ہوئے غلام نے حق کو پہچانا اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

طائف کی کچھ یادیں

مفسرِ امت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت

اسی طائف میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے چچازاد بھائی، اس امت کے سب سے بڑے مفسر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر ہے، اس قبر کے قریب ایک عالی شان مسجد ہے جس کا نام مسجدِ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے، اس مسجد کے پیچھے ایک چھوٹی پرانی مسجد ہے اسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر ہے۔

عشا کے وقت ہم وہاں پہنچے، لوگوں نے کہا کہ: باہر باہر سے دیکھ لو، اندر کسی کو جانے نہیں دیتے۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: کچھ بھی سیٹنگ کرو، جہاں حضور ﷺ کے چچازاد بھائی، امت کے بڑے مفسر حضور ﷺ کے صحابی سو رہے ہیں وہ جگہ یہاں آ کر نہ دیکھیں، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

اونچی اونچی دیوار بنی ہوئی تھیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ایک بھائی کو جزائے خیر عطا فرمائے، انھوں نے اپنے ہاتھ میں اٹھا کر اوپر کیا، دیوار کے اوپر چڑھ گئے۔

اس میں کھجور کی جھاڑیاں تھیں، اصل پرانی مسجد اور آپ کا مکان تھا، مکان دیکھا تو آنکھوں سے آنسو آ جائے، پتھر کا مکان، بالکل چھوٹا اور تنگ مکان تھا، ایک ہی

کمرہ، وہی ڈائننگ روم، وہی بیڈروم، وہی اسٹور روم، اور اس میں رہ کر دین کا ایسا کام کر گئے کہ آج چودہ سو برس کے بعد بھی امت ان کے علم سے فائدہ اٹھا رہی ہے اور فائدہ اٹھاتی رہے گی۔

اسی طرح طائف سے ہوتے ہوئے قبیلۂ بنی سعد کے علاقے میں بھی جاتے ہیں جہاں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا رہتی تھیں، جہاں حضور ﷺ نے بھی بچپن میں قیام فرمایا تھا۔

طائف سے بنی سعد کا سفر

طائف سے آگے چل کر پہاڑی علاقوں میں قبیلۂ بنوسعد آباد ہے، ہمارے سفر کے وقت بھی باقاعدہ وہاں جانے کی کوئی سڑک بنی ہوئی نہیں تھی، کافی دشوار گزار راستوں سے چلتے ہوئے قبیلۂ بنوسعد کے علاقے میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو دودھ پلانے والی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا رہا کرتی تھیں۔

آپ ﷺ کو دودھ پلانے والی خوش نصیب عورتیں

کل آٹھ عورتوں نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا:

① آپ کی والدہ آمنہ۔ ② ابولہب کی باندی ثویبہ۔ ③ خولہ بنت منذر۔ ④ سعدیہ (حلیمہ سعدیہ کے علاوہ)۔ ⑤ اور ⑥ اور ⑦ تینوں کا نام عاتکہ لکھا ہے۔ ⑧ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا۔ (سیرت احمد مجتبیٰ)

پہلے سات دن حضور ﷺ کو آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے دودھ پلایا اور پھر سات دن کے بعد ثویبہ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو آٹھ دن دودھ پلایا۔ دودھ پلانے کی سب سے زیادہ سعادت اس ہستی کو نصیب ہوئی جس کے نام کا جز بھی ''سعدیہ'' تھا۔

عرب کے شریف لوگوں کی عادت

شرفائے عرب کی عام عادت تھی کہ بچوں کو دودھ پلانے کے لیے آس پاس کے دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے، جس سے دیہات کی صاف ستھری اور کھلی فضا میں بچوں کی جسمانی صحت بھی اچھی ہوجاتی تھی اور وہ خالص عربی زبان بھی سیکھ لیتے تھے؛ اسی لیے گاؤں کی دودھ پلانے والی اکثر عورتیں کھاتے پیتے گھرانوں کے دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں سال میں دوبار مکہ آتی تھیں، اس خدمت کے بدلے میں لڑکے کا باپ ان کو اجرت کے علاوہ انعام واکرام سے بھی نوازتا تھا اور ان کو خوش کردیتا تھا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا بچوں کی تلاش میں مکہ

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ: میں طائف سے بنی سعد کی عورتوں کے ساتھ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ کو چلی، ہم دس عورتیں تھیں، اس سال قحط تھا، میری گود میں ایک بچہ تھا؛ مگر فقر وفاقہ کی وجہ سے اتنا دودھ نہ تھا جو اس کو کافی ہوسکے، رات بھر وہ بھوک سے تڑپتا تھا اور ہم اس کی وجہ سے بیٹھ کر رات گزارتے تھے، ایک اونٹنی بھی ہمارے پاس تھی؛ مگر اس کو بھی دودھ نہیں تھا۔

مکہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو جو عورت دیکھتی اور یہ سنتی کہ: آپ یتیم ہیں تو

کوئی قبول نہ کرتی؛ کیوں کہ باپ ہی سے زیادہ انعام واکرام کی امید ہوتی تھی، دوسری طرف حلیمہ کی قسمت کا ستارہ چمک رہا تھا، ان کے دودھ کی کمی ان کے لیے رحمت بن گئی؛ کیوں کہ دودھ کم دیکھ کر کسی نے ان کو اپنا بچہ دینا گوارا نہ کیا، سب عورتوں کو بچے مل گئے، صرف حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا باقی رہ گئی۔

حلیمہ فرماتی ہیں کہ: میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ: یہ تو اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ خالی ہاتھ واپس ہوں، خالی سے یہی بہتر ہے کہ اس یتیم کو لے چلیں۔

شوہر نے کہا: ہاں! شاید اللہ تعالیٰ اس میں ہمارے لیے خیر و برکت دے۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی قسمت کا ستارہ چمک گیا

چنانچہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا، اور دودھ پلانے بیٹھی تو برکتوں کا ظہور شروع ہوگیا، اس قدر دودھ اترا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی نے بھی پیٹ بھر کر پیا۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ: جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس رہے صرف ایک داہنی طرف سے ہی دودھ پیا، دوسرے حصے کو منہ تک نہ لگا؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا تھا کہ کوئی اور بھی دودھ میں آپ کا شریک ہے؛ گویا شروع ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عدل وانصاف پر قائم فرمایا۔

ادھر اونٹنی کو دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے، اس کا دودھ نکالا اور ہم سب نے پیٹ بھر کر پیا، اور رات بھر آرام سے گذاری، مدتوں کے بعد یہ پہلی رات تھی کہ ہم اطمینان کے ساتھ پوری رات سوئے، آپ کی برکت سے کمزور اونٹنی

بھی تیز رفتار ہوگئی اور ہم تیز رفتاری کے ساتھ اپنے مقام پر پہنچ گئے۔

قحط اور خشک سالی نے قبیلۂ بنی سعد کی وادی کو بنجر بنا دیا تھا، جانوروں کے تھن سوکھ گئے تھے؛ لیکن اللہ کے ہونے والے نبی کے قدم کی برکت سے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی زمینیں ہری بھری ہوگئیں، بکریاں شام کو جنگل سے لوٹتیں تو ان کے پیٹ اور تھن بھرے ہوئے ہوتے، بستی والے اپنے چرواہوں سے کہتے کہ: اپنی بکریاں وہاں لے جاؤ جہاں حلیمہ کے جانور چرتے ہیں؛ لیکن یہ تو نصیبوں کی بات تھی، آسمانوں سے برکت ورحمت نے مدتوں بعد نزول کے لیے حلیمہ کے گھرانے کو منتخب کیا تھا۔

بعد میں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اکثر کہا کرتی تھیں کہ: وہ دن اور پھر ہماری زندگی کی آخری سانس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے خیر و برکت سے اللہ تعالیٰ ہمارے گھرانے کو نوازتا رہا۔ (از سیرت احمدِ مجتبیٰ وسیرتِ خاتم الانبیاء)

ایک عجیب نکتہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا؟ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے!!!

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں کہ: فہموں کی قلابازیاں اس مسئلہ میں بھی تقریباً اسی قسم کی ہیں جو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سمجھ کے پھیر سے بلا وجہ پیدا ہوئیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلیمہ رضی اللہ عنہا سے دودھ ملا، یا حلیمہ، حلیمہ کی اونٹنی، حلیمہ کی بکریوں، حلیمہ کے شوہر، حلیمہ کے بچوں؛ بلکہ آخر میں قبیلے والوں تک کو، ان سب کو دودھ آپ ہی کے ذریعے ملا؟ اس میں واقعہ کیا ہے، اس کو سب جانتے ہیں؛ لیکن نہیں جانتے یا نہیں

جاننا چاہتے۔ (النبی الخاتم)

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدے پر

بہر حال! ہم سفر کرتے ہوئے بفضل اللہ! بنی سعد کے علاقے میں پہنچ گئے تھے، دور دور تک پھیلا ہوا پہاڑی علاقہ، عجیب وغریب قسم کے پتھر، ایک سناٹے کا سکون بھرا ماحول، پہاڑ کے دامن میں قبیلۂ بنوسعد آباد ہے، ایک چھوٹی سی مسجد، گھر گھر عمدہ قسم کے دُنبے اور بکریاں پالنے کا رواج ہے۔

جب ہم پہنچے تو بنی سعد کے عرب لوگوں نے بڑی خوشی سے استقبال کیا، پھر ایک جگہ لے گئے اور بتلایا کہ: یہاں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا مکان تھا، ہم جب گئے اس وقت بھی ایک مکان نما بنا ہوا تھا، پتھر کی دیوار، بوسیدہ لکڑیوں کی چھت، بتلایا گیا کہ: یہی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا مکان ہے۔

اتنا چھوٹا سا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان کی زندگی کیسی سادگی بھری تھی، ہمارے قافلے میں ایک خاتون کہنے لگی: ارے ارے! اتنے چھوٹے مکان میں وہ لوگ کیسے رہتے ہوں گے!!!

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا، ان کے شوہر، اور ان کے بچے، پھر خود حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس چھوٹے مکان میں رہتے تھے۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کل چھ افراد تھے:

① شوہر: حارث۔ ② خود حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا۔ ③ دودھ پیتا بچہ: عبد اللہ۔ ④ بیٹیاں: انیسہ۔ ⑤ حذیفہ۔ ⑥ جدامہ، ان ہی کا لقب ''شیما'' تھا۔ (از سیرت احمدِ مجتبیٰ)

پھر آگے چل کر ایک جگہ بتلائی کہ یہیں پر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی بکریاں باندھی جاتی تھیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بکریاں چرانے کے عمل میں خوشی خوشی شامل ہوتے تھے۔

اطراف میں پھیلا ہوا پورا پہاڑی علاقہ اور پہاڑی گھاٹیوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ مبارک کے انوار وبرکات کا احساس ہو ہی جاتا ہے اور اس کی برکت سے انابت الی اللہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

بچپن میں بکریاں چرانا

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ: میرے دوسرے بھائی دن بھر نظر نہیں آتے، وہ کہاں رہتے ہیں؟

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے بھی ان کے ساتھ بھیجا کرو، میں بھی بکریاں چرانے جایا کروں گا، پھر اس کے بعد آپ بھی اپنے رضائی بھائی عبداللہ کے ساتھ بکریاں چرانے جایا کرتے تھے۔ (از سیرتِ خاتم الانبیاء)

نوٹ: دیکھو! تین چار سال کی عمر ہے؛ لیکن دل میں کیسا جذبہ ہے، کہ جب میرا بھائی کام کرتا ہے تو میں کیوں نہ کروں؟

نبی سے بکریاں چرانے میں حکمت

بعض حضرات کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے بکریاں چروائی؛ اس لیے کہ

انسان جن جانوروں کے ساتھ رہتا ہے ان جانوروں کے اثرات انسان میں آتے ہیں۔

بکریوں میں ''حلم'' یعنی برداشت کا مادہ ہوتا ہے، اور یہاں تو حلم والی بکریاں بھی حلیمہ کی ہیں، بکریوں میں نرمی کا مزاج ہے، لڑائی جھگڑا نہیں کرتی، آسانی سے جو ملا وہ کھالیتی ہیں، حضراتِ انبیا علیہم السلام میں اس طرح کے اوصاف کامل طور پر ہوتے ہیں۔

واقعۂ شقِ صدر

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضائی بھائی کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرانے گئے ہوئے تھے کہ دو فرشتے: حضرت جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام سفید کپڑے پہن کر انسانی شکل میں سونے کا ایک طشت برف سے بھرا ہوا لے کر آئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سینہ چیر کر دل نکالا اور دل کو چیر کر اس میں سے ایک یا دو ٹکڑے خون کے جمے ہوئے نکالے اور کہا کہ: یہ شیطان کا حصہ ہے، پھر دل کو اس طشت میں رکھ کر برف سے دھویا، اس کے بعد دل کو اپنی جگہ رکھ کر سینہ پر ٹانکے لگائے اور دونوں شانوں کے درمیان ایک مہر لگادی۔

یہ منظر دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی بھائی گھبرا کر دوڑتا ہوا گھر گیا اور سارا واقعہ سنایا، یہ سنتے ہی حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر حارث کے ہوش اڑ گئے اور وہ دوڑتے ہوئے جنگل پہنچے تو دیکھا کہ آپ ایک جگہ کھڑے ہیں اور چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا ہے، دونوں نے فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سینہ سے لگادیا، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ آمنہ کے پاس پہنچادیا۔ (ملخص از سیرتِ مصطفیٰ)

شقِ صدر کا واقعہ کتنی مرتبہ پیش آیا؟

شقِ صدر کا واقعہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو اپنی عمر چار مرتبہ پیش آیا:

① چار سال کی عمر میں جب آپ ﷺ حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں تھے۔

② دس سال کی عمر میں پیش آیا۔

③ غارِ حراء میں نبی بنائے جانے کے وقت پیش آیا۔

④ سفرِ معراج کے موقع پر پیش آیا۔ (از سیرتِ مصطفیٰ)

شقِ صدر کی حکمت

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تفسیرِ ''الم نشرح'' میں لکھا ہے کہ:

پہلی مرتبہ دل سے کھیل کود کی محبت کو نکالنے کے لیے سینہ چیرا گیا۔

دوسری بار اللہ کی مرضی کے خلاف متوقع جوانی کی رغبتوں کے تدارک کے لیے تھا۔

تیسری مرتبہ دل وحی برداشت کرنے کے قابل بنایا گیا۔

اور چوتھی مرتبہ اس لیے شقِ صدر کیا گیا؛ تا کہ عالمِ آخرت کو دیکھنے کی طاقت پیدا ہو جائے۔

الم نشرح لک صدرک کی قرآنی آیت ''شقِ صدر'' کے واقعات کی تصدیق کرتی ہے۔

خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ: میں بچپن میں سینۂ اقدس ﷺ پر زخم کی سلائی کے نشانات دیکھا کرتا تھا۔ (از سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

شقِ صدر والی جگہ اور ہرا بھرا درخت

دور دور تک پہاڑی علاقے میں نظر ڈالی تو کہیں کوئی خاص ہریالی نظر نہیں آئی، عرب میں جیسے سوکھے درخت ہوتے ہیں، کہیں کہیں ہرے پتے، اس درمیان قبیلۂ بنی سعد کے کچھ بچوں نے آ کر دور ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ: یہ وہی مقدس جگہ ہے جہاں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا تھا اور وہاں ایک عجیب بات کہ جس جگہ شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا تھا وہاں ایک ہرا بھرا چھوٹا درخت تھا، ان عرب کے بچوں نے بتلایا کہ: اس پورے علاقے میں کہیں آپ کو ایسا ہرا بھرا درخت نظر نہیں آئے گا اور یہ صرف اسی جگہ ہے۔

بہت ممکن ہے کہ شقِ صدر کے موقع پر جو متبرک پانی استعمال کیا گیا ہو اس کے کچھ چھینٹوں کے برکات ہو، کہ جہاں دور دور تک پانی کا چشمہ یا کنواں نہ ہو ایسی پتھریلی جگہ میں ایک ہرا بھرا درخت، یہ واقعی حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی برکت کا ظہور ہے۔

ہم کافی دیر تک اس درخت کو اور شقِ صدر کی جگہ کو دورد شریف کے وِرد کے ساتھ دیکھتے رہے۔ قبیلۂ بنو سعد ہی کے علاقے میں عصر کی نماز ادا کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ الحمد للہ! ان تمام مقامات کی زیارت نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام کو مکہ اور مدینہ کی بار بار زیارت نصیب فرمائیں، طائف کی زمین کی اور دنیا میں جہاں جہاں بھی حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے مبارک قدم پڑے ہیں ان ساری سرزمینوں کی زیارت نصیب فرمائے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح پوری زندگی دین کی محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

دیگر چند متفرق واقعات

دسترخوان بھی ایک ''خان'' ہے

ہمارے یہاں خان پٹھانوں کی شجاعت و بہادری اور ہمت کے قصے اور لطیفے مشہور ہیں۔

ملک و بیرونِ ملک میں دینی بھائیوں کا حال یہ ہے کہ وہ بزرگوں کو اپنے گھر، دکان اور آفس پر لے جانے کا اصرار کرتے ہیں؛ تاکہ بزرگوں کی دعا اور برکت مل جائے، اور پھل فروٹ، سوکھا میوہ، تلی ہوئی چیزیں اور مشروبات وغیرہ پیش کرتے ہیں، اور کچھ نہ کچھ کھانے پر اصرار ہوتا ہے۔

ایک جگہ کسی کی دل جوئی کے لیے جانا ہوا، انھوں نے دسترخوان تیار ہی رکھا تھا؛ حالاں کہ اسی وقت کھانا تناول کر کے نکلے تھے، ہمارے حضرت دامت برکاتہم نے لطیفے کے انداز میں فرمایا:

یہ بھی ایک خان (خوان) ہے، اس سے بھی نمٹنا ہے۔

ایک موقع پر دسترخوان پر آستین موڑتے ہوئے (تاکہ کھانا کپڑے پر لگ نہ جائے) ارشاد فرمایا: کھانا کھائیں کہ نہ کھائیں، آستین تو چڑھانی ہی پڑتی ہے۔

بعض حضرات کچھ کھلانے پلانے کے لیے زمزم اور کھجور کا مبارک عنوان اختیار کرتے ہیں؛ حالاں کہ اس طرح کے ناشتے وغیرہ سے بہت وقت ضائع ہوتا ہے، رہی بات دعا! تو بزرگوں کو درخواست کردی جائے، وہ دعا کرلیں گے، اور دعا کے برکات وثمرات دور سے بھی پہنچ جائیں گے، اور وقت بچنے کی برکت سے دوسرے دینی

کاموں کا موقع ملے گا جن سے امت کو زیادہ فائدہ پہنچے گا۔

بزرگوں کی راحت کا خیال رکھتے ہوئے دعا کروانے کے سلسلے میں ایک طریقہ

ذمن میں ہمارے ایک بہت ہی تعلق والے حاجی نذیر صاحب ہیں، وہ پہلے کہاں اور کس حالت میں تھے اور اللہ والوں کی توجہات کی برکت سے کیسی زندگی بدل گئی!!

پہلے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سے، بعد میں دوسرے بہت سے اکابرین سے اور ماضی قریب میں ہمارے حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم سے اصلاحی تعلق رکھتے ہیں۔

بزرگوں کی دعوت کا بھی ان کو بڑا شوق رہتا ہے، جب بزرگانِ دین کی ان کے گھر پر آمد ہوتی ہے تو خود حاجی نذیر صاحب بزرگوں کی راحت کا بڑا خیال رکھتے ہیں اور دوسرے لوگ اپنے گھر اور دکان وغیرہ دعا کے لیے لے جانا چاہتے ہیں تو ان کی دل جوئی کا بھی خیال رکھتے ہیں، مثلاً:

(۱) کوئی صاحب آکر عرض کرنے لگے کہ: میرے گھر سنگِ بنیاد رکھنا ہے تو نذیر بھائی اپنے ہی گھر میں اس کی ملاقات بزرگ سے کرواتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: حضرت! ان کے گھر کام شروع ہو رہا ہے اس کے لیے دعا فرما دیجیے، اور اس شخص کو کہتے ہیں کہ: ایک اینٹ لے آ! حضرت دم کر دیں گے، اس کو تعمیر میں رکھ دینا۔

(۲) کسی کا مکان مکمل ہو چکا ہے اور افتتاح باقی ہے یا کسی کی دکان کا معاملہ ہے تو اپنے گھر ہی سے ان کے لیے اہتمام سے دعا کرواتے ہیں اور اس بھائی سے کہتے

ہیں کہ: پانی کی ایک بوتل لے آؤ! حضرت دم کردیں گے، اس کو گھر اور دکان کی دیواروں پر چھڑک دینا۔

دینی نسبتوں کا لحاظ

ہم نے ہمارے بزرگوں میں حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ اور دوسرے بعض اکابر کو دیکھا کہ اگر کوئی صاحب مسجد، مدرسہ یا دیگر دینی کاموں کے خصوصی معاون ہیں تو اس دینی تعاون کی رعایت اور لحاظ کرتے ہوئے تکلیف اٹھا کر بھی ان کے گھر یا دکان پر جاتے ہیں۔

برطانیہ کے ایک مصروف ترین سفر کے موقع پر ایک شہر میں بارڈولی کے ایک معزز صاحب کے یہاں ان کی درخواست پر میں نے ہمارے حضرت سے سفارش کی جرأت کرلی کہ: پانچ دس منٹ کے لیے ان کے یہاں حاضری کا موقع عنایت فرمادیں۔

ان کے یہاں پہنچے تو انھوں نے حسبِ معمول کئی چیزیں دسترخوان پر رکھ دی۔

میں نے ان کا تعارف کروانا شروع کیا، اپنی رشتے داری، اپنا ہم وطن ہونا اور کسی کمیٹی کے ذمے دار ہونا یہ سب میں نے بتلایا، تعارف مکمل کرتے ہوئے میں نے یہ عرض کیا کہ: یہ ہمارے مدرسہ دارالاحسان بارڈولی کے خصوصی معاون ہیں، خود بھی تعاون کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی تعاون کرواتے ہیں۔

اس پر میرے دونوں بزرگوں نے یعنی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب دامت برکاتہم نے انشراح اور خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ان مشغول ترین اوقات میں سے ان کے یہاں لانے کی اصل اور صحیح ترین وجہ تو اب تم نے بتلائی۔

جو حرام سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے اللہ اس کے لیے بچنا آسان فرمادیتے ہیں

ہمارے حضرت دامت برکاتہم کا عجیب واقعہ

ابھی ۲۰۱۸ دسمبر کے مہینے میں وین کور (Van Couver) (کینیڈا) سے واپسی ہورہی تھی، ہمارے ٹکٹ میں کھانے کے سلسلے میں پہلے سے صرف خالص سبزی (Pure Veg) لکھا دیا گیا تھا، ہوائی جہاز میں جو خدمت کرنے والا عملہ تھا وہ برابر مختلف قسم کی چیزیں لالا کر پیش کررہا تھا۔

وین کور سے فرانک فرٹ (Franc Fort) (جرمنی) کی تقریباً دس گھنٹے کی (Air Luf Thansa) سے پرواز تھی، کھانے جس انداز سے آرہے تھے وہ حضرت کی طبیعت کے مناسب نہیں تھے، تو ہوائی جہاز کی خادمہ کو کہا گیا کہ: آملیٹ ہے؟ اس نے کہا کہ: جی! ہے۔ وہ حضرت مدظلہ کو چل جائے ایسا کھانا تھا۔

اس کو کہا گیا کہ: ایک آملیٹ لے آؤ۔

ان کی امانت داری دیکھو کہ اس نے دکھلاتے ہوئے کہا کہ: یہ آملیٹ آپ کے مناسب نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس میں ہوٹ ڈوگ (Hot Dog) بھی رکھے ہوئے ہیں، جو گوشت سے بنے ہوئے ہیں، اور جس کمپنی سے وہ لوگ کھانا لیتے ہیں وہ آملیٹ اور ہوک ڈوگ ایک ڈیش میں ساتھ رکھ کر دیتے ہیں۔

حالاں کہ ہم کو نظر نہ آئے اس طرح وہ ہوٹ ڈوگ کو الگ کر کے صرف آملیٹ

بھی دے سکتی تھی، اور وہ اپنے طور پر الگ کر کے لاتی تو ہم کو پتہ بھی نہ چلتا۔

ہمیں اس کی اس امانت داری پر بڑا تعجب ہوا، اور بڑی خوشی ہوئی۔

صحیح بات ہے کہ اگر انسان نامناسب اور حرام غذا اور مشروبات سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بچنا آسان فرما دیتے ہیں۔

دوسرا واقعہ

اسی سفر میں پہلے ہم بمبئی سے بار باڈوس گئے، Virgin Atlantic ایئر لائن سے لندن سے سفر ہو رہا تھا، حضرت کے ضعف، کمزوری اور بیماری کی وجہ سے اطلاع کے بغیر بار باڈوس کے میزبان مولانا جنید صاحب بھانا نے حضرت کا ٹکٹ بزنس کلاس (Businesss Class) میں بک کروایا تھا، ہم سب پیچھے کی طرف سیٹ پر تھے۔

ایسے بھی حضرت کی غذا کم اور دورانِ سفر تو اور کم ہو جاتی ہے، حضرت کچھ کھا پی نہیں رہے تھے، تو ہوائی جہاز کے عملے کا معاملہ دیکھو! کہ وہ بہت متفکر ہوئے کہ یہ بوڑھے آدمی ہے اور کچھ کھا پی نہیں رہے ہیں۔

جب مسئلہ زبان کا آیا تو ایک خادمہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ: وہ آپ کے ابا کچھ کھاتے پیتے نہیں، میرے ساتھ چلو اور ان کو سمجھاؤ، اور پھلوں کی پوری ٹوکری، مختلف قسم کے چاکلیٹ کی پوری ٹرے، الگ الگ قسم کے بسکٹ، ویفر اور مختلف انداز کے کھانے اس نے تین چار مرتبہ مجھے پیش کیے کہ ان کو ضرور کچھ نہ کچھ کھلاؤ۔

میں نے حضرت سے درخواست کی کہ: ان کی فکر دور کرنے کے لیے ایک دو

معمولی چیزیں لے لیں، حضرت کو بھی ان کی اس مسلسل فکر اور جذبۂ خدمت سے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ اپنے ہوائی جہاز میں سفر کرنے والوں کا اس قدر خیال رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ اس نے مجھے آکر کہا: آٹھ گھنٹے کا لمبا سفر ان کا کیسے گزرے گا؟ سیٹ پر لگی ہوئی اسکرین پر وہ جو چاہیں وہ پروگرام ان کو چالو کردو۔

اس کے اس اصرار پر میں نے ہوائی جہاز کے راستے کو بتلانے والا جو پروگرام ہوتا ہے وہ شروع کردیا۔ اور اس کو بتلایا گیا کہ یہ ہمارے مذہبی بڑے رہنما ہیں۔

اور دورانِ سفر تو حضرت کے ہاتھ میں تسبیح اور موبائل میں تلاوت ومعمولات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

گورے لوگوں میں ہمدردی

اسی سفر میں جب ہم ٹورنٹو سے وین کور (Van Couver) جارہے تھے، کافی شدید سردی تھی، برف باری ہورہی تھی؛ اس لیے کئی کپڑے سردی کے پہنے ہوئے تھے، جب ہوائی اڈے پر اترے تو شال کا ایک کنارہ زمین پر لگ رہا تھا، اور کئی کپڑے ہونے کی وجہ سے ہمیں اس کا احساس نہیں تھا۔

ایک انگریز خاتون جو برابر میں چل رہی تھی اس نے یہ توجہ دلائی کہ آپ کا یہ کپڑا زمین پر لگ رہا ہے۔ ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

گورے لوگوں کے عوام میں ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو انسانی ہم دردی، خیر خواہی اور جذبۂ خدمت رکھتا ہے، اور اس کے نمونے اس طرح دیکھنے کو ملتے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو شرعِ محمدی پر ایمان کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

البانیا کی مختصر کارگزاری

از: مولانا نذیر صاحب موسالی

نوٹ

کتاب پریس میں پہنچ کر چھپ چکی تھی، صرف بائڈنگ کا کام باقی تھا اور حضرت مولانا حنیف صاحب کا پیغام آیا کہ حضرت مولانا مفتی محمد علی فلاحی کا ایک خط اور مولانا نذیر صاحب موسالی کا ایک مضمون جس میں البانیا کے مختصر حالات اور تنظیم مسلم ویلفیئر کے کاموں کی تفصیل مذکور ہے، اس کو بھی شامل کرلیا جائے، چنانچہ ان کے حکم کی وجہ سے یہ شکریہ کا خط اور یہ مختصر کارگزاری بعینہ اخیر میں شامل کرلی گئی۔

❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

ولادت موسالی میں ہوئی اور والدین کا اصلی گاؤں ہتھوڑا ضلع سورت گجرات ہے، ابتدائی مکتب اور حفظ کی تعلیم ہتھوڑا میں ہوئی، مولانا علی حسینؒ کے پاس آخر سے ۳ پارے حفظ کئے اور پھر ۱۲ سال کی عمر میں حفظ کے لیے مفتاح العلوم تراج کا رخ کیا، وہاں مولانا عبدالرشید آنکرودیؒ کے پاس حفظ مکمل کیا۔ پھر اردو سے عربی دوم تک جامعہ حقانیہ کٹھور میں تعلیم حاصل کی، یہاں استاذِ محترم مفتی محمد علی فلاحی بمبوی (مقیم برطانیہ) اور مفتی یحیٰی کڑی (احمد آباد دارالعلوم الفضل) کی خصوصی توجہات حاصل رہی، پھر عربی سوم سے دورۂ حدیث شریف تک مادرِ علمی دارالعلوم فلاحِ دارین کی آغوش میں پناہ لی۔ فلاحِ دارین میں مفتی احمد علی فلاحی بمبوی (شیخ الحدیث موٹی نرولی) قاری المقری محمد صدیق سانسرودی، مولانا یوسف ٹنکاروی اور شیخ ذوالفقار نرویؒ کی خصوصی توجہات رہی۔

۱۹۹۶ء کے اواخر میں دعوت الی اللہ کا وہ ذوق وشوق اور جذبہ پیدا ہوا کہ اس کا عشرِ عشیر بھی اب اپنے اندر نہیں پاتا، اساتذۂ کرام اور شیخ مولانا منیر بمبوی اور پیرِ طریقت مفسرِ قرآن شیخ قمر الزماں الہٰ آبادی کی دعاؤں کی برکت سے برادرانِ وطن میں دعوت کے کام کا آغاز کیا اور دو سال سے بھی کم عرصہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پچاس سے زائد افراد کو شرک وکفر کی تاریکی سے اسلام کی روشنی میں داخل ہونے کا سبب بنایا۔ تمام تعریفیں صرف اور صرف اللہ رب العزت کے لیے ہیں، اسی شوق اور جذبہ

کے تحت دورۂ حدیث کی تکمیل ہوئی اور رمضان کے بعد استاذِ محترم قاری محمد صدیق سانسرودی کی ترغیب پر جامعہ فیضان القرآن کی جانب بطور مدرس روانہ ہوا۔ابھی تو تدریسی خدمت کے چند ماہ ہی گزرے تھے کہ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ، اپریل ۲۰۰۰ء میں دارالعلوم فلاح دارین سے استاذِ محترم مفتی محمد علی فلاحی کا پیغام آیا کہ ہم برطانیہ بلیک برن کی ایک تنظیم مسلم ویلفیر سے آپ کے سلسلہ میں بات کی ہے۔ یہ حضرات آپ کو ملک ''البانیا'' لے جائیں گے جہاں آپ کو ایسے لوگوں میں دعوت الی اللہ کا کام کرنا ہے جن کے آباء واجداد مسلمان تھے اور کمیونزم کے جبر واکراہ کی وجہ سے موجودہ نسل مرتد ہوچکی ہے، پھر مولانا رفیق صوفی برطانیہ سے جامعہ فیضان القرآن آئے اور انھوں نے ہمارے اساتذۂ کرام کے واسطے سے راقم الحروف کو البانیا لے جانے کی درخواست مولانا حبیب صاحب کے سامنے پیش کی، مولانا حبیب صاحب نے اس وقت جو کلمات کہے وہ آج تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں: ''مولانا! ہمیں آپ کی یہاں ضرورت ہے؛ لیکن آپ کے اساتذہ نے اگر آپ کو البانیا بھیجنے کا ارادہ کیا ہے تو یقیناً وہاں زیادہ ضرورت ہوگی اور ہم تو اللہ رب العزت کے دین کے خادم ہیں، آپ ضرور جائیں اور جامعہ فیضان القرآن کے دروازے آپ کے لیے ہمیشہ کھلے ہیں''۔

رجب ۱۴۲۱ھ - ۱۲/اکتوبر ۲۰۰۰ء کو البانیا کے لیے مولانا مقصود دہگامی کے ساتھ روانگی ہوئی اور ۱۳/اکتوبر بروز جمعہ ہم البانیا پہنچ گئے۔ اس کے بعد سے اکتوبر ۲۰۱۵ء کے اواخر تک مسلم ویلفیر کے ساتھ سرزمینِ البانیا میں اعلائے کلمۃ اللہ کا موقع اللہ رب العزت نے عطا فرمایا۔ آئندہ صفحات میں اسی کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

البانیا کی مختصر کارگزاری

ملک البانیا مشرقی یورپ کے ان جزیرہ نماؤں کا ایک حصہ ہے جنھیں بلقان جاتا ہے۔ بلقان ترکی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں اور چونکہ یہ پورا خطہ اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے؛ اس لیے خلافتِ عثمانیہ کے دور میں اس کا نام بلقان رکھ دیا گیا۔ یہ علاقہ کئی ملکوں پر مشتمل ہے جن میں البانیا کے علاوہ مقدونیا، بلغاریا، رومانیا، سربیا اور بوسنیا قابلِ ذکر ہے۔ جبلِ اسود (MONTINIGRO)، کوسوؤ (KOSOVO) MACEDONIA، اور GREECEE کی حدود البانیا سے خشکی کے راستہ سے ملی ہوئی ہے اور یہاں کے باشندے ان ملکوں میں بلا رکاوٹ آ جا سکتے ہیں۔

البانیا کی کل آبادی 35 لاکھ ہے، یہ بحر متوسط کی ایک شاخ بحیرۂ ادریاٹک {ADRIATIC SEA} کے کنارے پر واقع ہے، اس کا کل رقبہ 28748 کلو میٹر ہے، اس کا طول شمال سے جنوب تک 340 کلومیٹر اور عرض مشرق سے مغرب تک صرف 153 کلومیٹر ہے، اس کی حدود شمالِ مشرق میں مقدونیا اور کوسوؤ سے جنوب مشرق میں یونان {GREECE} سے اور مغرب میں بحیرۂ ادریاٹک ہے جس کے دوسرے کنارے اٹلی {ITALY} ہے۔

ملک کی 79 فیصد آبادی سن 2010 کی مردم شماری کے مطابق الحمد للہ! اقراری مسلم ہے (اللہ رب العزت ان کو اور پورے ملک کو حقیقی معنوں میں مسلمان بنادے آمین) جبکہ دیگر نصاریٰ ہیں۔

ملک کی 76 فیصد زمین سبز پوش پہاڑیوں پر مشتمل ہے جن میں اکثر پہاڑیوں

پر انجیر، زیتون، سیب اور CHERRY کے درخت ہے۔ غلے میں گیہوں اور مکئی کی پیداوار ہے اور مشہور سبزیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہاں کا موسم چھ ماہ گرم اور چھ ماہ ٹھنڈا ہے۔ مئی سے اکتوبر تک گرمی اور نومبر سے اپریل کے اخیر تک شدید سردی ہوتی ہے۔ گرمی زیادہ سے زیادہ 41 ڈگری اور ٹھنڈی MINUS12 تک ہوتی ہے، اکثر علاقوں میں شدید برف باری ہوتی ہے۔

یہاں بسنے والی قوم سفید وسرخ ہے اور ILIRYAN قوم کہلاتی ہیں اور ایک ہزار قبل مسیح سے یہاں آباد ہے۔ اس وقت یہاں مختلف بادشاہوں کی حکومت تھی اور کئی سالوں تک سلطنت روما کا ان پر تسلط رہا، یہی وجہ ہے کہ ان کا رشتہ اسلام سے قبل نصرانیت سے تھا، یہ الیرین قوم آج تقریباً ایک کروڑ ہیں اور سب البانیا ہی میں رہتے تھے؛ لیکن خلافتِ عثمانیہ کے ٹوٹنے کے بعد انگریز نے ان کو چار حصوں میں بانٹ دیا۔

(۱) ایک حصے پر GREECE نے قبضہ کرلیا جہاں ابھی 5 لاکھ کی آبادی ہے، ان پر عیسائیوں کی مسلسل محنت کے باوجود وہ اعترافاً مسلمان ہیں؛ لیکن اسلام سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہاں تک کہ شہادتین بھی نہیں جانتے۔

(۲) ایک حصہ مقدونیا کو دے دیا جہاں 10 لاکھ البانین ہیں، یہ سب بھی اعترافاً مسلمان ہیں اور اب الحمدللہ! دعوت وتبلیغ کی برکت سے کافی لوگ دین کی جانب مائل ہورہے ہیں اور الحمدللہ ان کا رابطہ اور دینی تعلیم کا تعلق ہمارے ساتھ بھی ہے۔

اب تک پچاس سے زائد افراد چلہ اور تیس افراد چار ماہ لگا چکے ہیں۔ الحمدللہ!

(۳) موجودہ نو آزاد ملک KOSOVO ہے جس کی آبادی 20 لاکھ ہے،

ان میں 18 لاکھ اقراری مسلم ہے، ان کی حالت بھی البانین مسلمانوں سے مختلف نہیں، یہاں بھی دعوت کا کام جاری ہے اور ان دونوں ملکوں میں اگر قانونی رکاوٹیں دور ہوجاتے تو ان شاء اللہ! وہاں سے طلبہ ہمارے پاس آسکیں گے۔

(۴) موجودہ البانیا ہے۔

البانیا میں اسلام کی آمد

سلطنتِ عثمانیہ کے حملے سے کئی صدیوں قبل ہی یہاں اسلام کی کرنیں پہنچ چکی تھیں؛ چنانچہ 292ھ (904ء) میں مسلمانوں کے ایک دستے نے قسطنطنیہ کی جانب پیش قدمی کے لیے جد وجہد کی تھی اس وقت SALONIKA شہر (جو ابھی GREECE کے قبضہ میں ہے) کے ایک سرکردہ شخص {LIVY} لیوی طرابلوسی مشرف بہ اسلام ہونے اور پھر لشکرِ اسلام کے بحری بیڑے کے قائد مقرر ہوئے۔

اسی طرح سلطنتِ عثمانیہ کے حملے کے 18 سال قبل یہاں SPAIN سے مسلمان تاجروں کی آمد ورفت رہی تھی جن کے دستِ راست پر کئی خاندان و افراد مشرف بہ اسلام ہوچکے تھے؛ چنانچہ BERAT شہر کی موجودہ مسجد اسی دور کی تعمیر ہے، اس کا سنِ تاسیس 1492ء ہے، نیز 1385ء میں سلطان مراد اول کے دور میں سربیا پر حملہ ہوا اور 1389ء میں موجودہ KOSOVO مکمل فتح ہوگیا، اس موقع پر اس قوم نے مسلمانوں کو قریب سے دیکھا، اس سے قبل یہ قوم یوروپین فاتحین کا غیر مساویانہ اور بے رحمانہ سلوک دیکھ چکی تھی، اس کے برعکس جب انہوں نے مسلمان فاتحین کے حسنِ اخلاق، صفاتِ حمیدہ، عدل وانصاف، عفت و پاکدامنی اور معاملات کی صفائی

دیکھی تو یہ لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے اور بہت جلد ملک کی اکثریت مشرف بہ اسلام ہوگئی اور پھر ان کا اسلام پختہ ہوگیا اور اس کی جڑیں یہاں مضبوط ہوگئیں اور اس کی شاخیں ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئیں، پھر اسلام یہاں ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرگیا جس کے نتیجے میں ملک کے قریہ قریہ، دیہات وشہر میں مساجد ومدارس تعمیر ہو کر آباد ہونے لگے اور ان کی تعداد 1939ء کے ریکارڈ کے مطابق پورے ملک میں 1667 مساجد تھی اور اسی طرح 12 دار العلوم تھے۔

لیکن جب کمیونزم کی لعنت اس ملک کی مقدر میں آئی تو دار العلوم تو سبھی بند کر دئے گئے تھے اور مساجد میں سے صرف 50 مساجد کو بطور آثارِ قدیمہ باقی رکھا گیا، باقی سب کو یا تو سرکاری دفاتر میں تبدیل کر دیا یا سینما گھر بنا دیا گیا یا منہدم کر دیا گیا، اب ان میں سے بعض کو دوبارہ ان کی اصلی حالت پر لوٹانے کی سعادت اللہ رب العزت نے الحمدللہ! ہمیں بھی نصیب فرمائی۔

اس وقت پورے ملک کی (موجودہ) آبادی 10 لاکھ تھی، جبکہ مقدونیا، کوسوؤ اور GREECE کے حصے کو ملا کر مساجد کی تعداد تقریباً 5 ہزار تھی اور مسلمان کا تناسب 79 فیصد تھا؛ لیکن 1913 میں جب خلافتِ عثمانیہ کا شیرازہ بکھر گیا اور مسلم ممالک کو اس سے الگ کر دیا تو البانیا بھی مستقل ملک ہوگیا، اس موقع پر اطراف کے عیسائی ملکوں نے اس کے اکثر حصے کو آپس میں تقسیم کر لیا جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے؛ چونکہ وسطِ یورپ میں یہ تنہا مسلمان ملک تھا؛ اس لیے اطراف کے عیسائی ملکوں نے یہاں لادینیت پھیلانے کے لیے ہر طرح کی کوشش کی جس کے نتیجے میں مساجد سے نمازی

دور ہونے لگے، عورتوں سے حجاب نکلنے لگا اور مئے خانے محلے محلے آباد ہونے لگے۔

پھر دوسری جنگِ عظیم کے بعد ان پر ایک ایسا فرد حاکم بنایا گیا جس کی تربیت فرانس اور یوگوسلاویہ میں ہوئی تھی، یہ شخص جس کا نام ''انور ہوجا'' تھا یہ نہ صرف مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتا تھا؛ بلکہ اس کے والد عالمِ دین اور شہر کی بڑی مسجد کے امام تھے: لیکن یوگوسلاویہ کی تعلیم کے دوران یہ شخص ذہنی ارتداد کا شکار ہوگیا اور نہ صرف متاعِ ایمان گنواں بیٹھا؛ بلکہ خالقِ ارض و سما کے وجود کا منکر ہو گیا؛ چنانچہ نظامِ حکومت سنبھالتے ہی اس نے اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا اور ایک دن وہ بھی آیا کہ اس نے اپنے والد کے ہاتھ سے قرآن کریم چھین لیا اور مسجد کی چابی بھی لے لی اور کہا کہ: یہ 1300 سالہ قدیم طرزِ زندگی ہے جو اَن پڑھ عرب کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہے، اب ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے العیاذ باللہ!۔ پھر زر خرید ائمہ اور علمائے سوء کا جال پھیلا کر لوگوں کے ایمان کو کریدنا شروع کیا، جس کے نتیجے میں 1955 تک ملک کی یہ حالت ہوگئی کہ مساجد و کنائس خالی اور ویران ہو گئے اور لوگوں کی اکثریت ملحد ہوگئی اور یہ نتیجہ تھا فرانس اور یوگوسلاویہ کی تعلیم و تربیت کا۔

یہ معاملہ تو اہلِ علم اور متشرع لوگوں کے ساتھ تھا، جہاں تک عوام الناس اور مادہ پرست لوگوں کا تعلق ہے تو انہیں یہ باور کرایا گیا کہ پوری دنیا غربت و افلاس کے تحت زندگی گزار رہی ہے اور ہم سب سے زیادہ خوش حال ہیں، اس بنا پر دنیا ہماری طرف لالچ بھری نگاہوں سے دیکھ رہی ہے اور ہم سے ہماری خوش حالی چھین لینے کے لیے کسی بھی وقت ہم پر حملہ کرسکتی ہے؛ چنانچہ اس ڈر کی وجہ سے پورے ملک میں راستے

بل کھاتے ہوئے بنائے اور کوشش کی گئی کہ ہر راستہ پہاڑی کے دامن سے ملا ہوا ہو اور راستہ کے بالمقابل یا اس کے اوپر ٹیلوں اور پہاڑوں پر تہہ خانے اور بنکر بنائے گئے۔

یہ بنکر (BUNKER) اتنی بڑی تعداد میں بنائے گئے ہیں کہ وقت آنے پر پورا ملک ان میں چھپ کر دشمن کا مقابلہ کر سکے، ایک اندازے کے مطابق پورے ملک میں ان بنکروں کی تعداد 5 لاکھ ہے، اس میں چھوٹے بنکر میں کم از کم دو فرد اور بڑے میں دس افراد چھپ سکتے ہیں۔ اب کمیونزم موت کی نیند سو جانے کے بعد یہ بنکر ویران پڑے ہیں، ان بنکروں پر اتنی بڑی رقم خرچ کی گئی کہ کہا جاتا ہے کہ: ایک بنکر پر ایک اچھا خاصا مضبوط اور شاندار محل بن جائے اتنا لوہا اور سیمنٹ خرچ کیا گیا۔

اور 1961 میں حکومتی سطح پر یہ کوشش شروع ہوگئی کہ قانوناً کسی بھی دین پر برملا اظہار (چاہے وہ دینی شعائر ہو یا آداب جیسے اذان ونماز باجماعت، جمعہ، نمازِ جنازہ وعیدین، اسی طرح سلام کرنا، چھینک کا جواب دینا وغیرہ) کو جرم قرار دینے کی آواز بلند ہونے لگی اور عوام میں اس کی تائید کے لیے پروپیگنڈا کیا گیا، بالآخر عوام اور زرخرید علماء کے ذریعہ 1967 میں اعلامیہ جاری ہوا جس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

حکم نامہ تمام مسلمان اداروں کے لیے

TIRANA-18-2-1967

مسلمانوں کی قانونی شوریٰ اپنے ایمرجنسی اجلاس میں غور وفکر کے بعد ان نتائج پر پہنچی ہے کہ:

(۱) ائمہ اور دینی پیشواؤں کا مخصوص دینی لباس نکال دیا جائے ”لازیّ فی

الاسلام‘‘بطورِاستشہاد یہ عبارت پیش کی ہے۔

(۲) تمام عبادت گاہیں عوام الناس کی ملک ہیں؛لہذا وہ حسبِ ضرورت کسی بھی کام میں استعمال کرسکتے ہیں۔

(۳) مساجد صرف جمعہ اور حکومتی تہواروں کے دن کھولی جائیں۔

(۴) تمام دینی اعمال ممنوع قرار دیے جارہے ہیں، چاہے وہ اجتماعی ہوں یا انفرادی۔مسجد میں ادا کیے جاتے ہوں یا گھر میں، جیسے مولود پڑھنا،ختمِ قرآن، دینی وعظ ونصیحت یا قبرستان میں دعا کرنا یا کسی بیمار کو پڑھ کر پھونکنا۔

(۵) اذانِ جمعہ مینار سے دینا ممنوع قرار دیا جارہا ہے(پنجوقتہ اذان 1961 سے ہی ممنوع تھی) یہ حکم بروقت نافذ کیا جارہاہے۔

رئیس العلماء والمفتین حافظ حاجی سلیمان مورتائی

حکم نامہ کاعکس

اِس حکم نامہ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صورتِ حال کتنی بدتر ہوچکی تھی، اس حکم نامے سے قبل ہی اکثر مساجد اور مقبرے حکومت نے اپنی تحویل میں لیکر ان کو اپنے دفاتر کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔

1967 میں اس اعلان کے جاری ہونے کے وقت اسلام اور مسلمانوں کی آواز اتنی کمزور ہوچکی تھی کہ چند مساجد جواب تک تھیں ان میں صرف اذانِ جمعہ ہوتی تھی اور نماز جو صرف فرداً فرداً پڑھی جاتی تھی اس اعلان کے بعد یہ حق بھی چھین لیا گیا۔ غلطی سے کسی نے سلام کر دیا، یا چھینک آنے پر الحمدللہ کہہ دیا تو ایسے افراد کو سالہا سال قید میں ڈال دیا گیا۔ ملک میں ہر گھر میں ایک شخص دوسرے سے خائف تھا؛ کیونکہ ہر شخص جاسوسی کرتا تھا، حتی کہ میاں بیوی بھی ایک دوسرے سے مطمئن نہیں تھے۔ یہاں پر میں حافظ آفندی دیلیؒ کے وہ الفاظ نقل کرتا ہوں جو انھوں نے مسجد کی چابی چھینے جانے پر کہے تھے:

''وہ بہت مشکل وقت تھا جب حکومت کا نمائندہ میرے پاس آیا اور مسجد کی چابی میرے ہاتھ سے چھین لی، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے سر پر کسی نے ہتھوڑا مار دیا ہو اور مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا ہو؛ بلکہ میں نے محسوس کیا کہ اب میری موت ہوچکی ہے، اور اب مزید زندہ رہنے کی کوئی تمنا نہیں ہے''۔

رمضان میں سحری کے اوقات میں پولس محلوں میں چکر لگا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتی کہ کس گھر میں روشنی ہے؟ پھر صبح میں اس گھر کے افراد کو لوگوں کے درمیان جمع کر کے ان کا مذاق اڑایا جاتا، قدامت پرستی کا طعنہ دیا جاتا اور پھر خنزیر کے گوشت

سے روزہ توڑنے پر مجبور کیا جاتا، العیاذ باللہ!۔

جمیع ممنوع ماکولات ومشروبات کو حلال قرار دیا گیا کہ مذہب لوگوں میں تفریق پیدا کرتا ہے؛ اس لیے ہم نہ مسلم ہیں نہ عیسائی، ہم البانین ہیں، ہمارے جذبات ومفادات صرف ہمارے وطن سے وابستہ ہیں، ملک ہمارا مخدوم اور ہم اس کے خادم ہیں۔

اس نظریہ کی پاداش میں آج جبکہ کمیونزم ختم ہوگیا ہے اور لوگ اسلام کی طرف مائل ہورہے ہیں 50 سال سے بڑی عمر کے جو لوگ ہیں ان میں تقریباً 30 فیصد عیسائی لڑکیاں مسلمان گھرانوں میں اور اتنی ہی مسلمان لڑکیاں ان کے گھرانوں میں ہیں اور اب جبکہ لوگ دعوت الی اللہ کے نتیجے میں مشرف بہ اسلام ہورہے ہیں تو یہ ایک حل طلب مسئلہ ہے کہ اگر عورت مسلمان ہوجائے لیکن شوہر مسلمان نہ ہو اور اپنے آبائی دین (عیسائیت) پر باقی رہے تو کیا کریں؟ یہ لوگ سالہا سال ساتھ گزار چکے ہیں، ان کی اولاد بڑی ہوچکی ہے اور مسئلہ صرف ایک گھر کا نہیں؛ بلکہ ہر اس گھر کا ہے جس میں کوئی فرد مشرف بہ اسلام ہو اور حکومتِ وقت اس طرح کی نزاکتوں سے واقف نہیں ہے۔

ظلم وستم کی یہ داستان بہت طویل اور نہایت دردناک ہے، آج بھی ایسے بے شمار معمر حضرات موجود ہیں جن کے ساتھ یہ حالات پیش آئے، یہاں دو، تین واقعات نقل کرتا ہوں:

(ا) مفتی حافظ صبری کوچیؒ

یہ وہ صاحبِ عزیمت واستقامت شخصیت ہے جس نے مکمل 20 سال 4 ماہ

اور 8 دن سلاخوں کے پیچھے صرف اس لیے گزارے کہ وہ لا الہ اللہ کا قائل تھا۔ 4 جون 1966 کو جب انہیں بیڑیاں پہنائی گئی تو ان کی عمر 46 سال تھی اور 22 اکتوبر 1986 کو جب زندان سے رہا کیے گئے تو ان کی عمر 65 سال تھی۔ آپ جسمانی طور پر بوڑھے؛ لیکن روحانی اعتبار سے جوان ہو کر آئے تھے۔ زوجہ بوڑھی ہو چکی تھیں اور بچے باپ بن چکے تھے۔ قید خانہ میں موت کے علاوہ کوئی ظلم ایسا نہیں تھا جو ان پر نہ ڈھایا گیا ہو، نماز، روزہ پر شدید پابندی اور کڑی نظر ہونے کے باوجود آپ کی نہ کوئی نماز قضا ہوئی اور نہ روزہ؛ حالانکہ نماز کی ادائیگی کا پتہ چلنے پر سخت سزا دی جاتی تھی۔

1986 میں آزاد ہوتے ہی آپ نے خاموشی کے ساتھ کمیونزم کے خاتمہ کے لیے جدوجہد شروع کی، چنانچہ مزید ساڑھے تین سال کی جدوجہد کے بعد 16 نومبر 1990 کو وہ دن آ ہی گیا جس کے لیے سینکڑوں علما اور عوام کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا تھا اور اللہ رب العزت کا یہ اعلان:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝۸ (الصف) (یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا پھیلائے گا خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو) ملحدین کے لیے شکست کا باعث بنا۔

جمعہ کا دن تھا، حافظ صبری صاحبؒ نے SHKODER شہر کی 300 سالہ قدیم مسجد PELLUMBET میں صدائے اللہ اکبر بلند کی، 23 سال بعد پہلا موقع تھا جب اس ملک میں کھلے عام اذان ہوئی، لوگوں نے اذانِ جمعہ سنی تو ان کی

حیرت کی انتہا نہ تھی؛ گویا وہ خواب دیکھ رہے تھے، جب کچھ سنبھلنے کے بعد یقین ہوا تو سو الاکھ آبادی کا پورا شہر مرد و عورت، جوان و بوڑھے سب مسجد کی طرف دیوانہ وار دوڑ پڑے، آنکھوں میں آنسو اور دل جذبات سے معمور، مسجد تنگ ہوگئی، میدان اور راستے بھر گئے؛ لیکن آہ! کمیونزم کے ڈنسے ہوئے ان لوگوں میں سے کسی کو نہ شہادتین کا علم تھا اور نہ ہی نماز پڑھنا جانتے تھے، نہ وضو جانتے تھے، نہ ہی غسل، جو جس حالت میں تھا حاضر ہوگیا اور شاید مفتی صبریؒ اور ان کی عمر کے چند معمر حضرات کے علاوہ سب نے نماز بھی جس کو جس طرح سمجھ آئی پڑھ لی۔

یہ تو اس ملک پر کمیونزم کے ظلم و ستم کے چھائے ہوئے بادلوں کے کالے سایوں کا ایک آدھ نمونہ تھا؛ لیکن میں اس کے خاتمے کے دن پر پہنچ گیا؛ کیونکہ اختصار ملحوظ ہے اور حافظ صبری صاحبؒ کے بارے میں دوسری جگہ لکھنے کا موقع نہیں آئے گا؛ اس لیے ان سطور کو یہیں پر لکھنا ضروری بھی سمجھا۔

اسی دن جمعہ کے بعد حافظ صاحبؒ نے مسلم کمیونٹی کے احیاء کا اعلان کیا (اس کا مختصر تعارف آئندہ صفحات میں کروں گا، ان شاء اللہ!)

تنظیم مسلم ویلفیر کے ساتھیوں نے مفتیٔ البانیا حافظ صبری کوچی صاحب کو مئی 1999 میں برطانیہ کے مدارس و مساجد اور مراکزِ دینیہ کی زیارت کے لیے دعوت دی اور انھوں نے اس کو نہ صرف قبول کیا؛ بلکہ وہاں کئی مدارس و مساجد و مراکز میں خطاب بھی فرمایا۔

آپ بڑے جری اور بہادر تھے، 1991 میں آپ کے پاس قادیانیوں کا

ایک وفد آیا اور اپنے آپ کو مسلمان بتا کر برطانیہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی دعوت دی؛ چونکہ احوالِ زمانہ نے آپ تک قادیانیت کے متعلق معلومات نہیں پہنچنے دی تھی؛ اس لیے آپ نے دعوت قبول کر لی اور برطانیہ پہنچے، جب خطبۂ استقبالیہ میں غلام قادیانی کا تذکرہ سنا تو آپ نے محسوس کر لیا کہ میں غلط جگہ آ گیا ہوں، چنانچہ اسٹیج سے اسی وقت اٹھ کر اعلان کیا کہ میں آپ جیسا مسلمان نہیں ہوں، میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا اور اسی وقت البانیا لوٹ آئے۔

مسلم ویلفیر نے آپ ہی کے تعاون سے ہم تینوں (راقم، مولانا مقصود و مولانا سراج) کو البانیا میں قیام کے لیے دعوت دی۔ 18 جون 2004 ڈیڑھ سال علیل رہ کر آپ نے اس دارِ فانی کو خیر باد کہا اور دارِ آخرت کی راہ لی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ رب العزت آپ کی مغفرت فرمائے اور اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

(۲) ہمارے ایک نوجوان طالبِ علم (امام) حسین ایک دیہات (LINAJ) کی مسجد میں 3 دن کی جماعت لیکر گئے، 2009 کی بات ہے، عام طور پر دیہاتوں میں امام صرف جمعہ پڑھانے جاتے ہیں، پھر پورا ہفتہ مسجد بند رہتی ہے؛ لیکن خلافِ توقع یہاں امام صاحب جو معمر بھی تھے نہ صرف پنج وقتہ اذان و نماز قائم کرتے تھے؛ بلکہ اذان سے قبل گھر گھر جا کر لوگوں کو نماز کے لیے ترغیب بھی دیتے تھے۔

بھائی حسین کہتے ہیں: میں حیران ہوا اور میں نے بالآخر پوچھ ہی لیا کہ چچا جان کیا وجہ ہے کہ آپ دوسرے ائمہ سے مختلف ہیں؟

انھوں نے بتلایا کہ: کمیونزم کے دور میں ایک مرتبہ ہمارے علاقے کا حکومتی

نمائندہ ہمارے گاؤں آیا اور سب لوگوں کو جمع کر کے سوال کیا کہ: کیا آپ کو کوئی شکایت ہے؛ تا کہ ہم اس کو دور کریں؟ 3 بار اس نے یہ سوال دہرایا اور کہا کہ: ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی مشکلات حل کریں؛ لہٰذا کوئی شکایت ہو تو ضرور بتائیں۔

چنانچہ میں اپنے گھر سے BREAD لا کر بتایا کہ دیکھیے یہ کتنا سخت ہے، ہم اس کو کیسے چبائیں؟ یہ نہ میں کھا سکتا ہوں، نہ ہی میرا کتا اور روزانہ ہم بھوکے رہتے ہیں۔ اس نے کہا: بہت شکریہ! اور کسی کو شکایت ہے؟ لیکن کسی میں ہمت نہیں تھی، دوسرے دن رات کے اندھیرے میں پولس مجھے اپنے گھر سے لے گئی اور کہا کہ: تم نے حکومت کی روٹی کی ناشکری کی ہے اس کی پاداش میں 17 سال بامشقت قید کی سزا سنائی جاتی ہے۔ اس دن میں نے اپنے دل میں کہا:

یا اللہ! یہ BREAD میں نے اپنی محنت سے حاصل کردہ پیسوں سے خریدا ہے پھر بھی یہ کہتا ہے کہ حکومت کی روٹی کی ناشکری ہے، جبکہ یہ ہاتھ، پیر، خوب صورت آنکھیں، دل و دماغ، پورا جسم، اور بے شمار نعمتیں آپ نے مجھے مفت بلا مانگے عطا فرمائی ہیں اور میں انہی سے آپ کی نافرمانی بھی کرتا ہوں اور آپ مجھے کوئی سزا نہیں دیتے، آپ کتنے حلیم ہیں! پھر میں نے اللہ رب العزت سے وعدہ کیا کہ جس دن قید سے آزاد ہوں گا پھر کبھی نہ تو نماز چھوڑوں گا نہ ہی کوئی نافرمانی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے الحمد اللہ! کمیونزم کا خاتمہ کر دیا، بس یہ میری چلت پھرت اسی وعدہ کی وفا ہے، اللہ مجھے مرتے دم تک اس پر ثابت رکھے، آمین۔

(۳) دعوت وتبلیغ کے سرگرم ساتھی اور ہمارے دوست ناصر (ROBERT

XHULI) اپنی کلاس کا واقعہ سناتے ہیں کہ: اسکول میں ایک مرتبہ ہاتھوں پر کھڑے ہونے کی ورزش کرائی جا رہی تھی، اس دوران ایک طالب علم جسم کا بوجھ برداشت نہ کر سکا اور کلاس کی دیوار سے اس کے پاؤں لگ گئے، جہاں پاؤں لگے وہاں دیوار پر کمیونزم کے DICTATOR انور ہوجا کی تصویر لٹکائی تھی، اسی غیر اختیاری اور غیر ارادی توہین پر اس نوجوان کو 8 سال کی بامشقت قید کی سزا ہوئی۔

اس طرح کے واقعات بے شمار اور ہر زبان پر جاری اور اس کے بھگتنے والے موجود ہیں، آپ ان واقعات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کمیونزم ان کے لیے کتنی بڑی مصیبت تھی۔

دیہاتی کو تو گیہوں کی روٹی (BREAD) کھانے کی اجازت نہیں تھی، نہ وہ بغیر اجازت شہر جا سکتا تھا، ہر گھر کے لیے مہینے میں 5 لیٹر {KEROSENE}، ایک کلو گوشت اور ایک کلو شکر مقرر تھی، اس سے زائد خرید نہیں سکتا تھا۔ شادی و غمی کے موقع پر درخواست کرنے پر حکومت اپنی مرضی کے مطابق اجازت دیتی۔ اسی طرح ملک کے ہر باشندے پر خارجِ ملک سفر کرنے اور غیر ملکی زبان سیکھنے پر مکمل پابندی تھی اور غیر ملکیوں کو یہاں آنے سے قبل طویل تفتیش سے گزرنا پڑتا تھا، میں یہاں ایسے دو افراد کا ذکر کرتا ہوں جو اس دور میں یہاں آئے ہیں:

(۱) ڈاکٹر فقیر محمد جو 2003ء میں جماعت لے کر آئے تھے، ہماری ملاقات اور یہاں کے قیام سے بہت خوش ہوئے اور نوجوان دعوتی ساتھیوں کو دیکھ کر کئی مرتبہ آبدیدہ ہوگئے، ڈیوزبری مرکز کی شوریٰ کے رکن ہیں، انھوں نے بتایا کہ: 1978

میں وہ اوران کے 3 ساتھی بحری جہاز کے ذریعے یہاں آئے تھے،اس وقت ہم چاروں داڑھی نہیں رکھتے تھے، ٹائی کوٹ پہن کر آئے تھے، فضائلِ اعمال کو کوٹ کی جیب میں چھپا کر لائے تھے،ٹھنڈی کی بنا پر بڑا کوٹ تھا؛اس لیے پتہ نہ چلا، ہوٹل میں قیام کیا تھا تو کام کرنے والے سے سوال کیا کہ مسلمان ہو؟ تو اس نے کہا کہ: میں مسلمان تھا؛ لیکن اب تو دنیا سے مسلمان عیسائی ختم ہو گئے ہیں (مذہب ختم ہو گیا، سب کمیونسٹ ہو گئے ہیں) تو ہم نے اسے بتایا کہ ہم مسلمان ہیں اور پوری دنیا میں مسلمان موجود ہیں تو یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا، پھر ہم نے اس کو کلمۂ شہادت پڑھایا اور پھر فضائلِ اعمال بتائی تو اس نے اس کو بوسہ دیا، یہ پورا عمل کافی احتیاط سے ہوا۔

ایک دن ہم موقع پا کر TIRANA شہر کی تاریخی مسجد میں جو میوزیم بنا دی گئی تھی ایک گوشہ میں نماز پڑھنے لگے تو 3۔4 بندوق بردار سپاہی آ گئے اور چلاّ چلاّ کر ہمیں نماز توڑنے پر مجبور کیا اور کہا کہ: اگر تم اجنبی نہ ہوتے تو سخت سزا دیتے۔

(۲) اقبال بھائی آبووت: یہ سن 2009ء میں یہاں جماعت لے کر آئے تھے اور میری ان سے ملاقات ہوئی تو یہاں خدمت اور قیام کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ: ہم یہاں 1984 میں چار ساتھی پر مشتمل جماعت لے کر آئے تھے اور ساتھ میں صرف قرآن لائے تھے، ہم نے مشورہ میں یہ طے کیا تھا کہ جب قرآن کے متعلق سے سوال کیا جائے تو ہم بتائیں گے کہ اس کتاب میں ہمارے باپ دادا کے قصے ہیں اور جب تک ہم ان کو پڑھ نہیں لیتے رات کو سوتے نہیں ہیں؛ اس لیے ہم اس کو ہمیشہ ساتھ رکھتے ہیں؛ لیکن امیگریشن کے موقع پر ہمارے COUNTERS مختلف

آئے اور دو دو کو الگ الگ سوالات کیے گئے، ان میں سے دو ساتھیوں نے حسبِ مشورہ جواب دیا، جبکہ دو ساتھیوں نے کہا کہ: یہ اللہ رب العزت کی کتاب ہے اور ہم بطور مسلمان اس کی تلاوت ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ ان دونوں سے قرآن لے لیا گیا اور کہا گیا کہ ہمارے ملک میں کسی دینی کتاب کو لیکر داخلے کی اجازت نہیں، جبکہ پہلے دو ساتھی قرآن ساتھ لے کر داخل ہوئے۔

ان واقعات سے آپ اس نظام کی سختیوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

میں یہاں مختصر موجودہ نظام ہائے جہاں بانی لکھتا ہوں؛ تاکہ کمیونزم کی بربریت کا اندازہ ہو۔ اولاً اسلامی نظام پھر جمہوریت اور پھر کمیونزم کا تذکرہ کرتا ہوں؛ لأن الاشیاء تعرف باضدادھا (حقائق کو ان کی ضد سے پہچانا جاتا ہے)

(۱) اسلامی نظام

نظامِ اسلامی انسانوں کو اس بات پر قائل کرتا ہے کہ اللہ رب العزت اس کائنات کا خالق اور مالک ہے، وہی معبودِ حقیقی ہے، چونکہ وہی کائنات کا مالک ہے؛ لہٰذا اس پر حکم بھی اسی کا چلنا چاہیے اور خلیفۂ وقت اس حکم کو نافذ کرنے کا ذمہ دار ہے، انسان مال کمانے اور خرچ کرنے میں، اپنی زندگی کو گزارنے میں، غرض زندگی کے ہر مرحلے میں حکمِ الٰہی کا پابند ہے، وہ آزاد نہیں ہے، جو مال وہ حلال راستے سے کمائے گا وہ عارضی طور پر اس کا مالک ہے اور اس میں بھی اللہ رب العزت کا حق ہے جو وہ کتاب اللہ، اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں اللہ کے بندوں کو ادا کرے گا، اس نظام کے تحت رہنے والے دیگر مذاہب کے لوگوں کو اپنے دین پر عمل کرنے کی آزادی ہے، وہ اس

میں رکاوٹ نہیں ڈالتا البتہ انہیں دینِ حقیقی قبول کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

(۲) جمہوریت

یہ نظام اس فکر کا نتیجہ ہے کہ ملک لوگوں کا ہے؛ اس لیے اس پر حکومت کا حق بھی انہیں کا ہے، لوگوں کی اکثریت جس کو منتخب کرے وہ ان کا سربراہ ہوگا، ہر انسان اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہے، اسی طرح مال کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہے (اگرچہ نعرہ یہی ہے؛ لیکن اس میں بھی مختلف ٹیکس لگا کر لوگوں سے مال وصول کیا جاتا ہے) چناچہ آج کل امریکہ، برطانیہ، یورپی ممالک اور اکثر ایشیائی ممالک بشمول ہندوستان میں یہی نظام رائج ہے، اس کو سرمایہ دارانہ نظام بھی کہتے ہیں۔

(۳) اشتراکیت

یہ نظام اس فکر کا نتیجہ ہے کہ سب انسان برابر ہیں؛ لہٰذا سب کو مساوی زندگی گزارنے کا حق ہے، کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہیں ہے، سب چیزیں ملک کی ملکیت ہے اور ہر ایک کو بقدرِ ضرورت مال تقسیم کیا جائے گا، باقی سب ملک کے خزانے میں جمع کیا جائے گا، ملک مخدوم اور سب لوگ اس کے خادم ہیں۔ سب کو ملک کی ترقی کے لیے کام کرنا ہے۔ وزیرِ اعظم اور دیگر سرکاری عہدے داروں کی تنخواہوں میں زیادہ فرق نہیں ہوگا، ملک کے سربراہ کو صدر یا وزیرِ اعظم جیسے القاب نہیں دئے جائیں گے (یہاں البانیا میں سب دوست کہہ کر پکارتے تھے)

اس نظام کو سوشلزم کہتے ہیں اور چونکہ اس کی بنیاد ہی برابری پر ہے اس لیے مذاہب کا وجود اس کے مزاج کے منافی ہے؛ اس لیے اس نظام کو اپنانے والے اکثر

مما لک ہے کہ تھیوری آف ڈارون (THEORY OF DARWIN) نے بطورِ فکر وعقیدہ کمیونزم کو اپنایا جس کی فکر اس کائنات وکرۂ ارضی کا کوئی خالق نہیں ہے، اس کا وجود قانون ارتقاء کا نتیجہ ہے؛ لہٰذا نہ دین وایمان ہے، نہ شریعت۔

آخر الذکر دونوں نظاموں کو بغور سمجھنے سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں، پہلا اگر شخصی آزادی اور ملکیت کا کلی طور پر اعلان کرتا ہے تو دوسرا سرے سے ہی ملکیتِ شخصی کا منکر ہے، پھر کہاں گنجائش ہے کہ کوئی روپیہ جمع کرے اور کاروبار میں لگائے؛ لہٰذا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معیشت تباہ ہو جاتی ہے؛ اس لیے کہ انسان کو جو چیز اپنی انتہائی قوت و ذہانت کے ساتھ کام کرنے پر ابھارتی ہے وہ دراصل اس کا ذاتی مفاد ہے اور ملکیت کا شوق ہے، یہ فطرت اللہ رب العزت نے انسان کو ودیعت فرمائی ہے جس کو کوئی نظام و منطق اس کے دل ودماغ سے نہیں نکال سکتی۔

یہ تو مزدور یا کام کرنے والے خادم کی حالت ہے، جہاں تک مخدوم (ملک) کا معاملہ ہے تو وہ مزدور سے زیادہ سے زیادہ اور سخت سے سخت کام لینے میں دلچسپی رکھتا ہے؛ تاکہ اس کی معیشت ترقی کرے جس کے نتیجہ میں فرد کی جانب سے سستی اور ملک (سربراہِ مملکت) کی جانب سے کام لینے کے لیے مختلف حربے استعمال کیے جاتے ہیں، وہ بالکل ایک مشین کی طرح فرد سے خدمت لیتا ہے، اس کے پاس نہ ہمدردی ہے، نہ قدر واعتراف۔

اس مختصر تشریح سے آپ کسی حد تک اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اشتراکیت میں ظلم

کس حد تک پہنچ سکتا ہے اور پورے ملک اور سوسائٹی کے افراد ظلم تلے کیسے پستے چلے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام وہ ممالک جن میں سوشلزم تھا وہاں ظلم کی جتنی شکلیں ہو سکتی ہیں مختلف طریقوں سے سب آزمائی گئیں۔

البانیا بھی انہیں میں سے ایک تھا، اور ظلم و جبر کی جب انتہا ہوگئی تو 17 مارچ 1991 میں یہ ظالم نظام ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سو گیا۔ وتلک الایام نداولھا بین الناس (اور یہ دن باری باری ہم بدلتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان) اور فان مع العسر یسرا (بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے)۔

یہ بات واضح رہے کہ ہماری آمد سے بہت قبل 1993 ہی سے مسلم ویلفیر نے البانیا میں اپنا تعلیمی اور رفاہی کام شروع کیا تھا، ان کا سب سے پہلا سفر اگست 1993 میں ہوا تھا جس میں مسلم ویلفیر کے تین اراکین: مولانا رفیق صاحب صوفی، مولانا حسن سیدات صاحب اور مولانا شفیق عبدالرحمن صاحب نے تین ہفتے قیام کر کے ملک کا جائزہ لیا، اس کے بعد مولانا رفیق صوفی صاحب نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ آ کر چار مہینے کے لیے قیام کیا، پھر ان کے بعد مولانا شفیق صاحب نے تین مہینے گزارے، وہ اس دوران مختلف دیہاتوں میں جا کر لوگوں کو تبلیغِ دین کرتے، دینی تعلیم سے آراستہ کرتے اور ساتھ ہی مالی تعاون بھی کرتے رہے جس کی بنا پر البسان، ترانا اور پوگرادیس کے اکثر مسلمانوں کی ان حضرات سے اچھی خاصی واقفیت ہوگئی تھی اور اسی وقت سے مختلف رفاہی پروجیکٹ جاری تھے؛ اس لیے ویلفیر یہاں غیر معروف نہیں تھی۔

نوٹ: البانیا کی تاریخ اور کمیونزم کے حالات کے سلسلہ کی جو معلومات ہے وہ البانین زبان کی تاریخ کی دو کتابوں سے لی گئی ہے:

1)ISLAMI NE SHQIPERI GJATE SHEKUJVE

2)100 HOXHALLARET SHQIPERI

مسلم ویلفیئر کے رفاہی کاموں کی تفصیلات

اب آئندہ صفحات میں مسلم ویلفیر کے رفاہی اور دینی پروجیکٹس کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

(ا) قیامِ مکاتب: کمیونزم کے 50 سالہ دور میں یہاں سب کچھ ختم ہو چکا تھا، مکاتب ومدارس تو کیا مساجد تک کا تصور نہیں تھا؛ لہٰذا یہاں سب سے اہم کام مکاتب کے قیام کا تھا، ہماری آمد سے قبل ترانا کے کچھ دیہات اور البسان شہر اور اس کے کچھ دیہات اور پوگرادیس کے کچھ دیہات ہیں یہاں مقامی کچھ افراد کو مفتی غلام شبیر اور قاری شبیر فیصل آباد نے ایک چھوٹا سا دارالعلوم ELBASAN میں قائم کرکے امامت کورس پڑھا کر بطورِ مکتب مدرس مقرر کیا تھا۔

یہ سلسلہ ہماری آمد کے بعد مزید پھیلتا گیا اور اب ملک کے بیس اضلاع کے ساٹھ مقامات پر مکتب قائم ہیں جن سے ہر سال سینکڑوں بچے اور بچیاں شہادتین سے ابتدا کرکے دینِ حنیف سے واقف ہوکر اپنے گھر اور خاندان میں اللہ رب العزت کا دین پہنچانے کا کام کرتے ہیں، اب تک ہزاروں بچے بچیاں ان مکاتب سے مستفید ہوکر دینی زندگی گزارنے لگے ہیں اور اپنے گھروں اور خاندانوں کو دینِ حق کی روشنی

سے منور کر چکے ہیں۔

(۲) جیسے جیسے مکاتب کا کام پھیلتا جا رہا تھا اور ملک میں مختلف مقامات پر مساجد تعمیر ہوتی جارہی تھی ایسے ایسے مکاتب کے لیے معلمین کی اور مساجد کے لیے ائمہ کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی؛ چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے 2003ء نومبر میں (رمضان کے آخری عشرہ میں) تیرانا سے 2004 کلومیٹر دور LESKOVIC شہر مسلم ویلفیر کی تعمیر کردہ نئی مسجد میں ایک چھوٹے سے ادارے کا قیام عمل میں آیا، پھر یہ ادارہ منتقل ہو کر البسان ضلع کے ایک چھوٹے سے شہر BELSH کی ایک ویران مسجد کو آباد کر کے قائم کیا گیا، یہ واقعہ جولائی 2004ء کا ہے۔ طلبہ کی تعداد 10 تھی، طلبہ یہاں 3 سال قیام کے دوران ناظرہ سے ابتدا کر کے اخیر کے 4 پارے حفظ، دروس اللغۃ العربیہ کی 2 جلدیں عربی بول چال کی طرز پر اور الرحیق المختوم (نبیؐ کی سیرت) اور کچھ مختلف موضوعات پر دینی خطاب، فقہ میں طہارت سے لے کر نکاح تک کے مسائل اور تھوڑا بہت کمپیوٹر اور انگریزی سیکھ کر اس لائق ہو جاتے ہیں کہ وہ کسی مسجد کی امامت کرا سکے۔

اس نصاب کے لیے جو کتب درکار تھی وہ راقم الحروف نے مقامی ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خود تیار کی تھی۔ 2015 کے اخیر میں میرے قیام تک اس ادارے سے مستفید ہونے والے طلبہ کی تعداد 200 سے زائد تھی، ان میں سے بہت سے مسلم ویلفیر کے مکاتب میں تعلیم اور مقامی مساجد میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ فی الحال اس ادارے کی ذمہ داری مولانا سراج صاحب چونا اُودے پوری

سنبھال رہے ہیں۔

(۳) دینی کام کو پھیلانے ہی کی فکر میں ارادہ یہ ہوا (کیونکہ ترانا ملک کا پایۂ تخت ہے اور ملک کی 1/3 آبادی (تقریباً 10 لاکھ) یہیں پر آباد ہے) کہ دارِارقم نامی ایک ادارہ بڑے مکتب کی شکل میں قائم کیا جائے، اس کی ابتداء 10 طلبہ سے ہو کر 2015 میں میرے قیام تک 300 طلبہ سے تجاوز کر چکی تھی۔

یہاں سے مستفید ہونے والے سبھی طلبہ اور طالبات یتیم ہیں۔ ان کو مسلم ویلفیر کی طرف سے ہر ماہ 25 پاؤنڈ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ اور دورانِ سال مختلف مواقع پر ان کی دیگر ضروریات بھی پوری کی جاتی ہے۔

(۴) دارِارقم میں طلبہ کی تعداد کافی ہو چکی تھی اور جگہ تنگ محسوس ہونے لگی تھی لہٰذا پایۂ تخت تیرانا سے 10 کلومیٹر دور LAKNAS نامی قصبہ میں ریاض الجنۃ نامی ایک ادارہ کی تعمیر 2014 میں عمل میں آئی۔ اس قصبہ کے ایک طالب علم، معلم اور امام AMARILD DURRESI یہاں انتہائی حکمت سے جدوجہد اور کوشش کی جس کے نتیجہ میں آج سینکڑوں افراد اس قصبہ میں دینی زندگی گزار رہے ہیں۔

ریاض الجنۃ میں بھی طلبہ اور طالبات کی تعدار 200 سے متجاوز ہے۔ ان تمام اداروں کے مکمل اخراجات مسلم ویلفیر برداشت کرتی ہے۔

اس کے علاوہ دورانِ سال مختلف پروگرام کے ذریعہ لوگوں کا مالی تعاون کرنا مسلم ویلفیر کے اہم مقاصد میں شامل ہے۔ ان پروگراموں میں سے کچھ کا تذکرہ یہاں مختصراً کیا جاتا ہے:

(۱) قربانی پروجیکٹ

جیسا کہ معلوم ہے ملک میں شعائرِ اسلام مکمل طور پر مٹا دئے گئے تھے جن کے احیاء کی کوشش جاری ہے، ان میں سے ایک قربانی بھی ہے، مسلم ویلفیئر کے حضرات برطانیہ میں مختلف مساجد میں عید الاضحیٰ سے قبل البانیا میں قربانی کی سنت کے احیاء کی ضرورت کا اعلان کرتے ہیں، قربانی کا گوشت ملک کے دور دراز علاقوں میں تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو جمع کر کے قربانی کی اہمیت بھی بیان کی جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں اب ملک کے مختلف علاقوں میں البانین بھی قربانی کرنے لگے ہیں۔

(۲) افطاری پرجیکٹ

رمضان سے قبل روزہ کی فرضیت پر مختلف مساجد اور مکاتب میں لوگوں کو جمع کر کے روزہ کی اہمیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ضرورت مند گھرانوں میں سینکڑوں افراد تک کھانے پینے کی ضروری اشیاء ان تک پہنچائی جاتی ہے۔

(۳) حج پروجیکٹ

دیگر شعائر کی طرح فریضۂ حج بھی لوگوں کی زندگیوں سے نکل چکا تھا، اس کے احیاء کی کوشش کے طور پر مسلم ویلفیئر نے غریب معمر افراد کو 2008ء سے کبھی 2 جوڑے، کبھی 4 جوڑوں کو حسبِ استطاعت فریضۂ حج سے مشرف ہونے کے لیے بھیجنا شروع کیا ہے۔ چند مرتبہ راقم الحروف کو بھی ALBANIAN حجاج کی رہنمائی کے لیے ان کے ساتھ جانے کا شرف حاصل ہوا۔

اس کے علاوہ ضرورت مند غریب مسلمانوں کے گھروں کی اصلاح یا اس کی تعمیر یا ایسے مسلمان جن کے پاس معاش کے اسباب نہیں ہیں ان کو اسباب مہیا کرنا یا ملک کے دور دراز علاقوں میں جہاں ہسپتالوں کے پاس علاج و معالجہ کے اسباب نہیں ہے یا حکومتی اسکولوں کے پاس تعلیم و تعلم کے اسباب نہیں ہے، یا شدید برف باری کے موسم میں افراد یا اداروں کے پاس حفاظت کے اسباب نہیں ہے ایسے مواقع پر مسلم ویلفیئر مذکورہ اداروں اور مستحق افراد کی بھی پور مدد کرتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی انفرادی اور اجتماعی مواقع ہیں جہاں مسلم ویلفیئر لوگوں کی مالی امداد کرتی ہے، ان تمام پروگرام اور پروجیکٹس کو 2003 سے 2015 تک البانیا میں راقم الحروف نے سنبھالا ہے؛ لہٰذا آخر میں میری درخواست ہے کہ قارئین میں جو صاحبِ مال ہیں وہ مسلم ویلفیئر کا دل کھول کر تعاون کریں۔

یہ چند صفحات ہیں جو جلد بازی میں لکھے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہماری خدمات کو قبول فرمائے، ملک البانیا، پورا بلقان اور پوری دنیا میں دینِ اسلام کی روشنی کو عام فرمائے اور جو حضرات، اور ادارے جس لائن سے بھی دینی خدمات انجام دے رہے ہیں ان کی مکمل حفاظت فرمائے، ان میں اتحاد، اتفاق اور مزید ترقی عطا فرمائے اور غیب سے ان کی مدد فرمائے، آمین یارب العلمین۔

❁❁❁

شکریہ نامہ

از: مفتی محمد علی فلاحی دامت برکاتہم

خطیب: مسجد انیس الاسلام، واستاذ: جامعۃ العلم والھدیٰ، بلیک برن، یوکے

محترم جناب مولانا حنیف صاحب وارا کین مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عافیتِ طرفین مطلوب ہے۔ عرض ہے کہ 20 جون 2018ء کو مولانا حنیف صاحب کی قیادت میں بندہ نے مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ کے اراکین اور دیگر علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کی مصاحبت میں بلقان کے چار ممالک: مقدونیا، البانیا، مونٹی نیگرو اور بوسنیا کا سفر کیا، ماشاءاللہ! پورے سفر میں حسنِ تقدیر کا مشاہدہ ہوتا رہا، وللہ الحمد علی ذلک۔

بلاشبہ یہ سفر چشم کشا بھی تھا اور کئی اعتبار سے زندگی کے لیے سبق آموز بھی تھا۔

تقریباً 40 افراد پر مشتمل یہ قافلہ مولانا حنیف صاحب کی قیادت میں جس انداز میں سفر کرتا رہا وہ واقعتاً قابلِ رشک ہے اور اس پورے قافلہ کو جس حسن وخوبی کے ساتھ مولانا حنیف صاحب نے اپنی قیادت میں سفر کروایا وہ قابلِ صد ستائش ہے۔ مختلف مقامات پر فوری طور پر صحیح فیصلہ لینا اور قافلہ کو رواں دواں رکھنا یہ ایک ایسا ملکہ ہے جس سے باری تعالیٰ نے مولانا حنیف صاحب کو نوازا ہے اور آپ کی اس صلاحیت کو دادِ تحسین دئے بغیر ہماری زبان خاموش نہیں رہ سکتی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست	تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تقریباً 2 دہائیوں سے مسلسل سن رہا تھا کہ مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ البانیا میں دینی وملی خدمات انجام دے رہا ہے اوراس ملک میں جہاں اسلام کی روشنی مدھم پڑ چکی تھی اسے ازسرِ نومنور کرنے کی کوشش کرر ہا ہے۔

الحمد للہ! اس سفر کے دوران ان قابلِ رشک سرگرمیوں کو بچشمِ خود دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔مولانا مقصود صاحب، مولانا سراج صاحب اور دیگر معلمین و معلمات کی ماضی وحال کی خدمات اور مولانا نذیر صاحب کی ماضی کی خدمات کے احوال سن کر دل بہت مسرور ہوا۔

بلا شبہ مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے کی جانے والی یہ خدمات گراں قدر ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک ذخیرۂ آخرت ہے جس کوارا کین مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ اپنے لیے جمع کرر ہے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ تمام حضرات کی مساعیٔ جمیلہ کوشرفِ قبول بخشے۔

بلقان کا یہ سفر شروع ہوکر ختم بھی ہو گیا؛لیکن اس تاریخی سفر کی یادیں تادمِ آخر ہم سفر بن کرر ہے گی۔اس مبارک سفر نے میرے دل پر جونقوش چھوڑے ہیں اس کی ترجمانی کسی شاعر نے کچھ اس طرح کی ہے:

آنکھوں میں بس کے دل میں سما کر چلے گئے	خوابیدہ زندگی تھی جگا کر چلے گئے

اخیر میں آپ تمام حضرات کا میں تہِ دل سے ممنون ومشکور ہوں کہ آپ حضرات نے مجھے بلقان کا یہ سفر کروا کر ان ملکوں کو دیکھنے کا موقع فراہم فرمایا۔اللہ تبارک تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ آپ تمام حضرات کو اجرِ جزیل نصیب فرمائے اور

اخلاص واستقامت کے ساتھ دینی وملی خدمات انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین۔

دعا ہے میری رب سے خوش رہو تم	ملے نہ کوئی غم جہاں بھی رہو تم
سمندر کی طرح دل ہے گہرا تمہارا	خوشیوں سے بھرا رہے دامن تمہارا

منجانب:

(مفتی) محمد علی فلاحی عفی عنہ

خطیب مسجد انیس الاسلام وخادم جامعۃ العلم والھدیٰ، بلیک برن، یوکے

۲۰/شوال ۱۴۳۹ھ

۴/جولائی ۲۰۱۸ء

نورانی مکاتب کا تعارف

(۱) چھوٹے چھوٹے دیہات جہاں مسلمانوں کے چند ہی مکان ہوں، اور نماز، تعلیم کا کوئی نظام نہ ہو، وہاں نماز اور تعلیم کا نظم کرنا۔

(۲) شہروں کی کالونیوں اور جھونپڑوں میں بسنے والے غریب مسلمانوں میں اور ان کے بچوں میں دینی تعلیم اور نماز کا فکر کرنا۔

(۳) مرتد یا مرتد جیسے دن سے دور مسلمانوں میں دین اور ایمان بچانے کا فکر کرنا۔

(۴) جہاں بھی مکتب، مسجد یا عبادت خانہ نہیں ہے، وہاں اس کے قیام کا فکر کرنا۔

(۵) پہلے سے جاری مکاتب میں تعلیم اور تربیت کی ترقی کے لئے کوشش کرنا۔

(۶) مکتب کے معلمین کی تربیت کے لئے قیام طعام کے ساتھ نظم ہے۔

(۷) انوکھا آسان، عام فہم تعلیم و تربیت کا طریقہ دیکھنے اور سمجھنے اور رائج کرنے کے قابل، امت کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

(۸) یتامیٰ، بیوہ کی خدمت۔

اس وقت اکابر کے مشورہ سے گجرات بھر میں یہ خدمات کا سلسلہ جاری ہے، آپ بھی اس مبارک سلسلہ میں شامل ہو سکتے ہیں، مزید تفاصیل ہماری ویب سائٹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

www.nooranimakatib.com